نقشہء تخلیق

ہارون یحییٰ

مصنف کے بارے میں چند باتیں

ہارون یحییٰ کا اصل نام عدنا ن اوکٹرہے - وہ ۱۹۵۶میں انقرہ میں پیدا ہوئے اور پرائمری اور سیکنڈری تعلیم یہیں پائی- انھوں نے فنون لطیفہ استنبول کی میماریونیورسٹی سے اور فلسفہ استنبول یونیورسٹی سے پڑھا- ۱۹۸۰سے لے کراب تک انھوں نے سیاسی، سائنسی اور دینی مسائل پر لاتعداد کتابیں لکھیں ہیں- انھوں نے سب سے اہم کام نظر ےہ ا رتقاءانواع کے پیروکاروں کے جھوٹے دعووں کوبے نقاب کرنے کا کیاہے- اس نظریے کی وجہ سے پیدا ہونے والی فسطا نیت یا فاشزم اور اشتراکیت ہارون یحییٰ کے خاص مو ضوع ہیں- ان کی کتابیں اب تک ۵۷ مختلف زبانوں میں متجرم ہوچکی ہیںاور ان کی صفحوں کی کل تعداد ۴۵ہزار سے زائد اور تصاویر کی تعداد ۳۰ ہزار سے زائد ہے-

حضور کی مہراستعمال کرنا اس بات کی علامت ہے کہ جس طرح سرورکائنات عادات ، اطوار،سوچ اور علم وفہم میں یکتااور مکمل تھے اس طرح ہارون یحییٰ کی کتا بیں ڈارون کے نظریے کے شرکو روئے زمین سے ختم کر نے میں یکتا اور مکمل رہیں- ان کی ساری کتابوں کا بنیادی مقصد اللہ کی ذات کی واحدا نیت کا ثبوت بے علم اور بے دین لوگوں کے دلوں میں پہنچا نا ہے- ان کی کتابیں پڑھنے والے کی سوچ کو اللہ کی ذات پاک کے قائم اور موجودہونے اور آخرت اور دین کے بارے میں قیاس اور تدبّر کرنے پر مجبور کرتی ہیں- ڈارو ن کے نظریہءتدریجی ترقی یا نظریہ ارتقاءکے بے بنیاد فتنے کا پردہ چاک کرکے وہ ان تمام عقائد کا دلائل کے ساتھ نفی کردیتی ہیں جو اللہ کے ایک ہونے اور روزقیامت سے منکرہیں-

بسم الله الرحمن الرحيم
الله
رسول
محمد

پڑھنے والوں کے لئے

اس کتاب میں ایک پورا باب نظریہ ارتقاءکے لئے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ وہ احد نظریہ ہے جو دنیا کے سارے غیر روحانی فلسفوں کی بنیاد ہے - چونکہ ڈارون کا نظریہ ارتقاءتخلیق کی نفی کرتا ہے اسی لئے یہ دراصل اللہ کی موجودگی کی نفی کرتا ہے-کم وبیش ۱۵۰ سال سے جب سے یہ نظریہ وجود میں آیا ہے اس نے لاتعداد لوگوں کو ان کے دینی عقائد سے بے بہرہ کردیاہے - جو مکمل بے بہرہ نہیں وہ شک و شبہ کا شکار ضرور ہیں- اسی وجہ سے اس نظریہ کی حقیقت کو بے نقاب کرنا لازمی ہی نہیں بلکہ انسانیت کو بچانے کا واحد طریقہ بھی ہے - چونکہ کچھ لوگ شاید اس مصنف کی صرف ایک ہی کتاب پڑھیں اسلئے ہارون یحییٰ کی ہر کتاب میں ارتقاءانواع کے موضوع پر ایک باب مخصوص کیا جاتا ہے-

مصنف نے سارے دینی مسائل قران کی آیات کی روشنی میں بیان کئے ہیں-پڑ ھنے والوں سے مصنف کی خاص التجا ہے کہ اللہ کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کو اپنا شعار بنائیں-ہر مسئلہ قران کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن میں اس کی سچائی اور صداقت کے بارے میں کوئی شبہ اور سوال باقی نہ رہے-کتابوں کو لکھنے کا انداز سادہ رکھا گیا ہے تاکہ کسی بھی عمر اور سماجی پس منظر سے تعلق رکھنے والا شخص ان کو آرام سے پڑھ اور سمجھ سکے-

ہارون یحییٰ کی اکثر کتابیں ایک ہی نشست میں پڑھی جاسکتی ہیں -دین کے بارے میں وسیع معلومات رکھنے والے حضرات کے لئے بھی ان کتابوں میں حکمت اور جدتِ سوچ کے پہلو نکلتے ہیں- یہ کتابیں نہ صرف اکیلے پڑھی جا سکتی ہیں بلکہ ان پر اجتماعی طور پر بھی بیٹھ کر تبادلہ خیال کیا جاسکتا ہے- اجتماعی طور پران کتابوںکے موضوعات پر تبصرہ ان کو سمجھنے میں زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے- ہر فائدے سے بڑھ کر یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کتابوں کو سمجھنا اور اس میں موجود تحقیقات کو دوسروں تک پہنچانا ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے جو کہ ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے - یہ وہ دعوت کا کام ہے جس کی بنیادوں پر ہمارا دین نہ صرف پوری دنیا میں پھیلا بلکہ آج تک ایک قلعہ کی طرح معمور ہے-

امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد پڑھنے والے آخر میں دئے گئے دوسری کتابوں کے جائزے بھی پڑھیں گے-دوسری بہت سے کتابوں کی طرح آپ کو اس کتاب میں مصنف کے ذاتی خیالات و نظریات نہیں ملیں گے جو کہ اکثر تصانیف کی ساکھ کو کھو کلا کر دیتے ہیں- نہ ہی اس کتاب میں یاس پسند بحث و مباحثہ پایا جاتا ہے جو پڑھنے والے کے ذہن کو مثبت سوچ کی طرف لے جانے کی بجائے منفی خیالات میں ڈال دیتا ہے-اللہ تعالی ہماری تمام دینی کا وشوں کو قبول فرمائے اور دنیا میں مسلمانوں کو کامیابی عطا کرے-آمین

ہارون یحییٰ

GLOBAL

PUBLISHING

Talatpaşa Mah. Emirgazi Caddesi

İbrahim Elmas İşmerkezi

A Blok Kat 4 Okmeydanı - İstanbul

Tel: (+90 212) 222 00 88

نقشہء تخلیق

ہارون یحییٰ

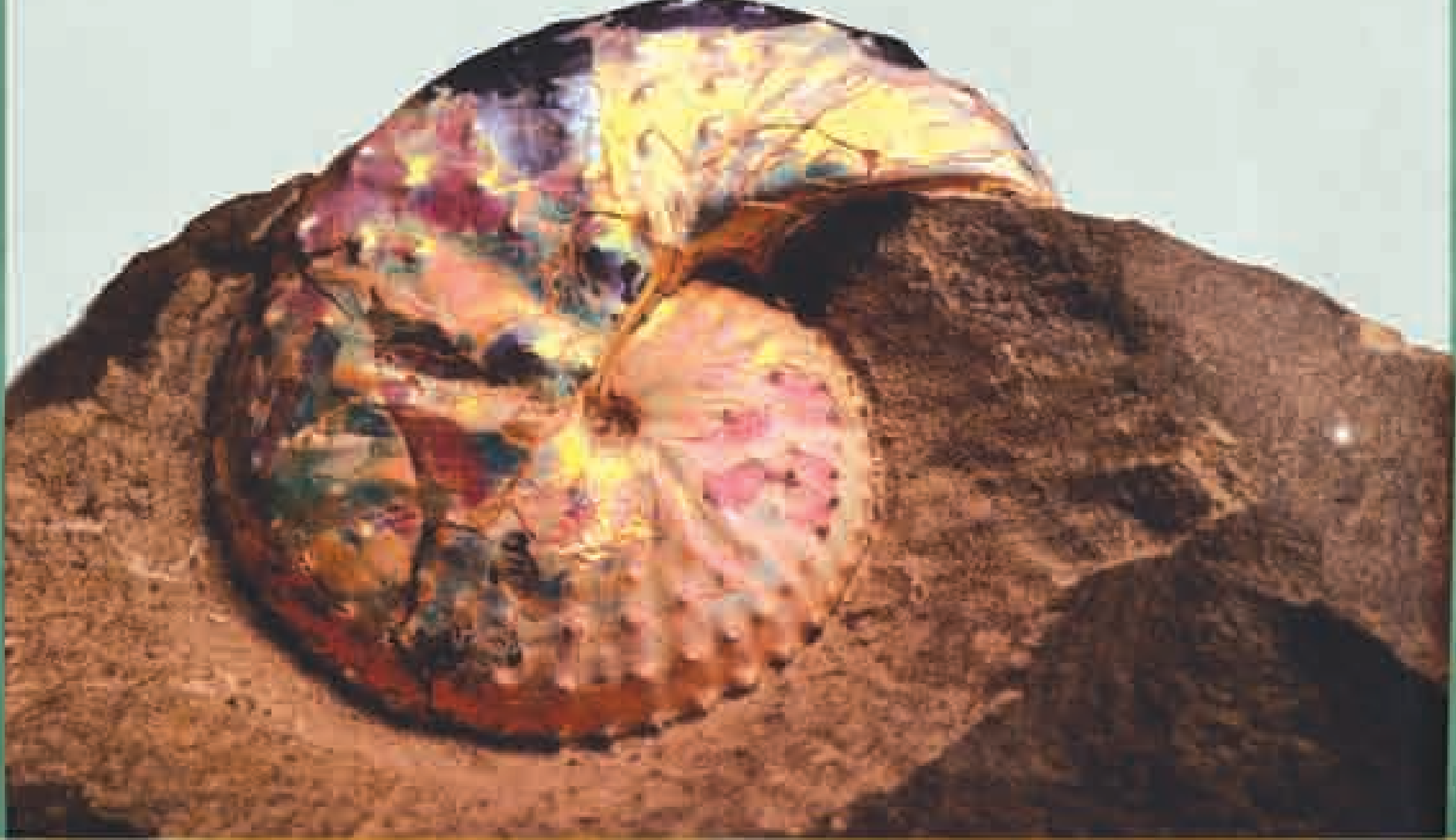

اللہ اور اس کی کتاب کی حکمت کا نہ کوئی ثانی تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا اور ہارون یحیٰی ہر بشر کو اس سچے اور سیدھے راستے پر لانے کے متمنی ہیں- ان کی کتابوں پر کوئی منافع نہیں کمایاجاتا- وہ تمام لوگ جو یہ کتابیں پڑھ رہے ہیں‌اور ان کے حقائق دوسروں تک پہنچارہے ہیں وہ دین کی بیش قیمت خدمت کررہے ہیں- دور حاضر فتنوں کا دور ہے- اس وقت میں ایسی کتابیں پڑھناجو ہمارے دین کو کمزور اور ہمارے دل اور دماغ کو اللہ سے دور کردیں وہ ہمارے وقت اور زندگی کے زیاں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتیں -ایسی تصانیف صرف انسانی ذہن اور سوچ کو بھٹکانے کا کام کرسکتی ہیں اور انسان کے دل کو واحدانیت اور آخرت کے یقین سے بے بہرہ کردیتی ہیں-

ہارون یحیٰی کی کتابوں کا موضوع واضع طور پر قرآن کی تعلیم اور اللہ کے بنائے ہو ئے قانون اور روابط کو ہر دل میں پہنچانا ہے- ان کی کتابوں کی دنیا بھر میں بے پناہ مقبولیت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں‌کو نہ صرف ایسی مدلل رہنمائی کی ضرورت ہے بلکہ ان کے ذہن اور دل بے بنیاد اور بے دین تحریکوں کے بوجھ سے تھک چکے ہیں- موجودہ دور میں جوظلم وستم لڑائی اور دوسری افات اور فتنے نظرآرہے ہیں ان کی بنیادی وجہ صرف اور صرف دین سے دوری ہے- ان تمام مشکلات کا خاتمہ اللہ پر ایمان لانے سے ہی ممکن ہے اور یہ ایمان اس وقت تک مکمل اور خالص نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ شیطانی عناصر سے محفوظ نہ ہو جائے - ہم ان عناصر کو اس وقت تک شکست نہیں دے سکتے جب تک کہ ہم ان کے بارے میں جان نہ لیں اور ان کو مکمل طور پر رد نہ کردیں- دشمن کو اس وقت تک ہر ایا نہیں جاسکتا جب تک کہ اس کے داؤ پیچ کی سمجھ نہیں آجاتی -ڈارون کا نظریہ ءارتقاءبھی ایسا ہی ایک دشمن ہے جو لاکھوں لوگوں کی سوچ ، دل اور ایمان پر پنجے گاڑے بیٹھا ہے-

ہارون یحییٰ اور ان ہی کی طرح کے اور مصنف اسی لئے ان موضوعات کو خاص طور پر اپنے قلم سے شکست دینا چاہتے ہیں کیونکہ اس وقت ان کتابوں کی اشد ضرورت ہے- بیماریاں جس قدر تیزی سے بڑھتی ہیں اتنی ہی تیز رفتاری سے ان کا علاج ضروری ہے- اگر بر وقت علاج نہ ہو تو خاتمہ یقینی ہے-نظریہ ارتقاءاور اس جیسے اور نظریے دراصل انسانی روح سے منسلک بیماریاں ہیں جو انسانیت کی روح کو فنا کرنے پر تلی ہوئی ہیں-

انشاءاللہ اس کتاب اور اس جیسی دوسری کتابوں کے ذریعے اکیسویں صدی کے لوگ اُس امن،انصاف اور قلبی سکون کو پالیں گے جس کا قران میں اللہ تعالیٰ نے عالم بشر سے وعدہ کیا ہے-

مصنف کے بارے میں چند باتیں

ہارون یحییٰ کا اصل نام عدنا ن اوکٹرہے - وہ ۱۹۵۶میں انقرہ میں پیدا ہوئے اور پرائمری اور سیکنڈری تعلیم یہیں پائی- انھوں نے فنون لطیفہ استنبول کی میماریونیورسٹی سے اور فلسفہ استنبول یونیورسٹی سے پڑھا- ۱۹۸۰سے لے کراب تک انھوں نے سیاسی، سائنسی اور دینی مسائل پر لاتعداد کتابیں لکھیں ہیں- انھوں نے سب سے اہم کام نظر یہ ا رتقاءانواع کے پیروکاروں کے جھوٹے دعووں کوبے نقاب کرنے کا کیاہے- اس نظریے کی وجہ سے پیدا ہونے والی فسطا نیت یا فاشزم اور اشتراکیت ہارون یحییٰ کے خاص مو ضوع ہیں- ان کی کتابیں اب تک ۵۷ مختلف زبانوں میں متجرم ہوچکی ہیں‌اور ان کی صفحوں کی کل تعداد ۴۵ہزار سے زائد اور تصاویر کی تعداد ۳۰ ہزار سے زائد ہے-

ہارون یحییٰ نے یہ قلمی نام پیغمبر ہارون علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے ناموں کا مرکب بناکر رکھاہے کیونکہ ان پیغمبروں کی خاص جنگ ان کی اقوام کی بے دینی سے تھی-ان کی چھپنے والی ہر کتاب جلد پر ہمارے پیارے نبی حضورصلی علیہ وسلم کی خاص مہر ہو تی ہے جس کا مقصد مصنف کا اسلام سے والہانہ لگاؤ کا اظہار ہے- اللہ اور قرآن کی رہنمائی میں انھوں نے ڈارو ن کے نظریہ ارتقاءکے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے اور ڈارون اور اس کے پیرو کاروں کے ہر دعوے کو جھوٹا قراردینے اور اس فتنے کا خاتمہ کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے جو لوگوں کو جوق درجوق بے دین کررہاہے-

حضور کی مہراستعمال کرنا اس بات کی علامت ہے کہ جس طرح سرورکائنات عادات ، اطوار،سوچ اور علم وفہم میں یکتااور مکمل تھے اس طرح ہارون یحییٰ کی کتا بیں ڈارون کے نظریے کے شرکو روئے زمین سے ختم کر نے میں یکتا اور مکمل رہیں- ان کی ساری کتابوں کا بنیادی مقصد اللہ کی ذات کی واحدا نیت کا ثبوت بے علم اور بے دین لوگوں کے دلوں میں پہنچا نا ہے- ان کی کتابیں پڑھنے والے کی سوچ کو اللہ کی ذات پاک کے قائم اور موجودہونے اور آخرت اور دین کے بارے میں قیاس اور تدبّر کرنے پر مجبور کرتی ہیں- ڈارو ن کے نظریہءتدریجی ترقی یا نظریہ ارتقاءکے بے بنیاد فتنے کا پردہ چاک کرکے وہ ان تمام عقائد کا دلائل کے ساتھ نفی کردیتی ہیں جو اللہ کے ایک ہونے اور روزقیامت سے منکرہیں-

ہارون یحییٰ کی کتابیں انڈیا سے لے کر امریکہ ، انگلستان، انڈونیشیا،پولینڈ، بوسنیا، ہسپانیہ، برازیل، ملائشیا، اٹلی، فرانس ، بلگاریہ ،روس اور دیگر ممالک میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں- ان کی کتابوں کا ترجمہ انگریزی فرانسیسی، جرمن، ہسپانوی ، اٹالوی، پرتگالی ،اردو، عربی، البانی، چینی، سواہیلی ہوسہ، دیلویلی(جوکہ موریتانیہ میں بولی جاتی ہے) روسی، بوزنین، پولش ،ملائے،ترکی، انڈونیشین،بنگالی، ڈینش اور سوئڈ ش زبانوں میں کیا جاچکاہے-

ان کی کتابوں کے ذریعے لاتعداد لوگ دینی فلاح اور سیدھا راستہ پارہے ہیں - دین کے بارے میں علم، سوچ اور قیاس کے بغیر االلہ کاقرب نا ممکن ہے-نظریہ ارتقاءایک بودی اور شیطان صفت تحریک کے علاوہ کچھ بھی نہیں جس کا مقصد محض انسانی ذہن کو اللہ کی وحدانیت کے بارے میں شکوشبہ کا شکاررکھناہے - ہارون یحیٰی کی تصانیف جہاں ان فتنوں کو بے نقاب کرنا شروع کرتی ہیں وہیں سے انسان اور اللہ کے درمیان فاصلہ کم ہو نا شروع ہوجاتاہے- ان کی کتابیں نظریوں پر نہیں بلکہ ان سچائیوں پر مبنی ہیں جن کو دنیاکا کوئی بھی پڑھا لکھاشخص غلط قرار نہیں دے سکتا- اگر کوئی پھر بھی ان دلائل پر یقین نہ کرے اور اللہ کی ذات پاک کو جھٹلائے تو وہ محض ضد اور جزباتیت کے تحت ایسا کررہاہو گاکیونکہ عقل اور دماغ ان دلائل کو جھٹلانہیں سکتے-دور جدید کی ساری جھوٹی تحریکیں جو کہ صرف اور صرف انسان کو اللہ اور اسلام کی طرف سے بہکانے کے لیے ایجاد کی گئی ہیں‌ان کے اوپر سے ہارون یحیٰی نے بخوبی تمام پردے اٹھادئے ہیں-

نقشۂ تخلیق

ہارون یحییٰ

چین،آسٹریلیا اور نیوز ی لینڈ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

چین سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے........................ ۵۰۴
آسٹریلیا سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے........................ ۵۶۰
نیوزی لینڈ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے........................ ۵۶۱

کوپھڑیوں کے فوصل

کوپھڑیوں کے فوصل سے نظریۂ ڈارون تک........................ ۵۶۸

اختتام........................ ۶۰۲

تعلیقہ

نظریۂ ارتقاءکی شکستگی........................ ۶۰۶
دہشت گردی کی اصل فکریاتی جڑ: نظریۂ ڈارون اور مادّیت........................ ۶۰۸
تعارف: نظریۂ ارتقاءکیوں؟........................ ۶۱۸
پیش لفظ: ارتقائی دھوکے کا یقین : ہمارے دور کا افسوسناک معجزہ........................ ۶۲۰
پہلا باب تعصب سے آزادی........................ ۶۲۲
دوسرا باب نظریۂ ارتقاءکی مختصر تاریخ........................ ۶۲۶
تےسرا باب ارتقاءکے خیالی طریقۂ عمل........................ ۶۳۴
چوتھا باب فوصلی ریکارڈ ارتقاءکی تردید کرتا ہے........................ ۶۳۹
پانچواں باب پانی سے زمین پر منتقلی کی کہانی........................ ۶۴۴
چھٹا باب چڑیوں اور ممالیہ حیوانات کا تصوراتی ارتقائ........................ ۶۴۸
ساتواں باب ارتقاءپسندوں کی متعصب اور پر فریب فوصلی تشریح........................ ۶۵۸
آٹھواں باب ارتقاءکی جعل سازیاں........................ ۶۶۰
نواں باب: انسانی ارتقاءکا منظر نامہ........................ ۶۶۳
دسواں باب ارتقاءکا سالمی تعطل........................ ۶۸۳
گیارھواں باب نقشے اور خاکے اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتے........................ ۷۱۲
بارھواں باب: ارتقاءپسندوں کے دعوے ناقص کیوں ہیں؟........................ ۷۲۰
تیرھواں باب: نظریۂ ارتقائ: ایک مادی جواب دہی........................ ۷۳۳
چودھواں باب: ذرائع ابلاغ: نظریۂ ارتقاءکے لئے آکسیجن کا خیمہ........................ ۷۳۹
پندرھواں بابتصفیہ: ارتقاءایک زبردست دھوکہ........................ ۷۴۲
سولھواں باب تخلیق کی سچائی........................ ۷۴۷
سترہواں باب مادے سے بھی آگے کا راز........................ ۷۶۱
اٹھارھواں باب وقت کی اضافیت اور تقدیر کی اصلیت........................ ۷۸۳

کتاب کی آخر کی فہرست

تعارف..........۱۰
فوصل کیا ہوتے ہیں؟..........۱۲
جنوبی اور شمالی امریکہ میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۴۰
ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۴۲
کینیڈا میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۱۸۰
ڈومینیکی ریاست سے ملنے والے فوصلی نمونے..........۲۱۶
جنوبی امریکہ کے ملک برازیل میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۳۰۶
جنوبی امریکہ کے ملک پیرو میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۲۶
جنوبی امریکہ کے ملک آرجنٹینا میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۳۴
جنوبی امریکہ کے ملک چلی میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۳۵

براعظم یورپ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

جرمنی میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۴۸
اسپین (ہسپانیہ) میں ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۷۶
جمہوریہ چیک سے ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۷۷
اٹلی سے ملنے والے فوصلی نمونے..........۳۸۲
برطانیہ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۳۹۴
روس سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۴۱۲
پولینڈ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۴۱۳

افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

مراقش سے دریافت ہونے والے فوصلی..........۴۴۰
لبنان سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۴۶۰
ماڈاگاسکر سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے..........۴۸۴

ہمیشہ کے لئے سچے ثابت ہوجائیں اور یہ نظریہ ہمیشہ کے لئے پتھر پر لکیر ہوجائے۔

لیکن ان کی ہزار با امید کے مترادف آنے والے سالوں میں جیسے جیسے سائنس ترقی کرتی گئی ان کی ہر کاوش نظریہ ارتقاءکو سچ اور مستند ثابت کرنے کی بجائے غلط ثابت کرتی گئی۔ سائنس کی یہ تمام شاخیں اس نظریہ کی تحقیق سے منسلک ہیں خرد حیاتیات ، علم ریاضیات، حیاتیات، علم حیاتی کیمیائ، جینَیات، علم تشریح الابدن، فَعلیات، علم البشر اور علم معدوَم حیوانات و نباتات اور ان سَب نے لا تعدادَ ثبوت پیش کرنے شروع کردیئے کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاءایک انسانی ذہن کی پیداوار کے علاوہ کچھ اور ہوہی نہیں سکتا۔

ایک۱۲۵ لاکھ سال پرانی چھپکلی کی طرح کی بربحری دم دار مخلوق اور اس کی دورِ حاضر کی ساتھی۔

فوصل یا قدیم پنجروں کا جو ریکارڈ اب تک ملا ہے وہ اس جھوٹ کے خلاف سب سے وزنی ثبوت ہے اور اس نظریہ کی دھجیاں اڑانے کے لئے کافی ہے۔ فوصلوں سے ثابت ہوا ہے کہ دنیا میں جاندار کسی بھی طبیعاتی اور کیمیائی تبدیلی کے بغیر لاکھوں سالوں سے رہتے چلے آرہے ہیں اور ڈارون کے نظریے کے مطابق وہ کبھی ایک چیز سے دوسری چیز نہیں بنے بلکہ ہمیشہ سے اپنی اصلیت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ چاہے وہ پھول پتے ہوں یا جانور وہ لاکھوں سال سے اپنی اصل حالت میں موجود ہیں ۔

آسان الفاظ میں یہ کہنا مناسب ہے کہ یہ جاندار کبھی بھی تدریجی ترقی یا ارتقاءکے عمل سے نہیں گزرے۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے جانور بھی ہیں جو اب کرہ ارض سے معدوم ہوچکے ہیں لیکن جس وقت وہ حیات تھے وہ اپنی بہترین اور مکمل حالت میں حیات تھے اور اسی حالت میں معدوم ہوگئے۔ یہ تمام سائنسی ثبوت بغیر کسی شک کی گنجائش کے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں کسی خواب و خیالی نظریے کے مطابق اچانک وجود میں نہیں آئیں بلکہ ایک زبردست طاقت کی مرضی سے تخلیق کی گئی ہیں۔ کسی بھی جاندار کی زندگی کے بارے میں پائے جانے والے سارے ثبوت جو اس دنیا میں ملتے ہیں وہ اس کے ہر طور سے بہترین ، مکمل اور بے عیب ہونے کا نشان دیتے ہیں۔

اس کتاب کا مقصد فوصلوں کے بارے میں تفصیلی معلومات مہیا کرنا ہے کہ یہ کیا ہوتے ہیں ،کیسے بنتے ہیں اور دنیا کے کن کن علاقوں سے دریافت ہوئے ہیں۔ تمام شواہد کے جائزے کے بعد انسانی عقل اس بات کا اعتراف کرنے کے لئے مجبور ہوجاتی ہے ہم لوگ کسی خلیہ کے ارتقاءسے وجود میں نہیں آئے بلکہ ہمیں انسان ہونے کے مقصد سے ہی تخلیق کیا گیا ہے۔ جن فوصلوں کا ذکر اور تصاویر اس کتاب میں ہیں وہ دنیا میں اب تک ملنے والے کروڑوں فوصلوں میں سے چند ہیں۔ فوصل بہت واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاءایک مذاق اور سائنس کی تاریخ کا عظیم ترین دھوکہ ہے۔

سرخس کے پودوں نے لاکھوں سال سے اپنی ساخت کو محفوظ رکھا ہے۔ سرخس کے پودے جو تقریباً ۳۰۰ لاکھ سال سے ایک ہی شکل میں موجود ہیں اس ثبوت کا حصہ ہیں جو کہ نظریہ ارتقاءکی تردید کرتا ہے۔

تعارف

چارلس ڈارون

کوئی ۱۵۰ سال پہلے برطانوی مطالعہ قدرت کا ماہر چارلس ڈارون نے دنیا بھر میں اپنے سفر کے اوپر مبنی ایک نظریہ پیش کیا جوکہ کسی بھی طرح کی سائنسی تحقیق سے مبرا تھا- ڈارون کے اس نظریہ کو اس کا خالص ذاتی نظریہ کہا جاسکتا ہے جوکہ فقط اس کے اپنے ذہن اور احساسات کی پیداوار تھا-

شروعات زندگی کے موضوع پر اس نظریہ کے مطابق ساری بے جان چیزیں اتفاق سے وجود میں آئیں اور اسی طرح پہلا جاندار خلیہ بھی وجود میں آیا - ظاہر ہے کہ یہ نظریہ بے انتہا بے بنیاد تھا کیونکہ یہ کسی بھی طرح کی تحقیق ، تجربے اورٹھوس ثبوت سے عاری تھا- اس نظریہ نے مزید طول پکڑا کہ یہ ایک خلیہ ضرب ہوتے ہوتے محض اتفاقاً دنیا کی پہلی جاندار نسل خرد حیویہ میں تبدیل ہوگیا - دوسرے الفاظ میں وہ ایک خلیہ تدریجی ترقی کے تحت خرد حیویہ میں تبدیل ہوگیا- اس نظریہ تدریجی ترقی یا نظریہ ارتقاءانواع کے مطابق زمین پر جراثیم سے لے کر انسانوں تک ہر جانداراسی طرح وجود میں آیا-

ڈارون کے اس نظریہ کا بغیر کسی سائنسی تحقیق اور تجربہ کے طول پکڑنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جس وقت ڈارون نے یہ نظریہ دنیا کے آگے پیش کیا اس وقت سائنس نے اتنی ترقی کی ہی نہیں تھی جس کے ذریعے اس نظریے کی تردید ممکن ہوتی- اس وجہ سے یہ نظریہ دنیا میں آگ کی طرح پھیلتا چلاگیا اور لوگوں میں مقبولیت اختیار کرتا گیا- خاص طور پر ان دائروں میں جہاں دین اور ایمان کا فقدان تھا اور لوگ ایسے نظریوں سے فوراً متفق ہوجاتے تھے- ایسے نظر یے تن آسانی کا بھی کام کرتے تھے کیونکہ ان پر یقین کرنے سے لوگوں کی جانیں دین اور اس کے لاگو کئے گئے اصولوں سے چھوٹ جاتی تھی-

ڈارون جس واحد عدسے کی خوردبین استعمال کرتا تھا اس سے اس زمانے کی محدود اور غیر ترقی یافتہ سائنسی تکنیک کا اندازہ کیا جاسکتا ہے-

یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ اس نظریے کی بنیاد کسی حد تک مادہ پرستی بھی تھی کیونکہ اس نظریے کے سب سے بڑے حمایتی مادہ پرست ہی تھے- مادہ پرست کسی بھی خدا کے وجود سے انکاری ہوتے ہیں- اسی لئے یہ نظریہ ان کے لئے دراصل خوشی اور سکون کی نوید تھا- دنیا کے سامنے اس نظریے کی سچائی بیان کرنے کی خاطر انہوں نے یہاں تک کہ دیا کہ یہ نظریہ ڈارون کا ذاتی نظریہ نہیں بلکہ اس نظریے کا سائنسی ثبوت بھی دنیا میں موجود ہے اور اس نام نہاد ثبوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہ لوگ اپنی تجربہ گاہوں میں پوری طرح جت گئے- نقلی سائنسی ماحول بنائے گئے اور ہر طرح کی کوشش کی گئی کہ اس نظریے سے متعلق ایک ایسا مکمل نظام بناکر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے جس سے ڈارون اور اس کے تمام پیروکار

نظریہ ارتقاءکی تردید کے سب سے اہم شواہد فوصلی ریکارڈ ہیں جن سے ثابت ہوا ہے کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود جاندار نسلوں میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- تصویر میں موجود ایک دورِ حاضر کا کیڑا اور اس کا ۵۰ لاکھ سال پرانا فوصل ہے- یہ کیڑا ۵۰ لاکھ سال گزرنے کے باوجود ایک ہی شکل میں موجود ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتا ہے-

فوصل کیا ہوتے ہیں؟

یہ ایک ۲۳ سے۳۸ لاکھ سال پرانا کیکڑے کا فوصل ہے-

ایک ۴۴۳ سے ۴۹۰ لاکھ سال پرانی ستارہ مچھلی ظاہر کرتی ہے کہ یہ مچھلیاں لاکھوں سالوں سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہیں اور کسی تدریجی ترقی سے نہیں گزریں-

اور لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی ان کی ساخت اور خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آیا- اس کے علاوہ وہ ڈارون کے نظریہ ارتقاءکے تحت کسی دوسری نوعیت کے جانداروں میں بھی تبدیل نہیں ہوئیں- یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ زمین پر آبی ، ارضی اور نباتاتی زندگی اس طرح نمودار ہوئی گویا کسی نے جادو کی چھڑی گھمادی ہو- لاکھوں کی تعداد ملنے والے فوصلوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اس سائنسی تحقیق کی تردید کرسکے - وہ فوصل جو ڈارون کے نظریے کے پیروکارسینے سے لگائے پھرتے ہیں اور ان کو' وسطی فوصل' یا Intermediate Fossil کا نام دیتے ہیں ان کی تعداد نہ صرف بہت کم ہے بلکہ سائنس نے انہیں اب مکمل طور پر غلط ثابت کردیا ہے- ثبوت کے ذریعے یہاں تک پتاچلا ہے کہ ان 'وسطی فوصلوں ' کے لاتعداد نمونے جو کہ ڈارون اور اس کے پیروکاروں نے دنیا کے آ گے پیش کئے تھے وہ سراسر جعلی تھے-

دیڑھ سو سال سے زمین کے سینے سے نکلنے والے فوصل مچھلیوں کو مچھلیاں ،کیڑے مکوڑوں کو کیڑے مکوڑے ، چڑیوں کو چڑیاں اور رینگنے والے جانوروں کو رینگنے والے جانورہی ثابت کئے چلے جارہے ہیں- آج تک ایک بھی فوصل اس بات کی نشاندہی نہیں

۱۵ سے ۲۰ لاکھ سال پرانی پروں والی چیونٹی-
کہربا میں محفوظ جانداروں کے لاکھوں سال پرانے فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

۷۰ سے ۲۵۰ لاکھ سال پہلے رہنے والے جھینگے اور دورِ حاضر کے جھینگوں میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ جاندار ثابت کرتے ہیں کہ تدریجی ترقی کسی بھی دور میں کسی جاندار کے ساتھ پیش نہیں آئی-

فوصل کیا ہوتے ہیں؟

فوصل کسی بھی جاندار کا قدیم پتھرا یا ہوا ڈھانچہ یا پنجر ہوتا ہے جو کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس کا پتہ دیتا ہے - جانداروں کے یہ بقایاجات فطری حالات کی وجہ سے مکمل طور پر تباہ ہونے سے بچ جاتے ہیں- اب تک دنیا میں جو فوصل ملے ہیں وہ یا تو جانداروں کے کچھ اعضاءہیں جو اس کے مرنے کے بعد ارضیات میں محفوظ ہوگئے یا اس کے متعلق کچھ اور ثبوت ہیں جو اس نے اپنی زندگی کے دوران زمین پر چھوڑے -اس طرح کے فوصل ٹریس فوصل Trace Fossil کہلاتے ہیں-

ٹریس فوصل اس وقت وجود میں آتے ہیں جب مرے ہوئے جانور یا پودے مکمل طور پر گلنے سڑنے سے بچ جاتے ہیں اور زمین کے اندر تہ نشین پتھروں یا Sedimentary Rock کا حصہ بن جاتے ھیں- کسی جاندار کا فوصل بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً تہ نشین پتھروں میں دفن کردیا جائے یا دفن ہوجائے جس کے ذریعے ان کے جسم ریشہ لحمی میں پائے جانے والے کیمیاءکے عمل سے محفوظ رہیں-

کرہ ارض پر اولین زندگی کے آثار اور اس کی نوعیت کا ثبوت ہمیں فوصلوں‌کے ذریعے ہی ملتا ہے- دنیا کے ہر قطعہ سے لاکھوں کی تعداد میں فوصل برآمد ہوچکے ہیں جوکہ نہ صرف ہمیں زمین پر جاندار مخلوق کی تاریخ بلکہ زمین کی ساخت اور بناوٹ کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کرتے ہیں- سب سے اہم معجزہ جو اس فوصلی تحقیق سے عیاں ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جاندار نسلیں اپنی مکمل، بے عیب اور پیچیدہ طبیعیاتی اور کیمیائی ساخت کے ساتھ اچانک نمودار ہوئیں

۱. کسی جاندار کے مرنے کے بعد سب سے پہلے اس کے نرم ریشہ لحمی توڑ پھوڑ کے عمل سے گزر کر گلنے سڑنے لگتے ہیں، اس کے بعد ہڈیوں اور دانت جیسے سخت اعضاء محفوظ ہو جاتے ہیں، ہڈیوں کی مناسب حفاظت کے لیے جسم کو فوراً دفنانا ضروری ہے،

بھوج پتر درخت کا یہ فوصل ۵۵ سے ۵-۶۵ لاکھ سال پرانے پیلیوسین دور کا ہے- یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ریاست موٹانا سے دریافت ہوا ہے اور سہ ابعادی ہے-

۲. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ہڈیاں زمین کی نچلی ترین تہوں میں دب جاتی ہیں اور فوصلوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں،

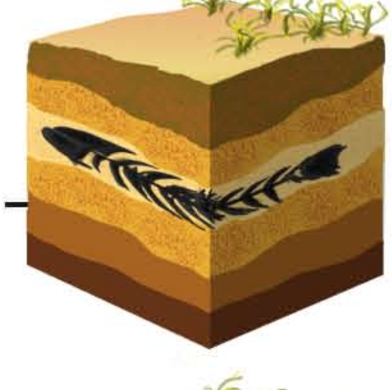

۳، زمین کی اوپری سطح کا قدرتی عوامل یا دوسری کسی وجہ سے توڑ پھوڑ کے نتیجے میں یہ فوصل اوپر کی طرف آ جاتے ہیں،

۵۰ لاکھ سال پرانا مینڈک کا فوصل

ایک ۵۰ لاکھ سال پرانے مینڈک اور دورِ حاضر کے مینڈک میں کوئی فرق نہیں ہے-

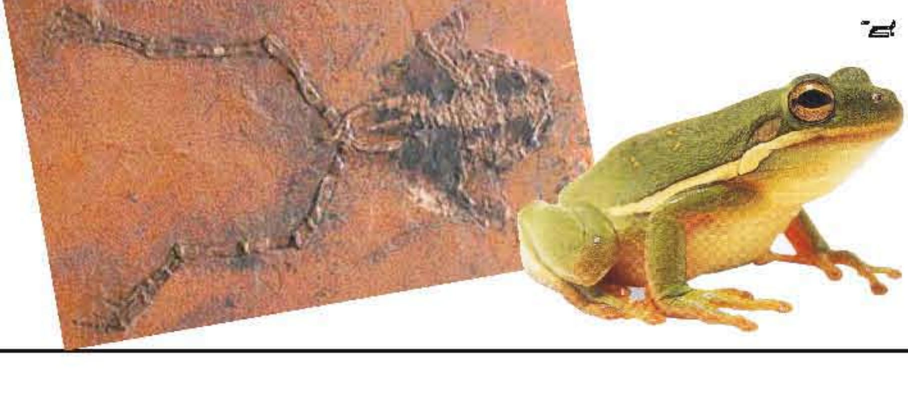

۴. یہ یا تو پھر خود ہی نمودار ہو جاتے ہیں یا ماہرین ان کو کھدائی کے دوران دریافت کر لیتے ہیں،

کرسکا کہ مچھلی پہلے رینگنے والا جانور تھی اور سالوں کے گزرنے سے تدریجی تر قی کے ذریعے بالآخر مچھلی بن گئی- اس کے برعکس فوصلی ریکارڈ اس با ت کو مستند ظاہر کرتا آرہاہے کہ ہر جاندار اپنی موجودہ اور اصل شکل میں ہی پیدا ہوا نہ کہ کسی اور شکل سے تبدیل ہوتا ہوا اپنی اصل حالت تک پہنچا-

ایک فوصل کا تحقیق کار آسٹریلیا کی اڈیکارہ کی زمینی طبق پر-

زمین پر جانداروں کی تاریخ کے علاوہ فوصل کرۂ ارض پر رونما ہونے والی جغرافیائی اور موسمی حالات اور تبد یلیوں کے بارے میں ضروری معلومات مہیہ کرنے میں انتہائی کارآمد اور مفید رہے ہیں-فوصلوں نے انسانی ذہن کو قدیم یونانی دور سے حیرت میں ڈالا ہوا ہے- ایک باقائدہ سائنسی شاخ کی صورت میں فوصلوں کی تحقیق۱۸ویں صدی کے بیچ میں شروع ہوئی-

اس تحقیق کا آغاز محقق رابرٹ ہک ،مصنف مائکرو گرفیاMicrographia اور ڈسکورس آف ارتھکو یکس Discourse of Earth Quakes1668اور نیل اسٹیونس یا نیکولائی اسٹینو کے کام سے ہوا- جس وقت ہک اور اسٹینو نے اس میدان میں کام شروع کیا اس وقت اس بات پر بھی شک تھا کہ فوصل واقعی کسی جاندار کے بقایاجات ہیں کہ نہیں - اس ساری بحث کے بیچ میں ان مقامات پر بھی بحث تھی جہاں سے یہ فوصل برآمد ہورہے تھے- مثلاًپہاڑی علاقوں سے ملنے والے مچھلیوں کے فوصل عقل کو پریشان کر رہے تھے کہ مچھلیوں کا پہاڑوں پر کیا کام؟

اس معّمہ کا حل لیونار ڈوڈاونچیLeonardo Da Vinciکی طرح اسٹینو نے بھی یہ پیش کیا کہ ممکن ہے کہ پانی کی سطح میں لاکھوں

کسی وسطی تدریجی شکل کا کوئی وجود نہیں ہے

فوصلوں کی تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ ان تصاویر میں موجود خیالی جانداروں کا کوئ وجود نہیں ہے ، جاندار اپنی بے عیب خصوصیات کے ساتھ فوصلی ریکارڈ میں اچانک نمودار ہوۓ اور اپنی تمام زندگی میں ان کے اندر کسی قسم کی کوئ تبدیلی رونما نہیں ہوئ،

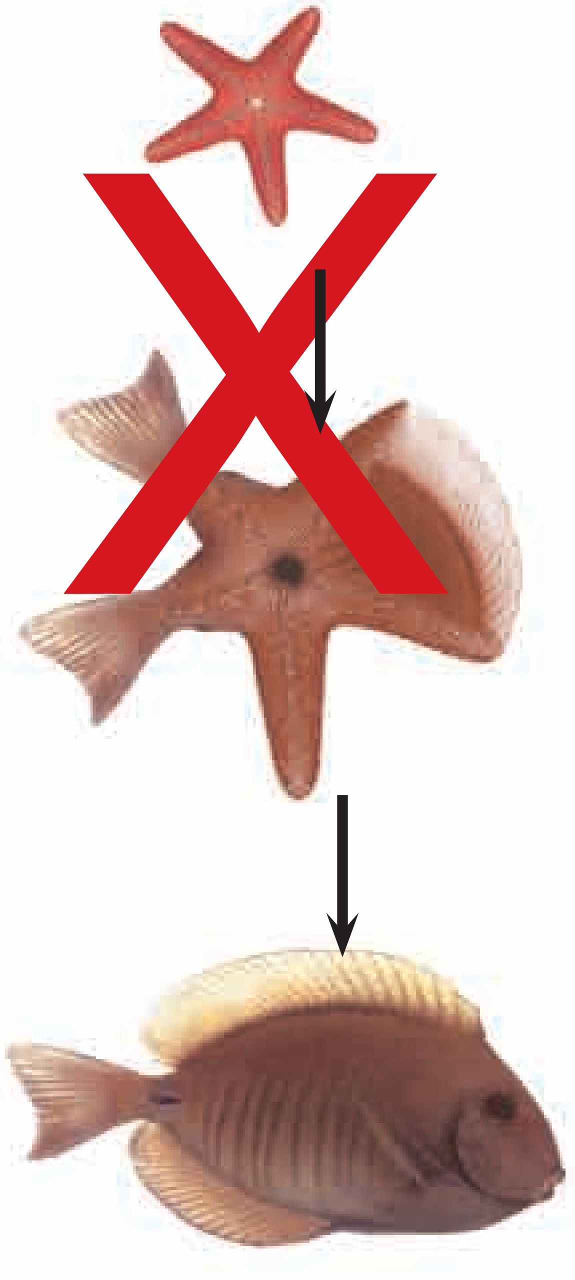

فوصلی دریافت نے ثابت کیا ہے کہ تصویر میں موجود ان خیالی مخلوق کا کوئی وجود نہیں ہے- تمام جاندار فوصلی ریکارڈ میں اچانک نمودار ہوئے- ان کے اندر ساخت اور خصوصیات کے اعتبار سے کوئی کمی نہ اس وقت تھی اور نہ لاکھوں سال گزرنے کے بعد رونما ہوئی- ڈارون کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ معمولی طور پر بدلتے ہوئے جاندار آہستہ آہستہ لاکھوں سال کے دورانیے میں ایک نسل سے دوسری نسل میں تبدیل ہوجاتے ہیں- ان کے اس غیر سائنسی دعوے کے مطابق اس طرح مچھلیاں بر بحری مخلوق میں اور رینگنے والے جانو پرندوں میں تبدیل ہوگئے -سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس تمام نام نہاد تبدیلی کے عمل نے لاکھوں سالوں پر محیط عرصے کے دوران لاتعداد ثبوت فوصلی ریکارڈ میں بھی چھوڑنے چاہئے تھے- سائنس کے اس میدان میں پچھلے سوسال کی سخت تحقیق کے نتیجے میں اب تک کئی ایسی خوفناک شکلوں کی مخلوق مل جانی چاہئے تھی جو کہ اس دعوے کی تصدیق کرسکتی مثلاً آدھی مچھلی/ آدھی چھپکلی، آدھی مکڑی/ آدھی مکھی یا آدھی چھپکلی/ آدھی چڑیا لیکن اب تک دنیا کی ہر تہ کھودی جاچکی ہے اور ایسی کوئی بھی مخلوق ناپید ہے- ایک بھی فوصل ایسا نہیں ملا جو کہ نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے دعووں کو سچ ثابت کرسکتا - اس کے برعکس لاکھوں فوصل صرف مکڑیوں کو مکڑیاں، مکھیوں کو مکھیاں، مچھلیوں کو مچھلیاں، مگر مچھ کو مگر مچھ، خرگوش کو خرگوش اور چڑیوں کو چڑیاں ہی ثابت کرتے چلے آرہے ہیں- ان فوصلوں سے ثابت ہے کہ جاندار نسلیں کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف اور صرف تخلیق کی گئی ہیں-

علمِ جغرافیا کے مطابق جانداروں کے بقایاجات جو کہ زمین کی مختلف تہوں میں بیٹھ گئے تھے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمینی چادروں کی حرکت سے اوپر کی سطح پر آنے لگے- بہت سے موجودہ دورمیں ملنے والے فوصلوں کی عمر لاکھوں اور کروڑوں سال ہے- ان فوصلوں کے تفصیلی مطالعہ سے پتا چلا ہے کہ خاص قسموں کے فوصل زمین کے مخصوص پتھروں اورتہوں میں پائے جاتے ہیں-مختلف پتھروں کے جائزے کے بعدیہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ہر پتھر یا زمین کی تہہ میں ہر طر ح کے نہیں بلکہ مخصوص قسم کے فوصل پائے جاتے ہیںجو کہ اس تہہ یا پتھر کا خاصہ یا اشارات اصمی یا Signature کہلاتے ہیں- ان خاص فوصلوں پر وقت اور جگہ کی تبدیلیاں بھی اثر انداز ہو تی ہیںمثلاًدو مختلف ماحول اور مختلف نوعیت کے ہو ا اور پانی کے سا تھ بہاکر لائے ہوئے مادے جیسے کہ ایک قدیم جھیل اور پانی کے اندر مونگے کی پہاڑی کے آثار ایک ہی فوصل میں مل سکتے ہیں جو کہ ایک ہی جگرافیائی وقت کے بھی ہوں- اسی طرح ایک ہی طرح کا فوصل یکساں قسم کی دو پتھریلی سطحوں سے بھی مل سکتا ہے جو کے

تصویر میں ایک ۴۴۳سے ۴۹۰لاکھ سال پرانے اور ڈوویشن دور کے ایک ٹریلوبائٹ یا قدیم حیاتی دور کا سنگوارہ اور۴۱۷سے ۴۴۳لاکھ سال پرانے سیلورین دور کے شکم پایہ کا فوصل موجود ہے- ان فوصل کی مدد سے پتہ چلا ہے کہ ان پتھروں کی عمر جن میں یہ فوصل پائے گئے ہیں تقریباً ۴۴۲ سے ۴۴۸ لاکھ سال پرانے ہیں-

جن فوصلوںکے ذریعے پتھروں کی تشکیل کی تاریخ پتہ چلتی ہو وہ انڈکس فوصل کہلاتے ہیں- ان فوصلوں میں موجود زیادہ تر نسلیں وہ ہیں جو صرف مخصوص دور میں زندہ رہیں- ان نسلوں کے فوصل کافی تعداد میں موجود ہیں اور ان کی پہچان کرنا بھی آسان ہے-

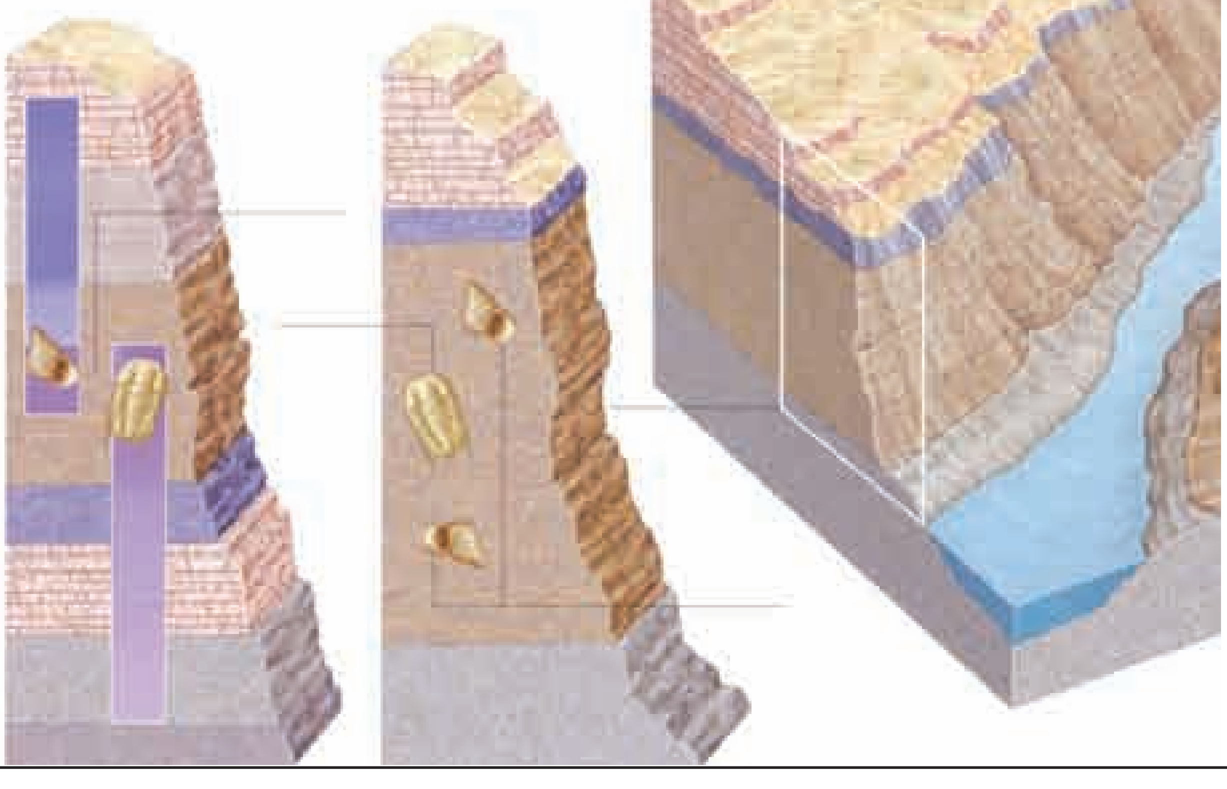

زمین کا طفیلی سیارے سے لیا گیا نقشہ

سال پہلے واضع تبدیلیاں آئی ہوں جس کی وجہ سے پہلے کے سمندر آج کے پہاڑہوں اور اسی لیئے یہاں سے مچھلیوں کے فوصل مل رہے ہیں- ہک کا البتہ یہ نظریہ تھا کہ زمین کے اندر کی گرمی کی وجہ سے سمندری چادروں یا Ocean Plates کا زلزلوں کی وجہ سے ہلنے سے پہاڑ وجود میں آئے- ہک اور اسٹینو کے مشاہدو رپر مبنی علم ارضیات کی ابتداءاٹھارھویں اور انیسویں صدی میں ہوئی- ان تمام مشاہدوں کی تحقیق کا مقصد فوصلوں کا جانداروں کے بقایات ہونے کی تصد یق کرنا تھااور اس تحقیق کے ذریعے فوصلوں کی باقاعدہ جمع اور مطالعہ سائنس کی ایک باضابطہ شاخ میں تبدیل ہوگیا- فوصلوں سے متعلق اس دور کی تمام تحقیقات میں اسٹینو کی قائم کردہ درجہ بندی اور ترجمانی کا استعمال کیاگیا-

اٹھارھویں صدی کے بعد کان کنی اور ریل گاڑیوں کی پٹریوں کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی کے دوران زمین کی اندرونی ساخت کے بارے میں مزید تفصیلات علم میں آنے لگیں- جدید علم ارضیات کے مطابق زمین کا قشر ارض یاCrust بے انتہا زخیم حصوں پر مشتمل ہے جن کو چادریں یا Plates کہتے ہیں- ان چادروں کے مستقل متحرک ہونے کی وجہ سے براعظم اور سمندر وجود میں آئے-

جس قدر ان چادروں کی حرکت ہو تی ہے ، اتنی ہی زیادہ زمین کی جگرافیائی حالت میں تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں- زلزلے ان چادروں کی حرکت کی عام مثال ہیں-سارے پہاڑی سلسلے بہت بڑی بڑی چادروں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوئے- جیسے جیسے علم جگرافیا اور علم ارضیات میں ترقی ہوتی گئی، یہ بات بھی واضع ہو گئی کہ موجودہ زمانے کے بہت سے پہاڑی سلسلے قدیم زمانے میں مختلف سمندری علاقے تھے- اس تمام تحقیق کے دوران فو صل سائنس کی دنیا میں مزید اہمیت اختیار کرتے گئے کیونکہ یہ کرئہ ارض کی بدلتی ہوئی جگرافیائی حالت کے نہ صر ف اہم بلکہ شاید واحد گواہ ہیں-

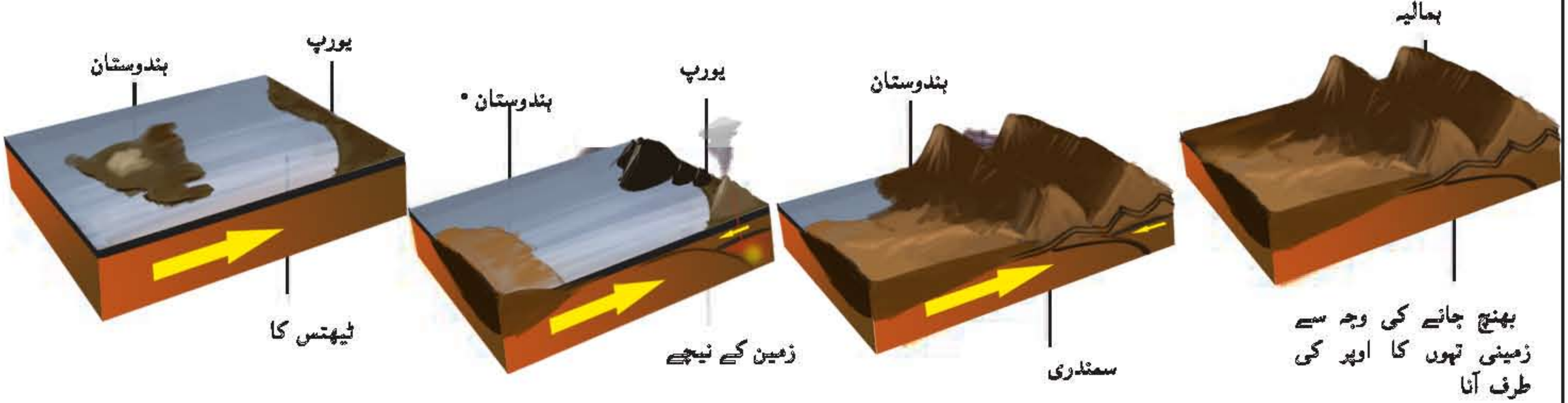

ارضیاتی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ زمین ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے اور اس کی بالائی چادروں یا ٹکٹونک پلیٹس کے ہلنے اور آپس میں ٹکرانے سے پہاڑ وجود میں آئے- تصویر میں موجود خاکے میں ہمالیہ پہاڑوں کی تاریخی زمینی طبق بتائی گئی ہے-۱۴۵ لاکھ سال پہلے جب ہندوستان کا علاقہ یورپ- ایشیا کی جانب جانا شروع ہوا تو اس کی سمندری زمین یورپ ایشیا کے نیچے چلی گئی- ہندوستان جب یورپ ایشیا کے ساتھ مل گیا تو نتیجتاً سمندر کی زمین دونوں براعظموں کے بیچ میں پھنس گئی اور دباؤ سے اوپر کی طرف اٹھنے لگی جس سے ہمالیہ کے پہاڑ وجود میں آئے-

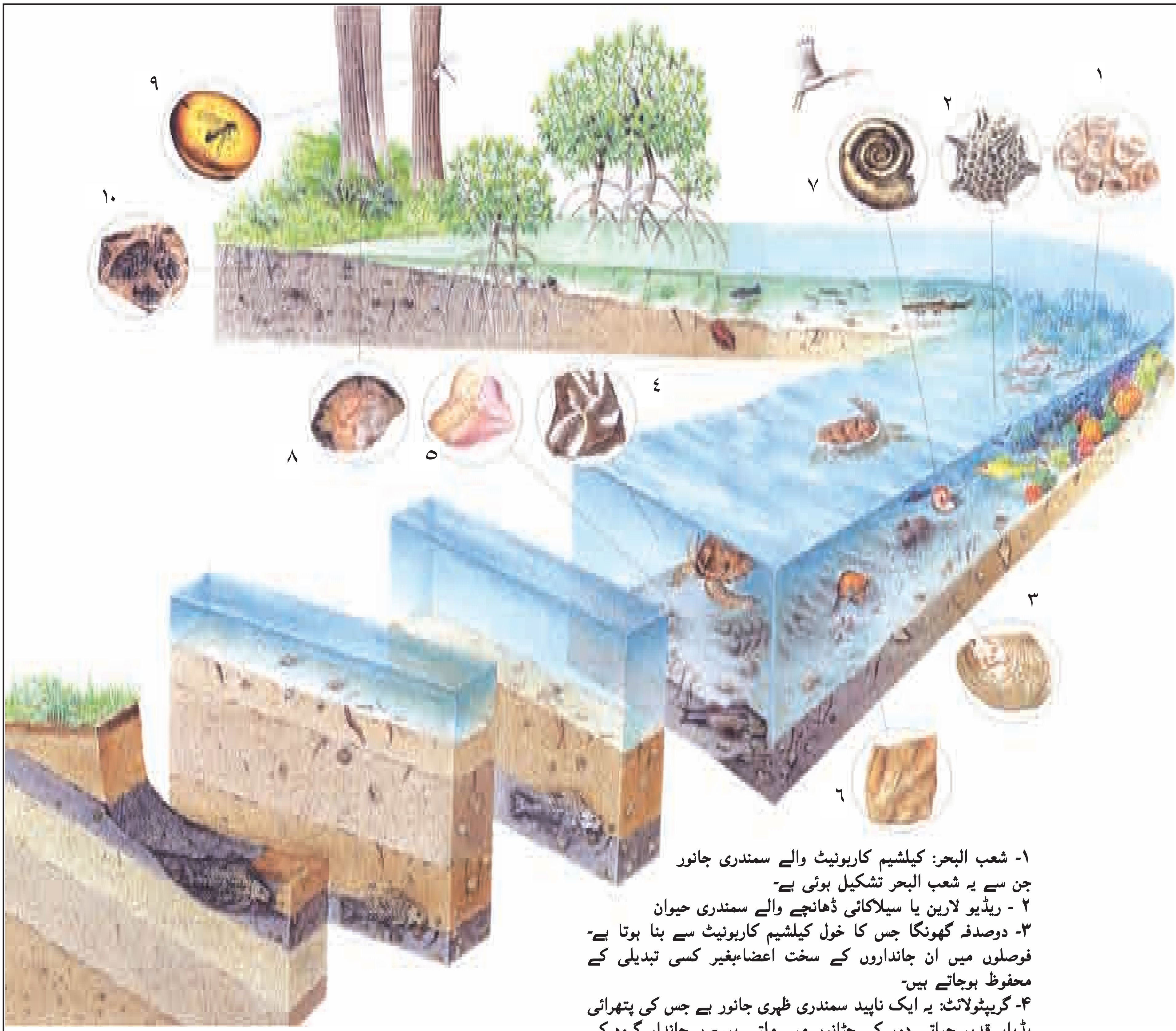

١- شعب البحر: کیلشیم کاربونیٹ والے سمندری جانور جن سے یہ شعب البحر تشکیل ہوئی ہے-
٢ - ریڈیو لارین یا سیلاکائی ڈھانچے والے سمندری حیوان
٣- دوصدفہ گھونگا جس کا خول کیلشیم کاربونیٹ سے بنا ہوتا ہے- فوصلوں میں ان جانداروں کے سخت اعضاءبغیر کسی تبدیلی کے محفوظ ہوجاتے ہیں-
۴- گریپٹولائٹ: یہ ایک ناپید سمندری ظہری جانور ہے جس کی پتھرائی ہڈیاں قدیم حیاتی دور کی چٹانوں میں ملتی ہیں- یہ جاندار گروہ کی شکل میں رہتے تھے-
۵- شارک مچھلی کے دانت: دانتوں اور ہڈیوں میں فاسفورس کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ نرم ریشہ لحمی اعضاءکی بہ نسبت توڑ پھوڑ اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں-
٦- ٹریس فوصل: یہ ان فوصلوں کو کہتے ہیں جو محض کسی جاندار کے پتھر یا زمینی تہوں پر پنجوں، بلوں، یا گھر کے نشانات ہوں-
٧- امونائٹ: یہ اس فوصلی نمونے کو کہتے ہیں جس میں خول کی جگہ آئرن پائرائٹ نے لے لی ہو-
٨- منجمد درخت: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ درختوں میں موجود لکڑی کے خلیوں کی جگہ سیلیکا لے لیتا ہے اور درخت فوصل میں تبدیل ہوجاتی ہے-
٩- کہربا: گیلے گوند میں چھوٹے چھوٹے جاندار ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتے ہیں-
١٠ - کاربونائزڈ پتے یا کوئلے بنے ہوئے پتے- یہ پودے کاربن کے ریشوں میں تبدیل ہوگئے ہیں-

مچھلی کے اس ۵٠ لاکھ سال پرانے فوصل سے ثابت ہے کہ مچھلیاں ہمیشہ مچھلیاں ہی رہی ہیں-

فوصل کس طرح بنتے ہیں؟

یہ ایک ۲۸ سے۵۴ لاکھ سال پرانی بھڑ ہے جو کہ کہربا میں محفوظ ہوگئی ہے-

فوصل کسی بھی جاندار چیز کے مرجانے کے بعد وجود میں آتے ہیں-یہ اس جاندار کے جسم کے سخت حصوں مثلاََ ہڈیاں،دانت،خول یاناخن کے محفوظ رہ جانے کی وجہ سے بن جاتے ہیں-فوصل کو عام طور پر کسی جاندار کے اعضاءکا متحجر یا مفلوج ہو جانا تصور کیا جاتا ہے- لیکن صرف اعضاءکا متحجر ہو جانا ہی فوصل بننے کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ بہت سے جاندار اپنے جسم کی مکمل ساخت کے ساتھ بھی فوصل بنے ہوئے پائے گئے ہیں اور ان کے اندر کسی بھی طرح کی توڑ پھوڑیا گلنے سڑنے کے آثار نہیں ہیں مثلاََجانداروں کا برف میں دب کر منجمد ہو جانا یا چھوٹے حشروں اور رینگنے والے جانوروں کا کہربا میں محفوظ ہو جانا-

جب بھی کوئی جاندار مرجاتا ہے تو اس کے جسم کے نرم ریشئہ لحمی اور اعضاءمیں جراثیم اور ماحولی اثرات کی وجہ سے گلنے سڑنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے-بعض وقت غیر معمولی حالات میں جیسے کہ بے انتہا ٹھنڈ یا صحرا کی شدید گرمی کی وجہ سے یہ اعضاءسڑنے سے محفوظ رہ جاتے ہیں جانداروں کے سخت اور مضبوط حصوں مثلاََ دانت اور ہڈیوں میں معدنیات کی مقدار زیادہ ہو تی ہے اور اس وجہ سے یہ لمبے عرصہ تک گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے فوصل وجود میں آجاتے ہیں-اسی وجہ سے زیادہ تر فوصل فقاریہ جانوروں کے دانت اور ہڈیوں،گھونگوں کے خول،خول دار آبی جانوروں اورقدیم حیاتی دور کے سنگواروں کے باہری ڈھانچوں،مونگے اور اسفنج کے ظاہری چوکھٹوں اور پودوں کے چوبی حصوں پر مشتمل ہیں-

کسی بھی جاندار کی زندگی کے ماحولیاتی اثرات بھی اس کے فوصل بننے یا نہیں بننے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ماحول اور موسمی حالات کو جانچتے ہوئے اس جاندار کے فوصل بننے کے اتفاق کے بارے میں پیشن گوئی کرنا بہت آسان ہوتا ہے مثلاََ پانی کا اندرونی ماحول فوصل بنانے کے لئے زمین کے ماحول سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے-

فوصل بننے کا سب سے عام طریقہ معدنیا تی یا Mineralization کہلاتا ہے-اس طریقے کے تحت کسی جسم کے اوپر پانی یا زمین میں موجود معدنیات عمل پیرا ہونا شروع ہو جاتے ہیں-فوصل بننے کا یہ طریقہ مندرجہ ذیل مرحلوں پر مبنی ہے-

سب سے پہلے تو یہ لازمی ہے وہ جسم مٹی،ریت یا کیچڑ سے فوراََ ڈھک جا ئے تا کہ ہوا سے محفوظ رہے- وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جسم مٹی کی مزیدتہوں سے ڈھکتا چلا جاتا ہے-یہ تہیں اس جسم کو بیرونی ماحولیاتی اثرات سے محفوظ کرتی جاتی ہیں-وقت کے ساتھ ساتھ یہ جسم نہ صرف زمین کی تہ سے کئی میٹر نیچے دھنس چکا ہوتا ہے بلکہ جسم کے مضبوط حصوں مثلاََ ہڈیوں،خول اور کریCartilage پر کیمیائی عمل بھی رونما ہو چکے ہوتے ہیں-پانی کے اندر پانی اس جسم کی ساخت میں گھسنے لگتا ہے اور پانی میں‌موجود معدنیات جیسے کہ کیلسائٹ،پائراٹ،سلیکا اور لوہا جو کہ جسم کی فطری تباہ کاری کے خلاف بہترین قوت مدافعت رکھتے ہیں وہ جاندار کی ریشئہ لحمی میں موجود کیمیاکی جگہ لے لیتے ہیں-لاکھوں سالوں کے گزرنے کے بعد اس مستقل عمل کے ذریعے یہ معدنیات اس جاندار کی ریشہ لحمی کی جگہ لے کر ہو بہو اس کی پتھرائی ہوئی یا منجد شکل اختیار کر لیتے ہیں اورفوصل کہلاتے ہیں-یہ فوصل اس جاندار کا اندرونی ساخت سے لے کر بیرونی ڈھانچے تک ہو بہو نقش ہوتا ہے فوصل بننے کے معدیناتی عمل کے دوران مندرجہ ذیل حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں-

۱-اگر جاندار کا ڈھانچہ مکمل طور پر پانی سے بھر جائے اور اس کے توڑ پھوڑ کا عمل کچھ عرصے کے بعد شروع ہو تو صرف اندرونی حصہ فوصل بن جاتا ہے-

۲-اگر مختلف معدنیات مکمل طور پر اس ڈھانچے کی شکل ڈھال لیں توباہری خول یا ڈھانچے کی ہو بہو یا مکمل شکل فوصلی صورت میں ملے گی-

۳-اگر جاندار کا ایک مکمل اور ہو بہو سانچہ باہری دباؤ کی وجہ سے وجود میں آئے تو پھر اس جاندار کا ظاہری یا بیرونی ڈھانچہ فوصل کی شکل میں محفوظ ہو جائے گا-

نباتاتی فوصل زیادہ تر جرثومی یا Carbonization کے عمل سے وجود میں آتے ہیں- اس عمل کے ذریے کاربن اور ہائڈروجن پودوں میں موجود آکسیجن

کیچڑ میں پھنسی ہوئی یہ بھنبھیری شاید وقت کے ساتھ فوصل میں تبدیل ہوجائے اور آنے والی نسلوں کے لئے ثبوت ہو کہ تدریجی ترقی کا عمل کبھی پیش نہیں آیا-

مچھلی کی یہ کھال اور کھپرے ۲۰۳سے ۲۵۰ لاکھ سال پرانے ٹرائسک دور کے ہیں اور اپنی ساخت کی تمام تر باریکیوں کے ساتھ فوصل کی شکل اختیار کرگئے ہیں- اس سے ثابت ہے کہ مچھلیوں کے کھپروں کی ساخت میں بھی ۲۵۰ لاکھ سال گزرنے کے باوجود کوئی فرق نہیں آیا ہے-

کا ہے - اس میں ۱۴۵ لاکھ سال پرانے چونے کے پتھر کے اسفنج ہیں - یہ مونگا قدیم سمندر ٹیتھس Tethys کی زمین پر تعمیر ہوا اور زمین کی ساختمانی چادروں یا Tectonic Plates کی حرکتوں کے نتیجے میں سطح پر آگیا - اس شاندار اور قوی فوصلی مجموعے میں ان جانداروں کے فوصل یا بقایا جات موجود ہیں جوکہ سمندر میں میان حیاتی دور یا Triassic Period میں سمندر میں پائے جاتے تھے ملک کینیڈا کی برگس شیل Burgess Shale اور چین میں شن جےانگ Chenjiang کا شمار دنیا کے ذرخیز ترین فوصلی میدانوں میں ہوتا ہے جن میں کیمبرین دور کے ہزاروں فوصل محفوظ ہیں- کیمبرین قدیم فوصلی زمانے کا پہلا دور ہے جب بہت سی اقسام کے غیر فقاری جاندار پیدا ہوئے -ڈومینیکی ریاست کے کہربا کے میدان اور بالٹک سمندر کا مغربی ساحل بھی چھوٹے حشرات الارض کے فوصلوں کے لئے مشہور ہیں -اس کے علاوہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست وائے اومنگ کی گرین ریور فارمیشن Green River Formation یا ہرے دریا کی زمینی طبق ،و سطی امریکہ کا وائٹ ریور یا White River جرمنی کے ایکسٹاٹ بیڈ یا Echstatt Beds اور لبنان کے باجولہ فوصلی میدان یا Hajoula Fossil Beds دنیا کے مشہور فوصلی ذخائر میں شمار ہوتے ہیں-

فوصلی تحقیق کتنے واضح مجموعوں کے تحت ہوچکی ہے-

جس طرح ہر زندہ نسل کا مخصوص گروہ، مملکت یا بادشاہت ہوتی ہے اسی طرح فوصلوں کی درجہ بندی بھی مختلف بادشاہتوں یا مملکتوں کے تحت کی جاتی ہے -دو نمایاں گروہ حیوانی یا نباتاتی ہیں- جیسے جیسے فوصلوں کی تحقیق ایک باقاعدہ سائنسی تحریک کی شکل اختیار کرتی گئی اس کے ساتھ ساتھ فوصلوں کے مزید گروہ بھی قائم کئے جانے لگے جس میں یک خلوی اور جرثومی گروہ بھی شامل ہے -۱۹۶۳میں جدید درجہ بندی کے نتیجے میں فوصلوں کے پانچ گروہ بنائے گئے-

۱- اینیمیلیا یا حیوانی - یہ جانورں کے فوصل ہوتے ہیں اور اس گرہ کے سب سے پرانے فوصل کی عمر ۶۰۰لاکھ سال ہے-

۲- پلانٹے یا نباتاتی - یہ پودوں کے فوصل ہوتے ہیں اور اس گروہ کے سب سے پرانے فوصل کی عمر۵۰۰ لاکھ سال ہے-

دنیا کی سب سے عظیم اسفنج کی چٹان:

اسفنج فاعلہ پوریفیرہ کا ایک مسام دار لچکیلا حیوانی جسم ہے- اسفنج کی یہ چٹان ۱۴۵ لاکھ سال پرانی ہے اور اس کا شمار ٹیھتس کی سمندری زمین کے ٹریس فوصلوں میں ہوتا ہے- اس چٹان کو تشکیل دینے والے اسفنج اور دورِ حاضر کے اسفنج میں کوئی فر ق نہیں ہے- یہ حیوان صرف اور صرف اللہ کی تخلیق کردہ مخلوق ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ کسی تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزرے-

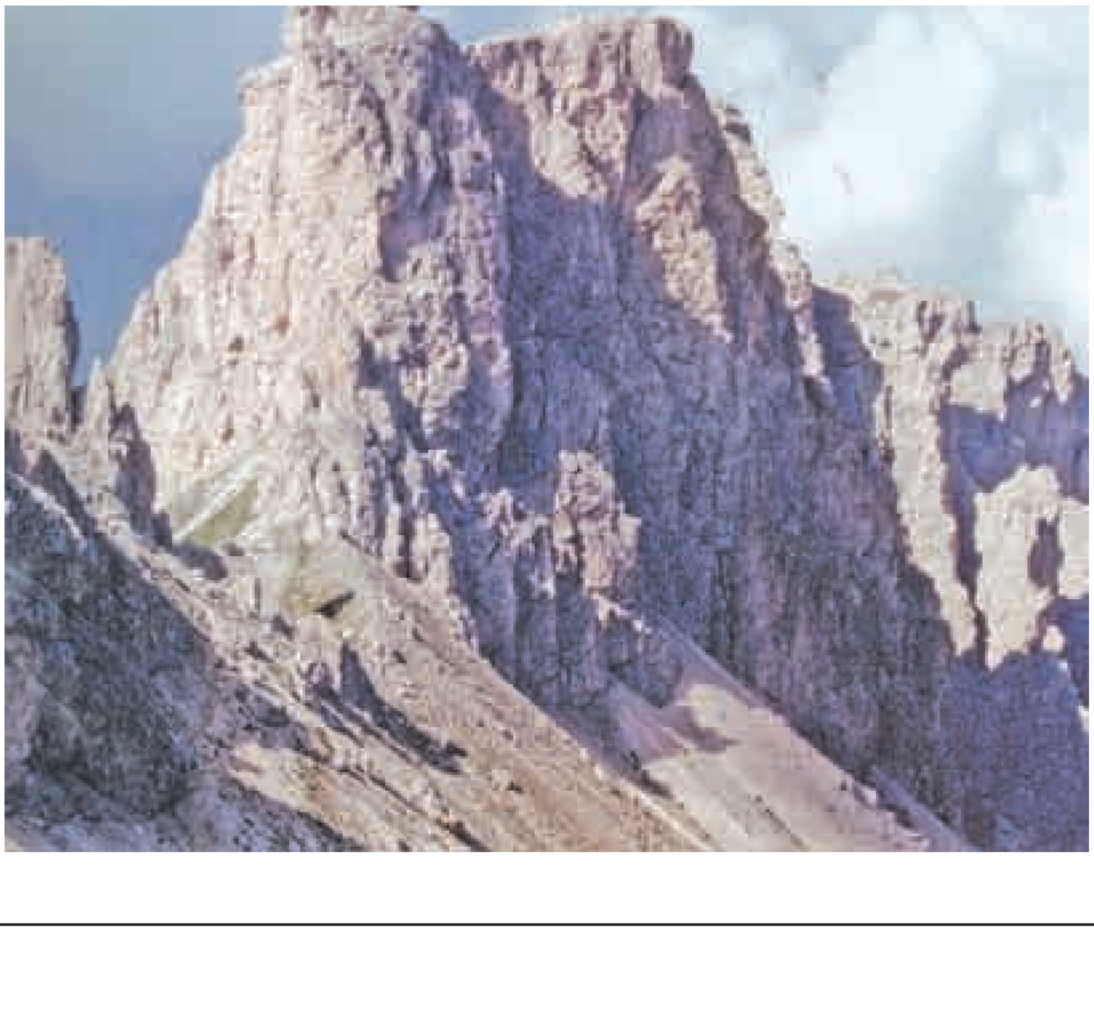

اور ناٹروجن کی جگہ لے لیتے ہیں - نباتاتی اعضاءکی اقل بنیادی اکائیوں یا Molecules کو جراثیم دباؤ،درجہءحرارت کی تبدیلی اور کیمیائی عمل کے ذریعے توڑنا پھوڑنا شروع کر دیتے ہیں-پودوں میں موجود لحمیات اور اس کے خلیوں کا نشاستہ دار مادہ اس کیمیائی اثر کے نتیجے میں کاربن کی شکل اختیار کر لیتا ہے- یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے کوئلے کے وسیع قدرتی ذخائر دلدلوں میں کوئلے کے دور یاCarboniferous Period میں۲۹۰سے۳۵۴لاکھ سال پہلے وجود میں آئے-

بعض وقعہ فوصل بننے کی وجہ جانداروں کا ان پانیوں میں ڈوب جانا ہوتا ہے جس میں کیلشیم کی بہتات ہوتی ہے اور وہ جسم پانی میں موجودہ ٹراورٹینTravertine جیسی معدنیات سے مکمل طور پر ڈھک جاتا ہے - جیسے جیسے جسم گلنے سڑنے کا شکار ہوتا جاتا ہے وہ اپنے اثرات پانی میں موجود معدنی بستر میں چھوڑتا جاتا ہے-

یہ ۱۵ سے ۲۰ لاکھ سال پرانا پسو کے خاندان کا حشرہ کہربا میں محفوظ ہوگیا ہے-

کسی بھی جاندار کے نرم عضو مثلاً پشم،کھال اور پر وغیرہ کے فوصل نہایت نادر خیال کئے جاتے ہیں - کچھ نرم ریشہ لحمی جاندار بہت محفوظ حالت میں پائے گئے ہیں-ان کے فوصلوں کی عمر اندازً ۵۴۳ لاکھ سال ہے اور ان کا تعلق پری کیمبرین دور Precambrian Periodسے ہے-کچھ ریشہ لحم فوصل ۴۹۰سے ۵۴۳ لاکھ سال پرانے کیمبرین دور کے بھی دریافت ہوئے ہیں جن کا موازنہ دور حاضر کے سخت ریشہ لحم بقایاجات یا Hard Tissue Remains سے کیا جاسکتا ہے

کچھ جانوروں کے ۱۵۰ لاکھ سال پرانے پشم اور بال کہربا میں محفوظ ہوگئے ہیں اور ان پربا آسانی تفصیلی تحقیق کی جاسکتی ہے - بڑے ریشہ لحم جانور جن کے فوصل مکمل حالت میں پائے گئے ہیں ان میں ناپید ہاتھیوں کی ذات یا Mammoth جوکہ سائبیریا کی برف میں دھنسے پائے گئے اور بالٹک کے جنگلات میں کہربا میں محفوظ چھوٹے کیڑے مکوڑے اور رینگنے والے جانور شامل ہیں-

اگرچہ فوصل کا بڑا یا چھوٹا ہونا اس جاندار کے اصل ناپ کے اوپر منحصر ہے لیکن بعض دفعہ خرد بینی یا بے انتہا بڑے جانوروں کے فوصل ان کے اصل ناپ یا پیمائش سے مشابہ نہیں ہوتے- اس طرح کے ایک دیو ہیکل فوصل کی مثال ملک اٹلی میں موجود ایک مونگا ہے جوکہ ایک پہاڑی کی شکل

بہت سی دفعہ بے حد نازک جاندار بھی غیر معمولی حالات کے اثرات کے تحت فوصل میں تبدیل ہوجاتے ہیں- تصویر میں ایک۱۴۴سے ۲۰۶ لاکھ سال پرانے جوراسک دور کی ستارہ مچھلی فوصلی شکل میں موجود ہے- اس فوصل میں اور دور حاضر کی ستارہ مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے-

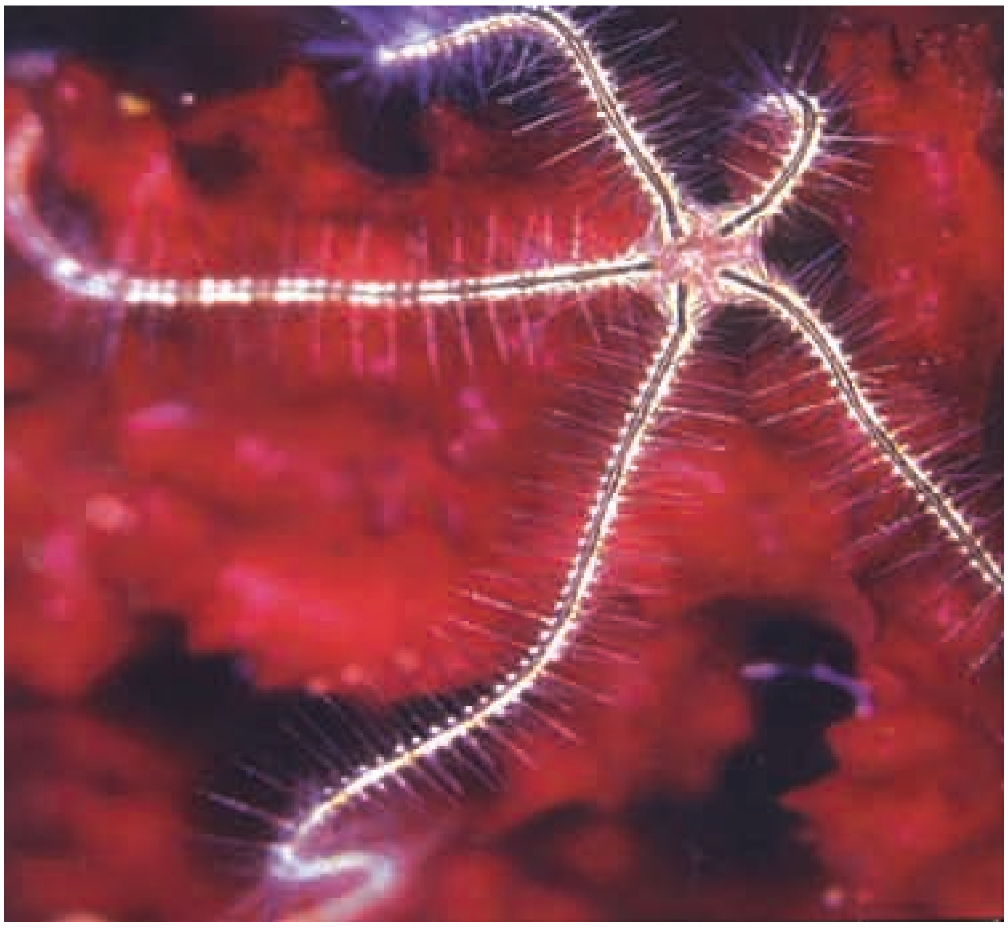

ساخت اور زمین کے اندر آنے والی مختلف تبد یلیوں کے او قات کی تحقیق سائنسدانوں کے لئے ممکن بنی-فوصلوں نے نہ صرف مختلف ارضیاتی

اوقات کے متعلق علم کو فروغ دیا بلکہ بر مختلف زمانے میں رہنے والے حیوانات اور نباتات کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کیں-

زمین کی تمام جغرافیائی اور ارضیاتی معلومات کو اکھٹا کر کے ان واقعات کی تاریخی ترتیب بنائی گئی-اس ترتیب کو دوو سیع حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کو ای اونز یا Eons کہتے ہیں-ای اونذ کو مزید ایراز یا Eras نامی حصوں میں اور ایراز کو پیریڈ یا Period میں تقسیم کیا گیا ہے-سائنس کے مطابق زمین کی ارضیاتی تاریخ کی تربیت مندرجہ ذیل ہے-

۳- مونیرا یا جرثومہ کے وہ فوصل جن کے خلیہ کا تخم نہیں ہوتا-
۴- پروٹوکٹسٹا یا یک خلیہ جاندار - اس گروہ کا سب سے پرانا فوصل ایک اعشاریہ سات کروڑ سال پرانا ہے-
۵-فنگائی یا کثیرالتعداد خلیوں کے جاندار مثلاً پھپوندی،خمیر اور سانپ کی چھتریاں-اس گروہ کا سب سے پرانا نمونہ ۵۵۰لاکھ سال پہلے کا ہے-

مختلف ارضیاتی دور اور علم معدوم حیوانات و نباتات

کرہ ارض کی قشرارض یا Crust کے بارے میں سب سے پہلی معلومات اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کی شروع میں حاصل ہونی شروع ہوئیں-یہ وہ وقت تھا جب ریل گاڑیوں کی پٹریاں بچھانے اور کان کنی کے سلسلے میں زمین کی کھدائی میں اضافہ ہوا-ولیم اسمتھ William Smith ایک انگریز سرنگ دان تھا جس کے مشاہدے کے مطابق جنوبی سمندر کے ساحل پر بھی وہی پتھر موجود تھے جو کہ سمرسٹ کی تعمیر کے دوران ملے تھے(سمرسٹ جنوب مغربی انگلستان میں واقع ایک ملک ہے)یہ پتھر۱۴۴سے ۲۰۶لاکھ سال پرانے Jurassic Period کے ہیں-جوراسک دور دنیا کی تاریخ کا دور وسیط یا بین حیاتی زمانہ ہے جب دریافت شدہ آثار کے مطابق زمین پر عظیم البحثہ ڈائنا سار، ابتدائی پر ندے اور پستانی جانور پائے جاتے تھے-

اسمتھ نے ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک کے پتھر جمع کئے اور ان پر تحقیق کے ذریعے انگلستان کا سب سے پہلا ارضیاتی نقشہ تیار کیا -ان نمونوں کی مدد سے اسمتھ نے نہ صرف زمین کا اوپری ارضی نقشہ تیار کیا بلکہ کچھ علاقوں کا پہلا اندرونی ارضیاتی نقشہ بھی دنیا کے آگے پیش کیا-اس کے ان نقشوں نے علم ارضیات کو مکمل اور باقاعدہ سائنسی شاخ کی شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا-اسمتھ کی تحقیقات کے مطابق زمین کی قشرارض کے بلکل نیچے موجود اجزاءکے بارے میں تحقیقات ان اجزاءکے کیچڑ اور دیگر کیمیا میں ڈھکے ہونے کے باوجود بے حد آسان ہوگئیں-

فوصلوں نے اس تمام ارضیاتی تحقیق کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا -مختلف ارضیاتی دور مثلاً پری کیمبرین سے لے کر کواٹرنیری دور تک کی نشاندہی کی گئی-فوصلوں نے نہ صرف اس وقت ان تمام تحقیقات کو ممکن بنایا تھا بلکہ موجودہ دورمیں ہونے والی کئی جدید ارضیاتی تحقیقات اور تجربے بھی فوصلوں ہی کی وجہ سے ممکن ہیں- فوصلوں کے ذریعے پتھروں کی

ولیم اسمتھ کو انگریزی ارضیات کا بانی کہا جاتا ہے- اسمتھ کے بنائے ہوئے نقشوں نے جدید ارضیات کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا

کیمبرین , ،اور ڈوویشین , ،سیلورین ، ڈیو ونین ، کاربو نیفرس , اور پرمین

کیمبرین دور

یہ وقت ارضیات کا وہ دور ہے جس میں تمام جانداروں کے بنیادی گروہ یا فیلا (Phyla) اچانک نمودار ہوئے -اس وقت کے بہت سے جاندار آج بھی زمین پر موجود ہیں اور بہت سے معدوم ہوچکے ہیں- لفظ فیلم یا Phylum مملکت یا بادشاہت کے بعد سائنسی طور پر جانداروں کے گروہوں کے نشاندہی کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے- فیلم کے ذریعے جانداروں کے گروہ ان کے جسمانی اعضاءکی تعداد اور ان کی مختلف اقسام کے تحت بنائے جاتے ہیں -

جانداروں کی اقسام اور اعضاءکی ترتیب کے علاوہ ان اعضاءکی جسم کے اندار تقسیم اور ترتیب کی معلومات بھی اس درجہ بندی میں استعمال ہوتی ہیں -دور حاضر میں فیلا Phyla کی تعداد ۳۵ ہے لیکن سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ کیمبرین دور میں فیلا کی تعداد ۵۰ کے قریب تھی- اس زمانے میں مختلف جاندار نسلیں اور گروہ اتنی اچانک اور کثیر تعداد میں نمودار ہوئے تھے کہ اس واقعہ کو سائنسدانوں نے کیمبرین دھماکےCambrian Explosion کا نام دیا ہے-

معدوم حیوانات و نباتات اور ان کی تدریجی ترقی کے مطالعہ کا سائنسدان اسٹیفن جے گولڈ Stephan J. Gould نے کیمبرین دھماکے کو زندگی کی تاریخ کا سب سے قابلِ توجہ اور حیران کن معمہ کہا ہے -ایک اور ماہرِ تدریجی ترقی و حیوانات ، تھا مس ایس رے Thomas S. Ray نے لکھا ہے کہ کثیر التعداد خلیوں کی زندگی کا آغازاتنا ہی اہم واقعہ ہے جتنی کہ زندگی خود-علم

کیمبرین عہد کے کچھ حیوانات کے خاکے

معدوم حیوانات و نباتات کی روشنی میں جب انسانی ذہن کیمبرین دور اور کیمبرین دھماکے کا مطالعہ کرتا ہے تو خود بہ خود ہی اللہ کی بنائی ہوئی کائنات اور اس میں موجود ہر جاندار چیز کی اصلیت واضح اور نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی ہوجاتی ہے -کیمبرین دور سے پہلے پری کیمبرین دور میں زیادہ تریک خلیہ جانداروں کی بہتات تھی -کثیر التعداد خلیوں کے چند ہی جاندار مخصوص اوصاف یعنی آنکھوں اور پیروں کے ساتھ اور بغیر کسی پیچیدہ ساخت کے پائے جاتے تھے -اسی لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ پری کیمبرین دور سے کوئی جاندار بذریعہ تدریجی ترقی کے کیمبرین دور میں پہنچا ہو -سائنس اس طرح کے کسی بھی نظریے کو مکمل طور پر رد کردیتی ہے کیونکہ ایک بھی فوصل اس خیالی نظریے کو ثابت کرنے کے لئے موجود نہیں-

۱-پری کیمبرین ای اون

یہ ۵۴۳لاکھ یا ۴-۶ کڑوڑ سال پہلے کا وقت ہے اور زمین کا سب سے قدیم اور طویل دورانیے کا وقت جانا جاتا ہے-اس کی مزید تقسیم کی گئی ہے-

i-ہیڈی اون ای اون

یہ ۸-۳سے ۶-۴ کڑوڑ سال پرانا وہ وقت ہے جب زمین کا قشرِارض تخلیق کے عمل میں تھا-

ii-آرکین ای اون

یہ وقت۵-۲ سے ۸-۳ کروڑ سالوں پر مشتمل ہے-

iii-پروٹیروزوئک ای اون

یہ وقت ۵۴۳لاکھ سے۵-۲ کروڑ سالوں پر مشتمل ہے-

فوصلی ریکارڈ کے مطابق اس وقت میں مختلف انواع کے یک خلیہ اور کثیر خلیہ جاندار پائے جاتے تھے-

۲ - فینیروزوئک ای اون

اس ای اون کا دورانیہ۵۴۳ لاکھ سالوں سے لے کر دور حاضر تک ہے- فینیروزوئک کے لفظی معنی نظر اور سمجھ آنے والی زندگی ہے -اس ای اون کو مزید تین ایراز Eras میں تقسیم کیا گیا ہے-

پیلوزوئک ، میسوزوئک ، اور سینوزوئک

۳ - پیلیوزوئک ایرا یا عہد

یہ عہد ۲۵۱ سے۵۴۳ لاکھ سال پہلے کا اور تقریباً ۳۰۰ لاکھ سالوں کے دورانیے کا ہے- یہ عہد فینوروزوئک ای اون کا سب سے پہلا اور طویل ترین حصہ ہے- اس عہد میں موسم زیادہ تر متناسب اور ہوا نم تھی البتہ اس میں وقتاً فوقتاًبرفانی دور بھی آتے رہے -اس عہد کو مزید چھ حصوں یا دوروں میں تقسیم کیا گیا ہے-

آسٹریلیا کی اڈاکارا کی پہاڑیوں میں پری کیمبرین عہد کے پتھر موجود ہیں- اس کے علاوہ تصویر میں موجود۵۴۳ سے۵۷۰لاکھ سال پرانی فالودہ مچھلی کے فوصل بھی انہیں پہاڑیوں سے دریافت ہوئے ہیں- لاکھوں سال پرانے فوصلی ریکارڈ نظریہ ارتقاءاور تدریجی ترقی کی مکمل تردید کرتے ہیں- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے غیر سائنسی دعوؤں کے مطابق——

۱- فوصلی ریکارڈ میں کئی طرح کے وسطی نوعیت کے جانداروں کے نشانات ہونے چاہئے تھے-

۲- فوصلی ریکارڈ میں تدریجی ترقی کا عمل آہستہ اور واضح ہونا چاہئے تھا جس میں کوئی بھی جاندار ایک قدیم اور سادہ شکل سے جدید اور پیچیدہ شکل اختیار کرلے-

۳- پہلے خیالی خلیہ کے نمودار ہوتے ہی ایک نئی نسل سامنے آجانی چاہئے تھی- اس کے علاوہ ان نئی نسلوں کے تمام نشانات ٹریس فوصلوں کی شکل میں موجود ہونے چاہئے تھے-

لیکن افسوس کہ مندرجہ بالا سے ایک بھی صورتحال پیدا نہیں ہوئی جس سے کہ نظریہ ارتقاءکے دعوؤں کی تصدیق ہوسکتی- فوصلوں نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ جاندار مخصوص ساخت کے ساتھ نمودار ہوئے- اس ساخت کے علاوہ ہر جاندارکی مخصوص خصوصیات اور اوصاف بھی ہیں جو کہ مختلف نسلوں کے درمیان فرق پیدا کرتے ہیں- جانداروں کے اوصاف اور خصوصیات وقت کے ساتھ ان کے اندر نمودار نہیں ہوئے بلکہ ان کی تخلیق یا نموداری کے روز اول سے ہی ان کی ساخت اور جسم کا حصہ ہیں- یہی وہ سب سے اہم ثبوت ہے جو کہ بغیر کسی شک و شبہ کے دنیا کے سامنے اعلان کرتا ہے کہ تمام جاندار اپنی بے عیب خصوصیات کے ساتھ اللہ کی تخلیق ہیں-

گرین لینڈ سے ۳۴۵لاکھ سے۶۴کروڑ سال پرانے پری کیمبرین عہد کے پتھر

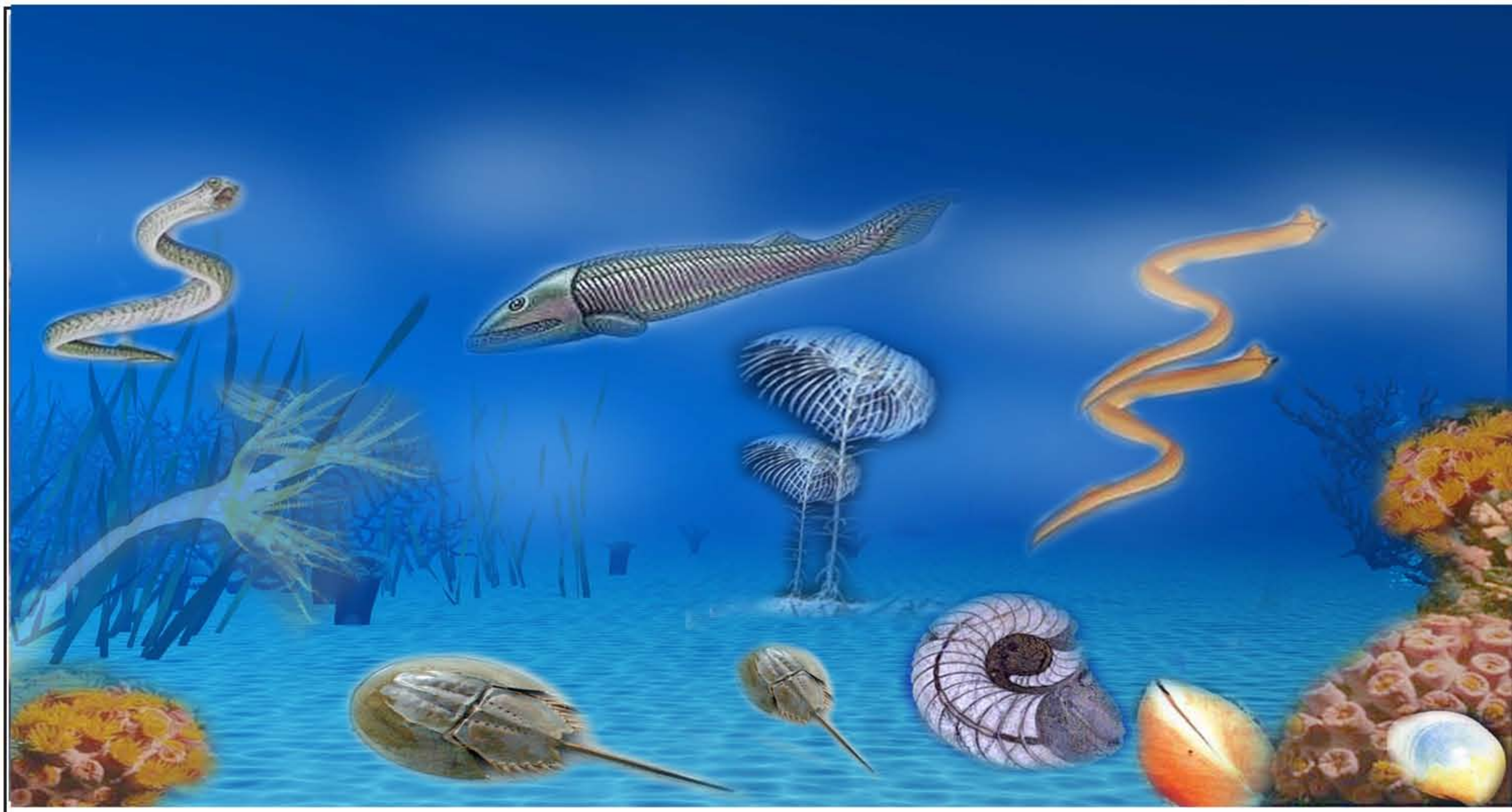

ہیں یا پھر فنا ہوچکے ہیں -

ڈارون کے نظریہ ارتقاءکے مطابق حالیہ دور میں موجود جانداروں کو ان کی تخلیق کے وقت سے لے کر اب تک شکلیں بدل بدل کر نمودار ہونا چاہئے تھا لیکن علم عرضیات اور علم حیوانات کے مطابق جانداروں میں کسی بھی قسم کی کوئی بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی-

سلوری یا سلووری دور

یہ ۴۱۷ لاکھ سال پہلے کا دور ہے اس دور کی اہم **خصوصیت** زمین کے درجہ حرارت کا بڑھنا ہے جس کی وجہ سے برف زار **پگھل** کر کچھ براعظموں میں سیلاب لے آئے- اس دور کے ملنے والے **فوصل** زمینی نباتات کے علاوہ خاردار غیر فقاری سمندری حیوانات کے بھی ہیں جن میں سمندری للی، بے ریڑھ کے جانور جیسے سمندری بچھو، **بہت** سی نسلوں کی بے دھانے کی مچھلیاں، خول دار مچھلیاں اور مختلف نسلوں کی مکڑیاں **شامل** ہیں-

ڈیوونین دور

ڈیوونین دور۳۵۴ سے۴۱۷لاکھ سال کا ہے اور یہ فوصلی زمانے کا چوتھا دور ہے-اس دور کے لا تعداد **فوصل** مچھلیوں کی مختلف اقسام کے ہیں-اس دور کی ایک نمایاں **خصوصیت** ایک طرح کی 'کثیر گمشدگی' ہے جس کے **تحت** بہت سی نسلوں کے جانور ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گئے-یہ 'کثیرگمشدگی'زیادہ تر مونگے کی چٹانوں پر اثر انداز ہوئی جس سے اسٹروماٹوپرونڈز یا چٹان بنانے والا مونگا **مکمل** طور پر نا پید ہو گیا-جہاں اس دور کی **بہت** سی جاندار نسلیں ناپید ہو گئیں،وہاں اس دور میں پائی جانے والی ہزاروں مچھلیاں آج بھی دنیا میں موجود ہیں-یہ جاندار ہزاروں بلکہ لاکھوں سالوں سے اپنی تخلیقی اشکال میں بغیر کسی تبدیلی کے ایک زندہ حقیقت کی طرح موجود ہیں-

سیلوورین دور کا کرینونڈ یا خارپوست بحری حیویہ

کاربونیفرس دور

Iیہ دور۲۹۰سے ۳۵۴لاکھ سال پہلے کا ہے اور اس کو کوئلے کا دور بھی کہتے ہیں-اس دور کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیاہے:

پری کیمبرین دورکے اس بانجھ اور بے ثمر وقت میں جس میں یک خلیہ جاندار ہی پائے جاتے تھے اس میں کثیر الجھتی نمونوں کے بے انتہا پیچیدہ ساخت کے جانداروں کا اچانک نمودار ہونا عقل کو دنگ کردیتا ہے-اچانک نمودار ہونے والے یہ جاندار ایک قسم کے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ظاہری اور اندرونی ساخت کے حوالے سے بھی مختلف ہیں - اس دور کے فوصل نہ صرف ان جانداروں کے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں بلکہ پری کیمبرین اور کیمبرین دور کے جانداروں کے درمیان نمایاں فرق کی نشاندہی بھی کرتے ہیں- یہ جاندار کسی بھی طور پر ایک دوسرے سے مشابہ نہیں تھے اسی لئے تدریجی ترقی کا کوئی اصول یا نظریہ ان پر لا گو نہیں ہوتا- یہ فرق اس قدر نمایاں ہیں کہ نظریہ ارتقاءکے سائنسدان لاجواب ہیں- گو کہ ان کو ارتقائی سائنسداں کہلانے کے لئے لازم ہے کہ وہ ان دو مختلف اوقات میں موجود جانداروں کے درمیان کسی قسم کے تدریجی تعلق کو ثبوت کے ساتھ پیش کریں لیکن آج تک اس معاملے میں وہ کوئی مثبت ثبوت تو دور کی بات ، کو ئی فکر و نظر کا پہلو بھی نہیں پیش کرسکے- کیمبرین دورکے مشاہدے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس دور کے بالکل شروعات میں بے شمار انواع و اقسام کے پیچیدہ ساخت کے حامل جاندار اچانک نمودار ہوئے - تخلیق کائنات کے بارے میں یہ وہی اصول ہے جو ہمیں اسلام بتاتا ہے کہ یہ تمام جاندار اللہ کی تخلیق اور اس کی بنائی ہوئی وسیع کائنات کا حصہ ہیں- تمام فوصلی روئداد کے مطابق یہ بے عیب اوربے داغ جاندار اپنی مکمل شکل و صورت میں نمودار ہوئے اور معدوم ہوگئے- ان کے اجسام میں کسی بھی قسم کی طبیعاتی یا کیمیائی قلت نہیں تھی- کسی جاندار کے اندر کسی قلت کا موجود ہونا نظریہ ارتقاءکا بنیادی اصول ہے کہ جانداروں نے نا مکمل شکل یا نا مکمل اوصاف سے بدریج وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکمل شکل اختیار کرلی-

اور ڈوویشن دور

اور ڈوویشن دور ۴۴۳ سے ۴۹۰ لاکھ سال پہلے کا دورہے جب کثیر تعداد میں ریڑھ کی ہڈی والے جاندار پائے جاتے تھے- ان جانداروں کے علاوہ اس دور میں غیر فقاری آبی حیوانات کی بھی بہتات تھی اور اس دور کے بے شمار نباتاتی فوصل اس دور میں زمین پر موجود پودوں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے ہیں اس وقت کے دوران زمین کی آب و ہوا میں بے پناہ تبدیلیوں کے باعث برفیلی دور یا Ice Age بھی عام تھے جس کی بنا بہت سے جانداروں کی نسلیں ناپید ہوگئیں-

اس دور کے بہت سے جانور دور حاضر میں بھی زمین پر نظر آتے ہیں جس کی ایک مثال گھڑ نعلی یا راج کیکڑا ہے- راج کیکڑے کے ۴۵۰ لاکھ سال پرانے فوصل میں بھی وہی نمایاں اور پیچیدہ اوصاف موجود ہیں جوکہ آج کے کیکڑے میں پائے جاتے ہیں- اس دور میں رہنے والی پانی کی مکڑی کا بھی ایک مکمل فوصل دریافت ہوا ہے جس کی عمر۴۲۵ لاکھ سال ہے- یہ تمام فوصل اس بات کے گواہ ہیں کہ جاندار کبھی بھی تدریجی مراحل سے نہیں گزرے بلکہ اپنی مکمل حالتوں میں دور اول سے یا تو اب تک موجود

نیوفاؤنڈلینڈ، کینیڈا میں دریائے سینٹ لارینس کے دہانے پر واقع ایک جزیرہ ہے- یہاں سے ملنے والے پتھر کیمبرین سے اور ڈوویشن دور میں عبوری ظاہر کرتے ہیں-

یہ ایک ۴۵۰ لاکھ سال پرانے گھڑ نعلی کیکڑے کا فوصل ہے جو کہ دور حاضر میں موجود اس کیکڑے سے بالکل مختلف نہیں ہے-

IIمیسوزوئک عہد - درمیانی حیاتی دور

اس عہد کو درمیانی حیاتی دور بھی کہا جاتا ہے اور یہ ۶۵ سے۲۴۸ لاکھ سال پہلے کا وقت ہے - میسوزوئک عہد کی مزید تین وقتوں میں تقسیم کی گئی ہے:

-ٹرائسک دور یا میان حیاتی دور کا پہلا زمانہ , -جوراسک دور یا دورِ وسیط , کریٹیشس دور یامیان حیاتی دور کا آخری زمانہ , -یہ وہ دور ہے جس میں ڈائناسور , رہے بھی اور معدوم بھی ہوگئے-

IIa ٹرائسک دور

میسوزوئک عہد کا پہلا دور تھا اور اس کا عرصہ۲۰۶ سے ۲۴۸لاکھ سال تھا- اس دور کے فوصل کثیر تعداد میں آبی اورارضی حیوانات کی نشاندہی کرتے ہیں- ان لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے فوصلوں میں سے ایک بھی اس 'وسطی' قسم کا فوصل نہیں ہے جس کی نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو تلاش تھی - وسطی فوصل یا Intermediate Fossil وہ ہیں جو کہ کسی جاندار کی تدریجی ترقی کا ثبوت دیتے ہیں-

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ریاست ایریزونا میں واقع منجمد جنگل میں موجود فوصل شدہ اور چشم گرہ شدہ درختوں کا شمار دنیا کے مشہور ترین ٹرائسک دور کے ان درختوں میں ہوتا ہے- اس جنگل میں موجود درخت چیلین اور اکاریہ نسل کے درخت ہیں اور ان کی فوصل شدہ اشکال اس بات کا ثبوت ہیں کہ کسی بھی نباتاتی نسل میں تدریجی ترقی کا عمل واقع نہیں ہوا- یہ ۲۴۸سے ۲۰۶لاکھ سال پرانے درختوں اور دورِ حاضر میں موجود ان کے ساتھیوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

سائنسدان ٹرائسک دور کے فوصلوں پر کام کررہے ہیں-

-نچلا کاربونیفرس یا مسی سیپین
-بالائی کاربونیفرس یا پنسلوینین

اس دور کی اہم خصوصیات براعظموں کے آپس میں ٹکراؤ کی وجہ سے زمین کی سطح کا اوپر نیچے ہونا اور قطبی برف بند کی وجہ سے سمندر کی عمومی اوسط سطح میںواضع تبدیلیاں تھیں- اس دور کے بے شمار عرضی اور بحری حیوانات کے فوصل برآمد ہوئے ہیں- کولیکانتھ ایک بڑی ہڈیوں والی سمندری مچھلی ہے جسے بہت عرصے تک معدوم خیال کیا جاتا رہا تھا -اس کی دم کے پر تکونے اور آگے کے پر دبیز پرگوشت ہوتے ہیں- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس مچھلی کے فوصل سے اندازہ لگاتے رہے تھے کہ اس کی قدیم شکل اس کی ایک تدریجی حالت ہے لیکن اس مچھلی کا دور حاضر میں اسی قدیم شکل میں موجود ہونا نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کردیتا ہے-

ڈارون کے پیروکارکولیکا نتھ مچھلی کو وہ مفقود کڑی تصور کرتے تھے جس سے نظریہ ارتقاءانواع کی تصدیق ممکن ہو لیکن کولیکانتھ کا اچانک ایک زندہ فوصل کی شکل میں نمودار ہونا اس نظریہ کے پیروکاروں کے لئے زبردست پریشانی کا سبب بن گیا- وہ مفقود کڑی تو ان کو مل گئی مگر اس طرح کہ اس کڑی نے ان کے نظریوں کو دنیا کے سامنے ثابت کرنے کی بجائے زمین بوس کردیا-

ایک ۴۱۰ لاکھ سال پرانی کولیکانتھ کا فوصل

دورِ حاضر کی کولیکانتھ

۳۵۵ سے ۲۹۵لاکھ سال پرانی مکڑی کا فوصل

پرمین دور

پرمین دور۲۴۸ سے ۲۹۰ لاکھ سال پرانا دور ہے جس میں جانداروں کی ایک اور کثیر التعداد گمشدگی کا ثبوت ملتا ہے -یہ دور پیلو زوئک عہد کا آخری حصہ ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق اس دور میں ۹۰ سے ۹۵ فیصد جاندار فنا ہوگئے البتہ کچھ جانداراَج بھی دنیا میں موجود ہیں جن میں ڈریگن فلائی یا بھنبھیری نما کیڑا جس کا جسم لمبا اور پتلا اور پر شفیف ہوتے ہیں اور مکڑیاں شامل ہیں -یہ دونوں حیوان لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی تدریجی ترقی کے بغیر آج بھی دنیا میں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں-

IIc - کریٹیشس دور

یہ دور میسوزوئک عہد کاآخری دور ہے اور یہ ۶۵ سے۱۴۶ لاکھ سال تک رہا -اس دور میں نہ صرف ڈائنا سور بلکہ ارضی رینگنے والے جانوروں اور پودوں کی بھی بڑی تعداد معدوم ہوگئی- اس دور کے بہت سے حیوانات ایسے بھی ہیں جو آج بھی دنیا میں موجود ہیں مثلاً ستارہ مچھلی، کیکڑا، مچھلیوں کی چند نسلیں ، آبی بچھو، مکڑیاں، ڈریگن فلائی یا بھنبھیری نما کیڑا،کچھوا اور

مگر مچھ- ان کی موجودگی کا ثبوت ۱۳۵لاکھ سال پرانا ستارہ مچھلی کا فوصل ،۱۴۰ لاکھ سال پرانا گھڑ نعلی کیکڑے کا فوصل اور ۱۲۵ لاکھ سال پرانا گنگکو کے درخت ہیں- گنگکو کا درخت خاص طور پر چین یا جاپان میں پایا جاتا ہے- اس کے پتے پنکھیوں کی طرح ہوتے ہیں اور اس میں زرد پھول لگتے ہیں- دورِ حاضر میں نظر آنے والی لا تعدادجاندار نباتاتی اور حیواناتی نسلوں کی طرح یہ جاندار بھی اپنی اصلی اور مکمل طبعیاتی اندرونی اور بیرونی ساخت کے ساتھ آج دنیا میں موجود ہیں اور ڈارون کے نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

ایک تقریباً ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال پرانی مچھلی اور چمگادڑ کے فرانس سے ملنے والے فوصل-

III - سینسوزوئک عہد یا نوحیاتی زمانہ

کریٹیشس دور کے خاتمے کے ساتھ ہی سینوزوئک عہد کا آغاز ہوگیا -یہ عہد۶۵لاکھ سال پہلے شروع ہوا اور حالیہ زمانے تک ہے یعنی وہ وقت جس میں ہم آج زندہ ہیں -اس عہد کو بہت عرصے تک ماہر علم ارضیات اور ماہرمعدوم حیوانات و نباتات نے دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا-

-ٹرٹیاری یا نو حیاتی عہد کا پہلا یگ

-کواٹرنیری یا نو حیاتی دورِ قریبی

ٹرٹیاری دور کی مدت۶۵ لاکھ سے ۸-۱کروڑ سال تھی جبکہ کواٹرنیری کا دورانیہ پچھلے ۸-۱ کڑوڑ سالوں پر مشتمل ہے -نئی اور حالیہ تحقیق کے مطابق ماہرِ ارضیات نے سینو زوئک عہد کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے-

پیلیوجین , نیو جین , اور کواٹرنیری

دوسرے ہر دور اور عہد میں دریافت ہونے والے فوصلوں کی طرح سینوزوئک عہد کے فوصل بھی ڈارون کے اس نظریے کی مکمل تردید کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں تدریجی ترقی کے مراحل سے گزر کر اپنی موجودہ اشکال تک پہنچیں -تمام ارضیاتی دور اور عہدوں میں ملنے والے فوصلوں میں نمایاں، ممتاز اور مشترک وصف ان میں کسی بھی قسم کے تدریجی مراحل کے ثبوت کا ناپید ہونا ہے -دوسرے الفاظ میں ،جو جاندار یا پودا جس طرح سے لاکھوں سال پرانے فوصل میں موجود ہے اسی ہو بہو شکل میں یا تو آج بھی زندہ ہے یا پھر مکمل طور پر معدوم ہوچکا ہے- کہیں بھی ڈارون کے سلسلہ ارتقاءکے حساب سے کسی جاندار کی پرانی اور نئی ہیئت کے درمیان کی مفروضہ مخلوق کا نام و نشان یا ثبوت موجود نہیں ہے- وہ واحد بات جو ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ نظریہ ارتقاءایک بے بنیاد نظریے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں -فوصل کی لاکھوں سالوں کی تاریخ اس نظریے کو انسانی ذہن کا فتنہ ثابت کرتی ہے- اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد طاقت ہے جس نے اپنے علم، حشمت اورقدرت سے زمین

یہ ایک ۳۷ سے۵۴ لاکھ سال پرانا مگر مچھ کا فوصل جرمنی میں دریافت ہوا ہے-

IIb -جوراسک دور

یہ میسوزوئک عہد کا درمیانی دور ہے اور یہ۱۴۴سے۲۰۶ لاکھ سال تک رہا -اس دور میں ڈائنا سور کی مختلف اقسام دنیا میں رہیں اور معدوم بھی ہوگئیں -اس دور کے اختتام تک نہ صرف ڈائنا سور بلکہ کچھ طرح کے ایمونائٹ ، سمندری اسفنج، کستور ا مچھلی ، اور سمندری گونگھوں کی بہت سی نسلیں ناپید ہوگئیں- لیکن اس دور کے بہت سے حیوان آج بھی اپنی اصلی اور قدیم حالت میں زمین پر موجود ہیں- فوصلی ریکارڈ ان جانداروں کی قدیم تاریخ سے بھرے ہوئے ہیں- ان کی ایک مثال مگر مچھ ہے جس کے سب سے پرانے فوصل کی عمر۲۰۰ لاکھ سال ہے -اس کے علاوہ ٹواٹارا چھپکلی کا فوصل بھی ۲۰۰ لاکھ سال پرانا ہے- ٹواٹارا چھپکلی Tuatara Lizard وہ گرگٹ یا چھپکلی کی نسل ہے جو نیوزی لینڈ کے بعض چھوٹے جزیروں میں پائی جاتی ہے- اس کی پشت پر نرم نوکیلے منکوں کی جھالر ہوتی ہے- دورِ حاضر میں پائے جانے والے جھینگے بھی اپنی جوراسک دور میں موجودہ تمام خصوصیات اور پیچیدہ جسمانی ساخت کے ساتھ کرہ ارض پر موجود ہیں-

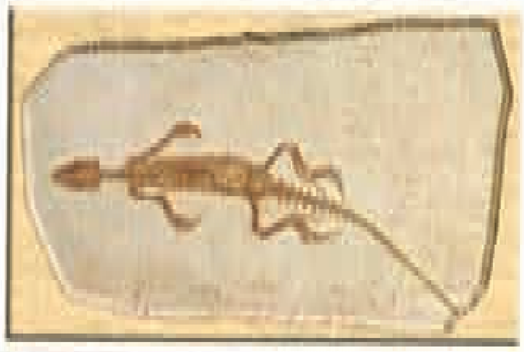

ایک ۲۰۰ لاکھ سال پرانی ٹواٹارہ چھپکلی کا فوصل اور ایک زندہ ٹواٹارہ چھپکلی-

ایک۲۰۶ سے ۱۴۴ لاکھ سال پرانے جھینگے کے فوصل اور موجودہ دور کے زندہ جھینگے میں کوئی فرق نہیں ہے-

ایک ۱۵۰ لاکھ سال پرانے بھنبھیری نما کیڑے کا فوصل دورِ حاضر کے اس کیڑے کا عین مشابہ ہے-

فوصلوں کو کس طرح ڈھونڈا اور اکھاڑا جاتا ہے؟

فوصلوں کو اکھاڑنے یا کھود کر نکالنے کے لئے کوئی خاص آلے نہیں بلکہ عام اوزار استعمال ہوتے ہیں- ماہر علم ارضیات اس کام کے لئے ہتھوڑی ،کھرپی، کٹائی کے مختلف آلے، قطب نما ، برش اور چھلنی استعمال کرتے ہیں- بعض اوقات فوصل نرم پتھر کے فرسودہ ہونے کی وجہ سے سطح زمین پر آجاتے ہیں- ایسی صورتحال میں فوصل کو صرف برش سے صاف کرنا ہی کافی ہوتا ہے لیکن عموماً فوصلوں کو جمع کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا -بعض دفعہ جس پتھر کے اندر فوصل چھپا ہوا ہوتاہے وہ خود بہت سخت ہوتا ہے اور اس کے بیچ سے فوصل کو بغیر نقصان پہنچائے نکالنا کئی گھنٹوں‌کا کام بن جاتا ہے - پہلے تو اس بات کا تعین کرنا ضروری ہوتا ہے کہ پتھر کو کس زاویے سے ضرب لگائی جائے -پتھر کی اصلی زمینی طبق کے مشاہدے سے اس کی پھٹاؤ کی لکیروں کا اندازہ کیا جاتا ہے -ہر پتھر میں مختلف پھٹاؤ کی لکیریں یا Fracture Lines ہوتی ہیں‌مثلاً پرت دار منقلب چٹانوں میں ان کی پرتوں کی وجہ سے لکیروں کا تعین کرنا آسان ہوتا ہے لیکن چونکہ چاک یا چونے کے پتھر میں ایسے کوئی پرت نہیں ہوتے اس لئے ان کو توڑنے میں خاص احتیاط ملحوظ رکھنی پڑتی ہے -پھٹاؤ کی لکیروں کے علاوہ پتھر کے اصل رنگ اور ساخت کا بھی مشاہدہ ضروری ہوتا ہے ورنہ اندر کے نازک فوصل کو نقصان پہنچ سکتا ہے-

جب فوصل کو پتھر سے اکھاڑ لیا جاتا ہے تو اس کو مزید مختلف نوعیت کی عملیات سے گزارا جاتاہے- سب سے پہلے اس کو نہایت احتیاط سے لیبارٹری میں پہنچانا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کا تفصیلی اور سائنسی معائنہ کیا جاسکے -لیبارٹری میں پہنچانے کا ایک طریقہ کیمیائی گوند کا استعمال ہے جو فوصل کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھتا ہے -بہت بڑے حجم اور پیمائش کے فوصلوں کے لئے پلاسٹر کے سانچے استعمال کئے جاتے ہیں-

تہ دار پتھروں اور چٹانوں کے جن ٹکڑوں میں فوصل موجود ہونے کے امکان ہوتے ہیں ان کو جمع کیا جاتا ہے اور پھر احتیاط سے کھولا جاتا ہے- یہ بھی فوصل جمع کرنے کا ایک اہم عملی قدم ہے-

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کے دوران فوصل کو محفوظ رکھنے کے لئے پلاسٹر استعمال کیا جاتا ہے- تصویر میں ایک ہڈی کے فوصل کو پلاسٹر سے ڈھکا گیا ہے-

تیزاب کے ذریعے فوصل کی صفائی

فوصل کو صاف کرنے کا ایک طریقہ تیزاب کا استعما ل ہے- یہ طریقہ خاص طور پر چونے کے پتھروں کو گلانے کے لئے مفید ہے جن کے اندر فوصل پھنسے ہوں-

۱- پتھر کو فوصل سمیت ایک درست تیزاب میں اس وقت تک ڈبودیا جاتا ہے جب تک کہ فوصل کا کوئی حصہ نظر نہ آنے لگے-

۲- نظر آنے والے فوصل کے حصے کو دھوکر تیزاب سے بچاؤ کےلئے کسی مادہ سے ڈھک دیا جاتا ہے-

۳- اس پتھر کو دوبارہ تیزاب میں ڈبودیا جاتا ہے اور یہ عمل کئی بار دھرایا جاتا ہے-

۴- جیسی جیسے فوصل ظاہر ہونے لگتا ہے اس کو تیزاب سے بچاؤ کے لئے مناسب مادے سے ڈھکنا بہت ضروری ہے تاکہ تیزاب صرف پتھر پر اثر انداز ہوسکے اور فوصل اس سے محفوظ رہے-

۵- دھیرے دھیرے فوصل پتھر سے مکمل طور پر آزاد ہوجاتا ہے- اس کو اچھی طرح سے دھویا جاتا ہے تاکہ اس پر سے تیزاب اور دوسرا مادہ صاف ہوجائے-

دنیا کے سب سے پرانے پتھر گرین لینڈ میں واقع ہیں جن کی عمر ۳۸سے۳۹کروڑ سال ہے- پتھروں کی عمر تابکا رمعدنیات پر تحقیق کے ذریعے پتہ چلتی ہے-

پر مختلف نسلوں کے حیوانات اور نباتات کو نہ صرف اچانک پیدا کیا بلکہ بہت سی نسلوں کا اپنی مرضی سے خاتمہ بھی کردیا -بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسانی زندگی کے لئے کیا چیز مناسب ہے اور کیا نہیں -

فوصل سب سے زیادہ کہاں دریافت ہوتے ہیں

فوصل دنیا کے تقریباً ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں -پتھروں کی کچھ قسموں میں کسی بھی طرح کے فوصل نہیں ہوتے جبکہ بہت سی دوسری طرح کے پتھروں میں کثیر تعداد میں فوصل پائے جاتے ہیں -ماہر علم ارضیات نے پتھروں کو تین طرح کے گروہ میں تقسیم کیا ہے-

۱- اگنیس یا آتش فشانی یا مقناطیسی عمل سے وجود میں آنے والا پتھر

۲- سیڈ یمنٹری یا تہ نشین پتھر

۳- میٹا مورفک یا وہ پتھر جو قدرتی عوامل مثلاً درجہ حرارت یا دباؤ کے ذریعے تبدیل ہوجاتے ہیں-

۱-اگنیس

اس گروہ میں گرانائٹ یا سنگ خارا اور سیاہ آتش فشانی چٹان یا سنگ سیاہ بھی شامل ہیں- سیاہ آتش فشانی پتھر زمین کے اندر موجود سیال مادے کے ٹھنڈا ہونے سے وجود میں آتا ہے- جب سیال مادا آتش فشانی کے دوران زمین پر نکل آتا ہے تو یہ ٹھنڈا ہونے کے بعد زمین کے اوپر پتھر کی شکل اختیار کرلیتا ہے-

۲- سیڈ یمنٹری

یہ پتھر اس وقت بنتے ہیں جب پانی یا ہوا کے ذریعے اڑ کر اور بہا کر لائے جانے والے ذرات رفتہ رفتہ جمع ہوتے جاتے ہیں اور پتھر کی شکل اختیار کرلیتے ہیں-

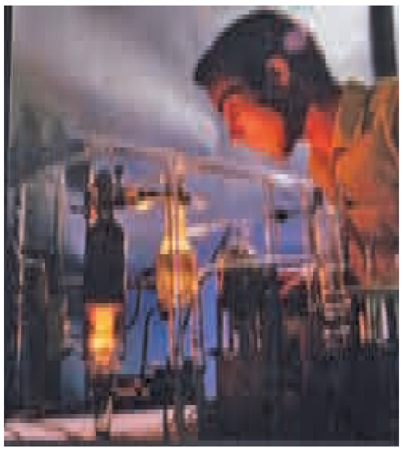

تحقیق دان پتھروں کی عمر ان کے اوپر موجود تابکار معدنیات کے گلنے سڑنے کی حد سے لگاتے ہیں ،

۳- میٹا مورفک

یہ پتھر دراصل اگنیس اور سیڈ یمنٹری پتھروں کی ہی ایک قسم ہوتے ہیں جن کی ساخت زمین کے اندر درجہ حرارت کی تبدیلی اور دباؤ سے تبدیل ہوجاتی ہے-

اگنیس پتھروں میں بہت کم فوصل دریافت ہوئے ہیں - یہ فوصل ان میں اس صورت میںبنے جب کوئی جاندار یا پودا سیال مادے کے ٹھنڈا اور سخت ہونے سے پہلے اس میں دفن ہوگیا ہو- سیڈ یمنٹری پتھروں کو میٹا مورفک بنانے کے لئے جس شدید درجہ حرارت اور دباؤ سے گزرنا پڑتا ہے اس کے بعد بہت کم فوصل اس میں باقی رہ پاتے ہیں- اسی لئے فوصلوں کی سب سے زیادہ تعداد سیڈ یمنٹری پتھروں میں ہی ملی ہے-

تقریباً سارے سیڈ یمنٹری پتھر ہوا اور پانی سے جمع ہوئے ذرات سے بنتے ہیں -بعض اوقات دوسرے پتھروں کی توڑ پھوڑ سے بھی سیڈ یمنٹری پتھر وجود میں آجاتے ہیں- ان پتھروں کی ایک قسم کوئلہ بھی ہے جوکہ حیواناتی اور نباتاتی باقیات سے بنتا ہے- وہ سیڈ یمنٹری پتھر جو چھوٹے چھوٹے ذروںسے مل کر بنتا ہے کلاسٹک کہلاتا ہے -اس کی قسمیں سینڈ اسٹون اور اسکسٹ ہیں- سینڈاسٹون وہ پتھر ہوتا ہے جس کو قریب سے دیکھنے پر ذرات نمایاں نظر آتے ہیں جبکہ اسکسٹ اس پرت دار منقلب چٹان کو کہتے ہیں جو معدنیات کی کئی تہوں سے بنتی ہے اور پتلے ہے ڈول پتروں یا ورقوں کی شکل میں ٹوٹتی ہے-

سیڈ یمنٹری پتھر کے بننے کے دوران اگر ذروں میں تحلیل کا عمل کیمیائی یا عملِ تبخیر کے ذریعے واقع ہوجائے تو نتیجہ میں مربوط سیڈ یمنٹری پتھر کے قطعے بن جاتے ہیں جس کی مثال چونے کا پتھر یا کیلشیم میگنیشم کاربونیٹ کا پتھر ہے -عام طور پر سیڈ یمنٹری پتھر کلاسٹک اور مربوط پتروں پر مشتمل ہوتا ہے- سیڈ یمنٹری پتھروں میں فوصل عموماً پھوٹک پتھر، پرت دار منقلب چٹانوں، ریگی پتھر اورچونے کے پتھروں میں ملتے ہیں-

فوصلی ریکارڈ میں تمام جاندار اپنی مکمل ساخت اور شکل کے ساتھ موجود ہیں- مثلاً مگر مچھ اور گلہریوں کا فوصلی ریکارڈ میں نمودار ہونے سے پہلے کسی عجیب و غریب مخلوق کا کوئی نشان نہیں تھا جو کہ تھوڑا بہت مگر مچھ ہو اور تھوڑا بہت گلہری، گلہریاں ہمیشہ گلہریوں ہی کی شکل میں موجود رہی ہیں اور مگر مچھ ہمیشہ مگر مچھ ہی کی شکل میں نظر آیا ہے- ان تمام حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کا دعویٰ کہ "جاندار نسلیں لاکھوں سال کے عرصے سے تدریجی ترقی کے ذریعے اپنی اصل شکل میں آئیں" ایک خیالی مفروضہ ہے-

چیز منظم ہونے کے بجائے پریشانی کے عالم میں کیوں نظرنہیں آتی ؟ ان وسطی تدریجی جانداروں کے فوصل ہمیں زمین میں گڑے ہوئے کیوں نہیں ملتے؟ ہر ارضیاتی تشکیل اور طبقاتی ترتیب میں ان وسطی کڑیوں کا نشان کیوں نہیں ملتا؟ چونکہ علمِ ارضیات ایسی کسی کڑی یا سلسلہ کا نشان نہیں دکھاتا اسی لئے ان نشانات کی غیر موجودگی ہی میرے نظریے کا ایسا واضح اور سنگین اختلاف ہے کہ جس کے خلاف بحث کی جاسکتی ہے"(چارلس ڈارون "دا اوریجن آف اسپیسز" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ، نیویارک 1998 صفحہ 140 ، 141 ،227)

اپنے وقت میں ڈارون کی بحث یہ بھی تھی کہ اگر چہ وسطی فوصل ، یا وہ فوصل جو تدریجی ترقی کی نشاندہی کریں، اس وقت نہیں مل سکے لیکن شاید مزید سائنسی تحقیق ان کو عیاں کردے- لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے بعد فوصلوں پر ہر تحقیق نے ڈارون کی ان خوش امیدیوں کو زائل کردیا ہے- فوصلوں کے بارے میں معلومات اب نہایت متمول ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے فوصلوں نے ۲۵۰،۰۰۰ کے قریب مختلف جاندار نسلوں کی نشاندہی کردی ہے- ان میں بہت سے جاندار وہ ہیں جو کہ آج کے تقریباً ۱۵ کروڑ زندہ جانداروں کے عین مشابہ ہیں -اس ذرخیز فوصلی ریکارڈ یا روئداد کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اب کسی وسطی فوصل یا کسی بھی جاندار نسل کی تدریجی ترقی کے آثار کا ملنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے-

فوصل کی تاریخ میں نظریہ ارتقاءکی تصدیق کے لئے ایک فوصل بھی موجود نہیں البتہ لاکھوں فوصلی نمونے ایسے ہیں جو کہ الٹا اس نظریے کی مکمل تردید کرتے ہیں- ان میں سب سے اہم وہ "زندہ فوصل" ہیں جن کے نہ صرف فوصل زمین سے برآمد ہوئے ہیں بلکہ وہ جاندار دورِ حاضر میں زمین پر زندہ موجود ہیں - زندہ فوصل سے بڑھ کر مستند اور کوئی ثبوت نہیں ہوتا کہ جن جانداروں کے لاکھوں سال پرانے نشانات ماہر ارضیات کو فوصل کی شکل میں ملے ہیں وہ آج بھی اسی

Ginkgo Tree بہت سی نباتاتی نسلیں ایسی ہیں جن کی ساخت ۲۰۶ سے ۲۴۸ لاکھ سال پرانے ٹرائسک دور سے لے کر آج تک تبدیل نہیں ہوئیں- گنگکو کا درخت بھی ان میں شامل ہے- تصویر میں موجود فوصل ۱۴۴ سے ۲۰۶ لاکھ سال پرانے جوراسک دور کا ہے-

دور حاضر میں موجود گنگکو کے درخت کی شاخ

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے دوران فوصل کے نازک حصوں کو پہلے گیلے اخبارات میں لپیٹا جاتا ہے اورپھر پلاسٹر میں بگھو دیا جاتا ہے۔

لیبارٹری میں لانے کے بعد فوصل کو اچھی طرح سے صاف کیا جاتا ہے تاکہ اس کی ساخت کی تمام باریکیاں واضح ہوجائیں۔ اگر فوصل اس پتھر سے زیادہ سخت ہے جس میں وہ پھنسا ہواہے تو اس کو نکالنے کا کام نسبتاً آسان ہوتا ہے لیکن اگر پتھر سخت اور فوصل نازک ہوتو پھر اس کی صفائی کے لئے کیمیائی اجزاءکا استعمال ضروری ہوجاتا ہے۔ اس کام کے لئے عموماً تیزاب استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ فوصل اور اس کے اطرف کے پتھر کی مضبوطی یکساں ہوتی ہے ۔اس صورت میں اس کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے سے پہلے ایکسر ے اور کمپیوٹر جائزہ کار آلے کے ذریعے فوصل کی ساخت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

وہ سچ جو فوصل جانداروں کے بارے میں ظاہر کرتے ہیں

تخلیق: اب تک جتنے بھی فوصل دنیا میں ملے ہیں ان سب میں دو بہت ضروری قدریں مشترک ہیں اور یہ دونوں قدریں ڈارون کے نظریہ ارتقاءکے خلاف جاتی ہیں۔

۱۔ اسٹیسسStatis یا بے عملی اور جمود

جانداروں کی کسی بھی نسل نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران کسی بھی قسم کی تبدیلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان کی جس طرح کی اندرونی اور بیرونی ساخت فوصل میں ملی ہے اسی ساخت کے ساتھ یا تو وہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں یا معدوم ہوچکے ہیں۔ بعض جانداروں کی شکلیاتی ساخت میں تبدیلیاں معمولی اور سائنس کے اعتبار سے غیر اہم ہیں مثلاً آج کے دور کا مگر مچھ وہی ہے جو لاکھوں سال پہلے تھا ۔اپنی شکل کی معمولی تبدیلی کے باوجود وہ آج بھی وہ مگر مچھ ہی ہے، کوئی اور چیز نہیں بن گیا۔

۲۔ اچانک ظہورSudden Appearance

جانداروں کی کسی بھی حیوانیاتی یا نباتاتی نسل نے تدریجی ترقی کے ذریعے اپنی شکل اختیار نہیں کی بلکہ ہر جاندار اچانک ہی اپنی مکمل اور اصلی شکل میں نمودار ہوا۔

ان دو قدروں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آج کے دور میں موجود یا ناپید جانداروں کی زندگی میں کبھی بھی کوئی وسطی تدریجی ترقی کا عمل واقع نہیں ہوا۔ ان کی اندرونی اور بیرونی ساخت کے تمام اوصاف ان کے زمین پر ظہور کے پہلے لمحے سے ہی ان میں موجود ہیں۔ ڈارون کو خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ فوصلی ریکارڈ اور اس سے متعلق تمام روئداد اس کے نظریہ ارتقاءکی تردید کرتے ہیں لیکن ڈارون اور اس کے پیروکاروں کو اس سچائی کا اعتراف کرنے میں ہمیشہ ہچکچاہٹ رہی ہے۔

چارلس ڈارون

ڈارون کی کتاب اوریجن آف اسپیسیزOrigin of Species میں ایک باب کے اندر جس کا نام "ڈیفی کلٹیز آف تھیوری" یا نظریے کی مشکلات ہے ،ڈارون خود اس بات کا کسی حد تک اعتراف کرتا ہے کہ فوصل کے ریکارڈ یا روئداد نظریہ ارتقاءکو سہارا نہیں دے پائے۔ وہ لکھتا ہے:

"اگر جاندار نسلیں ان سے پہلے کی نسلوں کی تدریجی اشکال ہیں تو پھر ہمیں ان جانداروں کے وسطی تدریجی اشکال کے فوصل یا ثبوت کیوں نہیں ملتے؟ فطرت میں ہر

ایک۵۴ سے ۳۷ لاکھ سال پرانا بھڑ کا فوصل۔

تصویر میں موجود گھونگے کے یہ فوصل ۱۴۴سے ۲۰۶ لاکھ سال پرانے جوراسک دور کے ہیں اور یہ فوصلی نمونے اس جاندار کے سب سے پرانے فوصل ہیں۔ گھونگے کے خاندان کی دوسری نسلوں کے فوصل۷۹۰ سے۵۴۳ لاکھ سال پرانے کیمبرین دور کے ہیں۔ گھونگے نے لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اپنی نمایاں ساخت اور خصوصیات کو برقراررکھا ہے اور ان کے فوصلوں کے ذریعے نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید ہوتی ہے۔

سال پرانے نشانات ماہر ارضیات کو فوصل کی شکل میں ملے ہیں وہ آج بھی اسی ساخت اور دیگر مشترک اوصاف کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں-کسی بھی وسطی فوصل یا تدریجی ترقی کے آثار کا سوال علم ارضیات اور علم معدوم حیوانات اور نباتات کی رو سے پیدا ہی نہیں ہوتا- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس تمام سائنسی ثبوت کے سامنے بے بس ہیں-

ماہر نظریہ ارتقاءنائلز ایلڈرج Niles Eldridge اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ زندہ فوصل کے موضوع پر اس کے پاس کوئی وضاحت نہیں ہے اور زندہ فوصل نظریہ ارتقاءسے متعلق لا تعداد دوسرے رازوں میں سے ایک وہ راز ہے جس کا سراغ کم از کم نظریہ ارتقاءکے کسی اصول کے تحت مل ہی نہیں سکتا -- ایلڈرج لکھتا ہے:

"جب ہم کسی بھی جاندار اور اس کی نسل کے ارضیاتی ماضی کا فوصل کے ذریعے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں کوئی فرق نہیں ملتا- زندہ فوصل ایک مستحکم نسل بندی کی انتہائی شکل ہیں- ہم زندگی کی پہیلی کی انتہا کو سمجھ نہیں سکتے-ہم نے زندہ فو صل کی پہیلیوں کو ابھی تک حل نہیں کیا" (http: //www.nwcreation.net/fossilsliving.html) ایلڈرج جس راز اور پہیلی کا ذکر کرتا ہے وہ کوئی راز یا پہیلی نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت بن چکی ہے- زندہ فوصل اس بات کا ثبوت ہیں کہ جاندار نسلیں کسی تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزریں بلکہ تخلیق کی گئی ہیں -لیکن ڈارون کے پیروکار اس سچائی سے اب بھی منحرف ہیں اور محض اپنے کٹر پن اور ضد کی وجہ سے ایک ۱۵۰سال پرانے غیر سائنسی نظریہ کو زندہ رکھنے پر مضر ہیں-

دورِ حاضر کی جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں اس حقیقت کو سمجھنا اور آسان ہوگیا ہے اور اسی لئے ان سائنسی مشاہدوں پر مبنی حقیقت اور اس کو ماننے اور سمجھنے والوں کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی ہے- اس کے ساتھ ہی ڈارون کی من گھڑت روئداد اور پریوں کی کہانی نما نظریے پر اندھا اعتقاد رکھنے والوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے -ڈارون کے دور کے بر عکس اب منظرِ عام پر آنے والے کسی بھی نئے نظریے کو جینیات، خرد حیاتیات، علم معدوم حیوانات و نباتات، علم اَرضیات اور دیگر سائنسی شعبوں کی مکمل تحقیق کے بغیر مسلم قرار َنہیں دیا جاتا - ان تمام تحقیقاتَ کی رو سے ڈارون کے نظریہ ارتقاءکے بارے میں بھی وہ سچ برآمد ہوا ہے جس کے منظر پر آنے کی توقع ڈارون اور اس کے پیروکاروں کو شاید کبھی نہیں تھی -وہ سچ کائنات اور زندگی کی اصل حقیقت کا سچ ہے-

ان لوگوں کے غیر منطقی اور غیر سائنسی دعوے اور ان کا دھوکہ بازی اور مکاری سے اس نظریے کی تبلیغ اور پرچار دراصل ان کی انتہائی مایوسی کاغماز ہیں -ہم سے زیادہ ہماری آنے والی نسلیں اس بات پر انگشت بدنداں ہوں گی کہ انسانیت نے آخر کس بات کی بنیاد پر ڈارون کے نظریہ ارتقاءکا اندھا یقین کیاتھا- ہر سائنسی تحقیق صرف اور صرف اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ تدریجی ترقی کسی بھی دور میں کسی جاندار کے ساتھ عمل پذیر نہیں ہوئی اور صرف اللہ ہی کی وہ ذات ہے جس نے کائنات اور اس میں موجود ہر زندہ شے کو تخلیق کیا-

﴿ مہربے تیرے رب کی -وہی ہے سنتا جانتا -رب آسمانوں کا اور زمین کا،اور جو ان کے بیچ ہے-اگرتم کو یقین ہے-کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے،جِلاتا ہے اور مارتا ہے-رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا-کوئیٰ نہیں!وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے- ﴾

[الدخان -آیت۶-۹]

جنوبی اور شمالی امریکہ میں ملنے والے فوصلی نمونے

کیباب کے چونے کے پتھر کی عمر تقریباً ۲۵۰ لاکھ سال ہے اور یہ کیباب اور کوکونینو کی سطح مرتفع کی بالائی تہ میں موجود ہے- اس تہ میں مونگے، گھونگوں، سوسنِ بحری، کیچوؤں اور مچھلیوں کے دانتوں کے فوصل بھی موجود ہیں-

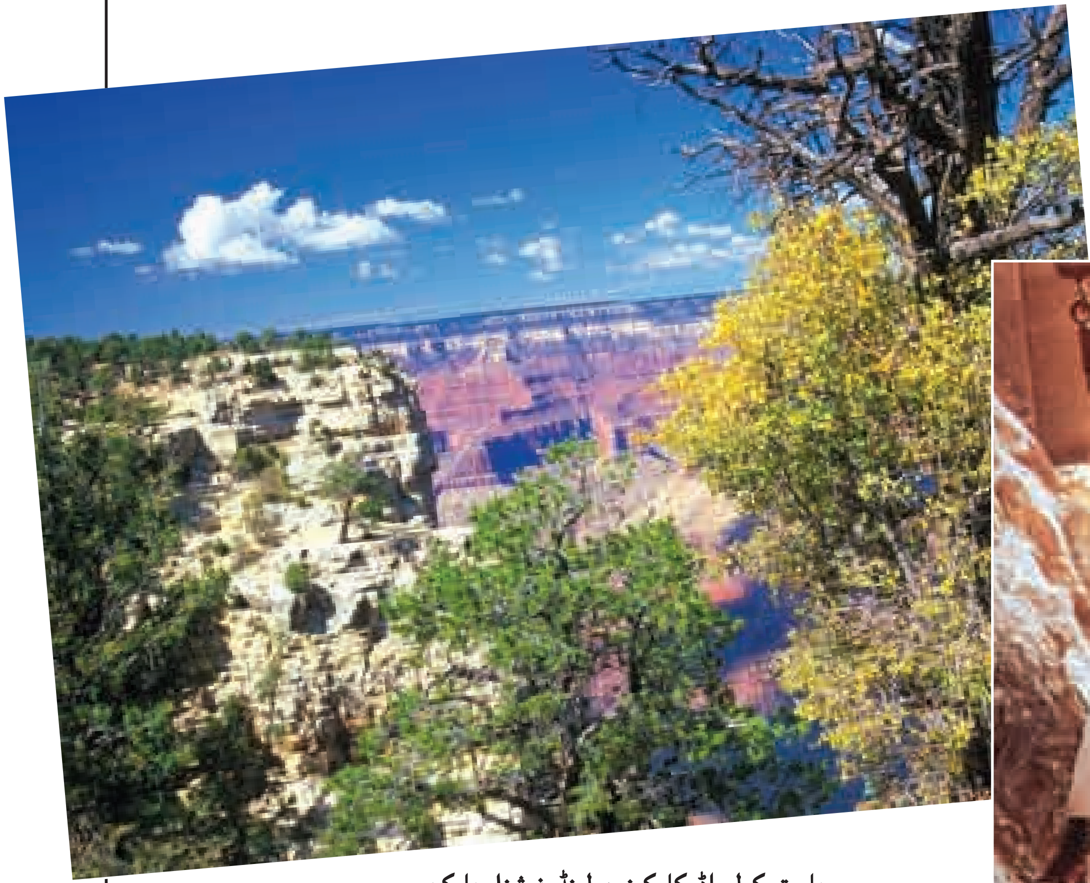

ریاست کولوراڈ کا کینین لینڈ نیشنل پارک

نیچے فوصلوں کی منتقلی

ریاست وائے اومنگ میں فوصلی تحقیق کا علاقہ

لیکن اس مقام تک پہنچتے پہنچتے اوہائیو کئی مرتبہ زیر آب ہوگیا تھا- اسی وجہ سے یہا ں سے ملنے والے فوصلوں کی کثیر تعداد ۲۵۱ سے ۵۴۳لاکھ سال پرانے پیلیو زوئک دور کے ہیں -اسی طرح یوٹا کی ریاست بھی فوصلی نمونوں میں ذرخیز ہے -یوٹا سے بھی فقاری ،غیر فقاری اور آبی حیوانات اور رینگنے والے اور ممالیہ جانوروں کے فوصل کثیر تعداد میں دریافت ہوئے ہیں- یوٹا کے یوانٹا پہاڑوں سے ملنے والے خرد بین فوصل یہاں پر کیمبرین دور کے جانداروں کی نشاندہی کرتے ہیں-

دنیا کے ہر دوسرے حصے سے ملنے والے فوصلوں کی طرح ان فوصلوں نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ دورِ حاضر میں پائی جانے والی گھینتی مچھلی، لقمہ ماہی ،بھنبھیری ، مکھی، مکڑی، کیکڑے اور کچھوؤں اور لاکھوں سال پہلے رہنے والے انہیں جانداروں میں کوئی فرق نہیں ہے- دوسرے الفاظ میں ان جانداروں کے اندر کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کا کوئی ثبوت نہیں ہے- فوصلی ریکارڈ نے ہر بار کی طرح اس بار بھی نظریہ ارتقاءکی تردید اور تخلیق کی حقیقت کی تصدیق کردی ہے-

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ملنے والے فوصلی نمونے

ایوسین دور Eocene Period کرہ ارض کا دور ثلاثی ہے -اس وقت دودھ پلانے والے جانوروں کی کثرت تھی اور یہ دور۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال پہلے کا دور ہے- اس دور کے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے گرین ریور Green River کے فوصلی ذخیروں کا شمار ملک کے اہم ترین فوصلی ذخیروں میں ہوتا ہے- اس مقام پر پہلی کھدائی۱۹۵۰میں ہوئی- ۱۸۵۶میں ماہرِ آثارِ قدیمہ ڈاکٹر جان ایونز نے اس مقام سے جمع کئے جانے والے مچھلیوں کے فوصل دنیا کے سامنے پیش کئے اور گرین ریور کی زمینی طبق کو سائنسی کتب کا حصہ بنادیا-

گرین ریور دراصل دریائے کولوراڈو کا دھارا ہے اور یہ زمینی طبق ایک پہاڑی جھیل کی مدور وادی ہے جس کا مکمل رقبہ ملک کی تین ریاستوں پر پھیلا ہوا ہے- اس کا کچھ حصہ شمال مغربی کولوراڈو میں یونیٹا کے پہاڑوں کے مشرق میں اور نسبتاً چوڑا رقبہ وائے اومنگ کے جنوب مغربی علاقے میں ہے- گرین ریور یا بڑے دریا کے پتھروں کی ساخت تہوں پر مشتمل ہے -گہرائی میں جانے کے ساتھ ساتھ اس کے اجزاءبدلتے جاتے ہیں اور فوصلوں کی تقسیم بھی بدلتی جاتی ہے- دورِ حاضر تک ۶۰ مختلف فقاریہ گروہ اور بے حساب غیر فقاریہ گروہ کے فوصل اس زمینی طبق سے حاصل ہوئے ہیں-

ریاست اوہائیو میں بھی ایک مشہور فوصلی میدان ہے -ماہرِ ارضیات کی تحقیق کے مطابق ۵۱۰ لاکھ سال پہلے اوہائیو ایکواڈور Ecuador کے جنوب میں واقع تھا - براعظموں کے متحرک ہونے کی وجہ سے شمالی امریکہ اپنے حالیہ مقام پر آگیا ہے

ریاست وائے اومنگ کے گرین ریور سے برآمد ہوا مچھلی کا فوصل

گار فش / سوا مچھلی

عمر -۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال

پیمائش- ۳۹ سینٹی میٹر (۳-۱۵ انچ) لمبائی

سطر بندی-۲۹ سینٹی میٹر (۱۱ انچ) × ۴۰ سینٹی میٹر (۱۵ انچ)

جائے وقوع-لنکن کاؤنٹی --- ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق-گرین ریور یا ہرے دریا کی زمینی طبق

عہد-ایوسین

سوا مچھلی کے ہزاروں فوصل عینی شاہد ہیں کہ موجودہ دور میں زندہ یہ مچھلی لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں زمین پر زندہ ہے- تصویر میں موجود مچھلی کی عمر ۳۷ سے۵۴ لاکھ سال ہے اور یہ دنیا کے سمندروں میں آج بھی اسی شکل میں موجود ہے- اس مچھلی کی اپنے پرکھوں سے ہم شکلی نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک ناقابلِ فہم بات اور تخلیق کا واضح ثبوت ہے-

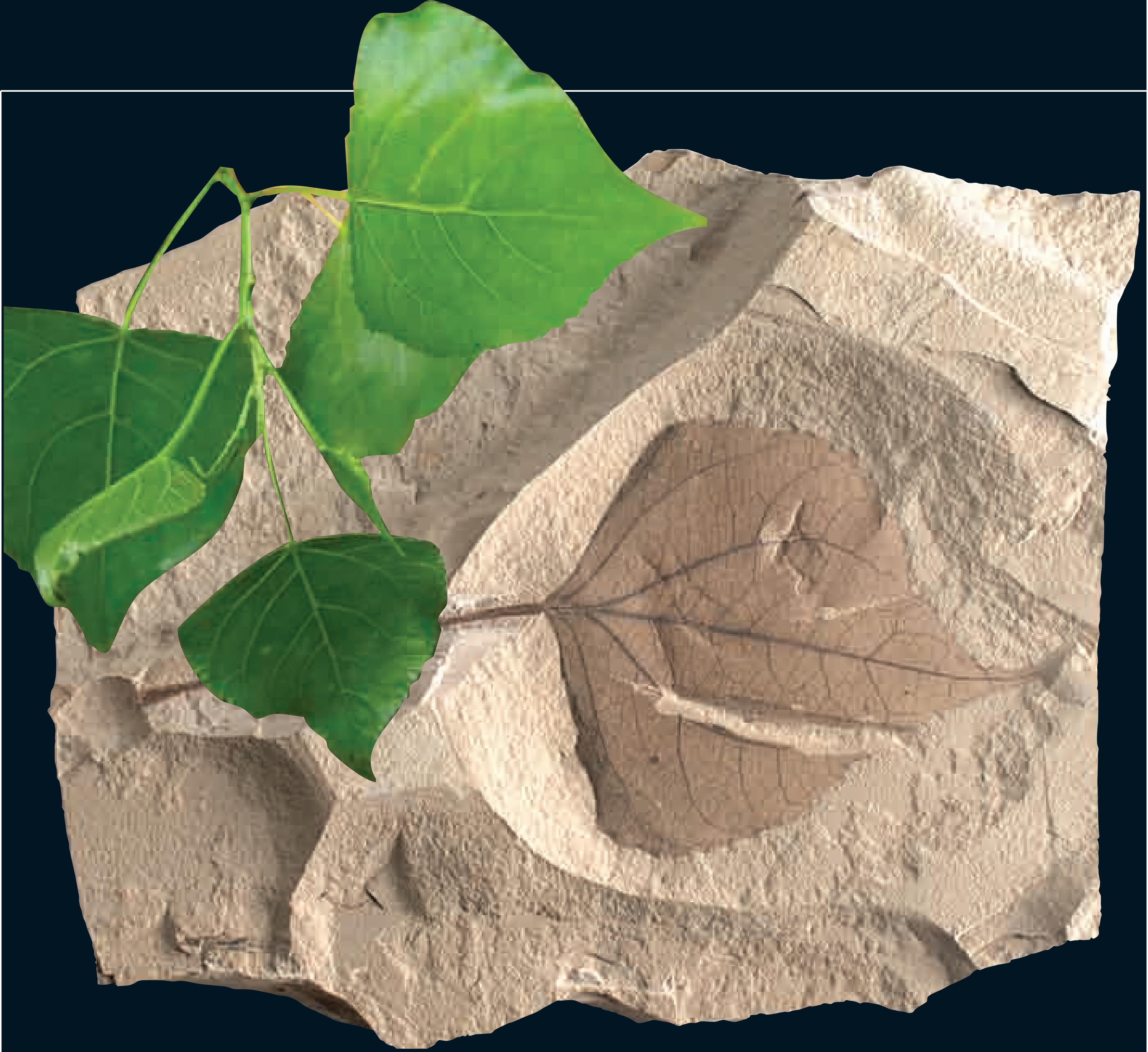

پوپلرلیف / سفیدے کے درخت کا پتہ

عمر-۳۷ سے۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق ، ریاست کولورا ڈو
عہد- ایوسین

ڈارون کے پیروکار زمین پر نباتات کے نمودار ہونے سے متعلق سوالوں کا جواب بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں -ان کے نزدیک نباتاتی نسلوں کا لا انتہا سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یک خلیہ پودوں سے اتفاقاً شروع ہوا -ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ پودوں کی ہر نسل کے مخصوص اوصاف مثلاً ساخت، رنگ اور خوشبو بھی اتفاقاً ہی نمودار ہوگئے- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سمندری کائی تدریجی ترقی کے مراحل سے گزرنے کے باعث اسٹا بری یاسفیدے کے درخت کا پتہ یا گلاب کا درخت بن گئی- ان کا کہنا ہے کہ یہ ساری تبدیلیاں محض اتفاقاً پیدا ہوگئیں- ان کے ان اتفاقی حادثوں کو سائنسی سہارا آج تک نہیں مل سکا- جو بھی سائنسی ثبوت آج تک ملا ہے وہ الٹا ان کے ہر نظریے کی تردید کرتا چلا جارہا ہے-
فوصلی ریکارڈ میں جانداروں کے لاتعداد نمونے لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں موجود ہیں -تصویر میں موجود یہ ۵۰ لاکھ سال پرانا سفید ے کے درخت کا پتہ اس بات کا کھلاثبوت ہے کہ جاندار نسلیں تدریجی ترقی کے ذریعے نمودار نہیں ہوئیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

اسٹنگ رے / غضروفی مچھلی

عمر- ۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال
پیمائش - ۸ سینٹی میٹر (۲-۳ انچ) × ۸-۳ سینٹی میٹر (۵-۱ انچ)
سطر بندی- ۷-۱۲ سینٹی میٹر (۵ انچ) ۱۰ x سینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے وقوع- لنکن کاؤنٹی ، ریاست وائے اومنگ
عہد - ایوسین

غضروفی مچھلی کچی یا کُرکُری ہڈی کی مچھلی ہوتی ہے- کسی خطرے کی صورت میں یہ اپنا دفاع اپنی دم پر موجود دندانے دار سوئے سے کرتی ہے- ان کی آنکھیں ان کے چپٹے لوزات نما جسم کے اوپر اور منہ نیچے ہوتاہے-
شارک مچھلی کی طرح یہ اپنی خوراک کو اپنی سونگھنے کی حس اور برقی حس کے ذریعے ڈھونڈتی ہے -یہ عموماً سمندر کی زمین میں دھنسی رہتی ہے اور صرف ان کی آنکھیں اور دم نظر آتی ہیں-
فوصلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مچھلیاں بھی کسی قسم کی تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزریں -۱۵۰لاکھ سال پہلے کی اور دورِ حاضر کی غضروفی مچھلی کی ساخت اور اوصاف میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے - اگر اس مچھلی میں کسی قسم کی تدریجی ترقی عمل پذیر ہوتی تو یہ آج دنیا میں کسی اور شکل میں موجود ہوتی اور اپنی اصل ساخت کھوچکی ہوتی بلکہ سائنسدانوں کو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کون سی نسل کی مچھلی ہے- لیکن اس مچھلی کاہو بہو ایک ہی شکل میں موجود ہونا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے ہر دعوے کو جھوٹا قرار دیتا ہے-

سارڈین/ہیرنگ سے مشابہ جھوٹی سمندری مچھلی

عمر-   ۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع -   برے دریا کی زمینی طبق، ریاست وائے اومنگ ،امریکہ
عہد-   ایوسین

اگر ارتقاءپسندوں کے دعووں میں کو ئی سچائی ہوتی تو سارڈین مچھلی کے فوصل اور آج کی زندہ سارڈین مچھلی میں بے انتہا فرق ہو تا- نہ صرف یہ بلکہ سارڈین مچھلی کے فوصلوں میں تدریجی ترقی کے نشانات بھی واضع ہوتے- لیکن ایسے کوئی بھی نشانات کسی بھی فوصل میں آج تک نہیں پائے گئے- مستقبل میں بھی ایسے کسی نشان کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ ارتقاءپسندوں کے دعووں کے بر خلاف زند گی اندھے اتفاقات کا نتیجہ ہر گز نہیں ہے- زندگی صرف اللہ تعالی کی مرضی سے تخلیق ہوئی ہے-

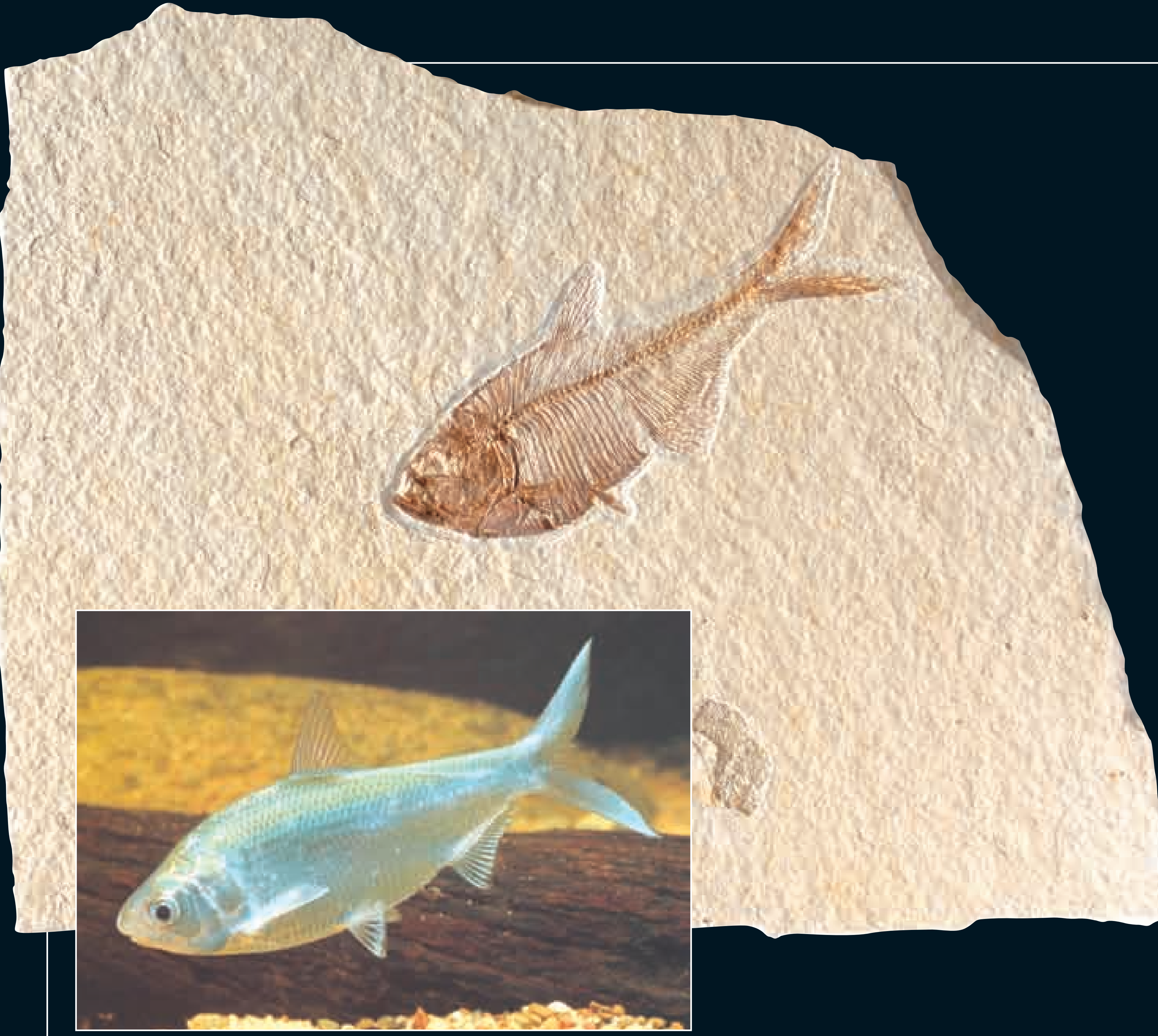

ہیرنگ / خارما ہی مچھلی

عمر - ۳۷ سے۵۴ لاکھ سال
پیمائش - ۳-۹ سینٹی میٹر (۳-۷ انچ)
جائے وقوع - کیمیرر ، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا ہرے دریا کی زمینی طبق
عہد - ایوسین

زندہ فوصل اس بات کی تصدیق ہیں کہ کوئی بھی جاندار نسل تدریجی ترقی سے عمل میں نہیں آئی بلکہ تخلیق کی گئی ہے- جانداروں نے اپنی موجودہ حالت اور شکل کسی اتفاق سے نہیں حاصل کی جس طرح ڈارون اور اس کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے- سارے جاندار، انسانی، حیواناتی اور نباتاتی، مکمل اور بے عیب حالتوں میں اللہ نے تخلیق کئے اور وہ اسی مکمل اور بے عیب حالت میں بغیر کسی ترمیم یا تبدیلی کے ہمیشہ سے ہیں- خارماہی مچھلی کی یہ تصویر بھی اس بات کی گواہ ہے کہ یہ لاکھوں سال سے اپنی آغازی ہیئت، ساخت اور خصوصیات کے ساتھ محفوظ ہے- یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکے جھوٹ کو عیاں کردیتی ہے-

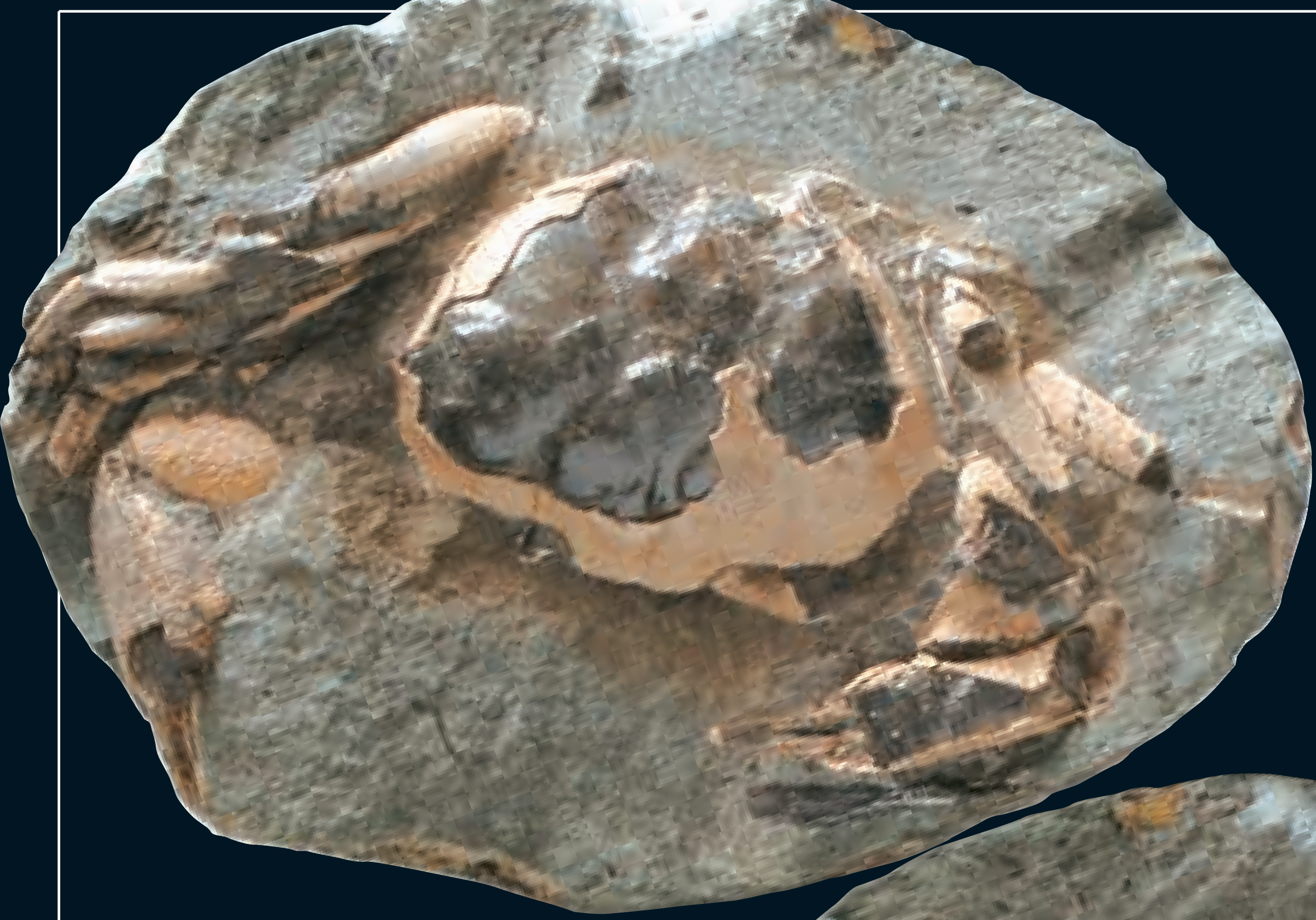

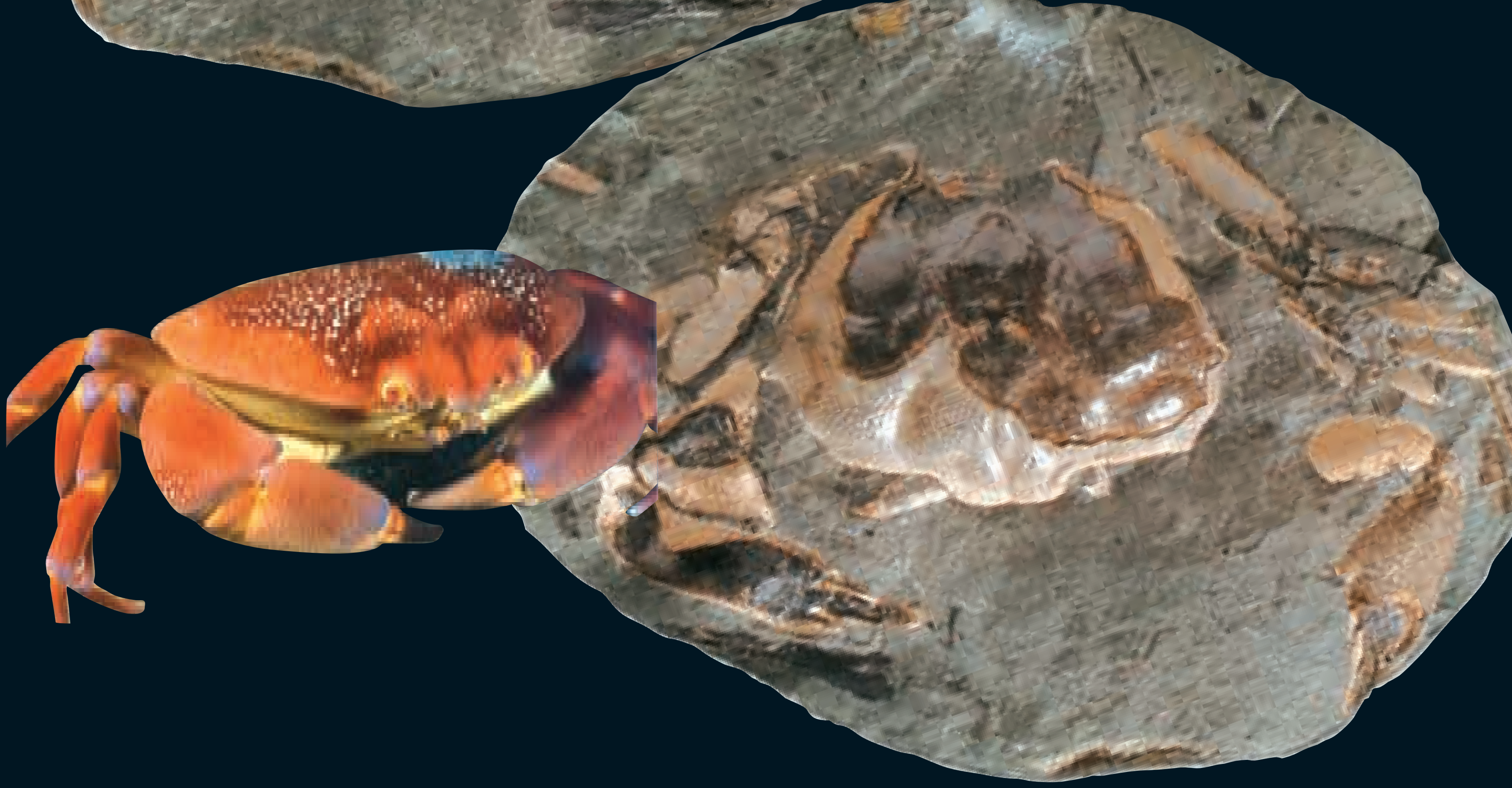

کریب/ کیکڑا

عمر - ۵۰ لاکھ سال
جائے وقوع- ریاست اوریگن
عہد- ایوسین

اب تک ملنے والے تمام فوصلوں میں نمایاں، قابل ذکر اور مشترک وصف ان کا یہ ثبوت ہے کہ جانداروں میں کسی بھی ارضیاتی عہد میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوا- لاکھوں بلکہ کڑوڑوں سال سے لاتعداد جاندار اسی شکل میں موجود ہیں جس طرح فوصلوں میں ان کے نشان ہیں- یہ ثبوت کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کے امکان کو مسترد کردیتا ہے- وہ کیکڑے جو آج ہمارے سمندروں کے کنارے نظر آتے ہیں وہی کیکڑے ہیں جو لاکھوں سال پہلے بھی زمین پر موجود تھے-

پرچ/ نکیلے پروں والی خوردنی مچھلی

عمر- ۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال
پیمائش - ۴-۳۰ سینٹی میٹر (۱۲ انچ)
جائے وقوع- کیمیرر ، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق - گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد --ایوسین

پرچ میٹھے پانی میں پائی جانے والی مچھلی ہے جو مختلف آبی ماحول اور درجہ حرارت میں اپنے آپ کو آسانی سے ڈھال لیتی ہے- پرچ کے اس فوصل سے ڈراون کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے کہ جاندار بندر یا دوسرے جانداروں سے تدریجی ترقی کے عمل کے ذریعے اپنی ظاہری حالت میں آئے ہیں -دور حاضر کی زندہ پرچ مچھلی اور ۵۰ لاکھ سال پرانی پرچ مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے-

سوماک کا پتہ / شجر السمّاق

عمر - ۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال
پیمائش - ۲۵ ملی میٹر (۰-۹ انچ)
جائے وقوع - انٹاکاؤنٹی یا ضلع- ریاست یوٹا
زمینی طبق - گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

زمین پر موجود دوسرے تمام جانداروں کی طرح نباتاتی نسلیں بھی مکمل حالت میں نمودار ہوئی ہیں- ان کی تمام کیمیائی اور طبعیاتی اوصاف لاکھوں سال گزرنے کے باوجود محفوظ ہیں اور اب تک ملنے والے تمام نباتاتی فوصل اس بات کا کھلا اعلان کرتے ہیں- نظریہ ارتقاءکے پیروکار آج تک کسی ادھورے چیڑ یا صنوبر کے درخت، ادھوری کائی کے گچھے یا سحلب اور گل لحمی کے ادھورے پھول دنیا کے سامنے پیش نہیں کرسکے- دوسری صورت میں ہزاروں کی تعداد میں فوصل بید مجنوں کو بید مجنوں، صنوبر کو صنوبر، چیڑ کو چیڑ اور مغربی چنار کو مغربی چنار ہی کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور ڈارون کے نظریے کے جھوٹ سے پردے اٹھاتے ہیں-

ٹراؤٹ پرچ/ گینتھی مچھلی

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۶-۱۰ سینٹی میٹر (۲-۴ انچ)
جائے وقوع-کیمیرر - ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق-گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد-ایوسین

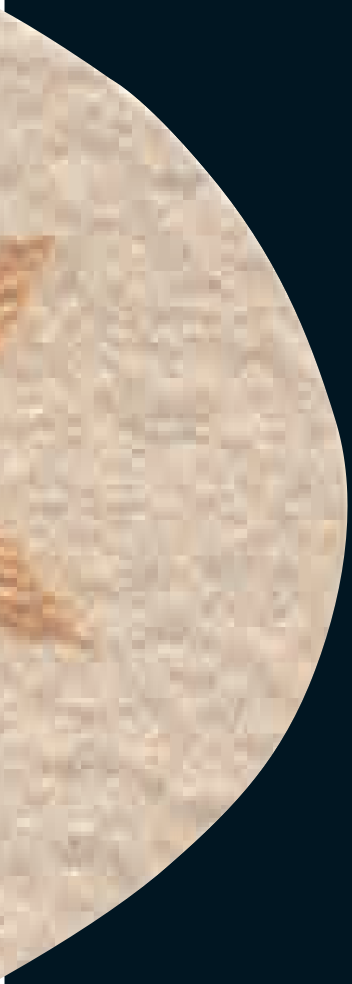

گھینتی مچھلی عموماً میٹھے پانی میں رہتی ہے اور جھیلوں میں پائی جاتی ہے- کسی مخلوق کا دور حاضر میں ان تمام بے عیب اور مکمل اوصاف کے ساتھ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود موجود ہونا ہی سلسلہ وارتدریجی ترقی کو منسوخ قراردینے کے لئے کافی ہے- گھینتی مچھلی کا یہ فوصل بھی نظریہ ارتقاءکے خلاف مضبوط اور وزنی دلیل کا حصہ ہے-

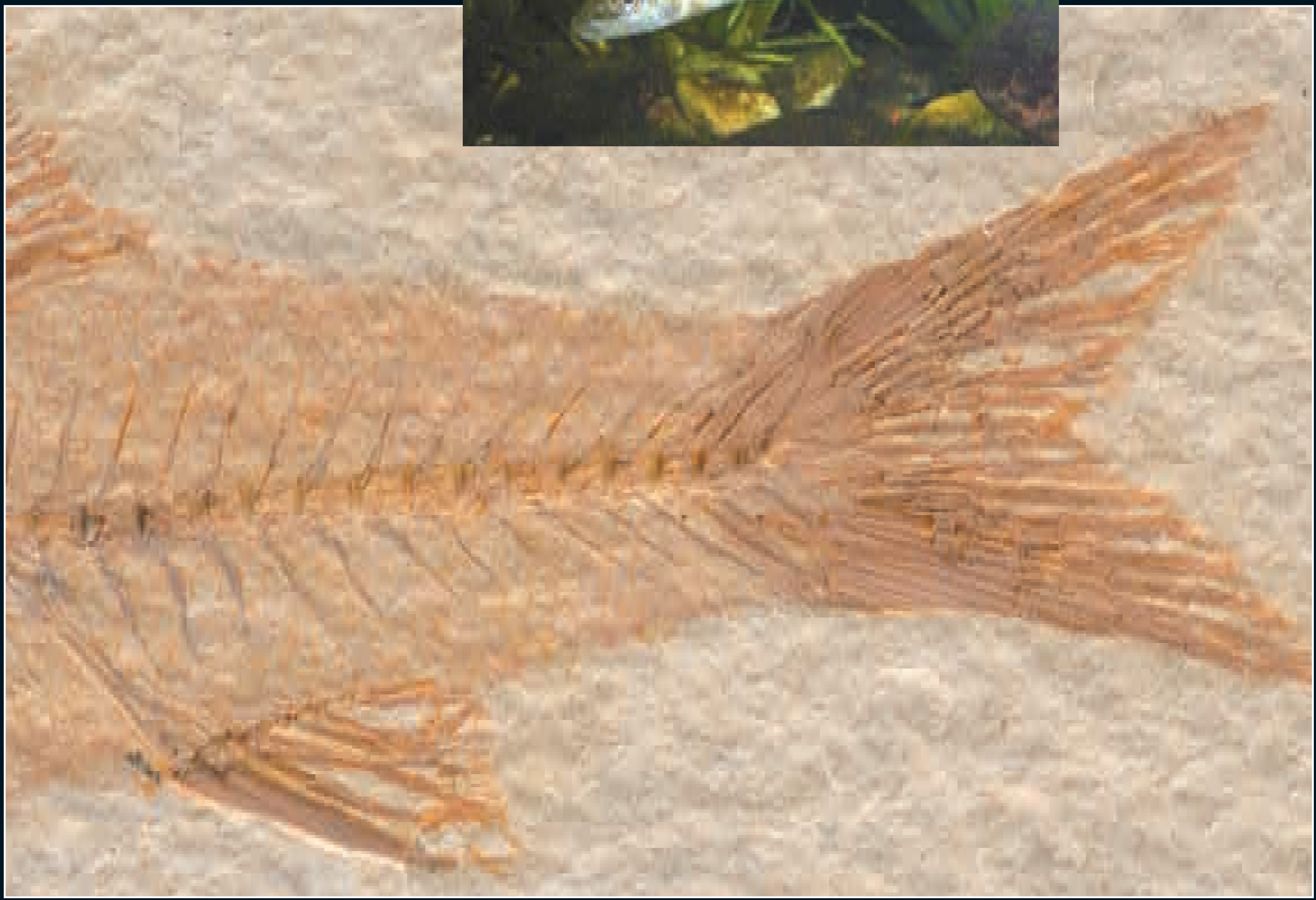

ہیرنگ / خارماہی

عمر-۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال
پیمائش/سطر بندی - ۲-۳۴ سینٹی میٹر (۵-۱۳ انچ) ۴۳xسینٹی میٹر (۱۷ انچ)
جائے وقوع-کیمیرر- ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق-گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد-ایوسین

خارماہی شمالی بحر اوقیانوس کی مچھلی ہے جو جھول کے جھول بچے جننے کے لئے ساحلوں کے نزدیک ہجوم کرتی ہے- دوسرے کئی آبی حیوانات کی طرح یہ مچھلی بھی لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود ہے- ۵۴لاکھ سال پرانی خارماہی اور آج کی خار ماہی میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ بات نظریہ ارتقاءکو بے بنیاد ثابت کرتی ہے- تصویر میں دوخار ماہی کے فوصل اپنی ساخت کی تمام تفصیلات کے ساتھ ٹھٹری ہوئی حالت میں شانہ بہ شانہ نظر آرہے ہیں-

ٹریلوبائٹ /کیمبرین دور کا سنگوارہ

عمر- ۳۸۰ لاکھ سال
پیمائش-۶۰ ملی میٹر (۲-۳ انچ)
جائے وقوع- سلوانیہ، نوکس کاؤنٹی یا ضلع، ریاست اوہائیو
زمینی طبق- سلیکا شیل یا پھوٹک پتھر کی زمینی طبق
عہد- ڈیوونین

ٹریلوبائٹ کیمبرین دور میں پایا جانے والا سب سے اہم سمندری حیوان ہے اور دنیا کے تقریباً ہر حصے سے اس کے آثار ملے ہیں- اس جاندار کی سب سے حیران کن صفت اس کی آنکھوں کی کثیر عدسہ ساخت تھی جولا تعداد حصوں پر مشتمل تھی اور ہر حصہ ایک عدسے کا کام دیتا تھا- بالکل اس طرح جیسے کیڑے مکوڑوں کی شش پہلو شہد کے چھتے نما آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر حصہ ایک مکمل عدسے کی طرح کام کرتا ہے- ہر عدسہ الگ الگ خاکوں اور تصویروں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دماغ میں یہ الگ الگ خاکے ایک مکمل تصویر کی شکل دھارلیتے ہیں- سائنسی تحقیق کے مطابق ٹریلوبائٹ کی آنکھوں میں تین ہزار سے زائد عدسے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خول دار مخلوق کے دماغ میںایک لمحے میں تین ہزار کے قریب تصاویر یا مشاہدے محفوظ ہوجاتے تھے- ایک ایسا آبی جانور جو کہ ۵۳۰ لاکھ سال پہلے زمین پر موجود تھا اس کی دماغ اور بینائی کا اس طرح مکمل اور پیچیدہ ہونا صرف ایک چیز کی نشاندہی کرتا ہے اور وہ یہ کہ اس زبردست مخلوق کا خالق بھی اسی طرح زبردست ہے- اس حیوان کا کسی بھی طرح کی تدریجی ترقی کی بناءپر ان اوصاف کا مالک ہونا ایک ناممکن فعل ہے-

ہیرنگ/ خارماہی

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش/سطر بندی-۳۱ سینٹی میٹر (۵-۱۲ انچ)
جائے وقوع- کیمیرر ، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد-ایوسین

تصویر میں دو خارماہی مچھلیاں نظر رہی ہیں جو کہ اچانک دفن ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئیں- ان کے فوصل شدہ دم اور پر کسی بھی ماحولیاتی نقصان سے محفوظ ہیں- ان کی مکمل طور سے محفوظ آنکھوں کے خول اور ہڈیوں کی ساخت اس بات کی علامت ہیں کہ اس نسل کی مچھلی میں کسی بھی ارضیاتی وقت کے دوران کسی بھی طرح کی تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی-

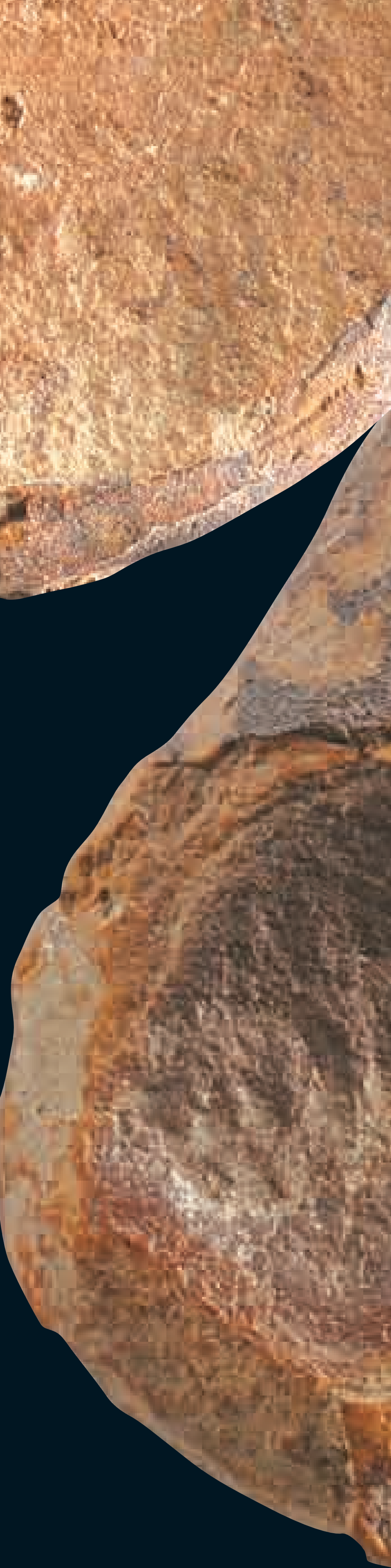

ملی پیڈ/کن کھجورا

عمر-   ۳۰۰ لاکھ سال
پیمائش-   ۵۰ ملی میٹر (۹-۱ انچ)
سطر بندی- ۵۸ملی میٹر (۲-۲ انچ) ۳۳ x ملی میٹر (۲-۱ انچ)
جائے وقوع- مورس (میزن کریک یا میزن ندی) ریاست الی نائے
زمینی طبق- فرانسس کریک شیل یا فرانسس ندی کا پھوٹک پتھر
عہد -پینسلوینین

تصویر میں ۳۰۰لاکھ سال پرانے کن کھجورے کا فوصل ہے- اس لاکھوں سال پرانے کن کھجورے اور دورِ حاضر کے کن کھجورے میں کوئی فرق نہیں ہے- اس فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مخلوق کن کھجورا بنانے کی نیت سے ہی تخلیق کی گئی ہے اور کسی تدریجی ترقی کے عمل سے وجود میں نہیں آئی-

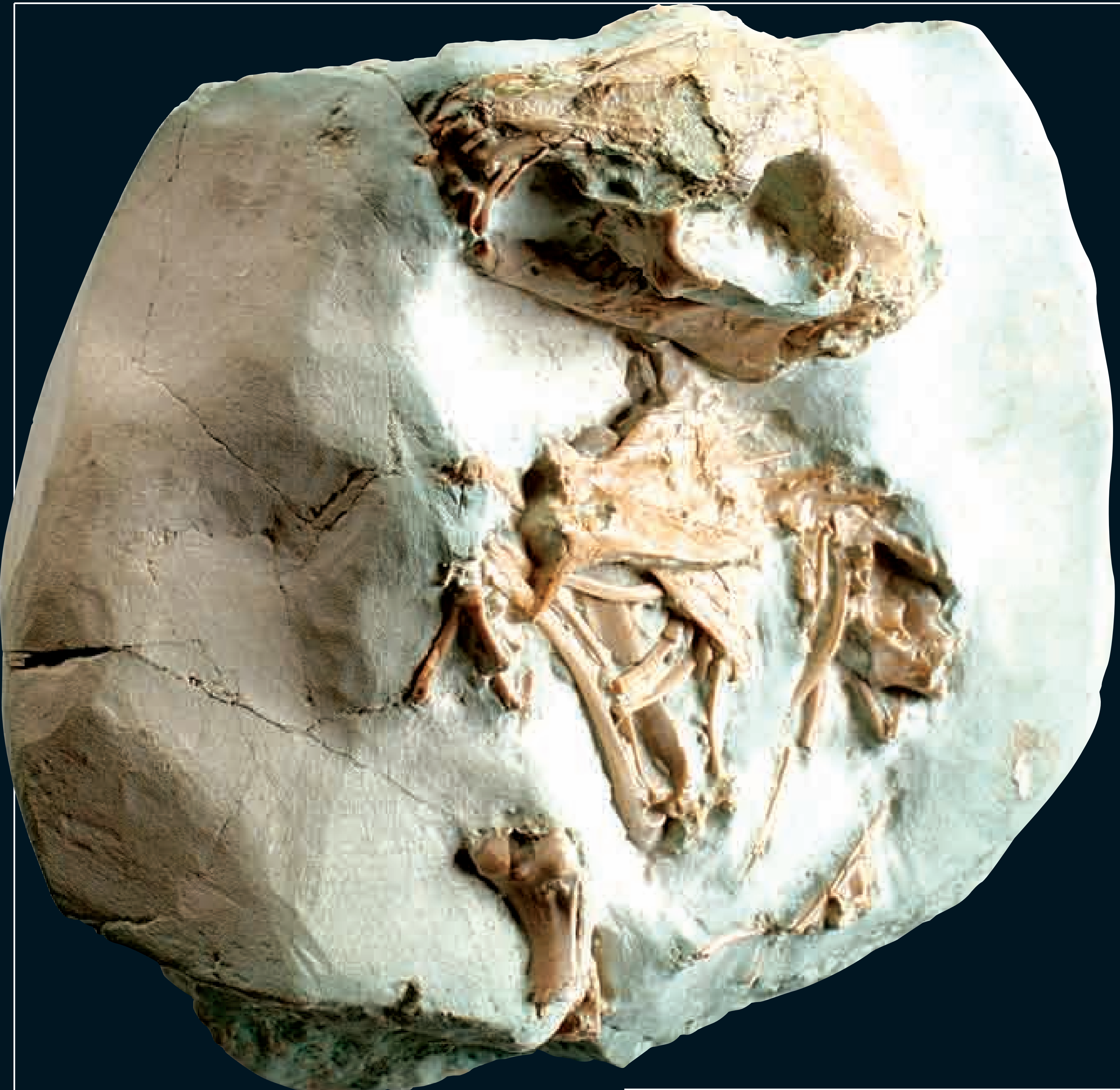

جووینائل ریبٹ/کمسن خرگوش

عمر- ۳۰لاکھ سال
جائے وقوع- لسک، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق-وائٹ ریور یا سفید دریا کی زمینی طبق
عہد-اولیجوسین

کمسن خرگوش کا یہ ۳۰لاکھ سال پرانا فوصل دورِ حاضر کے خرگوش سے مکمل مشابہ ہے اور نظریہ ارتقاءکی تردید کرتاہے- یہ فوصل ثابت کرتا ہے کہ خرگوش ہمیشہ سے خرگوش ہی رہا ہے اور کسی دوسرے حیوان کی تدریجی شکل نہیں ہے-

ٹراؤٹ پرچ/خارماہی

عمر-۵۰لاکھ سال

پیمائش-۶۵ملی میٹر (۵-۲ انچ) لمبائی

سطر بندی-۹۰ ملی میٹر (۵-۳ انچ) ۴۵ x ملی میٹر (۷-۱ انچ)

جائے وقوع- فوصل لیک یا فوصل جھیل، کیمیرک، ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق-گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق

عہد-ایوسین

خار ماہی خوردنی مچھلی کی کئی اقسام ہیں اور تقریباً ساری ہی نسلوں کا نشان فوصلی ریکارڈ میں موجود ہے- اس ریکارڈ سے ثابت ہے کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی خارماہی کی کسی بھی نسل میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے-

سی ارچن/بحری خار پشت

عمر- ۲۹۵لاکھ سال
پیمائش/سطر بندی-۱۱۰ملی میٹر ضرب ۱۶۳ ملی میٹر (۴-۳ انچ ۴-۶ انچ)
جائے وقوع- براؤن کاؤنٹی یا براؤن ضلع، ریاست ٹکساس
زمینی طبق- ونچل کی زمینی طبق
عہد- کاربونیفرس یا کوئلے کا دور

پنسلوینیا کے بحری خار پشت وہ غیر فقری حیوان ہیں جن کی جلد عموماً خاردار ہوتی ہے جیسے کہ ستارہ مچھلی- یہ دنیا کے تقریباً ہر سمندر میں پائے جاتے ہیں- بحری خار پشت کا ملنے والا یہ فوصل۲۹۵ لاکھ سال پرانا ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ غیر فقاریہ حیوان اپنی پیچیدہ ساخت کے ساتھ لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے- اس کے اندر کسی وسطی سلسلہ وار تدریجی ترقی کا کوئی نشان نہیں ہے- یہ ثبوت ڈارون کے پیروکاروں کو حیران اور شرمندہ کرنے کے لئے کافی ہے-

سیکامور لیف /سیکامور کے پتے

عمر-۵۰لاکھ سال

پیمائش-پتے کی لمبائی ایک کونے سے دوسرے کونے تک ۱۵سینٹی میٹر (۶ انچ) ۱۵ xسینٹی میٹر (۶ انچ)

سطربندی- ۲۰-۳ سینٹی میٹر (۸ انچ) ۲۲-۸ سینٹی میٹر (۹ انچ)

جائے وقوع- ڈگلس پاس، رینگلی، ریاست کولوراڈو

عہد-ایوسین

سیکامور میپل کی درخت کی ایک بڑی قسم ہوتی ہے جو اپنے گھنے سائے اور عمارتی لکڑی کے لئے کاشت کیا جاتا ہے- موجودہ دور کی نباتاتی زندگی اور فوصل کے ریکارڈ کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم ان شواہد سے آگاہ ہوتے ہیں جو کہ نظریہ ارتقاءکے عین مترادف ہیں- حیاتیات میں کسی بھی ایسے پودے کا فوصلی ثبوت موجود نہیں ہے جو کہ نباتات میں تدریجی ترقی کی گواہی دے سکے- دور حاضر میں موجود تقریباً ہر نباتاتی اور حیواناتی نسل نے فوصل کے ذریعے اپنے لاکھوں سال پہلے بھی موجود ہونے کی گواہی پیش کردی ہے- کوئی بھی جاندار نسل اپنی تدریجی ترقی کا نشان نہیں پیش کرتی بلکہ صرف اپنے نمایاں اور صریح ہونے کا ثبوت دیتی ہے- ان جانداروں کی لاکھوں سال پرانی شکل اور دورِ حاضر کی شکل میں کوئی فرق نہیں اور نہ ان سے متعلق کسی وسطی شکل یا فوصل کا کوئی وجود ہے- نظریہ ارتقاءکا پیروکار ماہر معدوم حیوانات و نباتات ای- سی- اولسن اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ نباتاتی گروہ میں زیادہ تر نسلیں اچانک نمودار ہوئیں اور ان کے پرکھا کا کوئی نشان نہیں ہے- (ای- سی- اولسن، دی ایوولوشن آف لائف، نیویارک، نیویارک لائبریری ۱۹۶۵ءصفحہ۹۹) تصویر میں موجود ۵۰لاکھ سال پرانا سیکامور کا پتہ اس ثبوت کی کڑی ہے-

سینڈفش/لانس

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- لنکن کاؤنٹی یا ضلع، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

سینڈ فش مار ماہی کی طرح کی ایک مچھلی ہوتی ہے جس کو لانس بھی کہتے ہیں- تصویر میں موجود سینڈفش ۳۷ سے۵۴لاکھ سال پرانی ہونے کے باوجود ہو بہو دورِ حاضر کی سینڈ فش کی مشابہ ہے اور نظریہ ارتقاءکی تردید کرتی ہے-

ہیرنگ /خارماہی

عمر- ۵۵لاکھ سال
پیمائش- ۳۵سینٹی میٹر (۷-۱۳ انچ) ۲۳ x سینٹی میٹر (۹ انچ)
جائے وقوع- ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

تصویر میں دکھائی گئی ہیرنگ یا خارماہی مچھلیوں کو زندہ فوصل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جاندار دور حاضر میں بھی موجود ہیں- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان کی ساخت میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی ہے-

گنگکولیف /گنگکو کا پتہ

عمر-۵۴ سے ۶۵لاکھ سال

پیمائش- ۱۲سینٹی میٹر (۴-۸ ا نچ)

جائے وقوع- المونٹ، ریاست نارتھ ڈکوٹا

زمینی طبق- سینٹینل بیوٹ کی زمینی طبق

عہد- پیلیوسین

گنگکو اصلاً چین یا جاپان کا ایک درخت ہے جس کے پتے پنکھیا کی طرح ہوتے ہیں اور اس میں زرد پھول لگتے ہیں- تصویر میں موجود گنگکو کا پتہ تدریجی ترقی کی تردید کرتا ہے- تصویر میں پتے کی مبہم لکیریں اور رگوں کی ساخت نظر آتی ہے اور دور حاضر کے گنگکو کے پتے کی ہو بہو مشابہ ہے- اس سے صاف ثابت ہے کہ اس درخت میں لاکھوں سال سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوا-

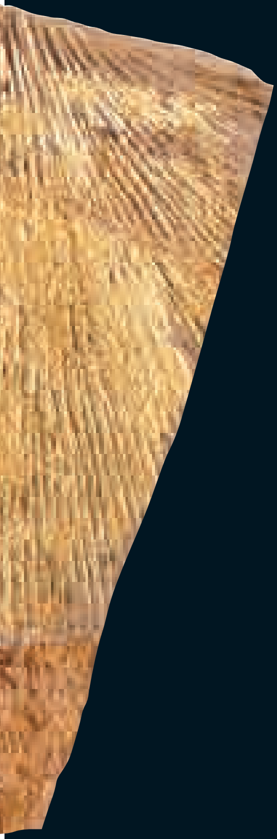

ہیرنگ/خارماہی

عمر- ۵۵لاکھ سال
پیمائش- ۱۲سینٹی میٹر (۴۸ انچ)
جائے وقوع - ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

ڈارون اور اس کے نظریے کے پیروکار اس بات کا اعتراف نہ کرنا چاہیں تو الگ بات ہے لیکن جدید سائنسی تحقیق اور لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے فوصلوں نے ان کے ہر دعوے کو جھوٹا قراردے دیا ہے- تصویر میں موجود خارماہی کا فوصل بھی اسی وسیع ثبوت کا حصہ اور نظریہ ارتقاءکے خلاف بھاری دلیل ہے-

سن فش /سمندر کی جسیم مچھلی

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۲-۱۷ سینٹی میٹر (۸-۶ انچ)
جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

سن فش بعض گول مٹول شوخ رنگوں کی سمندری مچھلیوں کو کہتے ہیں -دور حاضر میں بہت سی نسلوں کی سن فش پائی جاتی ہیں اور فوصلی گواہی سے ثابت ہے کہ ان کے اندر کسی قسم کی تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی ان کی فعلیات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور ماضی اور حال کی سن فش میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے-

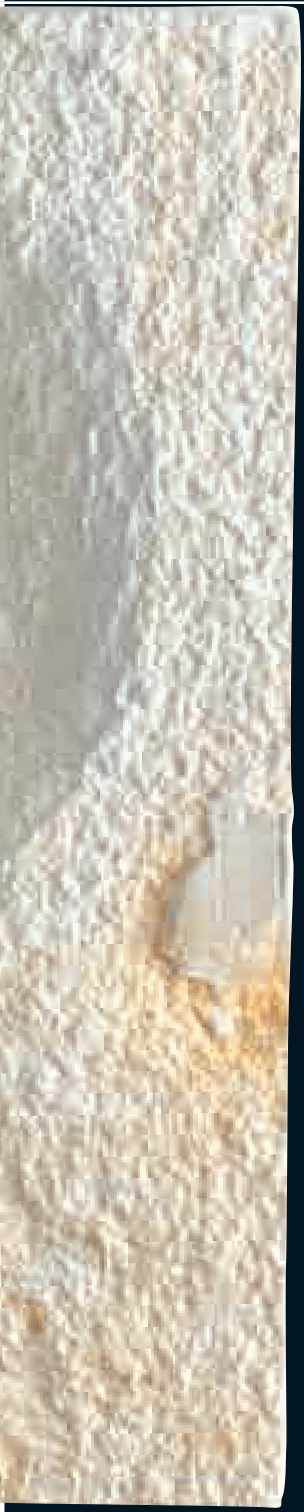

لیمپری/ تنبو مچھلی

عمر- ۳۰۰لاکھ سال

پیمائش-۴۳ ملی میٹر (۶-۱ انچ) چوڑا، گومڑی کے جوڑ پر ۷۳ ملی میٹر (۸-۲ انچ) ۴۸ x ملی میٹر (۸-۱ ۱نچ)

جائے وقوع- پٹ گیارہ، فرانسس ندی کا پھوٹک پتھر بریڈوڈ، ریاسست الی نائے

عہد-پینسلوینین

لیمپری ایک فقاری اآبی جانور ہے جس کے جسم پر کھپرے ہوتے ہیں- اس کے جبڑے نہیں ہوتے لیکن چوسنے والے منہ میں سینگی دانت اور کھرداری زبان ہوتی ہے- ریاست الی نائے میں بریڈوڈ کی کوئلے کی کانیں فوصلوں سے ذرخیز ہیں اور یہیں سے یہ فوصل بھی برآمد ہوا ہے- لیمپری عموماً کم گھرائی کے پانی میں رہتی ہے لیکن اس کی کئی نسلیں لمبے سفر طے کرکے بڑے سمندروں میں بھی پہنچ جاتی ہیں- لیمپری کے اس لاکھوں سال پرانے فوصل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اور موجودہ دور کی لیمپری میں کوئی فرق نہیں ہے-

ٹراؤٹ پرچ /گھینتی مچھلی

عمر-۵۰ لاکھ سال

پیمائش- ۴-۹ سینٹی میٹر (۷-۳ انچ)

سطر بندی- ۵-۱۷ سینٹی میٹر (۸-۶ انچ) ۳-۱۲ سینٹی میٹر (۸-۴ انچ)

جائے وقوع- فوصل لیک یا فوصل جھیل، کریمیرر، ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق

عہد- ایوسین

نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ مچھلیاں غیر فقاری حیوانات جیسے کہ کانٹا مچھلی یا سینگا مچھلی کی تدریجی شکل ہیں اور دورِ حاضر کی مچھلیاں اور ایمفی بین ، یا وہ جانور جو پانی اور خشکی دونوں جگہ رہ سکتے ہوں ، دراصل قدیم مچھلیوں کی تدریجی شکل ہیں- ان لوگوں کے حساب سے زمین پر رینگنے والے جانور ایمفی بین کی، پرندے اور پستانی طبقے کے جانور رینگنے والوں جانوروں کی اور بالآخر انسان اور گوریلے ان جانوروں کی تدریجی ترقی کے عمل سے وجود میں آئے -یعنی کہ ان تمام انسانی اور حیوانی مخلوق کے پرکھاپا آبا و اجداد ایک ہی تھے- لیکن ان تمام دعوؤں کو ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ دنیا کے سامنے ان تمام وسطی تدریجی مراحل کے فوصل یا گمشدہ کڑیاں پیش کرتے اور اسی نقطے پر آکر ان کے تمام دعوے زمین بوس ہوگئے کیونکہ اس وسطی تدریج کے خیالی حیوانات یا مفروضہ مخلوق کا کوئی ثبوت آج تک زمین پر نہیں مل سکا- اب تک ملنے والے لاکھوں فوصل صرف ایک ہی حقیقت کو ثابت کئے چلے جارہے ہیں اور وہ یہ کہ سلسلہ وار تدریجی عمل کبھی بھی کسی بھی دور میں واقع نہیں ہوا- یہ صرف ایک سوچ ہے جس کا کوئی وجود یا حقیقت سے تعلق نہیں ہے- ہر جاندار لاکھوں سال سے اصل حالت میں یا تو اب تک موجود ہے یا مکمل طور پر معدوم ہوگیا ہے لیکن اس نے کسی اور جاندار کی شکل اختیار نہیں کی- تصویر میں موجود گھینتی مچھلی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی اسی شکل میں دنیا میں موجود ہے-

ٹراؤٹ ٹیل/گھینتی مچھلی کی دم

عمر- ۱۵ لاکھ سال

جائے وقوع- اسٹوارٹ اسپرنگز فلورا، اسٹوارٹ ویلی یا وادی ، ریاست نیواڈا

عہد- میوسین

بہت سے فوصل ایسے بھی ہیں جو کہ کسی جانور کی مکمل ساخت نہیں بلکہ ان کے جسم کے کچھ اعضاءکا فوصل ہیں- تصویر میں بھی ۱۵ لاکھ سال پرانی گھینتی مچھلی کی صرف دم محفوظ ہے- اس دم اور دورِ حاضر کی زندہ گھینتی مچھلی کی دم میں کوئی فرق نہیں ہے-

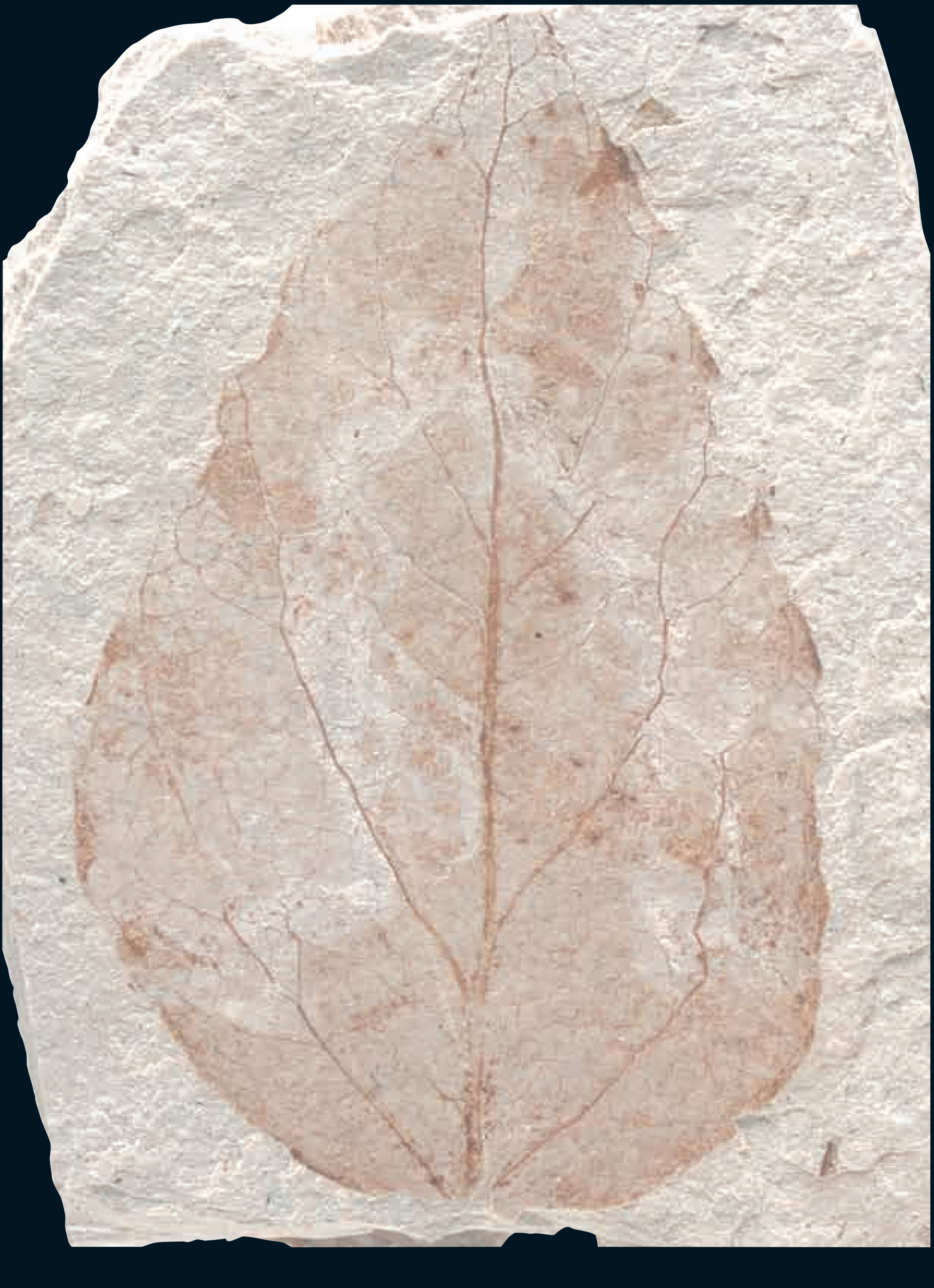

پوپلر لیف/سفیدے کا پتہ

عمر- ۱۵لاکھ سال

جائے وقوع- اسٹوارٹ اسپرنگز فلورا، اسٹوارٹ ویلی یا وادی ریات نیواڈا

عہد- میوسین

سیلیکا کائی کی نسل کے سفیدے کے درخت لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیلی کے موجود ہیں- ان کے نامیاتی اور ساخت سے متعلق اوصاف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے- ۱۵ لاکھ سال پرانا یہ پتہ اس بات کا گواہ ہے-

کرین فلائی / کلنگ
مکھیوں کے خاندان کی مکھی

عمر-۳۷سے ۴۸لاکھ سال
جائے وقوع- ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- سینوزوئک عہد کی ابتدائی، ایوسین کا خاص دور

کرین فلائی کلنگ مکھیوں کے خاندان کی مکھی ہوتی ہے جس کے دو پر اور لمبی ٹانگیں ہوتی ہیں- اس مکھی کا یہ فوصل بھی نظریہ ارتقاءکو بودا ثابت کرتا ہے- نظریہ ارتقاء۱۹ویں صدی کے قدیم سائنسی دور میں تجویز کیا گیا تھا اور ناخواندگی اور جاہلیت کی بناءپر اپنالیا گیا لیکن۲۰اور۲۱ویں صدی کی جدید سائنسی تحقیق نے اس نظریہ کو غلط ثابت کردیا ہے-

اسپروس/صنوبر

عمر- ۱۵لاکھ سال

جائے وقوع- اسٹوارٹ اسپرنگز فلورا، اسٹوارٹ ویلی یا وادی ریاست نیواڈا

عہد- میوسین

اسپروس صنوبر کا گھنا مخروطی شکل کا درخت ہوتا ہے اور اس گروہ میں **۳۵** مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں- یہ درخت سالہا سال ہرے بھرے رہتے ہیں- فوصل کے ریکارڈ کے مطابق یہ درخت لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے چلے آرہے ہیں- تصویر میں اس درخت کے بیج کا فوصل **۱۵**لاکھ سال پرانا ہے اور دورِ حاضر کے صنوبر کے بیج کے عین مشابہ ہے-

لینٹرن فش/لالٹین مچھلی

عمر- ۵سے ۲۳لاکھ سال
پیمائش- ۳-۸ سینٹی میٹر (۱-۵ انچ)
جائے وقوع- ریاست کیلیفورنیا، ریاستہائے متحدہ امریکہ
زمینی طبق- پونٹے کی زمینی طبق
عہد- میوسین

لالٹین مچھلی سمندروں کی گہرائی میں رہنے والی ایک چھوٹی مچھلی ہوتی ہے جو اپنے جسم، عموماً پیٹ کے حصے سے روشنی پیدا کرتی ہے- سمندر کی انتہائی لہروں اور اندھیرے میں وہ اس روشنی سے نہ صرف اپنے قریب ترین ماحول کو روشن کرتی ہے بلکہ اپنے دشمنوں کو ڈراتی بھی ہے- ان مچھلیوں کا لاکھوں سال پہلے سے اپنے جسم کی اس انتہائی پیچیدہ او ر روشنی پیدا کرنے والی ساخت کے ساتھ آج تک موجود ہونا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک ناقابلِ فہم اور ناقابل توضیع معّمہ ہے-

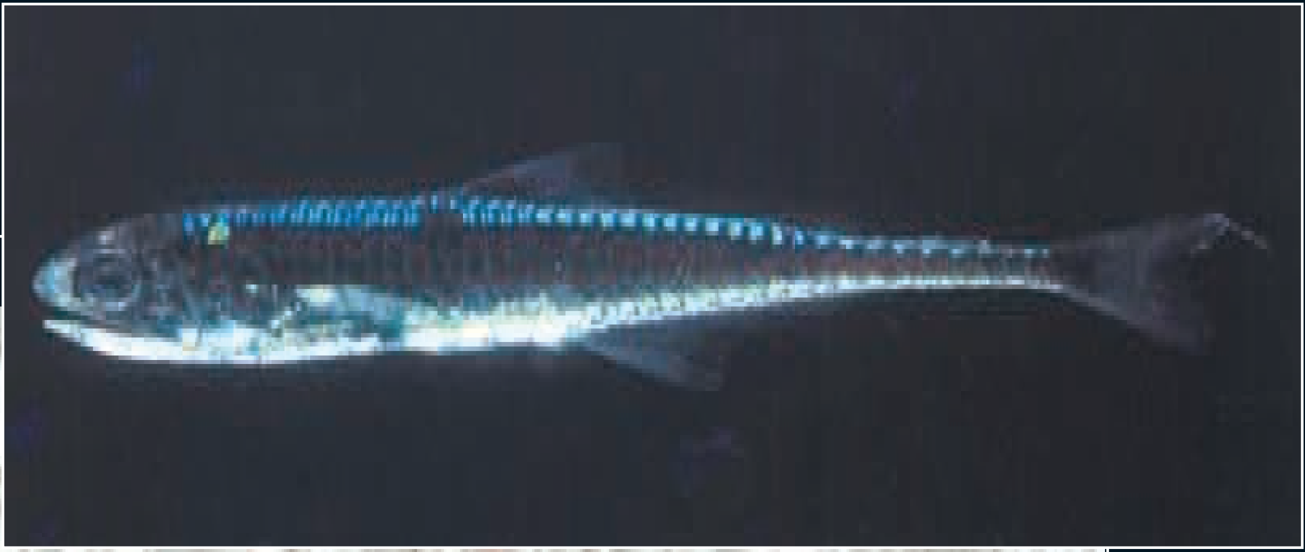

پونڈیروسا پائن/چیڑ کا درخت

عمر- ۱۵لاکھ سال
جائے وقوع- اسٹوارٹ اسپرنگز فلورا، اسٹوارٹ ویلی یا وادی ریاست نیواڈا
زمینی طبق- گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق
عہد- میوسین

پونڈیروسا پائن شمالی امریکہ میں پایا جانے والا چیڑ کا درخت ہے جو کہ عمارتی لکڑی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے- تصویر میں اس درخت کی ۱۵لاکھ سال پرانی سوئی دکھائی گئی ہے- اس سوئی اور موجودہ دور کے اس درخت کی سوئی میں کوئی فرق نہیں ہے- اس ثبوت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلسلہ وار تدریجی ترقی کبھی بھی کسی جاندار کے ساتھ عمل پذیر نہیں ہوئی-

پرچ/میٹھے پانی کی مچھلی

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- فوصل لیک یا فوصل جھیل، کریمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے دعووں کے مطابق مچھلیوں کے پرکھا غیر فقاری حیوانات تھے لیکن یہ لوگ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں کہ ان غیر فقاری حیوانات میں ریڑھ کی ہڈی اچانک کیسے پیدا ہوگئی- یہ تو اسی صورت میں ہوا ہوگا اگر ان حیوانات کے اندر اس قدر تبدیلی آئی کہ ان کے جسم کے باہر کے سخت خول ان کے جسم میں جذب ہوکر اندرونی ڈھانچے یا ہڈی کی شکل اختیار کرگئے- اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ان وسطی تدریجی مراحل کے نشانات فوصل کی صورت میں زمین پر بکھرے ہوئے ہوں جو کہ کڑی در کڑی غیر فقاری جانوروں کو فقاری جانوروں میں تبدیل ہونا ثابت کریں- لیکن نظریہ ارتقاءکے پیروکار ایسے کسی بھی ثبوت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں- کروڑوں فوصل آج تک ہرجاندار نسل کو اس کی اصل اور لاکھوں سال پہلے کی حالت میں ہی پیش کرتے چلے آرہے ہیں-

ہیرنگ /خارماہی

عمر- ۵۵لاکھ سال
پیمائش- ۲۱سینٹی میٹر (۸-۲۵ انچ)
جائے وقوع- کریمیر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد - پیلیوسین

ہیرنگ یا خارماہی شمالی بحرِ اوقیانوس کی مچھلی ہے جو جھول در جھول بچے دینے کے لئے ساحلوں کے نزدیک ہجوم کرتی ہے- یہ معتدل اور کم گہرائی کے پانیوں میں رہتی ہے اور شمالی بحرِ اوقیانوس کے علاوہ بحرِ بالٹک میں بھی پائی جاتی ہے- ہیرنگ کی کم و بیش ۲۰۰ نسلیں ہیں جو آپس میں کافی ملتی جلتی ہیں- تقریباً ساری نسلیں چاندی کے رنگ کی ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پر صرف ایک پر ہوتا ہے- تصویر میں موجود ہیرنگ کا فوصل ۱۲سینٹی میٹر (۸-۲ انچ) لمبا ہے اور یہ گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق سے ۲۲۰۰ میٹر یا ۷۲۱۷ فٹ کی گہرائی سے برآمد ہوا ہے- یہ فوصل بھی نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتا ہے اور اس نظریے کے پیروکاروں کے لئے پریشانی کا سبب ہے-

ولو/بید مجنوں

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- یوانٹا کاؤنٹی یا ضلع، ریاست یوٹا
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

دوسرے تمام جانداروں کی طرح نباتاتی فوصل اس بات کا ثبوت ہیں کہ دنیا میں نباتات بھی لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہیں- موجودہ دور کے پودے بھی اسی منظم ہیئت اور کیمیائی اور طبعیاتی اجزاءکا مرکب ہیں جیسے کہ ان کے پرکھا تھے- بید مجنوں‌کا یہ۳۲سے ۵۴لاکھ سال پرانا پتہ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے اور اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ پودوں کی بھی باقاعدہ تخلیق کی گئی ہے اور یہ کسی بھی خیالی سلسلہ وار تدریجی ترقی کے عمل کے ذریعے وجود میں نہیں آئے-

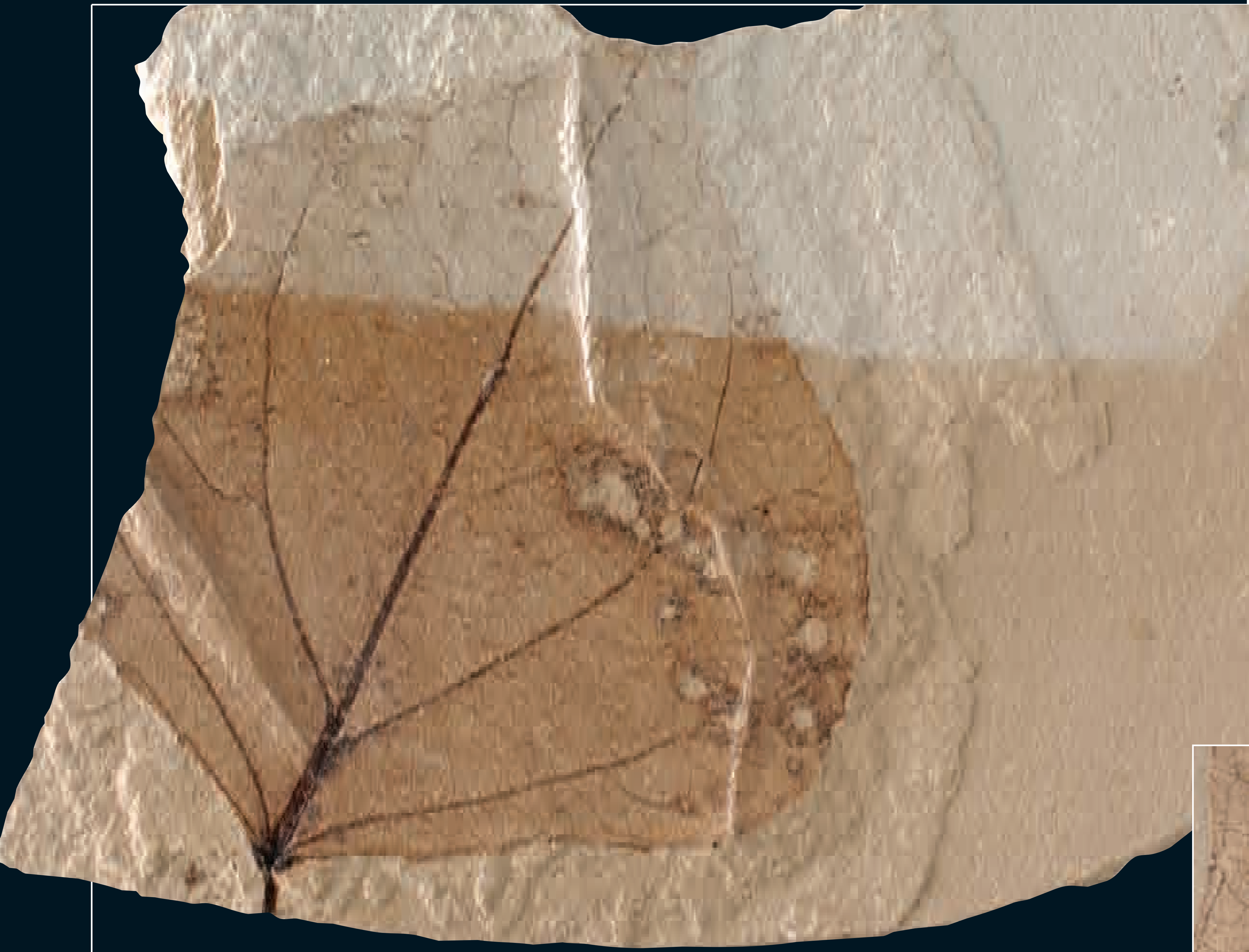

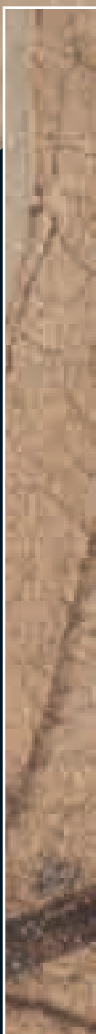

پوپلر لیف/سفیدے کا پتہ

عمر- ۳۷سے **۵۴**لاکھ سال
جائے وقوع- ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- سینوزوئک عہد کی ابتدائ، ایوسین کا دور

یہ سفیدے کا پتہ تقریباً **۵۰**لاکھ سال پرانا ہے اور اس بات کا غماز ہے کہ سفیدے کے درخت ہمیشہ سفیدے کے درختوں کی شکل میں ہی دنیا میں موجود رہے ہیں- یہ کسی سلسلہ وار تدریجی ترقی کے عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ جیسے زبردست اور واحد خالق کی تخلیق ہیں-

اوک لیف /شاہ بلوط کا پتہ

عمر-۴۵لاکھ سال
جائے وقوع- ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق
لمبائی- ۳۰ملی میٹر (۱۸-۱ انچ)
سطر بندی- ۶۰ ملی میٹر (۳-۲ انچ) ۶۰ x ملی میٹر (۳-۲ انچ)
موٹائی - ۱۵ملی میٹر (۵۹-۰ انچ)
عہد- ایوسین

فوصل کے ریکارڈ کے مطابق پودوں کے اندر کسی قسم کی سلسلہ وار تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے کسی خیالی پرکھا کا کوئی وجود ہے - جس طرح مچھلیاں ہمیشہ مچھلیاں، پرندے ہمیشہ پرندے اور مکڑیاں ہمیشہ مکڑیاں، صنوبر اور چیڑ ہمیشہ صنوبر اور چیڑ اور گلاب ہمیشہ گلاب ہی رہے ہیں اسی طرح یہ پتہ بید مجنوں کا ہمیشہ سے بید مجنوں ہی ہونے کا ثبوت ہے-

واسپ بھڑ

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- سینوزوئک عہد کی شروعات، ا یوسین کا دور

۵۰ لاکھ سال پہلے رہنے والی بھڑوں اور دورِ حاضر کی بھڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے- اگر کسی مخلوق کا لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی بدلنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر نظریہ ارتقاءیا ایسے کسی بھی نظریے کے وجود کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا-

گریپ لیف/انگور کا پتہ

عمر-۲۳سے ۳۸لاکھ سال
ڈنٹھل کے ساتھ پیمائش- ۶-۶سینٹی میٹر (۶-۱۲ انچ)
جائے وقوع- بیوربیڈ کاؤنٹی یا ضلع، ریاست مونٹانا
زمینی طبق- مڈی کریک یا کیچڑی ندی کی زمینی طبق
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود ۳۲ سے ۸۳لاکھ سال پرانا انگور کے پتے کا فوصل اس کی تخلیق کی تصدیق اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے- لاکھوں سال پرانے انگور کے پتوں اور دورِ حاضر کے انہی پتوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

ہیرنگ یا خارماہی

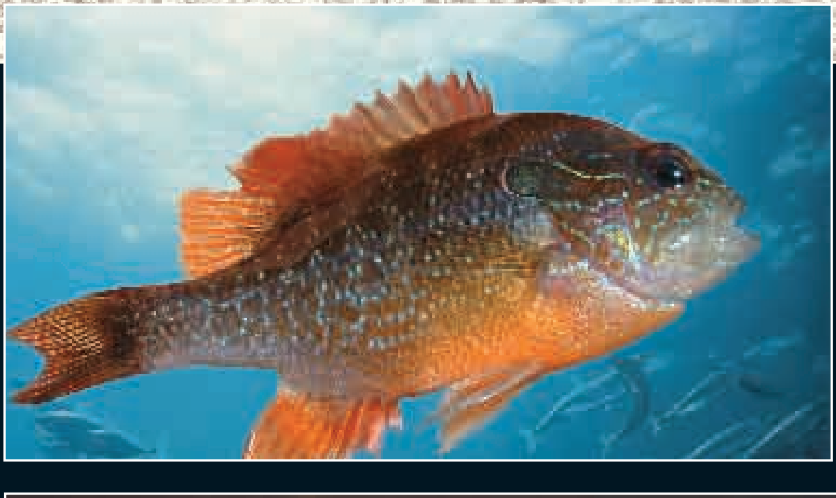

ہیرنگ اور سن فش / خارماہی اور گول شوخ رنگ مچھلی

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال

جائے وقوع- فوصل لیک یا فوصل جھیل، کریمیرر، ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق

عہد -ایوسین

تصویر میں موجود خارماہی اور سن فش کے فوصل اس بات کی تصدیق ہیں کہ جاندار کسی تدریجی مراحل سے نہیں گزرے -دور حاضر کی خارماہی اور سن فش اور لاکھوں سال پرانی انہی مچھلیوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

سن فش یا گل مٹول شوخ رنگ مچھلی

سوماک لیف /شجر السماق کا پتہ

عمر-۳۷سے۵۴لاکھ سال

پیمائش- ۷سینٹی میٹر (۸-۲ انچ)ضرب ۲-۱ سینٹی میٹر (۵-۰ انچ)

سطر بندی- ۲-۲۴ سینٹی میٹر (۵-۱۹ انچ) ۱۴ xسینٹی میٹر (۵. ۵ انچ)

جائے وقوع- ڈگلس پاس، ریاست کولوراڈو

زمینی طبق- گرین ریور یا ہرے دریا کا پھوٹک پتھر

عہد- ایوسین

یہ۳۷سے ۵۴لاکھ سال پرانا شجر السماق کا پتہ آج کے وقت کے شجر السماق کے پتے سے ہو بہو مشابہ ہے- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی اس درخت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا-

نارتھ امریکن بیر اسکل /شمالی امریکن ریچھ کی کھوپڑی

عمر- **۵۰** ہزار سال

پیمائش- **۲۶-۶** سینٹی میٹر (**۵-۱۰** انچ)

جائے وقوع- ریاست مشیگن

عہد- پلائسٹوسین یا وہ عہد جب زمین کے درجہ حرارت میں زبردست تبدیلیاں پیدا ہوئیں-

نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں نے ریچھ اور کتوں کی علم تشریح میں واضح یکسانیت کی بناءپر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان دونوں حیوانات کے ایک ہی پرکھے تھے لیکن فوصلی ریکارڈ کوئی اور ہی کہانی بیان کرتے ہوئے اس دعوے کو غلط ثابت کرتے ہیں- آج تک ایک بھی آدھے ریچھ/آدھے کتے کا فوصل دریافت نہیں ہوا اور ہر فوصل ریچھ کو ریچھ اور کتے کو کتا ہی ثابت کرتا چلا آرہا ہے- ان حیوانات کے ہر فوصل سے ثابت ہوا ہے کہ ان کے اندر کسی بھی طرح کی تدریجی ترقی کسی بھی دور میں واقع نہیں ہوئی-

پرچ/نکیلے پروں والی مچھلی

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال

جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق

عہد- ایوسین

پرچ ایک نکیلے پروں والی میٹھے پانی کی خوردنی مچھلی ہوتی ہے- تصویر میں موجود اس مچھلی کا ۳۷سے ۵۴لاکھ سال پرانا فوصل دور حاضر کی پرچ مچھلی سے بالکل مختلف نہیں- یہ فوصل اس بات کا ایک اور واضح ثبوت ہے کہ یہ مچھلی کسی اور حیوان کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ باقاعدہ تخلیق کی گئی ہے-

سن فش یا گل مٹول شوخ رنگ مچھلی

سن فش /گول رنگ کی شوخ مچھلی

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریاکی زمینی طبق
عہد- ایوسین

۱۵ سال سے دنیا کے ہر کونے سے ڈارون کے پیروکاروں نے ایسے فوصل ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے جو ان کے نظریے کے حساب سے مچھلیوں کے اندر تدریجی ترقی کا ثبوت ہوں لیکن ہر فوصل نے مچھلیوں کی تدریجی ترقی کی کسی شہادت کی بجائے صرف ان کی تخلیق کا ثبوت پیش کیا ہے- موجودہ وقت تک ایسا کوئی فوصل نہیں مل سکا جو کہ مچھلیوں کا تدریجی پرکھا کہلاسکے اور نہ اس خیالی سلسلہ وار تدریج کا کوئی وسطی فوصل برآمد ہوسکا- ارضیاتی تاریخ مچھلیوں کو صرف مچھلیوں کی ہی شکل میں پیش کرتی ہے- تصویر میں موجود سن فش کا فوصل نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو مایوسی کی انتہا پر لے جانے کے لئے کافی ہے-

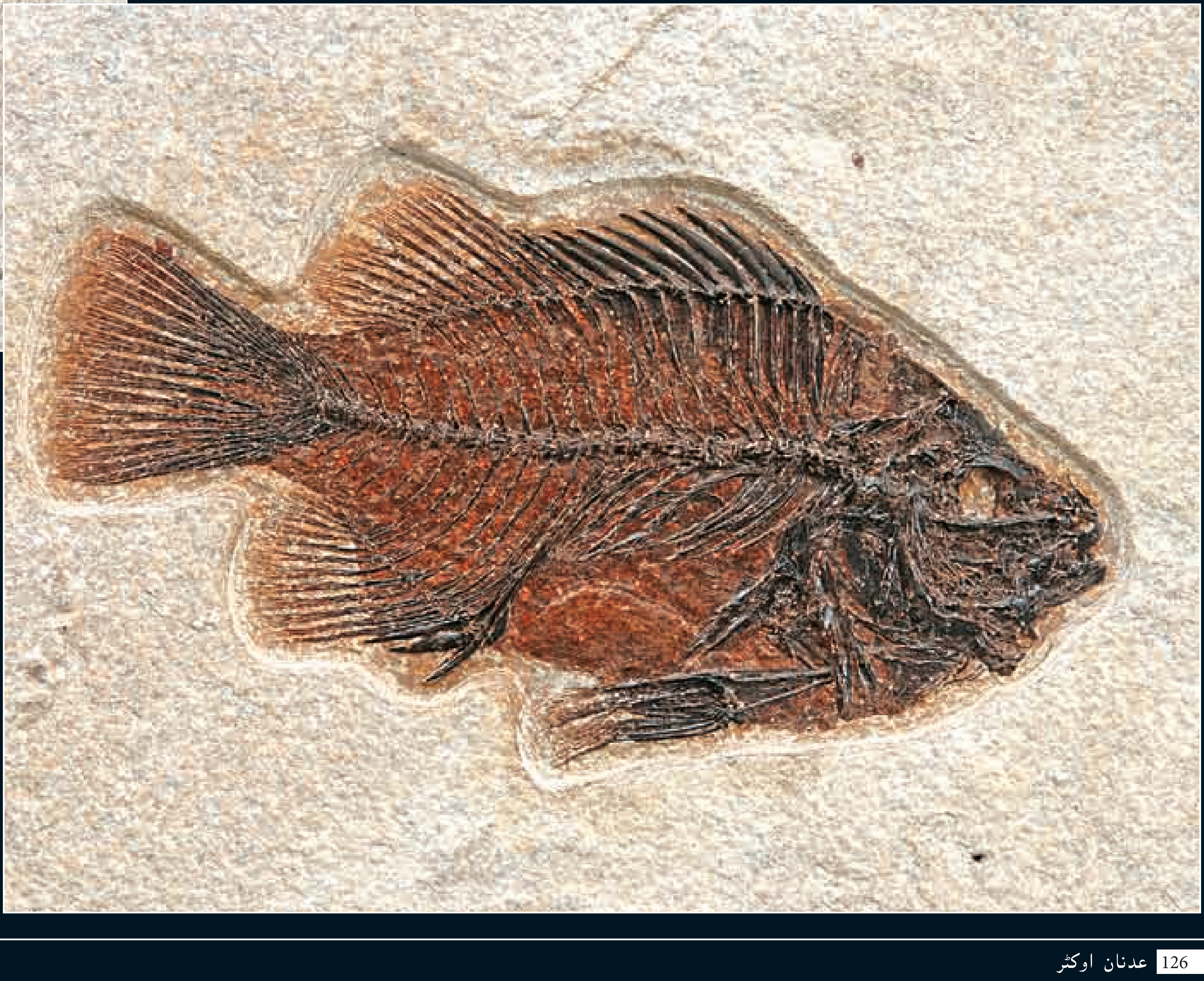

ہکری لیف /کریہ کی جنس کا درخت

عمر- **۵۴**سے **۶۵**لاکھ سال
پیمائش- ۷۶ سینٹی میٹر (۳ انچ)
جائے وقوع- ریاست نارتھ ڈاکوٹا، ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- پیلیوسین

ہکری کا درخت نباتاتی جنس کریہ کا ایک درخت ہے- تصویر میں موجود شمالی امریکہ میں پائے جانے والے اس درخت کا پتہ **۵۴** سے **۶۵** لاکھ سال پرانا ہے اور اس بات کی شہادت ہے کہ دنیا میں موجود کوئی بھی پودا تدریجی ترقی سے نہیں گزرا- ہکری کے درخت سے مضبوط بھاری لکڑی اور گرہ دار میوہ حاصل ہوتا ہے- لاکھوں سال پرانے ہکری کے درخت اور دورِ حاضر میں موجود اس درخت میں کوئی فرق نہیں ہے-

ہیرنگ-خارماہی

عمر- ۳۷سے۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

آج کے زمانے میں پائی جانے والی خارماہی اور۳۷سے ۵۴لاکھ سال پہلے کے اس فوصل میں موجود خارماہی میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ فوصل اس بات کی شہادت ہے کہ یہ تمام کائنات اور اس میں موجود جاندار صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

فگ لیف /انجیر کا پتہ

عمر-۵۴سے ۶۵ لاکھ سال
پیمائش- ۷-۵ سینٹی میٹر (۳-۲ انچ)
جائے وقوع- ریاست نارتھ ڈاکوٹا
عہد- پیلیوسین

انجیر کا درخت فائکس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں ۸۰۰سے زائد نسلیں ہیں -لاکھوں سال گزرنے کے باوجود انجیر کے درخت کے پتوں یا پھل میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- تصویر میں موجود انجیر کا پتہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کسی تدریجی مراحل سے نہیں گزرا بلکہ تخلیق کیا گیا ہے-

ہیرنگ/خارماہی

عمر- ۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

نظریہ ارتقاءایک خیالی کہانی ہے جو کہ اگرچہ جاندار نسلوں کی قدرتی تاریخ کے متعلق ایجاد کیا گیا تھا لیکن سائنسی تحقیق کی رو سے ایک کھوکھلا اور غلط نظریہ ہے -اس نظریے کو غلط ثابت کرنے میں سب سے بڑا کردار فوصلی دریافت کا ہے- تصویر میں موجود ہیرنگ کے فوصل بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ لاکھوں سال سے ان مچھلیوں کی کیمیائی اور طبعیاتی ساخت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی- اس فوصل کے سائنسی ثبوت کے آگے نظریہ تدریجی ترقی ایک انسانی دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں-

واٹر بیٹل /آبی بھنورا

عمر- ۸-۱ لاکھ سے ۱۱ ہزار سال
جائے وقوع- ایل-اے- بری ٹارپٹز یا ایل- اے- بری کے تارکول کے گڑھے لوس انجلیس، ریاست کیلیفونیا
عہد- پلائسٹوسین یا وہ عہد جب درجہ حرارت میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں

آبی بھنورا سیاہ بھنورا ہوتا ہے جس کا تعلق نوع کیلوپٹرا سے ہے- اس بھنورے کا فوصل بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ کسی تدریجی مراحل سے نہیں گزرا اور اس کو تخلیق کیا گیا ہے-

ہارس چیسنٹ لیف /بن خور درخت کا پتہ

عمر- ۵۴سے ۶۵لاکھ سال
پیمائش- ۱۲۷سینٹی میٹر (۵ انچ)
جائے وقوع- ریاست نارتھ ڈاکوٹا
عہد- پیلیوسین

بن خور کا درخت ایک اونچا درخت ہوتا ہے جس میں گلابی یا سرخ پھولوں کے کھڑے مخروطی گچھے یا چھڑیاں ہوتی ہیں- تصویر میں موجود۵۴سے ۶۵لاکھ سال پرانا یہ بن خور کا پتہ آج کے دور کے اس درخت کے پتے سے عین مشابہ ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

فرن /سرخس

عمر-۲۸۶ سے۳۶۰لاکھ سال
سب سے بڑے کی پیمائش- ۲-۱۰ سینٹی میٹر (۴ انچ)
سطر بندی- ۳۳سینٹی میٹر (۱۳ انچ) ۲-۱۵سینٹی میٹر (۲ انچ)
جائے وقوع- سینٹ کلیر، ریاست پینسلوینیا
عہد- کاربونیفرس یا کوئلے کا عہد

سرخس ایک بے پھول کا پودا ہوتا ہے جس کے ڈنٹھل روئیں دار ہوتے ہیں -یہ پودا بیجوں کے بجائے ایک طرح کے بزروں سے اگتا ہے- آج کے دور کے تمام سرخس کے پودے لاکھوں سال پرانے انھی پودوں کے عین مشابہ ہیں اور نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتے ہیں-

ہیرنگ /خارماہی

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع-ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق-گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد-ایوسین

آج لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے فوصلوں میں سے ایک بھی ایسا وسطی فطرت کا فوصل برآمد نہیں ہوا جو کہ آدھا خارماہی اور آدھا کٹا رمچھلی یا آدھا شارک مچھلی اور آدھا گھینتی مچھلی ہو- فوصل مکمل خارماہی، مکمل گھینتی مچھلی اور مکمل شارک ہی کے ملے ہیں- تصویر میں موجود خارماہی کا فوصل اس کا ایک مکمل جاندار ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے اور۳۷سے۵۴لاکھ سال گزرنے کے باوجود دورِ حاضر کی خارماہی کے عین مشابہ ہے-

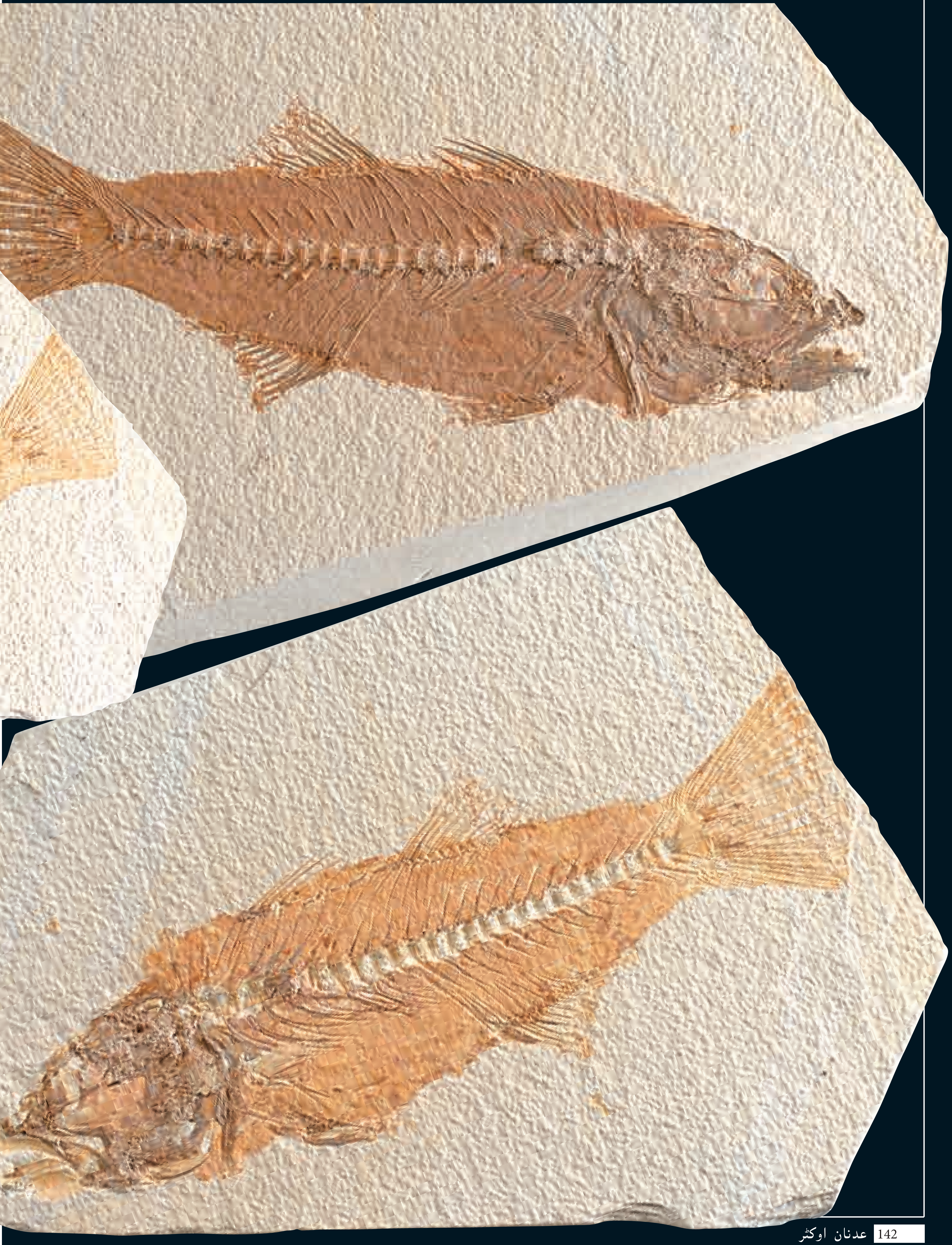

ہیرنگ/خارماہی

عمر-۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۲۳ سینٹی میٹر (۹ انچ)
جائے وقوع- ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

دور حاضر کی کثیر ارضیاتی تحقیق ایک انتہائی ذرخیز فوصلی ریکارڈ کی نشاندہی کرتی ہے- اس ذرخیز ریکارڈ میں نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو اپنا نظریہ ثابت کرنے کا ایک بھی پہلو آج تک نہیں مل سکا- تمام فوصل صرف تخلیق کی تصدیق اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں- تصویر میں موجود ہیرنگ کا فوصل اسی تصدیقی ثبوت کا حصہ ہے-

پائپ فش /لمبی تھوتھنی کی مچھلی

عمر-۵سے ۲۳لاکھ سال
پیمائش- ۴-۱۱سینٹی میٹر (۵-۴ انچ)
جائے وقوع- سانٹانز ویلی یا وادی، ریاست کیلی فورنیا
زمینی طبق- ویکورہ کی زمینی طبق
عہد- میوسین

پائپ فش سنگنھتی ڈائی خاندان کی ایک لمبی تھوتھنی والی چھوٹی غیر فقاری مچھلی ہوتی ہے- سمندری گھوڑے کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے- پائپ فش کا یہ فوصل دورِ حاضر میں موجود پائپ فش کا ہوبہو ہمشکل ہے اور دارون کے اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ جاندار نسلیں سلسلہ وار تدریجی ترقی کے عمل سے وجود میں آئیں-

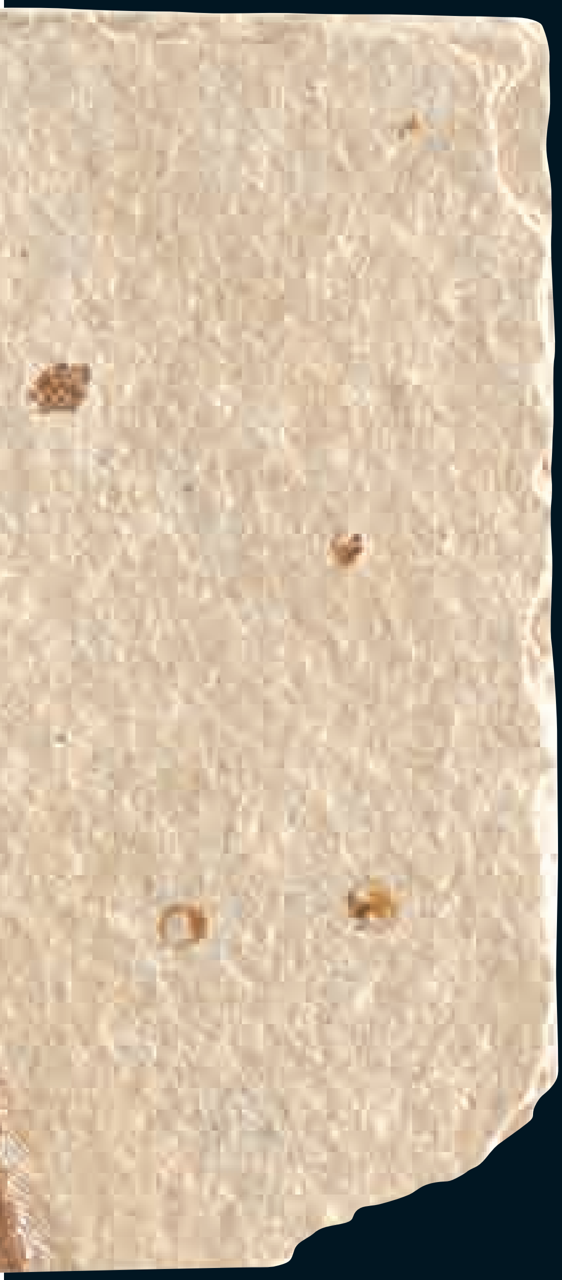

بیئر اسکل/ریچھ کی کھوپڑی

عمر- ۸۹ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریسٹیشس

لیپرڈ بلی کی نسل کا بڑا ایشیائی یا افریقی چیتا ہوتا ہے- فوصل میں ملنے والے تمام جاندار مکمل طبعیاتی ساخت کے ساتھ ملے ہیں- ان کے جسم یا سر کے کوئی بھی حصے نامکمل حالت میں نہیں ہیں اور ان کی کھوپڑی ،ریڑھ کی بڈی اور اعضاءمکمل ترتیب سے تشکیل شدہ ہے-

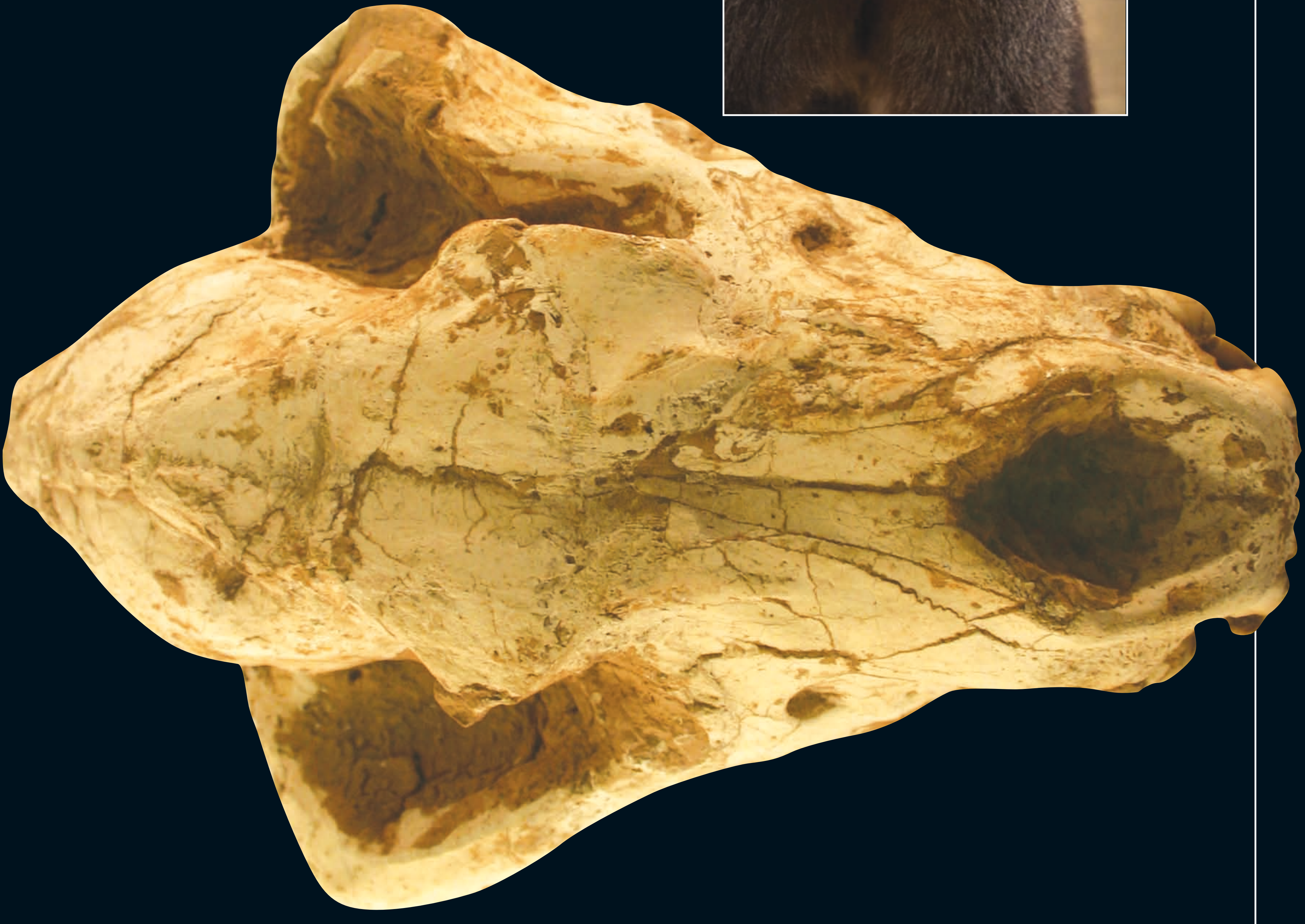

ہیک بری لیف، کرکٹ/خوردنی بیرنما پھل کے درخت کا پتہ اور جھینگر

عمر-۳۷سے۵۴لاکھ سال

جائے وقوع-ریاستہائے متحدہ امریکہ

عہد- سینوزوئک عہد کی شروعات اور ایوسین کا دور

ہیک بری سیلٹس جنس کا درخت ہوتا ہے جس میں خوردنی بیرنما پھل لگتے ہیں- کرکٹ اورتھوپیڈا قبیل کا جھینگر ہوتا ہے جس کا نر مخصوص بھنبھناتی آواز نکالتا ہے- اس تصویر میں یہ جھینگر ہیک بری کے پتے کے ساتھ ہی فوصل کی شکل اختیار کرگیا ہے-۵۰لاکھ سال پہلے پائے جانے والے اس جھینگر اور ہیک بری کے پتے اور دورِ حاضر میں موجود اسی جھینگر اور پتے میں کوئی فرق نہیں ہے- اس ثبوت نے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو خاموش کردیا ہے- فوصلوں کی صورت میں سائنس کا سچ نظریہ ارتقاءکو جھوٹا اور تخلیق کو ایک جامع حقیقت ثابت کرتا ہے-

رائنو اسکل/گینڈے کی کھوپڑی

عمر-۳۳لاکھ سال
پیمائش- ۱-۳۸ سینٹی میٹر (۱۵ انچ)ضرب ۴-۲۵ سینٹری میٹر (۱۰ انچ)
جائے وقوع- کانورس کاؤنٹی یا ضلع، ریاست وائے اومنگ
عہد- اولیجوسین

اس فوصل کے مطابق ۳۳لاکھ سال پہلے رہنے والے گینڈے اور دورِ حاضر کے گینڈے میں کوئی فرق نہیں ہے- موجودہ دور کے جاندار جن کی جسمانی ساخت لاکھوں سال گزرنے کے باوجود نہیں بدلی نظریہارتقاءکے دھوکے کو صاف ظاہر کرتے ہیں-

ریبٹ/خرگوش

عمر-۳۳لاکھ سال
کھوپڑی کی پیمائش-۳-۶ سینٹی میٹر (۵-۲ انچ)
سطر بندی- ۸-۲۲ سینٹی میٹر (۹ انچ)ضرب ۷-۱۷ سینٹی میٹر (۷ انچ) ضرب ۱-۱۰ سینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے وقوع-کانورس کاؤنٹی یا ضلع، ریاست وائے اومنگ

فوصل کے تمام ریکارڈ میں ایک بھی ایسا نمونہ نہیں موجود جو کہ کسی جاندار کی نظریہ ارتقاءکے مطابق وسطی شکل کی نشاندہی کرے مثلاً لاکھوں فوصل میں سے ایک بھی ایسی خصوصیت کا نہیں جو آدھا مگر مچھ/ آدھا خرگوش یا آدھا سانپ/ آدھا خرگوش ہو- فوصل ہمیشہ خرگوش کے خرگوش ہی رہنے کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ تدریجی ترقی کے سارے نظریے محض خام خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں- تمام کائنات اور اس میں موجود جاندار اور غیر جاندار چیزیں صرف اور صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

سن فش یا گول مٹول
شوخ رنگ مچھلی

سن فش، ہیرنگ/گول شوخ رنگ کی مچھلی، خارماہی

عمر-۳۷سے۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- کیمیرر، ریاست وائے اومنگ
زمینی طبق- گرین ریور یا برے دریا کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

زندہ فوصل اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جاندار نسلوں نے لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی اپنی فطری جسمانی ساخت کو برقرار رکھاہے- نظریہ ارتقاءکے لئے یہ حقیقت ایک کاری ضرب ہے- نظریہ ارتقاءکا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ تمام جاندار جو اپنے آپ کو بدلتے ہوئے ماحول میں نہیں ڈھال سکے وہ فنا اور معدوم ہوگئے اور صرف وہی جاندار زندہ بچ گئے جو کہ بذریعہ تدریجی ترقی کسی اور جاندار کی شکل اختیار کرگئے- جاندار فوصل نظریہ ارتقاءکے تمام اصولوں کی مکمل تردید کرتے ہیں اور اس نظریے کو ایک ہٹ دھرم اور بے بنیاد نظریہ ثابت کرتے ہیں-

ہیرنگ یا خارماہی

ولو/بید مجنوں کا پتہ

عمر- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۱۰۰ ملی میٹر (۴ انچ)x۱۰ملی میٹر (۴-۰ انچ)
سطر بندی- ۲۶ ملی میٹر (۲۴ انچ)x۱۳۰ملی میٹر (۵ انچ)
زمینی طبق- گرین ریور یا ہرے دریا کا پھوٹک پتھر
عہد- ایوسین

نباتاتی زندگی کی نسلیں جو کہ لاکھوں سالوں سے بغیر کسی تبدیلی کے زندہ ہیں نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے شدید الجھن اور مایوسی کا سبب ہیں- تصویر میں موجود بید مجنوں کا یہ پتہ بھی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود ہے-

لورل لیف/درخت غار کا پتہ

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۳۰ ملی میٹر (۲-۱ انچ) x۶۶ ملی میٹر (۳۱ انچ)
سطر بندی- ۹۰ ملی میٹر (۵-۳ انچ) x۶۹ملی میٹر (۷-۲ انچ)
جائے وقوع - یوانٹا کاؤنٹی یا ضلع، ریاست یوٹا
زمینی طبق- گرین ریور یا ہرے دریا کا پھوٹک پتھر
عہد- ایوسین

درخت غار کے پتے اور پھل ایشیائی لوراکائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں- اس سے تیل حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے پتے مسالوں کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں- فوصل کے ثبوت کے مطابق درخت غار کے پتے لاکھوں سال سے دنیا میں ایک ہی شکل میں موجود ہیں-دور حاضر کے اس پتے اور لاکھوں سال پرانے درخت غار کے پتے میں کوئی فرق نہیں ہے-

ہیرنگ، پرچ /خارماہی اور نکیلے پروں والی مچھلی

عمر- ۳۷ سے **۵۴** لاکھ سال

جائے وقوع - کیمیرر، ریاست وائے اومنگ

زمینی طبق - گرین ریور یا بڑے دریا کی زمینی طبق

عہد- ایوسین

خارماہی اور نکیلے پروں والی میٹھے پانی کی اس خوردنی مچھلی کے ۳۷ سے**۵۴**لاکھ سال پرانے فوصل ثابت کرتے ہیں کہ ان مچھلیوں میں اتنے سال گزرنے کے باوجود کسی قسم کی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اور یہ مچھلیاں آج بھی ہمارے سمندروں میں اپنی اصل اشکال میں پائی جاتی ہیں-

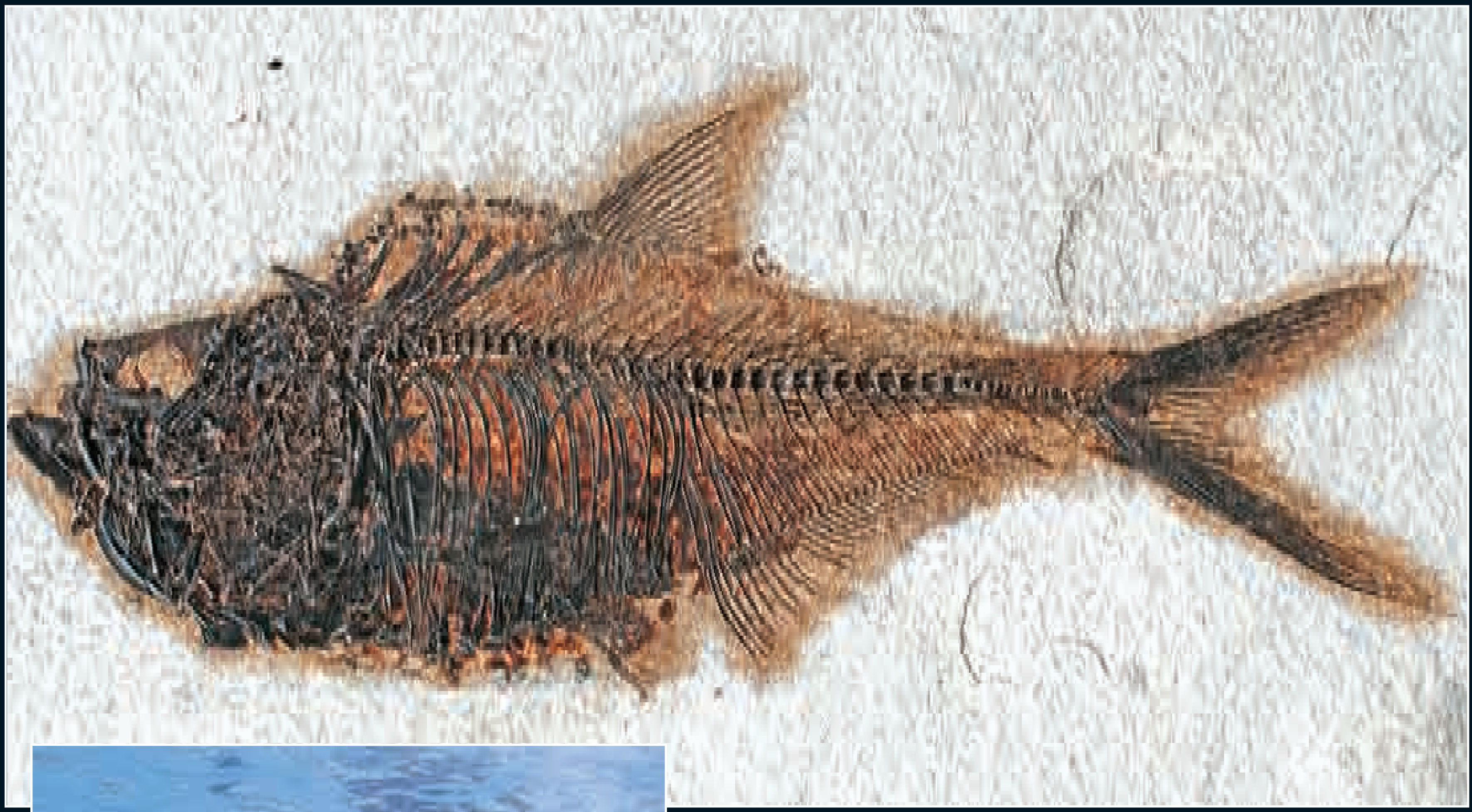

ہیرنگ یا خارماہی

پرچ یا نکیلے پروں والی خوردنی مچھلی

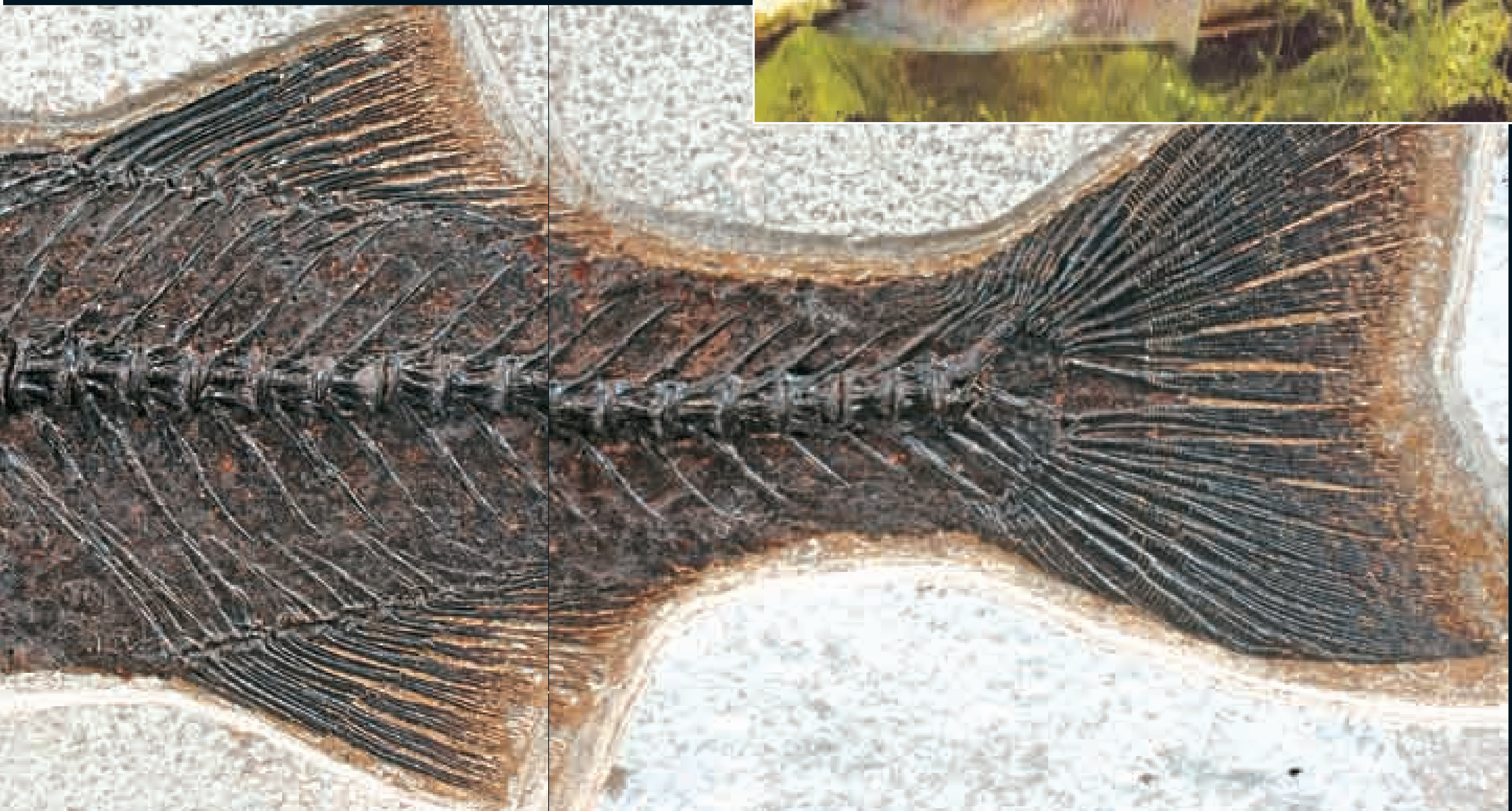

ریبٹ/خرگوش

عمر-۲۳سے ۳۸لاکھ سال
زمینی طبق- برول کی زمینی طبق
جائے وقوع- وائٹ ریور یا سفید دریا کا گروہ، کانورس کاؤنٹی یا ضلع ،ریاست وائے اومنگ
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجودہ ۲۳ سے۳۸لاکھ سال پہلے رہنے والے اس خرگوش میں اور دور حاضر کے خرگوش میں کوئی فرق نہیں ہے -یہ فوصل خرگوشوں کی تدریجی ترقی کی تردید اور ان کی باقاعدہ تخلیق کی تصدیق کرتا ہے-

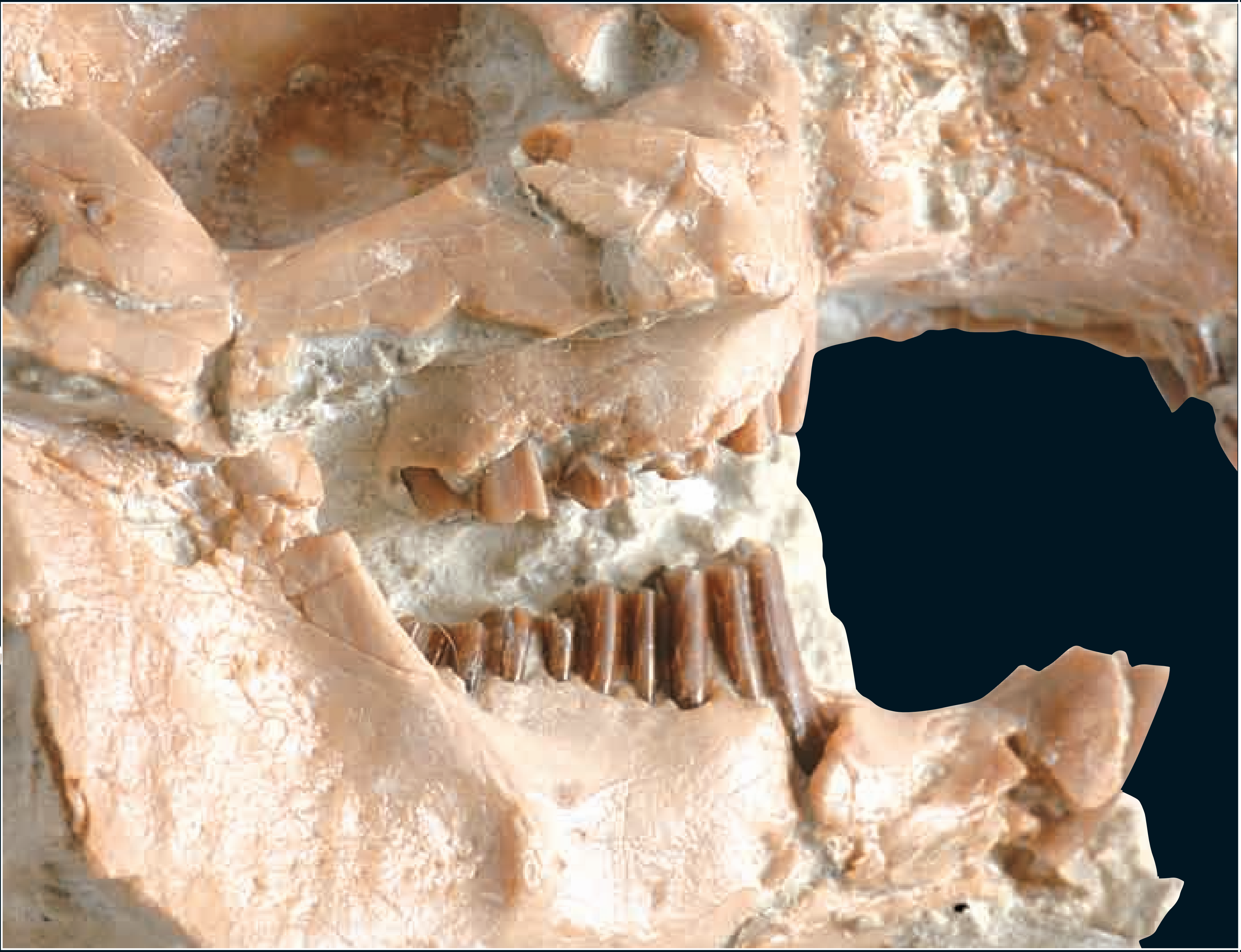

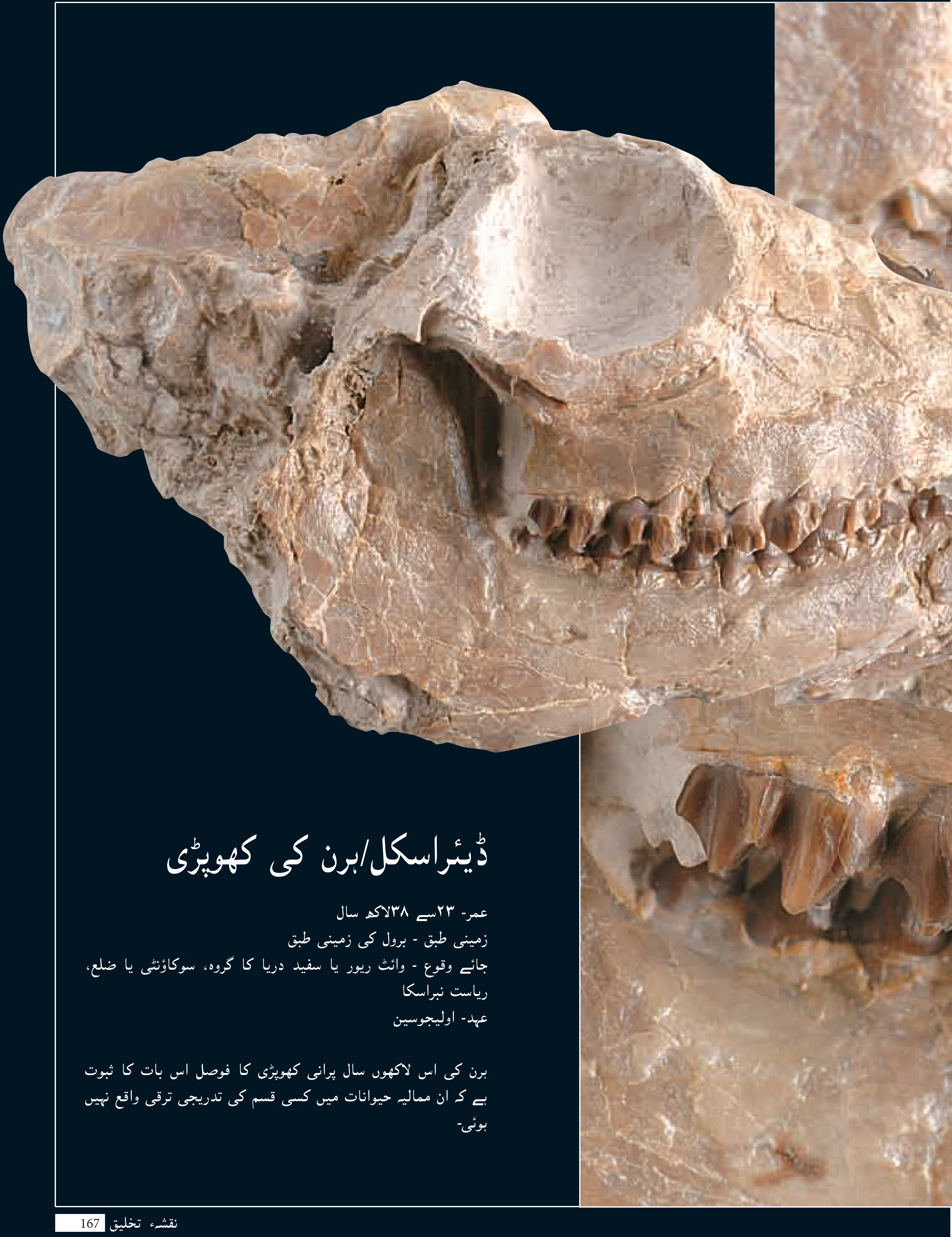

ڈیئراسکل/ہرن کی کھوپڑی

عمر- ۲۳سے ۳۸لاکھ سال

زمینی طبق - برول کی زمینی طبق

جائے وقوع - وائٹ ریور یا سفید دریا کا گروہ، سوکاؤنٹی یا ضلع، ریاست نبراسکا

عہد- اولیجوسین

ہرن کی اس لاکھوں سال پرانی کھوپڑی کا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ ان ممالیہ حیوانات میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

ٹرٹل/کچھوا

عمر-۳۷سے ۵۴لاکھ سال
جائے وقوع- ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- سینوزوئک عہد کی شروعات، ایوسین کا دور

سائنس کی دیگر دوسری شاخوں کی طرح علم معدوم حیوانات و نباتات نے بھی اپنی وسیع تحقیقات کے ذریعے ڈارون کے بر نظریے کو غیر سائنسی اور بے بنیاد ثابت کردیا ہے- تصویر میں موجود۳۷ سے ۵۴لاکھ سال پرانے کچھوے کا فوصل نظریہ ارتقاءکو بذریعہ دلیل رد کردیتاہے- اس فوصل سے ظاہر ہے کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کچھوے زمین کے اوپر بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہیں-

بائی والوو/دوجڑواں صدفوں والا

عمر- ۵-۱۲ سے ۱۳لاکھ سال
پیمائش-۱۰سینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے وقوع- کالورٹ کاؤنٹی یا ضلع، ریاست میری لینڈ
عہد- درمیانی میوسین

بائی والوو آبی صدفوں کی مختلف اقسام کی دو صدفی حیوانات ہوتے ہیں جن میں دو جڑواں بغلی خانے ہوتے ہیں مثلاً کستورا مچھلی اور میٹھے پانی کا گھونگھا -لاکھوں سال پرانے آبی صدفوں اور موجودہ دور کے آبی صدفوں کی کسی بھی نسل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے- یہ صورتحال ڈارون کے پیروکاروں کے دعوؤں کو مکمل طور پر جھوٹا ثابت کردیتی ہے-

ٹرٹل/کچھوا

عمر- ۲۳سے۳۸لاکھ سال
چوڑائی- ۱۳سینٹی میٹر (۵ انچ) ۱۰ xسینٹی میٹر (۴ انچ)
موٹائی- ۴-۵ سینٹی میٹر (۱-۷۵ انچ)
جائے وقوع- سوکاؤنٹی یا ضلع، ریاست نبراسکا
عہد- اولیجوسین

نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ تمام وسیع فوصلی ریکارڈ میں کچھوے کی تدریجی ترقی کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے- رابرٹ کیرل اپنی کتاب 'ورٹیبریٹ پیلینٹولوجی اینڈ ایوولوشن' (علم فقاری حیاتیات اور تدریجی ترقی) میں لکھتا ہے:

"اولین کچھوے جرمنی کی ٹرائسک زمینی طبق سے ملے ہیں اور ان کا ان کے سخت خول کی بناءپر دوسری جاندار نسلوں سے با آسانی امتیاز کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہو بہو ان ہی خصوصیات کے کچھوے آج بھی زمین پر موجود ہیں-"

رابرٹ کیرل مزید لکھتا ہے "مزید قدیم اور اولین قسم کے کسی بھی کچھوے کا نشان آج تک نہیں ملا باوجود اس بات کے کہ کچھوے بہت آسانی سے نہ صرف فوصل بن جاتے ہیں بلکہ ان کی شناخت کرنا بھی بہت آسان ہوتی ہے-"

(رابرٹ کیرل، ورٹیبریٹ پیلینٹو لوجوی اینڈ ایوولوشن، صفحہ ۷۰۲)

دو جڑواں صدفوں والا

عمر - ۴۱۰ سے ۳۶۰ سال
پیمائش - ۳٫۸ سینٹی میٹر (۱٫۵ انچ)
زمینی طبق - جیفرسن کا پھوکٹ پہتر
عہد - ڈیوونین

یہ دو جڑواں صدفوں والے پچھلے ۳۶۰ لاکھ سالوں سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں اور ارتقاء پسندوں کے اس دعوے کی مکمل تردید کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں ارتقاء کے ذریعے وجود میں آئیں ،

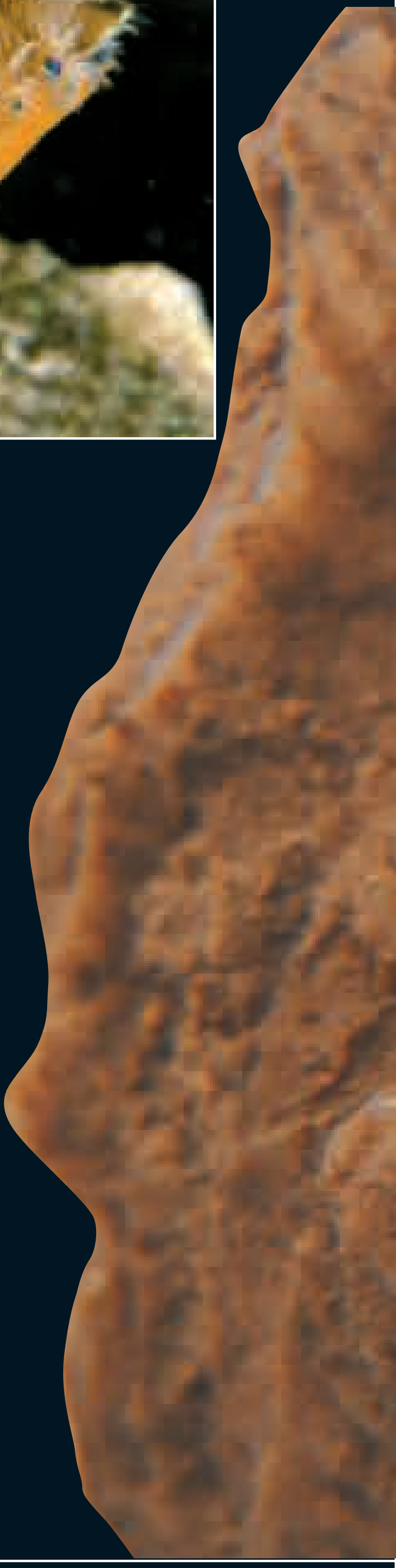

سی ارچن /اکینوئڈ یا جماعت کا خاریوست

عمر- ۲۹۹سے ۳۰۶ لاکھ سال
جائے وقوع- ریاستہائے متحدہ امریکہ
عہد- پیلیوزوئک عہد، کاربونیفرس دور

سی ارچن اکینوئڈیا جماعت کا خارپوست ہوتاہے جس کا خول چپٹا ،خاردار یا گول ہوتا ہے- تصویر میں موجود سی ارچن اسی بے حساب ثبوت کی کڑی ہے جو نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے- اگر ڈارون کے پیروکاروں کے دعوے درست ہوتے تو آج کے سی ارچن اور حالِ گزشتہ کے سی ارچن میں زمین آسمان کا فرق ہوتا لیکن اس سمندری حیوان کا اپنی مکمل ہیئت اور اوصاف کو لاکھوں سال سے برقرار رکھنا ڈارون کے نظریئے کی تردید کے لئے کافی ہے-

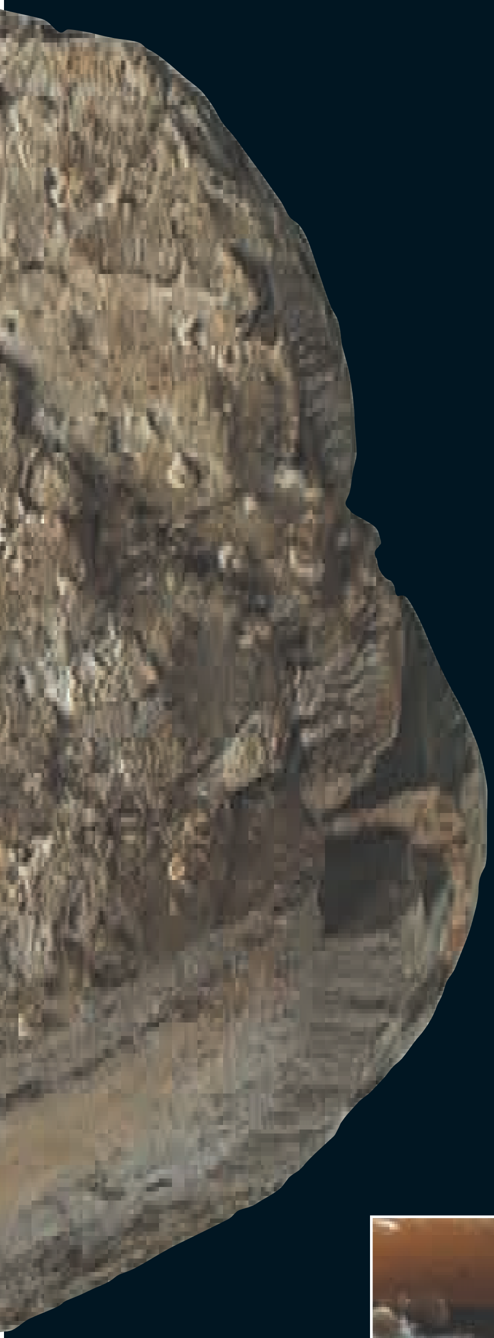

اسٹارفش/ستارہ مچھلی

عمر- ۳۲۵سے ۳۶۰لاکھ سال
سطر بندی- ۲-۶ سینٹی میٹر (۴-۲ انچ) ضرب ۲-۶ سینٹی میٹر (۴-۲ انچ)
زمینی طبق - ایڈورڈ سول کی زمینی طبق
جائے وقوع - کرافڈسول، ریاست انڈیانا
عہد - مسیسیپین

دورحاضرکی ستارہ مچھلی اور لاکھوں سال پہلے رہنے والی ستارہ مچھلی کی طبعیاتی اور کیمیائی خصوصیات یکساں ہیں- لاکھوں سال پرانا یہ فوصل ثابت کرتا ہے کہ جاندار جس ہیئت میں تخلیق کئے گئے تھے اسی ہیئت اور اوصاف کے ساتھ آج بھی یا تو موجود ہیں یا مکمل طور پر معدوم ہوچکے ہیں-

سے وضاحت کرنا ایک ناممکن فعل ہے۔

کینیڈا کا ایک اور اہم فوصلی میدان میگاشاپارک میں واقع ہے۔ یہ فوصلی نمونوں‌میں‌ذرخیز علاقہ گاسپی پیننسولا یا گاسپی کا جزیرہ نما خط ہے۔ یہاں پر۱۸ ہویں‌صدی کے وسط میں فوصل دریافت ہوئے۔ اس علاقے کی پتھریلی ساخت ۳۵۰ سے **۳۷۵**لاکھ سال پرانی ہے۔ تحقیق کے مطابق۳۷۰ لاکھ سال پہلے گاسپی کا ساحل ایک مدارینی خلیج تھا۔ میگا شا کی نمائش میں موجودہ فوصل وسیع اقسام کے ہیں جن میں خرد نامیہ سے فقاریہ حیوانات اور غیر فقاریہ حیوانات سے لے کر نباتات بھی شامل ہیں۔ میگاشا سے ملنے والے کچھ نباتاتی اور سمندری حیوانات کے فوصل اپنی طرز کے سب سے اولین فوصل ہیں مثلاً اسپرماسپوسیٹا نامی پودا جس کا شمار زمین کے سب سے قدیم پھول دینے والے پودوں میں ہوتا ہے۔ یہ تمام فوصل اپنی مکمل اور بے عیب ساخت کے ساتھ اس بات کا ثبوت ہیں کہ جاندار اس وقت بھی اپنی بے انتہا پیچیدہ کیمیائی اور طبعیاتی خصوصیات کے ساتھ زمین پر پھل پھول رہے تھے جس وقت بقول نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے زندگی اپنی بے انتہا قدیم دور سے گزررہی تھی۔

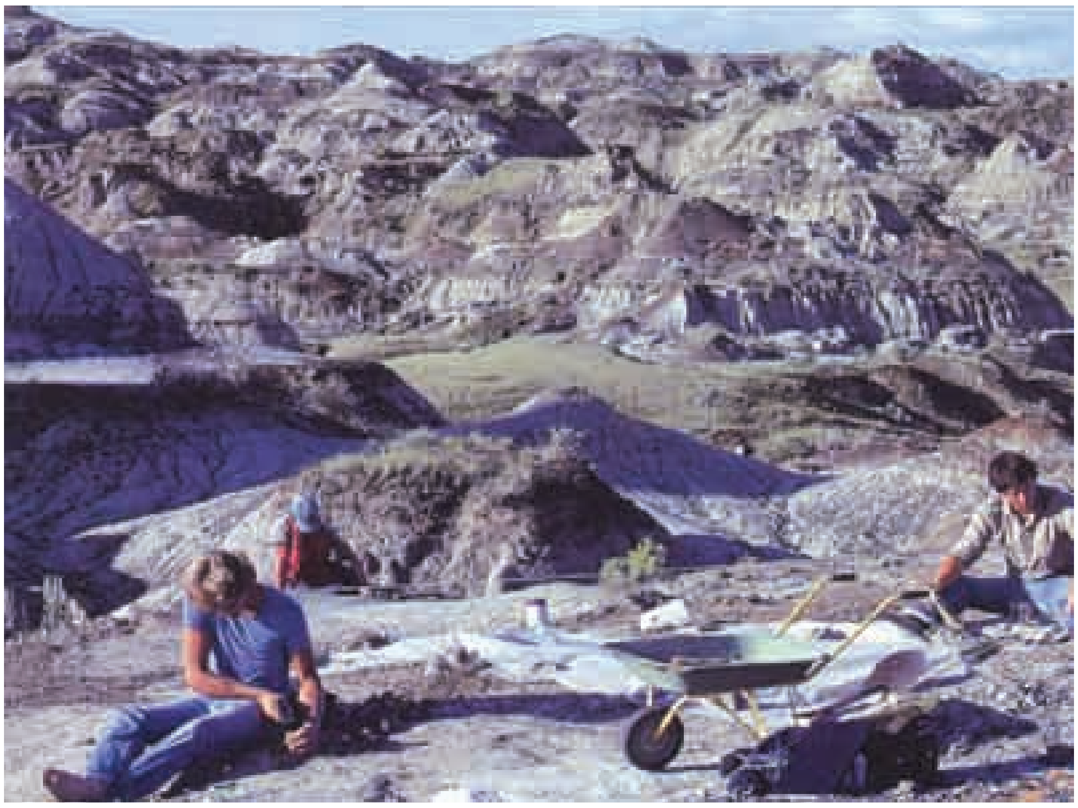

کینیڈا کے صوبہ البرٹا میں فوصلی تحقیق

برگس کی پھوٹک پتھر کی زمینی طبق

کینیڈا میں ملنے والے فوصلی نمونے

شمالی امریکہ کے ملک کینیڈا میں دنیا کی کچھ سب سے پرانی ارضیاتی ساخت پائی جاتی ہے- اس کی پتھریلی زمینی طبق کا کافی بڑا حصہ۴۶۰ سے۵۴۳ لاکھ سال پرانے پری کیمبرین عہد سے محفوظ چلا آرہا ہے اور اس میں فوصلی ذخیروں کی بہتات ہے- اس علاقے کا سب سے اہم فوصلی ذخیرہ مشہور عالم برگس شیل فورمیشن یا برگس پھوٹک پتھر کی زمینی طبق ہے- یہ فوصلی ذخیرہ دورِ حاضر کا اہم ترین معدوم حیاتاتی اور نباتاتی دریافتوں میں شمار ہوتا ہے- ارضیاتی تحقیق کے مطابق جب اس علاقے میں فوصل بنانے والی تہیں بیٹھ رہی تھیں تو یہ علاقہ خط استوء کے نزدیک تھا اور برگس پھوٹک پتھر کی زمینی طبق براعظم شمالی امریکہ کے نچلے کنارے پر تھی- یہاں سے سب سے پہلے دریافت ہونے والے فوصل غیر فقاری جانوروں کے تھے جو کہ ماہرِ معدوم حیاتات و نباتات چارلس ڈولٹل والکوٹ نے ۱۹۰۰ کی شروعات میں برآمد کئے- برگس کا یہ زمینی خطہ غیر فقاری حیوانات کے فوصلوں کے لئے زیادہ مشہور ہے- یہاں سے ملنے والے فوصلی نمونے ۵۰۰لاکھ سال پرانے ہیں اور ان کی بدولت تقریباً ۱۴۰ کیمبرین دور میں پائی جانے والی جاندار نسلوں کی پہچان ہوئی ہے-

ان فوصلوں کا اہم مشترک وصف یہ ہے کہ یہ بہت سی مختلف انواع صف بندی کا حصہ ہیں اور اچانک ہی نمودار ہوئے ہیں -ان کا پچھلی کسی بھی طبقاتی ترتیب میں کوئی نشان نہیں ملتا- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان فوصلوں کی موجودگی کا نظریہ ارتقاءکے حوالے

برگس کی پھوٹک پتھری طبق میں فوصلی تحقیق

مون آئی فش /چندا مچھلی

عمر- ۵۰لاکھ سال
پیمائش- ۸۳سینٹی میٹر (۳۲۵ انچ) ۳۲ x سینٹی میٹر (۱۲۵ انچ)
جائے وقوع- برٹش کولمبیا
زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

چندا مچھلی ایک درمیانی ناپ کی جنوبی امریکن مچھلی ہے جو عموماً بڑی بڑی جھیلوں اور دریاؤں میں پائی جاتی ہے- دوسرے جانداروں کی طرح اس مچھلی کی طبعیاتی خصوصیات میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں کہ۵۰لاکھ سال پرانی چندا مچھلی اوردورِ حاضر کی چندا مچھلی ہوبہو بمشکل کیوں ہیں-

سیکوئیا/چیڑ کی قسم کے درخت کی ٹہنی

عمر- ۵۰لاکھ سال
پیمائش- ۷سینٹی میٹر (۲-۷۵ انچ) ۱۰ xسینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے وقوع- کیملوپس، بریٹش کولمبیا، کینیڈا
عہد- ایوسین

سیکوئیا کا شمار دنیا کے سب سے بڑے درختوں میں ہوتا ہے- یہ بہت قدآور اور گھیردار تنے کے چیڑ کی قسم کے درخت ہوتے ہیں اور بہت لمبے عرصے تک زندہ رہتے ہیں- یہ زیادہ تر جنوبی امریکہ میں پائے جاتے ہیں اور کچھ کی عمر۱۰۰۰سال اور لمبائی۱۵۰میٹر (۴۹۲فٹ) تک ہوتی ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق یہ درخت لاکھوں سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی یا تدریجی ترقی کے قائم ہیں- تصویر میں موجود ۵۰لاکھ سال پرانے سیکوئیا کے درخت کی ٹہنی دورِ حاضر میں اس درخت کی ٹہنی کے عین مشابہ ہے-

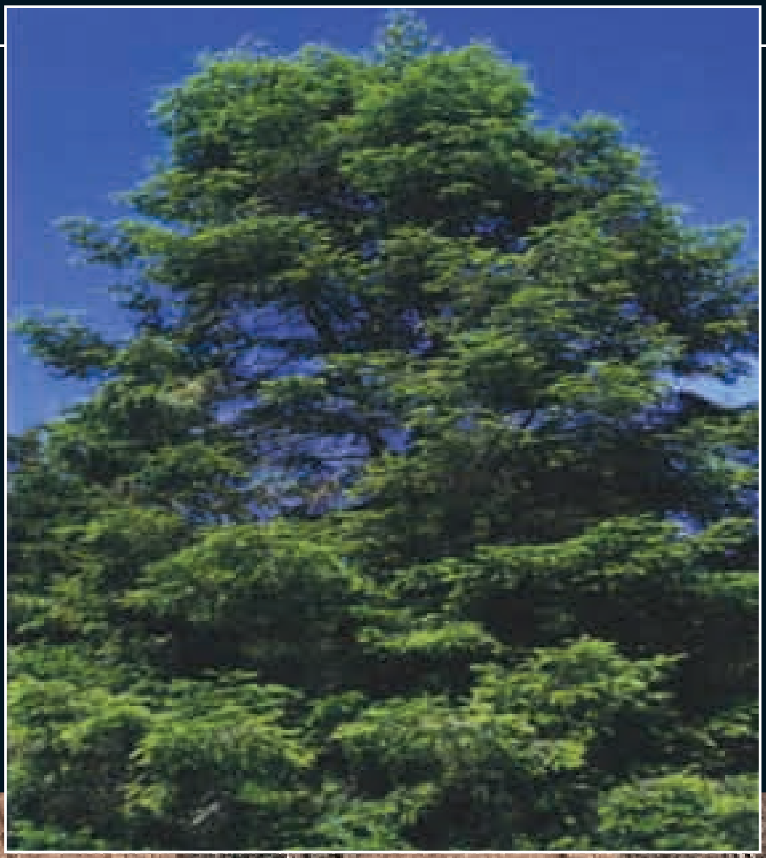

مون آئی فش /چندا مچھلی

عمر- ۵۰لاکھ سال
پیمائش- ۱۰سینٹی میٹر (۴ انچ) x۱۵سینٹی میٹر (۰۶ انچ)
جائے وقوع- برٹش کولمبیا، کینیڈا
زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

کینیڈا کے فوصلی میدانوں سے چندا مچھلی کی بڑی تعداد میں فوصل برآمد ہوئے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان مچھلیوں میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- یہ لاکھوں سال کا توازن اور استحکام اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ تدریجی ترقی کا کوئی بھی نظریہ محض خام خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں-

۵۰ لاکھ سال پرانا فوصل اور اس کا دورِ حاضر کا ساتھی

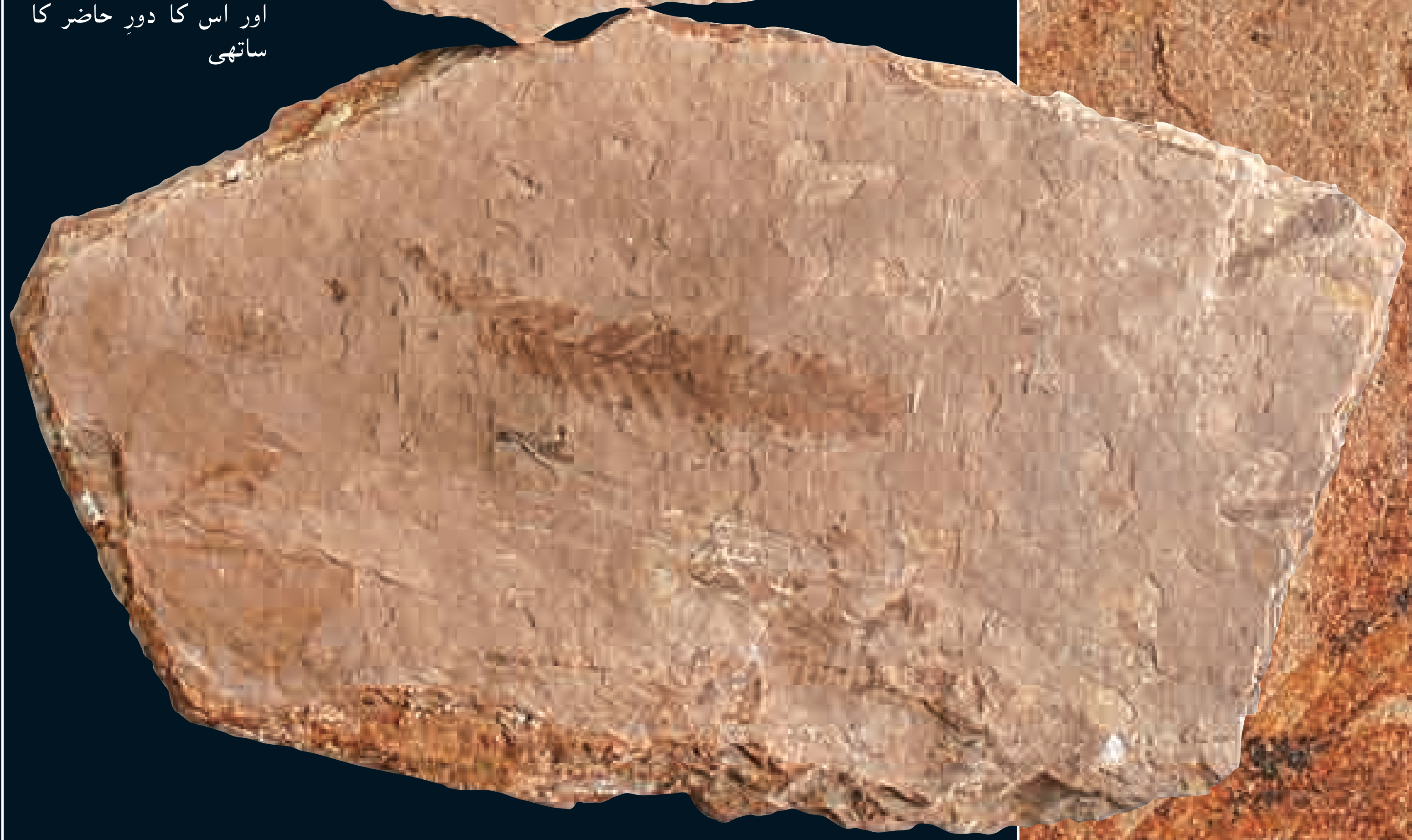

سیکوئیا اسٹیم، مارچ فلائی/سیکوئیا کی ٹہنی اور مارچ مکھی

عمر- ۵۰لاکھ سال

پیمائش- ۱۰سینٹی میٹر (۴ انچ) ۱۲۷ xسینٹی میٹر (۵ انچ)

جائے وقوع- کیملوپس، بریٹش کولمبیا، کینیڈا

عہد- ایوسین

مارچ مکھی بیبی اوناٹڈائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور زیادہ تر پودوں کے ریزے یا زرگل پرزندہ رہتی ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق مکھیوں کی تمام نسلیں ایک ہی وقت میں وجود میں آئیں اور لاکھوں سال سے اپنی اولین اشکال میں کسی بھی تبدیلی کے بغیر زمین پر موجود ہیں- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے تمام جانداروں کی طرح مکھیاں بھی کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں- نظریہارتقاءکے پیروکار اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مکھیوں کا وجود نظریہ ارتقاءکے اصولوں کے حوالے سے بیان کیا یا سمجھایا نہیں جاسکتا- ماہر حیوانات پیرپال گراسے نے بھی اپنی کتاب میں اس نقطے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھتا ہے:

"ہم کیڑے مکوڑوں کے نقط آغاز کے بارے میں بالکل اندھیرے میں ہیں" (ایوولوشن آف لیونگ آرگینیزمز (جانداروں کی تدریجی ترقی) نیویارک اکیڈمک پریس۱۹۷۷ئ، صفحہ۳۰)

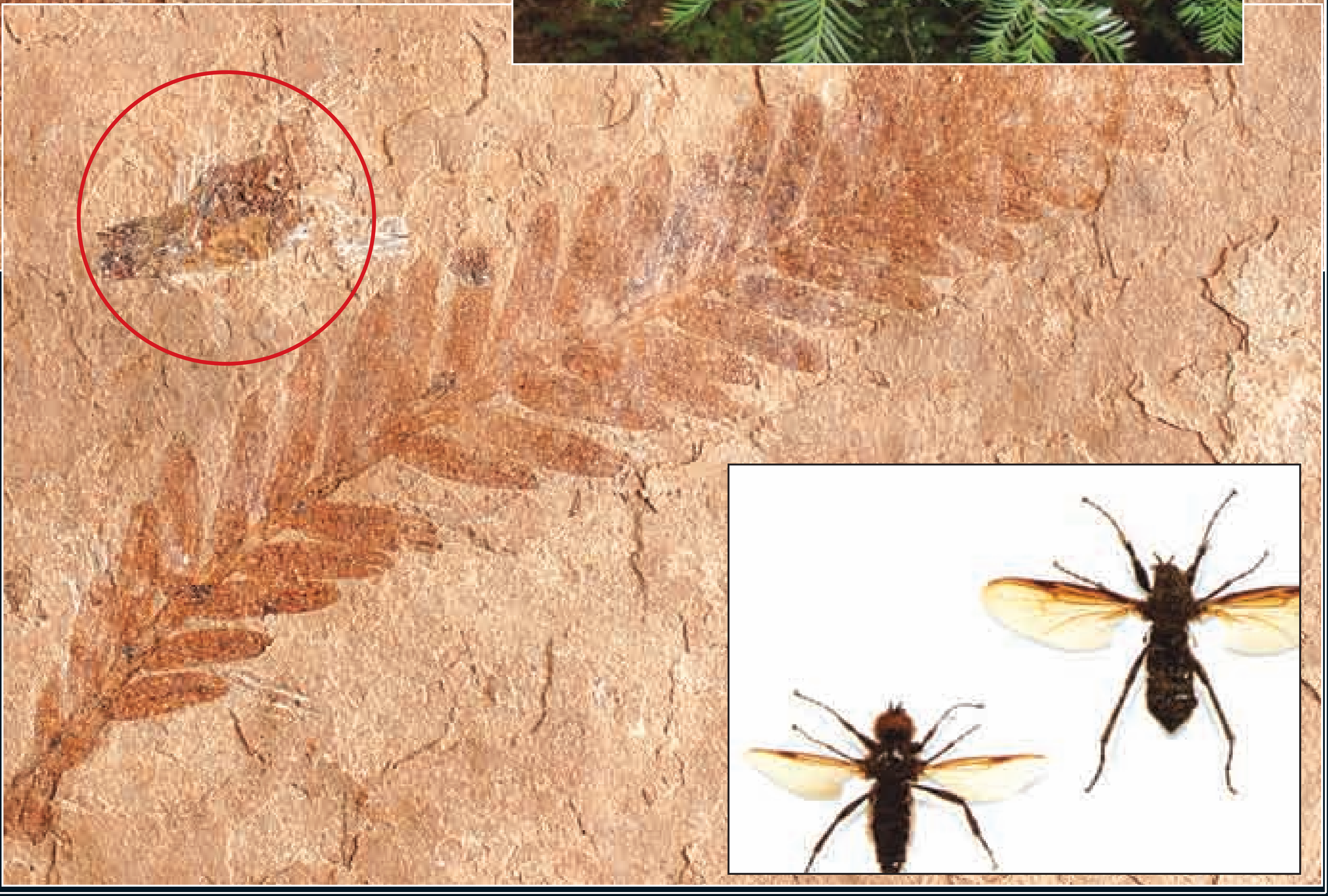

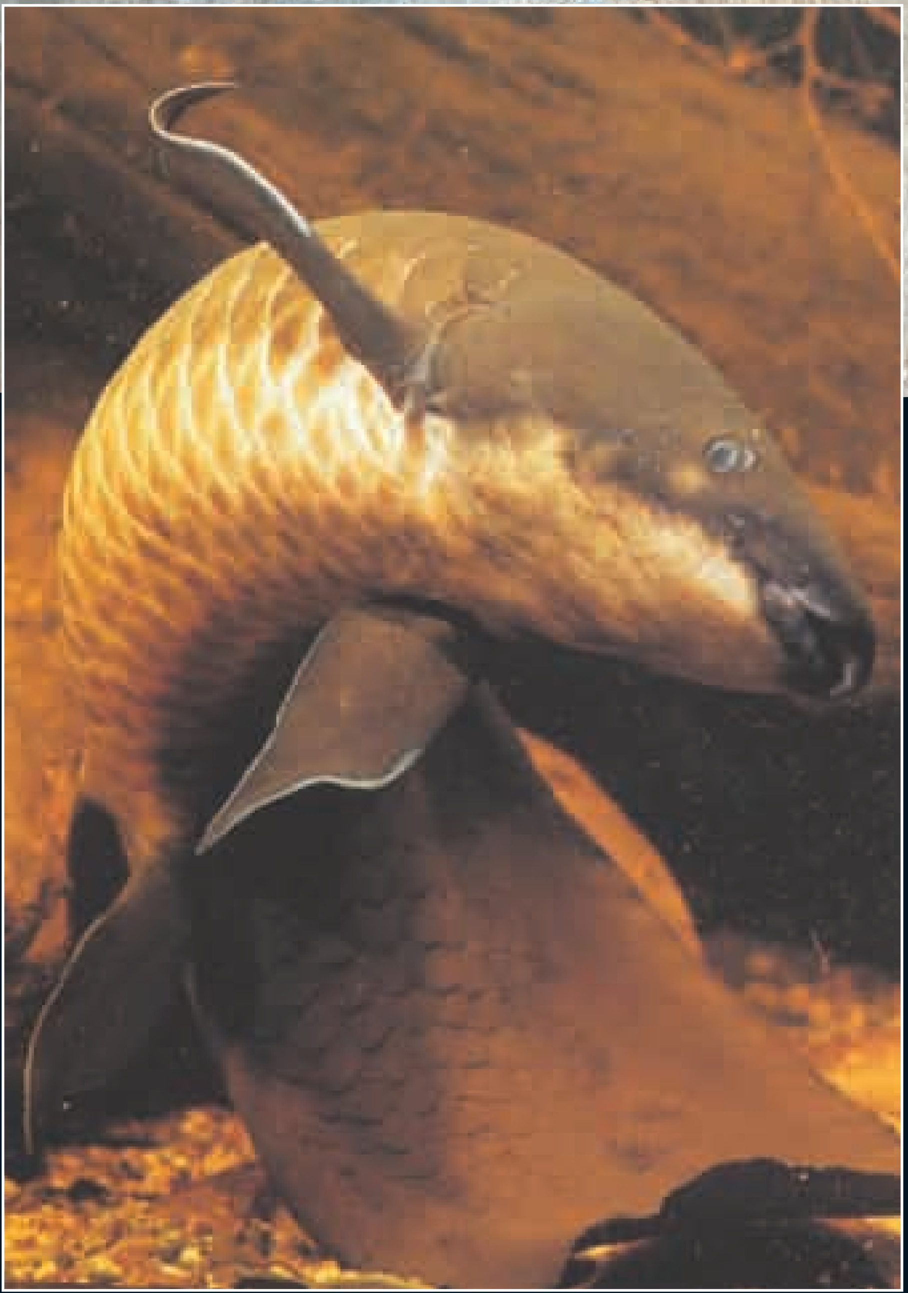

لنگ فش/ڈپنوئی درجے کی مچھلی

عمر- ۳۵۰لاک سال
پیمائش- ۵-۱۸ سینٹی میٹر (۳-۷ انچ)
جائے وقوع- میگاشا، گاسپی، کینیڈا
عہد- بالائی ڈیوونین

لنگ فش ڈپنوئی درجہ کی ایک میٹھے پانی کی مچھلی ہوتی ہے جس کے گلپھڑے اور خاص پھکنے ہوتے ہیں جنہیں وہ دو پھیپھڑوں کے طور پر استعمال کرتی ہے -یہ مچھلی خشک موسم میں ساکت رہ کر گزارہ کرتی ہے- آج کل یہ مچھلی زیادہ تر افریقہ اور جنوبی امریکہ میں پائی جاتی ہے- اگر پانی کی سطح گرجانے سے دریا سوکھ جائیں تو یہ مچھلی زندہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو کیچڑ میں دفن کرلیتی ہے- لنگ فش کا سب سے پرانا ملنے والا فوصل۳۵۴سے ۴۱۷ لاکھ سال پرانے ڈیوونین دور کا ہے- تصویر میں موجود لنگ فش بھی اسی دور کی ہے اورا س میں اور دورِ حاضر کی اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے-

بارنبیم یا جنس کارپائنس
کاپیڑ

سیکوایا یا قدآور گھیردار
چیڑ کی نسل کے درخت

سیکوئیااسٹیم، ہارنبیم لیف/سیکوئیا کی ٹھنی، ہارنبیم کے درخت کا پتہ

عمر- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال

پیمائش- ۷ سینٹی میٹر (۲۷۵انچ) x۱۵ سینٹی میٹر (۰۶انچ)

جائے وقوع- بریٹش کولمبیا، کینیڈا

زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق

عہد- ایوسین

بارنبیم جین کا رپائنس کا پیڑ ہوتا ہے جس کی چھال چکنی اور لکڑی سخت ہوتی ہے- سائنسی تحقیق کے مطابق نباتاتی زندگی اس قدر پیچیدہ طبعیاتی اور کیمیائی ساخت کی حامل ہے کہ اس کا کسی بھی قسم کی ایسی تدریجی ترقی کے ذریعے وجود میں آنا ممکن ہی نہیں جس کا دعوئ نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق نباتات کی مختلف درجہ بندیاں اچانک نمودار ہوئیں اور ان کے درمیان کسی بھی نوعیت کی تدریجی ترقی کی کڑیاں یا ارتقائی میل کے نشانات نہیں پائے جاتے- تصویر میں موجود سیکوئیا کی ٹھنی اور ہارنبیم کا پتہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ نظریہ ارتقاءکسی بھی لحاظ سے معقول نظریہ نہیں ہے- ان لاکھوں سال پرانے پودوں کے فوصل اور دور حاضر کے انہی پودوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال پرانے
اس فوصل کے دو حصے ہیں،
منفی اور مثبت

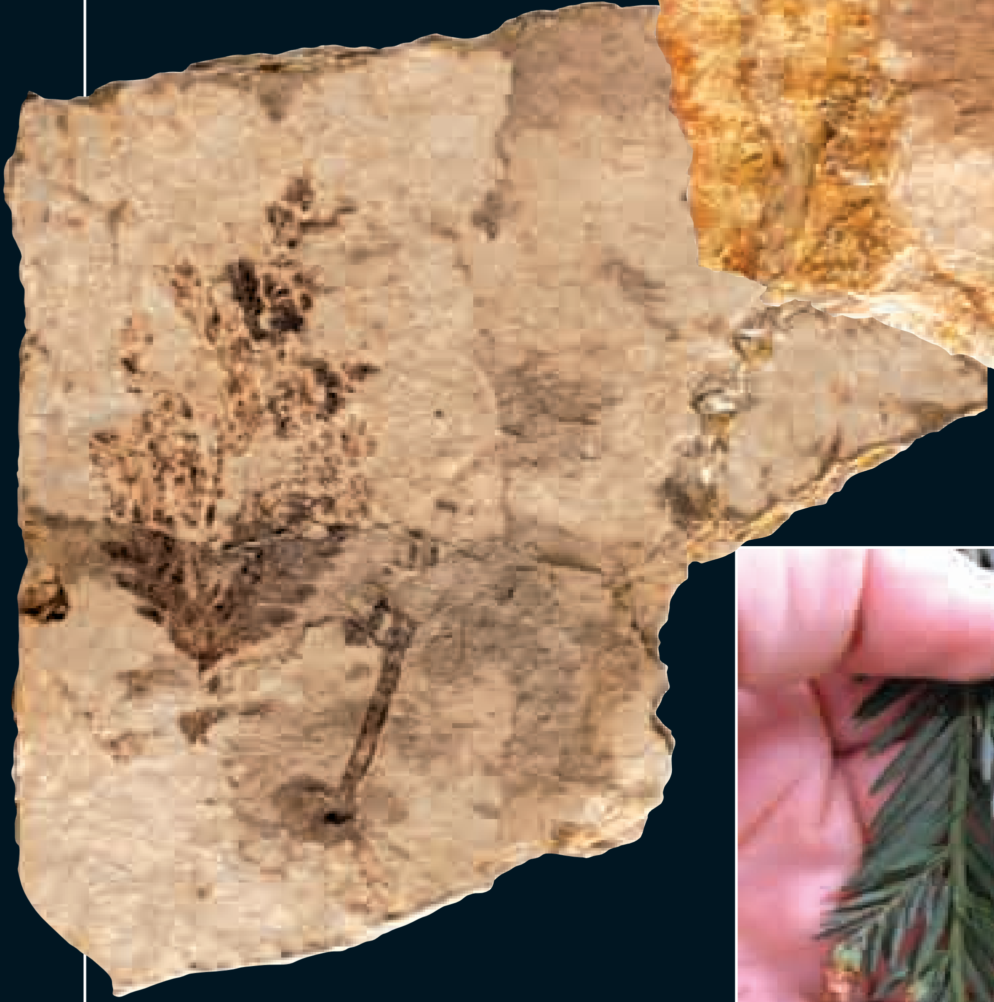

سیکوئیا اسٹیم، سیڈپوڈز/سیکوئیا کی ٹھنی اور تخم کے خول درخت کی شاخ پر

عمر- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال

پتے کا ناپ- ۷سینٹی میٹر (۲-۷ انچ) ضرب ۷-۱۰ سینٹی میٹر (۳-۴ انچ)

جائے وقوع- برٹش کولمبیا، کینیڈا

عہد- ایوسین

آج کل کے سیکوئیا کے درخت اور لاکھوں سال پرانے اسی درخت میں کوئی فرق نہیں ہے- اس کا یہ پتہ ظاہر کرتا ہے کہ حیوانی زندگی کی طرح نباتاتی زندگی بھی کسی قسم کی تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزری-

برچ/بھوج پتر

عمر- ۳۷سے۵۴لاکھ سال

پیمائش- ۲-۲۰ سینٹی میٹر (۸ ا نچ)۲۳xسینٹی میٹر (۳-۹ انچ)

جائے وقوع- بریٹش کولمبیا، کینیڈا

زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق

عہد- ایوسین

بھوج پتر کا درخت جنس بیٹولا کا پیڑ ہوتا ہے جس کا بکل پتلا اور پرت دار ہوتا ہے اور اس میں برے پتے لگتے ہیں- یہ درخت سخت شمالی موسموں میں پایا جاتا ہے- فوصل میں موجود بھوج پتر کے پتے کی عمر۳۷سے ۵۴لاکھ سال ہے اور یہ دور حاضر میں موجود اس درخت کے پتے کے عین مشابہ ہے -اس فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ بھوج پتر میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

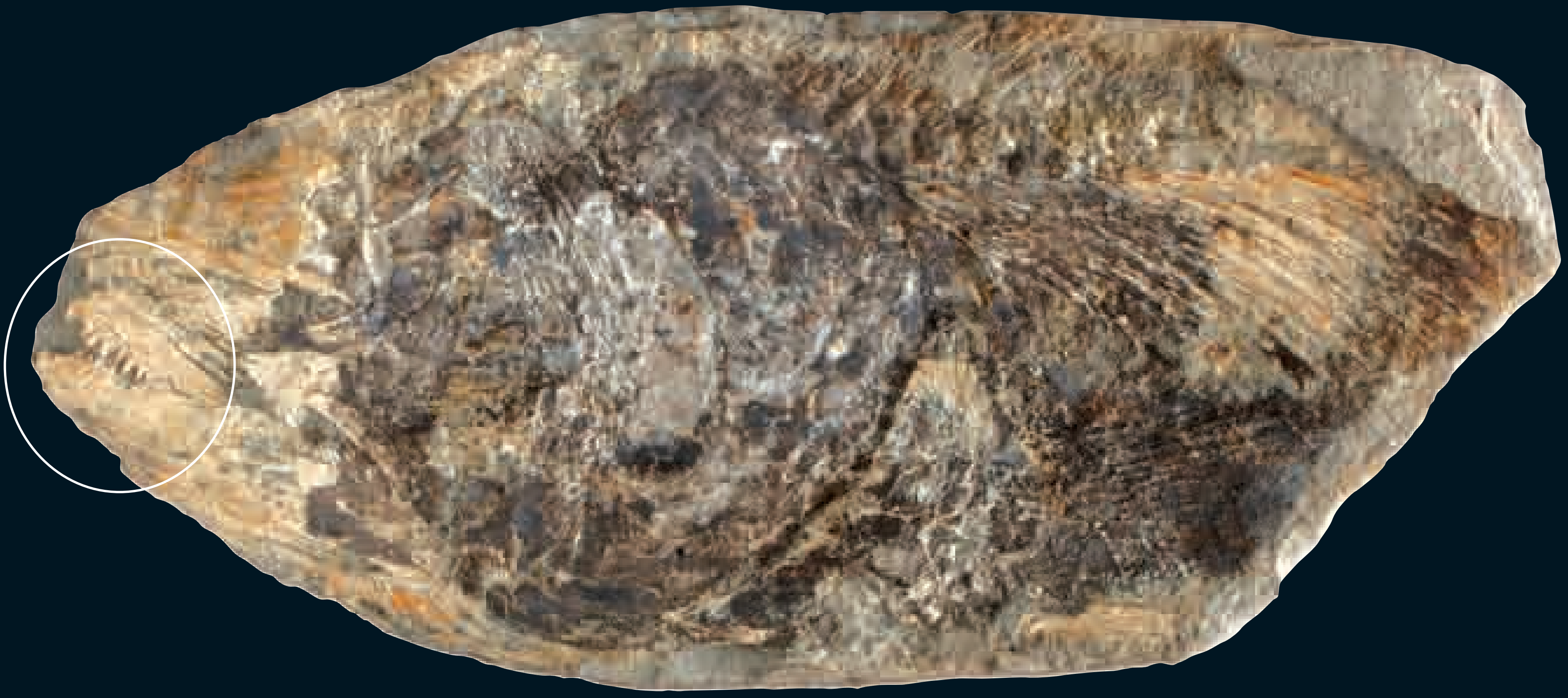

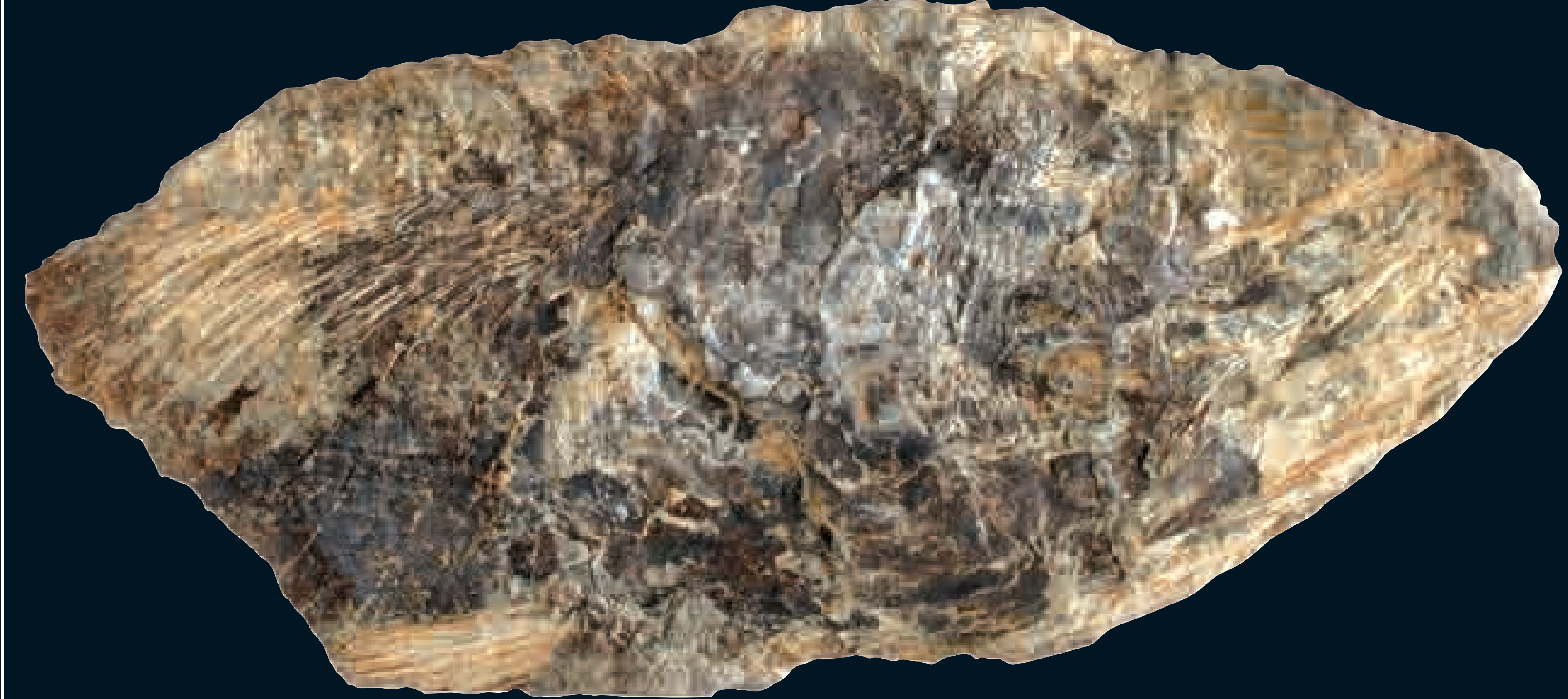

سامن ہیڈ/سامن مچھلی کا سر

عمر- ۸-۱ لاکھ سے ۱۱ہزار سال
پیمائش- ۱۵-۲ سینٹی میٹر (۶ انچ) ضرب ۸-۶ سینٹی میٹر (۳-۴ انچ)
جائے وقوع- دریائے کیملوپس، بریٹش کولمبیا، کینیڈا
عہد- پلائسٹوسین

سامن سمندری اور دریائی پانی کی مچھلی ہوتی ہے جس کا گلابی گوشت شوق سے کھایا جاتا ہے- سامن کے فوصل بے شمار ارضیاتی سطحوں پر برآمد ہوئے ہیں اور موجودہ دور کی سامن مچھلی کے ہوبہو ہمشکل ہیں- ہر فوصل کے ساتھ ڈارون کے نظریہ ارتقاءکی مزید تردید ہوتی چلی جاتی ہے کہ جاندر نسلیں اپنی لاکھوں سالہ زندگی کے دوران کبھی بھی کسی تبدیلی سے نہیں گزریں-

سیکوایا

گنگکولیف، سیکوئیا اسٹیم/گنگکوکا پتہ اور سیکوئیا کی ٹہنی

عمر- ۳۷سے ۵۴ لاکھ سال
گنگکو کے پتے کی پیمائش- ۵سینٹی میٹر(۲-۲انچ)، ۸-۵ سینٹی میٹر(۳-۲ انچ)
جائے وقوع- بریٹش کولمبیا، کینیڈا
زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

گنگکو کے درخت کا شمار زندہ فوصلوں میں ہوتا ہے- یہ اصلاً چین اور جاپان کا ایک درخت ہے اور گنکو فائٹا کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے- اس کے سب سے پرانے نمونوں کی عمر۲۷۰لاکھ سال ہے- تصویر میں موجود گنگکو کا پتہ ۳۷سے ۵۴لاکھ سال پرانا ہے اور ان درختوں کا لاکھوں سال سے زمین پر بغیر کسی تبدیلی کے قائم رہنا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک سخت معمہ ہے-

گنگکولیف/گنگکوکا پتہ

عمر-۳۷سے۵۴لاکھ سال

پتے کی پیمائش- ۵سینٹی میٹر (۲ انچ) ضرب ۸-۵ سینٹی میٹر (۳-۲ انچ)

جائے وقوع-برٹش کولمبیا، کینیڈا

زمینی طبق-کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق

عہد-ایوسین

نباتاتی فوصلوں کی کثیر تعداد میں برآمدگی نباتاتی تدریجی ترقی کے بر نظریے کو مکمل طور پر غلط ثابت کرتی ہے- تصویر میں موجود لاکھوں سال پرانے گنگگو کے پتے اور دورِ حاضر کے اس پتے میں کوئی فرق نہیں ہے-

ایلم لیف/شجربق کا پتہ

عمر- ۵۰لاکھ سال
سطر بندی- ۱۱سینٹی میٹر (۳-۴ انچ) ضرب ۸-۵ سینٹی میٹر (۳-۲ انچ)
جائے وقوع- کیملوپس،برٹش کولمبیا، کینیڈا
زمینی طبق - کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

شجر بق جنس المس کا ایک درخت ہے جس کے پتے کھردرے اور دندانے دار ہوتے ہیں- یہ شمالی امریکہ، یورپ اور ایشیا کے معتدل موسموں میں پایا جاتا ہے- شجربق کے اس پتے کا فوصل نباتاتی تدریجی ترقی کے ہر نظریے کی کھلی تردید کرتا ہے-

گنگکو بیلوبا لیف
/گنگکو بیلوبا کا پتہ

عمر- ۳۷سے۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۳سینٹی میٹر (۲-۱ انچ) ضرب ۲-۵ سینٹی میٹر (۱ انچ)
جائے وقوع- بریٹش کولمبیا، کینیڈا
زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

آج تک کوئی بھی ایسا فوصل نہیں مل سکا جو نباتاتی تدریجی ترقی کے دعوؤں کی تصدیق کرسکے- لاکھوں فوصل صرف اور صرف اس نظریے کی تردید کرتے ہیں- ان میں تصویر میں موجود ۳۷سے ۵۴لاکھ سال پرانا گنگکو کے درخت کا یہ پتہ بھی شامل ہے-

آلڈر لیف/برچ کے ہم رشتہ درخت کا پتہ

عمر-۳۷ سے **۵۴**لاکھ سال
پیمائش-۳سینٹی میٹر (۲-۱ انچ)x۷سینٹی میٹر (۸-۲ انچ)
جائے وقوع- کیملوپس، بریٹش کولمبیا، کینیڈا
عہد- ایوسین

دور حاضر میں اگنے والے آلڈر کے درخت اور لاکھوں سال پرانے آلڈر کے درختوں میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ درخت آج بھی اپنی اصلی ساخت کے ساتھ نظریہ ارتقاءکے خلاف واضح ثبوت کی شکل میں دنیا میں موجود ہیں-

ہارنبیم، ایلم لیف/ہارنبیم اور شجربق کے پتے

عمر- ۳۷سے۵۴لاکھ سال
سطر بندی -۳۱سینٹی میٹر (۲-۱۲انچ) ۱۸ xسینٹی میٹر (۷ انچ)
جائے وقوع- برٹش کولمبیا، کینیڈا
زمینی طبق- کیش کریک یا کیش ندی کی زمینی طبق
عہد- ایوسین

ہارنبیم جنس کارپائنس کی نسل کا پیڑ ہوتا ہے جس کی چھال چکنی اور لکڑی سخت ہوتی ہے- ایلم شجربق کو کہتے ہیں‌جو کہ جنس المس سے تعلق رکھتا ہے- اس کے پتے کھردرے اور دندانے دار ہوتے ہیں- فوصلی ریکارڈ کے مطابق ہر نباتاتی نسل لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اصل اور مکمل حالت میں زمین پر موجود ہے- فوصل میں موجود ان درختوں کے پتے بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان درختوں میں بھی کسی قسم کی تدریجی ترقی رونما نہیں ہوئی بلکہ یہ تخلیق کئے گئے ہیں-

ہارنبیم یا جنس کارپائنس کاپیڑ

ایلم یا شجرِبق

ہارنبیم یا جنس کارپائنس کاپیڑ

ڈان ریڈوڈ فرانڈ کون/امریکی تاڑ کا پتہ اور خشک پھل

عمر-۶-۴۳ سے۵۲لاکھ سال
پھل- ۱۵ملی میٹر (۶-۰ انچ)
ڈنڈی- ۱۱سینٹی میٹر (۳-۴ انچ)
پتے- ۲۷ ملی میٹر (۱ انچ)
سطر بندی- ۱۴۵ملی میٹر (۷-۵ انچ) ۱۱ xسینٹی میٹر (۳-۴ انچ)
جائے وقوع- ٹرانکیل کا پھوٹک پتھر، کیش کریک یا کیش ندی ،بریٹش کولمبیا، کینیڈا
عہد- نچلا درمیانی ایوسین

ریڈوڈ امریکی تاڑ کو کہتے ہیں جو کہ زیادہ تر مغربی ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پایا جاتا ہے- اس کی لکڑی کا رنگ سرخ ہوتا ہے- تصویر میں موجود اس درخت کا خشک پھل اور پتہ اس کی تدریجی ترقی کی مکمل تردید کرتے ہیں- لاکھوں سال پہلے اگنے والے ریڈوڈ اور دورِ حاضر کے ریڈوڈ میں کوئی فرق نہیں ہے-

لوبسٹر/کیکڑ

عمر- ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال
جائے وقوع- جنوبی ساسکا چیوا ن دریا کی وادی، کینیڈا
زمینی طبق- بیرپا کی زمینی طبق
عہد- کریسٹیشس

۱۵۰ سال سے جمع کئے جانے والے فوصل ثابت کرتے ہیں کہ جاندار نسلوں میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی- تصویر میں موجود لاکھوں سال پرانا کیکڑ کا فوصل دورِ حاضر کے کیکڑ کا ہوبہو ہمشکل ہے-

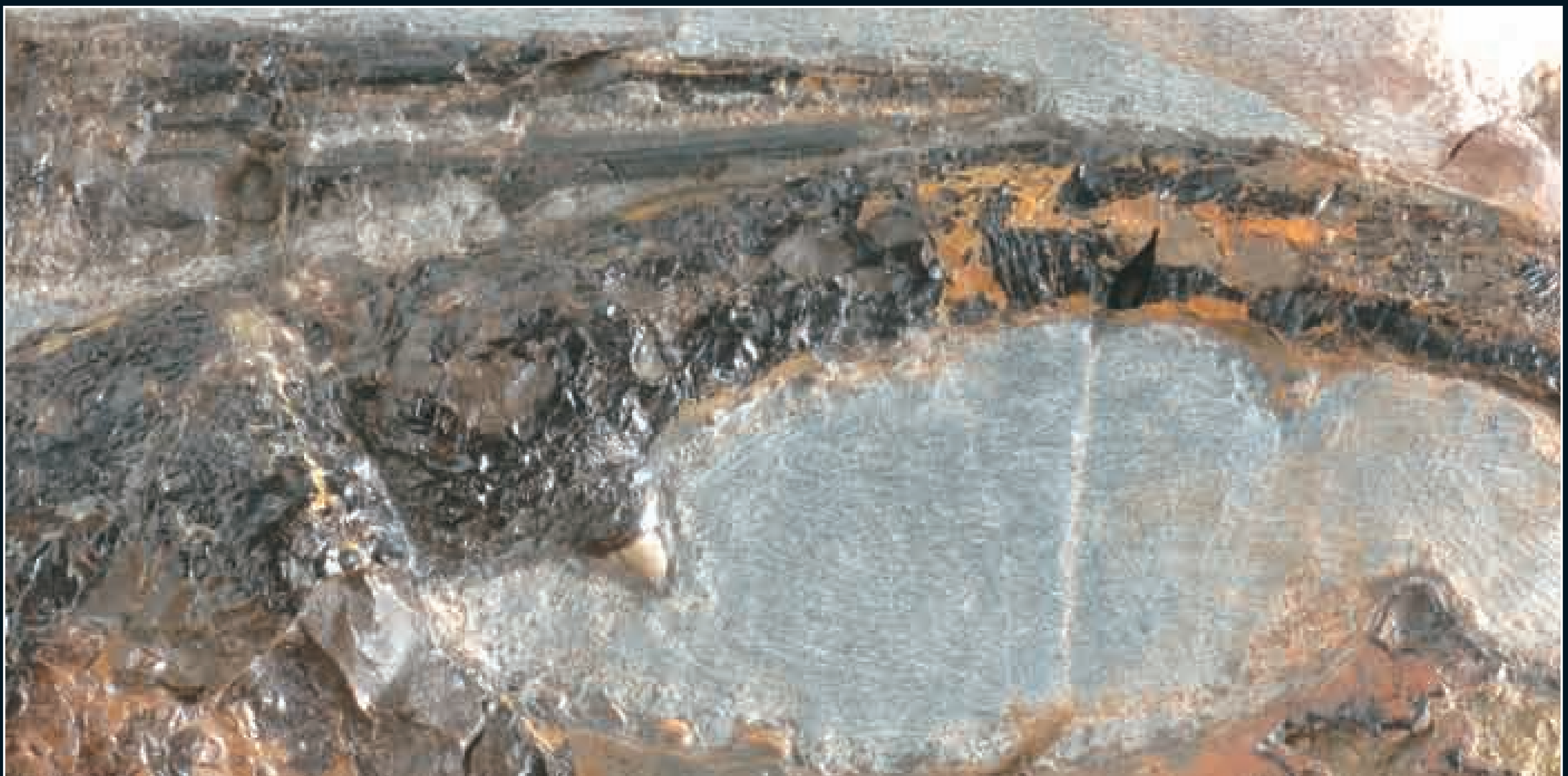

ڈومینیکی ریاست کے چند کہربا کے ذخائر

ہے اور دوسرا ایل ویلی کے چھوٹے شہر کے نزدیک کانوں میں ہے اور سانٹیا گوکے شمال مشرق میں واقع ہے۔

ڈومینیکی کہربا نسل ہائیمینائی کے درختوں کے گوند سے بنا ہے۔ اس کہربا کی سب سے اہم خصوصیت اس میں جانداروں کے وسیع نسلوں کے فوصل کی موجودگی ہے ۔لاکھوں کی تعداد میں کیڑے مکوڑوں کے علاوہ اس میں چھوٹے سائز کے مینڈک، چھپکلیاں اور بچھوؤں کی بھی کثیر تعداد موجود ہے۔ دنیا میں موجود سارے فوصلوں کی طرح ڈومینیکی ریاست کے فوصل بھی زندگی کے بارے میں ایک ہی اہم ترین نقطے کی تشریح کرتے ہیں اور وہ یہ کہ جاندار نسلیں لاکھوں سال سے کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی یا تبدیلی کے دور سے نہیں گزریں۔ مچھر ہمیشہ مچھر، چیونٹیاں ہمیشہ چیونٹیاں، بھنبھیری ہمیشہ بھنبھیری اور مکڑی ہمیشہ مکڑی ہی کی شکل میں کرہ ارض پر اپنی اصلی ہیئت اور ساخت کے ساتھ موجود ہے۔ کہربا میں محفوظ جانداروں کی اشکال لاکھوں سال بعد بھی موجودہ دور میں موجود انہیں جانداروں کی ہوبہو مشابہ ہیں۔ فوصلوں کی صورت زندگی کے بارے میں دنیا پر آشکار ہونے والی حقیقت نظریہ ارتقاءکے لئے ایک مہلک وار ہے۔ فوصل ثابت کرتے ہیں کہ کائنات اور اس میںموجودہ ہر چیز صرف اور صرف اللہ کی تخلیق ہے۔

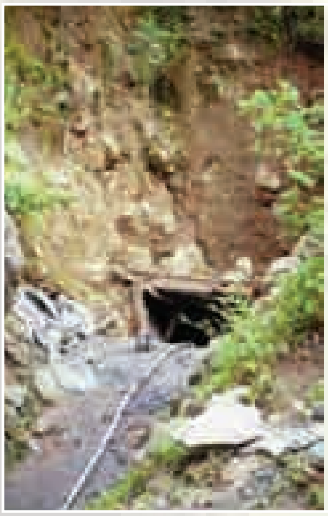

ڈومینیکی ریاست سے ملنے والے فوصلی نمونے

فوصلوں کے وجود میں آنے کا ایک ماحول کہربا یا بعض ناپید، خصوصاً صنوبر کے درختوں کا ،پتھرایا ہوا شفاف گوند ہے- کہربامیں پائے جانے والے فوصل ان درختوں کے گیلے گوند میں گوند کے سوکھنے سے پہلے ہی قید ہوجانے کی وجہ سے بنتے ہیں- یہ گوند پانی میں نہیں گھلتا اور ہوا لگنے کے ساتھ ہی سوکھنے لگتا ہے- گوند کے اوپر ہوا کے اثر انداز ہوتے ہی کثیر الترکیبہ سازی کا عمل شروع ہوجاتا ہے- کثیر ترکیبیت عمل کے ذریعے ایک سے زیادہ بڑے سالموں کا مرکب کیمیائی ردِ عمل سے وجود میں آتا ہے جو چھوٹے سالموں کی تکرار سے بنتا ہے- یہ شفاف گوند وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید سخت ہوتا جاتا ہے اور اس کے اندر قید جاندار یا پودے اپنی اصل ساخت کے ساتھ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود محفوظ رہتے ہیں-

دنیا بھر میں۱۰۰ سے زائد کہربا کے خطے موجود ہیں- سب سے پرانا کہربا لبنان کے پہاڑوں سے دریافت ہوا ہے- یہ کریسٹیشس عہد میں وجود میں آنے والا کہربا کا خط ہے اور۱۲۰سے ۱۳۰ سال پرانا ہے- حالیہ تحقیق کے تحت دریافت کئے گئے کہربا کے خطے میسوزوئک عہد کے ہیں جن میں اردن کے **۷۵**سے۸۰لاکھ سال پرانے، ریاست نیوجرسی، امریکہ کے۸۰لاکھ سال پرانے، سیڈرلیک کے **۷۵**سے۸۰لاکھ سال پرانے، فرانس کے ۷۰لاکھ سال پرانے اور پائرینین کے۱۰۰لاکھ سال پرانے کہربا کے خطے شامل ہیں- دیگر دوسرے کہربا کے خطوں سے ملنے والے فوصل **۵**سے**۵۵**لاکھ سال پرانے ایوسین- مائیوسین دور کے ہیں- ڈومینیکی ریاست سے ملنے والے زیادہ تر کہربا کے فوصل بھی اسی دور کے ہیں- اس ریاست میں دو نمایاں ایوسین-مائیوسین عہد کے کہربا کے خطے ہیں- ایک خط شہر سانٹیا گو کے شمال مشرقی پہاڑی علاقے میں واقع

پلانٹ ہاپر/ ٹڈا

عمر- ۲۵ لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود ۲۵ لاکھ سال پرانا ٹڈا آج کے دور کی اسی ٹڈ ے سے بالکل مختلف نہیں ہے- یہ ثابت کرتا ہے کہ کیڑے مکوڑے لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں-

جمپنگ اسپائڈر/اچھلنے والی مکڑی

عمر- ۲۵ لاکھ سال

پیمائش- ۱۶ملی میٹر (۰.۶ انچ) x۱۰ ملی میٹر (۰.۳ انچ)

جائے وقوع- سانٹیا گوکے نزدیک پہاڑ، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود کہربا کے ٹکڑے کے اندر سالٹیسائڈائی خاندان کی اچھلنے والی مکڑی محفوظ ہے- ان مکڑیوں کا نام ان کا ان سے ۵۰گنا بڑے بھی شکار کے اوپر اچھلنے کی خاصیت سے پڑا ہے- ان کے سر کے اگلے حصے میں چار آنکھوں کے علاوہ چار چھوٹی چھوٹی بے عیب اور مکمل ساخت کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں جس سے ان کو نہایت باریک بینی سے دیکھنے میں مدد ملتی ہے- ان کے ذریعے یہ اپنے شکار کو با آسانی تلاش کرلیتی ہیں- آج کے دور میں موجود مکڑیوں کی طرح لاکھوں سال پرانی ان مکڑیوں میں بھی مکمل اور بے عیب طبعیاتی اور کیمیائی نظام موجود تھا- اس نظام میں کسی بھی ارضی دور کے دوران کسی طرح کی بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی-

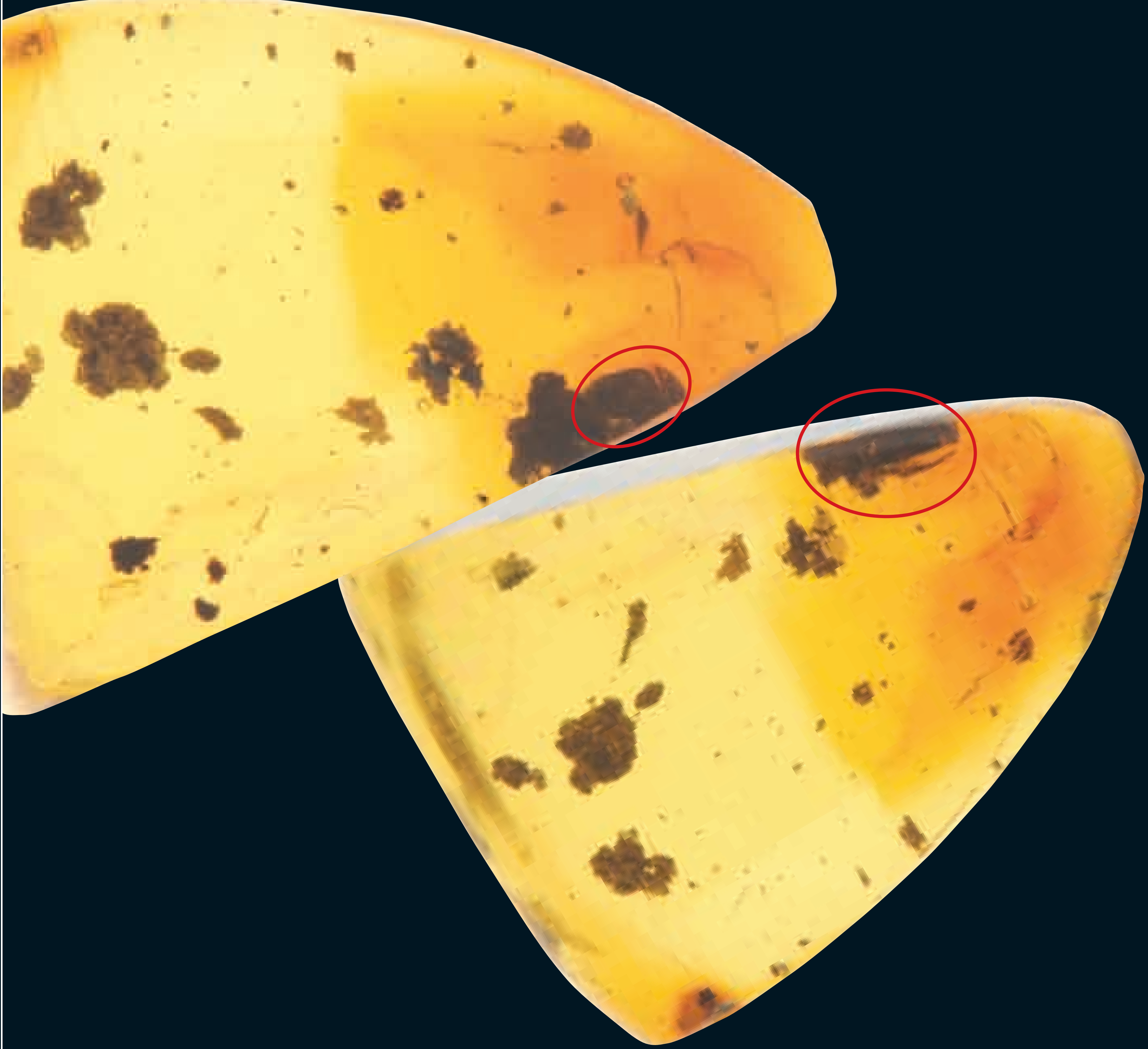

ہارسشو کریب بیٹل/گھڑ نعلی کیکڑا نما بھنورا

عمر- ۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۱ملی میٹر (۰-۴ انچ) ۹ xملی میٹر (۰-۳ انچ)
جائے وقوع- سانٹیا گو کے نزدیک پہاڑ، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

گھڑنعلی کیکڑے نما بھنورے چیونٹیوں کے گھونسلوں کے نزدیک رہتے ہیں -یہ **۲۵** لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ حشرات کسی بھی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزرے- اس فوصل شدہ بھنورے اور دورِ حاضر کے اسی بھنورے میں کوئی فرق نہیں ہے-

اسکیلیونڈواسپ/اسکیلیونڈ بھڑ

عمر-۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۷ ملی میٹر (۰-۶ انچ) x ۱۰ ملی میٹر (۰-۳ انچ)
جائے وقوع- سانٹیا گو کے نزدیک پہاڑیاں، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

اسکیلیونڈ بھڑ اسکیلیونیڈائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے- یہ بھڑیں عموماً گرے ہوئے پتوں کے نیچے رہتی ہیں اور اپنے طفیلی حشرے ہونے کی خاصیت کی وجہ سے جانی جاتی ہیں- اپنی اس خاصیت کی وجہ سے یہ کافی تعداد میں کیڑے مکوڑوں کی نسلوں اوران کے انڈوں پر اثر انداز ہوتی ہیں- تصویر میں موجود اس بھڑ کا فوصل اس کی اڑان کے دوران ہی محفوظ ہوگیا تھا- اس بھڑ میں اور موجودہ دور کی اسی نسل کی بھڑ میں کوئی فرق نہیں ہے- کہربا میں اس کا لاکھوں سال سے محفوظ وجود اس بات کا اعتراف ہے کہ کیڑے مکوڑے بھی دوسری جاندار نسلوں کی طرح کسی بھی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزرے-

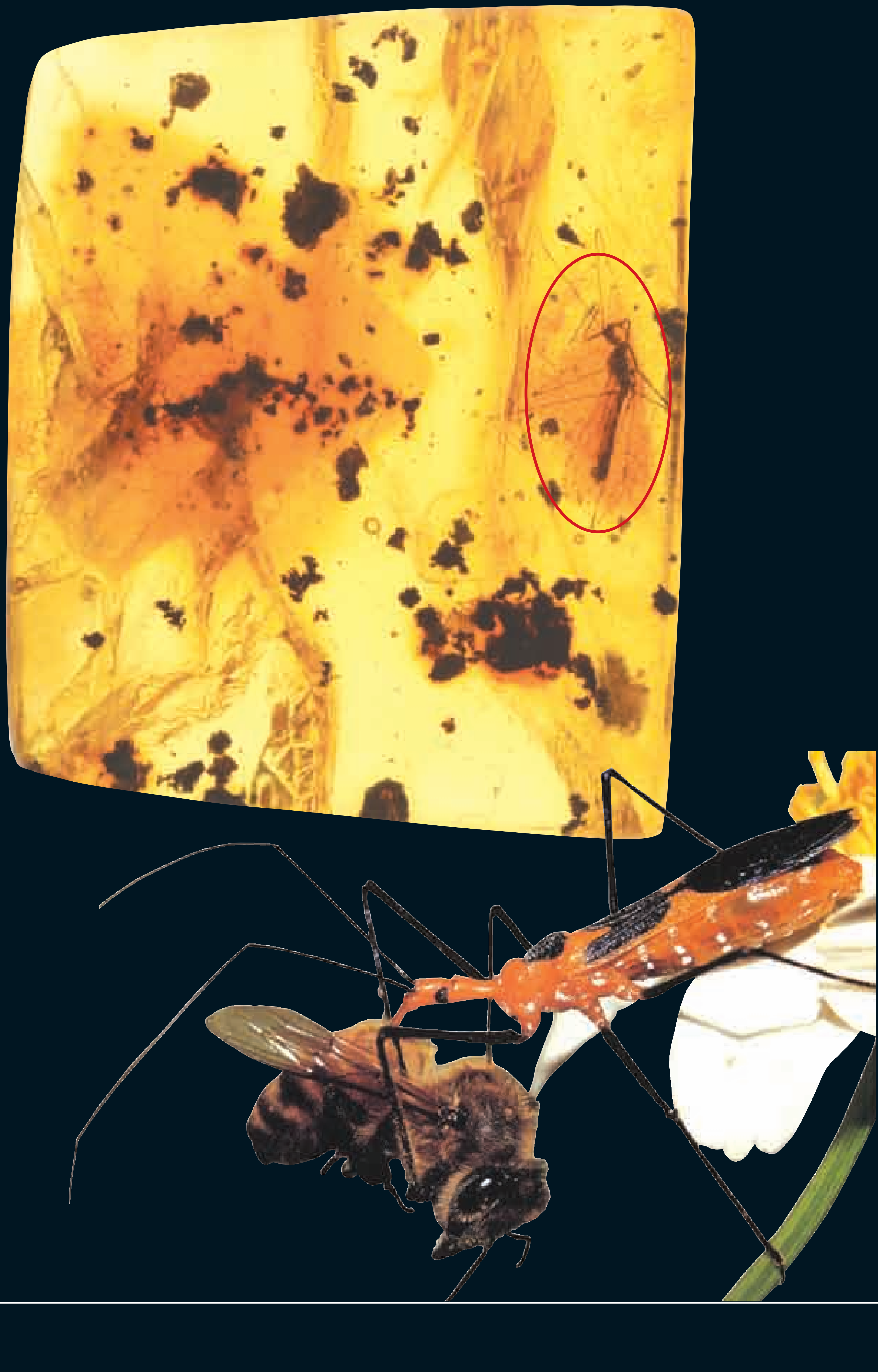

اسیسن بگ/قاتل حشرہ

عمر- ۲۵ لاکھ سال

پیمائش- ۱۸ملی میٹر (۷-۰ انچ) لمبا، ۱۴ ملی میٹر (۵-۰ انچ) چوڑا

جائے وقوع- سانٹیاگو کے نزدیک پہاڑیاں، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

اس تصویر میں کہربا کے اندر قاتل حشرے کا بے انتہا نایاب فوصل موجود ہے-قاتل حشرہ بیرونی انہضام کے عمل کے ذریعے پرورش پاتا ہے- یہ اپنے شکار پر رسنے والا ایک خاص قسم کا مادہ چھوڑتا ہے جو کہ شکار کے ریشہ لحمی کو مائع میں تبدیل کردیتا ہے جس کو قاتل حشرہ ہضم کرلیتا ہے- اس رسنے والے مادے کا زہر اتنی تیزی سے کام کرتا ہے کہ وہ صرف چند سیکنڈ میں ہی شکار کو مفلوج کردیتا ہے- کچھ قاتل حشرے مستعدی سے شکار کی تلاش کرتے ہیں اور کچھ ایک ہی جگہ رہ کر شکار کا انتظار کرتے ہیں- تصویر میں موجود قاتل حشرے کے پروں پر موجودہ رنگ بھی کہربا میں محفوظ ہوگئے ہیں- دورِ جدید کے قاتل حشروں میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو کہ ان میں۲۵ لاکھ سال پہلے بھی موجود تھیں اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ قاتل حشرے کسی تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزرے-

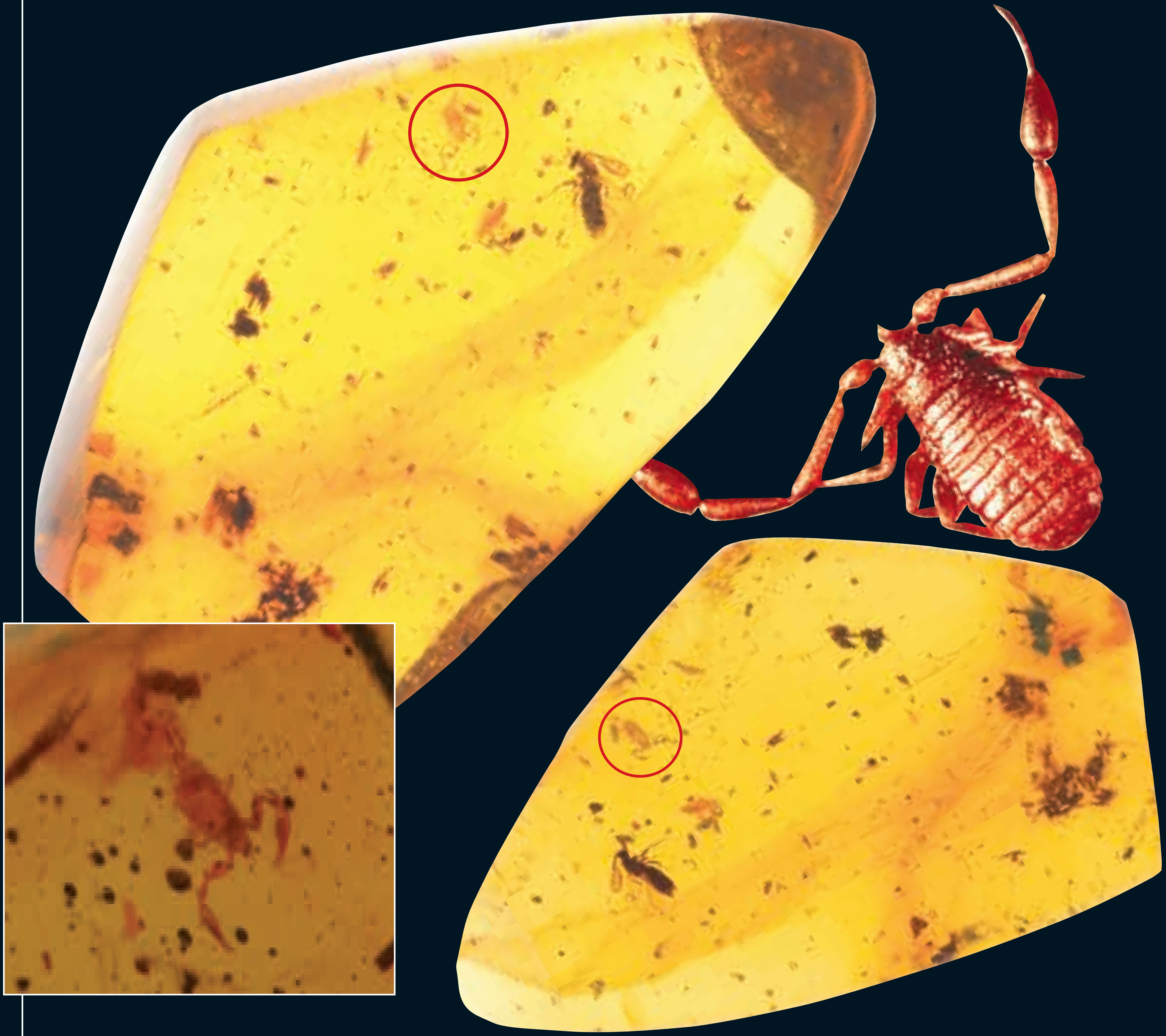

سوڈو اسکارپین /چھوٹا بچھو

عمر- ۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۷ملی میٹر (۶-۱۰ انچ) لمبا،۱۱ ملی میٹر (۴-۰ انچ) چوڑا
جائے وقوع- سانٹیاگو کے نزدیک پہاڑ، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

سوڈواسکارپین بھی دراصل مفصل پایہ بچھو سے ہی ملتی جلتی ایک نسل ہوتی ہے جو کہ عام بچھو سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے- اس بچھو کا ڈنک اور دم نہیں ہوتی اور یہ اپنے شکار کو اپنے اگلے پنجوں کے ذریعے قابو کرتا ہے- سوڈواسکارپین گرے ہوئے پتوں کے نیچے اور مٹی اور پتھروں کے درمیان پائے جاتے ہیں- اس بچھو کی تقریباً ۲،۰۰۰ مختلف نسلیں موجود ہیں- لاکھوں سالوں پرانے ان بچھوؤں اور دورِ حاضر میں موجود ان بچھوؤں میں کوئی فرق نہیں ہے- ان کی یہ یکسانیت اس بات کا ثبو ت ہے کہ ان مفصل پایہ مخلوق میں کسی قسم کی تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی-

ونگڈ آنٹ/پروں والی چیونٹی

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

پروں والی چیونٹی کے دو لمبے ۵سے۸ ملی میٹر (۱۹ سے۳۱ انچ) پر ہوتے ہیں- یہ چیونٹیاں اپنا آشیانہ پانی اور کھانے پینے کے ذخائر کے نزدیک بناتی ہیں- تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ پروں والی چیونٹی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی اور لاکھوں سال سے ان کی طبعیاتی اورکیمیائی ساخت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا-

فائر بیٹل، ملی پیڈ، اسپائڈ/آگ بھنورا، کن کھجورا، مکڑی

عمر- ۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۵ملی میٹر (۰-۵ انچ) x ۱۳ملی میٹر (۰-۵ انچ)
جائے وقوع- سانٹیاگو کے نزدیک پہاڑ، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

آگ بھنورا پائروکروئڈائی خاندان کا حشرہ ہے اور شعلہ رنگ بھنورا بھی کہلاتا ہے- اس فوصل میں اس کے سرپر لگے ہوئے مہاسوں کی جوڑی کے کنارے بھی بہت واضح ہیں- کہربا کے اس ٹکڑے میں اس بھنورے کے علاوہ ایک کن کھجورا اور مکڑی بھی محفوظ حالت میں موجود ہیں- آگ بھنورے، کن کھجورے اور مکڑیاں لاکھوں سال سے دنیا میں اپنی اولین اور اصل شکل میں موجود ہیں اور اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ کوئی بھی جاندار سلسلہ وار مرحلوں کے ذریعے ایک سے دوسری چیز نہیں بنا بلکہ الگ اور منفرد اشکال میں ہی تخلیق کیا گیا ہے-

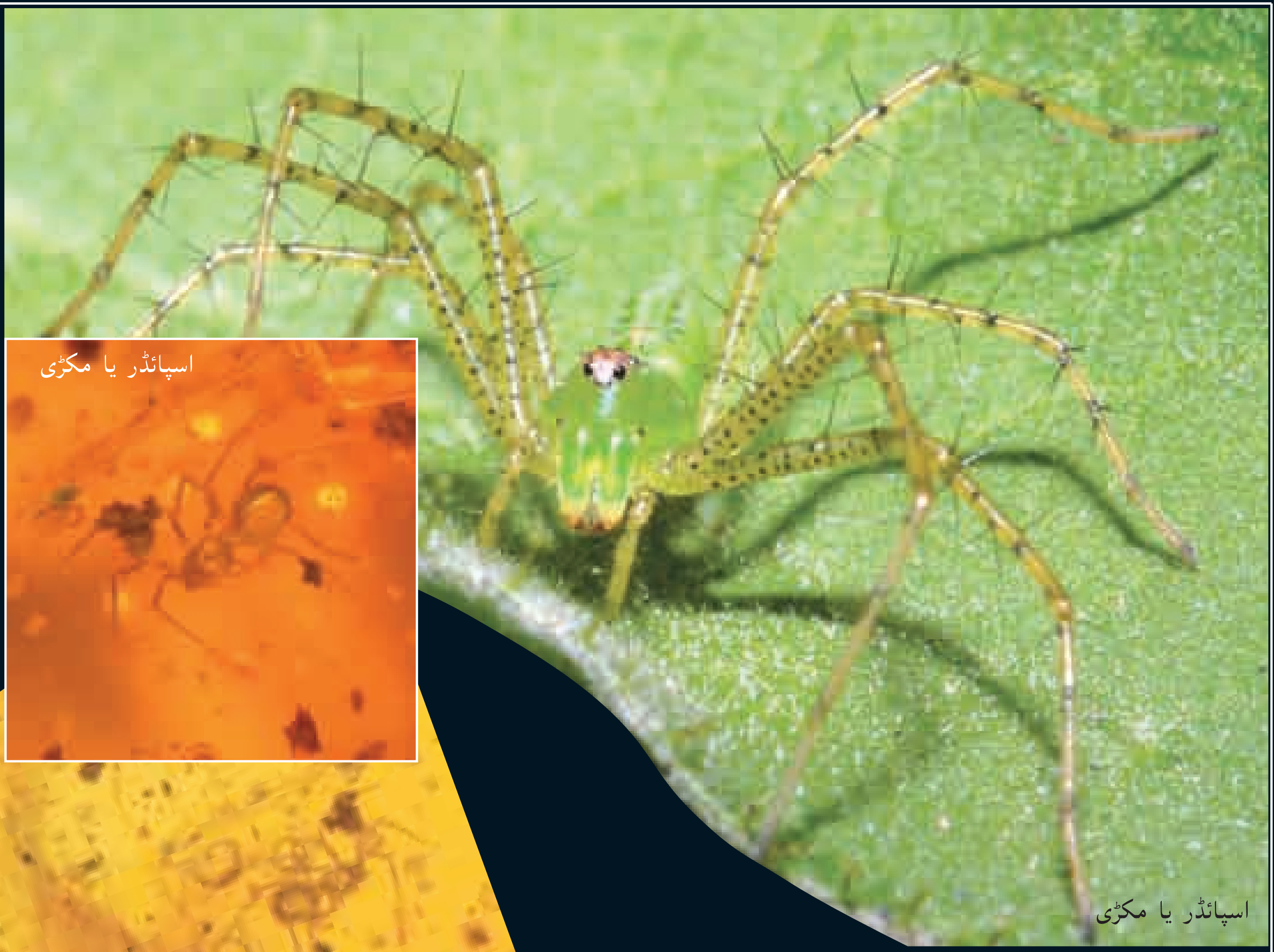

اسپائڈر یا مکڑی

اسپائڈر یا مکڑی

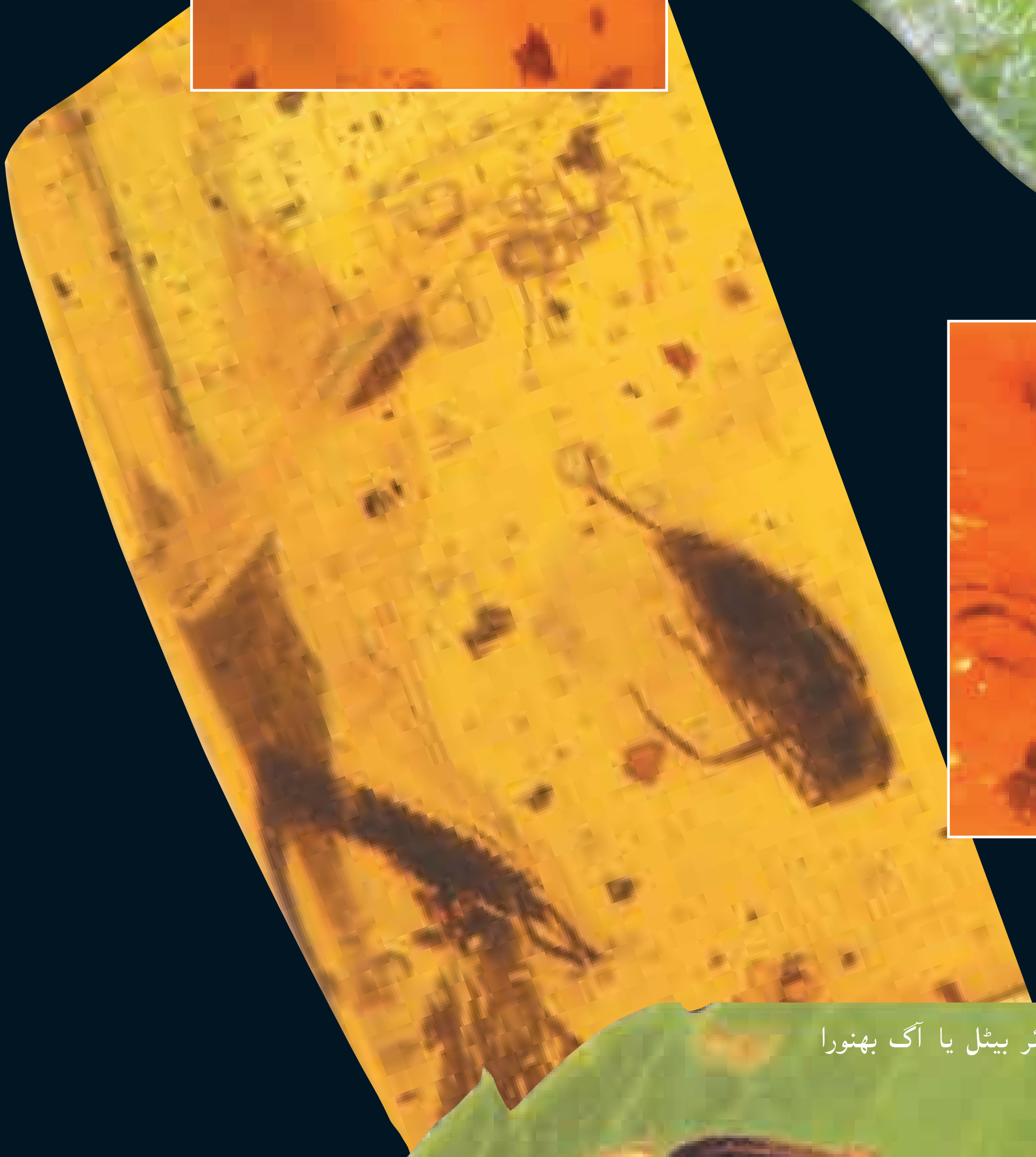

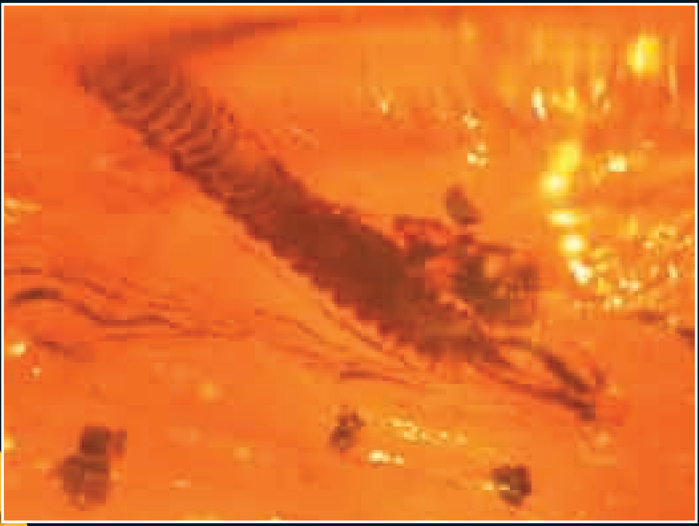

ملی پیڈ یا کن کھجور

فائر بیٹل یا آگ بھنورا

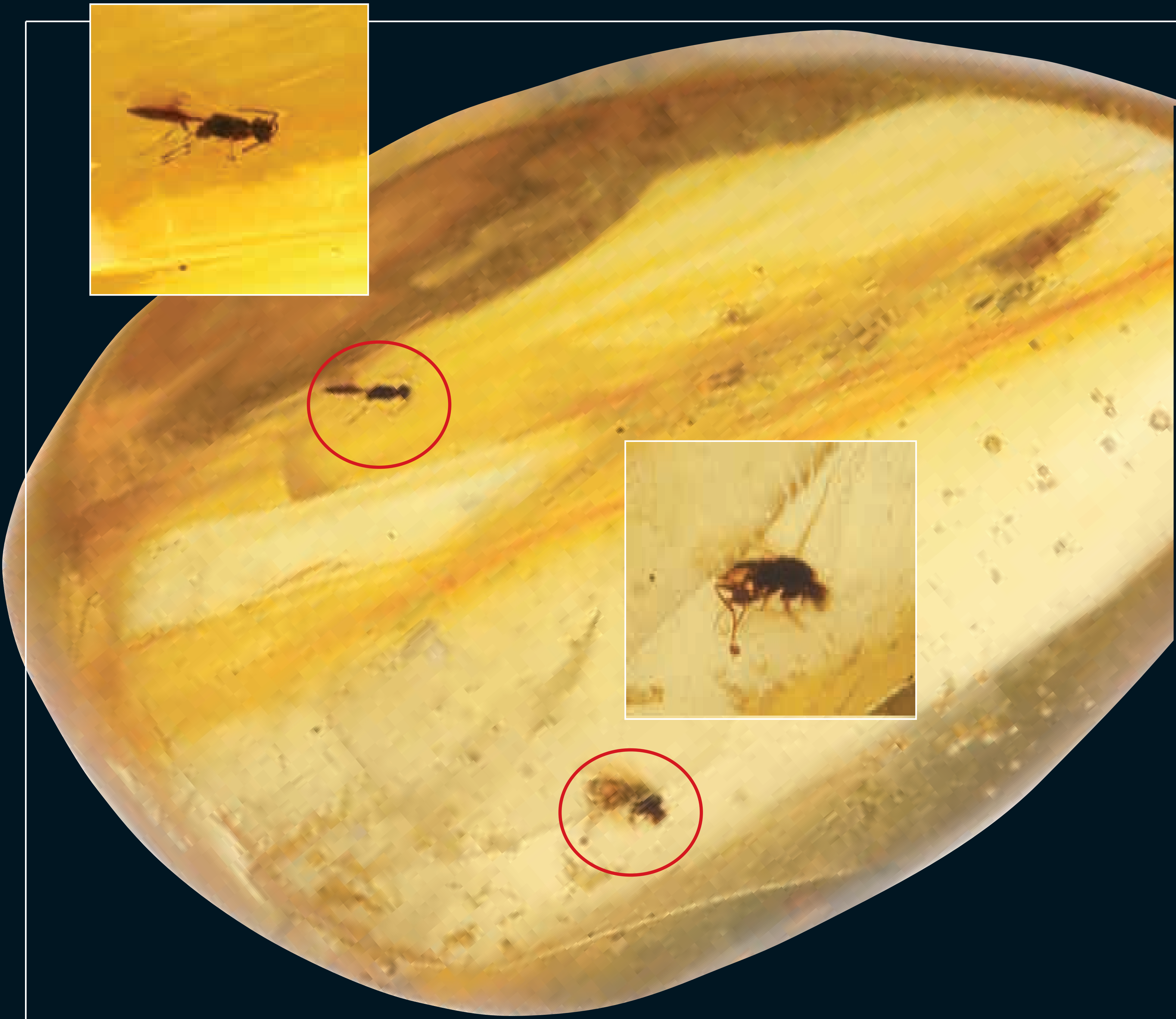

پیراسائٹک واسپ، ہمپ بیکڈ فلائی/ پیراسائٹک بھڑ اور کوزہ پشت مکھی

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

پیراسائٹک بھڑ ایک طفیلی حشرہ ہوتی ہے- فوصل میں موجود بھڑ اور کوزہ پشت مکھی لاکھوں سال سے دنیا میں انھیں اشکال میں موجود ہیں‌اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ جاندار نسلیں کسی تدیجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں-

پیراسائٹک واسپ یا طفیلی بھڑ

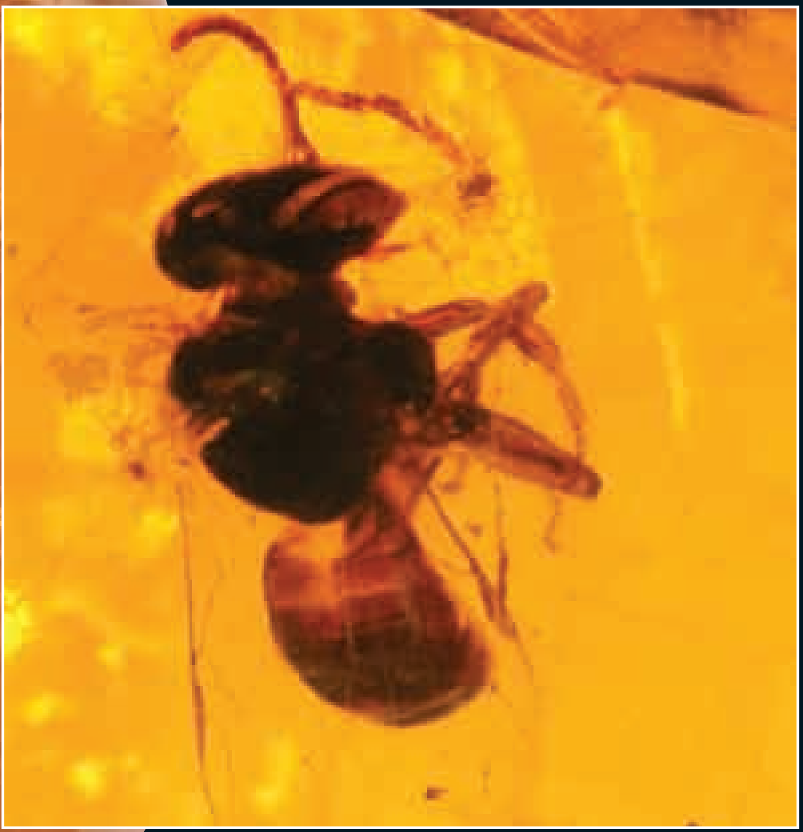

اسٹنگلس بی/بغیر ڈنک کی شہد کی مکھی

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ بغیر ڈنگ کی شہد کی مکھی دورِ حاضر میں موجود شہد کی مکھیوں کی عین مشابہ ہے-

گال نیٹ یا مازو مکھی

ونگڈآنٹ یا پروں والی چیونٹی

ونگڈآنٹ، گال نیٹ/پروں والی چیونٹی اور عام مچھر

فوصل میں موجود پروں والی چیونٹی اور عام مچھر جو کہ ۲۵ لاکھ سال سے انہیں اشکال اور اوصاف کے ساتھ دنیا میں موجود ہیں نظریہ ارتقاء کو مکمل طور پر برباد کردیتے ہیں۔

اسپائڈر، اسپائڈر ویب/ مکڑی اور مکڑی کا جالا

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

جانداروں کی لاتعداد دوسری نسلوں کی طرح مکڑیاں بھی لاکھوں سال سے اپنی ہیئت بدلے بغیر کرہ ارض پر موجود ہیں- تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ مکڑی اور اس کا جالا آج کے دور کی مکڑیوں اور ان کے جالوں کے عین مشابہ ہے- یہ فوصل نظریہ ارتقاءکو مکمل طور پر رد کرتا ہے اور تخلیق کی سچائی کو ثابت کرتا ہے-

بارک لاؤس/چھال کی جوں

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

جوں ایک طفیلی حشرے کی قسم ہوتی ہے جو بالوں اور جلد میں پڑنے کے علاوہ حیوانوں، پرندوں، مچھلیوں اور پودوں پر بھی پلتی ہے- فوصلوں کے ثبوت سے ظاہر ہوا ہے کہ یہ درخت کی چھال کی جوں بھی لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہے-

بارک بیٹل/چھال بھنورا

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

چھال بھنورے بھی لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں- ان کے فوصل ثابت کرتے ہیں کہ ان کے اندر کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی ہے-

ہارسشوکریب بیٹل/گھرنعلی کیکڑ بھنورا

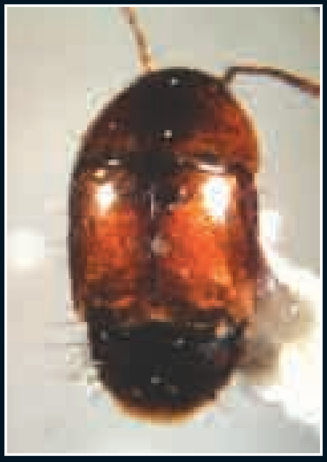

عمر- ۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

فوصل کے تمام ریکارڈ نظریہ ارتقاءکے ہر دعوے کی تردید کرتے ہیں کہ موجودہ جاندار نسلیں سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے ایک سے دوسری اور بہتر شکل اختیار کرتی گئیں- فوصل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ تمام نباتاتی اور حیاتاتی زندگی اپنی مکمل اور بے عیب خصوصیات کے ساتھ اچانک ہی نمودار ہوئی اور اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں تخلیق کی گئی تھی - اللہ کی تخلیق کایہ واضح ثبوت نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے پریشانی کا مقام ہے- تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ گھڑنعلی کیکٹ بھنورے کا فوصل بھی ان لوگوں کے لئے پریشانی کا سبب ہے کیونکہ یہ ان کے ہر دعوے کی نفی کرتا ہے-

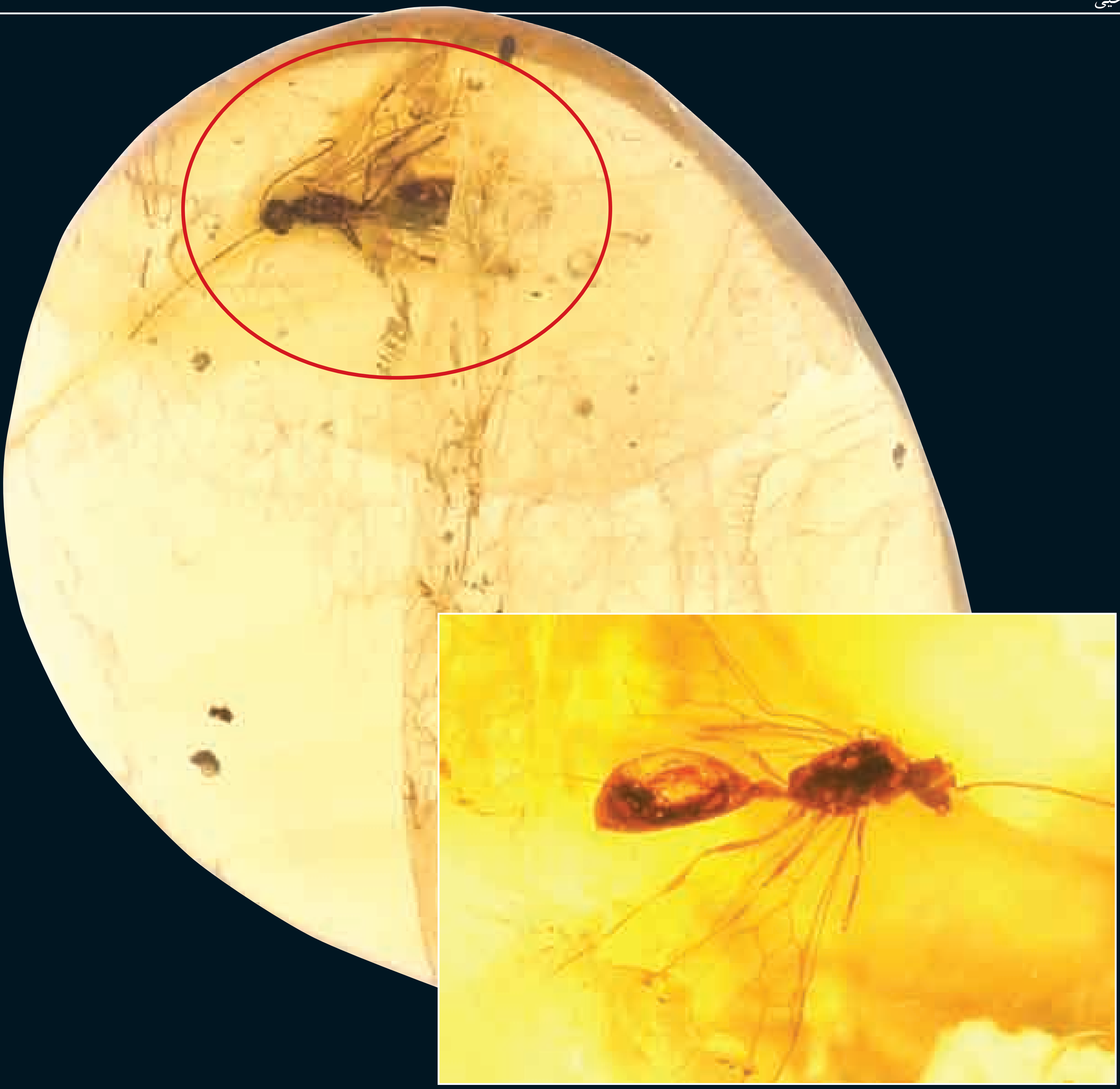

ونگڈ آنٹ/پروں والی چیونٹی

عمر- ۲۵ لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود کھربا میں پروں والی چیونٹی کے فوصل کے مطابق لاکھوں سال پہلے زمین پر رہنے والی پروں والی چیونٹی اور دورِ حاضر میں زندہ اس چیونٹی میں کوئی فرق نہیں ہے-

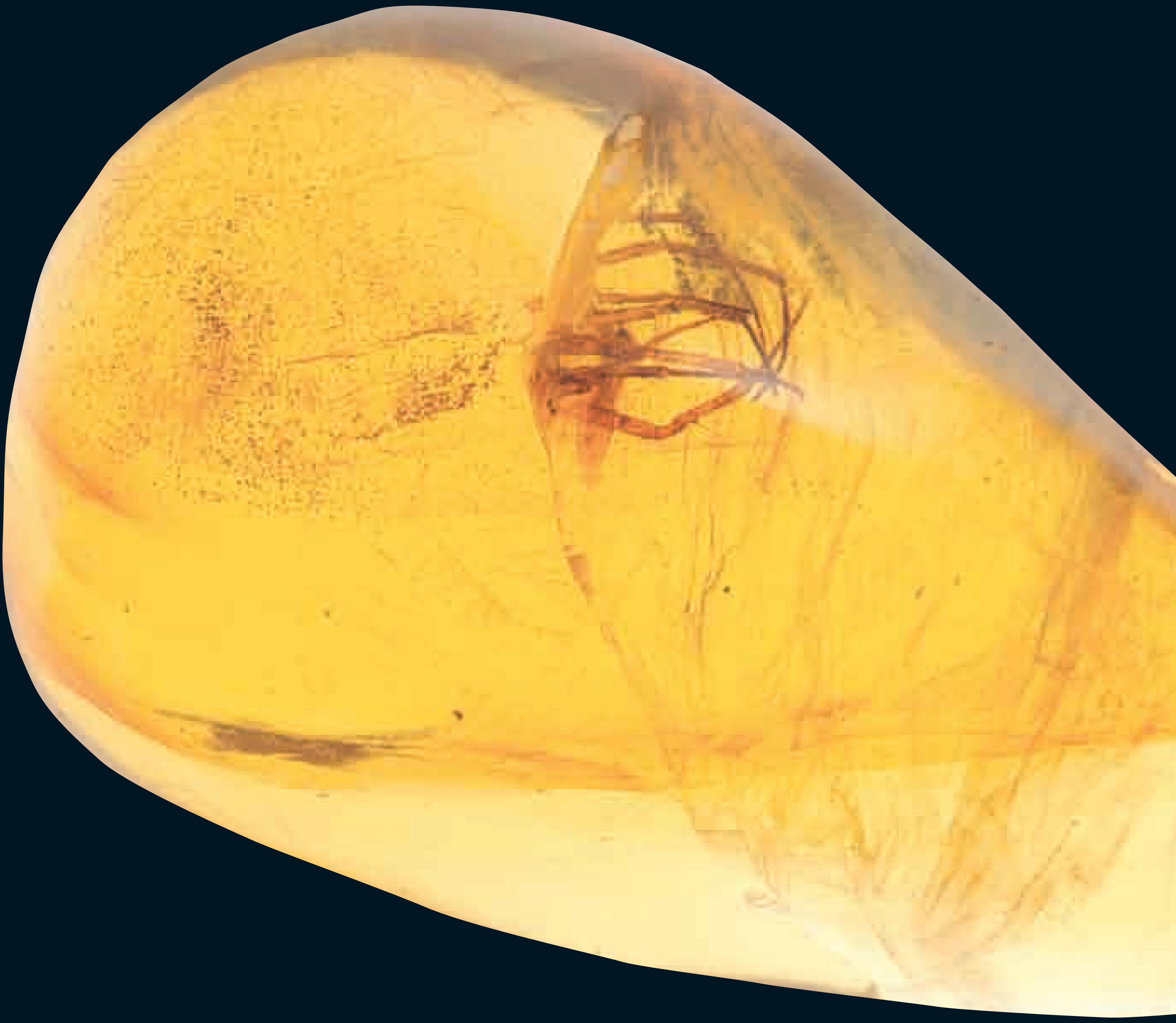

اسپائڈر/مکڑی

عمر۔ **۲۵**لاکھ سال
جائے وقوع۔ ڈومینیکی ریاست
عہد۔ اولیجوسین

دور جدید کی مکڑیاں ان تمام خصوصیات کے ساتھ زندہ ہیں جو یہ لاکھوں سال پرانی مکڑیوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ **۲۵**لاکھ سال پرانا مکڑی کا یہ فوصل اس بات کا ثبوت ہے۔

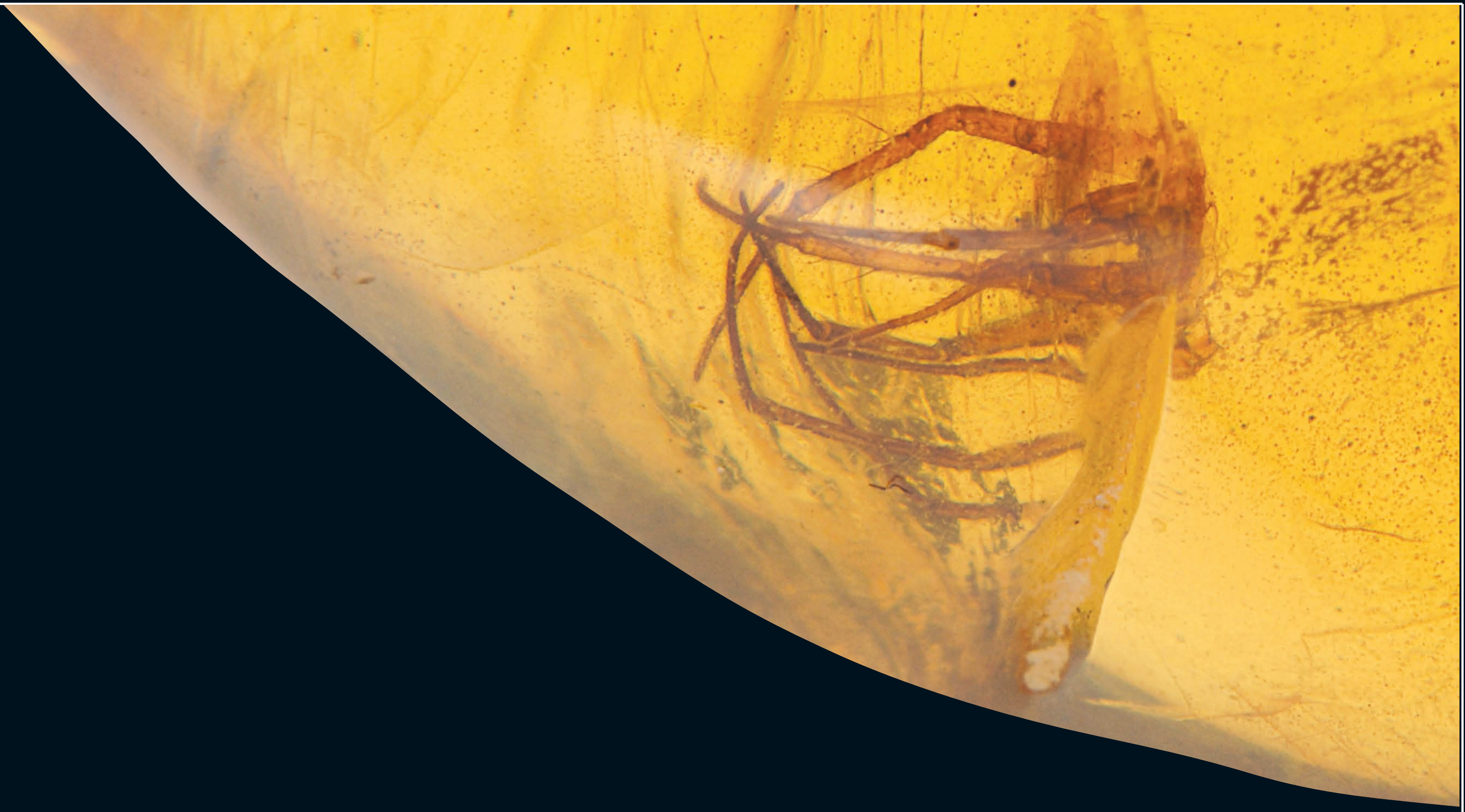

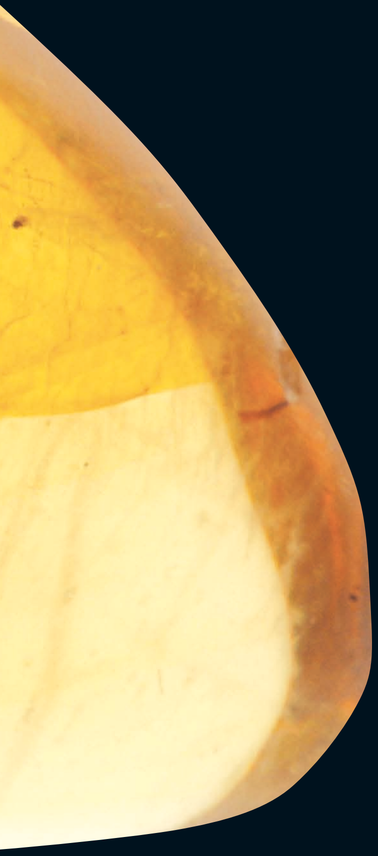

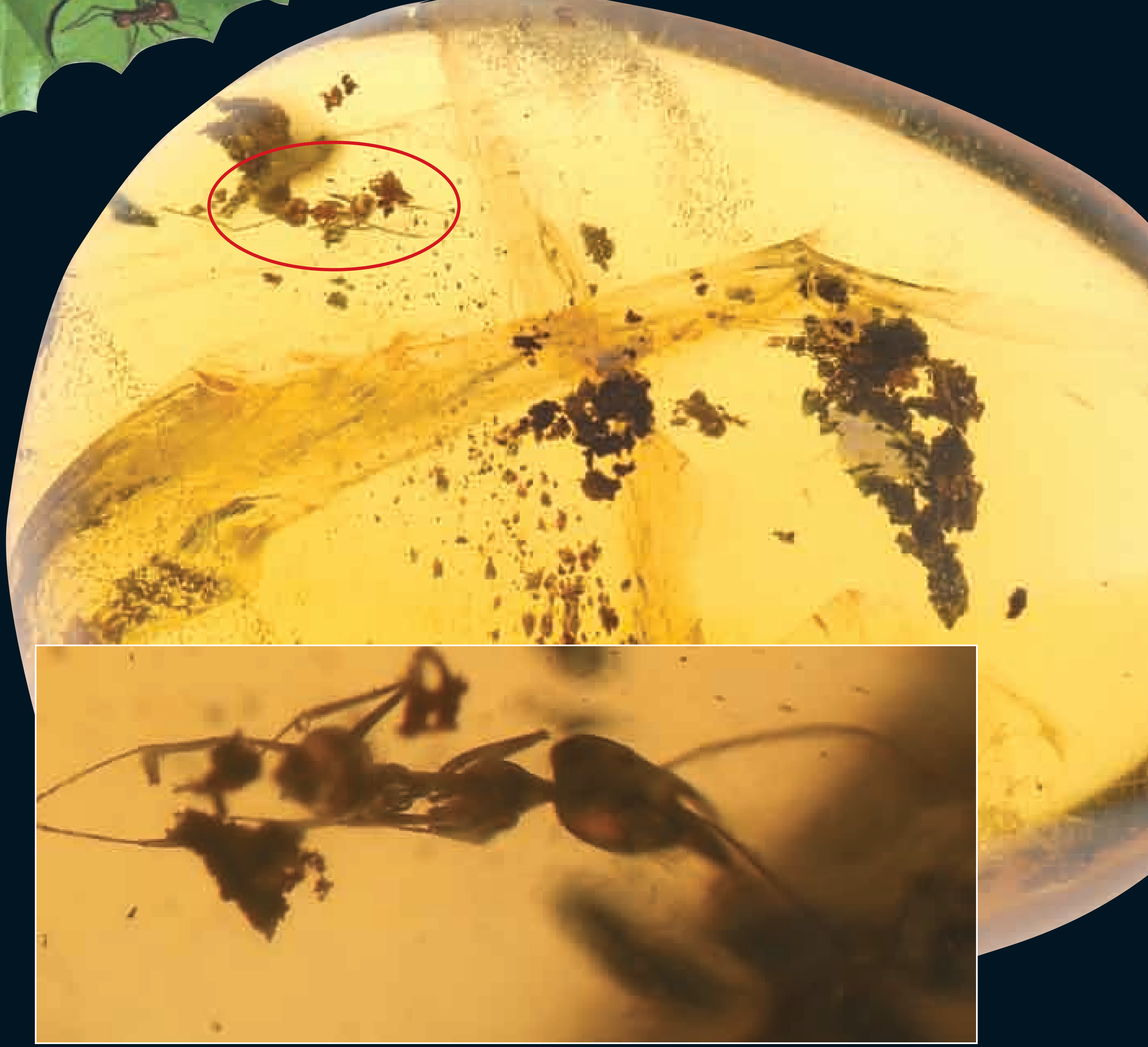

ورکر آنٹ/مزدور چیونٹی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- دومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

چیونٹیوں کا شمار دنیا کی سب سے کثیر التعداد نسلوں میں ہوتا ہے اور فوصلی ریکارڈ کے مطابق چیونٹیاں لاکھوں سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہیں اور ان کے اندر کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کا کوئی نشان نہیں ملتا- تصویر میں موجود۲۵لاکھ سال پرانا مزدور چیونٹی کا یہ فوصل اس بات کا ثبوت ہے-

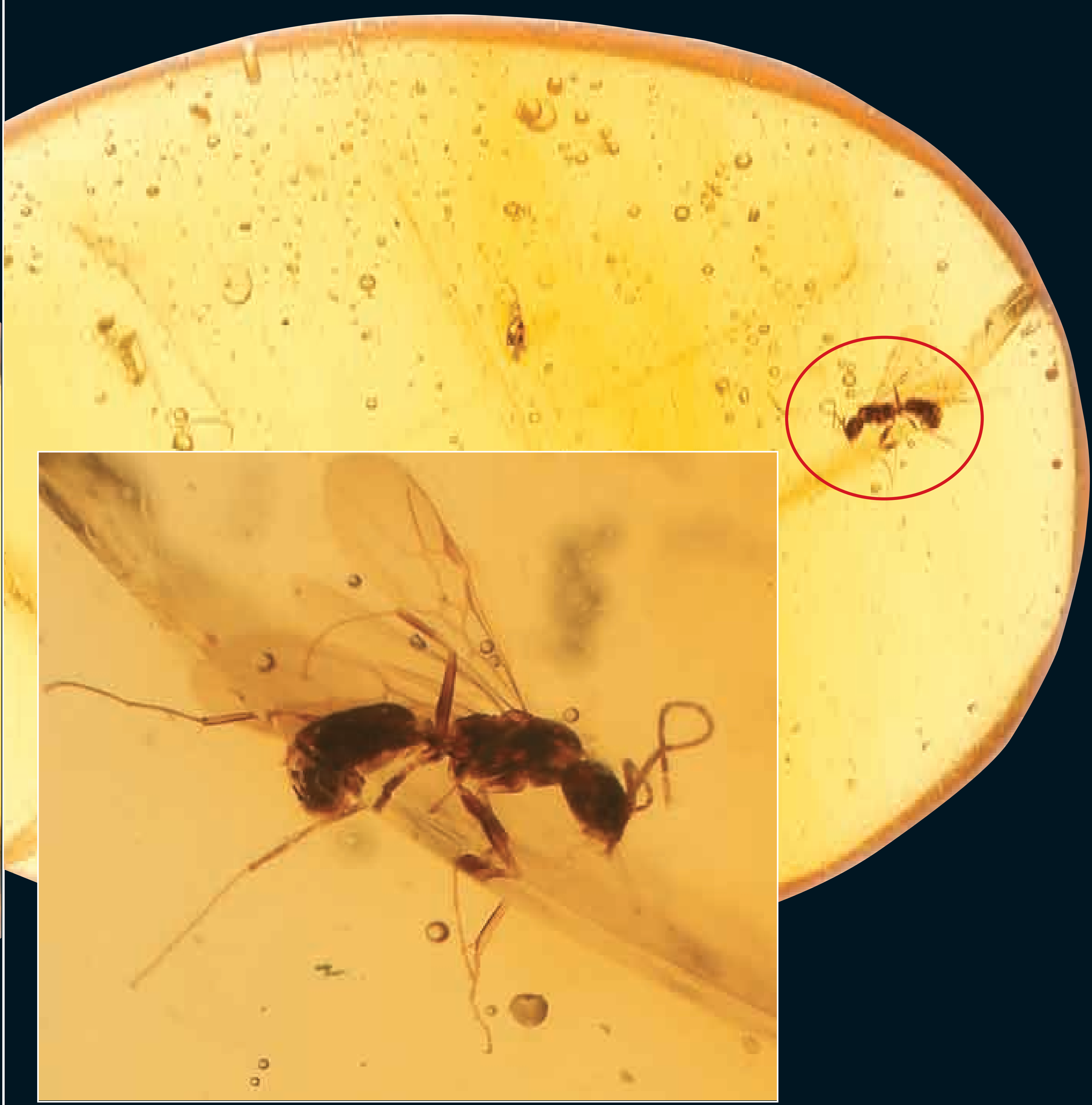

ونگڈ آنٹ/پروں والی چیونٹی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

اس ۲۵لاکھ سال پرانے فوصل شدہ پروں والی چیونٹی کے نمونے اور آج کی زندہ چیونٹیوں میں کوئی فرق نہیں ہے- پروں والی چیونٹیاں جو لاکھوں سال سے اپنی اصل حالت میں موجود ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ تدریجی ترقی کے عمل کا سائنس میں کوئی وجود نہیں ہے-

ڈارک ونگڈفنگس نیٹ یا گھرے پروں والا یک خلیہ پسو

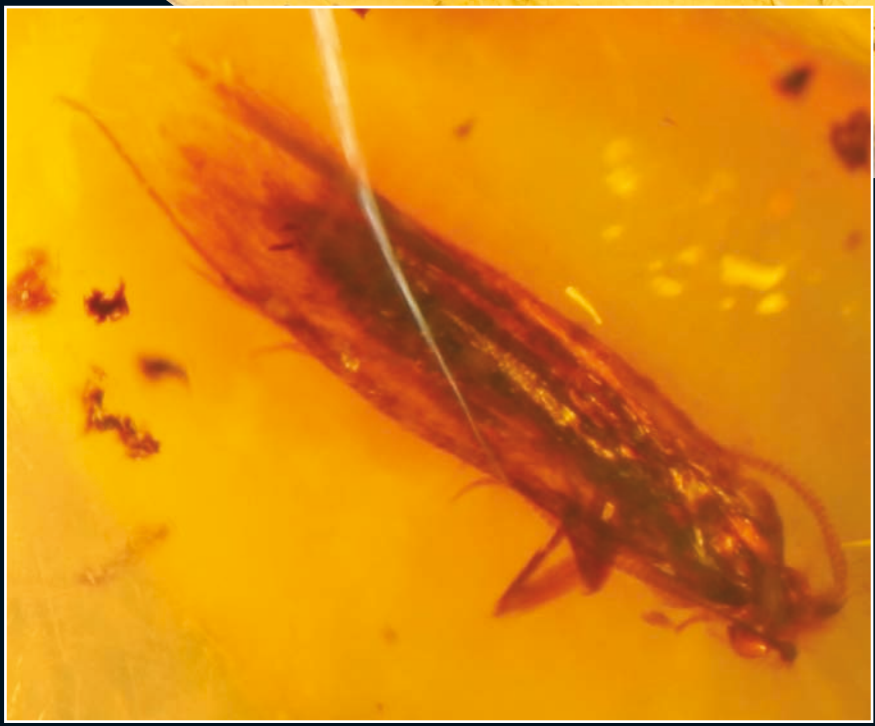

یڈس فلائی یا مئی مکھی

کیڈس فلائی، ڈارک ونگڈفنگس نیٹ/مئی مکھی، گھرے پروں والے

پھپھوند مچھر

عمر - ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- دومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

مئی مکھی روئیں دار پروں والے رات کو نکلنے والے پتنگے ہوتے ہیں جو پانی کے قریب پائے جاتے ہیں- تصویر میں موجود مئی مکھی اور پھپھوند مچھر کہربا میں محفوظ فوصلی حالت میں نظر آرہے ہیں- یہ جاندار لاکھوں سال سے بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے دنیا میں نظر آرہے ہیں اور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ان کے اندر کبھی بھی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

ونگڈ ٹرمائٹ/دیمک کھانے والا پردار حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

ٹرمائٹ دیمک کھانے والے حشرے کو کہتے ہیں- تصویر میں موجودفوصل پروں والا دیمک کھانے والا حشرہ ہے- اس نسل کے جاندار میں لاکھوں سال گزرنے کے باوجود معمولی سی بھی طبعیاتی یا کیمیائی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے-

ٹروبگ/اصل حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

ہیمپٹیرا زمرے میں تقریباً۴۸ ہزار کیڑے مکوڑے شامل ہیں جو کہ اچانک فوصلی ریکارڈ میں نمودار ہوئے اور بغیر کسی تبدیلی کے آج تک زندہ اور قائم چلے آرہے ہیں- بگ کا لفظ حشروں کی کئی اقسام کے لئے استعمال ہوتا ہے جن کے گول چپٹے جسم اور منہ خون چوسنے کے لئے ہوتے ہیں- ان میں کھٹمل، پسو اور جوئیں شامل ہیں- کیڑے مکوڑوں کی باقی تمام نسلوں کی طرح یہ حشرے بھی نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

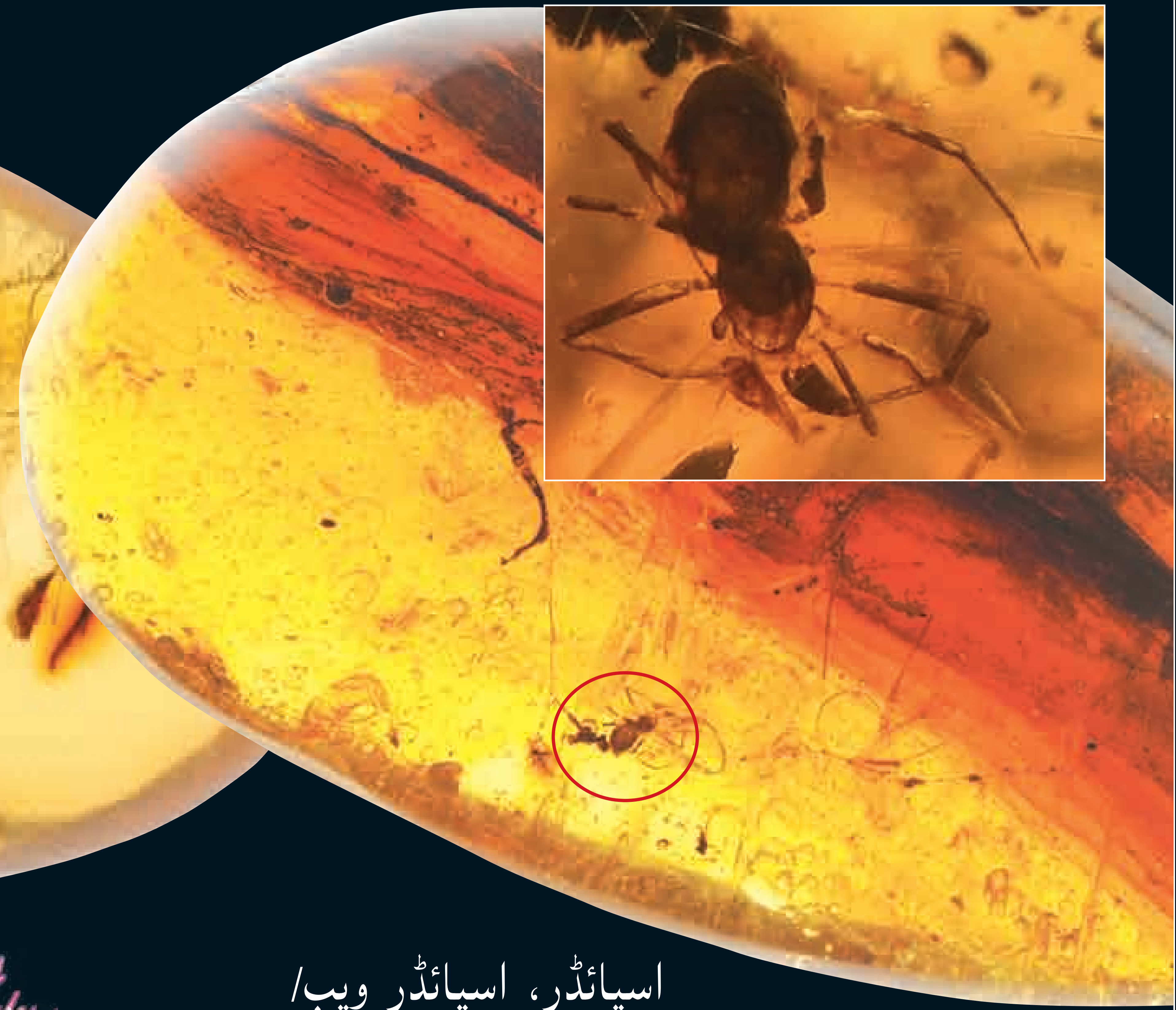

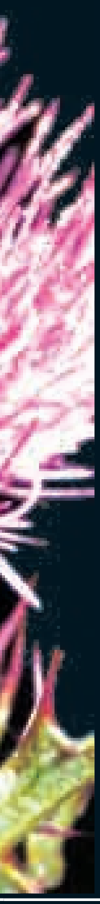

اسپائڈر، اسپائڈر ویب/ مکڑی اور مکڑی کا جالا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

اس تصویر میں موجود کہربا کے اندر مکڑی اور اس کا جال واضح طور پر نظر آرہا ہے- یہ۲۵لاکھ سال پرانا مکڑی کا جالا اور مکڑی دورِ حاضر کی مکڑی اور اس کے جالے کے عین مشابہ ہیں اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

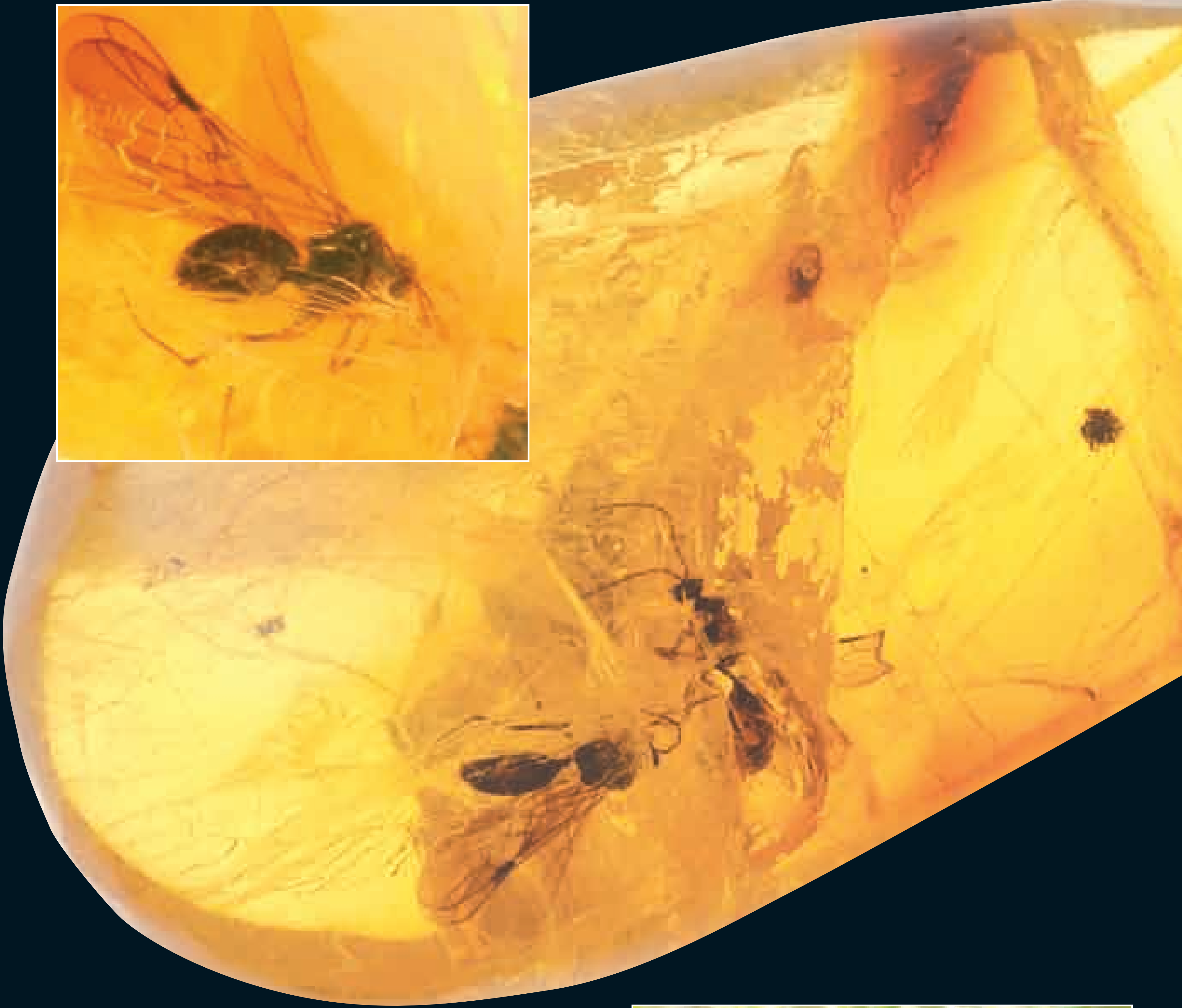

ونگڈ آنٹ/پروں والی چیونٹی

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

یہ پروں والی چیونٹی فوصلی ثبوت کے مطابق لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے۔ نظریہ ارتقاءکے پاس کوئی باقاعدہ سائنسی سہارا موجود ہی نہیں جو اس سوال کا جواب دے سکے کہ جاندار نسلیں لاکھوں سال سے زمین پر کسی تبدیلی کے بغیر کس طرح موجود ہیں؟

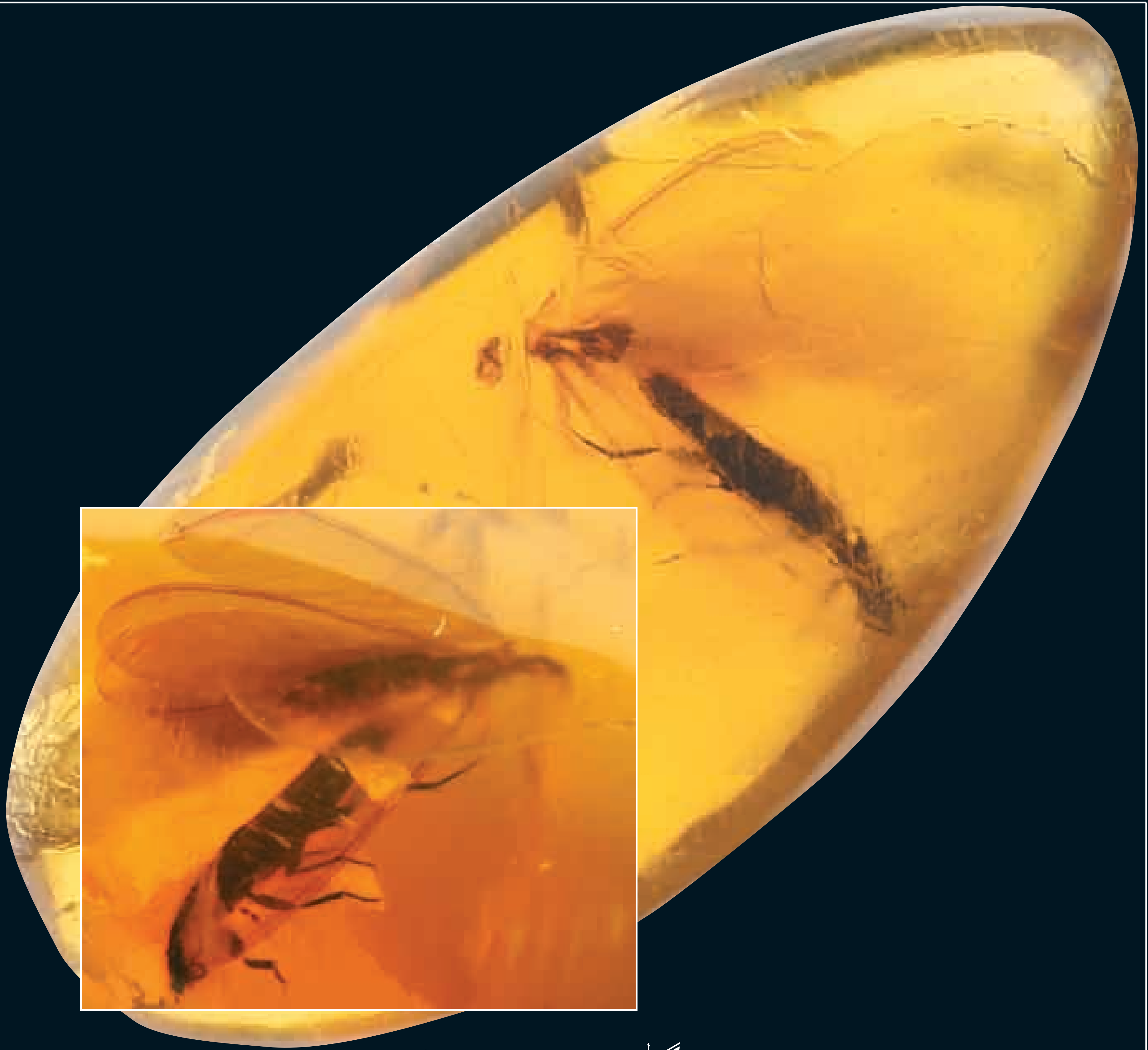

ونگڈ ٹرمائٹ/ پروالا لکڑی خور حشرہ

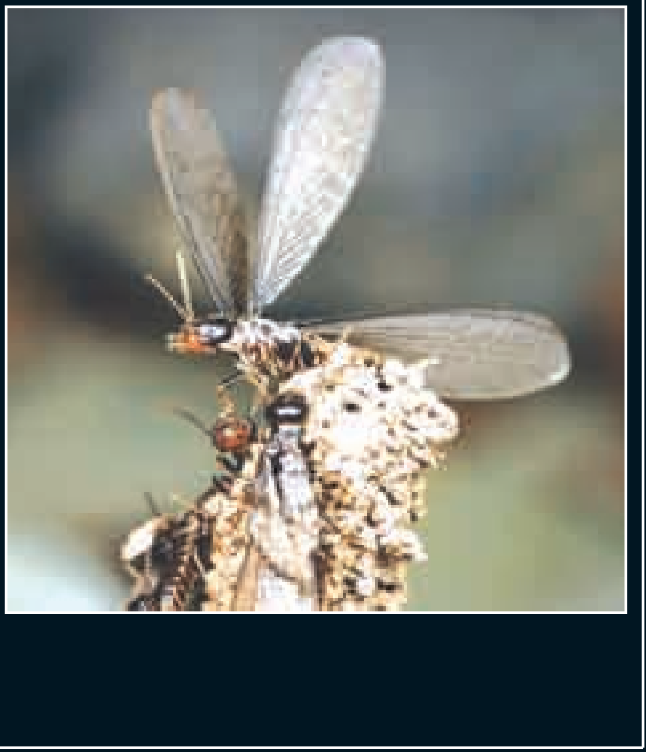

عمر-۲۵ لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

کیڑے مکوڑو ںکی وہ تمام نسلیں جو لاکھوں سالوں سے اصلی اور یکساں شکل میں دنیا میں موجود ہیں نظریہ ارتقاءکے لئے ایک ایسے اڑے ہوئے معاملے کی طرح ہیں جس کا حل اس نظریے کے پیروکاروں کے پاس نہیں ہے- یہ تمام جاندار نسلیں اپنے فوصلی ریکارڈ سے ثابت کرتی ہیں کہ ان کے اندر کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کا عمل کبھی واقع نہیں ہوا- تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ پروالا لکڑی کھانے والا حشرہ جس کو دیمک بھی کہا جاتا ہے دورِ حاضر میں موجود انہیں کیڑوں کے ہوبہو ہمشکل ہے-

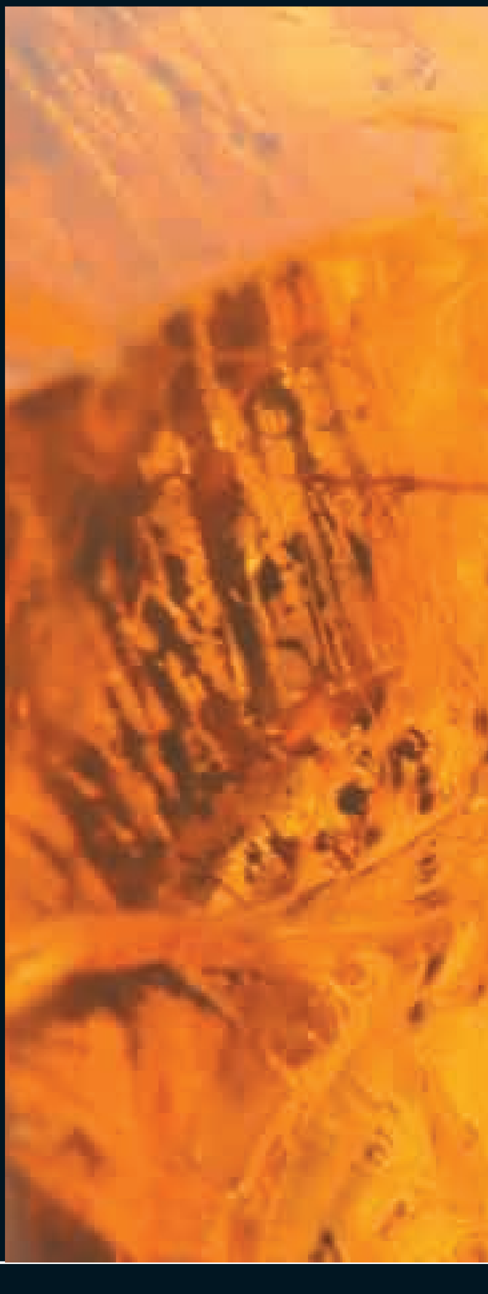

گراسہاپر/ٹڈا

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

ان فوصل شدہ ٹڈوں کے نمونے دور حاضر کے ٹڈوں سے ہوبہو مشابہ ہیں- تخلیق کی یہ حقیقت کہ ۲۵لاکھ سال پہلے پائے جانے والے کیڑے مکوڑے آج بھی دنیا میں اسی شکل میں موجود ہیں نظریہ ارتقاءکی تردید کرتی ہے-

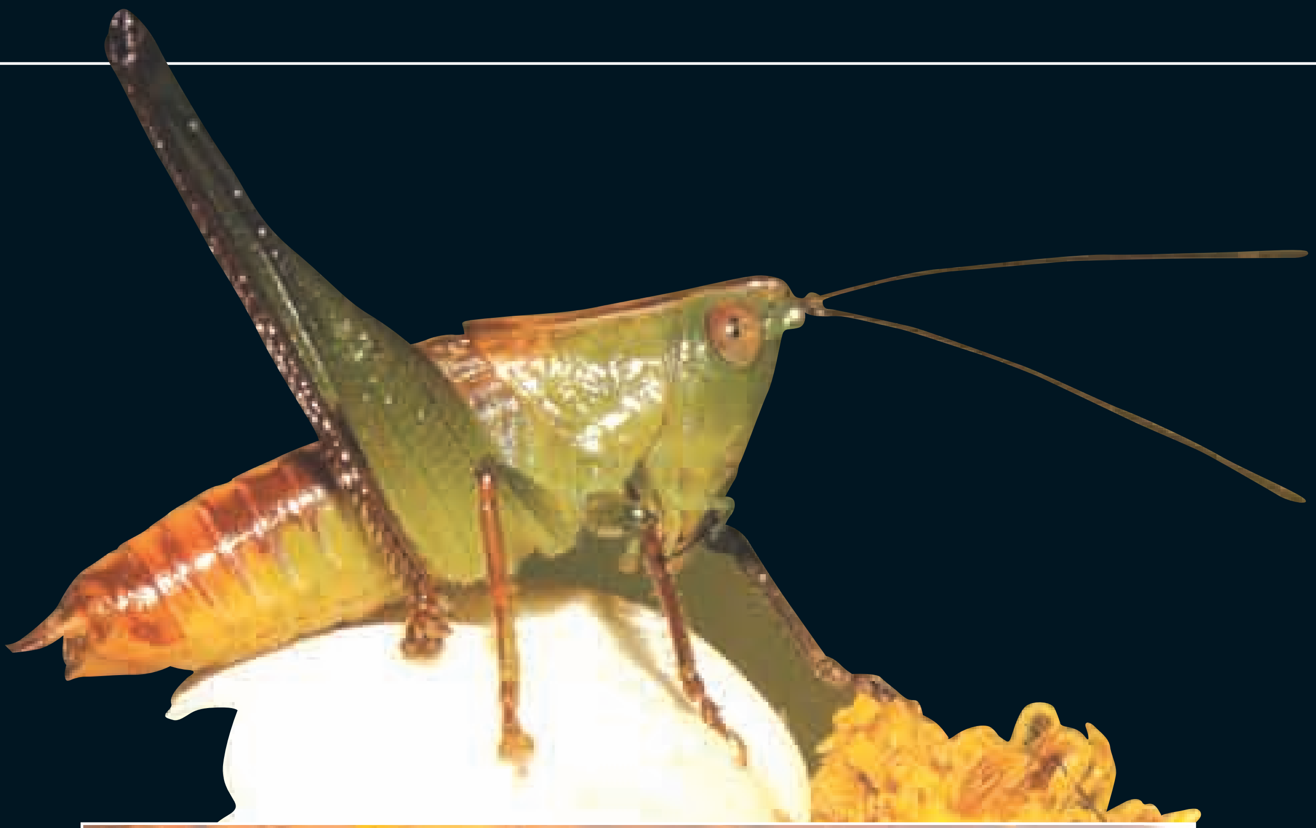

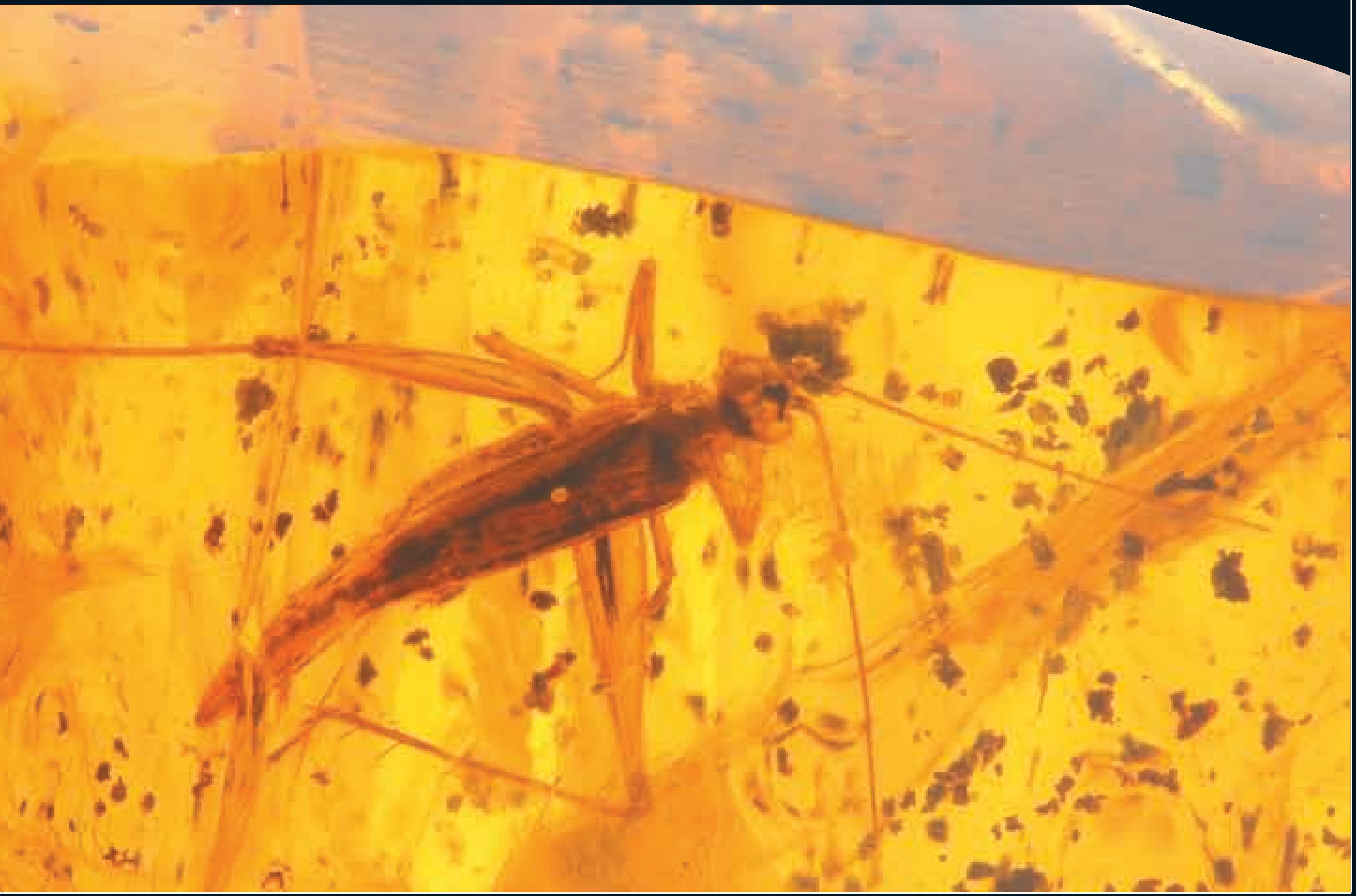

اسکیلیونڈواسپ یا بھڑ کی نسل

لیف ہاپر یا پتوں‌کا ٹڈا

اسکیلیونڈ واسپ، لیف ہاپر/اسکیلیونڈ بھڑ، پتوں کا ٹڈا

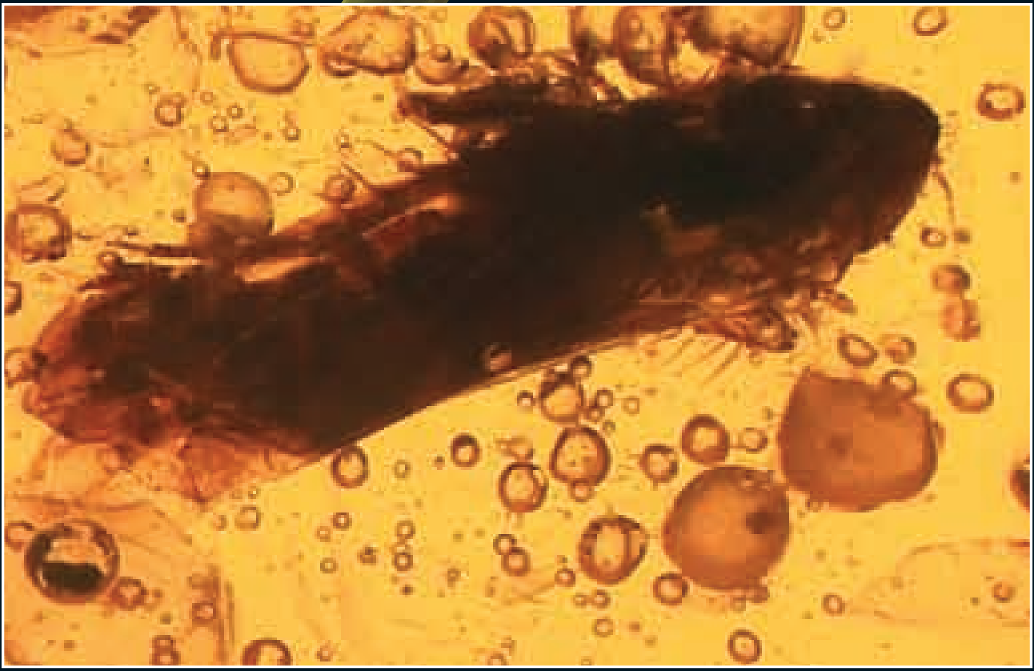

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

اسکیلیوٹڈ بھڑ اسکیلیو نیڈائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک طفیلی حشرہ ہے- تصویر میں موجود بھڑ اور ٹڈے کا فوصل نظریہ ارتقاءکے خلاف اہم ثبوت ہے-

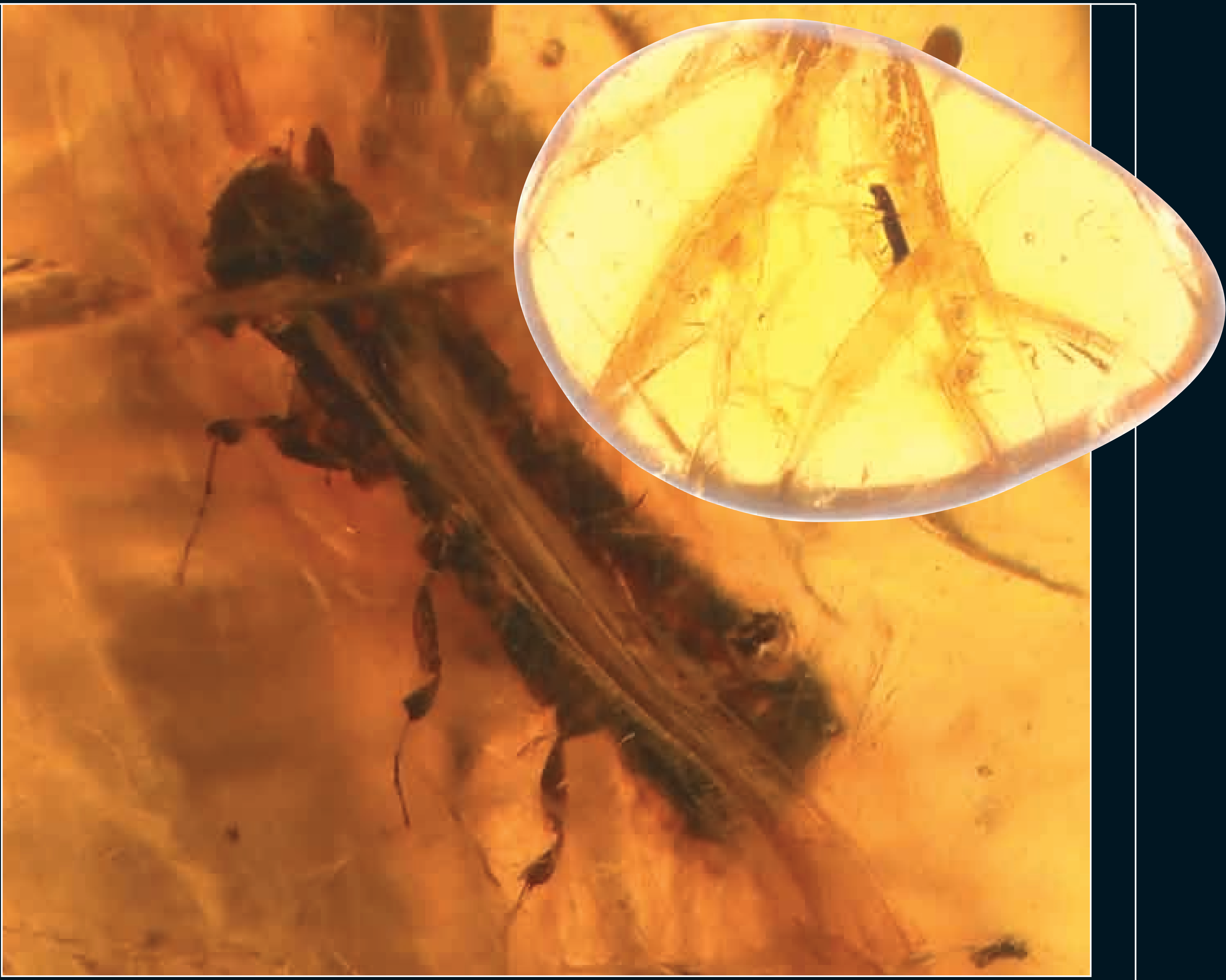

پنہول بورر بیٹل/مہین سوراخ کرنے والا بھنورا

عمر -۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجو سین

نظریہ ارتقاءکے پیروکار آج تک کسی ایک بھی ایسے فوصل کو برآمد نہیں کرسکے جو ان کے تدریجی ترقی کے دعوؤں کو ثابت کرسکے- لاکھوں کی تعداد میں ملنے فوصل ان کے ہر دعوے کے خلاف جاتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ بھنورے اور اس کی طرح کے دوسرے لاکھوں کیڑے مکوڑے اچانک زمین پر مکمل حالت میں نمودار ہوئے اور آج تک بغیر کسی طبعیاتی اور کیمیائی تبدیلی کے زمین پر یا تو موجود ہیں یا اسی مکمل حالت کو برقرار رکھتے ہوئے معدوم ہوچکے ہیں- تصویر میں موجود کہربا کے اندر بھنورا اسی حقیقت کو ثابت کرتا ہے-

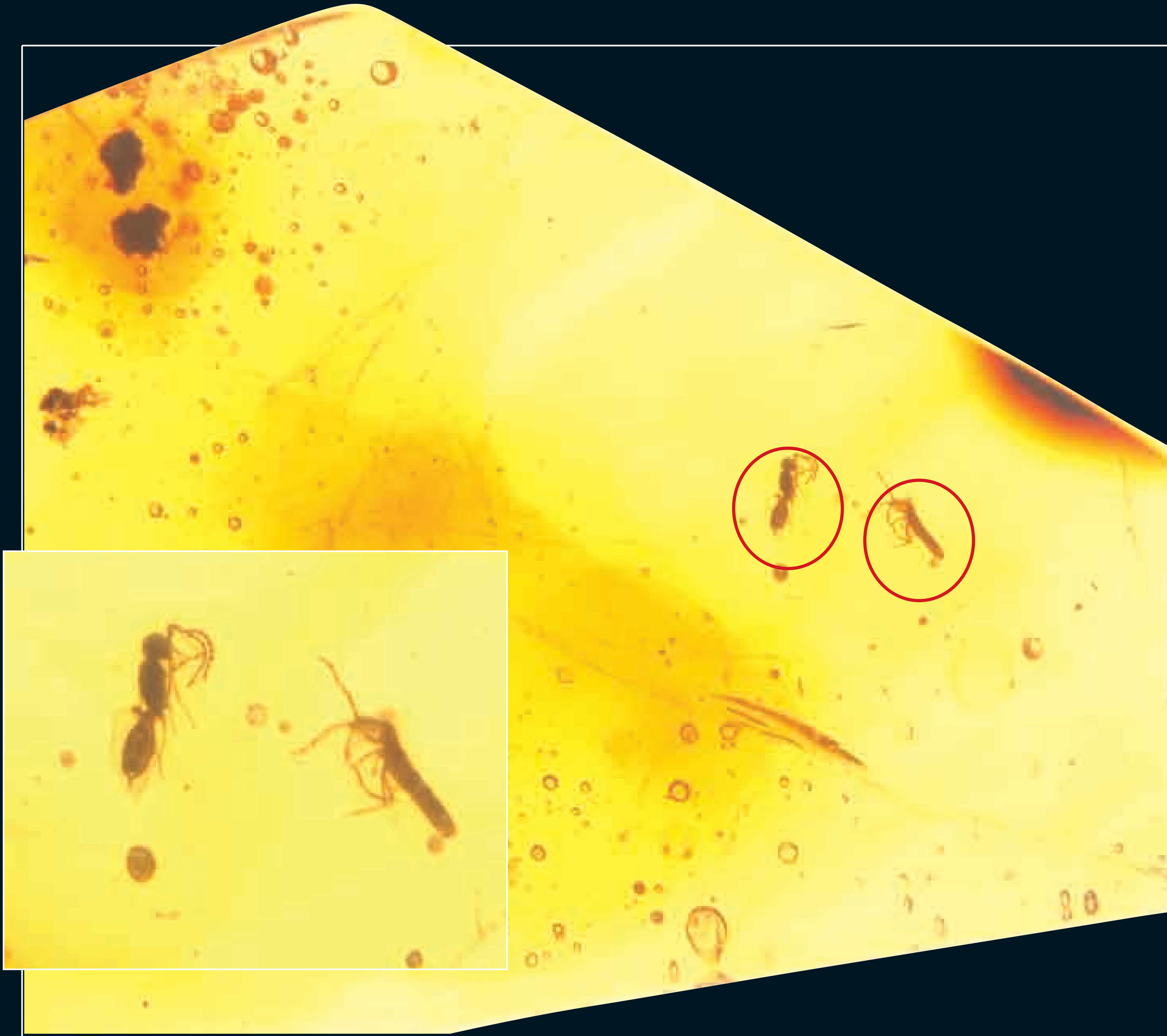

پیراسائٹک واسپ، اسپرنگ ٹیل / طفیلی بھڑ، جست لگا نےو الا بے پر حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

نظریہ ارتقاءنے فوصلوں کی دریافت کی وجہ سے شدید ناکامی کا سامنا کیا ہے -اس کی ایک مثال اس تصویر میں موجودکھربا میں محفوظ طفیلی بھڑ اور جست لگانے والے حشرے کا فوصل ہے جو دورِ حاضر میں موجود انہیں جاندروں سے بالکل مختلف نہیں- ان قدیم مفصل پایہ انواع کی لاتعداد اقسام تخلیق کی حقیقت کا واضح ثبوت ہیں-

ٹیرومالڈواسپ/ٹیرومالڈبھڑ

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

بھڑوں کی یہ نسل لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہے اور ان میں تدریجی ترقی کا کوئی نشان نہیں ہے- سائنس کی ناقابل تردید حقیقت کا ثبوت وسیع فوصلی ریکارڈ ہیں- تصویر میں کہربا میں محفوظ بھڑ کا فوصل بھی اسی حقیقت کا ایک پہلو ہے-

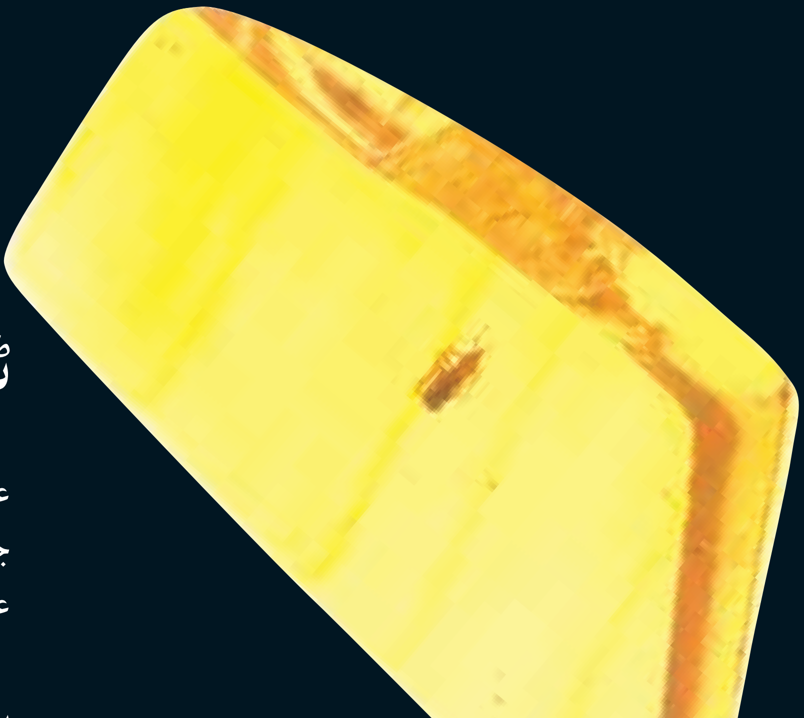

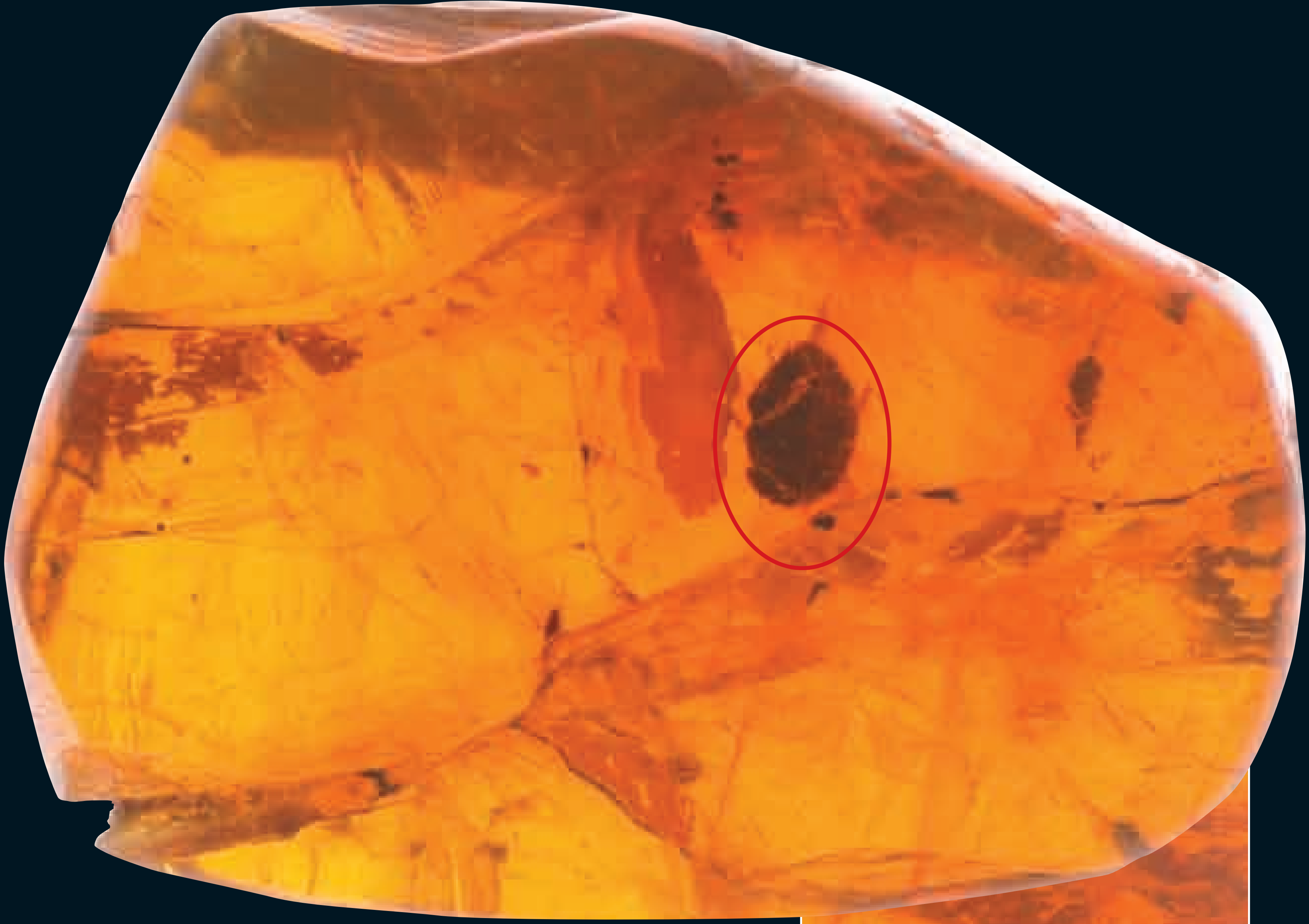

رووبیٹل/گھومتا بھنورا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجو سین

گھومتا بھنورا ایک لمبے جسم کا بھنورا ہوتا ہے جو عموماً گلے سڑے نباتات اور اجسام میں پایا جاتا ہے- یہ کیلیوپٹرا نظام کاحصہ ہے- تصویر میںایک گھومتا بھنورا کھربا میں فوصل شدہ ہوچکا ہے- گھومتا بھنورا بھی ۲۵لاکھ سال سے دنیا میں ایک ہی شکل میں موجود ہے اور نظریہ ارتقاءکے بر دعوے کی تردید کرتا ہے-

ونگڈ آنٹ/پروں والی چیونٹی

عمر - ۲۵لاکھ سال

پیمائش کہربا- ۱۳ ملی میٹر (۵-۰ انچ) لمبا،۷ملی میٹر (۲-۰ انچ) چوڑا

جائے وقوع- سانٹیا گو کے نزدیک، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود فوصل میں محفوظ۲۵لاکھ سال پہلے والی اس پروں والی چیونٹی میں اور دورِ حاضر کی اس چیونٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ونگڈ آنٹ یا پروں والی چیونٹی

ونگڈ آنٹ، گال نیٹ/پروں والی چیونٹی، مازو مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

مازو مکھی مکھیوں کی نسل کی مچھر سے بھی چھوٹی ایک مکھی ہوتی ہے- تصویر میں موجود مازو مکھی کا فوصل ۲۵لاکھ سال پرانا ہے- ان کے پہلو میں پروالی ایک چیونٹی بھی محفوظ ہے- یہ دونوں جاندار نسلیں لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہیں-

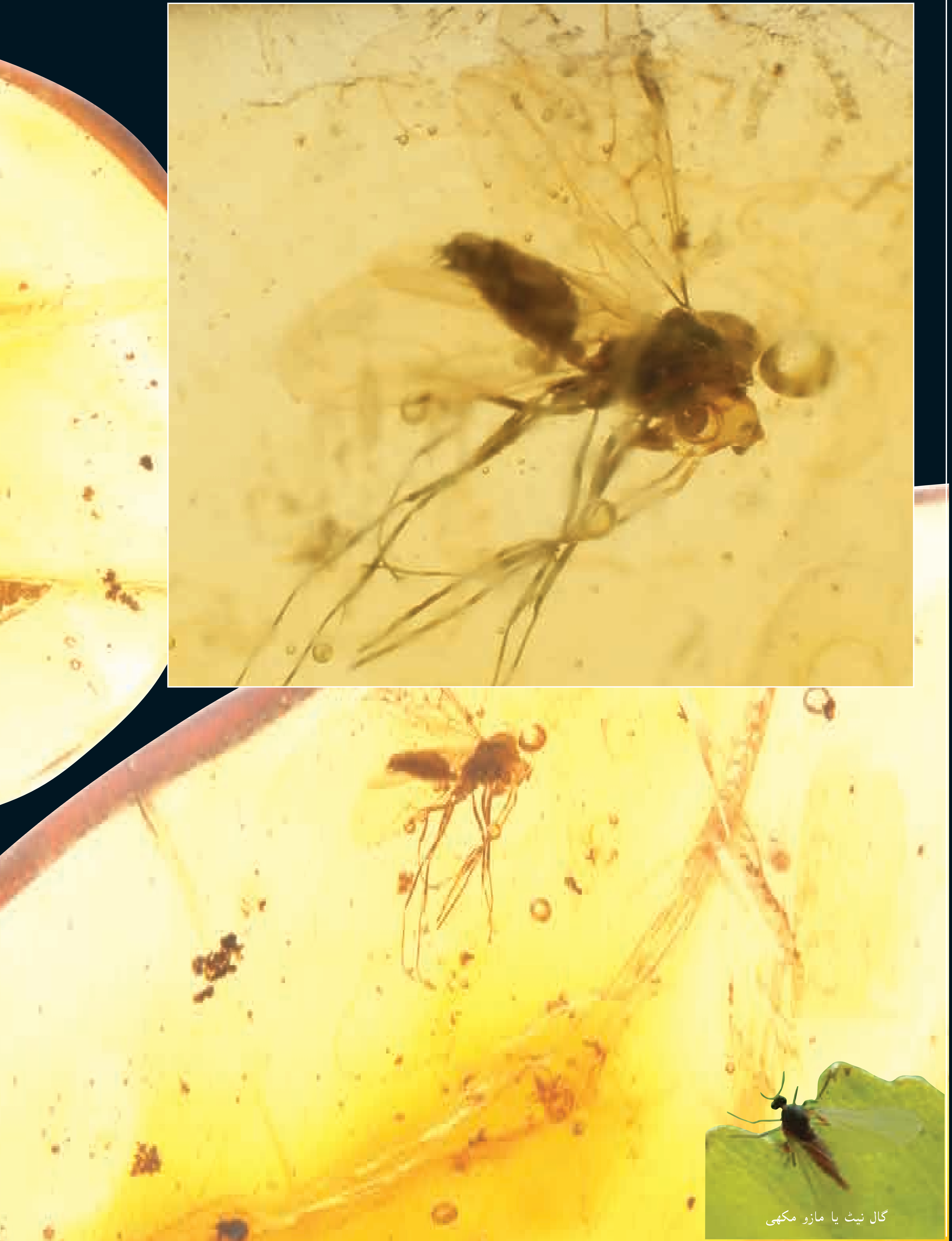

گال نیٹ یا مازو مکھی

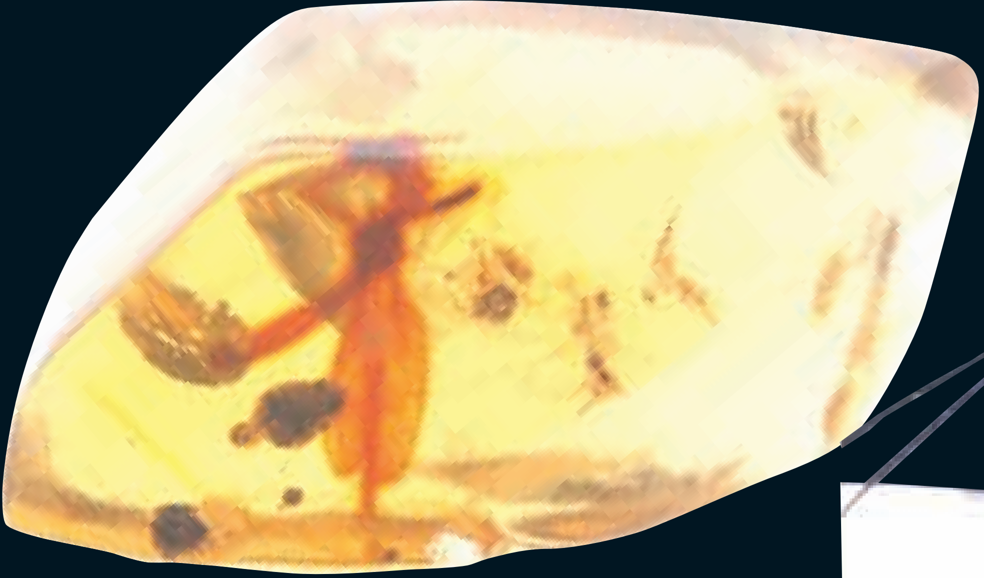

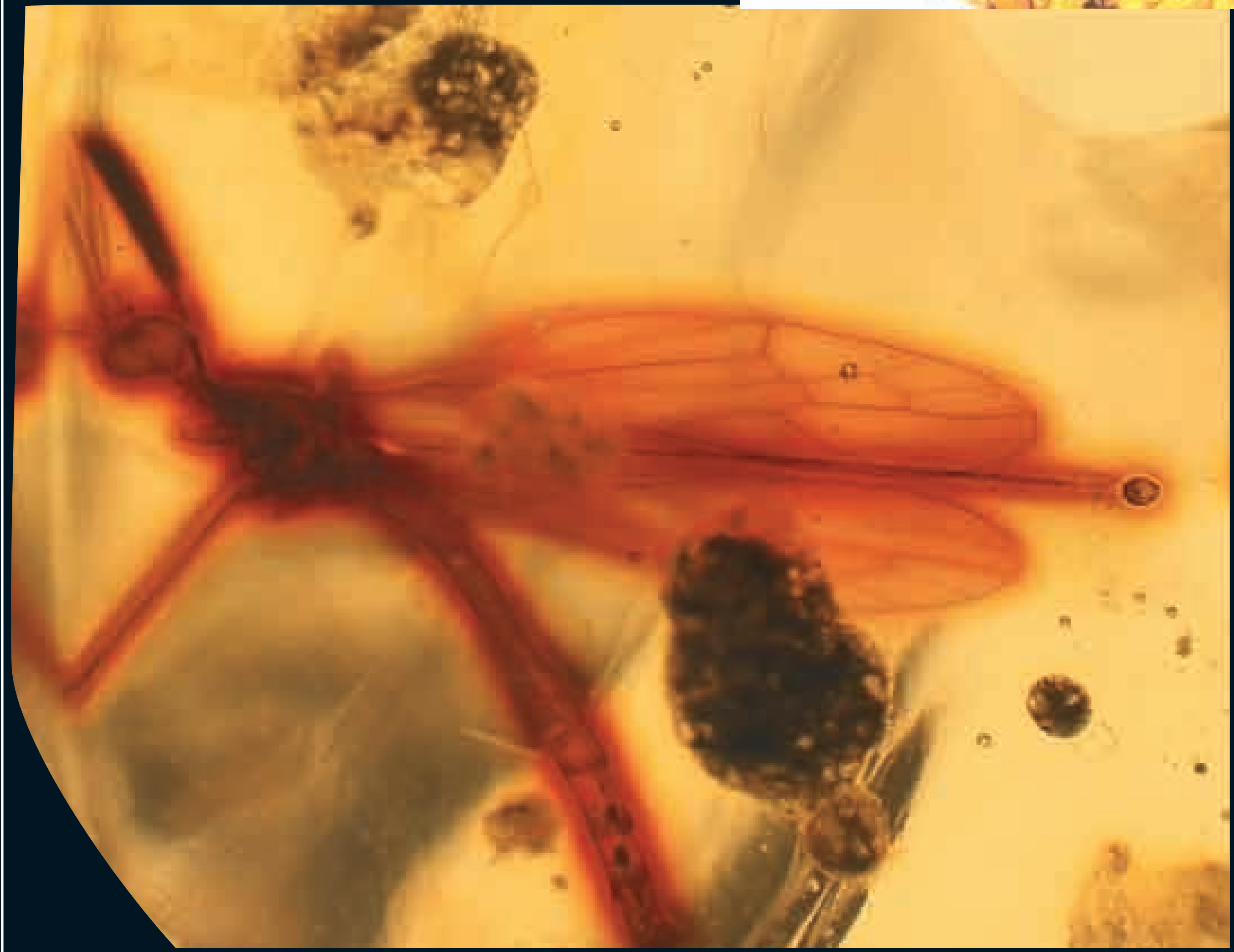

کرین فلائی/کلنگ مکھیوں کے خاندان کی مکھی

عمر-   ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع-   ڈومینیکی ریاست

عہد-   اولیجوسین

آج کے دور کی کلنگ مکھی اور لاکھوں سال پرانی اس مکھی میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان کی یکسانیت کا یہ ثبوت ہمیں فوصلوں کے ریکارڈ سے ملتا ہے-

ہمپ بیک فلائی/کوزہ پشت مکھی

عمر-۲۵ لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

کوزہ پشت مکھیاں بہت چھوٹے ناپ کی مکھیاں ہوتی ہیں جو کہ پھلوں کی مکھیوں سے کافی ملتی جلتی ہیں- تمام فوصلی نمونے اور خاص طور پر تصویر میں موجود اس مکھی کا فوصل اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کوزہ پشت مکھیاں ہمیشہ سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہیں-

بائٹنگ مج/پسو خاندان کا کیڑا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

بائٹنگ مج پسو کے خاندان کے چٹکنے اور خون پینے والا دوپرہ حشرہ ہوتا ہے جو کہ چھوٹے کیڑوں کو بھی کھاجاتا ہے- دور حاضر میں موجود اس کیڑے اور اس کے لاکھوں سال پرانے فوصلی نمونے میں کوئی فرق نہیں ہے-

فنگس نیٹ یا پسو کی نسل کا حشرہ

ڈارک ونگڈفنگس نیٹ/ گھرے پروالا بھنورا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

تصویر میں ایک گھرے پر والا پھپھوند مچھر کا فوصل موجود ہے- اس کا یہ۲۵لاکھ سال پرانا فوصلی ریکارڈ نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

اسپائڈر ویب، مائینوٹ بلیک اسکیونجر فلائی/ مکڑی کا جالا اور باریک کالی مردار خور مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود مردار خور مکھی کا۲۵لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ کیڑے مکوڑے کبھی بھی کسی تدریجی دور سے نہیں گزرے -اس مکھی کے ساتھ ہی ایک مکڑی کا جالا بھی فوصل بن گیا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مکڑیوں کی طرح ان کے جالے بھی بغیر تبدیلی کے دنیا میں لاکھوں سال سے موجود ہیں-

اسپرنگ ٹیل/جست لگانے والا حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

آج کے دور میں موجود ان جست لگانے والے حشروں اور انہیں حشروں کے لاکھوں سال پرانے نمونوں میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ حشرے آج بھی دنیا میں اپنی اصلی شکل اور اوصاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں-

ہمپ بیک فلائی/کوزہ پشت مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

جس طرح مچھلیاں ہمیشہ مچھلیاں، رینگنے والے غیر فقاری جانور ہمیشہ رینگنے والے غیر فقاری جانور اور چڑیاں ہمیشہ چڑیاں ہی رہی ہیں اسی طرح کیڑے مکوڑے بھی ہمیشہ کیڑے مکوڑوں کی شکل میں ہی دنیا میں موجود رہے ہیں اور کسی اور حیوان کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں- یہ کوزہ پشت مکھی بھی اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے-

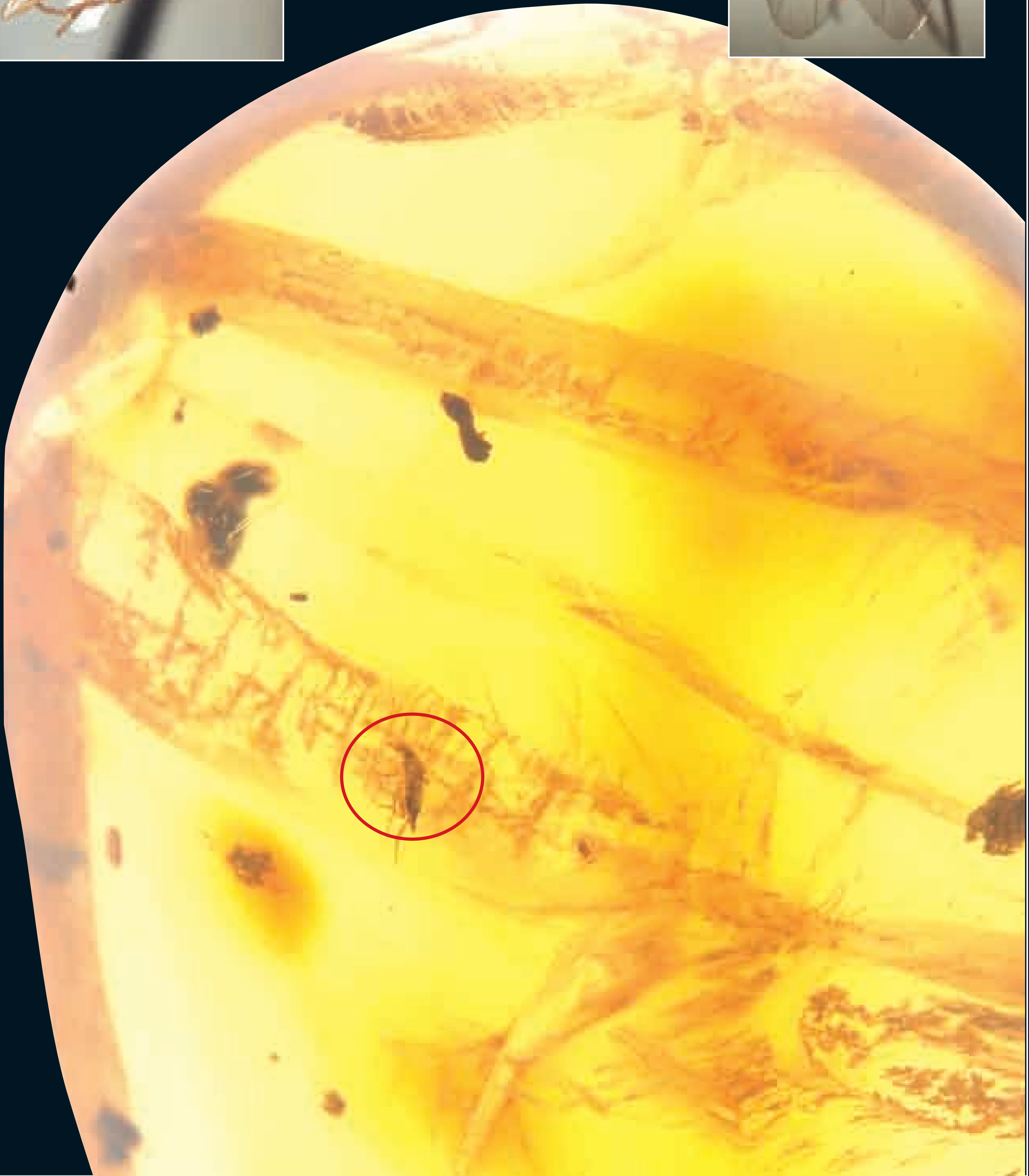

ایئروگ، ورکر آنٹ/چھوٹا کنکھجورا اور مزدور چیونٹی

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع - ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

کہربا کے اس ٹکڑے میں ایک مزدور چیونٹی اور ایک چھوٹا کنکھجورا فوصل شدہ حالت میں نظر آرہے ہیں- چھوٹا کنکھجورا ڈرماپیٹرا قسم کا لمبوترا حشرا ہوتا ہے جس کا سر چمٹے کی طرح دوشاخ ہوتا ہے- ڈرماپیٹرا خاندان میں تقریباً ۱۸۰۰ مختلف نسلوں کی نشاندہی کی جاچکی ہے- ان کنکھجوروں کی لاکھوں سال پرانی شکل اور دورِ حاضر کی شکل اور اوصاف میں کوئی فرق نہیں ہے- اپنے فوصلی ثبوت کی بناءپر یہ نظریۂ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

ورکر آنٹ یا مزدور چیونٹی

ائیروگ یا چھوٹا کنکھجورا

پلانٹ ہاپر نمف/ناپختہ شکل ٹڈا

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

بالغ ٹڈوں کی طرح یہ ٹڈے ناپختہ شکل میں بھی لاکھوں سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے چلے آ رہے ہیں- ۲۵لاکھ سال پرانا اس ٹڈے کا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ دورِ حاضر میں موجود نابالغ شکل کے ٹڈے سالوں پہلے بھی اسی شکل میں موجود تھے-

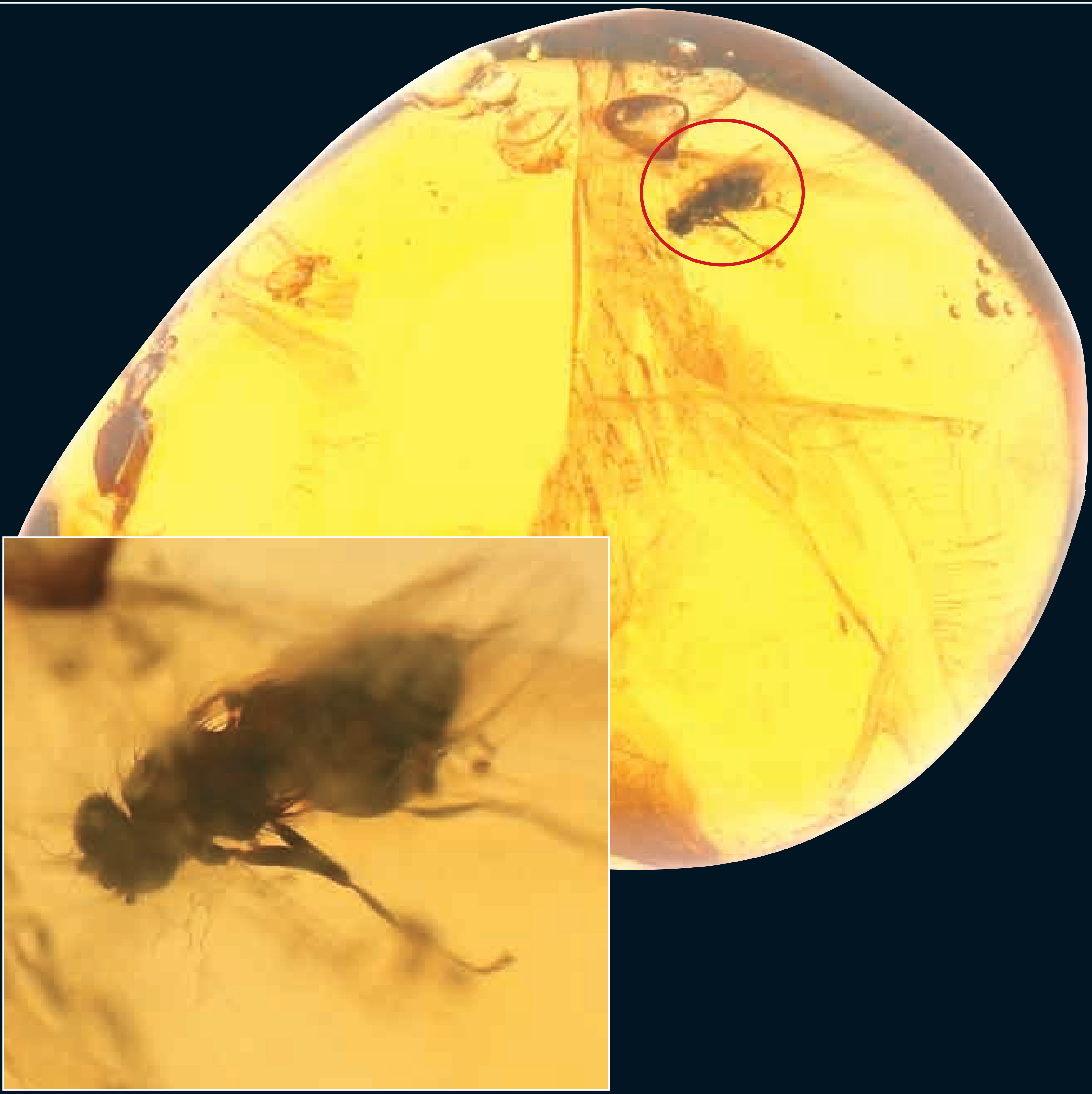

فلائی /مکھی

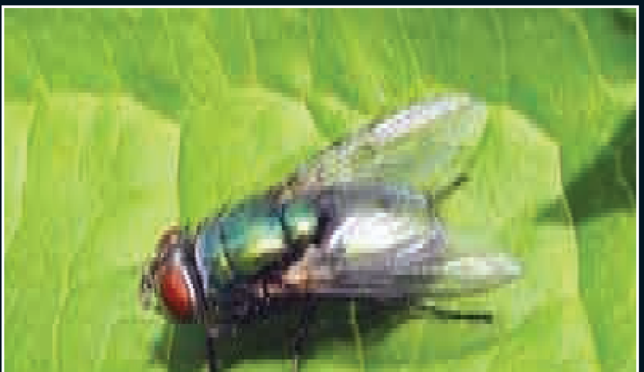

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

کرہ ارض پرمکھیاں ہمیشہ مکھیوں کی شکل میں ہی پائی گئی ہیں اور یہ کسی اور جاندار نسل کی تدریجی شکل نہیں ہیں- دنیا میں ان مکھیوں کے فرضی تدریجی ترقی سے متعلق کسی قسم کا خیالی وسطی فوصل بھی آج تک دریافت نہیں ہوا- بھرکا میں محفوظ یہ ۲۵لاکھ سال پرانا مکھی کا فوصل تخلیق کی حقیقت کا ثبوت ہے-

مائینوٹ بلیک اسکیونجر فلائی /باریک کالی مردہ خور مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

مکھیوں کی جتنی بھی نسلیں سائنس کے علم میں ہیں ان سب کا ارضیاتی تاریخ میں یکساں طبعیاتی اور کیمیائی خصوصیات کے ساتھ قائم رہنے کا مکمل ثبوت موجود ہے- فوصلی ریکارڈ اس بات کا ثبوت ہے کہ مکھیاں بھی دوسری تمام مخلوق کی طرح صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

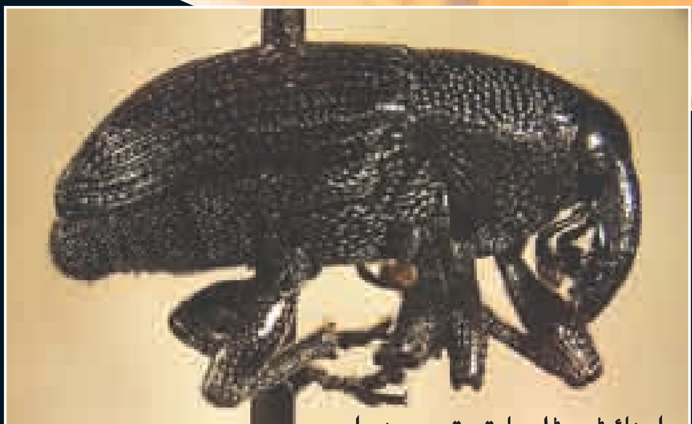

اسناؤٹ بیٹل یا تھوتھن بھنورا

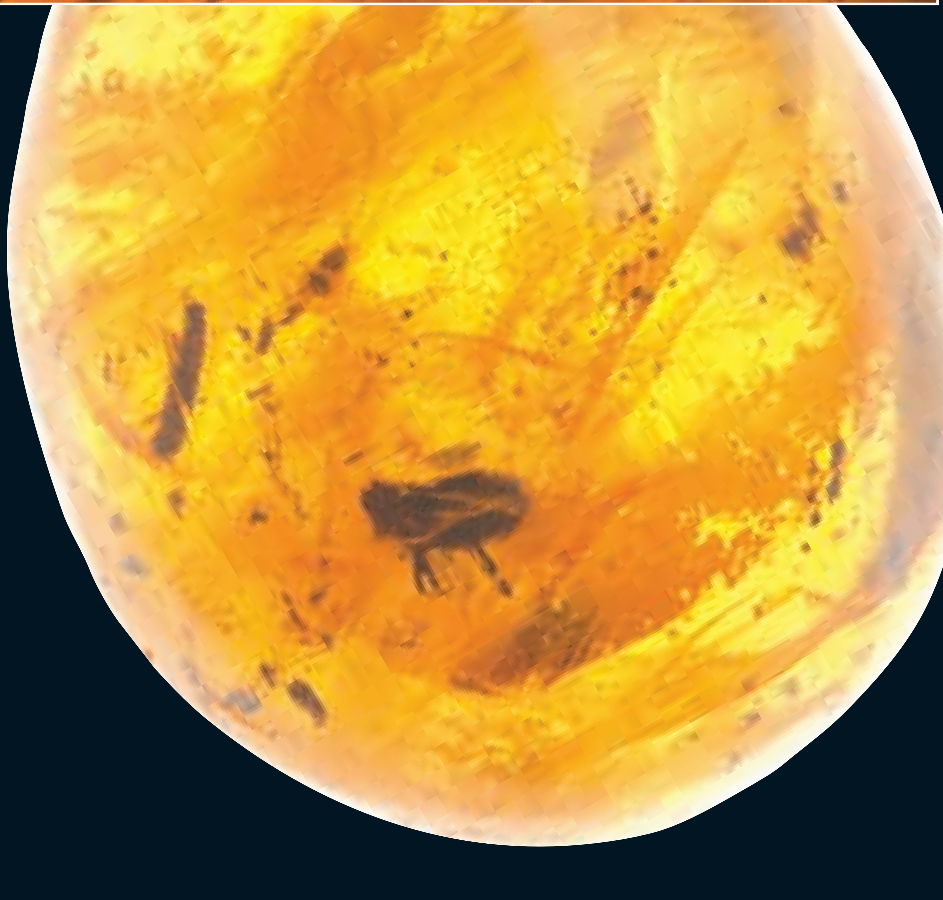

اسناؤٹ بیٹل، پنھول بورر بیٹل/ تھوتھن بھنورا، باریک سوراخ کرنے والا بھنورا

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

آج کے دور میں زمین پر موجود تھوتھن بھنورے اور باریک سوراخ بنانے والے بھنورے اور۲۵ لاکھ سال پرانے انہیں حیوانات کے نمونوں میں کوئی فرق نہیں ہے- ان حیوانات کے نمونے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ تدریجی ترقی کسی بھی دور میں کسی جاندار نسل کے اندر پیش نہیں آئی-

موتھ فلائی /پتنگا مکھی

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

یہ مکھیاں پتنگوں سے بمشکل ہونے کی وجہ سے پتنگا مکھی کہلاتی ہیں اور لاکھوں سال سے دنیا میں ایک ہی ساخت اور خصوصیات کے ساتھ موجود ہیں- کہربا میں موجود۲۵لاکھ سال پرانا پتنگا مکھی کا فوصل دورِ حاضر میں موجود اس مکھی کا عین بمشکل ہے-

کرکٹ یا جھینگر کی نسل کا حشرہ

کرکٹ ،ڑوبگ/خاص آواز نکالنے والا جھینگر، اصل حشرہ

عمر-۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود جھینگر اور دوسرا کیڑابیمپٹیرا قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کہربا میں ایک ہی وقت میں فوصل بن گئے ہیں -لاکھوں سال پرانے ان حشروں اور دورِ حاضر کے ان نسلوں کے حشروں میں کوئی فرق نہیں ہے-

گال نیٹ/مازو مکھی

عمر-۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

مازو مکھیاں لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی بھی تبدیلی سے نہیں گزریں اور ان کی یہ یکسانیت نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے- کہربا میں موجود مازو مکھی کا یہ فوصل ۲۵لاکھ سال پرانا ہے-

بائٹنگ مج، گال نیٹ /پسو خاندان کا کیڑا، مازو مکھی

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد-اولیجوسین

یہ ۲۵لاکھ سال پرانے پسو اور مازو مکھی کے فوصل دورِ جدید میں رہنے والے ان کیڑوں سے بالکل مختلف نہیں ہیں اور اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جاندار نسلیں کبھی بھی تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزریں-

فنگس نیٹ یا پسو کی نسل کا حشر

فنگس نیٹ/پھپھوند مچھر

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں ایک پھپھوند مچھر کہربا میں محفوظ فوصلی حالت میں نظر آرہا ہے -یہ کیڑے لاکھوں سال سے دنیا میں ایک ہی حالت میں موجود ہیں- ان کی ساخت میں کسی بھی تبدیلی کا ظاہر نہ ہونا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے پریشانی کا سبب ہے-

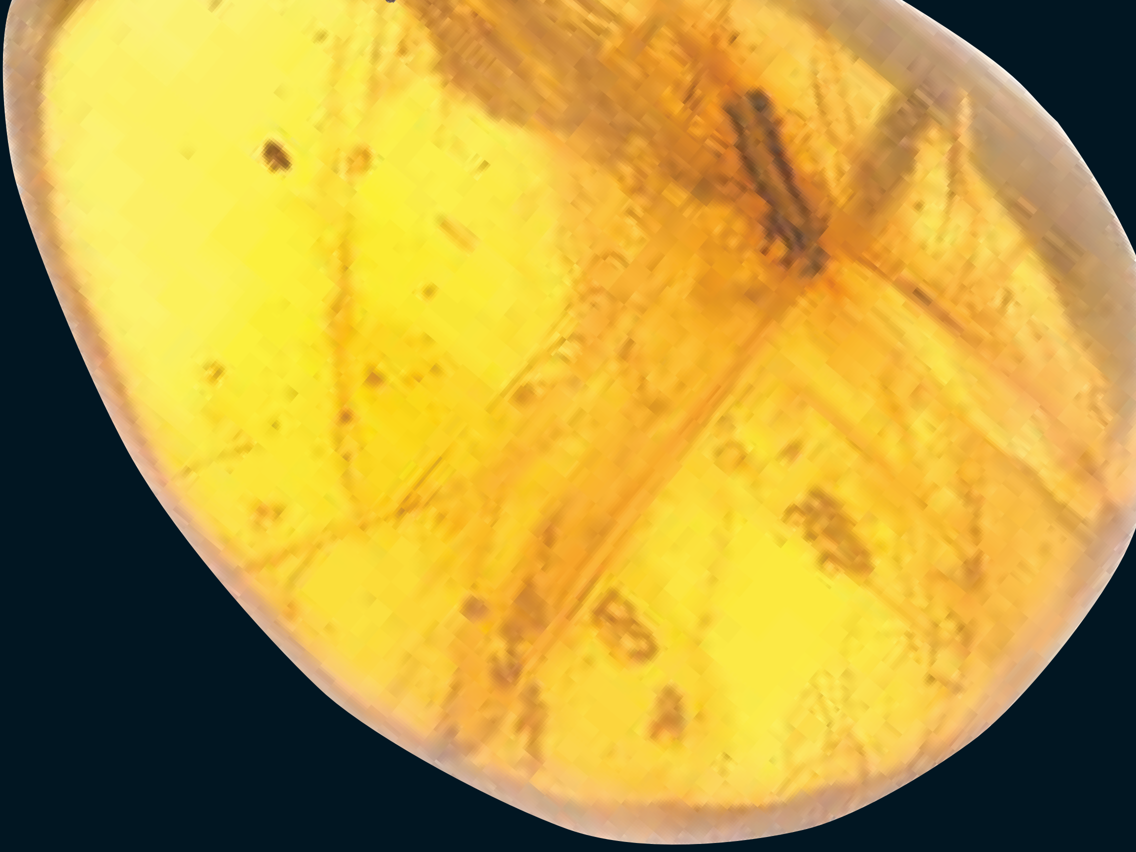

پنہول بورر بیٹل/باریک سوراخ کرنے والا بھنورا

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

دورِ حاضر کے بھنورے انہیں تمام خصوصیات کے حامل ہیں جو کہ ۲۵ لاکھ سال پرانے بھنوروں میں پائی جاتی تھیں- لاکھوں سال پرانے فوصلی ریکارڈ اس حقیقت کا ثبوت ہیں-

مائینوٹ بلیک اسکیونجر فلائی/باریک کالی مردہ خور مکھی

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

کھربا میں محفوظ یہ مردہ خور مکھی ۲۵لاکھ سال پرانی ہے- ان مکھیوں کا لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود رہنا ہی نظریۂ ارتقاءکے پیروکاروں کو خاموش کرنے کے لئے کافی ہے-

وڈنیٹ/لکڑ مچھر

عمر- ۲۵لاکھ سال
کھرباکی پیمائش- ۲۹ ملی میٹر (۱.۱ انچ) لمبا اور۲۷ملی میٹر (۱ انچ) چوڑا
جائے وقوع- سانٹیا گو کے نزدیک، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے ہر دعوے کو کھربا میں موجود لکڑ مچھرکا یہ فوصل غلط اور بے بنیاد ثابت کرتا ہے- مچھروں کی یہ نسل جو لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یہ کسی بھی دور میں تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزرے-

سوکڈ/مختلف نسلوں کی جوں

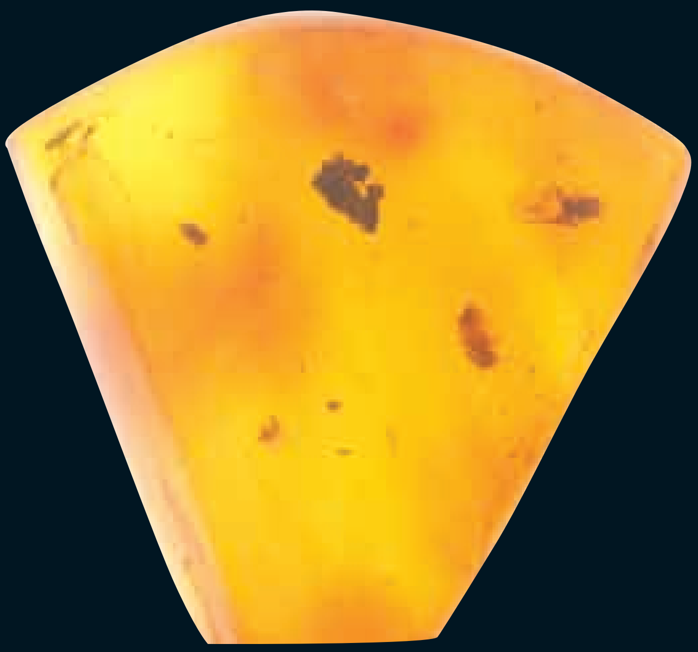

عمر- ۲۵لاکھ سال

کھرباکی پیمائش- ۱۳ملی میٹر (۰-۵ انچ) ضرب۱۲ملی میٹر (۰-۴ انچ)

جائے وقوع- نزدسانٹیا گو، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

سوکڈ جوؤں کی کچھ قسموں کو کہتے ہیں جو کہ چھال کی جوئیں یا کتابلی جوئیں بھی کہلاتی ہیں- لاکھوں پرانے سوکڈ اور دور حاضر کے سوکڈ میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ جاندار نسل تدریجی ترقی کے ہر دعوے کی نفی کرتی ہے-

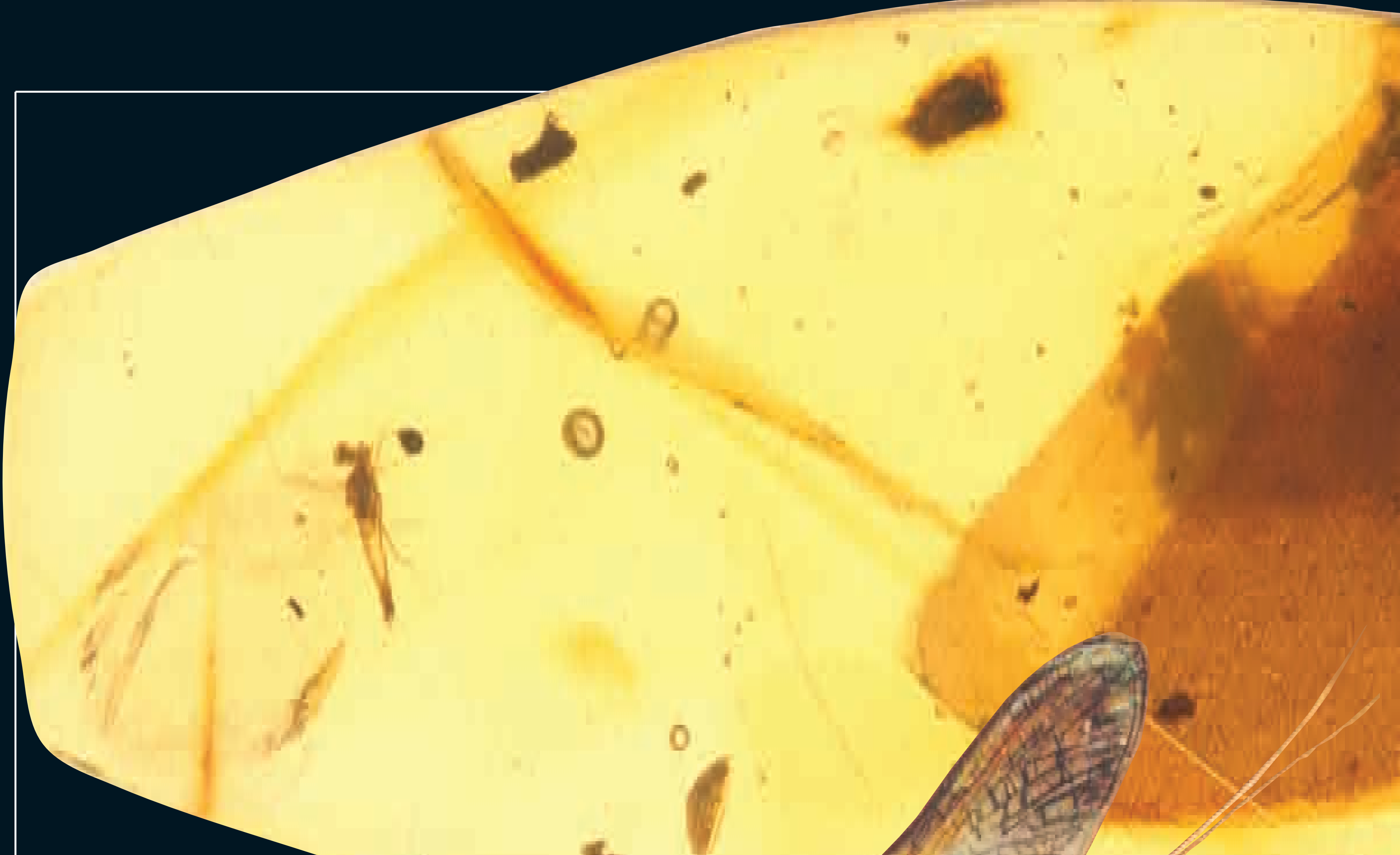

میفلائی/مئی مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال

کہرباکی پیمائش- ۲۵ملی میٹر (۹-۰ انچ) ضرب ۱۶ملی میٹر (۶-۰ انچ)

جائے وقوع- نزد سانٹیاگو، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

دنیا میں آج مئی مکھی کی ۲،۵۰۰ نسلیں موجود ہیں- اگرچہ ان حشروں کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے لیکن اس مختصر عمر حشرے میں بھی لاکھوں سال سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- کوئی بھی جاندار جو لاکھوں سال سے بغیر تبدیلی کے موجود ہے وہ دراصل نظریہ ارتقاءکے خلا ف بھاری ثبوت ہے-

ویول/سرسری

عمر- ۲۵لاکھ سال
کہرباکی پیمائش- ۱۲ ملی میٹر (۰-۴ انچ) ضرب۱۰ ملی میٹر (۰-۳ انچ)
جائے وقوع- نزدسانٹیاگو،ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

سرسری کرکیولیونائڈی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کی ۶۰ہزار سے زیادہ نسلیں ہیں- یہ وہ کیڑا ہوتا ہے جو ذخیرہ کئے ہوئے اناج کو خراب کرتا ہے- کیڑوں کی اس نسل میں بھی فوصلی ریکارڈ کے مطابق لاکھوں سال سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- یہ اپنی اولین ساخت اور خصوصیات کے ساتھ آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف تخلیق کئے گئے ہیں-

موتھ فلائی /پتنگا

عمر-۲۵لاکھ سال
کھربا کی پیمائش- ۱۰ملی میٹر (۳-۰ انچ) لمبا اور ۸ملی میٹر (۳-۰ انچ) چوڑا
جائے وقوع- نزد سانٹیاگو، ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

دور حاضر میں پائے جانے والے پتنگوں اور اس ۲۵لاکھ سال پرانے پتنگے کے فوصلی نمونے میں کوئی فرق نہیں ہے- پتنگے کا یہ فوصل نظریہ ارتقاءکے ہر نظریے کی تردید کرتا ہے-

کرکٹ یا جھینگر کی نسل کا حشرہ

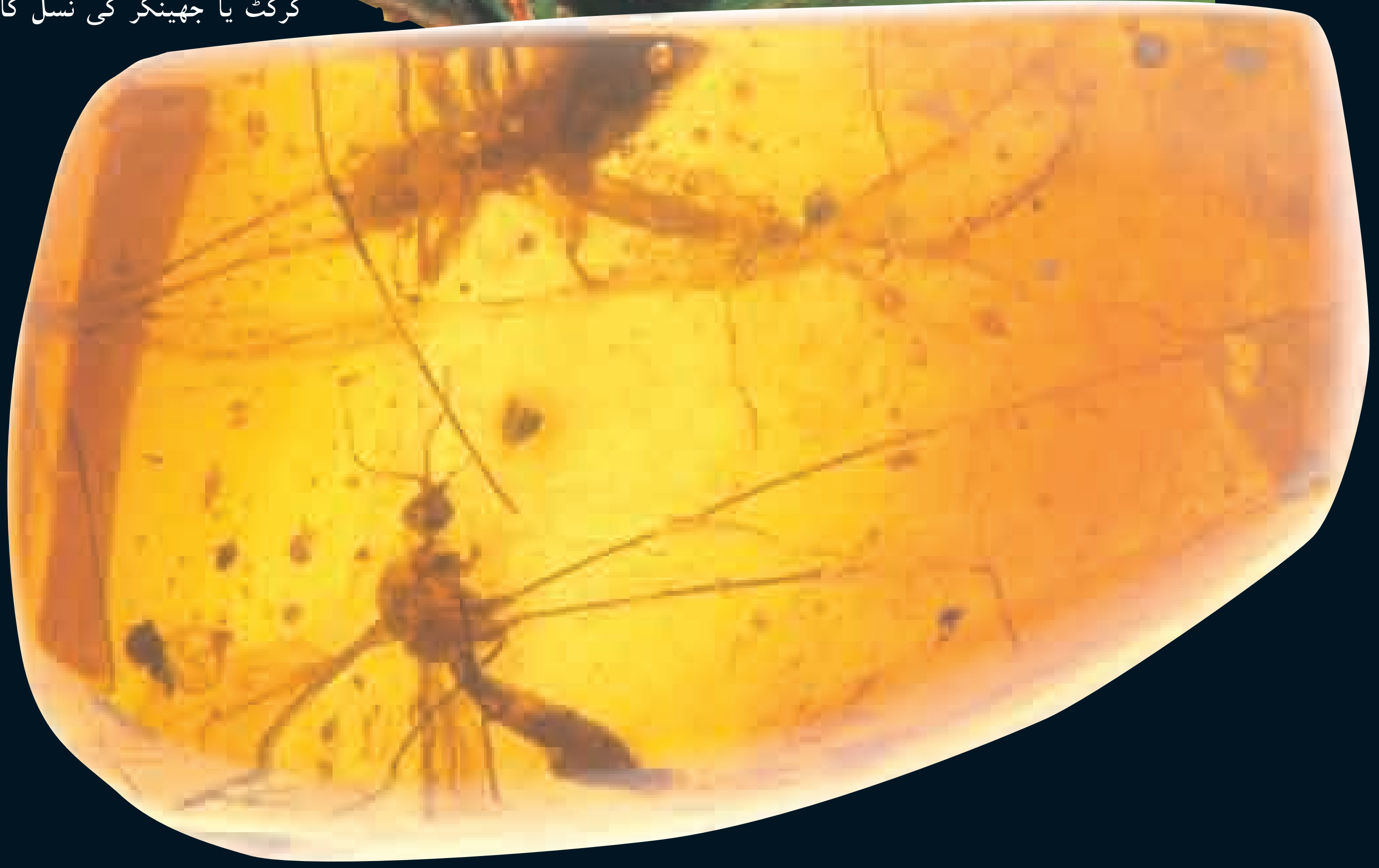

کرکٹ، کرین فلائی/جھینگر، کلنگ مکھیوں کے خاندان کی مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال

کہرباکی پیمائش- ۱۱ ملی میٹر (۴-۰ انچ) لمبا اور ۸ ملی میٹر (۳-۰ انچ) چوڑا

جائے وقوع- نزد سانٹیا گو، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود جھینگر اور مکھی بیک وقت فوصل میں تبدیل ہوئے ہیں -ان کی خصوصیات اور ساخت میں لاکھوں سال سے کوئی فرق نہیں آیا ہے اور یہ حقیقت تدریجی ترقی کے ہر نظریے کو رد کرتی ہے-

ویول/سرسری

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

سرسری لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے- اس کے فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے اندر کسی بھی دور میں تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی- جانداروں کے لاکھوں فوصلی نمونوں میں سرسری کا تصویر میں موجود یہ فوصل بھی بطور ثبوت دنیا کے سامنے موجود ہے-

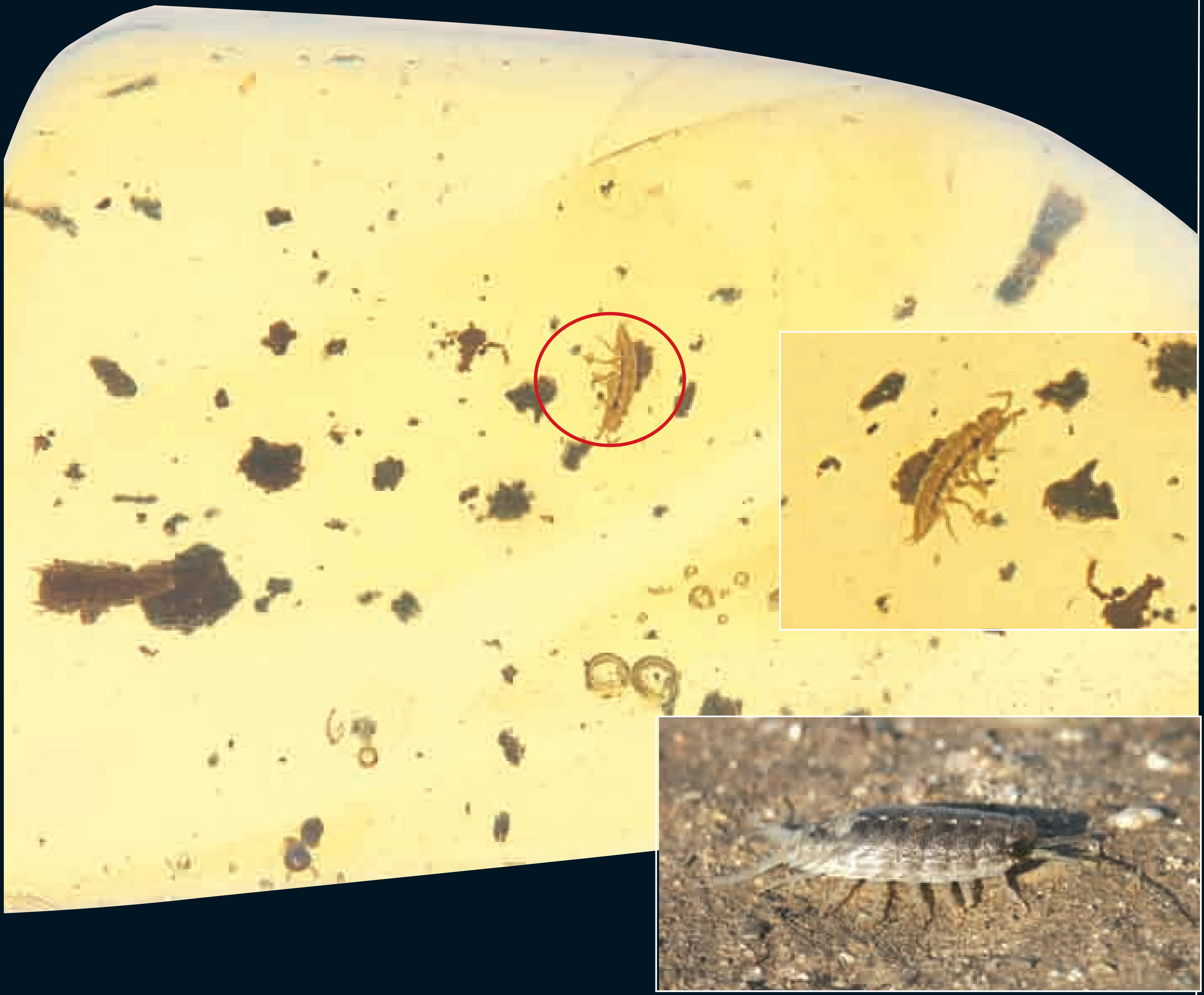

نمفل آئسوپوڈ/ناپختہ شکل کا وہ حشرہ جس کی ٹانگوں کے سات جوڑ ہوتے ہیں۔

عمر۔ ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع۔ ڈومینیکی ریاست
عہد۔ اولیجوسین

جس طرح موجودہ دور کے سات پایہ حشروں اور لاکھوں سال پہلے کے سات پایہ حشروں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح ان حشروں کی ناپختہ شکلوں یا سنڈیوں میں بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اور یہ بھی لاکھوں سالوں سے دنیامیں ایک ہی شکل میں چلی آرہی ہیں۔

جمپنگ پلانٹ لائس/اچھلنے والی روکھ جوں

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- او لیجوسین

روکھ جوں پودوں کے اندر کی رطوبت پر پرورش پاتی ہیں اور اچھل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی ہیں- اس کے فوصل سے ثابت ہے کہ یہ لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیلی کے دنیا میں زندہ ہیں- کہربا میں محفوظ اس لاکھوں سال پرانی روکھ جوں اور ایک زندہ روکھ جوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

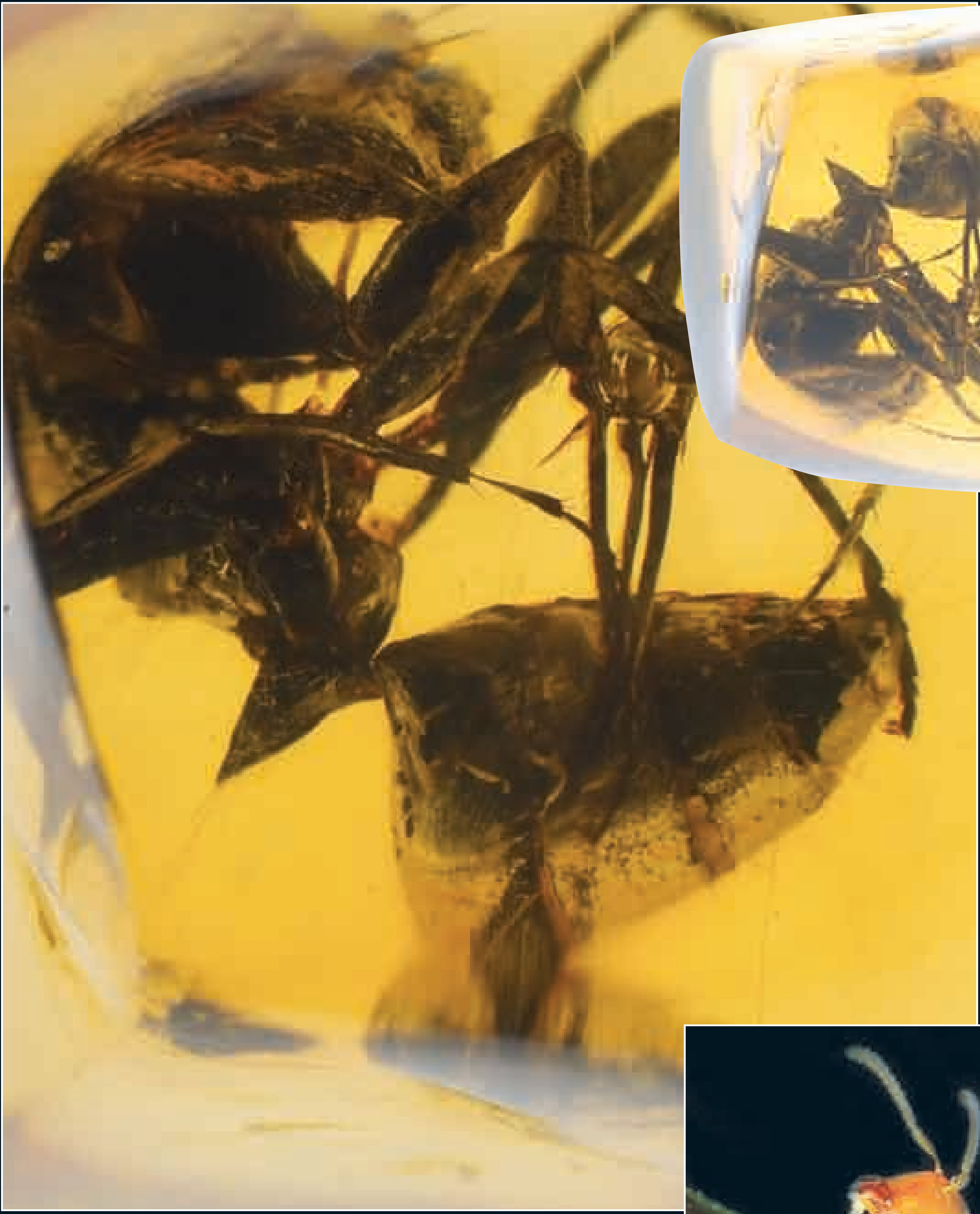

آنٹ/چیونٹی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

چیونٹیاں دنیا میں لاکھوں سال سے بغیر کسی طبعیاتی اور کیمیائی تبدیلی کے موجود ہیں اور نظریہ ارتقاءکے ہر دعوے کی مکمل تردید کرتی ہیں-

آنٹ- چیونٹی

عمر-۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجوداس چیونٹی کی موجودہ شکل اور لاکھوں سال پرانی فوصل شدہ شکل میں کوئی فرق نہیں ہے- کسی بھی فرق کا غیر حاضر ہونا اس دعوے کی مکمل تردید ہے کہ جاندار نسلیں سلسلہ وار تدریجی مرحلوں کے ذریعے اپنی موجودہ ہیئتوں اور ساخت تک پہنچیں-

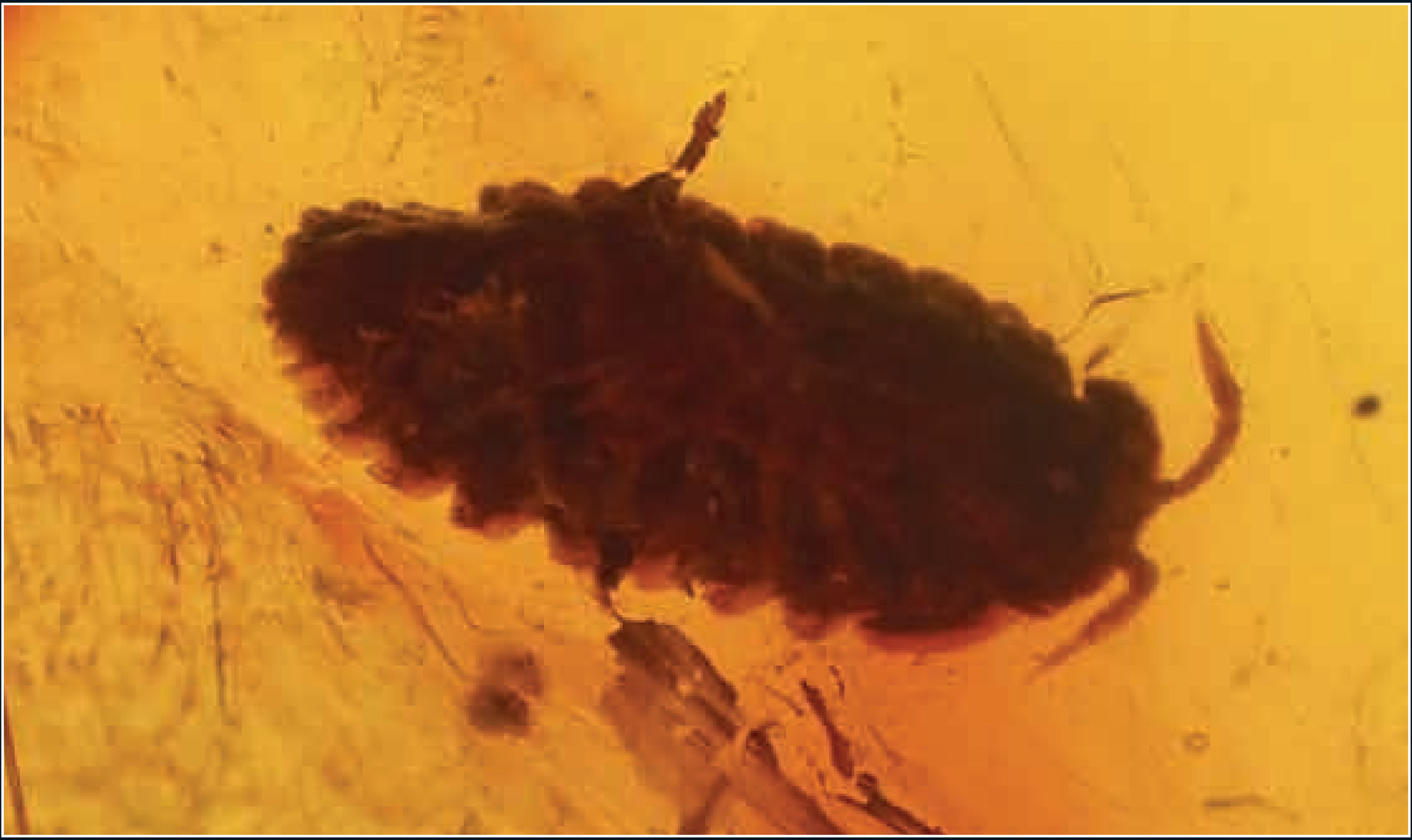

سوبگ/لکڑی میں لگنے والا گھن

مر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

لکڑی میں لگنے والے کیڑے یا گھن کا ۲۵لاکھ سال پرانا کہربا میں محفوظ فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ اس جاندار میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

مائٹ، بارک بیٹل/اکاری درجے کا چھوٹا حشرہ، چھال بھنورا

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود کہربا میں محفوظ چھال بھنورا اپنی پیٹھ پر ایک حشرہ لئے ہوئے ہی فوصل کی شکل اختیار کرگیا ہے- مائٹ ایک اکاری درجے کا چھوٹا حشرہ ہوتا ہے جس کے بلوغ تک پہنچنے تک پیروں کے چار جوڑے ہو جاتے ہیں- ان حشروں اور چھال بھنوروں میں لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے-

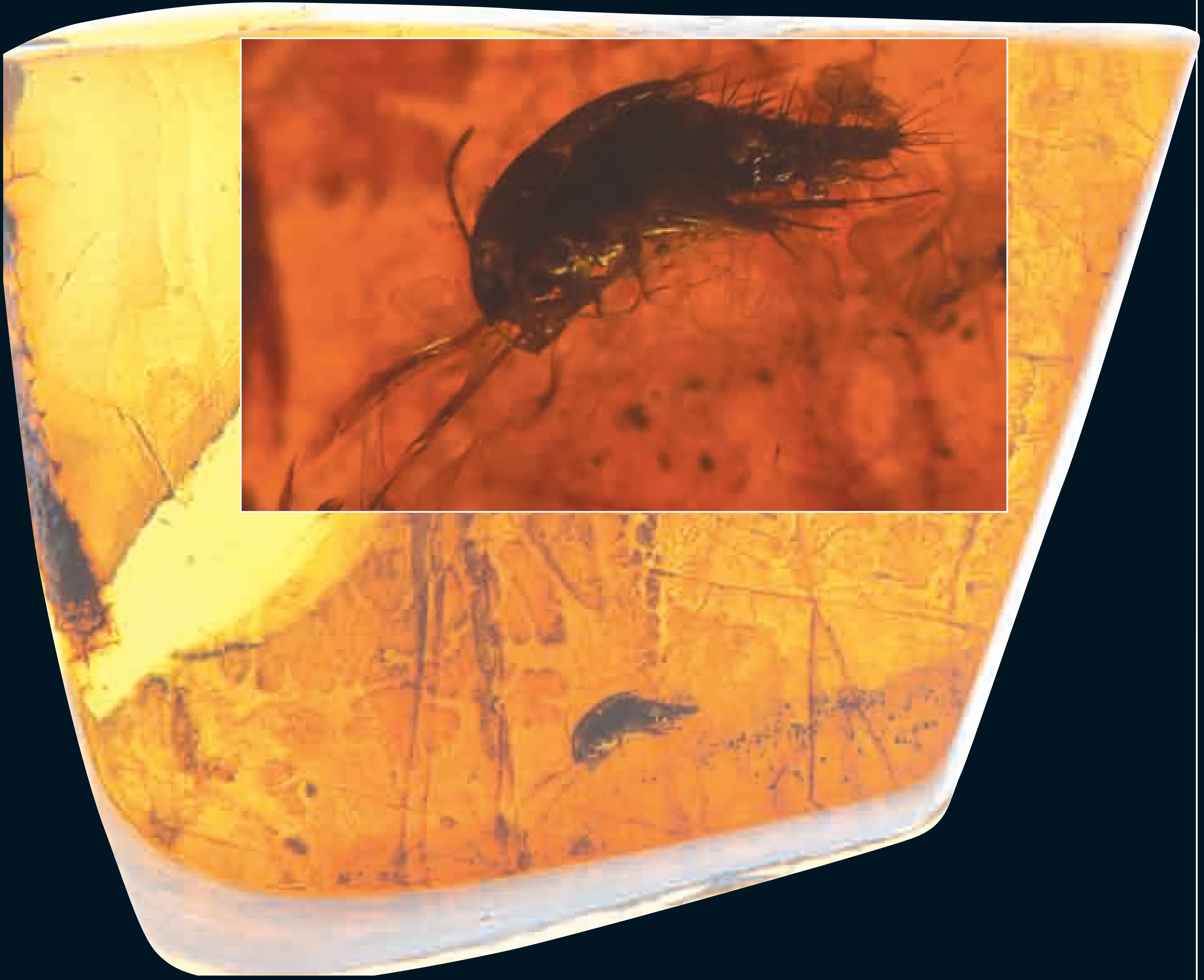

رووبیٹل/گھومتا بھنورا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

۲۵ لاکھ سال پہلے زمین پر موجود گھومتے بھونرے میں اور دورِ حاضر کے اسی نسل کے بھنورے میں کوئی فرق نہیں ہے- ان بھنوروں کا اسی اولین حالت میں ابھی تک موجود رہنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ تدریجی ترقی کے عمل کا کوئی سائنسی وجود نہیں ہے-

اساسن بگ/قاتل حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

دوسرے ہرجاندار کی طرح قاتل حشرے بھی ہمیشہ قاتل حشروں ہی کی شکل میں دنیا میں موجود رہے ہیں- ڈارون کے نظریے کے پیروکاروں کے دعووں کے مطابق یہ کسی اور جاندار نسل سے بذریعہ تدریجی ترقی نمودار نہیں ہوئے- یہ فوصل شدہ ۲۵لاکھ سال پرانا قاتل حشرہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے-

آنٹ لائن /پردار کیڑے

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

آنٹ لائن یاب یا سنجاقک کی قسم کے ٹڈوں کے بمشکل پردار کیڑے ہوتے ہیں- تصویر میں اس کیڑے کا سرکھربا میں محفوظ نظر آرہا ہے اور۲۵لاکھ سال گزرنے کے باوجود دورِ حاضر میں موجود اس کیڑے کا ہوبہو مشابہ ہے-

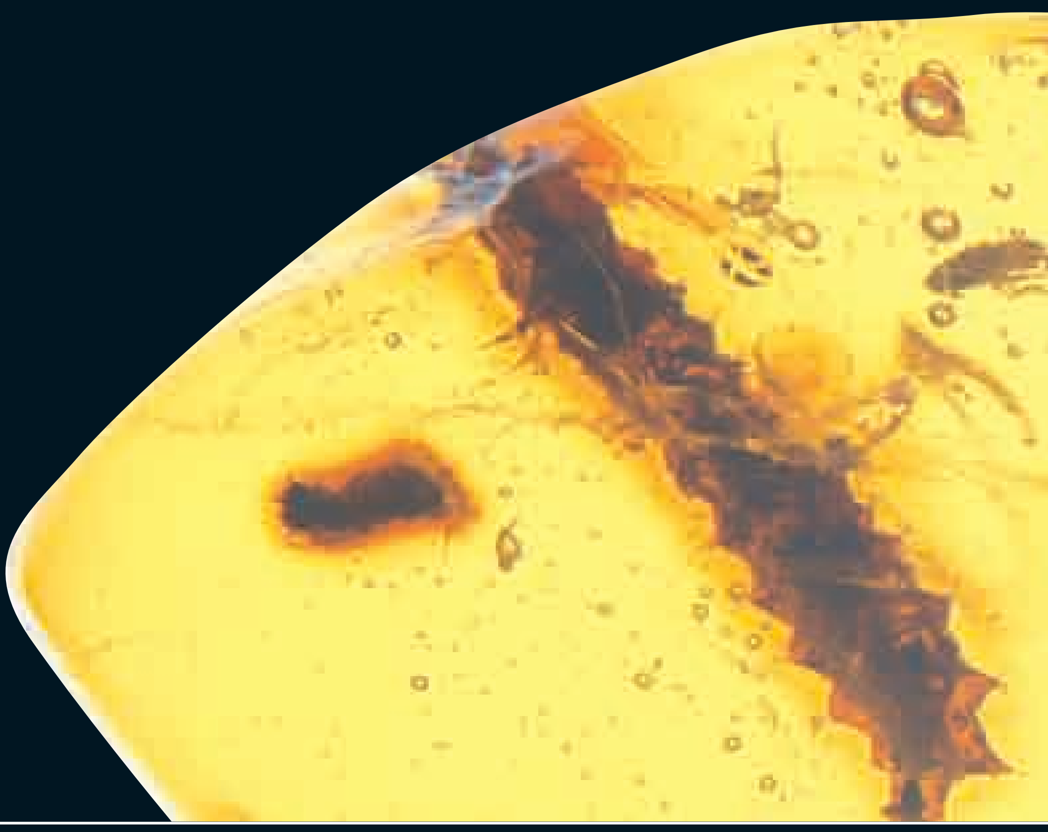

کیٹرپلر/کملی کیڑا

عمر- **۲۵**لاکھ سال

جائے وقوع- ڈوممینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

دوسرے تمام فوصلوں کی طرح کہربا میں موجود فوصل بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں کسی طرح کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ جس لمحے سے تخلیق کے ذریعے وجود میں آئی ہیں اسی اولین شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود ہیں- کملی کیڑے کا یہ فوصل بھی ثابت کرتا ہے کہ کملی کیڑے یا تتلی یا پتنگے کا لاروا یا پھل روپ ہمیشہ اسی شکل اور خصوصیات کے ساتھ دنیا میں قائم چلا آرہا ہے-

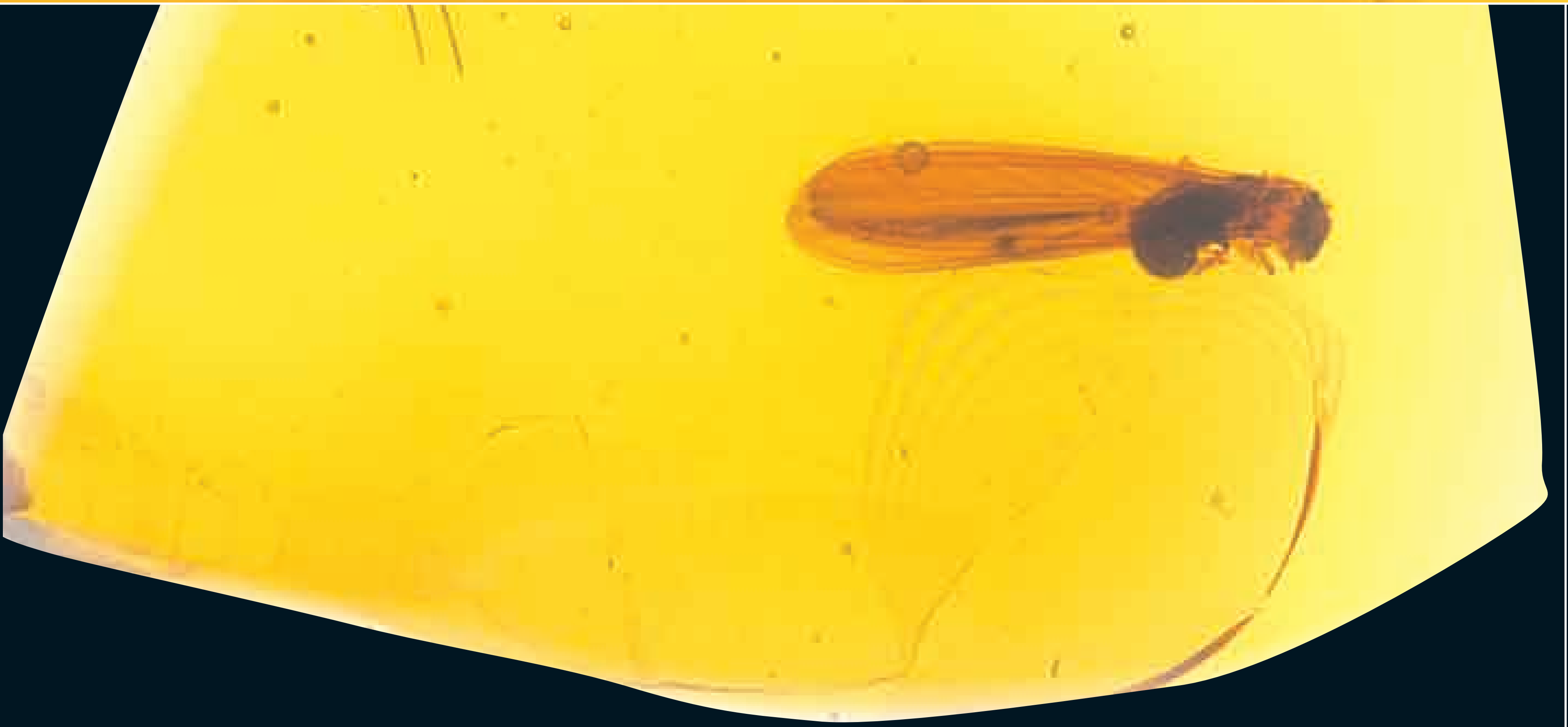

ونگڈ ٹرمائٹ/مچھر، لکڑی کھانے والا پردار حشرہ یا دیمک

عمر- ۲۵لاکھ سال

پیمائش - ۱۹ملی میٹر (۸-۰ انچ) لمبا، ۱۳ ملی میٹر (۵-۰ انچ) زاویہ مستقیم

جائے وقوع- نزدسانٹیاگو، ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

اس تصور میں ایک ۲۵لاکھ سال پرانا پردار لکڑی کھانے والا حشرہ کہربا میں نظر آرہا ہے- اس حیوان نے لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اپنی اصل ساخت کو برقرار رکھا ہے- یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید اور اللہ کی تخلیق کردہ کائنات کی تصدیق کرتی ہے-

فنگس نیٹ/پھپھوند بھنورا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجو سین

اس تصویر میں ایک پھپھوند بھنورے کا فوصل موجود ہے جو کہ ان جانداروں کا لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں رہنے کا ثبوت ہے اور نظریہ تدریجی ترقی کی مکمل تردید کرتا ہے-

پسو کی نسل کا حشرہ اپنے کئی انڈوں کے ساتھ

ڈانس فلائی/ناچتی مکھی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

یہ ۲۵لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ مکھےاں ہمیشہ اسی شکل میں زمین پر موجود رہی ہیں اور کسی اور جاندار کی تدریجی شکل نہیں ہیں- لاکھوں سال پہلے کی اس مکھی اور دورِ حاضر کی اسی مکھی میں کوئی فرق نہیں ہے-

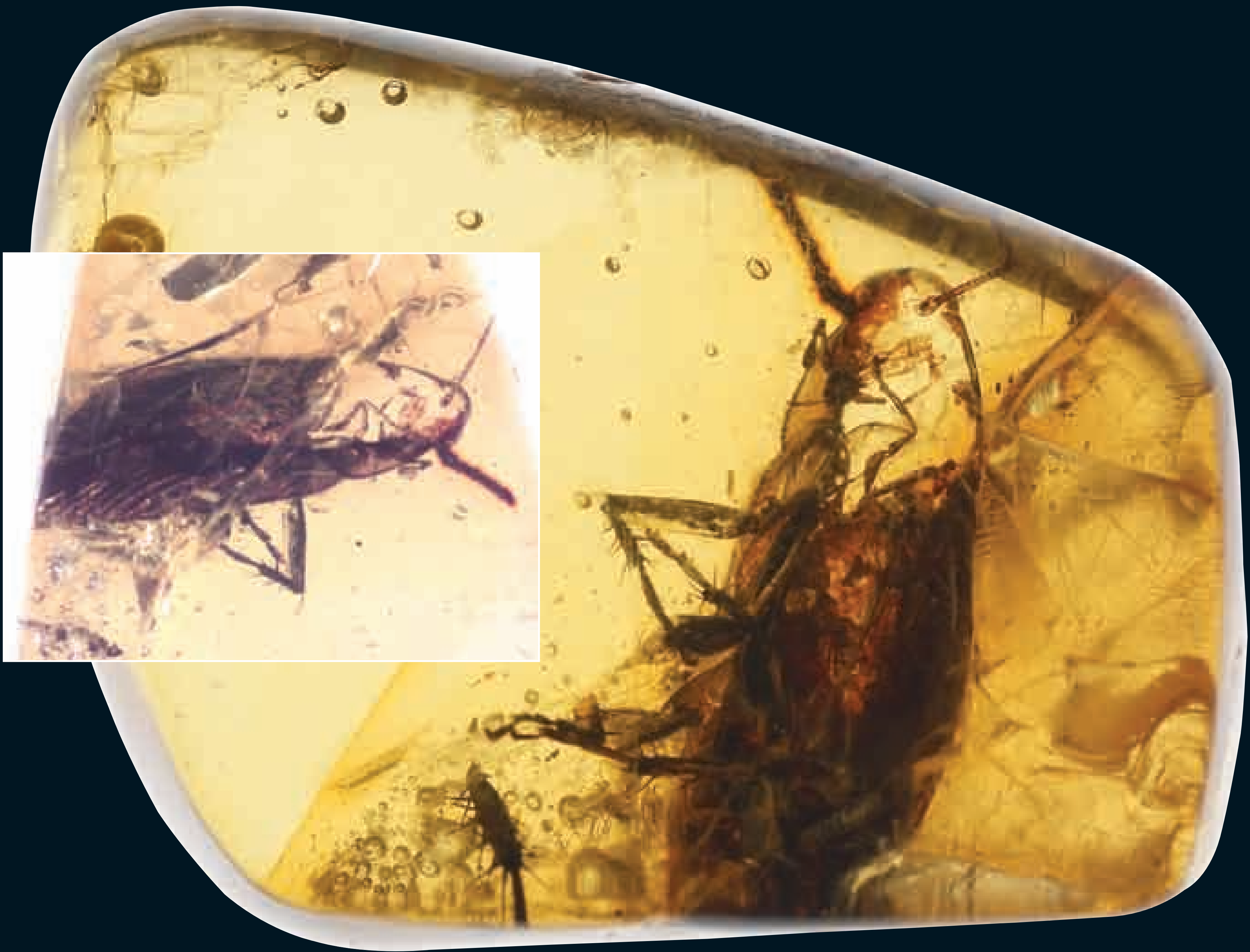

کاکروچ /لال بیگ

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

فوصلی ریکارڈ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ لال بیگ کے اندر لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی یہ حشرے کسی تدریجی ترقی کے عمل سے گزرے ہیں- لال بیگ، لال بیگ ہی کی شکل میں تخلیق کئے گئے ہیں-

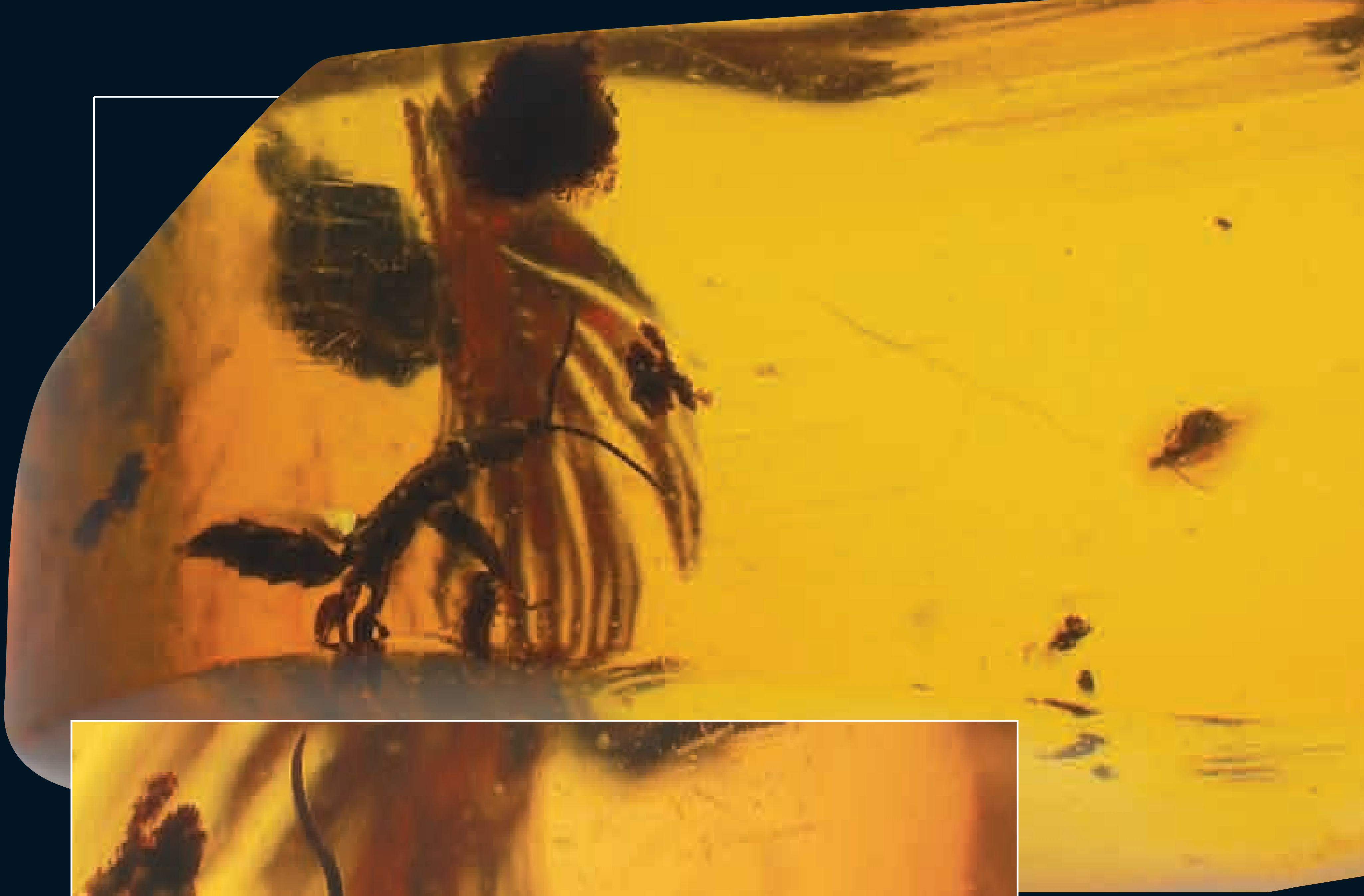

واسپ/ بھڑ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

س تصویر مےں ایک بھڑ کھربا میں قید ہوئی نظر آ رہی ہے- دوسرے تمام فوصلوں کی طرح ان جانداروں کے فوصل بھی نہایت اہم ہیں اور تدریجی ترقی کے خلاف نمایاں ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں-

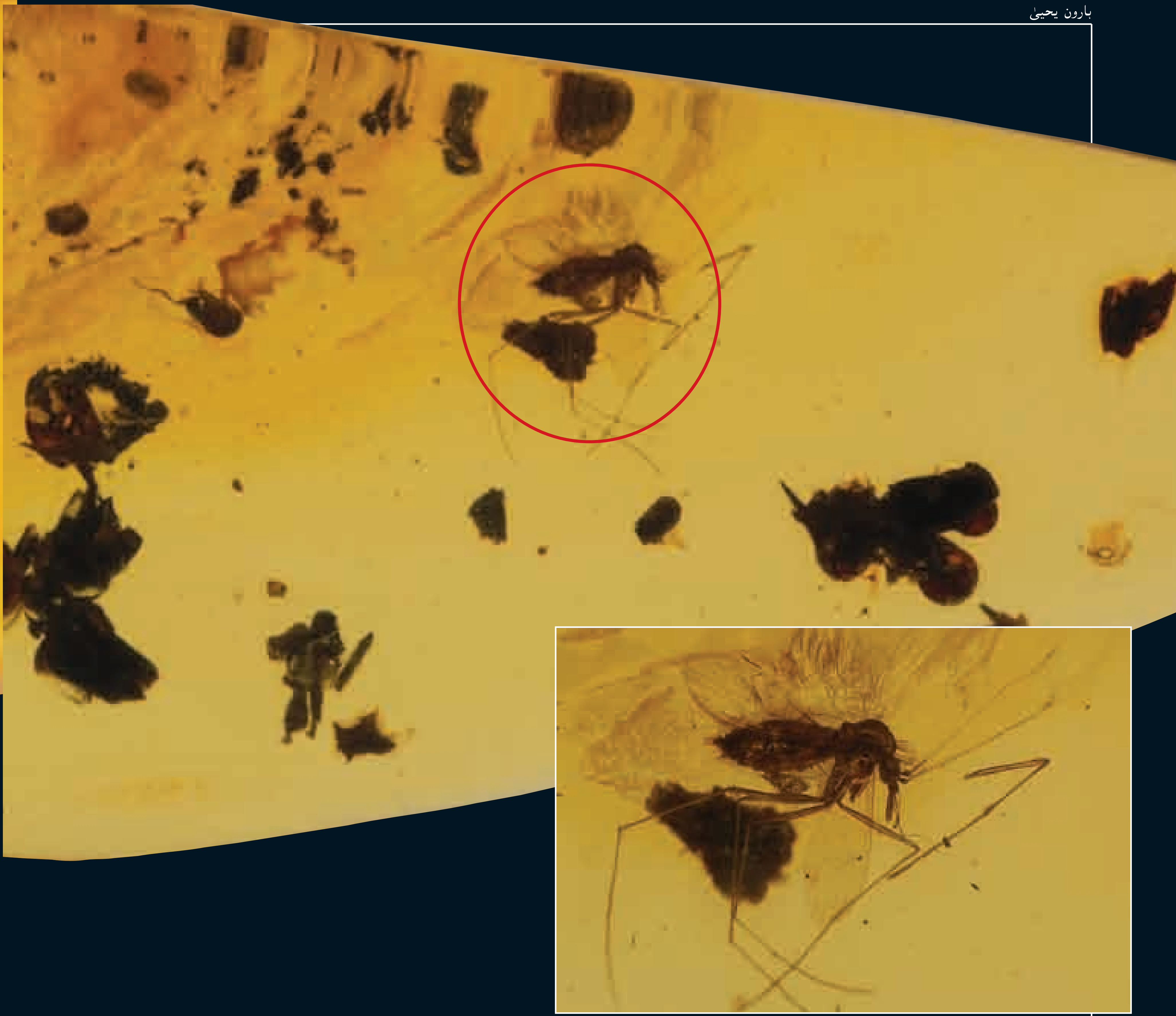

موسیکٹو/مچھر

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

لاکھوں فوصل جو کہ مچھروں کو دنیا کے سامنے ہمیشہ مچھر ہی ثابت کرتے چلے آرہے ہیں ان میں ایک یہ ۲۵لاکھ سال پرانا فوصل بھی شامل ہے- کیڑے مکوڑے بھی دوسرے جانداروں کی طرح کسی تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزرے اور ان کے ملنے والے تمام فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

موسکیٹو یا مچھر

براکونڈ واسپ/براکونڈ بھڑ

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

پیمائش- ۶-۳سینٹی میٹر (۲-۵ انچ)ضرب ۳-۸ سینٹی میٹر (۱-۵ انچ) ضرب ۱-۲سینٹی میٹر (۰-۵ انچ)

عہد- اولیجوسین

کہربا میں محفوظ یہ طفیلی بھڑ ۲۵لاکھ سال پرانی ہے اور اس میں اور دورِ حاضر کی اس بھڑ میں کوئی فرق نہیں ہے- اس بھڑ کا یہ فوصل نظریہ ارتقاءکو ناقص ثابت کرتا ہے-

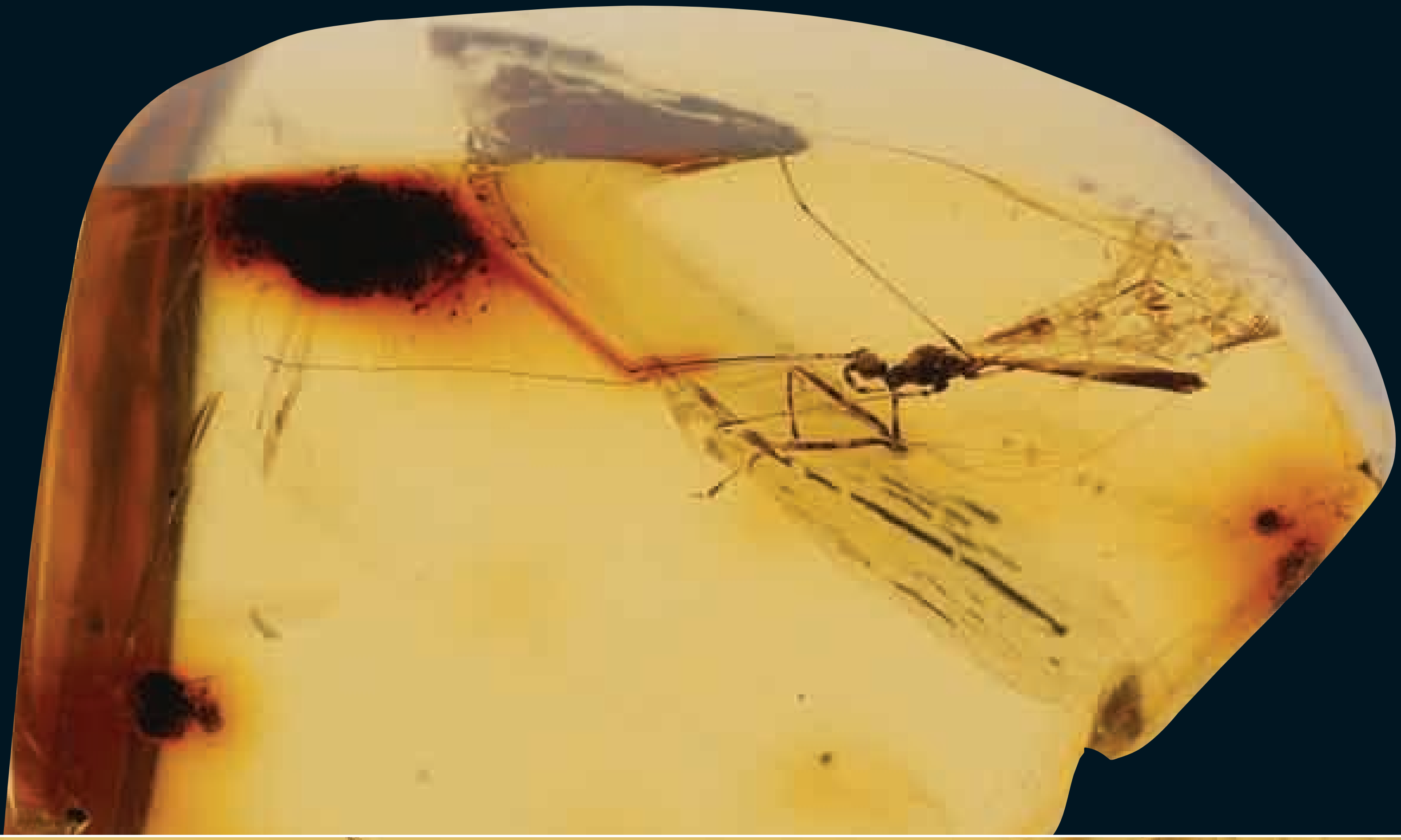

اساسن بگ/قاتل حشرہ

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

تصویر میں موجود کہربا میں فوصل شدہ قاتل حشرہ ۲۵لاکھ سال پرانا ہے- دورِ حاضر کے قاتل حشرے میں اور اس نمونے میں کسی معمولی سے بھی فرق کا نہ ہونا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جانداروں میں کبھی بھی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

اساسن بگ ۓ قاتل حشرہ

اینتھوکورڈبگ/اینتھوکورڈ حشرے

عمر- ۲۵لاکھ سال

جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست

عہد- اولیجوسین

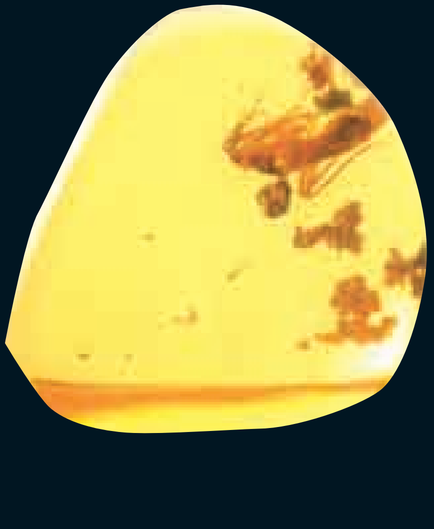

کیڑوں یا حشروں کی یہ نسل عموماً پھولوں کے اوپر اور پتوں کی نچلی سطح پر پائی جاتی ہے -یہ پودوں کے ریشہ لحمی کے اندر اپنے انڈے دیتے ہیں- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان حشروں کی ساخت اور دیگر خصوصیات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے-

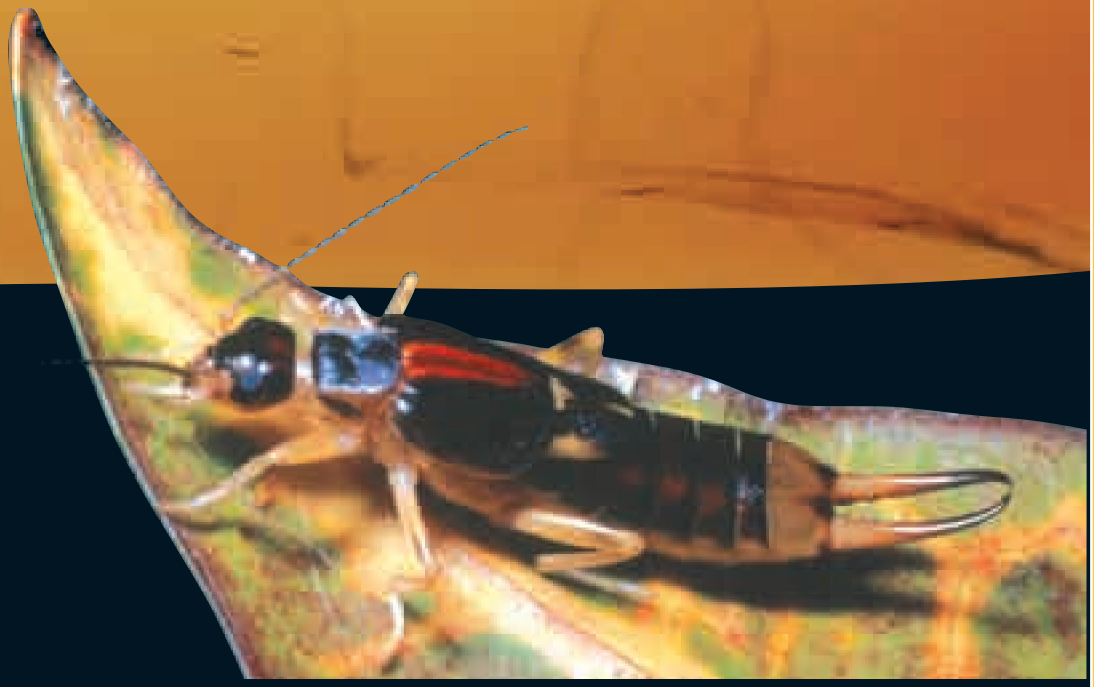

ایئروگ/چھوٹا کنکھجورا

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

یہ چھوٹا کنکھجورا ڈرمیپٹیرہ قسم کا لمبوترا حشرہ ہوتا ہے جس کا سر چمٹے کی طرح دوشاخہ ہوتا ہے- لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے جانداروں کے فوصلوں نے ڈارون کے نظریے کے پیروکاروں کو خاموش کردیا ہے- ان میں سے ایک یہ کہربا میں موجود چھوٹے کنکھجورے کا فوصل بھی ہے جو ثابت کرتا ہے کہ تدریجی ترقی کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے-

کوئن آنٹ/ملکہ چیونٹی

عمر- ۲۵لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

ملکہ چیونٹی ملکہ مکھی کی طرح چیونٹیوں میں بچے پیدا کرنے والی چیونٹی ہوتی ہے اور اس کو چیونٹیوں کی آبادی میں امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے- مزدور چیونٹیاں ملکہ اور اس کے انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں- تصویر میں موجود ۲۵لاکھ سال پرانا ملکہ چیونٹی کا فوصل اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ چیونٹی لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں زمین پر موجود ہے اور اللہ کی تخلیق کا ثبوت ہے-

ونگڈ ٹرمائٹ/دیمک کا کیڑا

عمر- ۲۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- ڈومینیکی ریاست
عہد- اولیجوسین

دیمک کا کیڑا یا لکڑی کھانے والا یہ پردار حشرہ شکلاً چیونٹیوں سے بہت ملتا جلتا ہے لیکن اس کی خصوصیات اور اوصاف چیونٹیوں سے بے حد مختلف ہوتی ہیں- دیمک کے کیڑے اپنی آبادیوں میں لاکھوں سال سے آباد ہیں اور دورِ حاضر میں بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اولین شکل میں موجود ہیں- ۲۵۰لاکھ سال پرانا ان کا فوصل اس بات کے ثبوت کے طور پر موجود ہے- اس فوصل میں موجود کیڑے اور دورِ حاضر کے دیمک کے کیڑوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے- زمین پر موجود آج دیمک کے مزدور کیڑے ۲۵۰ لاکھ سال پرانے دیمک کے کیڑوں کی طرح ایثار پسند طور طریقوں میں مگن نظر آتے ہیں- وہ اپنی آبادی کے لاروا، سپاہیوں اور ملکہ کیڑوں کو کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ اپنی بے انتہا پیچیدہ اور کئی میٹر رقبہ پر پھیلی آبادی کی تعمیر کا کام بھی تندہی سے انجام دیتے چلے آرہے ہیں- گوکہ ان کا جسم بے انتہا چھوٹا اور عام نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن یہ کیڑہ اپنی ساری ذمہ داریاں لاکھوں سالوں سے بخوبی نباہ رہا ہے اور دورِ حاضر میں موجود اس کیڑے میں کسی بھی خاصیت کی کمی نہیں ہے-

نے ظاہر کیا کہ کراٹو کی زمینی طبق میں ان کیڑے مکوڑوں کے فوصل موجود ہیں جن کا تعلق زندگی کے اولین ترین دور سے ہے- ان فوصلوں کی برآمدگی سے کراٹو کو ایک امتیازی زمینی طبق کا مقام دیا گیا ہے- کیڑے مکوڑوں کے قدیم احوال کے علاوہ یہاں سے مکڑیوں، بچھوؤں ، کیکڑوں اور بے حساب نباتاتی نسلوں کے فوصل بھی برآمد ہوئے ہیں- برازیل کے ان اہم فوصلی میدانوں سے ملنے والے لاکھوں سال پرانے فوصل پھر سے اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ نظریہ ارتقاءکایہ دعویٰ کہ تمام جاندار سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے ایک مشترکہ پرکھے سے وجود میں آئے ہیں،ایک بے بنیاد اور سراسر غیر سائنسی دعویٰ ہے- فوصل اس نظریے کی مکمل تردید کرتے ہیں،کہ جاندار نسلیں تدریجی ترقی سے وجود میں آئیں - تمام فوصلی نمونے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں-

نوواالولنڈا کی پتھر کی کان جہاں سے کئی فوصل دریافت ہوئے ہیں-

کراٹو کی زمینی طبق سے نکلنے والا چونے کا پتھر جس کے اندر کئی فوصلی نمونے موجود ہیں-

سانٹانا سے ملنے والے لاتعداد فوصل ثابت کرتے ہیں کہ جانداروں کے اندر لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے-

جنوبی امریکہ کے ملک برازیل میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

جنوبی امریکہ میں واقع ملک برازیل کی ارضیاتی ساخت جنوبی امریکہ کی سطح مرتفع کی مشابہ ہے- اس ملک کی تقریباً آدھی پتھریلی زمینی طبق پری کیمبرین عہدکی۴۳لاکھ سے۴-۶ کروڑ سال پرانی ہے- برازیل کی نچلی طبقاتی ترتیب قلبائی اور آتشیں پتھروں کی ہے جن کے اوپر کی سطح تہ نشین پتھروں سے بنی ہوئی ہے- ان میں سے کچھ تہ نشین پتھر پری کیمبرین عہد کے جبکہ کچھ حالیہ دور کے ہیں-

پری کیمبرین دور کے بڑی تعداد میں ملنے والے خوردبینی فوصلوں کے خطے سان فرانسسکو علاقے کے پتھروں میں ملے ہیں اور خردحیاتی جانداروں پر مشتمل ہیں- اس علاقے کے علاوہ برازیل کے دوسرے دو نمایاں فوصلی میدان سانٹانا اور کراٹو کے زمینی طبقے ہیں- سانٹانا کی زمینی طبق آرارائپ کی مدور وادی میں واقع ہے اور اس سے دریافت ہونے والے زیادہ تر فوصل ۶۵سے۱۴۶ لاکھ سال پرانے کریسٹیشس عہد کے ہیں -سانٹانا کی زمینی طبق کی سب سے نمایاں خصوصیت اس سے برآمد ہونے والے ۲۵ سے زائد نسل کی مچھلیوں کے بہترین طریقہ سے محفوظ فوصلی نمونے ہیں- اس کے علاوہ سانٹانا کی زمینی طبق دیگر رینگنے والے غیر فقاری اور بربحری جانوروں اور نباتی فوصلی نمونوں میں بھی ذرخیز ہے-

حالیہ وقت تک کراٹو کی زمینی طبق کو سانٹانا کی زمینی طبق کا ہی ایک حصہ سمجھا جاتا تھا لیکن مزید ارضیاتی تحقیق

۳۱۰ارارائپ کے علاقے میں تحقیق کے دوران۲۵ سے زائد مچھلیوں کی نسلوں کے بہترین طریقے سے محفوظ فوصل دریافت ہوئے ہیں-

ارارائپ کے علاقے کا سب سے مشہور فوصلی خط سیارا میں واقع ہے-

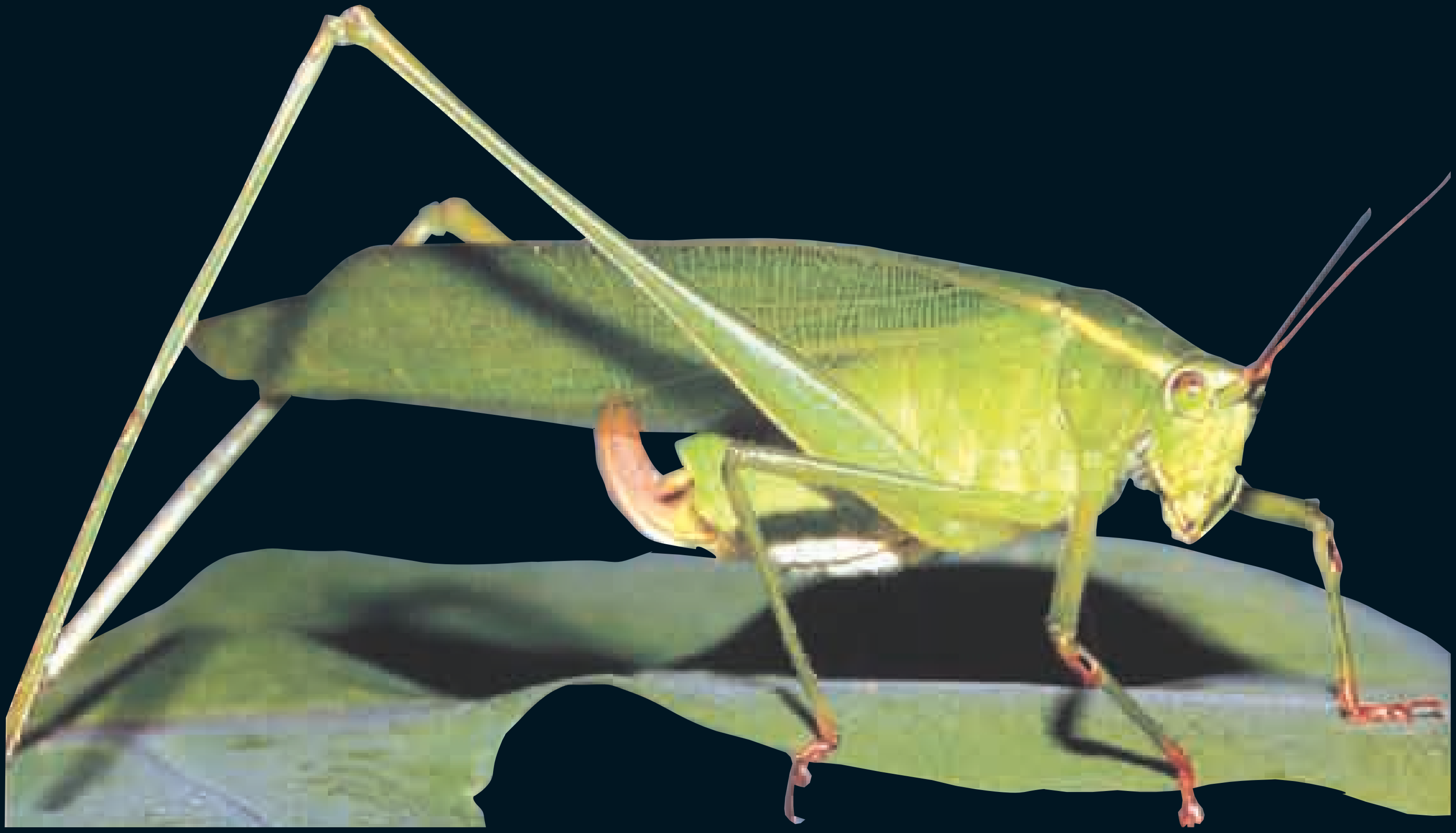

بش کرکٹ/جھاڑی کا جھینگر

عمر- ۱۲۸ لاکھ سال

پروں کے ساتھ پیمائش- ۱۵ملی میٹر (۵-۰ انچ) مکمل

سطر بندی- ۱۱۰ملی میٹر (۳-۴ انچ) x۱۰۰ملی میٹر(۹-۳ انچ)

جائے وقوع- سیارا، برازیل

زمینی طبق-سانٹاناکی زمینی طبق

عہد-نچلاکریٹیشس، بالائی آپٹین سینومانین

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۹۲ سے ۱۰۸ لاکھ سال
پروں کے ساتھ پیمائش- ۲۳ ملی میٹر (۹-۰ انچ)
سطر بندی- ۱۲۸ملی میٹر (۵ انچ)ضرب ۱۲۸ملی میٹر(۵ انچ)
جائے وقوع- نوواالونڈا ممبر، سیارا، برازیل
زمینی طبق- کراٹوکی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس، بالائی آپٹین سینومانین

برازیل کی آرارائپ مدوروادی زبرست تعداد میں نہایت تفصیلی سہ ابعادی آغازی کریٹیشس فوصلوں کا مسکن ہے- تصویر میں موجود فوصل میں لال بیگ کے سر اور پروں میں رگوں کے جال کا تفصیلی معائنہ کیا جا سکتا ہے -۹۲سے ۱۰۸لاکھ سال پرانے لال بیگ میں اوردور حاضر کے لال بیگ میں کوئی فرق نہیں ہے - یہ فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

فلائی/مکھی

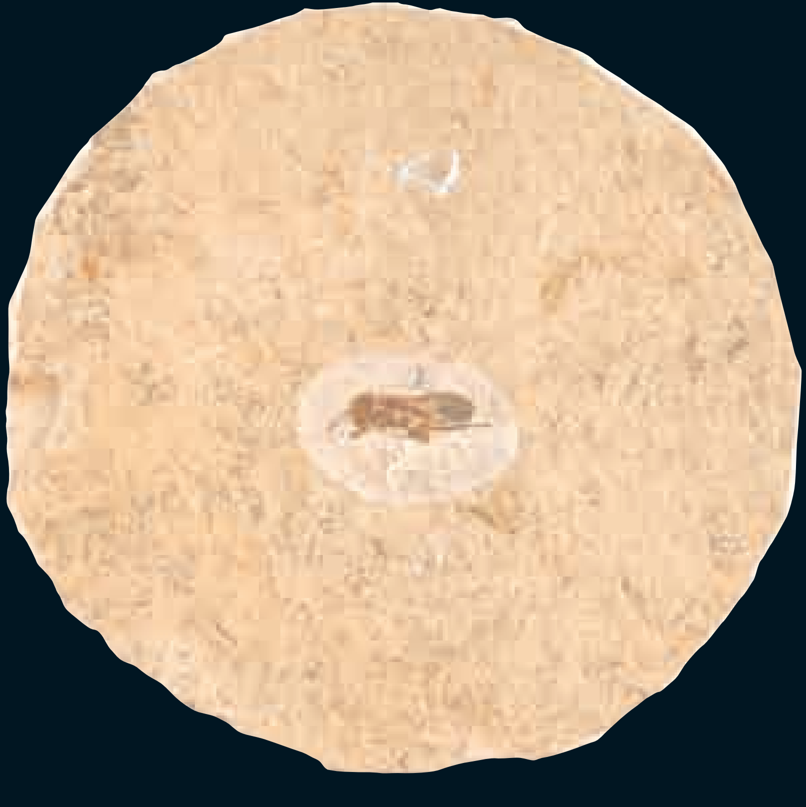

عمر- ۱۲۵ لاکھ سال
لمبائی- ۹-۱سینٹی میٹر (۷۵-۰ انچ)
سطر بندی- ۹۰ ملی میٹر (۵-۳ انچ)
موٹائی- ۵ ملی میٹر(۲-۰ انچ)
جائے وقوع- آرارائپ مدور وادی، برازیل، جنوبی امریکہ
زمینی طبق- نوواولنڈا ممبر، کراٹو کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس

فوصلی ریکارڈ کے مطابق پروں والے کیڑے مکوڑے بے پر کے کیڑے مکوڑوں کے ساتھ ہی نمودار ہوئے تھے- ان کی یہ بیک وقت نموداری ایسے ہر دعوے کو رد کرتی ہے کہ بے پروالے کیڑے مکوڑے بسلسلہ تدریجی ترقی پروں والے کیڑوں میں تبدیل ہوگئے- اس فوصل میں موجود مکھی سائنسی تاریخ کی ایسی ایک اور دریافت ہے جو کہ نظریہ ارتقاءکے ہر دعوے کو جھٹلاتی ہے-

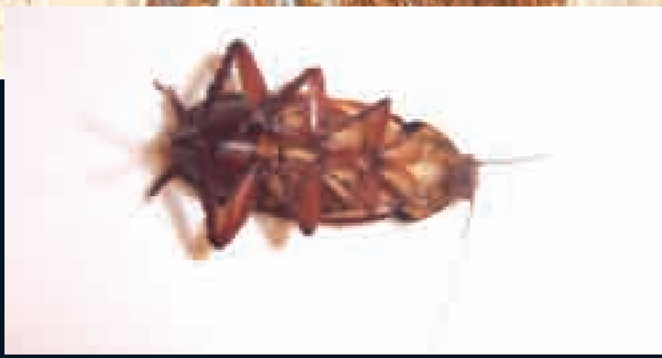

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال
پیمائش- 8.8سینٹی میٹر (۳-۵ انچ)ضرب ۱-۹ سینٹی میٹر (۳-۶ انچ)
زمینی طبق- سانٹاناکی زمینی طبق
جائے وقوع - سراڈی آرارائپ، برازیل
عہد- کریٹیشس

یہ ۶۵ سے ۱۴۶لاکھ سال پرانا لال بیگ دورِ حاضر کے لال بیگ کا عین مشابہ ہے- لال بیگ نے لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اپنی ساخت اور خصوصیات برقرار رکھی ہیں اور ثابت کردیا ہے کہ تدریجی ترقی کسی بھی زمانے میں اس کی نسل میں واقع نہیں ہوئی-

گراس ہاپر /ٹڈا

عمر- ۹۲ سے۱۰۸لاکھ سال

پیمائش - ۳۰ ملی میٹر

محاسوں کی جوڑی کے ساتھ- ۷۵ ملی میٹر (۹-۲ انچ)

سطر بندی- ۱۱۰ ملی میٹر (۳-۴ انچ) ضرب ۱۰۰ ملی میٹر (۹-۳ انچ)

جائے وقوع- نوواوانڈارکن، سیارا، برازیل

زمینی طبق - کراٹو کی زمینی طببق

عہد- نچلا کریٹیشس، بالائی آپٹین سینومینین

یہ۹۲ سے ۱۰۸ سال پرانا ٹڈے کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ ٹڈے ہمیشہ ٹڈوں کی ہی شکل میں دنیا میں موجود ہیں- یہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ باقاعدہ تخلیق کئے گئے ہیں-

فارفش/سوامچھلی

عمر- ۱۱۰ لاکھ سال
پیمائش- ۴۸سینٹی میٹر(۸-۱ انچ)
جائے وقوع- برازیل
زمینی طبق- ساٹاناکی زمینی طبق
عہد- کریٹیشس

سوا مچھلی ان بے شمار جاندار نسلوں میں سے ایک ہے جو کہ نظریہ ارتقاءکو مکمل طور پر ناقص اور مفلوج قراردے دیتی ہیں- سوا مچھلی بلوندا خاندان کی سمندری مچھلی ہوتی ہے جس کا منہ چونچ جیسا اور دانت تیز ہوتے ہیں -اس کے پرچکنے اور چمکدار ہوتے ہیں- یہ جوراسک دور کی سب سے قدیم نسلوں میں سے ایک ہے اور لاکھوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی سمندروں میں اسی اولین شکل میں موجود ہے- اس مچھلی کا ۱۱۰ لاکھ سال پرانا فوصل ہمیں بتاتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی ہے-

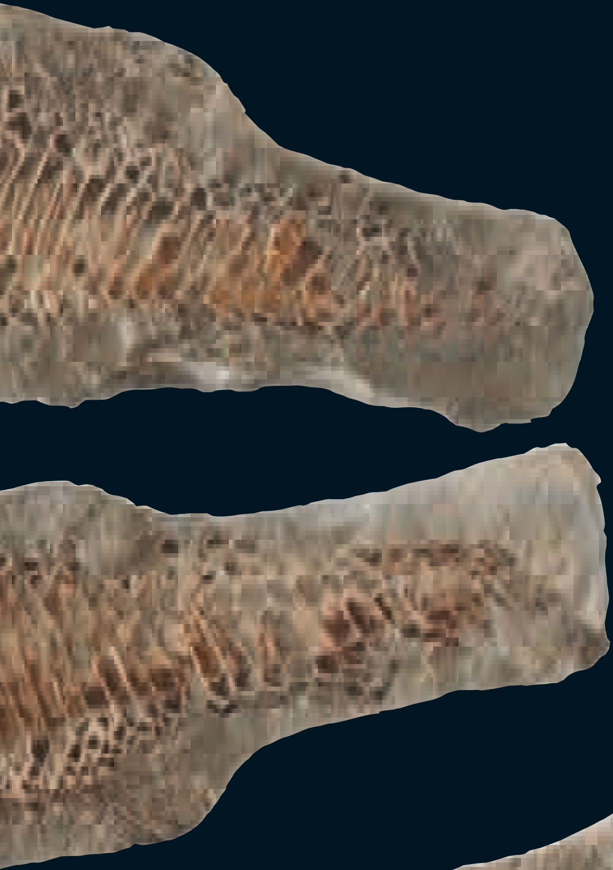

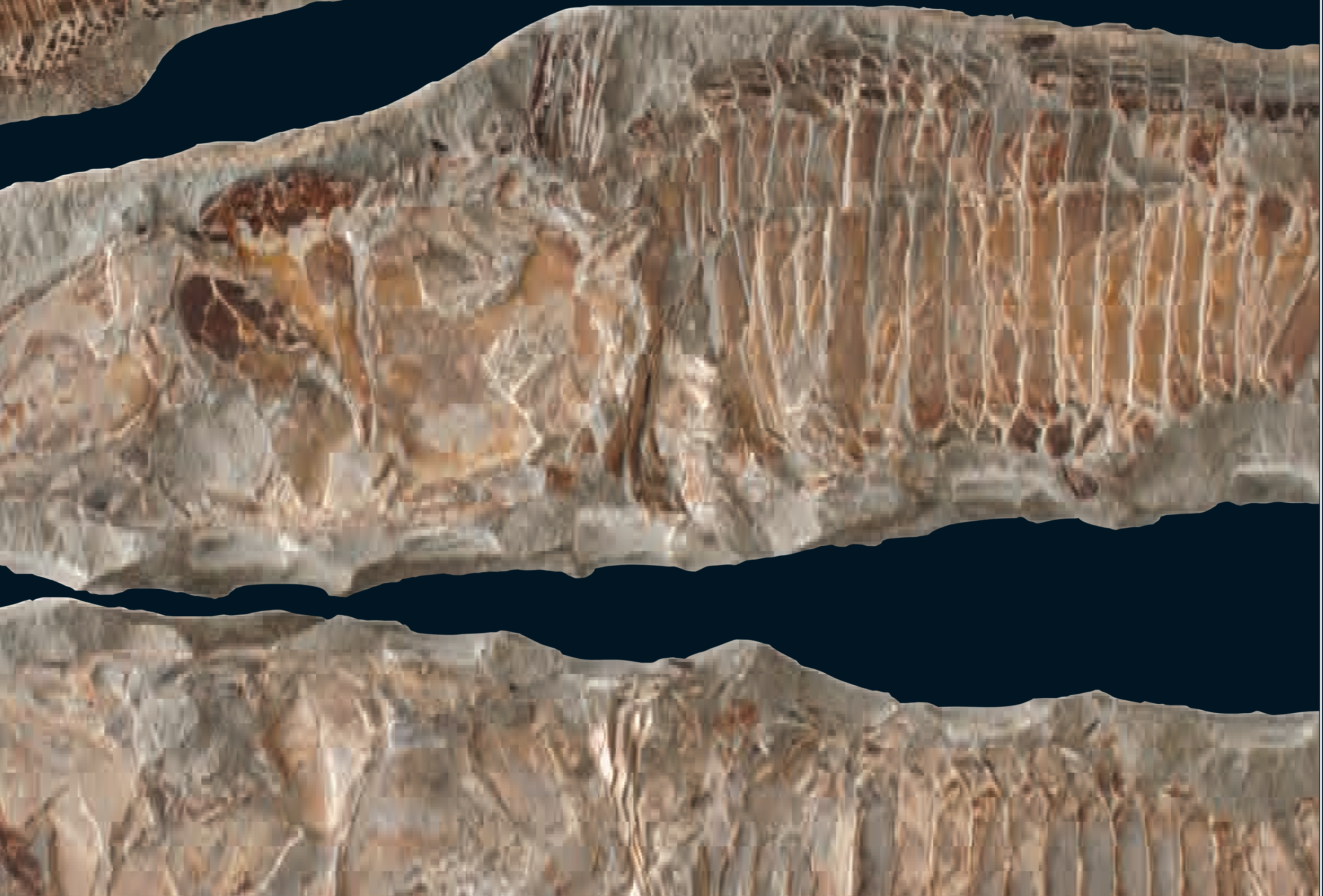

کچھ جاندار اپنے نشانات فوصل کی صورت میں پتھروں کے دو برابر حصوں پر چھوڑتے ہیں۔
بچھو کا ۱۱۰لاکھ سال پرانا یہ نمونہ ایسے ہی فوصل کا ایک ثبوت ہے۔

اسکارپین/بچھو

عمر- ۱۱۰ لاکھ سال
پیمائش- ۲۶ ملی میٹر (۱ انچ)
جائے وقوع- اراراٹپ، برازیل
زمینی طبق- سانٹانا کی زمینی طبق
عہد- کریٹیشس، آپٹین

بچھو کا سب سے قدیم ملنے والا فوصل ۳۲۰لاکھ سال پرانا ہے۔ تصویر میں موجود فوصل کی عمر ۱۱۰ لاکھ سال ہے لیکن نہ صرف ۳۲۰ لاکھ سال اور ۱۱۰ لاکھ سال پرانے فوصل اس کو ایک ہی شکل میں ظاہر کرتے ہیں بلکہ یہ فوصلی نمونے دورِ حاضر میں موجود بچھو کے عین ہم شکل ہیں۔ لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیلی کے زندہ رہنے والی یہ نسل تخلیق کا مضبوط ثبوت ہے۔

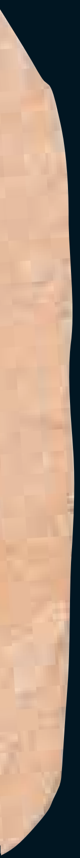

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۹۲ سے ۱۰۸ لاکھ سال
پیمائش- ۲۵ ملی میٹر (۹-۰ انچ)
سطر بندی- ۹۰ ملی میٹر (۵-۳ انچ)ضرب ۱۱۳ ملی میٹر (۴-۴ انچ)
جائے وقوع- نوواولنڈارکن، سیارا، برازیل
زمینی طبق- کراٹو کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس، بالائی آپٹین سینومینین

دوسرے جانداروں کے فوصلوں کی طرح لال بیگ کا یہ فوصل بھی نظریہ ارتقاءکو محض ایک خام خیالی ثابت کرتا ہے- اس ۹۲سے ۱۰۸ لاکھ سال پرانے فوصل میں موجود لال بیگ دورِ حاضر کے لال بیگ سے بالکل مختلف نہیں ہے-

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۱۲۸ لاکھ سال

ٹانگوں سمیت پیمائش- ۱۸ملی میٹر

سطر بندی- ۱۱۰ ملی میٹر (۴-۳ انچ) ضرب ۹۳ملی میٹر (۶-۳ انچ)

جائے وقوع- سیارا، برازیل

زمینی طبق- سانٹانا کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

اگر کوئی جاندار لاکھوں سال گزرنے اور ہر طرح کی ماحولیاتی تبدیلیوں کے باوجود اپنی اصل ساخت اور خصوصیات کو برقرار رکھے تو اس کے متعلق یہ کہنا ناممکن ہے کہ وہ تدریجی ترقی کے کسی دور سے گزرا ہے- نہ صرف لال بیگ کا یہ فوصل بلکہ دوسرے جانداروں کے لاکھوں کی تعداد میں ملنے والے فوصل اس اہم نکتے کی طرف انسانی ذہن کو مبذول کرتے ہیں اور تخلیق کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں-

اکواٹک بیٹل/آبی بھنورا

عمر- ۹۲سے ۱۰۸ لاکھ سال
پیمائش- ۲۶ ملی میٹر
سطر بندی- ۱۱۵ملی میٹر (۴-۵ انچ)ضرب ۱۰۲ملی میٹر
جائے وقوع- نوواالونڈارکن، سیارا، برازیل
زمینی طبق- کراٹوکی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس، بالائی آپٹین سینومینین

آبی بھنورے اپنی زیادہ تر زندگی پانی کے اندر گزارتے ہیں- شمالی امریکہ میں ان کی۵۰۰ نسلیں اور پوری دنیا میں تقریباً ۵۰۰۰ نسلیں پائی جاتی ہیں- پانی کی سطح کے اوپر قید کئے گئے ایک ہوا کے بلبلے کے ذریعے وہ پانی کے اندر رہ کر سانس لیتے ہیں- ان کا یہ بہترین اور نہایت پیچیدہ نظام حیات لاکھوں سالوں سے تبدیل نہیں ہوا- فوصل میں موجود آبی بھنورا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لاکھوں سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے اور کسی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزرا-

گراس ہاپر/ٹڈا

عمر- ۹۲ سے ۱۰۸ لاکھ سال
جائے وقوع- اراراِئپ کی مدوروادی، سیارا، برازیل
زمینی طبق- کراٹو کی زمینی طبق
عہد- کریٹیشس،میسوزوئک عہد

تصویر میں موجود ٹڈے کا فوصل ۹۲ سے۱۰۸لاکھ سال پرانا ہے- دوسرے تمام حشرات کی طرح جو کہ لاکھوں سال سے زمین پر اپنی اصل حالتوں میں موجود ہیں اس ٹڈے کا فوصل بھی نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ جاندار نسلیں کسی بھی حیاتی دور میں تدریجی ترقی سے نہیں گزریں-

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۱۲۵ لاکھ سال

پیمائش- ۲-۵ سینٹی میٹر (۱ انچ)

لمبائی/سطربندی- ۱۱-۵ سینٹی میٹر (۴-۵ انچ)ضرب ۱۱۵سینٹی میٹر (۴-۵ انچ) زاویہ مستقیم

موٹائی- ۰-۷ سینٹی میٹر (۰-۲ انچ)

جائے وقوع- ارارائپ کی مدور وادی، برازیل

زمینی طبق- نوواولنڈا رکن، کراٹوکی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

لال بیگ بھی ان لاتعداد حشروں میں سے ایک ہے جو لاکھوں سال گزرنے کے باوجود بھی کسی تبدیلی کا شکار نہیں ہوئے- ان کے ملنے والے کچھ فوصل ۳۲۰لاکھ سال پرانے بھی ہیں- لال بیگ کے فوصل کا نظریہ ارتقاءکے اوپر جو اثر ہوتا ہے وہ رسالہ "فوکس" میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "بطور نظریہ دیگر عناصر جیسے کہ بدلتے ہوئے بیرونی احوال، دشمن جاندار نسلیں، اور مخالف جاندار نسلوں کے درمیان مقابلے کے نتیجے میں قدرتی انتخاب کا عمل ظاہر ہوجانا چاہئے تھا -یعنی کہ نہ صرف جینیاتی تبدیلی کے ذریعے جانداروں کا انتخاب ہوجانا چاہئے تھا بلکہ لاکھوں سال گزرنے کی بناءپر ان نسلوں میں مزید تبدیلیاں رونما ہوجانی چاہئے تھیں -لیکن حقیقت اس صورتحال کے بالکل مترادف ہے- لال بیگ ہی کی مثال لے لیجئے -یہ بہت تیزی سے بچے پیدا کرتا ہے اور اس کی حیات کا دورانیہ بہت مختصر ہے لیکن اس کے باوجود یہ تقریباً ۲۵۰لاکھ سال سے ایک ہی ہیئت اور ساخت کے ساتھ دنیا میں موجود ہے (کل ڈی ساک آف ایوولوشن: لیونگ فوصل، رسالہ فوکس، اپریل۲۰۰۳)

گراس ہاپر/ٹڈا

عمر- ۱۲۵ لاکھ سال

پیمائش- ۲سینٹی میٹر (۸-۰ انچ)

سطربندی/زاویہ مستقیم- ۵-۱۰سینٹی میٹر(۴.۴ انچ) ضرب ۵-۷سینٹی میٹر (۹-۲ انچ)

موٹائی- ۵-۰ سینٹی میٹر (۲-۰ انچ)

جائے وقوع- ارارائپ کی مدور وادی، برازیل، جنوبی امریکہ

زمینی طبق- نوواولنڈا رکن، کراٹوکی زمینی طبق

عہد - نچلا کریٹیشس

ٹڈے آرتھاپٹیرانظام کا حصہ ہیں اور لاکھوں سالوں سے یکساں ساخت کے ساتھ فوصلوں کی تاریخ میں موجود ہیں- اگرچہ یہ زیادہ ترمدارینی علاقوں میں پائے جاتے ہیں لیکن دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی نظرآتے ہیں- ان کا ہر فوصل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی نسل لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی سے نہیں گزری-

گراس ہاپر/ٹڈا

عمر- ۱۲۵لاکھ سال

پیمائش- ۳۸سینٹی میٹر (۵-۱ انچ)

جائے وقوع - ارارائپ کی مدور وادی، برازیل

زمینی طبق - نوواولنڈا رکن، کراٹوکی زمینی طبق عہدنچلا کریٹیشس

یہ ۱۲۵ لاکھ سال پرانا ٹڈے کا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ ٹڈے ہمیشہ ٹڈوں ہی کی صورت میں زمین پر موجود رہے ہیں- اس ٹھوس سائنسی حقیقت کے مقابل نظریہ ارتقاءکے پیروکار آج تک کسی قسم کی بھی قابلِ فہم وضاحت پیش نہیں کرسکے-

لانگ ہارنڈ گراس ہاپر/لم سنگاٹڈا

عمر- ۱۲۵لاکھ سال

پیمائش- ۱۵ سینٹی میٹر (۰۶ انچ)

سرپر موجودہ محاسوں کی جوڑی کی لمبائی مزید ۸-۱ سینٹی میٹر (۰-۷ انچ)

جس سے اس حشرے کی کل لمبائی ۳-۴ سینٹی میٹر (۳-۱ انچ) ہوجاتی ہے-

جائے وقوع- ارارائپ کی مدور وادی، برازیل

زمینی طبق- نوواالونڈا رکن، کراٹوکی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

لم سنگے ٹڈوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کے سرپر موجود لمبے اور باریک محاسوں کی جوڑی ہے جس کی لمبائی ان کی جسم کی لمبائی کی تقریباً دوگنی ہوتی ہے- دوسرے ٹڈوں کی طرح یہ ٹڈے بھی لاکھوں سالوں سے بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود ہیں -اس ٹڈے کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ دورِ حاضر میں موجود اس ٹڈے میں اور ۱۲۵لاکھ سال پرانے اسی نسل کے ٹڈے میں کوئی فرق نہیں ہے-

ہے- پسکو کی زمینی طبق بھی ایک اہم فوصلی خط ہے جو کہ مچھلیوں کے فوصلوں کے لئے جانا پہچانا جاتا ہے- اس خطے سے ہزاروں کی تعداد میں مختلف آبی حیوانات کے فوصل برآمد ہوئے ہیں- جن میں وھیل مچھلی، ڈولفن، سمندری شیر، بطریق اور کچھوے شامل ہیں- ساحل سے تقریباً ۳۰ کلو میٹر یا ۶-۱۸ میل کے فاصلے پر موجود یہ زمینی طبق پیرو کی ارضیات کے آغازی دور کے متعلق اہم معلومات فراہم کرتی ہے-

پیرو کی تمام فوصلی دریافت کی سب سے اہم حقیقت ان کا نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید ہے- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کی ۱۹ویں صدی کے بیچ سے ان کے خیالی دعوؤں کو سہارا دینے کی نیت سے کی جانے والی تمام تحقیق بیکار اور رائیگاں رہی- ان کی تمام کاوشوں کے باوجود وہ ایک بھی ایسا فوصل برآمد نہیں کرسکے جس کو وہ دنیا کے سامنے اپنے نظریے کے ثبوت کے طور پر پیش کرسکتے- ساری تحقیق اور کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہونے والے فوصل صرف ایک ہی بات کو ثابت کرتے چلے گئے اور وہ یہ کہ جاندار نسلیں اچانک مکمل اور بے عیب شکل میںنمودار ہوئیں- فوصلوں نے مزید اس بات کو بھی ثابت کردیا کہ جاندار یا تو مکمل طور پر معدوم ہوگئے یا اپنی اولین شکل میں آج بھی دنیا میں موجودہ ہیں -مختصراً تمام فوصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ تدریجی ترقی کا عمل کسی بھی دور میں کسی جاندار پر اثر انداز نہیں ہوا -

کاجامار کا کے چونے کے پتھر میںبے شمار فوصلی نمونے موجود ہیں- دوسرے تمام فوصلوں کی طرح پسکو سے جمع کئے گئے فوصلی نمونے بھی ثابت کرتے ہیں کہ تدریجی ترقی کے عمل کی کوئی حقیقت نہیں ہے-

جنوبی امریکہ کے ملک پیرو میں ملنے والے فوصلی نمونے

پیرو کی ارضیاتی اور جغرافیائی ساخت ملک کے مختلف علاقوں میں کئی طرح کے فوصلوں کو ظاہر کرتی ہے- پیرو کے تین خاص علاقے ہیں ساحلی علاقہ، مرکزی علاقہ، جس میں اینڈیس کے پہاڑ ہیں اور امیزن کی مدوّر وادی جس میں امیزن کے کثیر بارش پانے والے جنگلات ہیں- فوصلوں کے زیادہ تر خطے اینڈیس میں اور ملک کے شمال میں واقع ہیں- شمال میں اہم فوصلی خطہ کاجامارکا کی زمینی طبق ہے جس کے پتھر کی ساخت کا خاص حصہ چونے والے پتھر پر مشتمل

ملک کے جنوب میں واقع پسکو کی زمینی طبق ایک اہم فوصلی ذخیرہ ہے-

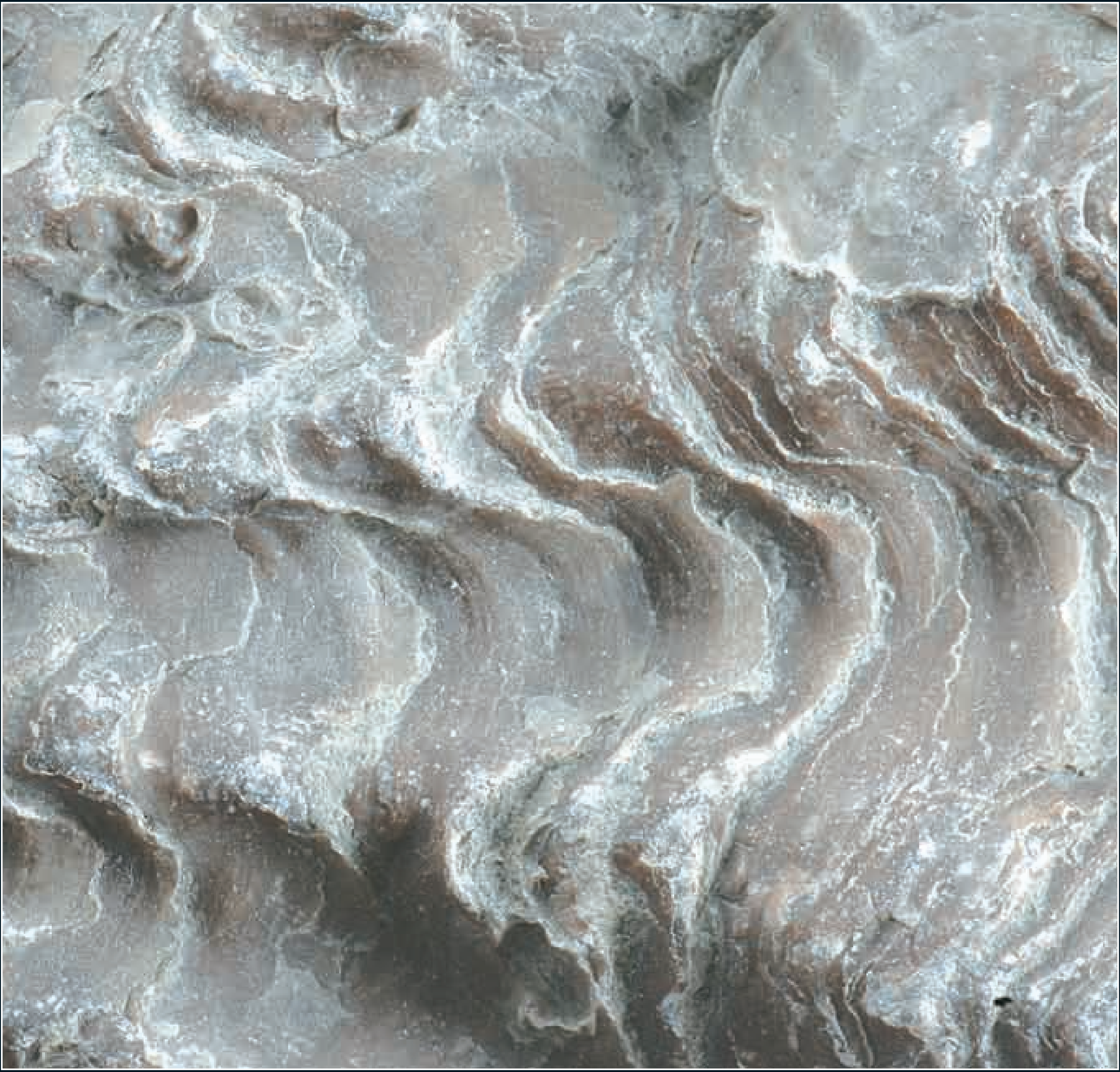

آئسٹر/کستورامچھلی

عمر- ۵سے ۲۳ لاکھ سال
پیمائش- ۶-۷ سینٹی میٹر (۳ انچ)
جائے وقوع- کاسامارکا، پیرو
عہد- میوسین

لاکھوں سال پہلے زمین پر پائی جانے والی کستورا مچھلی دورِ حاضر کی کستورا مچھلی کی ہوبہو مشابہ ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے- اس کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ یہ مچھلی کسی اور جاندار کی تدریجی شکل نہیں ہے بلکہ تخلیق کی گئی ہے-

آئسٹر/کستورا مچھلی

عمر- ۱۴۶ سے ۲۰۸لاکھ سال
پیمائش- تقریباً ۸سینٹی میٹر (۳-۲۵ انچ)
جائے وقوع- بامبامارکا، کاجامارکا، پیرو
عہد- جوراسک

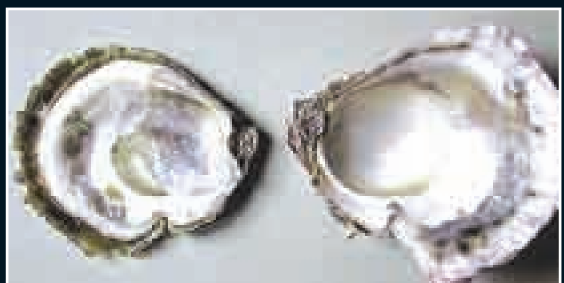

تصویر میں موجود کستورا مچھلی کا ۱۴۶ سے ۲۰۸لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے اندر کبھی بھی کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

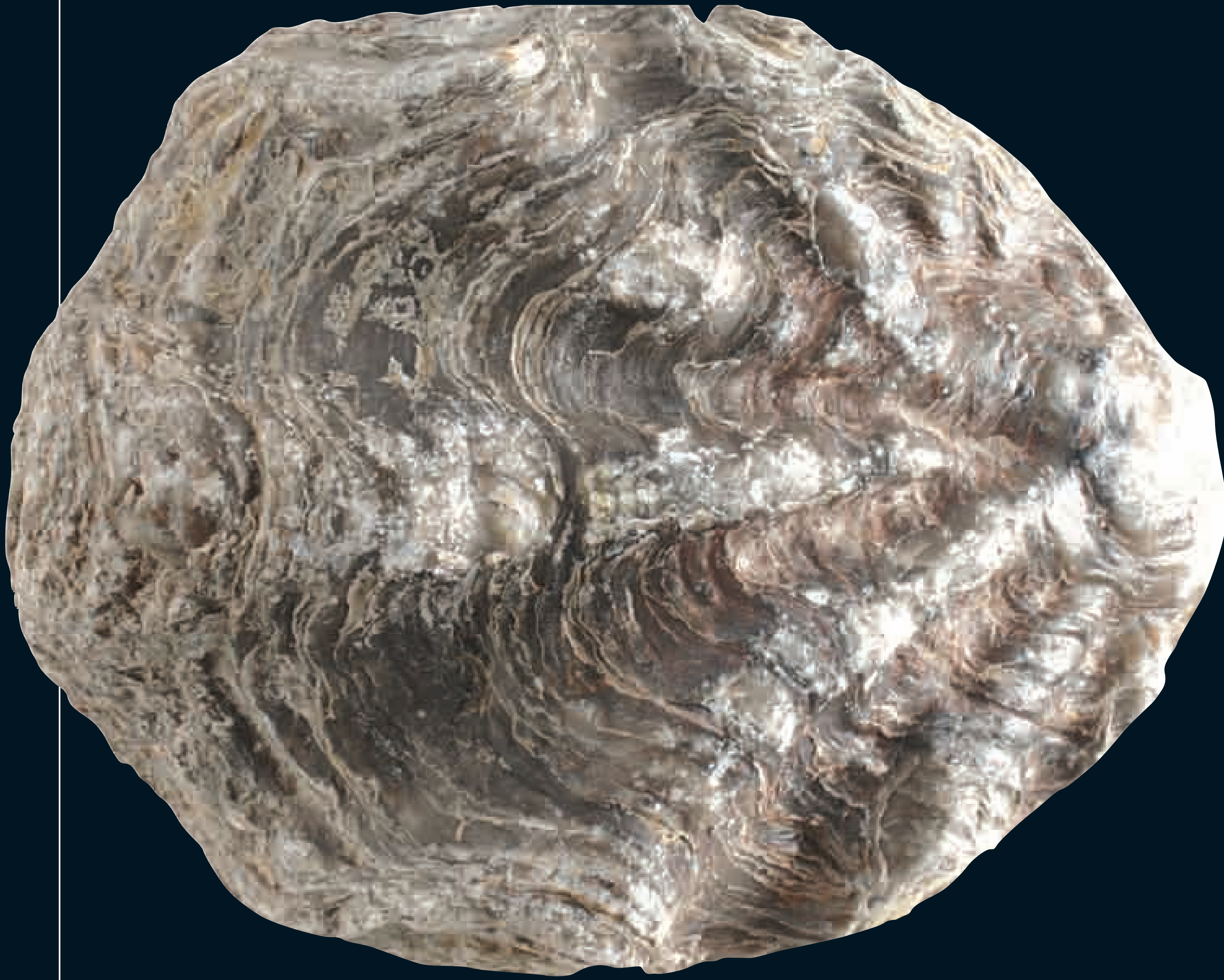

دور حاضر کا کیکٹ

آئسٹر/کستورا مچھلی

عمر-۱۴۶ سے ۲۰۸ لاکھ سال
پیمائش- تقریباً ۸سینٹی میٹر (۳-۲۵ انچ)
جائے وقوع- بامبامار کا، کاجامارکا، پیرو
عہد-جوراسک

فوصلی ریکارڈ ان جانداروں کے نمونوں سے مالا مال ہے جو کہ لاکھوں سالوں سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہیں- ایک ایسا ہی نمونہ اس ۱۴۶ سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانی کستورا مچھلی کا بھی ہے جو کہ نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتا ہے-

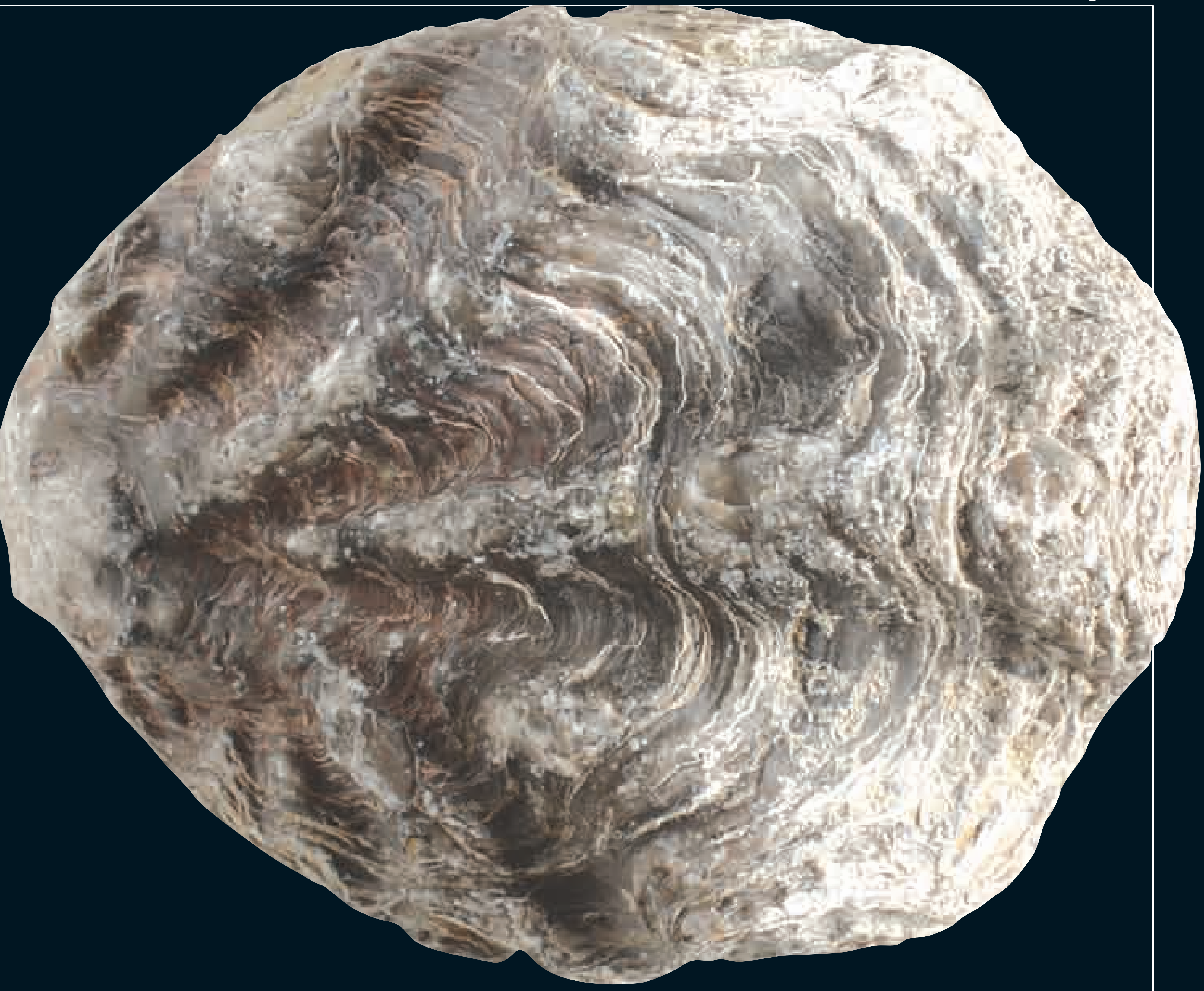

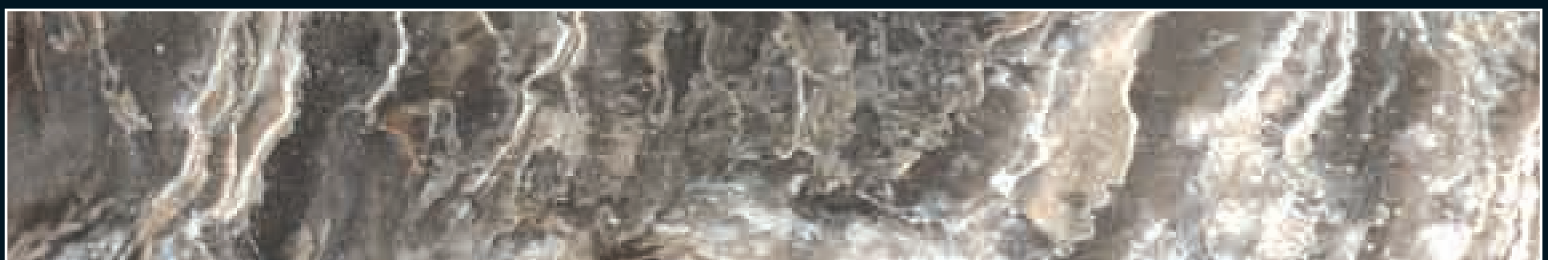

جنوبی امریکہ کے ملک چلی میں ملنے والے فوصلی نمونے

چلی میں فوصل ملک کے شمال میں واقع اٹاکاما کے صحرا کے بیرونی علاقوں میں پائے گئے ہیں- اس ملک میں فوصلی اعتبار سے سب سے زرخیز خطہ جنوب میں واقع پیٹاگونیا کا علاقہ ہے- اس کے علاوہ اینڈیس کے پہاڑوں میں بھی کئی فوصلی خطے موجود ہیں جہاں سے بے شمار نسلوں کے ممالیہ، آبی حیوانات اور رینگنے والے غیر فقاری جانوروں کے علاوہ نباتاتی فوصل برآمد ہوئے ہیں- کوئریکینا کی زمینی طبق یہاں کے مشہور ترین فوصلی خطوں میں سے ایک ہے جو کہ کریٹیشس عہد کی زمینی طبق ہے- اس زمینی طبق کے ذریعے کریٹیشس عہد کی آبی زندگی کے بارے میں اہم معلومات حاصل کی گئی ہیں- مرکزی چلی کے کچھ فوصلی خطے مثلاً اینڈیس کا علاقہ ممالیہ جانوروں کے فوصلوں کے لئے جانے پہچانے جاتے ہیں-

ان علاقوں سے بھی حاصل کئے گئے تمام فوصلی نمونوں نے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو شدید پریشانی کا شکار کردیا ہے کیونکہ یہ تمام فوصل صرف ایک بات ثابت کرتے ہیں اور وہ یہ کہ کسی بھی ارضیاتی دور میں کسی بھی جاندار نسل کے اندر کسی بھی نوعیت کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی ہے- لاکھوں سال سے جاندار نسلیں اپنی اولین شکل کو برقراررکھتے ہوئے ہی یاتو آج تک موجود ہیں یا مکمل طور پر معدوم ہوچکی ہیں- یہ تمام فوصل جس دوسرے اہم نقطے کی نشاندہی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ کرہ ارض پر جاندار نسلیں اچانک نمودار ہوئیں اور کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں- اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات اور اس میں موجود ہر انسانی، حیوانی اور نباتاتی نسل کو مکمل اور بے عیب شکل میں عدم وجودی سے پیدا کیا -تمام فوصل اس حقیقت اور سچ کی مکمل تصدیق کرتے ہیں-

جنوبی امریکہ کے ملک آرجنٹینا میں ملنے والے فوصلی نمونے

آرجنٹینا میں ملنے والے زیادہ تر فوصل پیٹاگونیا کے علاقے سے برآمد ہوئے ہیں- براعظم شمالی امریکہ میں چلی اور آرجنٹینا کے شمالی علاقے پیٹاگونیا کے نام سے جانے جاتے ہیں- اینڈیس کے مشرقی علاقے جو کہ آرجنٹینا کا بھی حصہ ہیں وہ بھی پیٹاگونیا کے رقبے میں شامل ہیں- فوصلی ریکارڈ میں مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں مختلف انواع و اقسام کے دور حاضر کے بھی جاندار پائے جاتے ہیں جیسے کہ بطریق، وھیل، دریائی بچھڑا، جنگلی شتر مرغ اور سمندری شیر-

اس علاقے کا ایک فوصلی خط شی گوالا سٹوکی زمینی طبق بھی ہے- ارضیاتی تحقیق کے مطابق ۲۳۰لاکھ سال پہلے یہ علاقہ ایک سیلابی مدور وادی تھا جس میں کثیر مقدار میں بارش کے علاوہ سرگرم آتش فشاں بھی پائے جاتے تھے- اس فوصلی خطے سے بڑی تعداد میں ۲۰۶سے ۲۴۸ لاکھ سال پرانے ٹرائسک عہد کے ممالیہ اور دیگر آبی نسلوں کے فوصل برآمد ہوئے ہیں-اس خطے کی اصل اہمیت کا اندازہ ۱۹۵۰ءمیں ہوا جس کے بعد یہاں پر وسیع پیمانے پر کھدائی کا کام شروع کیا گیا- ارجنٹینا کا ایک فوصلی میدان سانٹا کروز میں موجود جارامیلو کا جنگل ہے جس میں ۳۵۰ لاکھ سال پرانے منجمد یا پتھرائے ہوئے درخت موجود ہیں -یہ درخت اس بات کا اہم ثبوت ہیں کہ نباتاتی نسلیں بھی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی تدریجی ترقی سے نہیں گزریں-

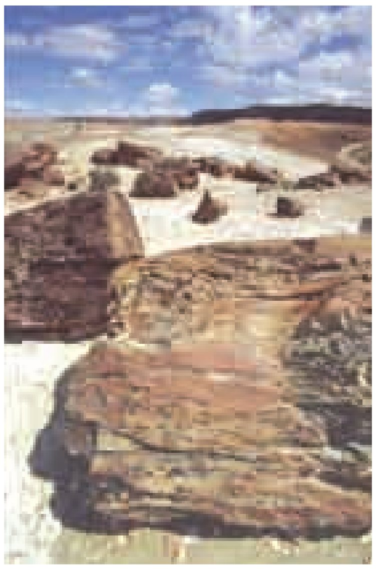

جارامیلوکے جنگلات میں موجود منجمد درخت

اسکی گوالاسٹو آج ایک ذرخیز فوصلی میدان ہے لیکن۲۳۰ لاکھ سال پہلے یہ ایک کم اونچائی والی مدور وادی تھی جو اکثر زیر آب رہتی تھی-

اراکاریہ کون/اراکاریہ کے پھل کی قاش

عمر-   ۱۲۵لاکھ سال

پیمائش- پیمائش۶-۵ سینٹی میٹر (۲.۲ انچ)ضرب ۷ سینٹی میٹر (۷-۲ ۱انچ)

جائے وقوع- جارامیلو، سانٹا کروز، پیٹاگونیا، آرجنٹینا

عہد-   جوارسک، کیلووین

اراکاریہ کے درخت کا یہ پھل جارامیلوکے پتھرائے ہوئے جنگل سے حاصل کیا گیا ہے- یہ فوصل ۱۲۵ لاکھ سال پرانا ہے اور اس میں اس پھل کی تمام تفصیلات واضح ہیں- یہ فوصلی پھل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نباتاتی نسل کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہے- دورِ حاضر میں موجود اس درخت کا پھل انہیں خصوصیات کا حامل ہے جو کہ اس ۱۲۵لاکھ سال پرانے نمونے میں پائی جاتی ہیں-

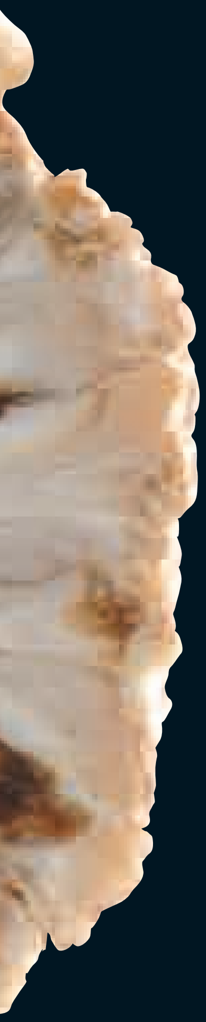

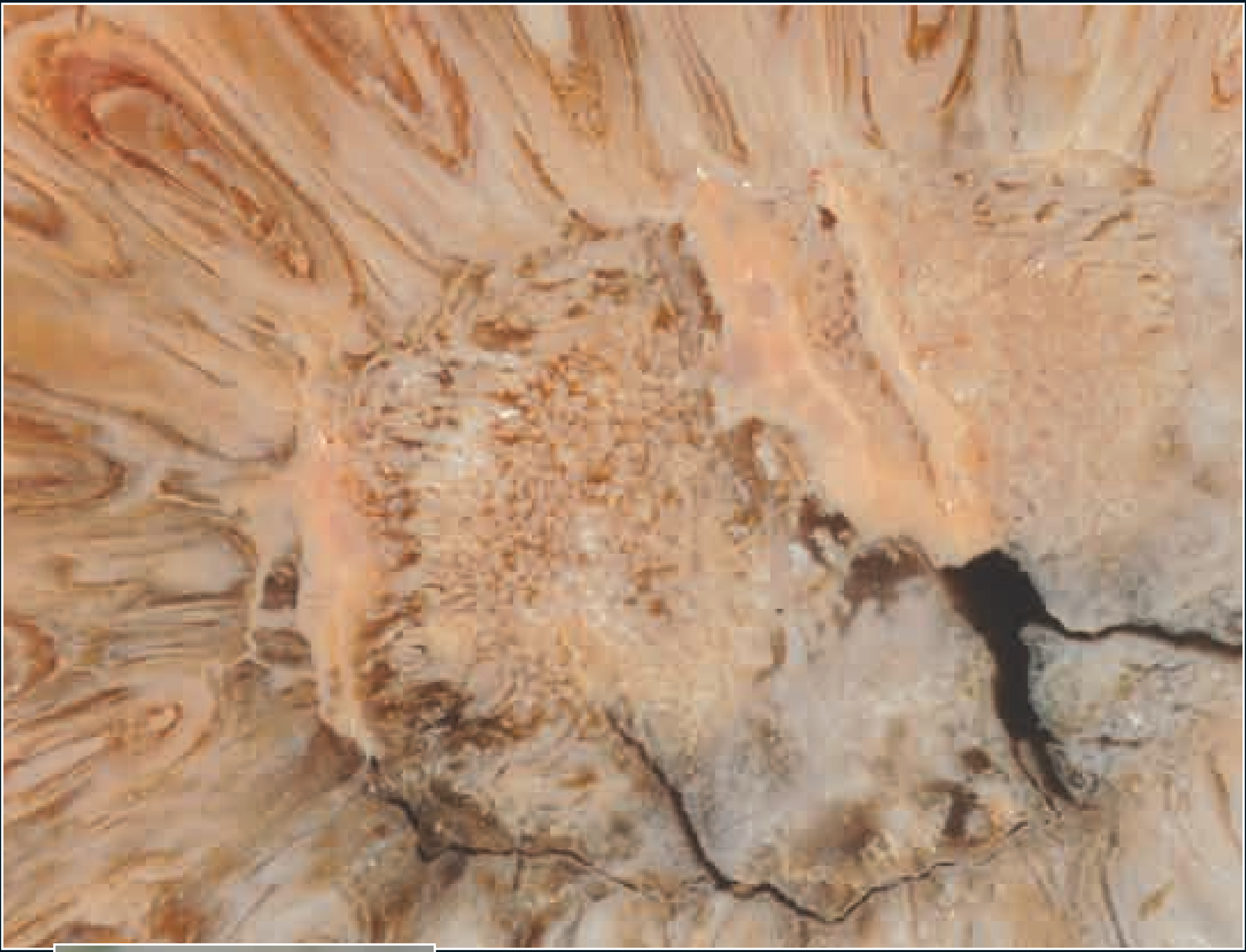

کریب/کیکڑا

عمر- ۵سے ۲۳ لاکھ سال

جاے وقوع- ریوڈی لاپلاٹا، پیٹاگونیا، آرجنٹینا

عہد- میوسین

فوصلی ریکارڈ میں موجود اس کیکڑے کا لاکھوں سال پرانا نمونہ دور حاضر کے کیکڑے کا عین مشابہ ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

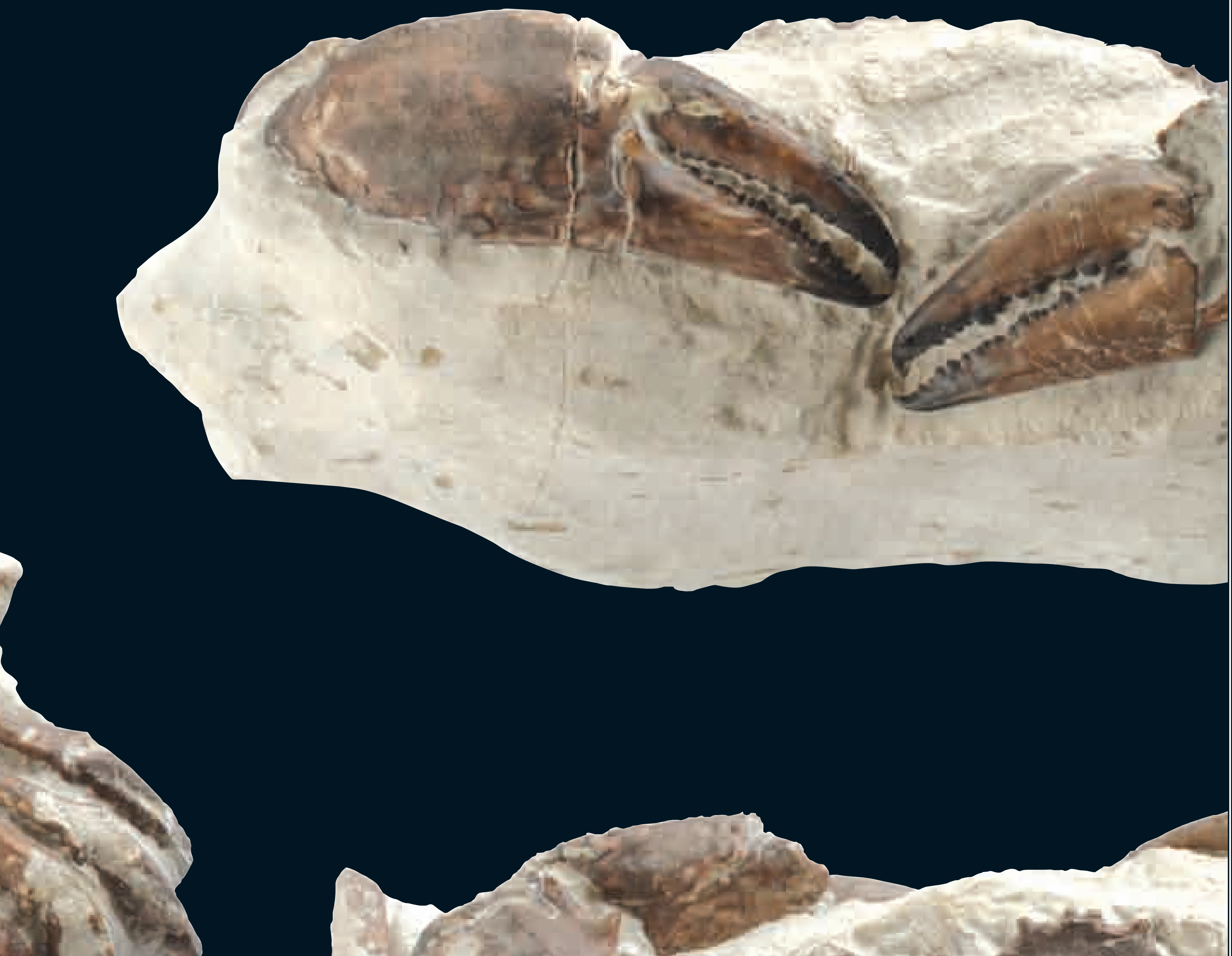

اراکاریہ کون/اراکاریہ کا پھل

عمر- ۱۴۶ سے ۲۰۸ لاکھ سال
پیمائش- ہر آدھا حصہ ۶-۷ سینٹری میٹر (۳ انچ)
جائے وقوع- سراکواڈراڈو، پیٹاگونیا، آرجنٹینا
عہد- جوراسک

اراکاریہ کے پھل کا یہ فوصل نہ صرف۱۴۶سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانا ہے بلکہ دورِ حاضر میں موجود اس درخت کے پھل کا ہوبہو مشابہ ہے -یہ یکسانیت اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ نظریہ ارتقاءایک کھوکلے نظریے اور دھوکے کے علاوہ کچھ نہیں- فوصلوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کی حقیقت کو عیاں کردیا ہے-

کورمورینٹ اسکل /کورمورینٹ کی کھوپڑی

عمر۱۸لاکھ سال
پیمائش۱۲۷سینٹی میٹر (۵ انچ)
جائے وقوع-چلی
عہد-میوسین

کورمورینٹ ایک غوطہ خورپرندہ ہوتا ہے جس کے سیاہ چمکیلے پر ہوتے ہیں- تصویر میں موجود اس پرندے کی کھوپڑی ۱۸ لاکھ سال پرانی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ ماقبل تاریخ رہنے والا یہ پرندہ آج بھی انہیں خصوصیات کے ساتھ زمین پر موجود ہے- اس فوصل سے ثابت ہے کہ پرندوں کے اندر بھی کسی قسم کی تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی-

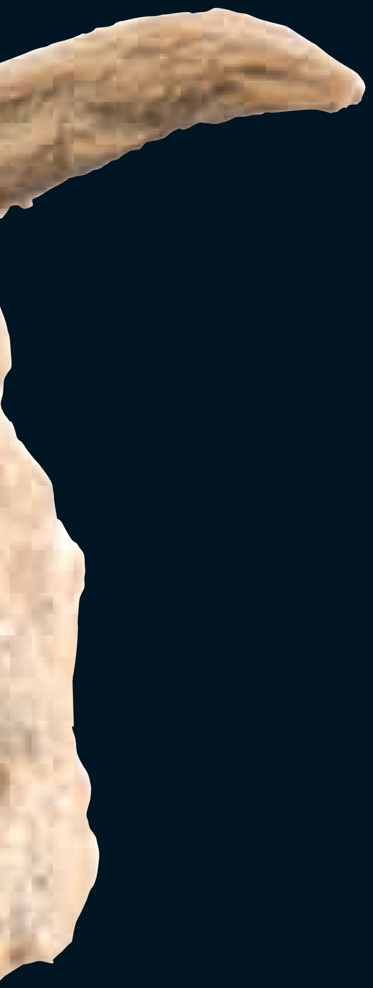

کورمورینٹ اسکل/کورمورینٹ کی کھوپڑی

عمر- ۱۸ لاکھ سال
پیمائش- ۲-۱۵ سینٹی میٹر (۶ انچ)
جائے وقوع- چلی
عہد- میوسین

کورمورینٹ ایک غوطہ خور سمندری پرندہ ہے جس کا تعلق فیلاکروکوراکائڈائی خاندان سے ہے- اس پرندے کی آج ۳۸ مختلف نسلیں زمین پر موجود ہیں- اس پرندے کا لاکھوں سال پرانا فوصل ثابت کرتا ہے کہ اس کے اندر اس وقت بھی وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو دورِ حاضر میں پائی جاتی ہیں- یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک شدید ناکامی کا مقام ہے-

کریب/کیکڑا

عمر- ۲۵لاکھ سال
پیمائش- ۱۵سینٹی میٹر (۶ انچ)
جائے وقوع- کانسپیشیون، جنوبی چلی
عہد- اولیجوسین

فوصلی ریکارڈ ہر پہلو سے نظریہ ارتقاءکی تردید کرتے ہیں- اس کی ایک مثال تصویر میں موجود ۲۵لاکھ سال پرانے کیکڑے کا یہ فوصل ہے جو ثابت کرتا ہے کہ یہ حیوان لاکھوں سال سے زمین پر بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے-

براعظم یورپ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

ہنرکشائفر اور شائفر بالڈ میں تحقیق

والے آبی حیوانات کے ہیں جو کہ ماسوائے کچھ، اپنے اعضاءاور جسمانی ڈھانچے سمیت بہترین حالت میں فوصل شدہ پائے گئے ہیں- نایاب طرز کے نرم ریشہ لحمی کے فوصل بھی ہولز ماڈن کی زمینی طبق سے برآمد ہوئے ہیں- سولھو فن سے ملنے والے زیادہ تر فوصل ان جانداروں کے ہیں جو کم گہرائی کے پانی میں مونگے اور اسفنج کی چٹانوں میں پائے جاتے ہیں-

ارضیاتی جانداروں مثلاً کیڑے مکوڑوں، چھپکلیوں، مگر مچھ اور چڑیوں کے علاوہ نباتاتی فوصل بھی سولھو فن سے دریافت ہوئے ہیں- پرندوں کے فوصلوں میں آرکیوپٹیرکس کے سات نایاب فوصل بھی شامل ہیں جو کہ پرندوں کی قدیم ترین نسلوں میں سے ایک ہے -جرمنی کا ایک اور اہم فوصلی خط میسل کی زمینی طبق ہے- قدیم وقت میں یہ خط ایک ۷۰۰میٹر (۲۲۹۶فٹ) چوڑی اور تقریباً ۱۰۰۰ر (۳۲۸۰فٹ) گہری جھیل تھا- اس زمینی طبق سے ۳۷ سے **۵۴**لاکھ سال پرانے ایوسین عہد کے کثیر التعداد فوصل برآمد ہوئے ہیں- اس دور میں میسل کا موسم مدارینی تھا اس لئے یہاں سے مختلف جانداروں مثلاً چڑیوں، چمگادڑ، رینگنے والے جانور، مچھلیوں، کچھوے اور کیڑے مکوڑوں کی بڑی تعداد کے علاوہ نباتاتی فوصل بھی دریافت ہوئے ہیں-

اسٹگارٹ کے نزدیک ہولز ماڈن کا فوصلی علاقہ ایک اہم فوصلی خط ہے جس میں جوراسک دور کے آغاز میں رہنے والی نسلوں کے فوصل موجود ہیں-

جرمنی میں ملنے والے فوصلی نمونے

ارضیاتی تحقیق کے مطابق ۱۴۶ سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانے جوراسک عہد کے دوران یورپ کا بیشتر مغربی علاقہ نیم گرم اور کم گہرائی کے سمندروں میں ڈوبا ہوا تھا جس وجہ سے اس علاقے سے کثیر تعداد میں آبی حیوانات کے فوصل برآمد ہوئے ہیں- جرمنی کے کچھ خاص فوصلی خطوں سے ملنے والے ڈیوونین اور جوراسک عہد کے فوصلوں کے ذریعے اس عہد میں پائی جانے والی نسلوں کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہیں- فوصلی خطوں میں سب سے اہم خطے میسل، سولھوفن اور بولزماڈن کے زمینی طبقے اور ہنسر کشائفر کا علاقہ ہے- اس علاقے سے۲۵۱سے۵۴۳ لاکھ سال پرانے میسوزوئک عہد کے کثیر تعداد میں جاندار نسلوں کے فوصل دریافت ہوئے ہیں- اس علاقے کے بہت سے فوصل نچلے اور وسطی ڈیوونین دور کے ہیں- ہنسر کشائفر علاقے میں برگس شیل کی طرح ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ بہت سے جاندار اپنے نرم ریشہ لحمی سمیت ہی فوصل کی شکل اختیار کرگئے ہیں جس سے نہ صرف ان کی طبعیاتی ساخت کے بارے میں بلکہ ان کی زندگی کے طور طریقوں اور عادات کے بارے میں بھی کثیر معلومات حاصل ہوئی ہیں-

فوصل کی صورت میں ملنے والے بقایا جات سے پتہ چلتا ہے کہ جاندار نسلیں زندگی اور دنیا کے ہر دور میں انتہائی پیچیدہ اور منظم جسمانی ترتیب کے ساتھ رہیں اور آج بھی زندہ ہیں- اس صورتحال سے ڈارون کے پیروکاروں کا دعویٰ کہ جانداروں نے بسلسلہ تدریجی ترقی قدیم اشکال سے پیچیدہ اشکال اور نظام اختیار کئے، نہایت مایوسی اور ناکامی کا سامنا کرتا ہے- بولزماڈن کی زمینی طبق سے ملنے والے فوصل زیادہ تر گہرے پانی میں رینگنے

میسل میں کی جانے والی فوصلی تحقیق

سولہوفن جرمنی کا ایک اہم فوصلی علاقہ ہے جہاں سے کثیر تعداد میں فوصل دریافت ہوئے ہیں-

شریمپ/جھینگا

عمر- ۱۴۵لاکھ سال

جائے وقوع- آئکسٹاٹ، بایرن، جرمنی

پیمائش/سطربندی- ۵-۱۰ سینٹی میٹر (۱-۴ انچ) ۲-۱۵ سینٹی میٹر (۵-۹ انچ)

عہد- جوراسک، مالم زیٹا

جھینگا ایک خول دار فاعلہ، کریسٹیشا، کامفصل پایہ آبی جانور ہے- اس کا جسم ایک کالشیم کاربونیٹ سے بنے ہوئے خول میں بند ہوتا ہے- جھینگے کی مختلف اقسام نمکین اور میٹھے پانی میں پائی جاتی ہیں اور اس جاندار کا سب سے پرانا ملنے والا فوصل ۲۰۰لاکھ سال پرانا ہے- تصویر میں موجود فوصل شدہ جھینگا ۱۴۵لاکھ سال پرانا ہے- جھینگوں نے لاکھوں سال سے اپنی ساخت برقراررکھی ہے اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے اندر کسی قسم کی تدریجی ترقی کبھی بھی واقع نہیں ہوئی-

اسٹار فش/ستارہ مچھلی

عمر- ۳۹۰ لاکھ سال
جائے وقوع- بنسرکشائفر،بوڈنباک، جرمنی
عہد- ڈیوونین

دورِ حاضر کی ستارہ مچھلی میں اور اس ۳۹۰ لاکھ سال پرانی ستارہ مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- ان لاکھوں سالوں کے بیچ میں آنے کے باوجودستارہ مچھلیوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور یہ کسی قسم کی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزریں-

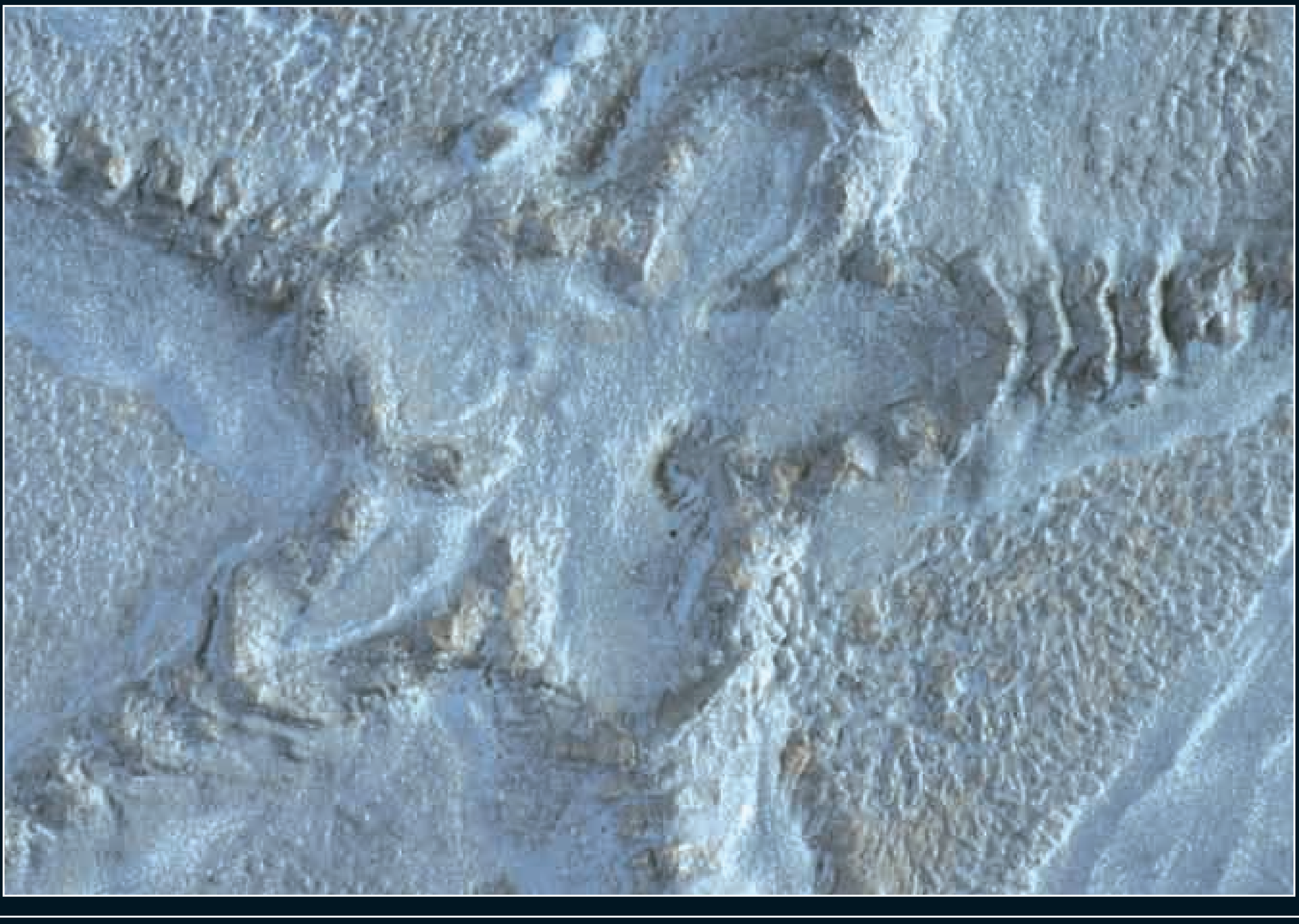

بوفن/مچھلی کی نسل

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- اولشائفر، میسل، ڈارمسٹاڈ، ہیسن، جرمنی
عہد- ایوسین، لوٹیٹین

بوفن مچھلی کا تعلق امائڈائی خاندان سے ہے- مچھلیوں کی دوسری نسلوں کی طرح یہ مچھلی بھی فوصلی نمونوں میں ذرخیز ہے- اس کے سب سے پرانے ملنے والے فوصل کی عمر ۱۵۰ لاکھ سال ہے- اس کے تمام فوصل اس کو لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں ظاہر کرتے ہیں- ان کے اندر کسی بھی تدریجی ترقی کا کوئی نشان نہیں ہے- تصویر میں موجود ۵۰لاکھ سال پرانی بوفن اور دور حاضر کی بوفن میں کوئی فرق نہیں ہے-

کرے فش/میٹھے پانی کا جھینگا نما جانور

عمر- ۱۵۰ لاکھ سال

جائے وقوع - سولھوفن کی زمینی طبق، جرمنی

عہد- جوارسک

۱۵۰ سال پہلے کی کرے فش اور دورِحاضر کی کرے فش میں کوئی فرق نہیں ہے-اس میٹھے پانی کے قشری یا ہولدار جھینگا نما جانور کی ساخت میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کا پیدا نہ ہونا اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ ارتقاءکا کوئی سائنسی وجود نہیں ہے- کرے فش ہمیشہ کر ے فش ہی رہی ہے اور دوسری ہر جاندار شے کی طرح یہ بھی اللہ کی تخلیق ہے-

شریمپ/جھینگا

عمر- ۱۵۵لاکھ سال
پیمائش- ۵-۷ سینٹی میٹر (۹-۲ انچ) لمبا
سطر بندی- ۸-۲۰ سینٹی میٹر (۱-۸ انچ) ضرب ۶-۲۱ سینٹی میٹر (۵-۸ انچ)
جائے وقوع- سولھوفن، آلسٹاٹ، جرمنی
عہد- جوارسک

کئی سالوں کی مستقل تحقیق کے باوجودڈارون کے پیروکار ایسا ایک بھی فوصل نہیں تلاش کرسکے جو تدریجی ترقی کے عمل کو ثابت کرسکے- البتہ تمام فوصل آج تک صرف اس حقیقت کی تصدیق ہی کرتے چلے آرہے ہیں کہ جانداروں کی ساخت میں لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی بھی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوا ہے- سب جانداروں نے آج تک اپنی اصل ساخت اور اوصاف کو برقرار رکھا ہے- جھینگے کے اس فوصل سے بھی ثابت ہے کہ۱۵۵ سال پرانے جھینگے اور دورِ حاضر کے جھینگے میں کوئی فرق نہیں ہے-

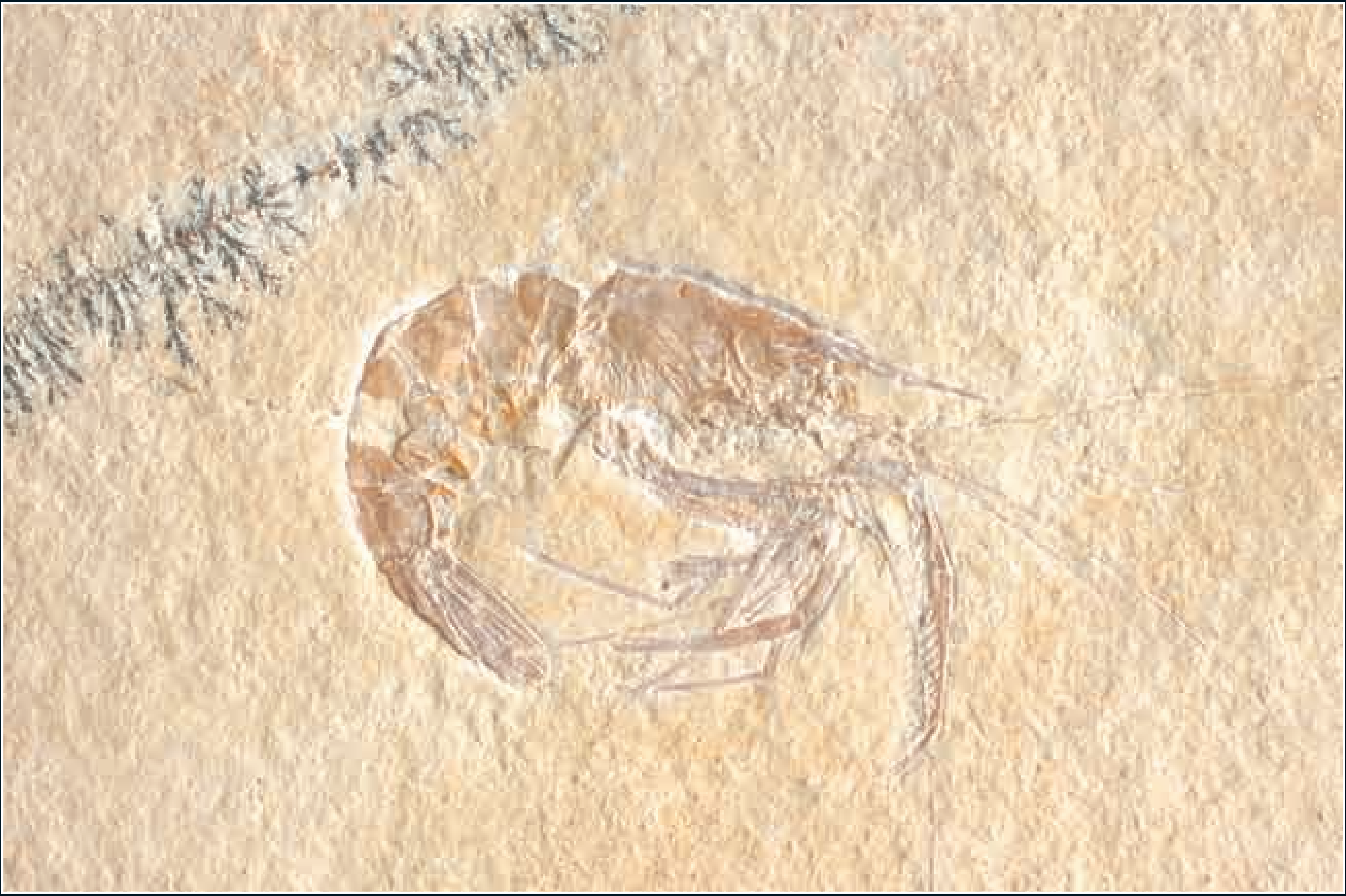

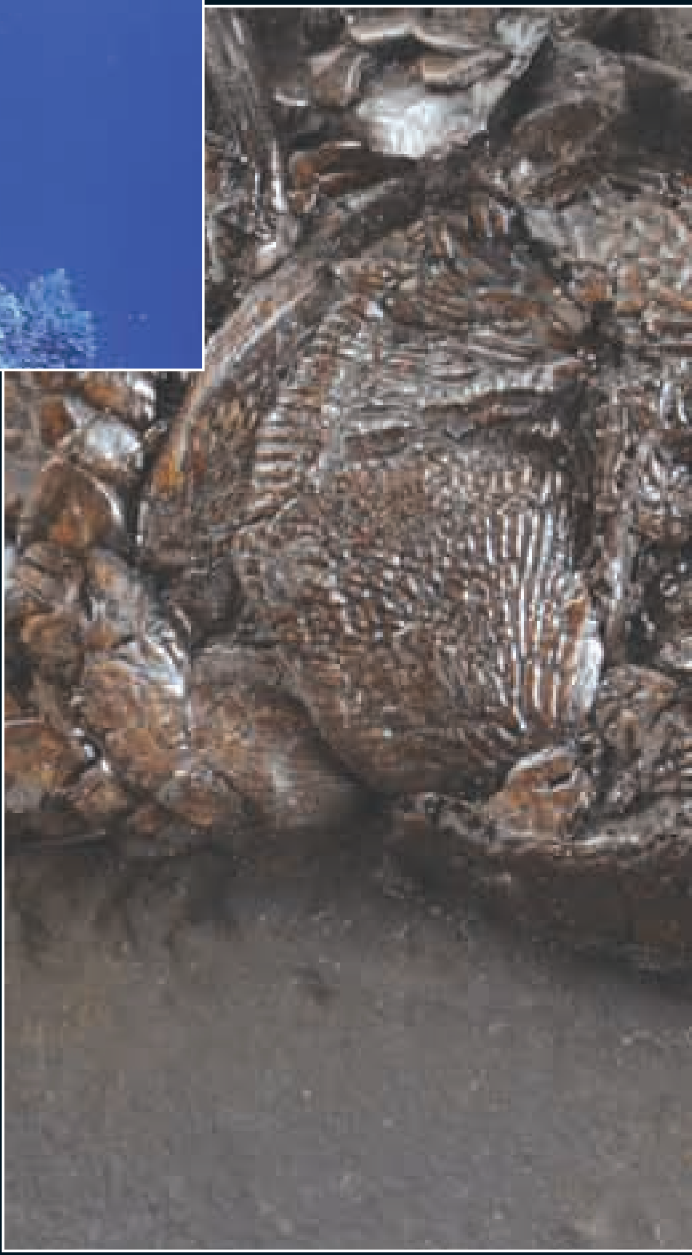

گارفش/سوا مچھلی

عمر- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۷۵-۳۱ سینٹی میٹر (۵-۱۲ انچ)
جائے وقوع- فرانکفرٹ، جرمنی
زمینی طبق- میسل کاپھوٹک پتھر
عہد- ایوسین

فوصلی ریکارڈ میں سوا مچھلی ۱۸۰لاکھ سال پہلے نمودار ہوئی اور اس کا شمار زندہ فوصلوں میں ہوتا ہے- تصویر میں موجود اس مچھلی کا فوصل ۳۷سے ۵۴ لاکھ سال پرانا ہے اور تدریجی ترقی کے بر نظریے کی مکمل تردید کرتا ہے-

بیٹ/چمگاڈر

عمر- ۳۷ سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۲-۸ سینٹی میٹر (۲-۳ انچ) لمبا ضرب ۵-۴ سینٹی میٹر (۸-۱ انچ) چوڑا
جائے وقوع- فرینکفرٹ، جرمنی
زمینی طبق- میسل کا پھوٹک پتھر
عھد- ایوسین

چمگاڈروں کے لاکھوں سال پرانے فوصل ان کے اندر کسی قسم کی تدریجی ترقی کی مکمل تردید کرتے ہیں- ان فوصلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام جانداروں کی طرح یہ جاندار بھی صرف اور صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

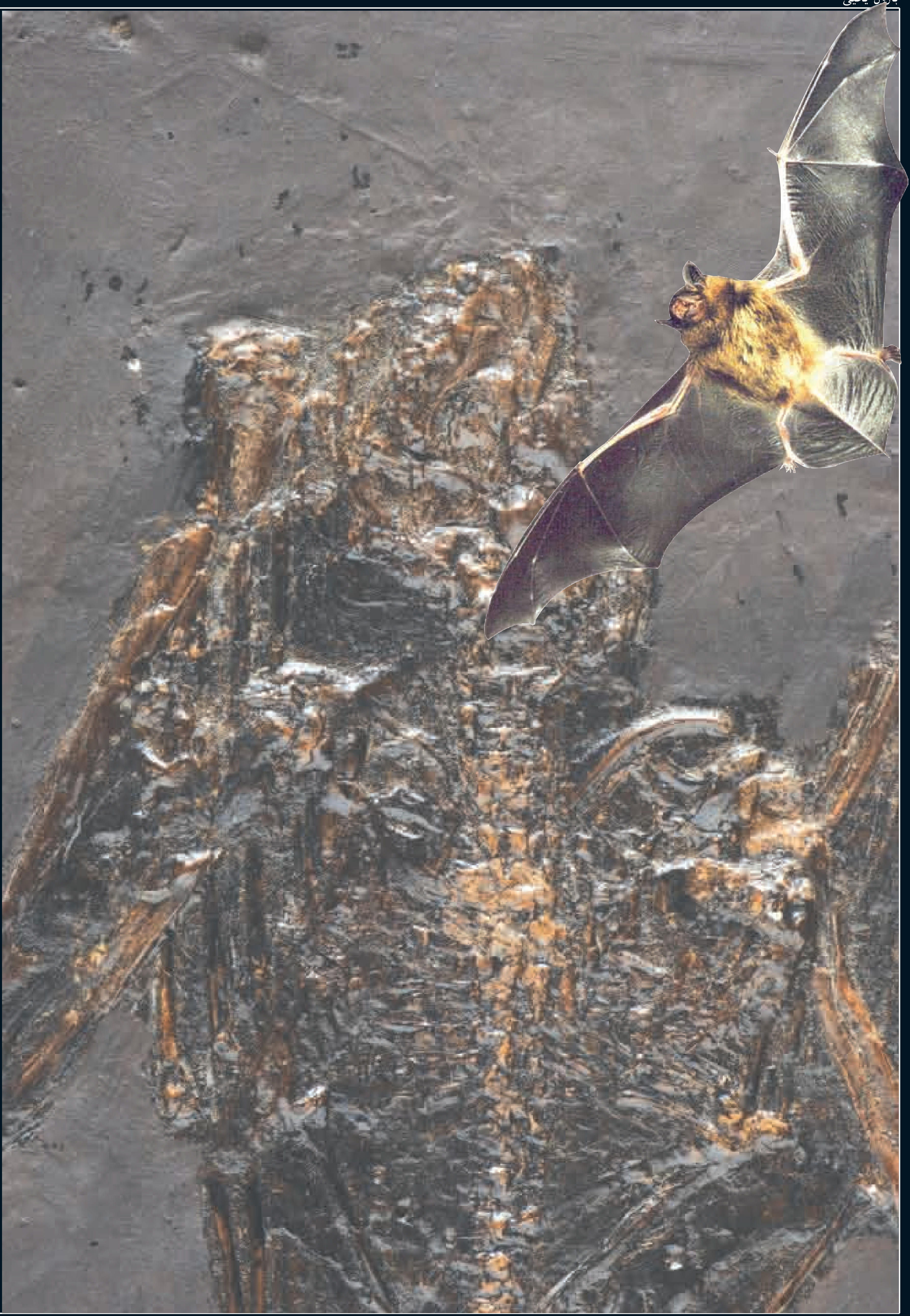

برِیٹّل اسٹار/قصیف ماہی

عمر- ۱۵۰ لاکھ سال
جائے وقوع - سولہوفن کی زمینی طبق، جرمنی
عہد- جورا سک

قصیف ماہی ماردم قسم کا ایک خادپوست ہوتا ہے جس کے جسم سے لمبے سوکھے بارونکلے ہوتے ہیں-تصویر میں موجود فوصل کی عمر۱۵۰لاکھ سال ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قصیف ماہی ہمیشہ سے دنیا میں ایک ہی شکل میں موجود ہے- اس فوصل کی ارتقاءپسندوں کے پاس کوئی منطقی یا سائنسی وضاحت موجود نہیں ہے-

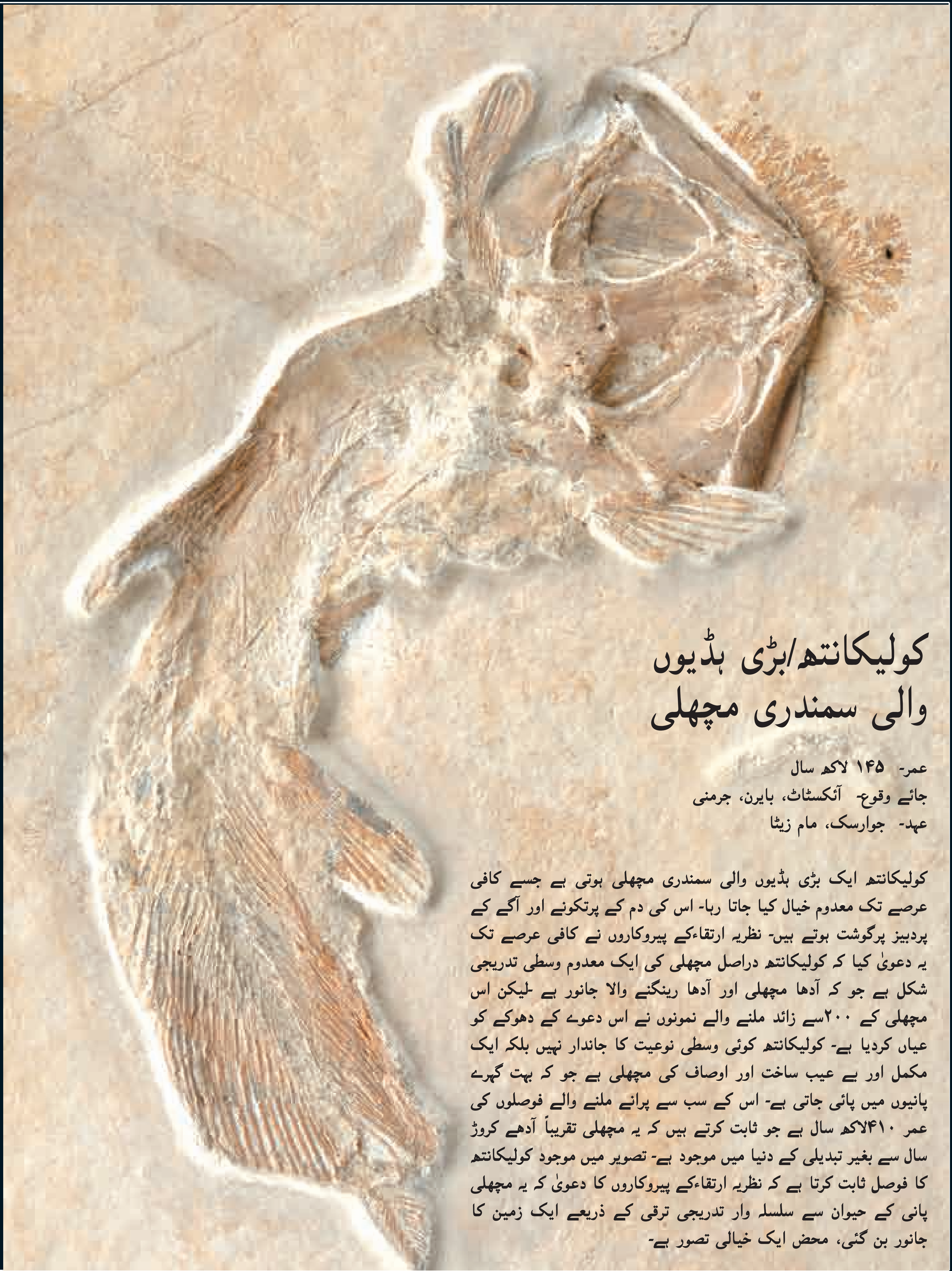

کولیکانتھ/بڑی ہڈیوں والی سمندری مچھلی

عمر- ۱۴۵ لاکھ سال

جائے وقوع- آئکسٹاٹ، بایرن، جرمنی

عہد- جوارسک، مام زیٹا

کولیکانتھ ایک بڑی ہڈیوں والی سمندری مچھلی ہوتی ہے جسے کافی عرصے تک معدوم خیال کیا جاتا رہا- اس کی دم کے پرتکونے اور آگے کے پردبیز پرگوشت ہوتے ہیں- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں نے کافی عرصے تک یہ دعویٰ کیا کہ کولیکانتھ دراصل مچھلی کی ایک معدوم وسطی تدریجی شکل ہے جو کہ آدھا مچھلی اور آدھا رینگنے والا جانور ہے -لیکن اس مچھلی کے ۲۰۰سے زائد ملنے والے نمونوں نے اس دعوے کے دھوکے کو عیاں کردیا ہے- کولیکانتھ کوئی وسطی نوعیت کا جاندار نہیں بلکہ ایک مکمل اور بے عیب ساخت اور اوصاف کی مچھلی ہے جو کہ بہت گہرے پانیوں میں پائی جاتی ہے- اس کے سب سے پرانے ملنے والے فوصلوں کی عمر ۴۱۰لاکھ سال ہے جو ثابت کرتے ہیں کہ یہ مچھلی تقریباً آدھے کروڑ سال سے بغیر تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے- تصویر میں موجود کولیکانتھ کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا دعویٰ کہ یہ مچھلی پانی کے حیوان سے سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے ایک زمین کا جانور بن گئی، محض ایک خیالی تصور ہے-

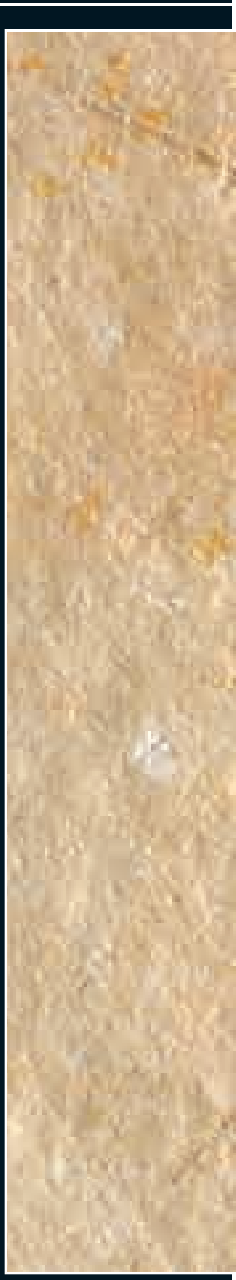

لوبسٹر/کیکٹ

عمر- ۱۴۶ سے۲۰۸ لاکھ سال
پیمائش- ۹-۱۲ سینٹی میٹر (۱-۵ انچ)ضرب ۲-۱۶سینٹی میٹر (۴-۶ انچ) دیکاپوڈ یا پانچ پاؤں کی جوڑی والا خولدار جانور۵.۵سینٹی میٹر (۲.۲ انچ)
جائے وقوع- سولہوفن، جرمنی
عہد- جوارسک، مام زیٹا

کیکٹ ایک قسم کا جھینگا ہوتا ہے جس کی آنکھیں ساقچے میں جڑی ہوتی ہیں- اس کے دو رنبورنما پنجوں کو ملاکر کل دس بازو ہوتے ہیں- اس کی آنکھوں کی سطح عام چوکور ہوتی ہے -یہ بظاہر عام چوکور دراصل چوکور منشوروں کے باہر کی سطح ہوتی ہے- اس منشوروں کی اندرونی سطح شیشہ دار ہوتی ہے جو کہ روشنی کو بہت طاقت سے منعکس کرتی ہے- یہ منعکس ہونے والی روشنی ہے انتہا مہارت سے پیچھے کی طرف موجود آنکھ کی پتلی پر پڑتی ہے- سارے کے سارے منشور ایسے زاویئے پر بنے ہوتے ہیں کہ یہ روشنی کو مکمل طور پر ایک ہی نقط پر منعکس کرتے ہیں- کیکٹ کی بینائی کا یہ پیچیدہ اور نہایت ترقی یافتہ نظام لاکھوں سالوں سے اس جاندار کی آنکھ میں موجود ہے- دورِ حاضر کے کیکٹ اور ۲۰۰لاکھ سال پرانے کیکٹ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے -یہ ڈارون کے پیروکاروں کو مکمل طور پر جھٹلاتا ہے جن کا کہنا ہے کہ جاندار نسلیں سلسلہ وار تدریجی ترقی کے باعث ایک سے دوسری چیز بنیں-

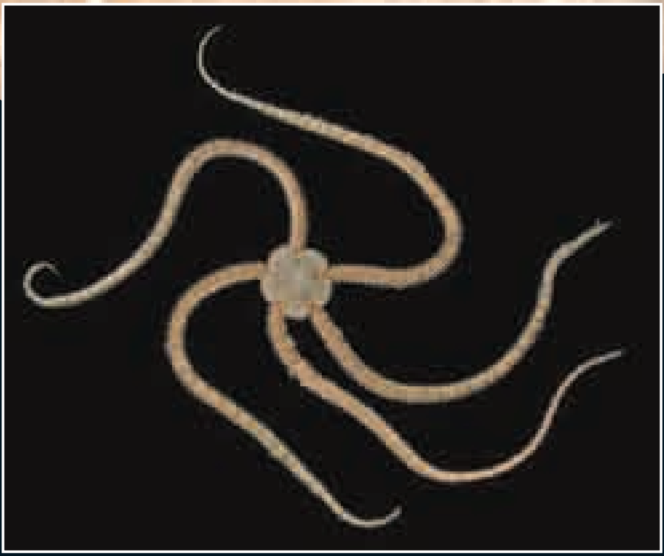

بریٹل اسٹار/ قصیف ماہی

عمر-   ۱۵۰لاکھ سال

زاویہ مستقیم- **۵** سینٹی میٹر (۲ انچ)

سب سے چوڑے نقطے سے سطر بندی - **۹۵** ملی میٹر (۷-۳ انچ)ضرب **۷۵**ملی میٹر (۹-۲ انچ)

موٹائی-   ۲۰ملی میٹر (۷-۰ انچ)

جائے وقوع- سولہوفن، جنوبی جرمنی

عہد- بالائی جوراسک

قصیف ماہی ایک قسم کی خارپوست ہے جس کے جسم سے لمبے سوکھے بازو نکلے ہوتے ہیں- یہ مچھلی بھی ایک زندہ فوصل میں شمار کی جاتی ہے-۳۰۰ لاکھ سال پرانی اس مچھلی اور۱۵۰سے**۲۴۵** لاکھ سال پرانی اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- ان مچھلیوں کے فوصل جو کہ لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں اور زندہ قصیف مچھلیوں سے بالکل مختلف نہیں ہیں دراصل نظریہ ارتقاءکے جھوٹ کو عیاں کرتے ہیں-

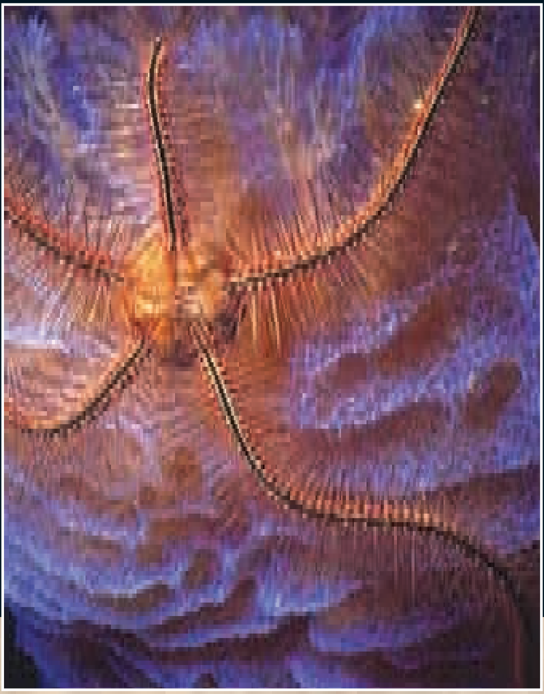

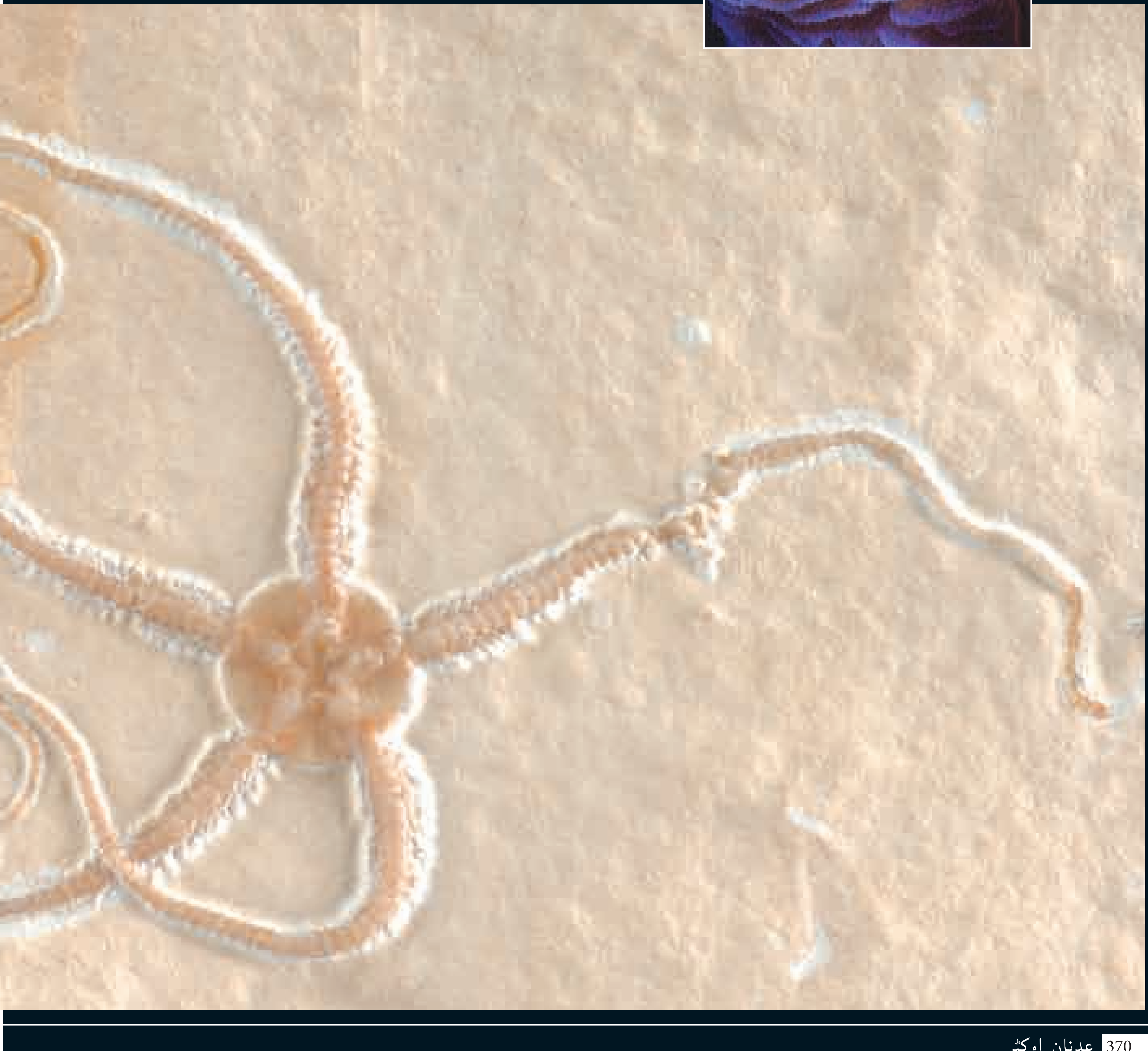

گیسٹروپوڈ/شکم پایہ

عمر- ۳۶۰ سے ۴۱۰ لاکھ سال
تختی کی پیمائش- ۳-۹ سینٹی میٹر (۳-۷ انچ) ۲-۱۳ سینٹی میٹر (۲-۵ انچ)
جائے وقوع- ہنسرک کا منقلب پتھر، بنڈنباک، جرمنی
عہد- ڈیووینن

شکم پایہ مولسکا فاعلہ کا حصہ ہے- یہ ایک بڑے مضبوط پاؤں کے سہارے چلتا ہے جیسے گھونگا-شکم پایہ کے سب سے پرانے نمونے کیمبرین عہد کے ہیں- تصویر میں موجود نمونہ۳۶۰ سے ۴۱۰لاکھ سال پرانا ہے- یہ اور اس کے دوسرے لاتعداد فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

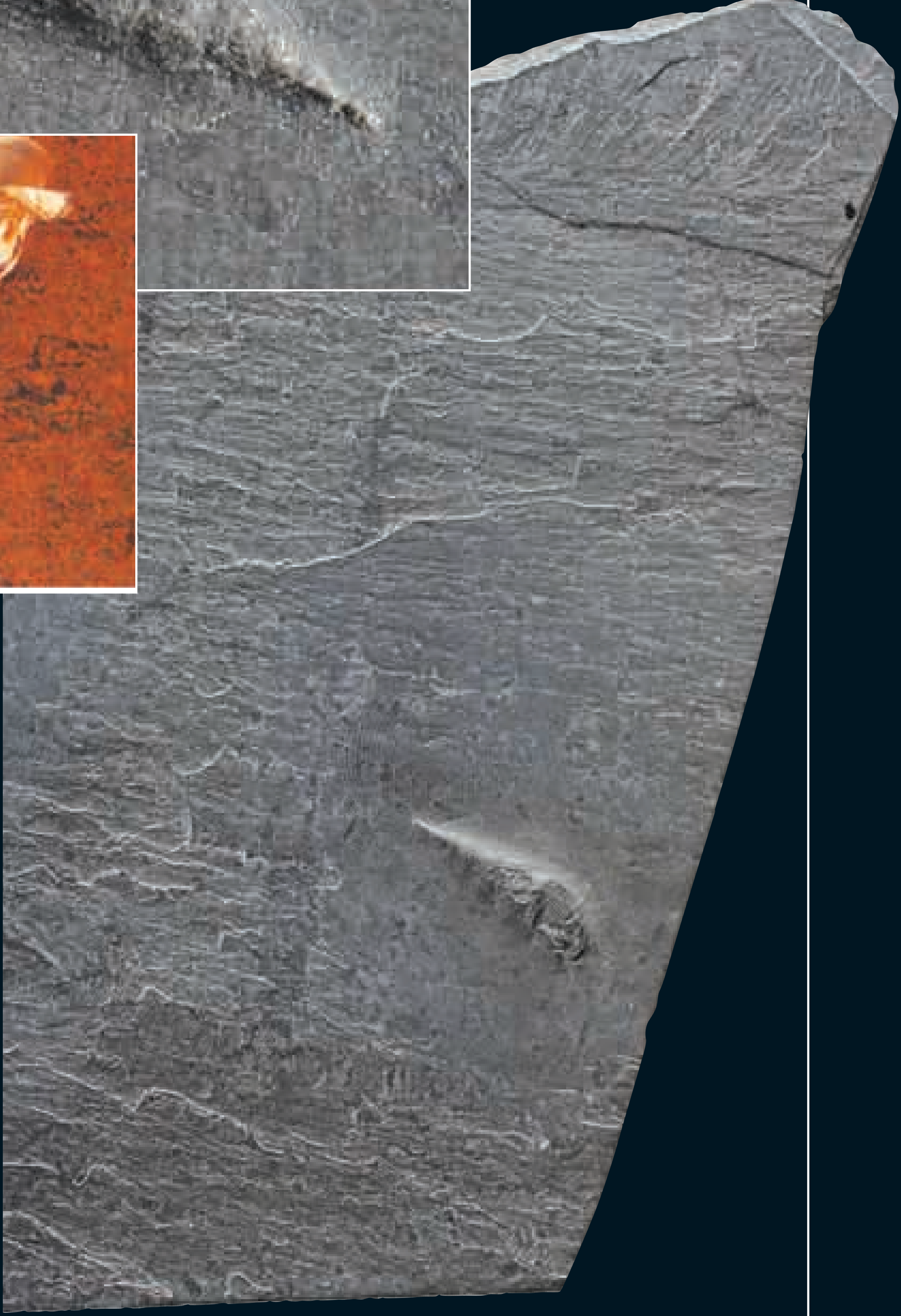

گیسٹروپوڈ/شکم پایہ

عمر- ۳۶۰ سے ۴۱۰لاکھ سال
تختی کی پیمائش- ۷سینٹی میٹر (۲.۷۵ انچ) ضرب ۹سینٹی میٹر (۳.۵ انچ)
جائے وقوع- ہنسرک کا منقلب پتھر، بنڈ نباک، جرمنی
عہد- ڈیوونین

۳۶۰ سے ۴۱۰لاکھ سال پہلے رہنے والے شکم پایہ اور دورِ حاضر میں موجود اس حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے- اس حیوان کی لاکھوں سالوں پر محیط یکسانیت اس بات کا اہم ثبوت ہے کہ دوسرے جانداروں کی طرح اس جاندار میں بھی کبھی کوئی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

شریمپ/جھینگا

عمر- ۱۴۶سے ۲۰۸لاکھ سال
پیمائش - سرسے دم تک پیمائش ۱۹.۵ سینٹی میٹر (۷.۷ انچ)
جائے وقوع- سولھوفن کے چونے کا پتھر، آکسٹاٹ، مغربی جرمنی
عہد- جوراسک

لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیل ہوئے جھینگے ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیق کئے گئے ہیں- اگر کسی جاندار میں وہی اوصاف آج بھی موجود ہیں جو لاکھوں سال پہلے موجود تھے تو یہ واقعہ کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا- فوصلی ثبوت نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے جھوٹ کی گواہی دیتے ہیں-

جمہوریہ چیک سے ملنے والے فوصلی نمونے

جمہوریہ چیک کی زیادہ تر جگرافیائی ساخت بوہیمیا کے علاقے کے پہاڑی رقبے پر مشتمل ہے- یہ رقبہ سطح سمندر سے ۹۰۰میٹر (۲۹۵۳فٹ) اونچا اور فوصلی ذخائر سے مالا مال ہے -یہاں سے ۵۴۵لاکھ سے ۲۰۵کروڑ سال پرانے پروٹیروزوئک عہد کے خرد نامیہ فوصلوں کے علاوہ ۴۹۰ سے ۵۴۳ لاکھ سال پرانے کیمبرین عہد اور۳۵۴سے ۴۱۷ لاکھ سال پرانے ڈیوونین عہد کے فوصل بھی دریافت ہوئے ہیں- ان تمام فوصلوں میں سب سے نمایاں فوصل ٹریلوبائٹ یا قدیم حیاتی دور کے سنگوارے کی ۱۳۰۰ مختلف نسلوں کے فوصل ہیں- یہ تمام فوصل برنڈی ٹریلوبائٹ کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ ان میں سے ۳۰۰ کے نام فرانسیسی ماہر معدوم حیوانات و نباتات جو کم برنڈی نے رکھے تھے-

برنڈی ٹریلوبائٹ سب سے زیادہ جنث کی زمینی طبق میں پائے گئے ہیں- اس زمینی طبق سے۲۵۱ سے ۵۴۳ لاکھ سال پرانے پیلیوروئک دور کے کئی آبی حیوانات کے فوصل بھی دریافت ہوئے ہیں جو کہ کیمبرین عہد کا ٹھنڈا دور تھا- جمہوریہ چیک کے کثیر فوصلی ذخائر حیوانات و نباتات کے مطالعہ کے لئے بے حد مفید اور اہم ثابت ہوئے ہیں کیونکہ ان فوصلوں کے ذریعے دنیا کے سامنے ڈارون کے پیروکاروں کے تمام دعوے غلط اور بے بنیاد ثابت ہوگئے ہیں- ان کے دعوے کے مطابق جاندار نسلیں کسی ایک پرکھا یا نسل سے سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے کئی مختلف نسلوں کی شکل نہیں اختیار کرگئیں بلکہ ہر جاندار فوصلی ریکارڈ میں اپنی مخصوص خصوصیات اور اوصاف کے ساتھ اچانک نمودار ہوا ہے- یہ حقیقت ڈارون کے نظریئے کےلئے ایک مہلک وار ہے-

بوہیمیا کا ملک اپنے ذرخیز فوصلی خطوں کے لیے مشہور ہے ، یہاں سے دریافت کیا گیا ہر فوصل اس بات کا گواہ ہے کہ وہ ارتقاء سے نہیں بلکہ تخلیق کے ذریعے وجود میں آیا ،

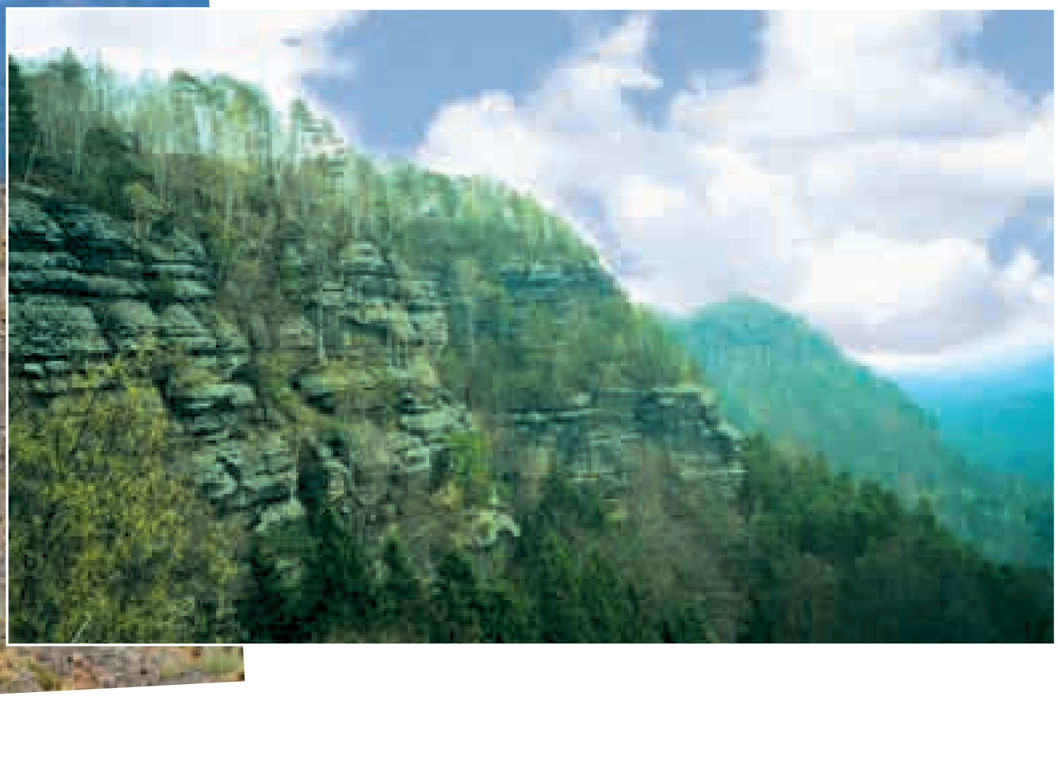

اسپین (ہسپانیہ) میں ملنے والے فوصلی نمونے

ملک اسپین کا زیادہ تر حصہ پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے مثلاً پائرنیس اور سیارہ نیواڈا -ملک کا ۲۴فیصد حصہ ۱۰۰۰ میٹر (۳۲۸۰فٹ) کی بلندی پر ہے- اس کے پہاڑی علاقوں کا شمار دنیا کے اہم فوصلی خطوں میں ہوتا ہے- اسپین کی پتھریلی ساخت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے- آئبیریا کے جزیرہ نما خطے کا شمالی اور مغربی علاقہ شفیف بلوری پتھروں مثلاً ورقی طبقاتی چٹانوں اور سنگ خارا پر مشتمل ہے- پتھریلی ساخت کا دوسرا حصہ تہ نشین پتھروں کا ہے جس کے اندر چونے کے پتھر کی کثرت ہے-

اسپین سے حاصل کئے جانے والے فوصلوں میں سمندری بے ریڑھ کے گھونگے، ۳۵۴سے ۴۱۷ لاکھ سال پرانے ڈیوونین عہد کے آبی حیوانات ،۲۹۰سے ۳۵۴ لاکھ سال پرانے کاربونیفرس عہد کی نباتاتی اور حیوانی نسلیں اور ۶۵ لاکھ سال سے دورِ حاضر تک کے سینوزوئک عہد کے ممالیہ، رینگنے والے بحری جانورں، پرندوں اور پودوں کے فوصل شامل ہیں- یہ تمام فوصل ڈارون کے پیروکاروں کو ایک شدید پریشانی کا شکار کرتے ہیں- یہ تمام فوصلی دریافتیں کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کا ثبوت نہیں پیش کرتیں بلکہ صرف اور صرف یہ ثابت کرتی ہیں کہ جاندار نسلیں کسی بھی ارضیاتی دور کے دوران تبدیلی کا شکار نہیں ہوئیں- اس ثبوت کی اہمیت واضح ہے کہ جاندار نسلیں تدریجی ترقی سے وجود میں نہیں آئیں بلکہ اﷲ تعالیٰ کی تخلیق ہیں-

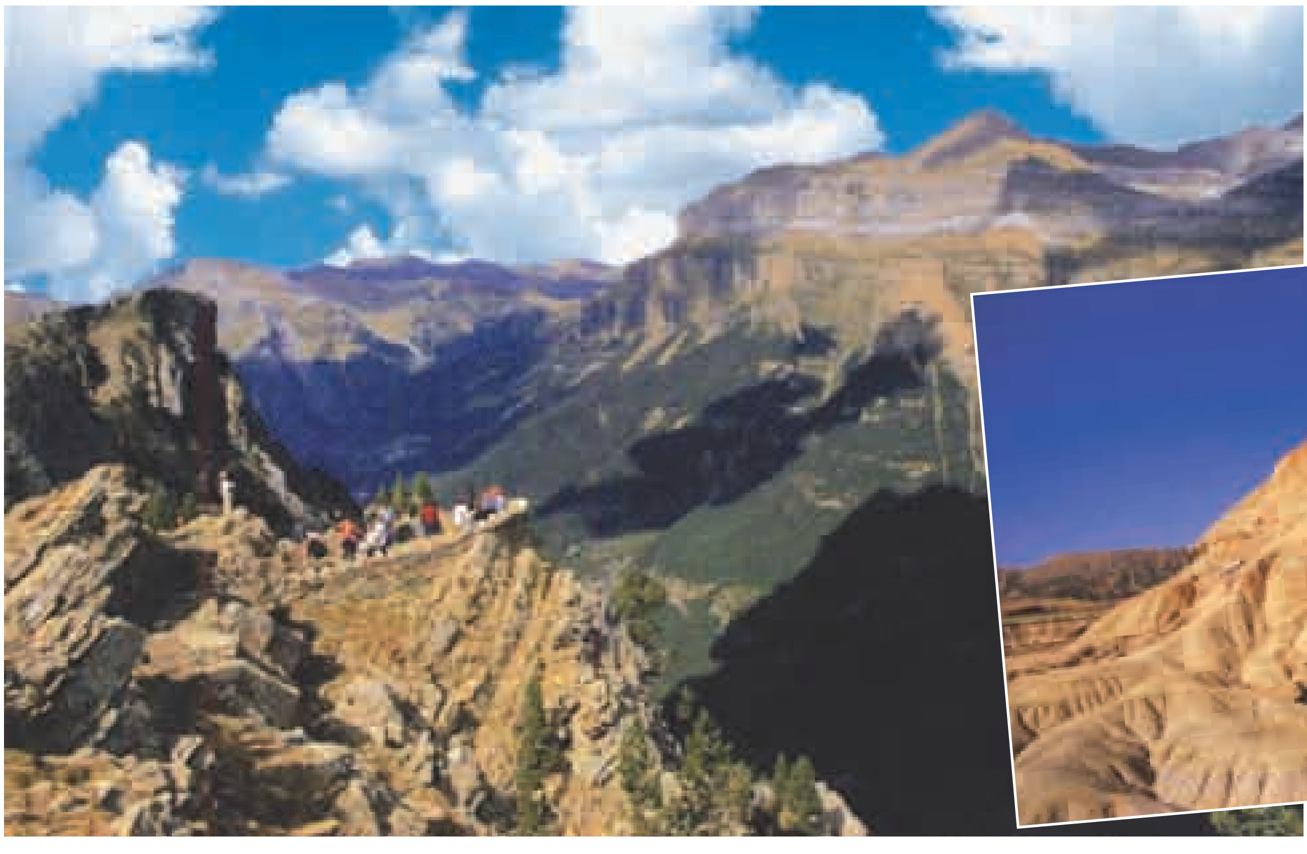

برڈیناس ریالس، اسپین میں موجود آرڈیسا کی وادی کی تشکیل چونے کے پتھروں کی ہے جن کی گہرائی تقریباً ۶۰۰ میٹر یا ۱۹۶۸فٹ ہے-

بارڈینس ریلس - اسپین

فرن /سرخس

عمر- ۲۸۶ سے۳۶۰لاکھ سال
پیمائش- ۱۳سینٹی میٹر (۱-۵ انچ) ۱۰ xسینٹی میٹر (۹-۳ انچ)
جائے وقوع- کانالس، لیون، اسپین
عہد- کاربونیفرس

فرن یا سرخس ایک بے پھول کا پودا ہوتا ہے جس کے ڈنٹھل روئیں دار ہوتے ہیں- لاکھوں سال پرانے فرن اور دورِ حاضر میں موجود اس پودے میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ فوصلی نمونے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ناقابل تردید ثبوت ہیں-

فراگ/مینڈک

عمر- ۱۲لاکھ سال
پیمائش- ۵-۱۱سینٹی میٹر (۵-۴ انچ)ضرب ۸-۱ سینٹی میٹر (۷ انچ)
جائے وقوع- شمال مغربی بوہیمیا، جمہوریہ چیک
عہد- میوسین

مینڈکوں کا ہمیشہ مینڈک ہی رہنے کا ثبوت یہ۱۲لاکھ سال پرانا فوصل ہے- دورحاضر کے مینڈک اور اس مینڈک میں کوئی فرق نہیں ہے-

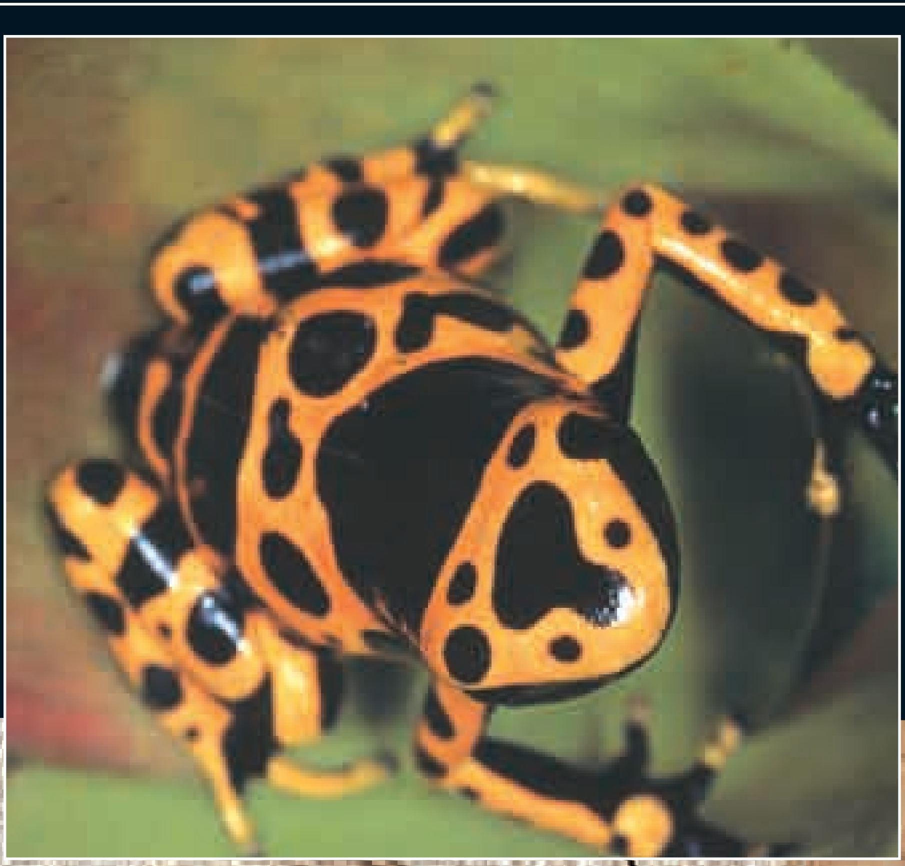

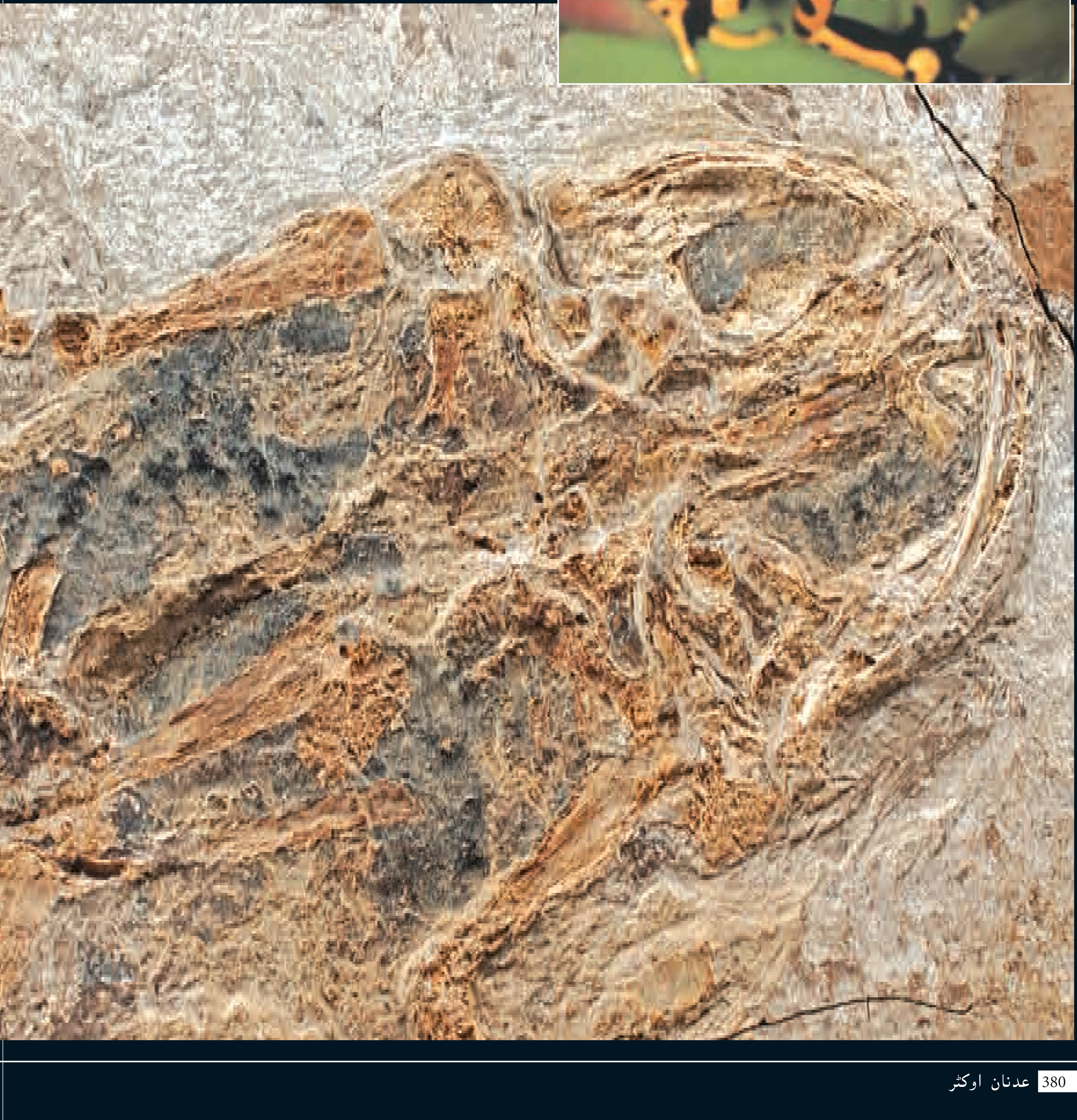

اٹلی کے مونٹابولکا کے فوصلی علاقے سے دریافت
کیا گیا مچھلی کا فوصل

مونٹابولکامیں کی جانے والی فوصلی تحقیق

اٹلی کی بٹرلوک وادی کی پتھریلی ساخت
۲۴۸ سے ۲۹۰ لاکھ سال پرانے پرمین دور
کی ہے۔

اٹلی سے ملنے والے فوصلی نمونے

اٹلی کی زیادہ تر پتھریلی ساخت دورِ قدیم میں ٹیھتس کے سمندر کی زمین تھی- قدیم یورپ کے بہت سے علاقے قدیم وقتوں میں اس سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے- ارضیاتی تحقیق کے مطابق ٹیھتس کا سمندر پانگیا کے ٹوٹنے سے وجود میں آیا تھا جو کہ کرہ ارض کا ۱۶۵لاکھ سال پہلے واحد براعظم تھا- ٹیھتس کا سمندر بہت بڑے رقبے پر مشتمل تھا اور خطِ استوا کے بے حد نزدیک ہونے کے باعث مدارینی خصوصیات کا حامل تھا- بحیرہ روم بھی ٹیتھس کے سمندر سے ۶۵ لاکھ سال پہلے نمودار ہوا- جیسے جیسے زمین
ی سطح بلند ہوتی گئی ٹیھتس کا سمندر زمین
ی بالائی پرت کی حرکت کی وجہ سے لاکھوں
ضیاتی سالوں پر محیط دوروں کے دوران شمال
ی طرف کھسکتا چلا گیا-

الوی پتھروں کے خطعے جو کہ ایک وقت میں
ھتس کے سمندر کی زمین تھے، آج لاتعداد آبی
انداروں کے فوصلوں کا مسکن ہیں- یہ فوصل
بت کرتے ہیں کہ تمام آبی حیوانات کی نسلیں
نی مکمل اور پیچیدہ ساخت کے ساتھ اچانک اس
رح نمودار ہوئیں گویا جادو سے حاضر ہوگئیں-
سی قسم کا وسطی فوصل اس بات کو ثابت کرنے
وجود نہیں کہ یہ جاندار کسی مشترک پرکھا سے
ریجی ترقی کے عمل سے وجود میں آئے- ڈارون
ے پیروکاروں نے فوصلی ریکارڈ کی شکل میں
دید ناکامی کا سامنا کیا ہے-

سنگ مرمر کی قدرتی تہیں عموماً سمندروں کے نیچے یا ان پہاڑی سلسلوں کی زمینوں پر پائی جاتی ہیں جو کسی دور میں مونگے کی چٹانوں سے آباد تھے- تصویر میں اٹالوی آلپس میں موجود ایک سنگ مرمر کی تہ ہے-

ریزر فش /مچھلی کی نسل

عمر-۶لاکھ سال
جائے وقوع- فیوم،ماریچیا، اٹلی
عہد- بالائی میوسین

اس مچھلی کا تعلق سنٹریسائڈائی خاندان سے ہے- ان مچھلیوں کے جسم خول میں بند ہوتے ہیں اور ان کی پشت کے قریب خاردار پر ہوتے ہیں- تصویر میں موجود مچھلی ۶لاکھ سال پرانی ہونے کے باوجود دورِ حاضر میں موجود اسی مچھلی کے عین مشابہ ہے- یہ فوصل ثابت کرتا ہے کہ ریزرفش کبھی بھی تدریجی دور سے نہیں گزری-

سی ہارس/سمندری گھوڑا

عمر- ۲۶لاکھ سال
پیمائش- ۵سینٹی میٹر (۲ انچ)
جائے وقوع- اٹلی
عہد- میوسین

سمندری گھوڑے سگناتھائڈائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی شکل گھوڑے کے سر و گردن سے ملتی ہے- ان کی ساخت لاکھوں سال سے کسی تبدیلی سے نہیں گزری اور اس کی یکسانیت نظریہ ارتقاءکو للکارتی ہے- تصویر میں موجود سمندری گھوڑا ۲۶لاکھ سال پرانا ہے اور دورِ حاضر کے سمندری گھوڑے سے ہو بہو مشابہ ہے-

یلو ٹیل/مچھلی کی نسل

عمر- ۴۸لاکھ سال

پیمائش- ۱۹۶ سینٹی میٹر (۷.۷ انچ)

جائے وقوع- بونٹی بولکا، ویرونا، اٹلی

عہد- ایوسین

اٹلی سے ملنے والی ایک فوصل شدہ مچھلیوں کی نسل یلو ٹیل کی ہے- تصویر میں موجود فوصل ۴۸لاکھ سال پرانا ہونے کے باوجود دورِ حاضر میں موجود یلو ٹیل کی طرح ہے اور ان میں کسی قسم کا فرق پایا نہیں جاتا- یلو ٹیل کا یہ فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

ڈریگن فلائی لاروا /بھنبھیری کی سنڈی

عمر- ۱۰لاکھ سال
پیمائش- ۴۲ملی میٹر (۶-۱ انچ) ضرب ۳۵ملی میٹر (۳-۱ انچ)
جائے وقوع- وٹوریوڈی البا، سونیو، اتلی
عہد- بالائی میوسین

فوصلی ثبوت سے ظاہر ہوا ہے کہ اپنی بالغ شکل کی طرح بھنبھری کی سنڈیاں بھی لاکھوں سالوں سے ایک ہی شکل میں موجود ہیں اور کسی تبدیلی سے نہیں گزریں- تصویر میں موجود ۱۰لاکھ سال پرانی بھنبھیری کی سنڈی میں اور دورِ حاضر کی سنڈی میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ فوصل نظریہ ارتقاءکی خام خیالی کو واضح کردیتا ہے-

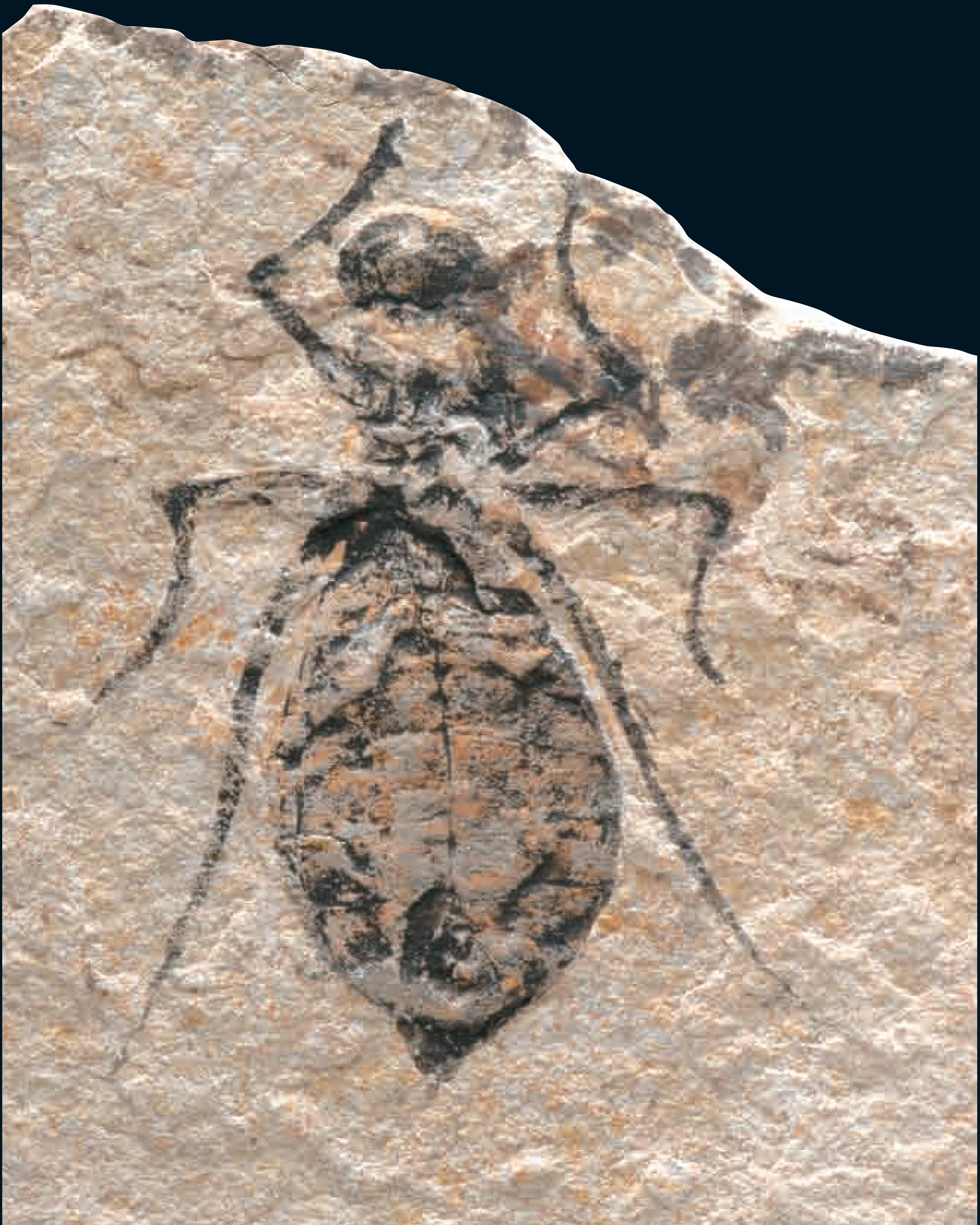

پائپ فش/لمبی تھوتھنی والی مچھلی

عمر- ۵سے۲۳ لاکھ سال
پیمائش- ۲۵ سینٹی میٹر (۱۰ انچ)
جائے وقوع- دریا مریچیا، پاگیوبرنی، اٹلی
عہد- میوسین، میسنین مرحلہ

یہ مچھلی سمندری گھوڑے کے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی لمبی تھوتھنی کی وجہ سے اس کا نام پائپ فش پڑا ہے- ان مچھلیوں کا شماربھی زندہ فوصلوں میں ہوتا ہے اور یہ نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہیں- تصویر میں موجود مچھلی ۵ سے۲۳لاکھ سال پرانی ہے اور دورِ حاضر کی پائپ فش کے عین مشابہ ہے-

فوصل دریافت ہوئے ہیں- ہر فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ جاندار نسلیں لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں اور کسی بھی تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزریں-

برطانیہ کا ایک اور اہم فوصلی میدان لانکاشائر کا ہے جہاں کی فوصلی تاریخ۲۹۰ سے ۳۵۴ لاکھ سال پرانی کاربونیفرس عہد تک جاتی ہے- تقریباً ۳۴۰ لاکھ سال پہلے یہ علاقہ ایک نیم گرم اور کم گہرائی کے سمندر کی زمین تھا- اسی وجہ سے یہاں سے بڑی تعدادمیں آبی حیوانات کے فوصل ملے ہیں- برطانیہ سے ملنے والے کئی نسلوں کے فوصل تخلیق کی حقیقت کو خصوصی طور پر نمایاں کرتے ہیں اور اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں کسی مشترکہ پرکھے سے وجود میں آئیں اور کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہیں- یہ فوصل نظریہ ارتقاءکو ناقص ثابت کرتے ہیں-

ڈورسٹ کے جوراسک ساحل سے جمع کئے گئے امونائٹ کے اوپر فوصلی تحقیق

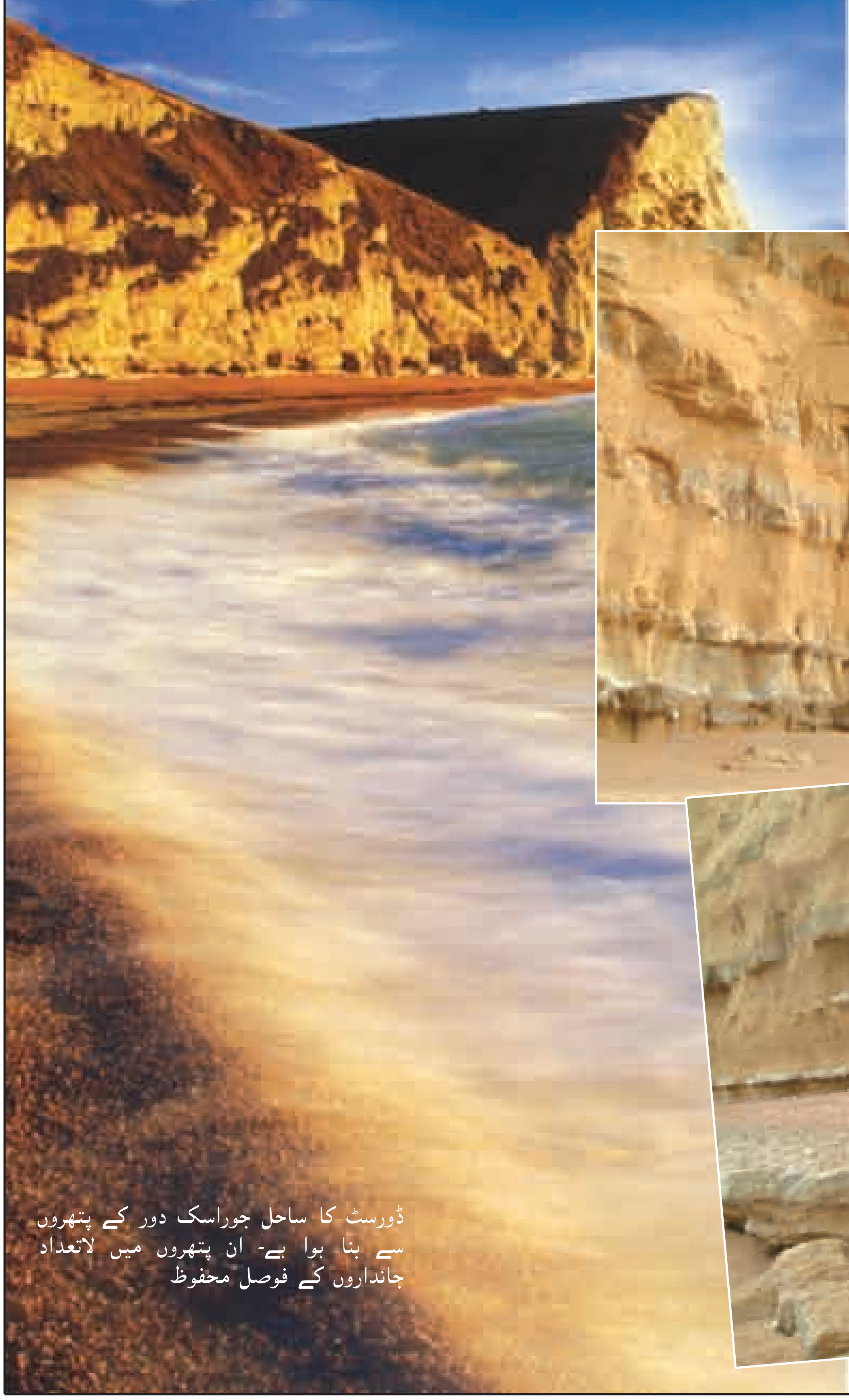

ڈورسٹ کا ساحل جوراسک دور کے پتھروں سے بنا ہوا ہے- ان پتھروں میں لاتعداد جانداروں کے فوصل محفوظ

برطانیہ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

برطانیہ میں ملنے والے سب سے پرانے فوصل ۴۱۷سے۴۴۳ لاکھ سال پرانے سلورین دور اور۳۵۴ سے ۴۱۷ لاکھ سال پرانے ڈیوونین دور کے ہیں- برطانیہ کی ارضیاتی تاریخ ۶۰۰لاکھ سال پرانی ہے اور یہاں سے بے شمار نسلوں کے فوصل دریافت ہوئے ہیں کیونکہ یہ ملک مدارینی موسم کے علاوہ برفیلی دور، سطح سمندر میں تبدیلی، آتش فشانیت اور رینجھنے کے عمل سے بھی گزرچکا ہے- ملک کے اہم زمینی خطے جہاں سے کثیر تعداد میں فوصل برآمد ہوئے ہیں وہ ملک کے جنوب میں واقع ہیں- ڈورسٹ ان خطوں میں سے ایک خط ہے-

اس علاقے کی پتھریلی ساخت مختلف خصوصیات کی حاصل ہے لیکن ڈورسٹ کا خط اپنی ساحلی پٹی کے لئے بہت مشہور ہے جس کو جوراسک ساحل کہتے ہیں- جوراسک ساحل میں نہ صرف جوراسک دور کے پتھر موجود ہیں بلکہ یہاں پر مختلف قسم کے فوصلی میدان بھی پائے جاتے ہیں- یہاں سے ہزاروں مختلف جاندار نسلوں کے بہترین طور پر محفوظ اور مکمل تفصیلی

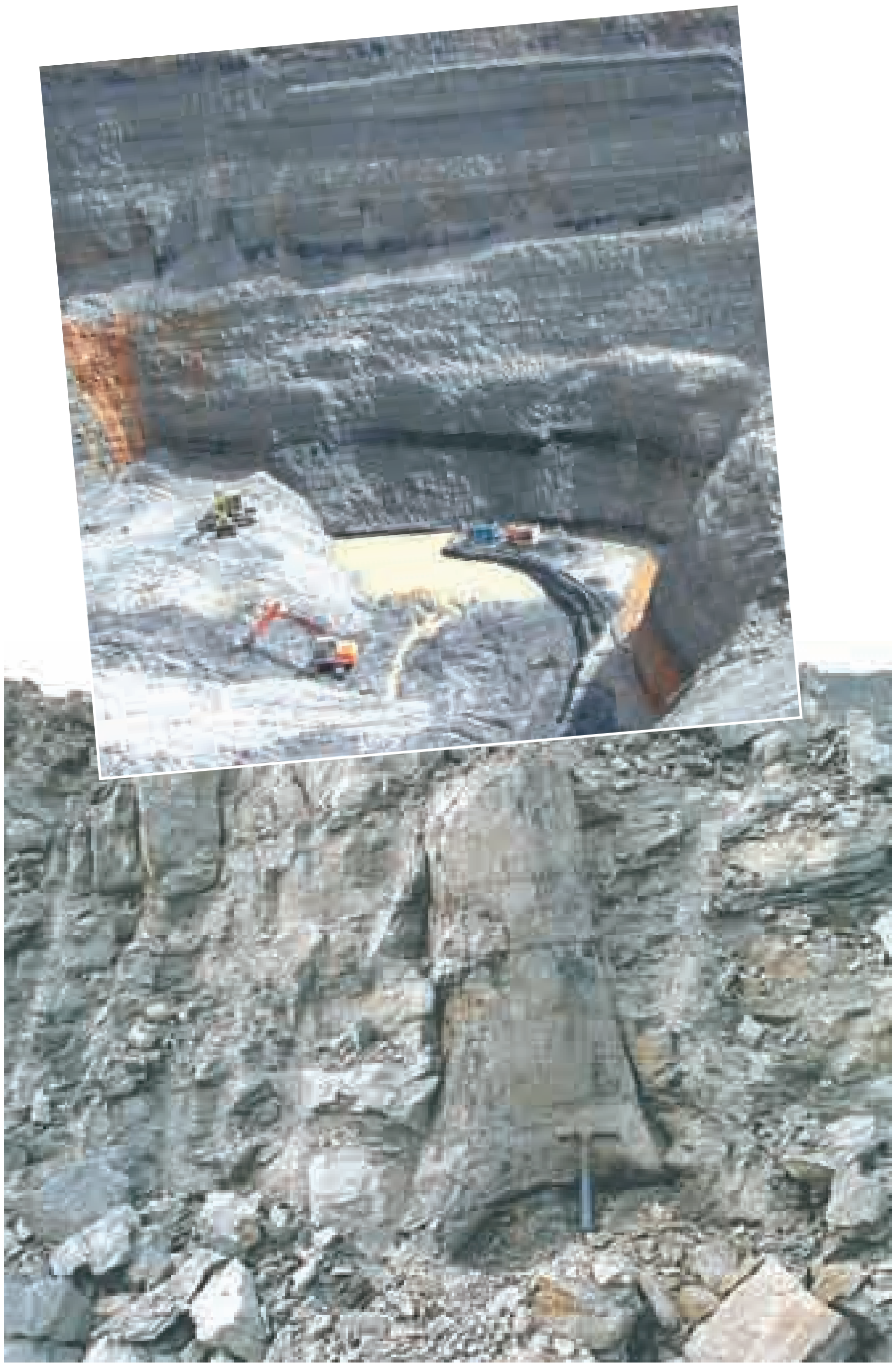

انگلستان میں موجود کروکھے کی پتھر کی کان ایک مشہور فوصلی علاقہ ہے- یہاں سے ملنے والے تمام فوصل نظریۂ ارتقاءکی تردید کرتے ہیں-

ایک فوصل اپنی معکوس تصویر کے ساتھ

ہارسشو کریب/گھڑ نعلی کیکڑا

عمر- ۳۰۰لاکھ سال

پیمائش - ۳۰ ملی میٹر (۱.۱ انچ)ضرب ۲۸ملی میٹر

گھانٹھ- ۳۷ ملی میٹر (۱-۴ انچ) ۳۹xملی میٹر (۱-۵ انچ)

جائے وقوع- کراک ہے اوپن کاسٹ کوئری، ویگن، لانکاشائر، برطانیہ

عہد- کاربونیفرس، پینسلوینین، ویسٹ فیلین اے ڈکمینٹین

گھڑ نعلی کیکڑا ژیفوسورا خاندان کا حیوان ہے اور زمین پر کیمبرین عہد سے موجود ہے- تصویر میں موجود نمونہ ۳۰۰لاکھ سال پرانا ہے اور اس تمام عرصے میں اس کیکڑے کے اندر کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- گھڑ نعلی کیکڑوں کا لاکھوں سال سے زمین پر ایک ہی شکل میں موجود رہنا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے ہر دعوے کا خاتمہ کردیتا ہے-

بریٹل اسٹار/قصیف ماہی

عمر- ۱۸۰ لاکھ سال
پیمائش- ۸ سینٹی میٹر (۱-۳ انچ)
سطر بندی- ۱۵سینٹی میٹر (۹-۵ انچ) ضرب ۵-۱۳سینٹی میٹر (۳-۵ انچ)
جائے وقوع- آئپ ڈورسٹ، برطانیہ
زمینی طبق- پلائنسباکین، ستارہ مچھلی کی طبق
عہد - جوراسک

اس ۱۸۰لاکھ سال پرانے فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ قصیف ماہی لاکھوں سال سے زمین پر ایک ہی شکل میں موجود ہے- ان میں اور دورِحاضر کی اس مچھلی میں کسی فرق کا نہ ہونا نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

نوٹیلس / حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۲۷لاکھ سال
پیمائش- ۲۲سینٹی میٹر (۸-۰ انچ)
جائے وقوع- فریش واٹر، ڈورسٹ، برطانیہ
عہد- جوراسک، ادنیٰ اولائٹ

نوٹیلس جنس ٹائلس کا کوئی سرپایہ صدفہ ہوتا ہے جس کا خول حلزونی یا پیچ دار ہوتا ہے- یہ جاندار بھی ان لاکھوں میں سے ایک ہے جس کے اندر اس کی تخلیق کے وقت سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- اس کا یہ ۱۲۷ لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کسی سلسلہ دار تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تخلیق کے عمل سے وجود میں آیا ہے-

بائی والوو/دوجڑواں صدفوں والا

عمر- ۲۰۰لاکھ سال
پیمائش- ۵.۵سینٹی میٹر (۲.۲ انچ)
جائے وقوع- کوننگزبی کوئری، اسکن تھورپ، ہمبرسائڈ ،برطانیہ
عہد- بالائی سینی مورین، جوراسک

دور حاضر میں موجود جڑواں صدفوں والے جاندار مثلاً کستور ا مچھلی وغیرہ ۲۰۰ لاکھ سال پرانے انہی جانوروں کے ہو بہو ہمشکل ہیں- دوسرے تمام جانداروں کی طرح جڑواں صدفی حیوانات نے بھی لاکھوں سال سے اپنی تمام خصوصیات کو برقرار رکھا ہے-

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۲۷لاکھ سال
پیمائش- ۳۴سینٹی میٹر (۳-۱ انچ)
جائے وقوع- شربورن، ڈورسٹ، برطانیہ
عہد- جوراسک

دورِ حاضر کے ان حلزونی سرپایہ صدفوں‌کے اندر وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو لاکھوں سال پرانے ان جانداروں میں موجود تھیں- یہ کسی بھی ارضیاتی دور کے دوران کسی تبدیلی یا تدریجی ترقی سے نہیں گزرے- تصویر میں موجود ۱۲۷لاکھ سال پرانا اس جاندار کا فوصل اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے-

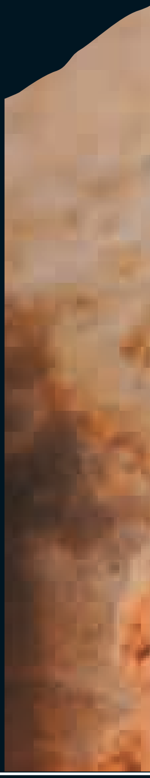

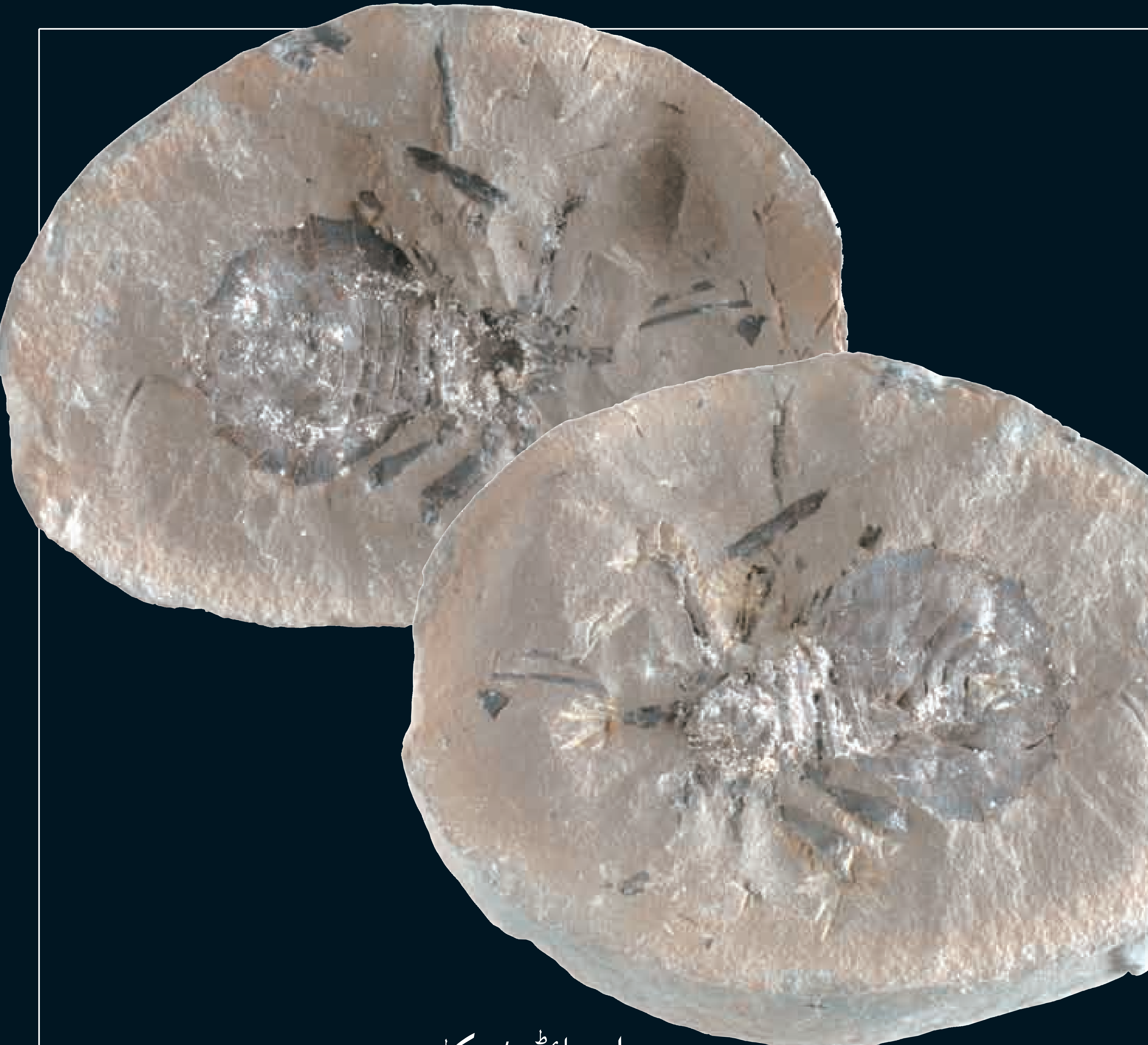

اسپائڈر/مکڑی

عمر- ۳۰۰لاکھ سال
پیمائش/قطر- ۵سینٹی میٹر (۲ انچ)
جائے وقوع- کراک بے اوپن کاسٹ کوئری، ویگن، لانکا شائر، برطانیہ
زمینی طبق- روف کاپھوٹک پتھر، شمالی ویگن کے اوپر، ۴فٹ کوئلے کی پٹی
عہد- بالائی کاربونیفرس، ویسٹ فیلین اے،پینسلوینین

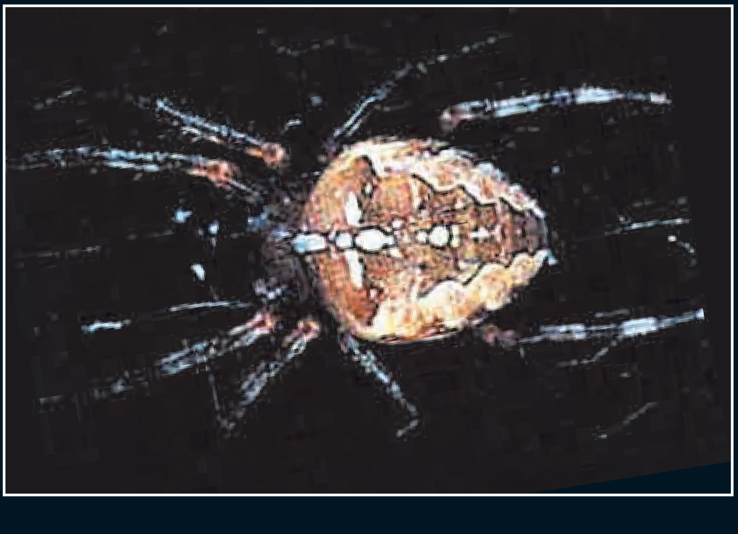

مکڑیاں جو کہ ۳۰۰ لاکھ سال گزرنے کے باوجود ایک ہی شکل میں موجود ہیں‌نظریہ ارتقاءکےلئے ایک مہلک وار ہیں- اس نظریے کے پیروکاروں کے بر دعوے کو تباہ کرتے ہوئے مکڑیاں ثابت کرتی ہیں کہ ان کی خصوصیات لاکھوں سالوں سے یکساں ہیں اور ان کے اندر کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے-

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۲۷لاکھ سال
پیمائش- ۴۰ ملی میٹر (۱-۵ انچ)
جائے وقوع- برٹن بریڈاسٹاک ڈورسٹ، برطانیہ
عہد- جوراسک، ادنیٰ اولائٹ

دورِ حاضر کے حلزونی پرپایہ صدفوں میں اور لاکھوں سال پرانے ان جانداروں میں کوئی فرق نہیں ہے- کسی بھی فرق کی غیر موجودگی تدریجی ترقی کی عدم وجودی کو ثابت کرتی ہے-

کیپروس-

عمر - ۳۵لاکھ سال
جائے وقوع-ہولینڈ
عہد - اولیجو سین

۳۵ لاکھ سال پرانے کیپروس اور دورِحاضر کے کیپروس میں کسی بھی فرق کا موجود نہ ہونا ارتقاءکے صریح جھوٹ کو واضح کردیتا ہے- ۱۵۰ سال کی ارضیاتی کھدائیوں کے دوران ایک بھی فوصل ایسا نہیں مل سکا جو نظرئیہ ارتقاءکو ثابت کر سکے- تمام فوصل صرف یہ ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں-کہ جاندار نسلیں‌کسی بھی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزریں-

پولینڈ میں دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

پولینڈ ایک اور وہ ملک ہے جس میں بالٹک کہربا پایا جاتا ہے- بالٹک کے خط کا شمار کہربا کے زرخیز ترین خطوں میں ہوتا ہے اور یہ کہربا اوسطاً ۴۵سے۵۰لاکھ سال پرانا ہے- بالٹک کے کہربا کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس کو دوسرے کہربا سے الگ کرتی ہے وہ اس کے اندر موجود ایک خاص طرح کا تیزاب ہے جس کو سکینک تیزاب کہتے ہیں- یہ تیزاب اس نسل کے درختوں کے سیال مادے میں موجود تھا جو کہ اس علاقے میں ۳۷ سے۵۴لاکھ سال پرانے ایوسین دور میں پائے جاتے تھے-

بالٹک کہربا میں موجود زیادہ تر حیوان ہے ریڑھ کے مفصل پایہ جانور ہیں- یہاں سے بہت کم کچھوؤں، گھونگوں یا فقاریہ جانوروں کے فوصل دریافت ہوئے ہیں- یہاں کے تمام فوصلی نمونے مکھیوں کو مکھیاں، تتلیوں کو تتلیاں اور سنڈیوں کو سنڈیاں ہی ثابت کرتے ہیں- ان فوصلوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے جاندار تاریخ میں ہمیشہ ایک ہی شکل میں موجود رہے ہیں- یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکے لئے ایک شدید پریشانی کا سبب ہے- لاتعداد جاندار اپنے شکار کے ساتھ اپنی سنڈیوں کے ساتھ اور بعض دفعہ سنڈیوں سے نکلنے کے عمل کے دوران ہی فوصل کی شکل اختیار کرگئے ہیں- اس سے مزید یہ پتا چلتا ہے کہ نہ صرف یہ اپنی اولین حالت میں موجود ہیں بلکہ ان کی زندگی اور زندگی گزارنے کے مرحلوں اور طریقوں میں بھی کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے-

بالٹک کے کہربا بہت بڑے رقبے سے حاصل کئے جاتے ہیں- اس رقبے پر کی جانے والی فوصلی تحقیق کی وجہ سے اس علاقے میں مختلف ارضیاتی دوروں کے کئی فوصل دریافت ہوئے ہیں- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود فوصلوں میں موجود جانداروں اور ان کے دورِ حاضر کے ساتھیوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

روس سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

سائبیریا سے منجمد جانوروں کے علاوہ بڑی تعداد میں کہربا میں محفوظ فوصل بھی دریافت ہوئے ہیں- یہ کہربا بالٹک کہربا کے نام سے جانا جاتا ہے اور ایک بہت بڑے رقبے سے حاصل ہواہے جو کہ مغرب میں برلن اور مشرق میں یورل کے پہاڑوں پر مشتمل ہے- بالٹک کہربا کی عمر ۳۷سے۵۴لاکھ سال پرانی ایوسین کے دور کی ہے- اس کہربا کا ایک بہت بڑا حصہ ساملاند کے علاقے میں بھی پایا جاتا ہے جو کہ دورِ حاضر میں روس کی سرحدوں کے اندر موجود ہے- یہ کہربا سطح زمین سے اوسطاً ۶۵میٹر (۸۲فٹ) سے۴۰میٹر (۱۳۱فٹ) کی گہرائی پر ہے- زمین کی جس پرت میں یہ کہربا موجود ہے وہ نیلی زمین کہلاتی ہے- ہر ۱۰۰۰کلو گرام (۲۲۰۴پونڈ) کی مٹی میں تقریباً ۱ کلو گرام (۲.۲پونڈ) کا کہربا موجود ہے اور کچھ سو کے ایک حصہ میں شمولیت واقع ہوتی ہے- یہاں کے کہربا کا رنگ، طبق اور دیگر دوسری طبعیاتی خصوصیات میں فرق مختلف درختوں کے گوند اور اس ارضیاتی دور کے اوپر منحصر ہے جس میں یہ وجود میں آیا- اس علاقے کے سب سے پرانے کہربا کے نمونے ۲۹۰سے ۳۵۴ لاکھ سال پرانے کاربونیفرس عہد کے ہیں- اس جگہ کے علاوہ اس عمر کا کہربا ریاستہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ میں بھی پایا جاتا ہے- کہربا کے اندر کسی جاندار کا فوصل وجود میں آنے کے لئے دو سلسلہ وار کیفیات کا اس جاندار کے اوپر اثر انداز ہونا ضروری ہوتا ہے- پہلا لازمی عمل کہربا کا ٹھنڈ یا خشکی کی وجہ سے سخت ہونا اور دوسرا اس جاندار کے ریشہ لحمی کے گلنے سڑنے کا عمل ہے- اس گلنے سڑنے کے عمل کے دوران جاندار کے جسم سے جو سیال خارج ہوتا ہے وہ کہربا کے گیلے گوند کے ساتھ مل کر ایک خاص ساخت اختیار کرلیتا ہے- جاندار کا جسم ایک غبارے نما بلبلے کے اندر محفوظ ہوجاتا ہے- غرضیکہ گیلے گوند کو کہربا کے اندر تبدیل ہونے کے لئے کئی کیمیائی اور ارضیاتی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے-

سائنسدانوں کے لئے کہربا میں موجود فوصل خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں- کئی جاندار اپنی زندگی کے ضروری اور حیرت انگیز لمحوں کے دوران فوصل کی شکل اختیار کرگئے اور ان کے یہ نمونے آج ساری دنیا کے سامنے موجود ہیں- ان حیرت انگیز لمحوں کے نمونوں میں ان کا ان کے آشیانے تک کھانا لے کر جانا، اپنے آپ کا دشمن سے بچاؤ، اپنے آپ کو دھوکہ دہی سے دشمن سے بچانا، اپنی اولاد کا بچاؤ اور اپنے دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے کیمیائی اجزاءکا اخراج شامل ہیں- ان تمام نمونوں سے یہ ناقابل تردید ثبوت سامنے آتا ہے کہ لاکھوں سال پہلے زندہ رہنے والی جاندار نسلوں اور دورِ حاضر کے انہی جانداروں کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ تمام ثبوت نظریہ ارتقاءکی تدریجی ترقی کے ہر دعوے کو ناقص بنادیتے ہیں-

روس میں موجود کہربا کے فوصلوں کا ذرخیز علاقہ

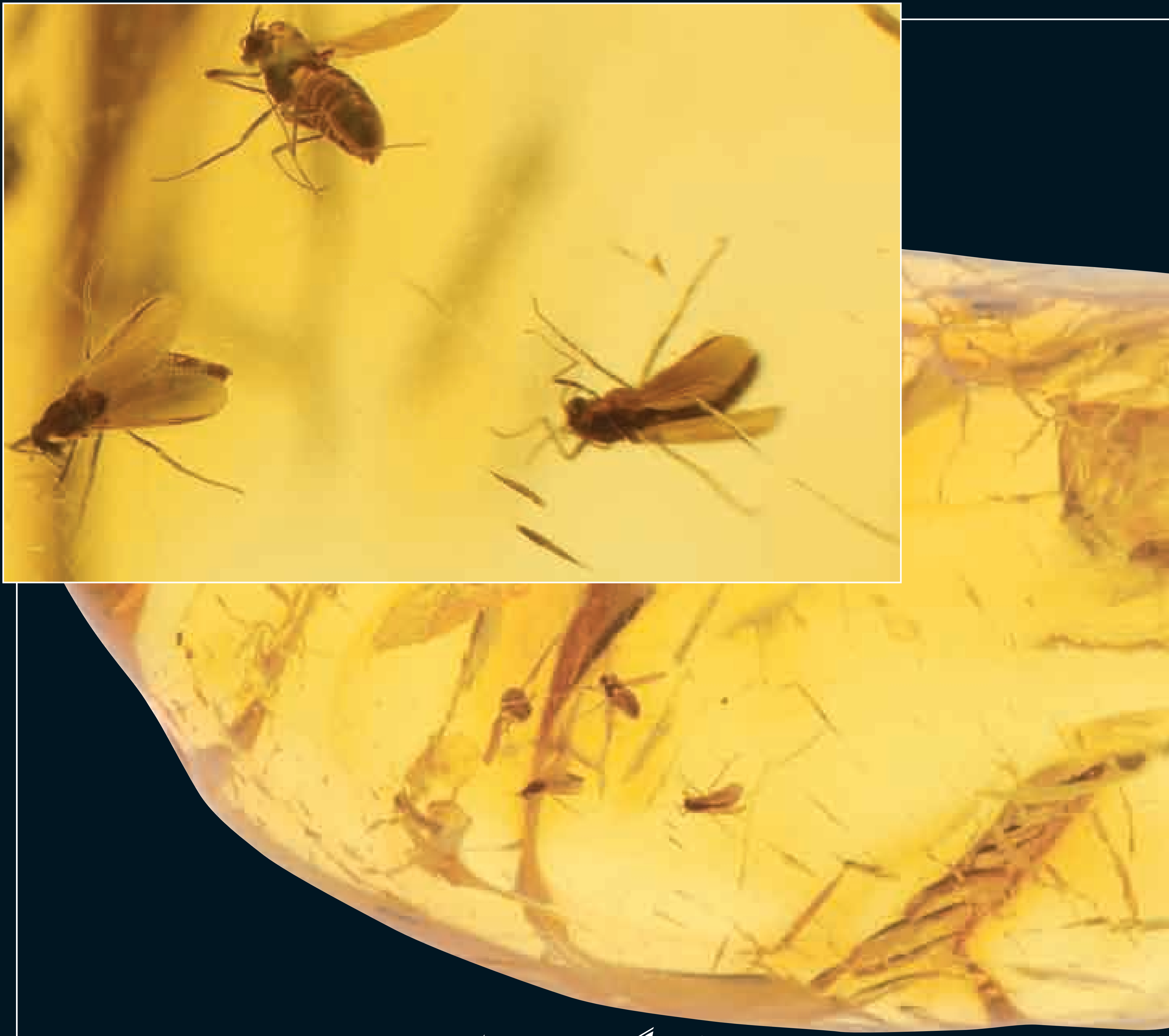

بائٹنگ مج سوارم/مچھر سے ملتے جلتے کیڑوں کے غول

عمر- **۴۵**لاکھ سال

پیمائش- **۲۹**ملی میٹر (۱.۱ انچ)x۱۷ملی میٹر (۰۶ انچ)

جائے وقوع- کالیننگراڈ علاقہ، روس

عہد- ایوسین

مج ایک مچھر سے ملتا جلتا دوپراچٹکنے اور خون پینے والا کیڑا ہوتا ہے جو چھوٹے کیڑوں کو بھی کھاتا ہے- اس فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری تمام جاندار نسلوں کی طرح یہ کیڑا بھی کسی ایک مشترک پرکھا کی سلسلہ وار تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف تخلیق کے عمل سے وجود میں آیا ہے- اس **۴۵**لاکھ سال پرانے مادہ مج میں اور دورِ حاضر کے اس کیڑے میں کوئی فرق نہیں ہے-

فازمڈ نمف (واکنگ اسٹک)/عصاحشرہ

عمر- ۴۵لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

عصاحشرہ فارمیڈائی خاندان کا لمبوترا اور بے پر کا حشرہ ہوتا ہے جس کا جسم کونپل کی طرح ہوتا ہے- یہ کیڑے دھوکہ دہی کے ماہر ہوتے ہیں کیونکہ ان کے جسم کا رنگ اور ساخت درخت کی کاڑیوں اور پتوں سے بہت ملتی جلتی ہے- ان کیڑوں اور اصلی پتوں اور ٹھنیوں میں فرق کرنا ناممکن ہوجاتا ہے- دورِ حاضر میں موجود عصا حشرے نہ صرف اپنی حفاظت اور دھوکہ دہی کے لئے ہوبہو وہی طریقے استعمال کرتے ہیں جوکہ ۴۵ لاکھ سال پال رہنے والے یہ حشرے کرتے تھے بلکہ ان کے جسم کا رنگ اور زبردست ساخت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- یہ حقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ نظریہ ارتقاءخام خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں-

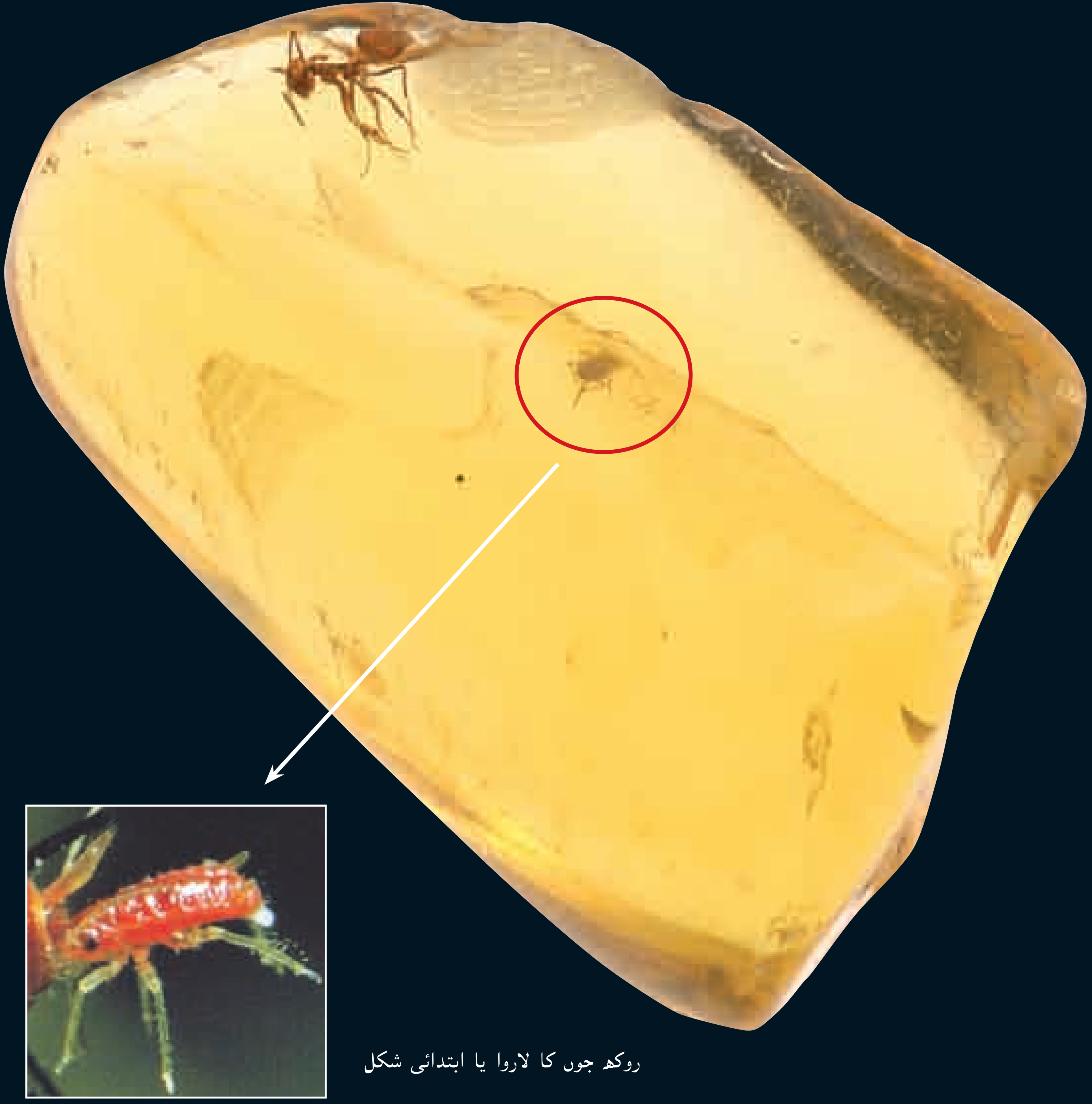

روکھ جوں کا لاروا یا ابتدائی شکل

ورکر آنٹ، ایفڈ لاروا /مزدور چیونٹی اور روکھ جوں کی سنڈی

عمر- **۴۵**لاکھ سال

پیمائش- ۲۰ملی میٹر (۰-۷ انچ) ضرب ۱۲ملی میٹر (۴-۰ انچ)

شمولیت - ۲ملی میٹر (۰۷-۰۰ انچ)

جائے وقوع- کالیننگراڈ علاقہ، روس

عہد- ایوسین

لفظ 'چیونٹی' ان تقریباً ۸،۰۰۰ نسلوں کے کیڑے مکوڑوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جھنڈ کی صورت میں زمین کے اند رایک بھرپور معاشرتی زندگی گزارتے ہیں- چیونٹی کی ہر نسل کی اپنی مخصوص خصوصیات ہوتی ہیں- روکھ جوں ان حقیر کیڑوں کی نسل ہوتی ہے جو درخت کے پتوں، شاخوں یا جڑ سے چوب رس چوستے ہیں- اس کھربا میں ایک نیم بالغ روکھ جوں ایک مزدور چیونٹی کے ساتھ فوصل میں تبدیل ہوگئی ہے- روکھ جوئیں چیونٹیوں کے ساتھ عموماً تعاون سے رہتی ہیں کیونکہ کچھ چیونٹیاں ان کی نشوونما بھی کرتی ہیں- گویہ فوصل **۴۵**لاکھ سال پرانا ہے لیکن اس میں موجود روکھ جوں اور چیونٹی میں‌اور دورِ حاضر کے انہیں کیڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ کیڑے نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتے ہیں-

کریب اسپائڈر/کیکڑا مکڑی

عمر- ۴۵ لاکھ سال
کہربا کی پیمائش- ۱۷ ملی میٹر (۶-۰ انچ)
زاویہٴ مستقیم- ۸ملی میٹر (۰۳-۰ انچ)
مکڑی- ۵ ملی میٹر (۱-۰ انچ)
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

کیکڑا مکڑی کا نام اس مکڑی کی کیکڑے سے ملتی جلتی شکل کی وجہ سے پڑا ہے- دنیا میں مکڑیوں کی تقریباً ۲،۰۰۰ مختلف نسلیں ہیں- کہربا میں محفوظ کیکڑا مکڑی ۴۵لاکھ سال پرانی ہونے کے باوجود دورِ حاضر کی کیکڑا مکڑی کی عین مشابہ ہے-

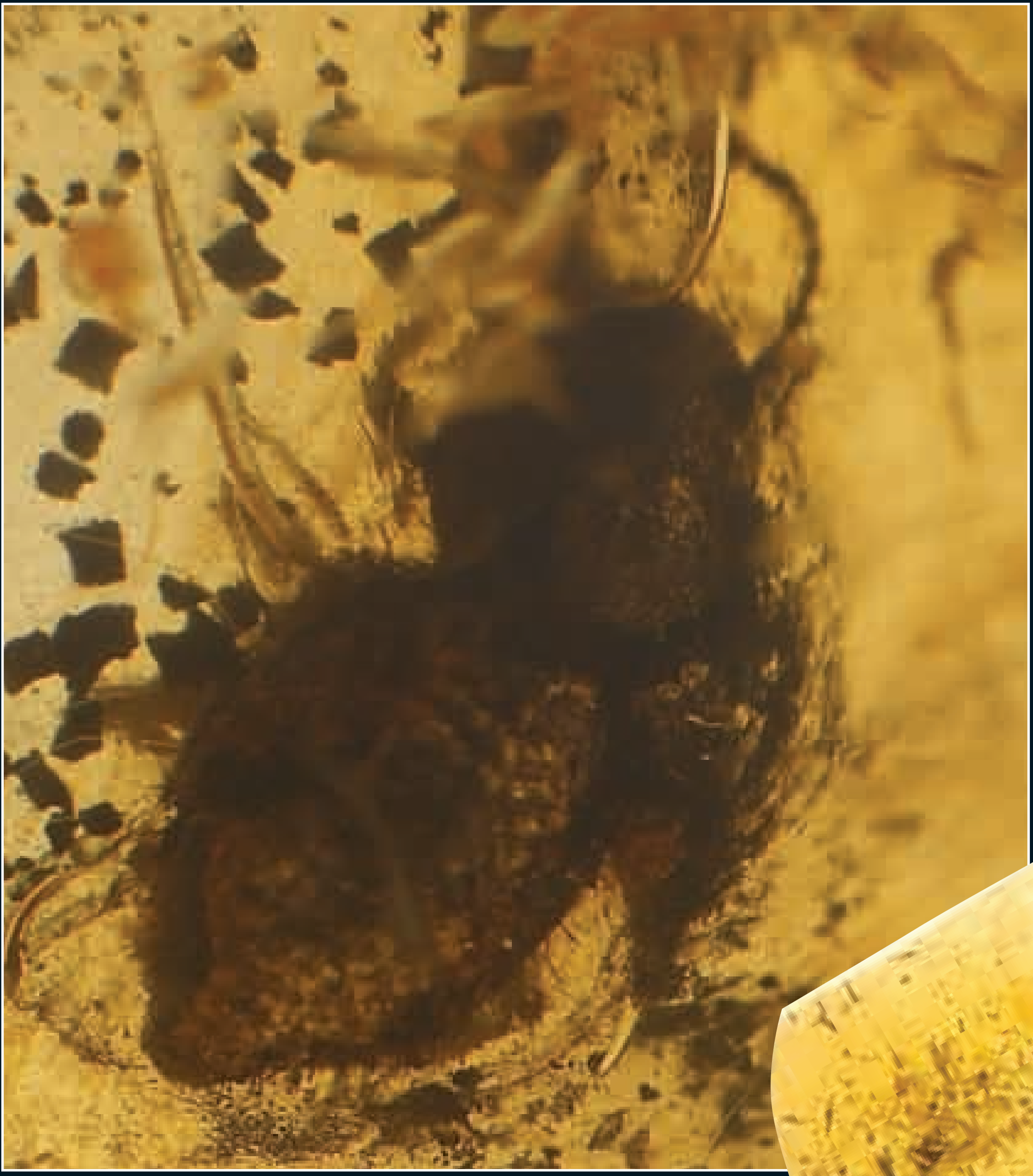

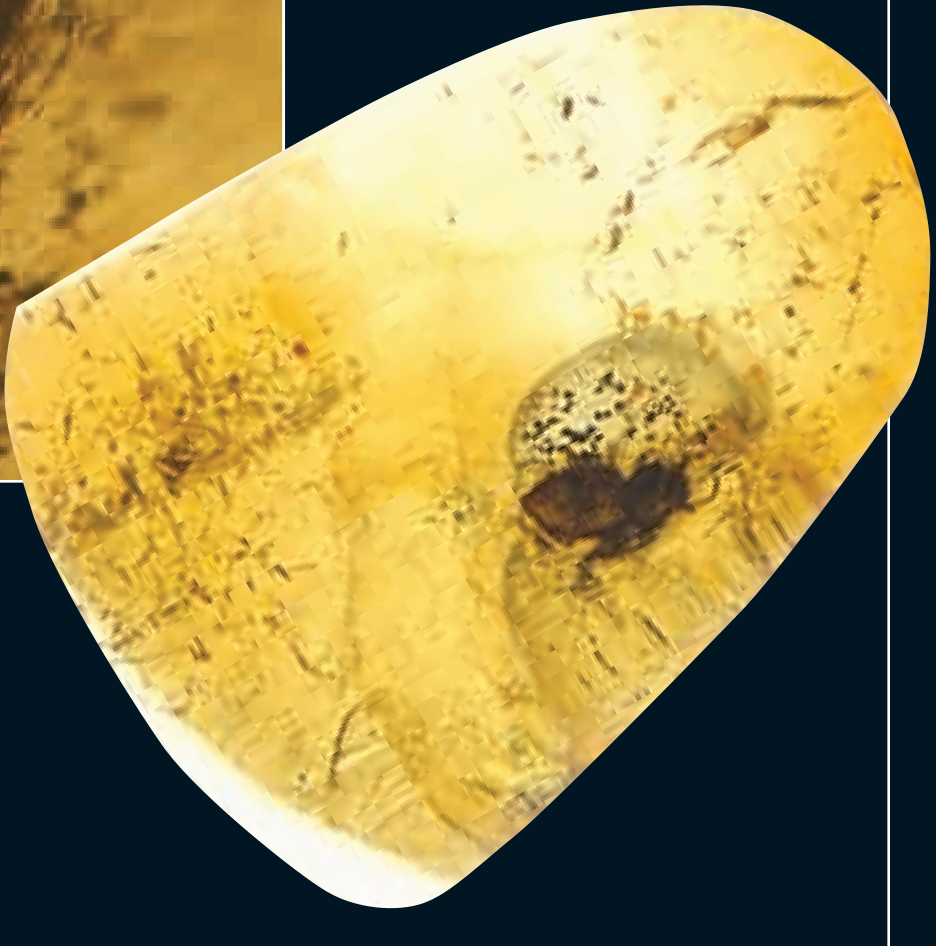

ایفڈلاروا/روکھ جوں کی سنڈی

عمر- ۴۵لاکھ سال
خط مستقیم- ۷ ملی میٹر (۰.۲ انچ)
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

پمفیگائڈائی سے تعلق رکھنے والی روکھ جوں کے پر نہیں ہوتے اور ان کا مسکن درخت اور بعض دفعہ بوٹی دار پودے ہوتے ہیں- تصویر میں موجود روکھ جوں کا لاروا یا سنڈی **۴۵ لاکھ** سال پرانی ہے لیکن موجودہ دور تک ان میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- یہ فوصل نظریہ ارتقاءکے ہر دعوے کو جھوٹا ثابت کرتا ہے-

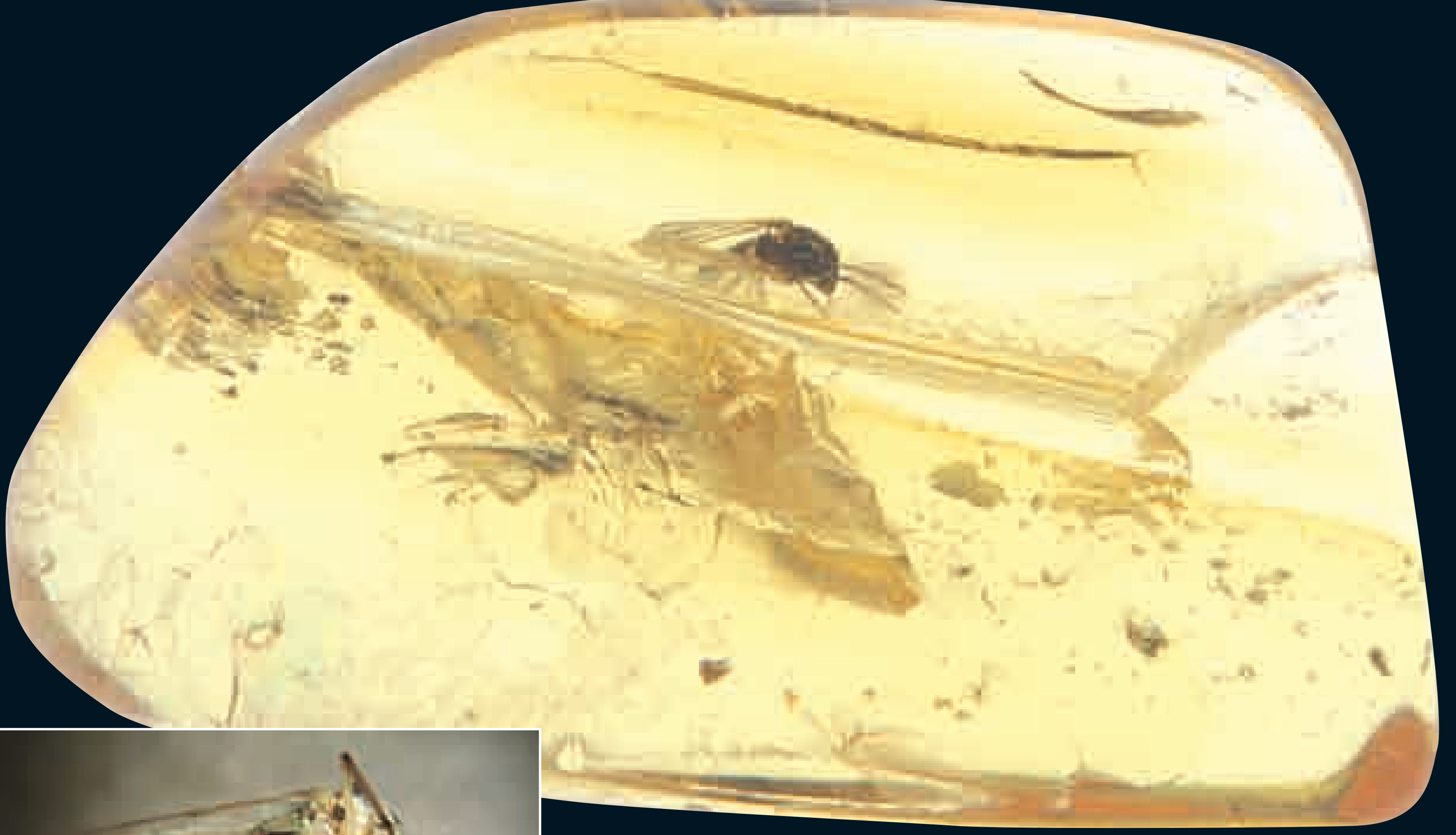

مچ/مچھر سے ملتا جلتا کیڑا

عمر- ۴۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۴ملی میٹر (۰۵ انچ) لمبا ،۸ ملی میٹر (۰۳ انچ) زاویہ مستقیم
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

ڈارون کے نظریے کے پیروکار دوسرے ہر موضوع کی طرح کیڑے مکوڑوں کے نقط آغاز کے بارے میں بھی لاجواب ہیں- کہربا میں موجود فوصلوںکی وہ اپنے نظریے کے تحت کسی قسم کے سائنسی ثبوت کے ساتھ وضاحت کرنے سے قاصر ہیں- یہ جانداروں کے فوصل صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ تدریجی ترقی کسی دور میں عمل پذیر نہیں ہوئی-

لونگ لیگڈ فلائی/لم ٹنگا مکھی

عمر- ۴۵لاکھ سال

پیمائش- ۱۵ملی میٹر (۰-۵ انچ) لمبا، خط مستقیم ۹ملی میٹر (۰-۳ انچ)

جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس

عہد- ایوسین

مکھی ڈپٹیرا ترتیب کارکن ہے اور لاکھوں سال سے زمین پر کسی تبدیلی کے بغیر ایک ہی شکل میں موجود ہے- کوئی بھی جاندار نسل اگر اتنے لمبے عرصے تک زمین پر بغیر تبدیلی کے موجود رہے تو یہ نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید ثابت ہوئی ہے-

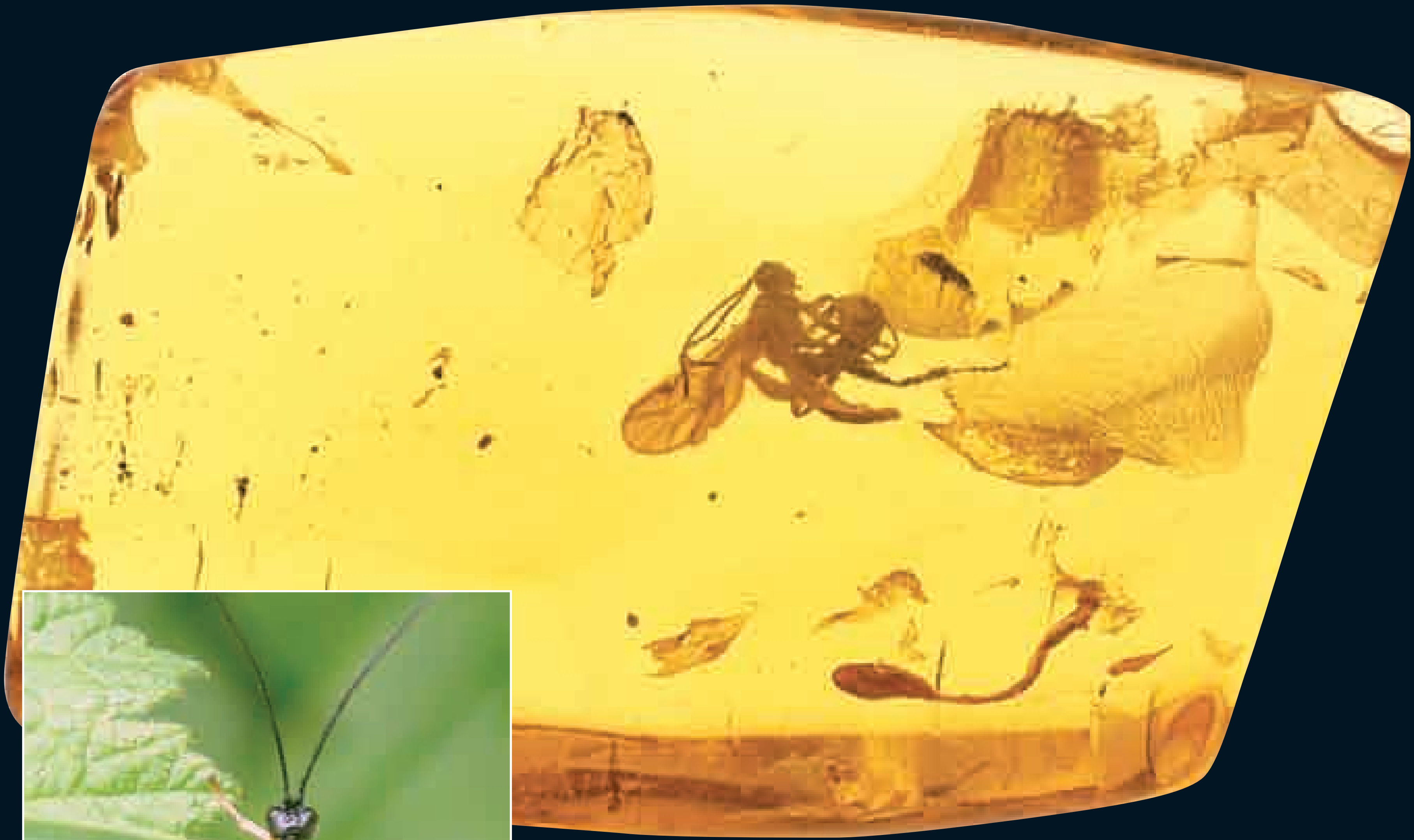

واسپ /بھڑ

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

تصویر میں ایک ۵۰لاکھ سال پرانی بھڑ بالٹک کہربا میں محفوظ نظر آرہی ہے -دوسرے تمام جانداروں کی طرح جو کہ لاکھوں سال سے یکساں شکل میں دنیا میں موجود ہیں یہ بھڑ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی گواہی دیتی ہے-

کیڈس فلائی/مئی مکھی

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

مئی مکھی ٹریکوپٹیرا نسل کے روئیں دار پروں والے رات کو نکلنے والے پتنگے ہوتے ہیں جو پانی کے قریب پائے جاتے ہیں- مئی مکھی کی سنڈیاں مچھلیوں کے شکار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں- مئی مکھی لاکھوں سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے اور اس کا ثبوت اس کا ۵۰ لاکھ سال پرانا یہ فوصل ہے-

سٹون فلائی /پلی
کو پٹیرا زمرے کا کیڑا

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک،کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

استون فلائی زمرہ پلی کوپٹیرا زمرے کا کیڑا ہوتا ہے جو دریا کے کنارے کے پتھروں کے نیچے پایا جاتا ہے- یہ ۵سے۱۰ملی میٹر (۰-۱ سے ۰-۳ انچ) لمبا ہوتا ہے اور اس کے سر پر لمبے محاسوں کی جوڑی ہوتی ہے- اس کیڑے کی سنڈی بھی مچھلیوں کے شکار کے لئے استعمال ہوتی ہے- یہ کیڑے لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں دنیا میں موجود ہیں- ان کے۵۰لاکھ سال پرانے نمونے اور دورِ حاضر کے زندہ کیڑے میں کوئی فرق نہیں ہے-

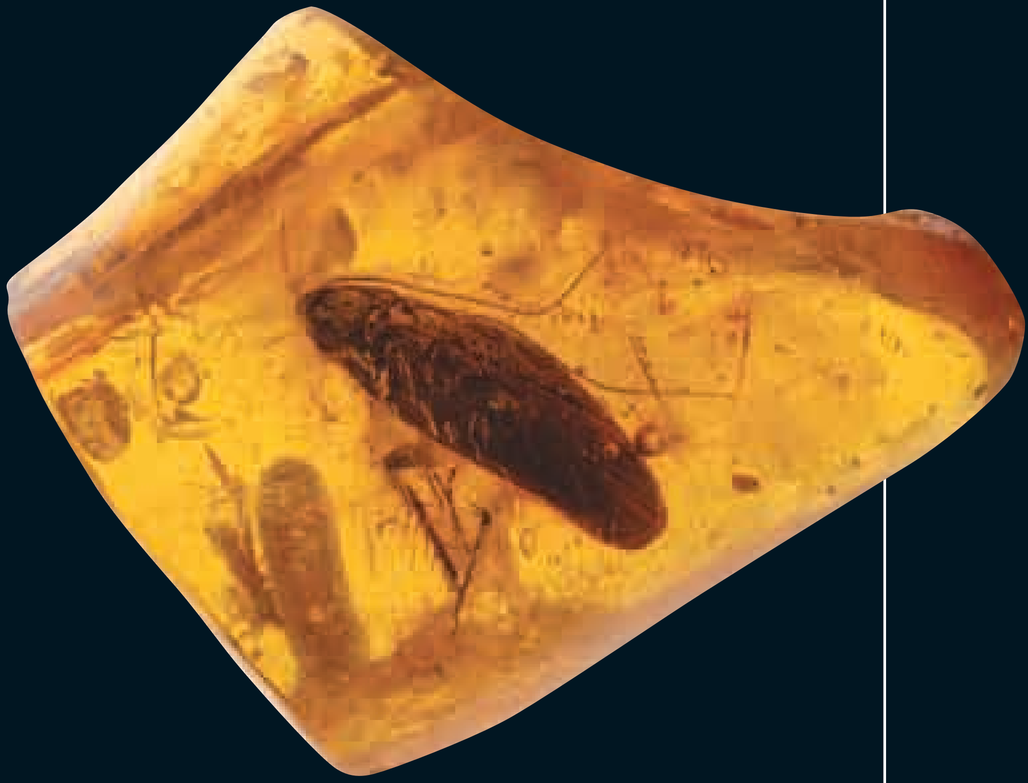

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

لال بیگ کا شمار اولین ترین پردار کیڑے میں ہوتا ہے اور اس کا سب سے پہلے ملنے والا فوصل ۳۵۰لاکھ سال پرانے کاربونیفرس عہد کا ہے- یہ کیڑا اپنے محاسوں کی نازک جوڑی کے ساتھ ،جو کہ ہلکی سی ہوا بھی محسوس کرسکتے ہیں ،اور اپنے بے عیب پروں کے ساتھ، جن کے اندر نیوکلیائی اشعاع تک برداشت کرنے کی طاقت ہوتی ہے ،لاکھوں سالوں سے بغیر تبدیلی کے زمین پر زندہ اور قائم ہے- ۵۰لاکھ سال پرانا یہ لال بیگ دورِ حاضر کے لال بیگ کا عین ہمشکل اور مشابہ ہے-

موتھ/پتنگا

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

پتنگا تتلیوں سے شکلاً ملتی جلتی نسل کا کیڑا ہوتا ہے- تتلیاں اور پتنگے دونوں لیپی ڈوپٹیرا ترتیب کے رکن ہیں- تصویر میں موجود ۵۰لاکھ سال پراناپتنگا دورِ حاضر کے پتنگے سے بالکل مختلف نہیں ہے اور ثابت کرتا ہے کہ جاندار نسلیں کسی تدریجی ترقی کے عمل کا نتیجہ نہیں ہیں-

گراس ہاپر/ٹڈا

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

اس فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقاءکے دعووں کے برخلاف کیڑے مکوڑوں کے کوئی قدیم پرکھا نہیں ہیں- فوصلی ریکارڈ کے مطابق کیڑے مکوڑوں کی ساری نسلیں اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ اچانک نمودار ہوئیں اور انہیں خصوصیات کے ساتھ آج تک دنیا میں موجود ہیں- اس کا ایک ثبوت یہ ۵۰لاکھ سال پرانا ٹڈے کا فوصل ہے جو کہ دورِ حاضر میں موجود ٹڈے کا ہوبہو مشابہ ہے-

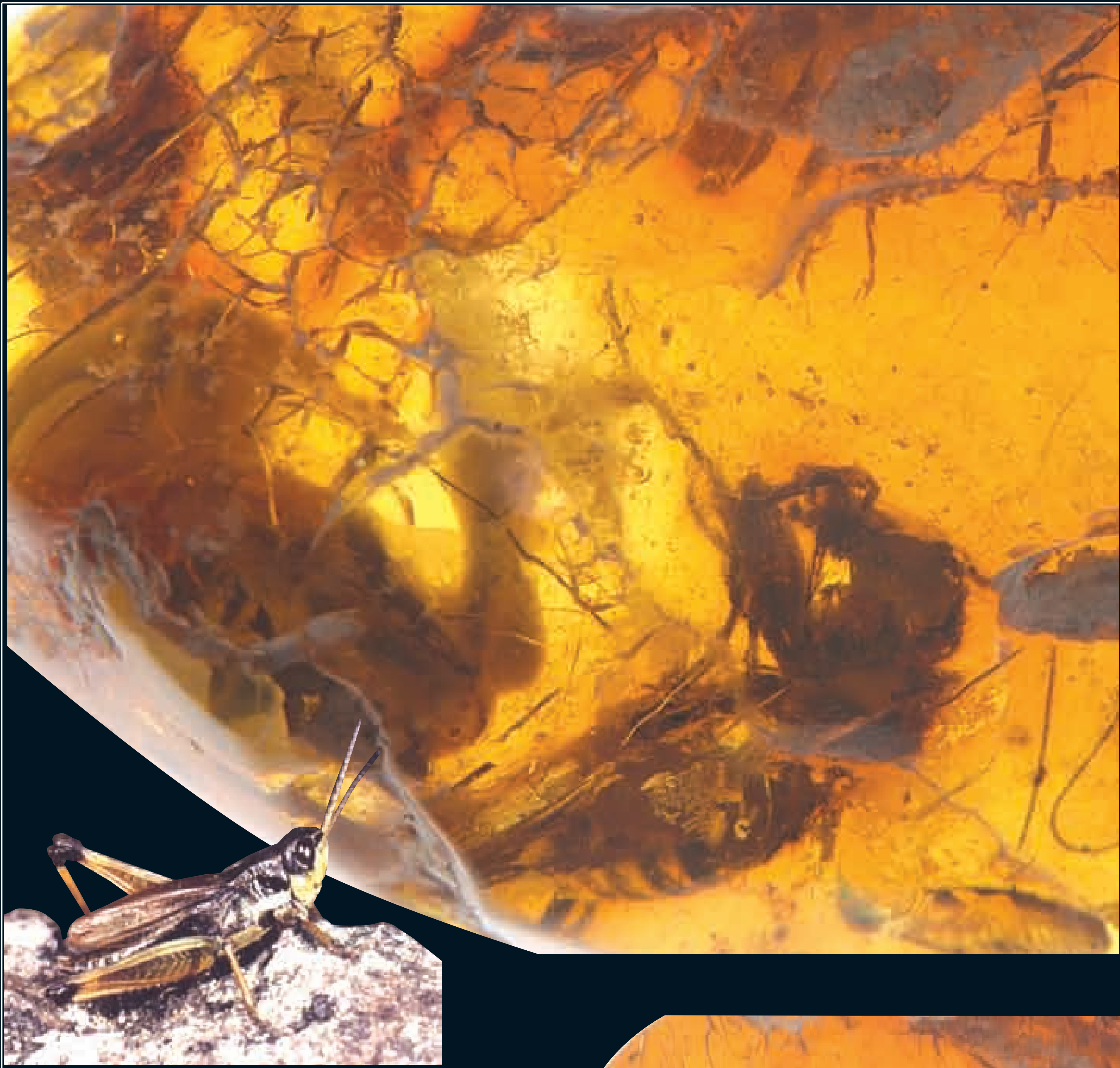

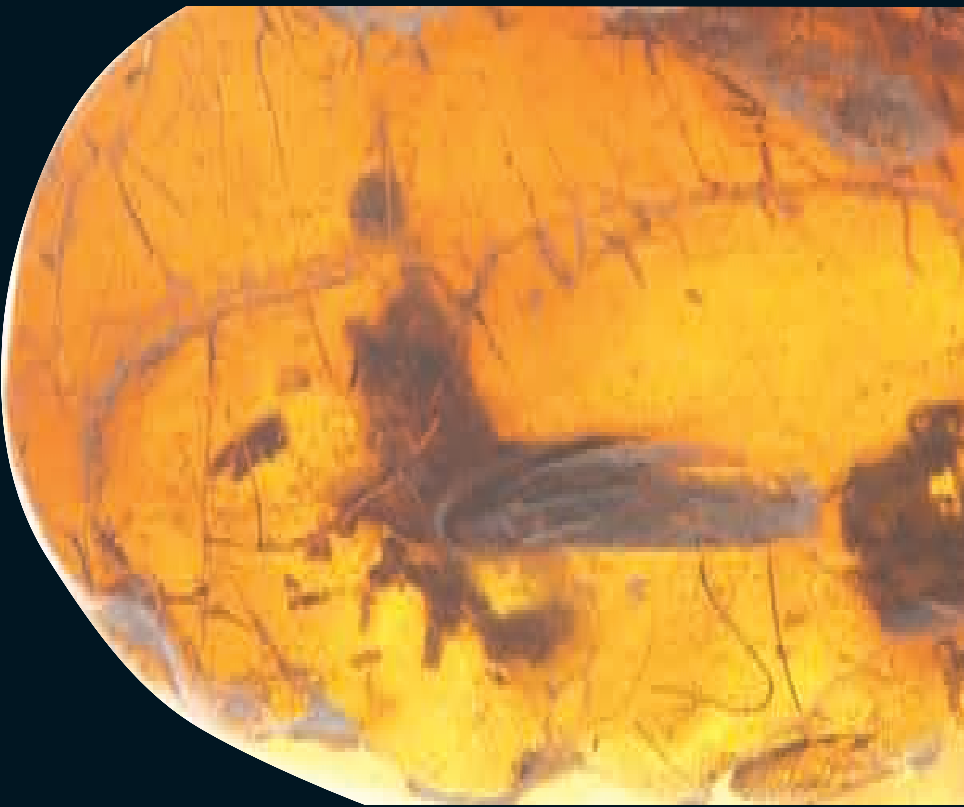

گراسہاپر/ٹڈا

عمر- ۵۰لاکھ سال

جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس

عہد- ایوسین

کھربا میں محفوظ یہ ٹڈا اپنے دور حاضر کے جوڑی داروں کے ہر طرح سے بمشکل اور خصوصیات میں مساوی ہے اور ثابت کرتاہے کہ یہ کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیق کیا گیا ہے-

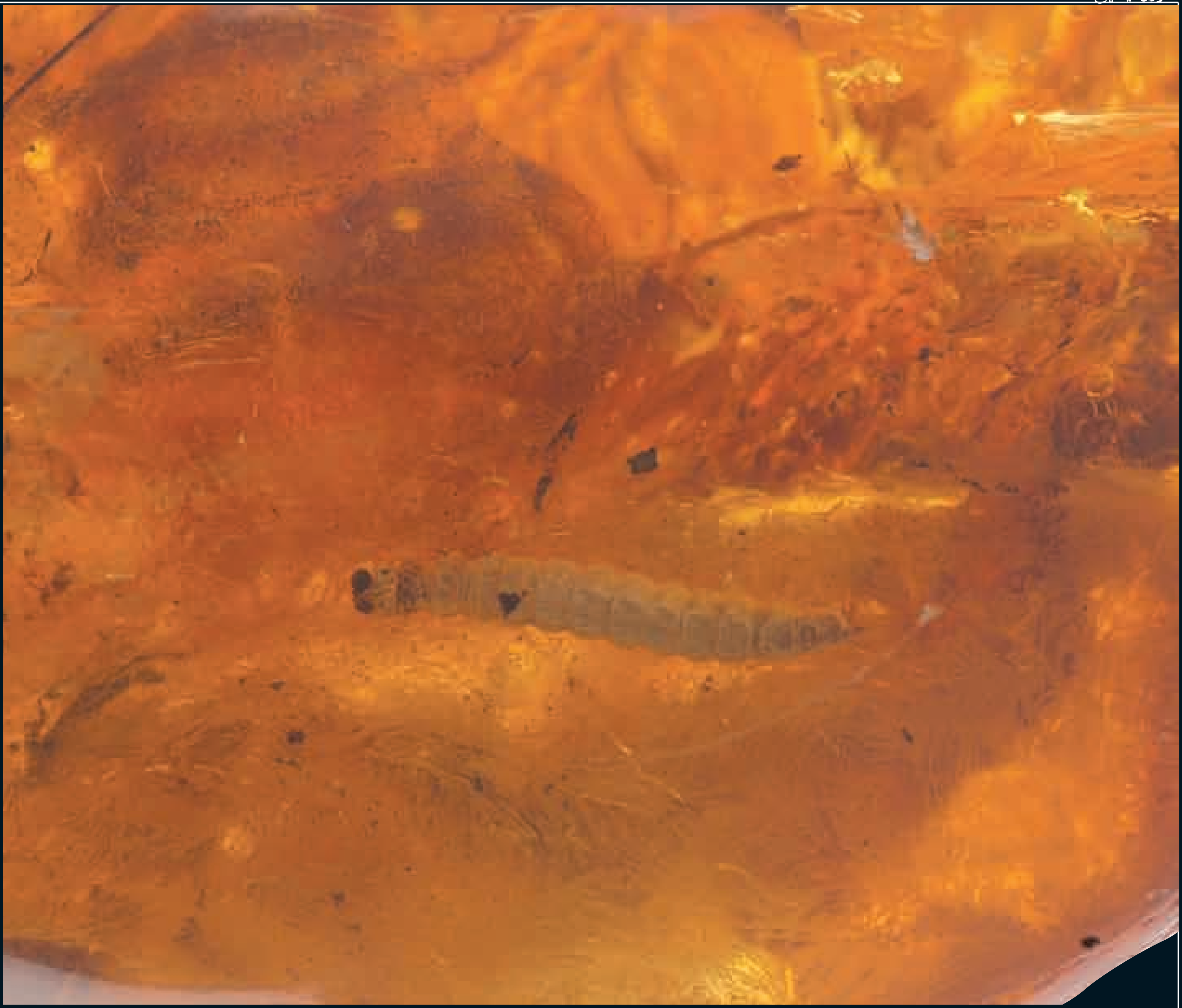

کیٹر پلر /کملی کیڑا

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

کملی کیڑا تتلی یا پتنگے وغیرہ کا لاروا یا پھل روپ ہوتا ہے-کھربا میں محفوظ یہ ۵۰لاکھ سال پرانا کملی کیڑے کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ کملی کیڑے ہمیشہ کملی کیڑوں ہی کی شکل میں دنیا میں موجود رہے ہیں- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان کیڑوں کے اوصاف اور خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے-

فلائی/مکھی

عمر- ۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- پولینڈ
عہد- ایوسین

کہربا میں محفوظ اس مکھی کے فوصل سے صاف ثابت ہے کہ۵۰لاکھ سال پہلے رہنے والی مکھی اور دورِ حاضر کی مکھی میں کوئی فرق نہیں ہے-

فلائی/مکھی

عمر- ۵۰ لاکھ سال

جائے وقوع- پولینڈ

عہد- ایوسین

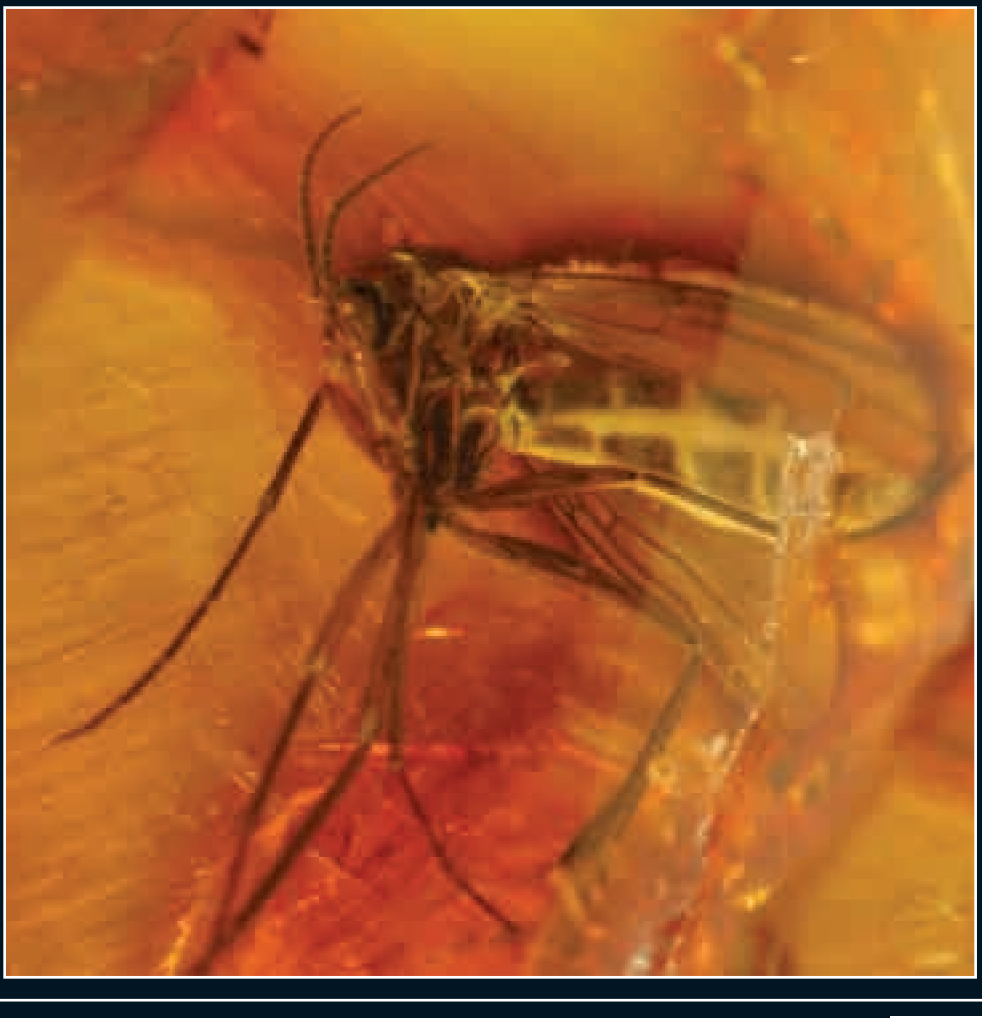

فوصلی ریکارڈ میں مکھیاں اچانک نمودار ہوئیں ہیں- مکھی کی ایک اہم اور مخصوص خاصیت اس کی غیر معمولی نقل و حرکت کی صفت ہے- ایک عام انسان اپنے بازوؤں کو ایک سیکنڈ میں۱۰دفعہ نیچے ،اوپر نہیں کرسکتا لیکن ایک مکھی اپنے پروں کو ایک سیکنڈ میں ۵۰۰دفعہ ہلاسکتی ہے- اس کے علاوہ اس کے دونوں پروں میں بیک وقت حرکت ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کے دونوں پروں کے درمیان ہلکی سی بھی بے ربطی پیدا ہوتو اس سے مکھی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتی- لیکن کسی طرح کی ہلکی سی بے رطبی بھی اس کے پروں کے درمیان پیدا نہیں ہوتی- اس طرح کے مکمل، بے عیب اور پیچیدہ جانداروں کا زمین کے اوپر اچانک نمودار ہونا عقل کو دنگ کردیتا ہے- یہ تمام ثبوت اللہ کی تخلیق کی گواہی ہیں-

بٹر فلائی/تتلی

عمر- ۵۰ لاکھ سال
جائے وقوع- پولینڈ
عہد- ایوسین

تصویر میں موجود ۵۰ لاکھ سال پرانی تتلی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ایک ہی شکل میں کرہ ارض پر موجود ہے-

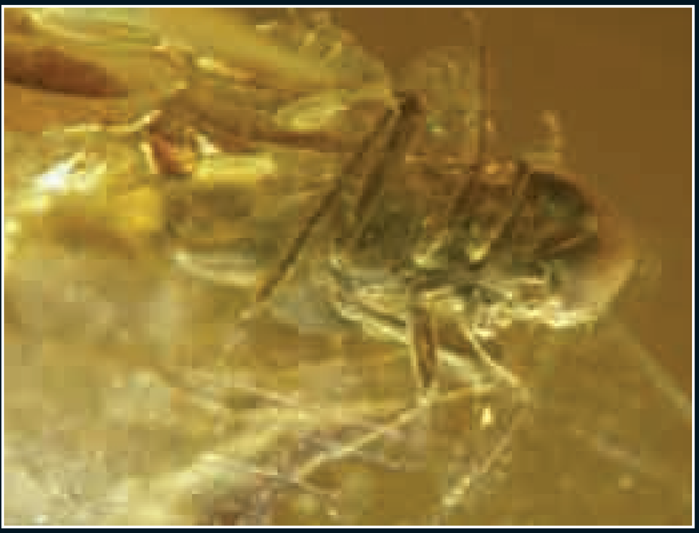

لیف ہاپر/پودوں کا رس پینے والا ٹڈا

عمر- ۴۵ لاکھ سال

پیمائش- ۱۰ملی میٹر (۳-۰ انچ) لمبا، خط مستقیم،۸ملی میٹر (۳-۰ انچ)، ٹڈا ۴ملی میٹر (۱۶-۰ انچ)

جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس

عہد- ایوسین

لیف ہاپر سیکاڈیلیڈائی خاندان کا کیڑا یا ٹڈا ہوتا ہے جو پودوں کا رس پیتا ہے اور بیماریاں پھیلاتا ہے- تصویر میں موجود ٹڈا ۴۵لاکھ سال گزرنے کے باوجود دورِ حاضر کے ٹڈے کا ہوبہو بمشکل ہے اور ثابت کرتا ہے کہ نظریہ ارتقاء سے متعلق تمام دعوے افسانوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

موتھ/پتنگا

عمر- ۴۵ لاکھ سال

پیمائش- ۲۷ ملی میٹر (۱ انچ) لمبا، خطِ مستقیم ۱۸ملی میٹر (۰-۷ انچ)

جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس

عہد- ایوسین

آج کے دور کے پتنگوں کا لاکھوں سال پرانی ہی شکل میں موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان حشروں کے اندر کسی بھی قسم کی تدریجی ترقی کبھی بھی واقع نہیں ہوئی- ۴۵لاکھ سال پرانا یہ فوصل اس حقیقت کو سائنس کی رو سے واضح کردیتا ہے-

اسکٹّل فلائی/مکھی کی قسم

عمر- ۴۵ لاکھ سال
کہربا کی پیمائش- ۲۳ملی میٹر (۹-۰ انچ)، خط مستقیم،۱۳ملی میٹر (۵-۰ انچ)، شمولیت، ۱ ملی میٹر (۰۱-۰انچ)
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- بالائی ایوسین

اس مکھی کا ۴۵لاکھ سال پرانا فوصل اس بات کی دلیل ہے کہ نظریہ ارتقاءایک خیالی نظریہ ہے جس کا حقیقت اور سائنس کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے- جاندار نسلیں کسی ایک پرکھا کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں اورڈارون کے اس سلسلے میں کئے گئے تمام دعوے محض اس کے ذہن کی پیداوار ہیں-

ونگڈآنٹ/ پر دارچیونٹی

عمر- ۴۵ لاکھ سال

کھرباکی پیمائش -۱۳ملی میٹر (۵-۰ انچ) ضرب ۸ملی میٹر (۳-۰ انچ)

جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس

عہد- ایوسین

تصویر میں موجود۴۵لاکھ سال پرانی پردار چیونٹی دورِ حاضر میں موجو د اسی چیونٹی کی ہم شکل ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتی ہے-

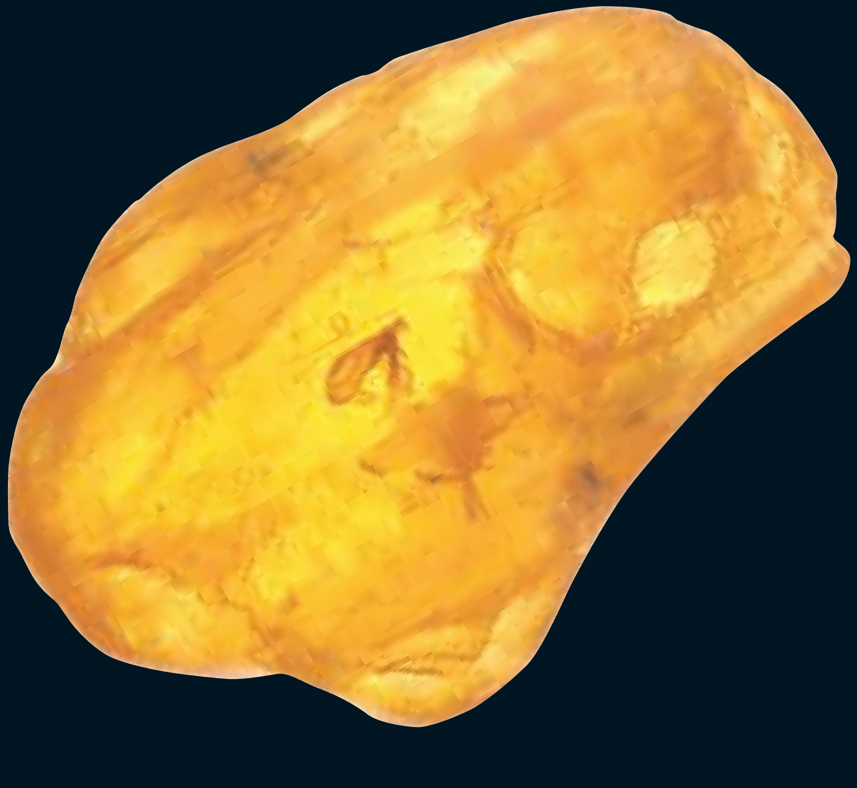

ڈانس فلائی/مکھی کی نسل

عمر- ۴۵لاکھ سال
کہربائی پیمائش- ۳۲ملی میٹر (۱-۲ انچ) ضرب ۲۳ملی میٹر (۰-۹ انچ)
شمولیت- ۲ملی میٹر(۰-۰۱ انچ)
جائے وقوع- بالٹک، کالیننگراڈ، روس
عہد- ایوسین

افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

ہیفالہ سے ملنے والا ٤٩٠ سے ٤٤٣ لاکھ سال
پرانا ستارہ مچھلی کا فوصل ،

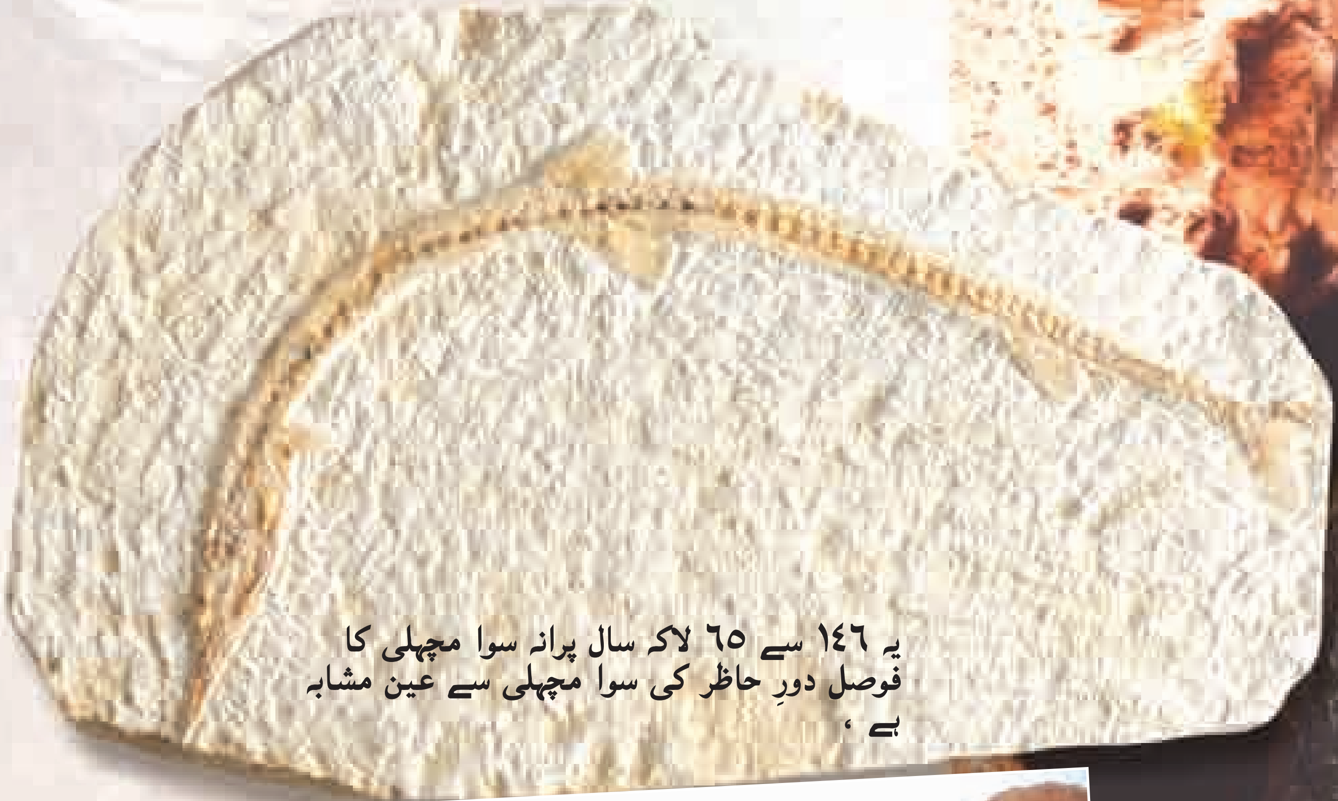

یہ ١٤٦ سے ٦٥ لاکھ سال پرانہ سوا مچھلی کا
فوصلِ دورِ حاظر کی سوا مچھلی سے عین مشابہ
ہے ،

مراقش سے دریافت ہونے والے فوصلی

مراقش سے مختلف ارضیاتی دور کے فوصل دریافت ہوئے ہیں جن میں ۴۰۰ لاکھ سال پرانے ٹریلوبائٹ یا قدیم حیاتی دور کے ایک سنگوارے کے فوصل بھی شامل ہیں- اس سنگوارے کی فوصلی دریافت کے لئے مراقش مشہور ہے- اٹلس کے پہاڑوں اور کھدائی نے مراقش میں انتہائی زرخیز فوصلی وسائل کی نشاندہی کی ہے- یہاں سے بڑی تعداد میں ملنے والے فوصل اکینوڈ کے ہیں-اکینوئڈ اکینوئڈ یا جماعت کے خارپوست کا عام نام ہے جس کا خول چپٹا ،خاردار یا گول ہوتا ہے- اس جاندار کے علاوہ بڑی تعداد میں غیر فقاری بحری جانداروں کو بھی اکینوئڈ کہا جاتا ہے- ان جانداروں کی۸۰۰ سے زائد نسلیں ہیں جو کہ عموماً سمندری زمین پر رہتے ہیں- ان جانداروں کے دریافت ہونے والے کچھ فوصلی نمونے ۴۵۰لاکھ سال پرانے ہیں- اکینوئڈ اپنی پیچیدہ ساخت اور بے عیب خصوصیات سمیت آدھ کروڑ سال سے حیات ہیں اور یہ حقیقت نظریہ ارتقاءکے لئے ایک شدید دھچکا ہے- یہ جاندار انہیں خصوصیات کے ساتھ اس وقت بھی موجود تھے جس وقت نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے دعووں کے مطابق زندگی نہایت قدیم ترین دور سے گزررہی تھی- ان جانداروں کا آج کے زمانے میں بھی انہیں اشکال اور خصوصیات کے ساتھ موجود ہو نا اس نظریہ کی مکمل تردید ہے -ان کے فوصلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تدریجی ترقی کا بحیثیت ایک سائنسی نظریہ، کوئی وجود نہیں ہے-

اٹلس کے پہاڑوں کا رقبہ ۲٤۰۰ کلومیٹر یا ۱۵۰۰ میل ہے اور یہ فوصلی خطوں میں ذرخیز ہیں ، ان پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹی ٤١٦٧ میٹر یا ١٣٦٦٥ فٹ پر مشتمل جبل تو بکل ہے ، اٹلس کے پہاڑ لاکھوں سال پہلے براعظموں امریکہ اور افریقہ کے آپس میں ٹکرانے سے وجود میں آئے ، قیاس کیا جاتا ہے کہ شمالی امریکہ میں موجود اپالیشن بھی اسی طرح کی ارضیاتی حرکت کا نتیجہ ہیں ،

سی ارچن/اکینوئڈ یا جماعت کا خارپوست

عمر- ۶۵سے۱۴۶ لاکھ سال
پیمائش- ۵۴سینٹی میٹر (۲.۲ انچ)
جائے وقوع- مراقش
زمینی طبق- اکینوئڈ کے قطعے
عہد-کریٹیشس

دورِ حاضر کے ان خارپوستوں میں اور لاکھوں سال پہلے رہنے والے انہیں جانداروں میں کوئی فرق نہیں ہے- فوصل میں موجود خارپوست۶۵سے۱۴۶لاکھ سے پرانے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ انہیں خصوصیات اور نظامِ حیات کے ساتھ دنیا میں زندہ چلے آرہے ہیں جن کے ساتھ وہ روزِ اول تخلیق کئے گئے تھے-

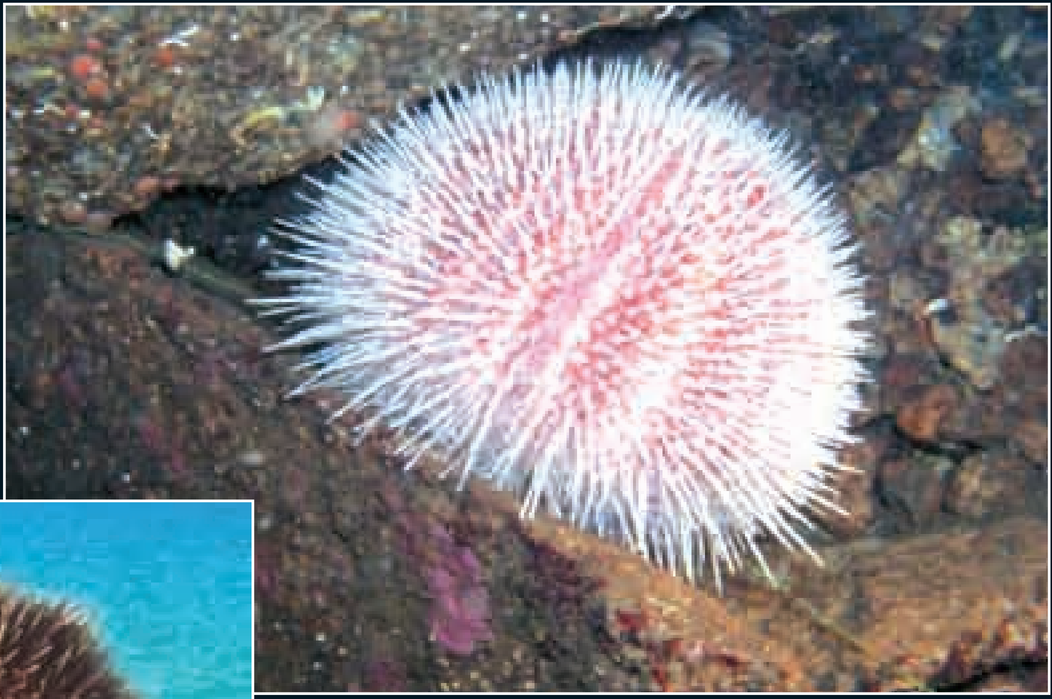

ٹریلوبائٹ/قدیم حیاتی دوور کا سنگوارہ

عمر- ۳۶۰ سے ۴۱۰ لاکھ سال
پیمائش- ۵سینٹی میٹر (۲ انچ)
جائے وقوع- اٹلس کے پہاڑ، مراقش
عہد- ڈیوونین

ٹریلوبائٹ کے سب سے پہلے نمونے ۵۳۰لاکھ سال پرانے ڈیوونین دور کے فوصلی ریکارڈ میں نمودار ہوئے ہیں- ان کی پیچیدہ ساخت اور مفصل نظام حیات کی بنا پر ڈارورن کے پیروکار اس جاندار کو اپنے کئے ہوئے دعووں کے دائرے میں سمجھنے سے قاصر ہیں- ان جانداروں کا اپنی مکمل اور بے عیب بینائی کے نظام کے ساتھ فوصلی ریکارڈ میں اچانک نمودار ہونا ان لوگوں کے لئے سخت حیرت کا سبب ہے اور ثابت کرتا ہے کہ دوسرے تمام جانداروں کی طرح ٹریلوبائٹ بھی صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

کیمبرین دور میں رہنے والے جاندار

نیڈل فش/سوا مچھلی

عمر- ۱۰۰لاکھ سال
پیمائش- ۲۰۳ ملی میٹر (۹-۷ انچ)
سطر بندی- ۱۱۳ ملی میٹر (۴-۴ انچ)ضرب ۱۸۵ملی میٹر (۲-۷ انچ)
جائے وقوع- زملیا ٹاؤز، مراقش
عہد- کریٹیشس

تصویر میں موجود مچھلی بالغ اور ۲۳ملی میٹر لمبی ہے اور اپنی تمام جزویات سمیت فوصل کی شکل اختیار کرگئی ہے- اس مچھلی میں اور دور حاضرکی سوا مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- ان کا لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود رہنا نظریہ ارتقاءکو غلط ثابت کرتا ہے-

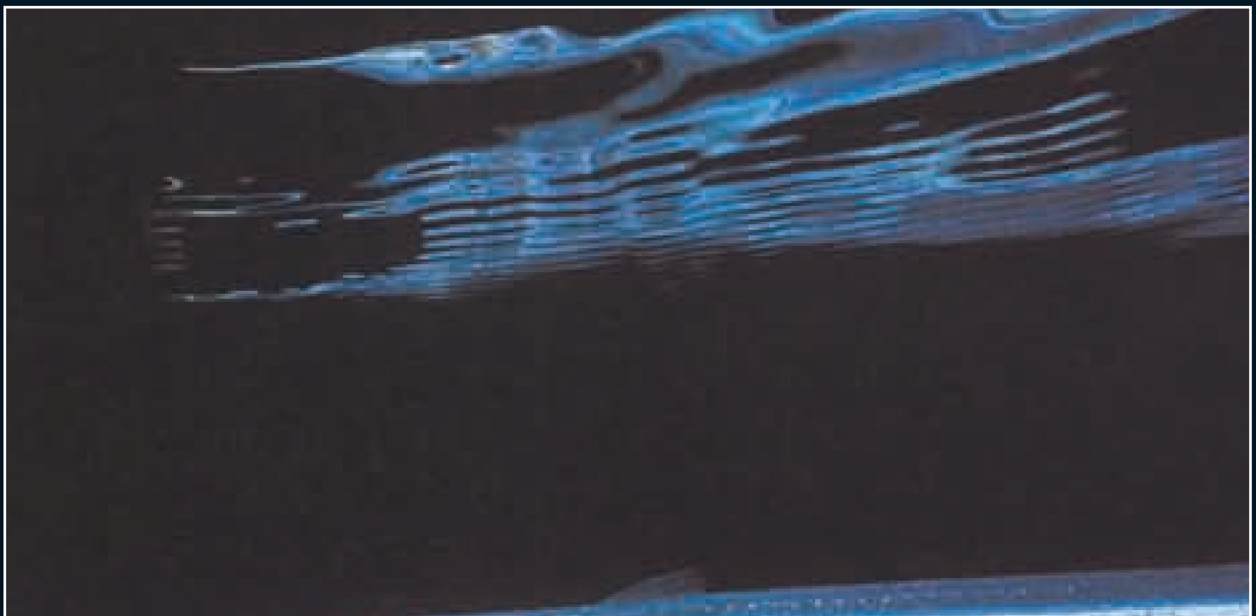

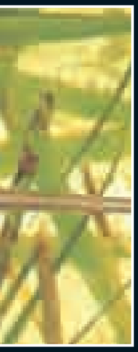

اسٹارفش/ستارہ مچھلی

عمر- ۴۲۰ لاکھ سال
پیمائش- ۷-۵ سینٹی میٹر(۳-۲ انچ)
جائے وقوع- اورڈوویشن میسیسی، مراکش
زمینی طبق- کاٹووا کی زمینی طبق
عہد- اور ڈوویشن

ستارہ مچھلی کا تعلق ایکوڈرماٹا ترتیب سے ہے- یہ ایک بحری خارپوست ہے جس کے جسم سے پانچ یا اس سے بھی زیادہ بازو ستارے کی نوکوں کی طرح نکلتے ہیں- اپنی اس پیچیدہ ساخت کی تمام تر جزویات کے ساتھ یہ مچھلی لاکھوں سال سے زمین پر آج بھی موجود ہے- یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وضاحت کرنا ڈارون کے نظرے کے پیروکاروں کےلئے ناممکن ہے-

ٹریلوبائٹ/ قدیم حیاتی دور کا معدوم سنگوارہ

عمر- ۴۰۰لاکھ سال

جائے وقوع- مراقش

عہد- ڈیوونین

فوصلی ریکارڈ کسی بھی طور سے نظریہ ارتقاءکے دعووں کو سہارا نہیں دیتے- اس نظریے کے بالکل برخلاف ارضیاتی طبق میںموجود لاکھوں فوصلوں کا معائنہ کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ تمام جاندار نسلیں اچانک زمین پر نمودار ہوئیں ہیں- ارضیات سے فوصل دریافت ہونے والی سب سے گہری طبق**۵۳۰** لاکھ سال پرانی کیمبرین دور کی ہے- اس طبق سے سب سے زیادہ تعداد میں ملنے والا فوصل ٹریلوبائٹ کا ہے- **۵۳۰**لاکھ سال پرانے قدیم ماحول میں بھی ٹریلوبائٹ اپنی کئی عدسوں پر مشتمل آنکھ کے نظام کے ساتھ موجود تھا- اپنی آنکھوں کے اس پیچیدہ اور مکمل نظام کی وجہ سے وہ باآسانی اپنے شکار کو ڈھونڈ کر اس کا شکار کرسکتا تھا-

سی ارچن/اکینوئڈےا
جماعت کا خارپوست

عمر-   ۶۵سے ۱۴۶لاکھ سال
پیمائش-   ۳۵ سینٹی میٹر (۱۴ انچ)
جائے وقوع-   مراقش
زمینی طبق- اکینوئڈ خط
عہد-کریسٹیشس

سی ارچن کے سب سے پرانے نمونے اور ڈوویشن دور کے ہیں اور آدھ کروڑ سال گزرنے کے باوجود ان کے اندر کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے جس سے ثابت ہے کہ یہ جاندار کسی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزرے-

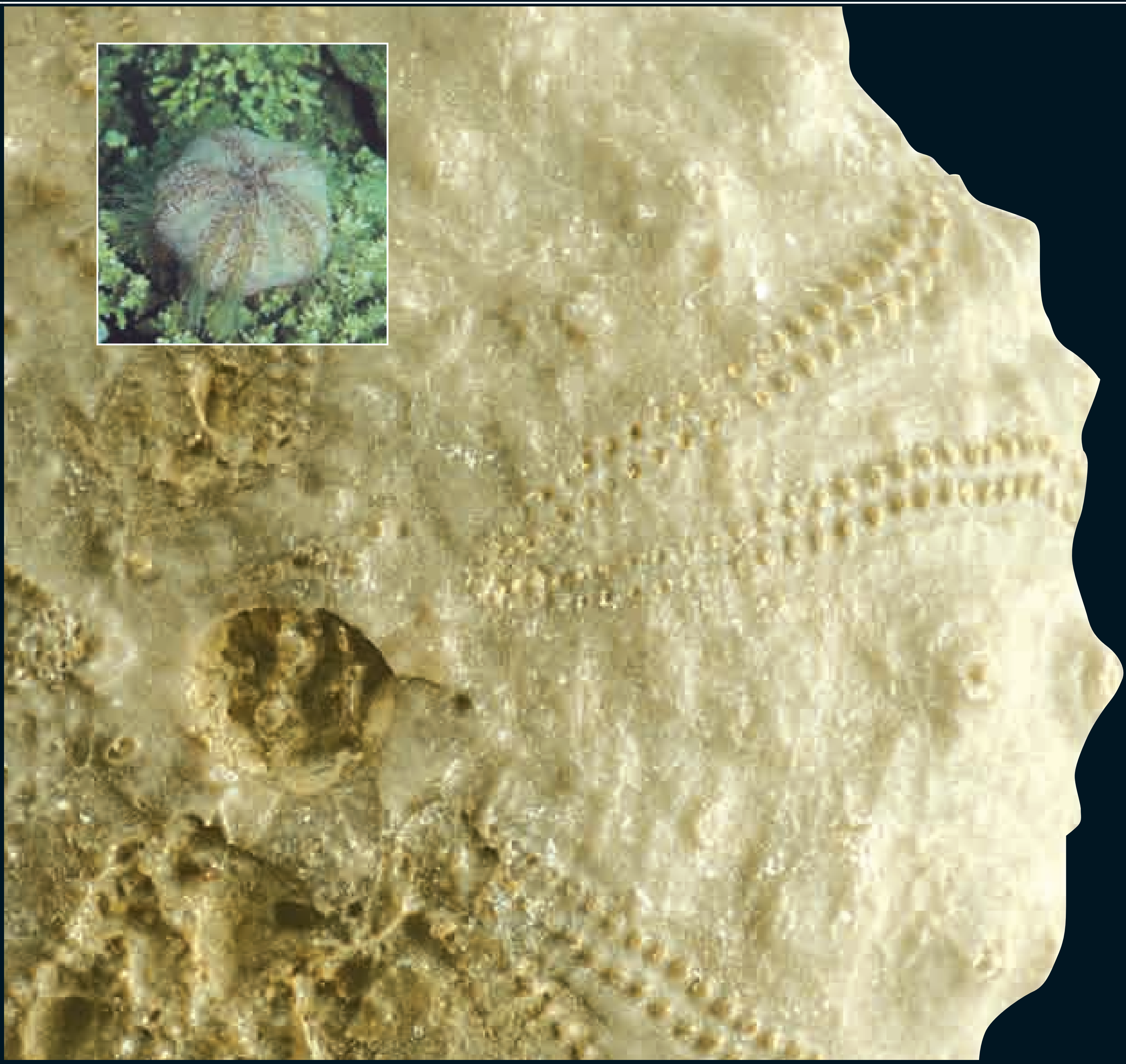

سی ارچن/اکینوئڈ جماعت کا خارپوست

عمر- ۷۲سے۹۵لاکھ سال
پیمائش- ۲-۵ سینٹی میٹر (۱ انچ)
جائے وقوع- مڈلٹ، مراقش
عہد - پچھلا کریٹیشس

۷۲سے۹۵لاکھ سال پرانے ان جانداروں‌میں اور دورِ حاضر کے اسی حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے- ایک ہی شکل میں آج تک موجود یہ جاندار اس بات کا ثبوت ہے کہ جانداروں میں کسی قسم کی تدریجی ترقی واقع نہیں ہوئی-

سی ارچن/اکینوئڈ جماعت کا خارپوست

عمر- ۷۲سے ۹۵لاکھ سال

پیمائش- ۴سینٹی میٹر (۱-۶ انچ)ضرب ۴-۵سینٹی میٹر (۱-۸ انچ)

جائے وقوع- ٹاؤز، مراقش

عہد- پچھلا کریٹیشس

لاکھوں سال پرانے سی ارچن آج کے سی ارچن سے بالکل مختلف نہیں تھے- ان کے اندر کسی قسم کی طبعیاتی یا کیمیائی تبدیلیاں رونما نہیں ہوئی ہیں-۷۲لاکھ سال گزرنے کے باوجود ان کا بغیر تبدیلی کے موجود رہنا نظریہ ارتقاءکو مکمل طور پر جھٹلاتا ہے-

سی ارچن/اکینوئڈ جماعت کا خارپوست

عمر- ۱۰۰لاکھ سال
جائے وقوع- صوبہ تازا، مراقش
زمینی طبق- کونٹینینٹل چونے کے پتھروں کے ذخیرے
عہد- کریٹیشس

سی ارچن، ستارہ مچھلی، سمندری سوسن اور کھیرے کی شکل کا سمندری خارپوست اکینوڈرماٹا جماعت کی نسلیں ہیں- سی ارچن کا آدھ کروڑ سالوں سے زمین پر زندہ رہنا نظریۂ ارتقاءکے لئے ایک مہلک وار
ثابت ہوا ہے- ان کی ساخت کا کسی بھی تبدیلی سے نہ گزرنا نظریۂ ارتقاءکے ان تمام دعووں کو جھٹلاتا ہے جس کے حساب سے اس نظریے کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ جاندار نسلیں سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے لاکھوں سال پر محیط دور انیے میں اپنے حالیہ وجود تک آئیں-

اسٹارفش/ستارہ مچھلی

عمر- ۴۴۰ سے ۵۰۰ لاکھ سال
پیمائش- ۶-۸ سینٹی میٹر (۴-۳ انچ)
جائے قوع- مراقش
زمینی طبق- بیفالہ چونے کے پتھر کے زمینی طبق
عہد- اورڈوویشن

تصویر میں موجود ستارہ مچھلی کا فوصل تقریباً ۵۰۰ لاکھ سال پرانا ہے - یہ ایک نادر نمونہ ہے جس کی خصوصیات بہت عمدہ طریقے سے محفوظ ہیں- ستارہ مچھلی کی نمایاں خاصیت اس کے پانچ بازو ہیں جو کہ دورحاضر کی ستارہ مچھلی میں بھی اسی طرح موجود ہیں- آدھ کروڑ سالوں پہلے کی اس مچھلی اور آج کی مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- اس فوصل سے نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید ہوتی ہے-

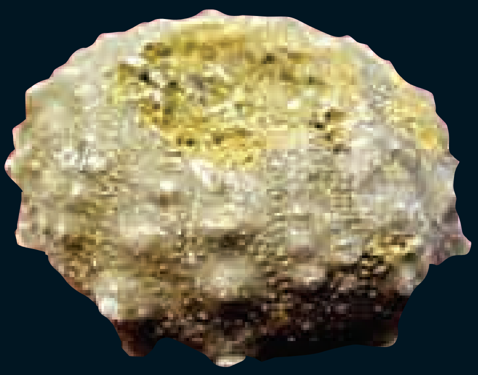

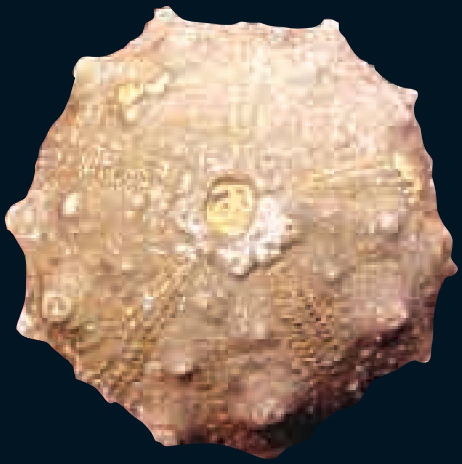

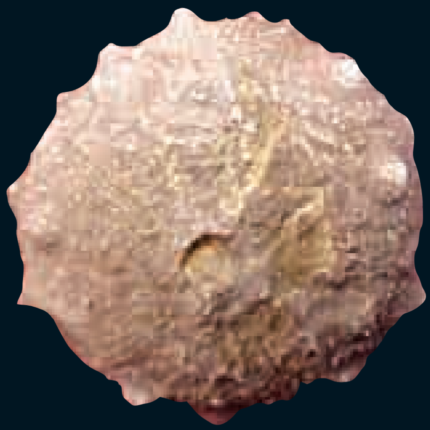

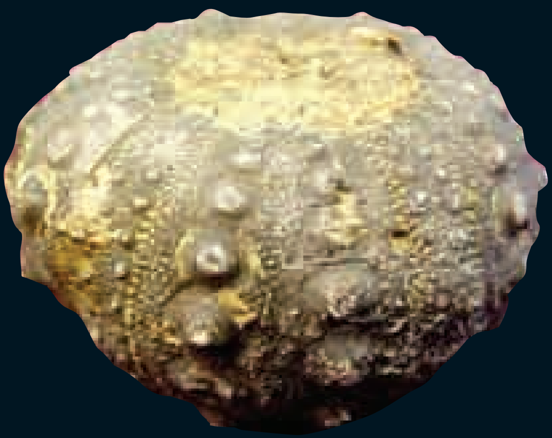

سی ارچن/اکینوئڈ
جماعت کا خارپوست

عمر- ۷۲ سے۹۵ لاکھ سال
پیمائش- ۲-۵ سینٹی میٹر (۱ انچ)
جائے وقوع- مڈلٹ، مراقش
عہد- پچھلا کریٹیشس

۷۲سے ۹۵ لاکھ سال پہلے رہنے والے ان خارپوستوں کے فوصلوں کا شماران لاکھوں فوصلوں میں ہوتا ہے جنھوں نے دنیا کے سامنے ثابت کیا کہ نظریہ ارتقاءکا کوئی وجود نہیں ہے- اس جاندار کے فوصل آج کے دور کے زندہ سی ارچن سے ہوبہو مشابہ اور اللہ کی تخلیق کا واضح ثبوت ہیں-

سی ارچن/اکینوئڈ جماعت کا خارپوست

عمر- ۶۵ سے ۱۴۶لاکھ سال
پیمائش- ۳-۸ سینٹی میٹر (۱-۵ انچ)
جائے وقوع- مراقش
زمینی طبق- اکینوئڈ خطے
عہد- کریٹیشس

یہ۶۵ سے ۱۴۶لاکھ سال پرانا سی ارچن کا فوصل جو کہ مراقش کی اکینوئڈ خطے سے حاصل ہوا ہے ان لاتعداد فوصلوں میں سے ایک ہے جو تدریجی ترقی کی مکمل نفی کرتے ہیں- آج کے سی ارچن اور لاکھوں سال پرانے اس خارپوست میں کوئی فرق نہیں ہے-

لبنان سے ملنے والا ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال پرانے جھینگے اور مچھلی کے فوصل- فوصل کی حفاظت کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس پتھرکو نہایت احتیاط سے توڑا جائے جس کے اندر فوصل موجود ہے- تصویر میں ہاقل کے علاقے کی کھدائی اور یہاں پر کی جانے والی تحقیق کا عمل نظر آرہا ہے-

لبنان سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

لبنان کے ارضیاتی ساخت ۶۵ سے۱۴۶ لاکھ سال پرانی کریٹیشس دور اور۱۴۶ سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانے جوراسک دور کی ہے- یہاں سے ملنے والے زیادہ تر فوصل انہیں تاریخوں اور دور کے ہیں- لبنانی پہاڑ زیادہ تر تہ نشین پتھروں سے بنے ہوئے ہیں جو کہ فوصلوں کے بننے اور محفوظ رہنے کے لئے بہترین ماحول ہے- سطح زمین کے بالکل نیچے والی تہ میں مونگے اور اسفنج کے کثیر تعداد میں فوصل اور جوراسک دور کے خول دار جانوروں کے فوصلی ڈھانچے دریافت ہوئے ہیں- اس کے علاوہ بحری میان حیاتی دور کے آخری زمانے کے جانور یا کریٹیشس دور کے جانوروں کے فوصل اور کہربا اور نباتاتی فوصل بھی یہاں سے ملے ہیں- لبنان کے فوصلی ذخائر کا شمار بھی دنیا کے اہم ترین فوصلی خطوں میں ہوتا ہے جس میں حاجولا، حاقل اور ان نمورا قابل ذکر ہیں- ان فوصلی خطوں سے ۲۵۰ کے قریب مچھلیوں کی نسل کے فوصل حاصل ہوئے ہیں جن میں سے ۱۵۰کی شناخت کی جاچکی ہے- لبنان سے ملنے والے فقاری جانوروں کے فوصل زیادہ تر ۶۵ لاکھ سے لے کر دورِ حاضر تک کے سینوزوئک دور کے ہیں- یہ تمام فوصل اس بات کا ثبوت ہیں کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی بھی جاندار کے اندر کوئی ایسی تبدیلی رونما نہیں ہوئی جس کا دعویٰ ڈارون اور اس کے پیروکاروں کو ہے- فوصلوں کی سائنسی حقیقت صرف اور صرف اللہکی تخلیق کی گواہی دیتی ہے-

باقل کی کھدائیوں سے ملنے والے فوصل جو کہ نظریہ ارتقاءکو مکمل طور پر غلط ثابت کرتے ہیں-

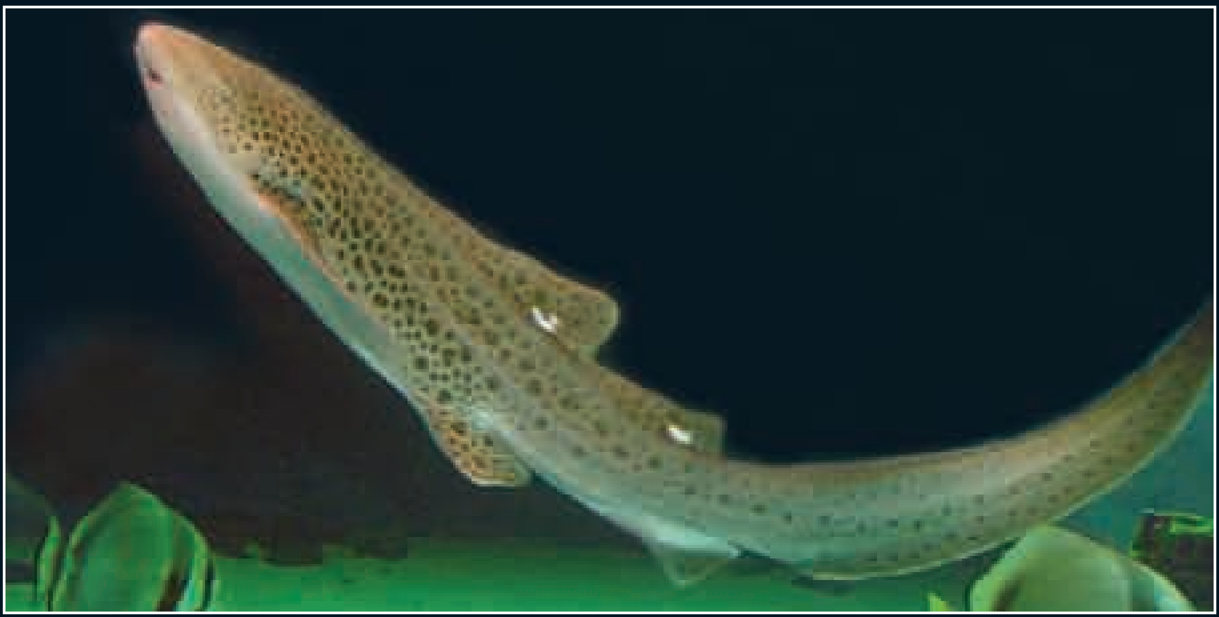

شارک/شارک مچھلی یا کلب البحر

عمر- ۹۵لاکھ سال

پیمائش- ۱۸۰ ملی میٹر (۷ انچ)

سطر بندی- ۲۰۵ ملی میٹر (۸ انچ)ضرب ۱۳۵ ملی میٹر (۳-۵ انچ)

جائے وقوع- حاقل، لبنان

عہد- وسطی کریٹیشس، وسطی سینو مانین

شارک کے اس فوصل میں اس مچھلی کے پر اور غضروفی ڈھانچا مکمل طرح سے محفوظ ہوئے ہوئے ہیں- یہ ایک نسبتاً چھوٹی شارک ہے اور اس کی خصوصیات اور دورِ حاضر کی اس مچھلی کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں ہے- اس مچھلی کا لاکھوں سال پرانا فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

ایل/مارماہی

عمر- ۹۵لاکھ سال
پیمائش- ۵۸ملی میٹر (۲.۲ انچ) اگر مچھلی کو سیدھا کردیا جائے
سطر بندی- ۵۶ملی میٹر (۲.۲ انچ)ضرب ۶۵ملی میٹر (۵-۲ انچ)
جائے وقوع- حاقل، لبنان
عہد- وسطی کریٹیشس، وسطی سینو مانین

ایل ایک لمبی سانپ نما مچھلی ہوتی ہے جن کے پر بہت خفیف ہوتے ہیں -یہ اینگولیفورمس ترتیب سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی۴۰۰سے زائد نسلیں ہوتی ہیں- ان مچھلیوں کا لاکھوں سال سے دنیا میں ایک ہی شکل میں موجود رہنا نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

فلائنگ فش/اڑن مچھلی

عمر- ۹۵لاکھ سال

پیمائش- ۲۸ ملی میٹر (۱.۱ انچ) صدری مہیپر کا زاویہ مستقیم

لمبائی- ۴۷ ملی میٹر (۸-۱ انچ)

سطر بندی- ۷۵ ملی میٹر (۹-۲ انچ)x۷۰ ملی میٹر (۷-۲ انچ)

جائے وقوع - حاقل، لبنان

عہد- وسطی کریٹیشس، وسطی سینومانین

اڑن مچھلی گرم علاقوں کے سمندروں میں پائی جاتی ہے اوریہ تھوڑی دور تک ہوا میں جست لگاسکتی ہے- اس فقاری اڑن مچھلی کا فوصل دورِ حاضر میں موجود اڑن مچھلی کا ہوبہو مشابہ ہے اورڈ ارون کے نظریے کے سلسلہ وار تدریجی ترقی کے پہلو کا خاتمہ کردیتا ہے-

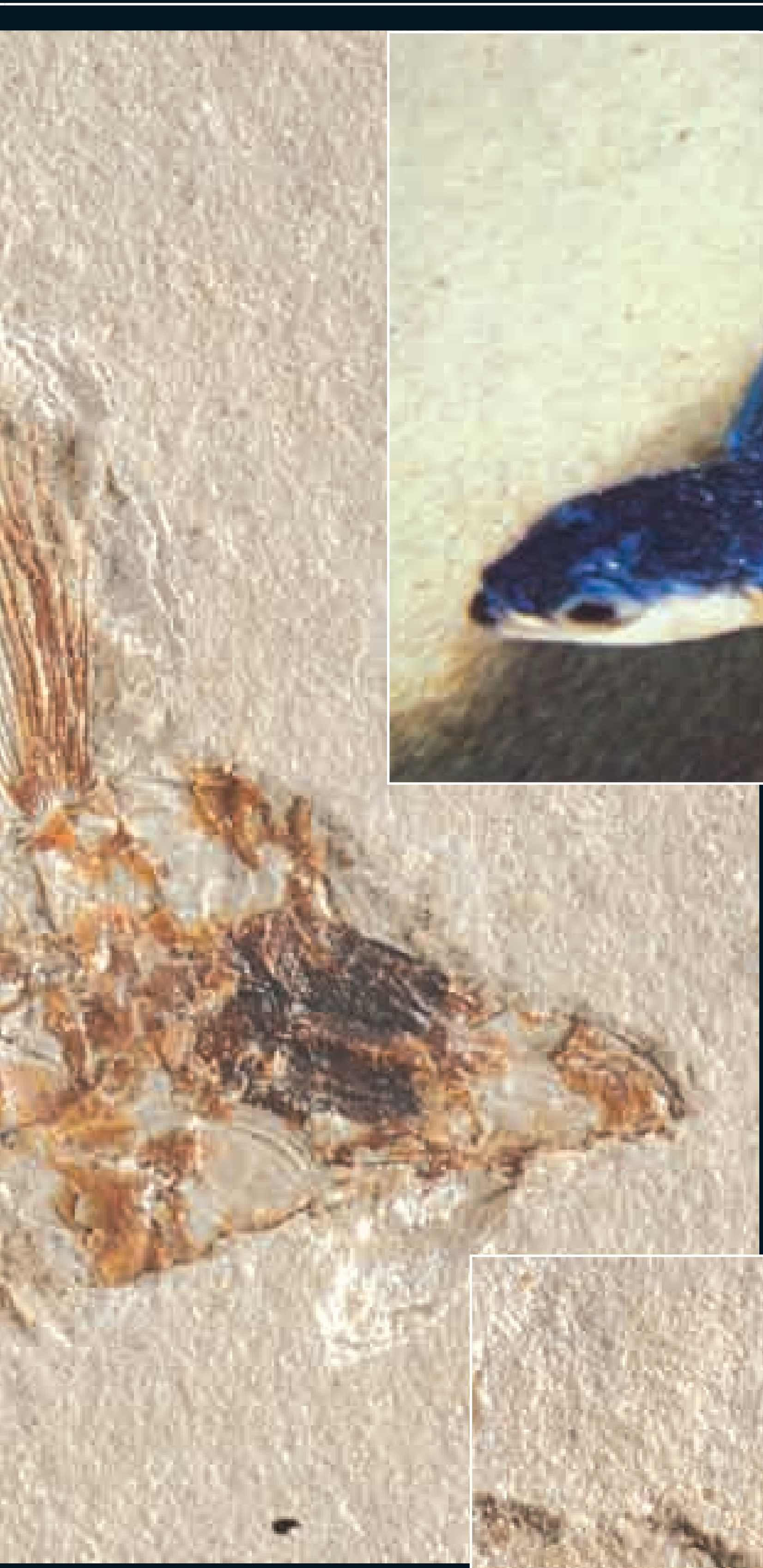

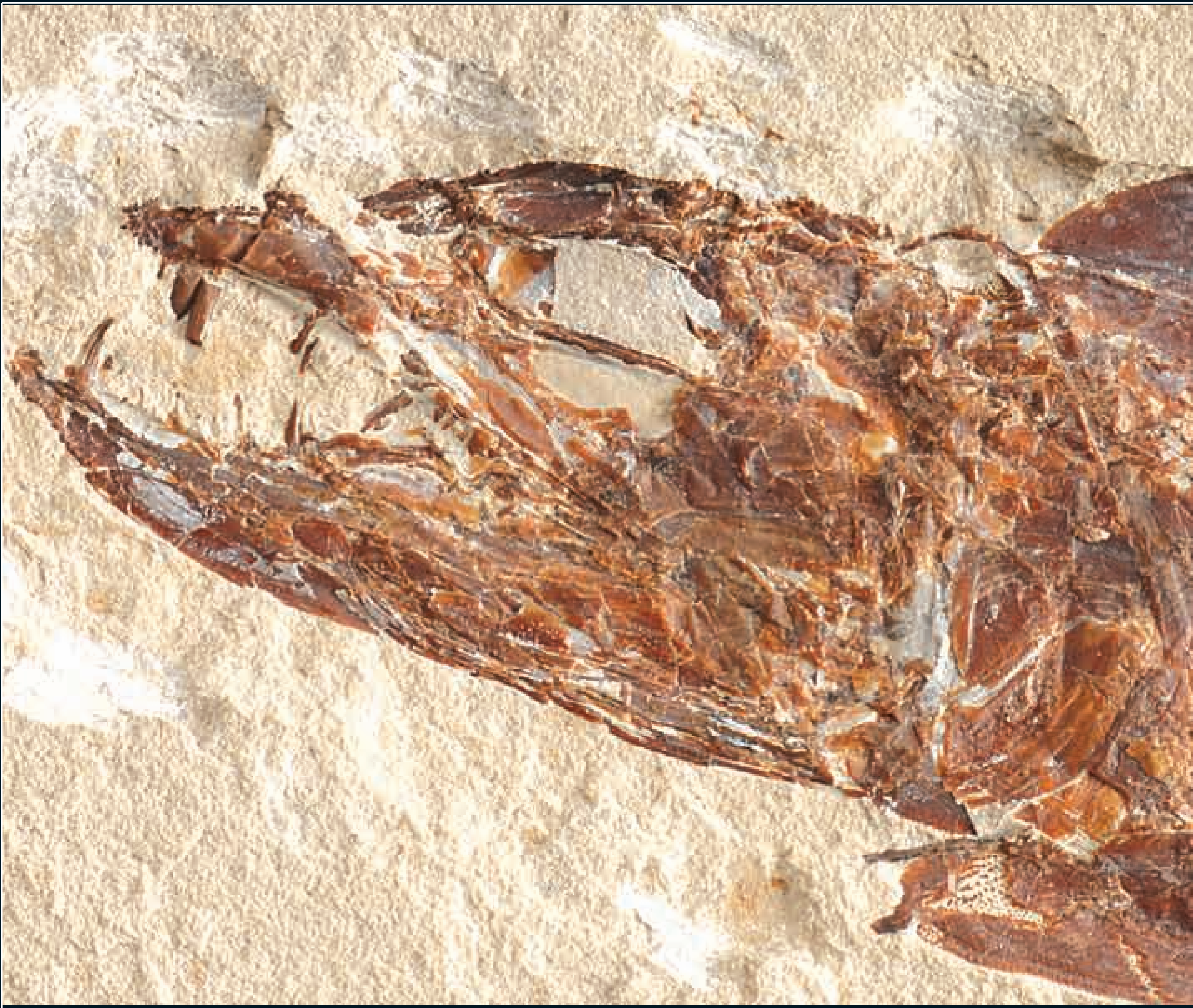

وائپر فش/مچھلی کی ایک نسل

عمر-   ۷۲سے ۹۵لاکھ سال
پیماءش - ۵-۱۶ سینٹی میٹر (۵-۶ انچ)
جائے وقوع-   حاقل، لبنان
عہد-   بالائی کریٹیشس

وائپرفش نامی مچھلی زیادہ تر مدارینی پانیوں میں رہتی ہے اورلاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس کے اندر کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- ان مچھلیوں کے تمام فوصل ان کو اب تک ایک ہی شکل میں ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں- نظریہ ارتقاءکے پاس اس یکسانیت کا کوئی جواز نہیں ہے جو کہ صرف اور صرف تخلیق کی حقیقت کو ثابت کرتی ہے-

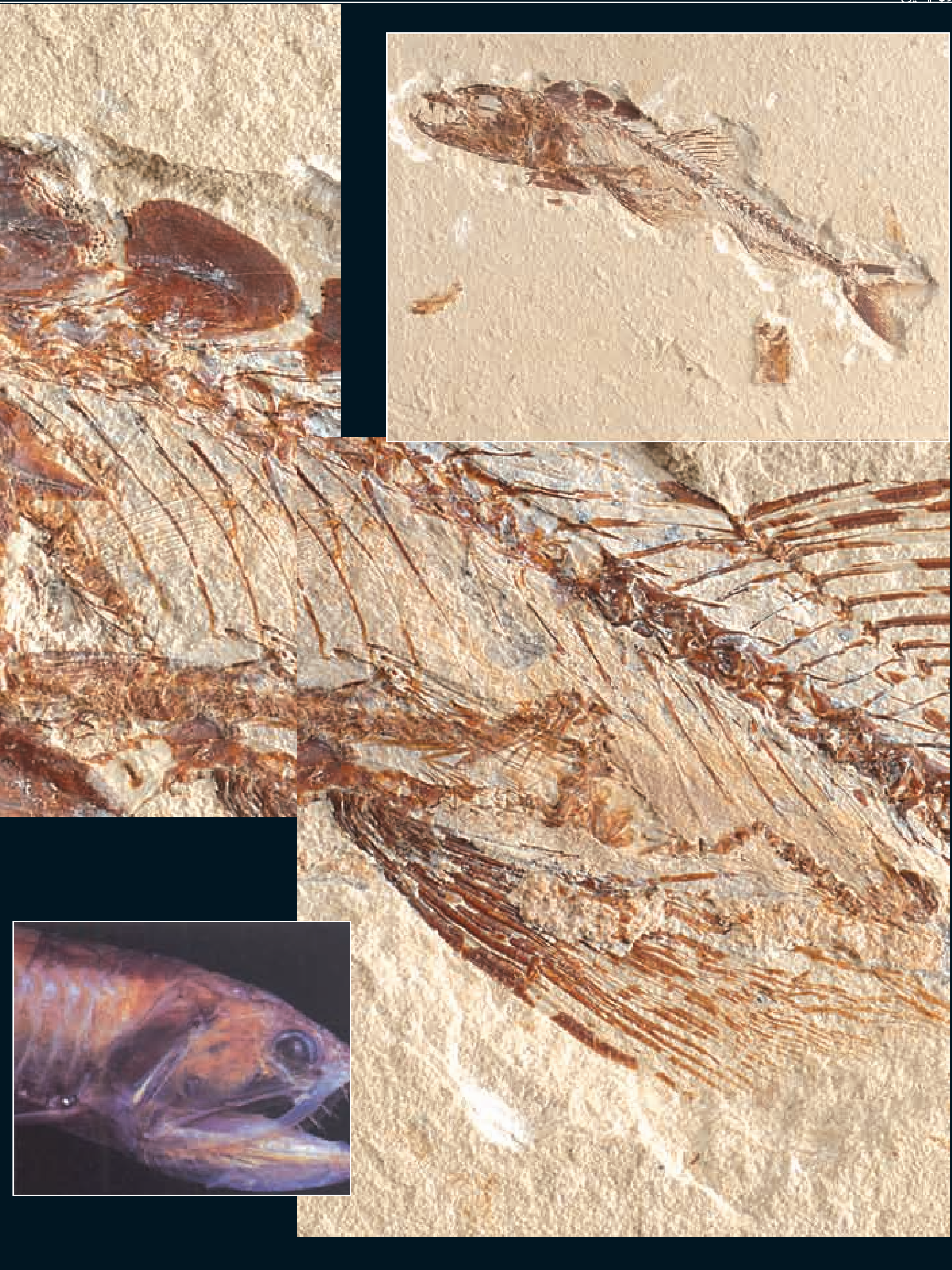

شریمپ/جھینگا

عمر- ۸۹سے ۱۲۷ لاکھ سال
پیمائش/سطر بندی- ۱-۸ سینٹی میٹر (۲-۳ انچ) ضرب ۹-۱۰ سینٹی میٹر (۳-۴ انچ)
جائے وقوع- حاجولا، لبنان
عہد- وسطی کریٹیشس، سینومانین

اس نمونے میں ایک فوصل شدہ جھینگے کے ساتھ دو مچھلیاں بھی فوصلی شکل میں نظر آرہی ہیں- مچھلیوں کے پر اور ہڈیوں کی ساخت بہترین طریقے سے محفوظ ہے- جھینگوں کا تعلق آرتھروپوڈا کی صنف بندی سے ہے اور اس کا سب سے پہلا فوصل ۱۴۶سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانے جوراسک دور کا ہے- جھینگے کے اس فوصل سے ثابت ہے کہ یہ لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں زمین پر موجود ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی سلسلہ وار تدریجی ترقی کا عمل پیش نہیں آیا- یہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کی تخلیق ہیں-

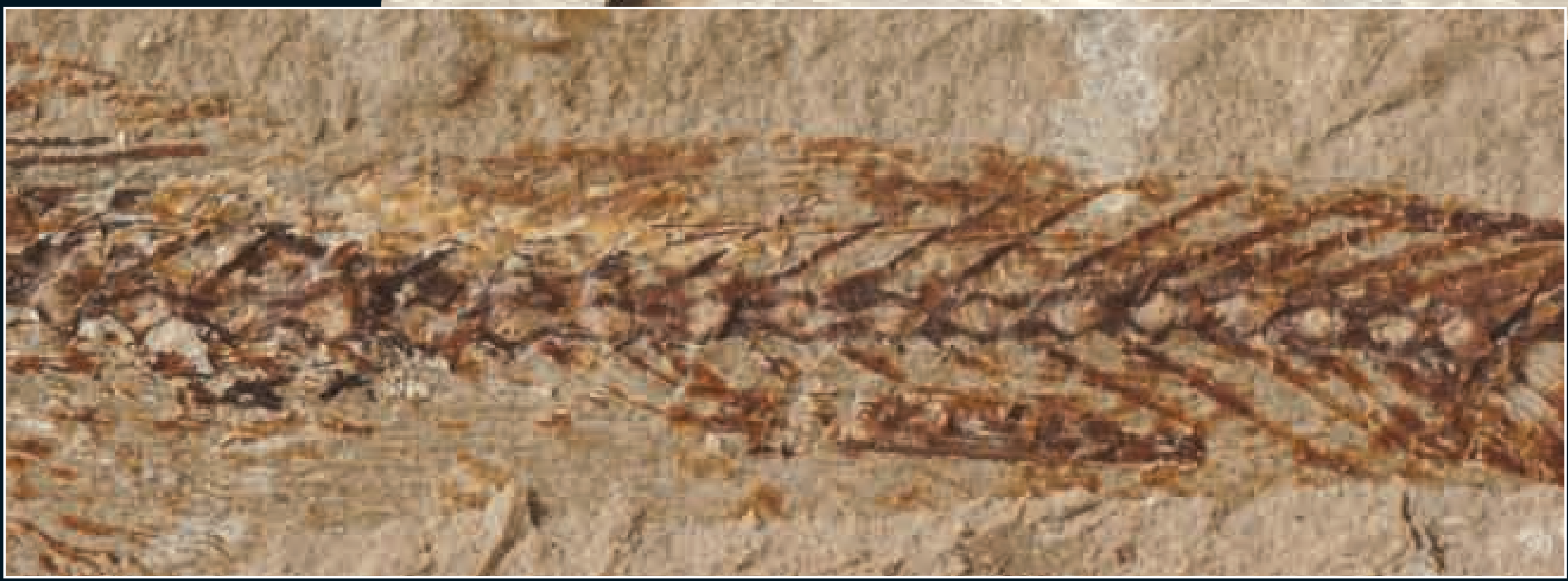

فلائنگ فش/اڑن مچھلی

عمر-   ۱۰۰لاکھ سال

پیمائش-   ۲۶ ملی میٹر (۱ انچ) صدری مہپر کا زاویہ مستقیم

لمبائی-   ۱۲۰ملی میٹر (۴-۷ انچ)

سطر بندی-   ۱۸۰ملی میٹر (۷ انچ)ضرب ۹۰ملی میٹر (۳-۵ انچ)

جائے وقوع-   حاقل، لبنان

عہد - وسطی کریٹیشس، سینومایننن

اڑن مچھلی کا یہ فوصل حاقل کے چونے کے پتھر کی تہ سے دریافت ہوا ہے- یہ مچھلی اس عمدہ طریقے سے محفوظ ہوئی ہے کہ فوصل میں اس کی تمام ظاہری اوصاف نمایاں ہیں- یہ مچھلی ۱۲سینٹی میٹر (۴-۷ انچ) لمبی ہے اور اس کے پروں کی لمبائی۲۶ ملی میٹر (۱-۱ انچ) ہے- دور حاضر کی اڑن مچھلی میں اور لاکھوں سال پہلے رہنے والی اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان مچھلیوں کے فوصل نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتے ہیں-

فلائنگ فش/اڑن مچھلی

عمر- ۷۲سے ۹۵لاکھ سال
پیمائش- ۲-۵سینٹی میٹر(۱ انچ)ضرب ۴-۵ سینٹی میٹر (۷-۱ انچ)
سطر بندی- ۶سینٹی میٹر (۲-۴ انچ)ضرب ۸ سینٹی میٹر (۲-۳ انچ)
جائے وقوع- حاجولا، بائبلوس، لبنان
عہد- بالائی کریٹیشس

تصویر میں موجود اس اڑن مچھلی کا فوصل اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ جاندار کسی بھی دور میں تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزرے -گو کہ تصویر میں موجود مچھلی ۷۲سے ۹۵لاکھ سال پرانی ہے لیکن اس میں اور دورِ حاضر کی اڑن مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- ان مچھلیوں کے پر نما صدری مہیپر اور لمبی دم ہوتی ہے جس سے وہ پانی کی سطح پر روانی سے جست لگاتی ہے-

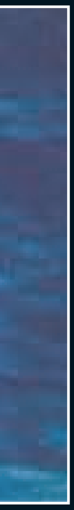

ایل/مارماہی

عمر- ۷۲سے۹۵لاکھ سال
پیمائش- ۲-۱۰ سینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے وقوع- حاقل، لبنان
عہد- بالائی کریٹیشس

مارماہی کا تعلق اینگولیفور مس ترتیب سے ہے اور اگرچہ عموماً یہ کم گہرائی کے پانی میں پائی جاتی ہے لیکن کچھ۴۰۰۰میٹر (۱۳۱۲۳فٹ) گہرے پانیوں میں بھی پائی گئی ہیں- ان کی پیمائش۱۰سینٹی میٹر (۴ انچ) سے ۳ میٹر (۸-۹ فٹ) کے بیچ میں ہوتی ھے اور ان کا وزن ۶۵ کلو گرام (۱۴۳۲ پونڈ) تک ہوتا ہے- فوصل شدہ یہ مارماہی دور حاضر میں موجود زندہ مارماہی کے عین مشابہ ہے-۷۲سے ۹۵ لاکھ سال گزرنے کے باوجود ان کے اندر کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اور یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو ثابت کرتی ہے-

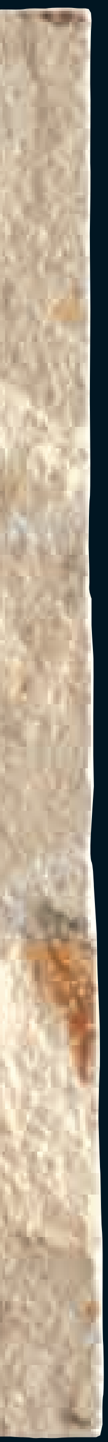

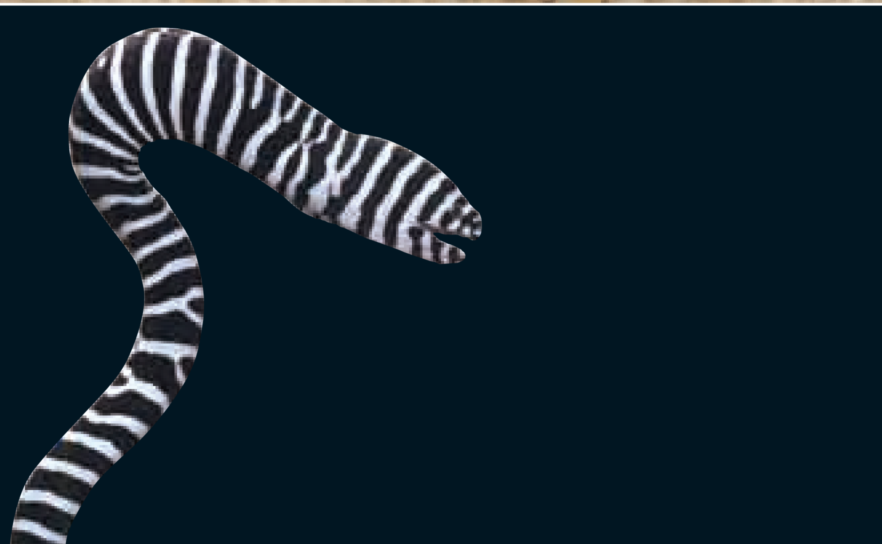

ایل/مارماہی

عمر- ۶۵سے ۱۴۶لاکھ سال
پیمائش- ۸سینٹی میٹر (۲-۳ انچ) ضرب ۱۵سینٹی میٹر (۶ انچ)
جائے وقوع- حاجولا، لبنان
عہد - وسطی کریٹیشس، سینومایئن

مارماہی کے اس فوصل کی پیمائش ۸سینٹی میٹر (۲-۳ انچ)ضرب ۱۵سینٹی میٹر (۶ انچ) ہے- اس میں مچھلی کا سر خاص طور پر محفوظ ہے اور جسم کی دوسری جزویات بھی کافی نمایاں ہیں- لاکھوں سال پہلے رہنے والی یہ مارماہی دورِ حاضر کی مارماہی سے بالکل مختلف نہیں ہے اور اس بات کا ثبوت اس فوصل کی صورت میں دنیا کے آگے موجود ہے-

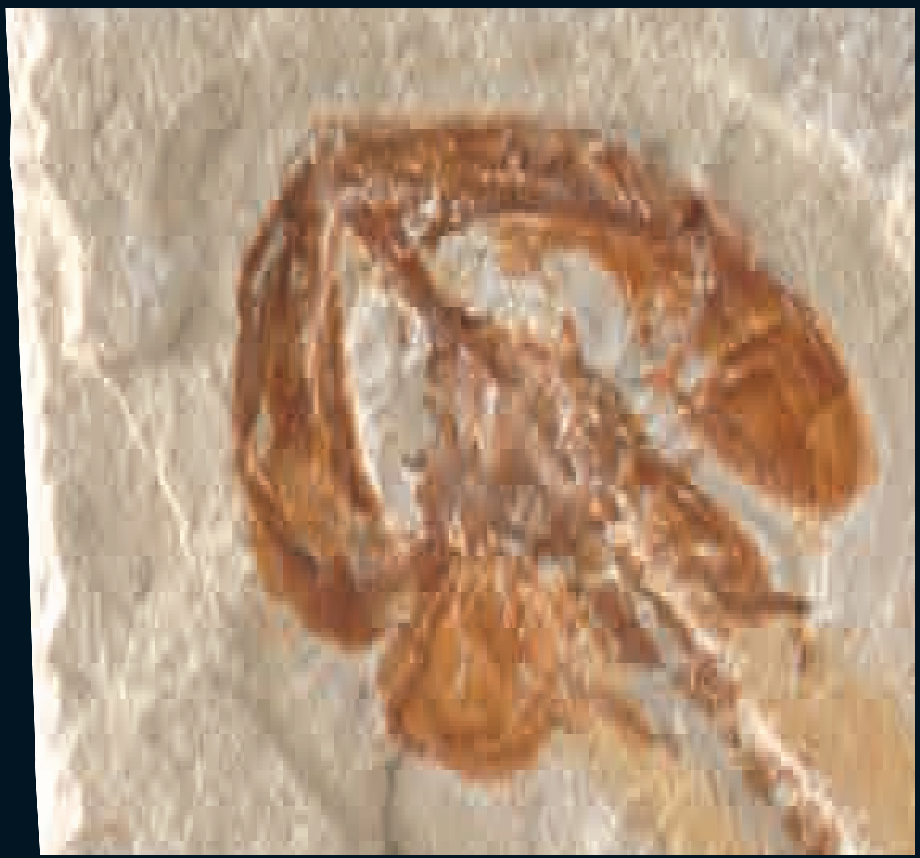

اس تصویر میں ۷۵ لاکھ سال پرانے فوصل کا عکس اور معکوس دکھائی دے رہے ہیں-

شارک/شارک مچھلی یا کلب البحر

عمر- ۷۵لاکھ سال

جائے وقوع- بائبلوس، حاقل، لبنان

عہد- کریٹیشس، سینومانین

شارک مچھلی کے فوصل عموماً لبنان کے پہاڑوں سے دریافت ہوئے ہیں- اس مچھلی کا تعلق کارٹیلجینس درجہ کی مچھلیوں سے ہے- ان مچھلیوں کی ڈھانچوں میں کیلشیم نہیں ہوتا اور یہ غضروفی ہڈی سے بنے ہوتے ہیں- ان کے جسم میں کیلشیم صرف ان کے دانتوں اوربعض دفعہ ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے- اسی وجہ سے شارک مچھلیوں کے مکمل ڈھانچوں کے فوصل کم اور صرف دانتوں کے فوصل زیادہ دریافت ہوتے ہیں- سب سے پرانے ملنے والے شارک فوصل کی عمر۴۰۰ لاکھ سال ہے- تمام دوسرے جانداروں کے فوصلوں کی طرح یہ فوصل بھی ثابت کرتا ہے کہ نظریہ ارتقاءایک دھکوکے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

سلیپر لابسٹر/کیکٹ کی قسم

عمر- ۹۸لاکھ سال
جائے وقوع- لبنان
عہد- کریٹیشس

کیکٹ کی یہ قسم بھی سکالاراڈائی خاندان کا آہستہ چلنے والا خول دار جانور ہوتا ہے جس کی لمبائی ۴۵-۴۰سینٹی میٹر (۱۸-۱۵ انچ) ہوئی ہے- دورِ حاضر کی کیکٹ کی قسموں اور لاکھوں سال پہلے رہنے والے ان جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان کے اندر معمولی سی بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور اس کا فوصل اس بات کا ثبوت ہے-

بیفالہ سے ملاگیا ۴۴۳ سے ۴۹۰
لاکھ سال پرانا ستارہ مچھلی کا
فوصل

ایک ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال پرانا
سوامچھلی کا فوصل جو کہ دور حاضر
کی سوا مچھلی کی عین بمشکل ہے۔

ماڈاگاسکر سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

ماڈاگاسکر دنیا کا چوتھا بڑ اجزیرہ ہے اور یہ افریقہ کے مشرقی ساحل سے تھوڑا ہٹ کر بحر ہند میں واقع ہے- اس علاقے میں دنیا کی۵فیصد نباتاتی اور حیوانی نسلیں پائی جاتی ہیں جن میں سے۸۰فیصد کے لئے ماداگاسکر ایک یکتا مقام رکھتا ہے- جزیرے کے مشرقی ساحل پر چھوٹی، ڈھلوانی چٹانیں ہیں- شمال میں موجود ساراٹانانا کا پہاڑی علاقہ ہے جس کے کچھ پہاڑ آتش فشانی ہیں- ارضیاتی تحقیق کے مطابق ۱۶۵لاکھ سال پہلے ماڈاگاسکر براعظم افریقہ کاحصہ تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ٹوٹ کر الگ ہوتاچلا گیا- ماہر معدوم حیوانات و نباتات کی تحقیقی کھدائی سے اِس علاقے ے بے شمار ۶۵سے ۲۴۸ لاکھ سال پرانے میسوزوئک دور کے چڑیوں، ممالیہ جانوروں اور بحری حیوانات کے فوصل دریافت ہوئے ہیں- دنیا کے ہر کونے سے ملنے والے دوسرے فوصلوں کی طرح ماڈاگاسکر کے فوصلی ریکارڈ اور نظریہ ارتقاءکے درمیان بھی شدید اختلاف نظر آتا ہے- فوصلی ریکارڈ کی روشنی میں نظریہ ارتقاءکے اصولوں کے تحت زندگی کا نقط آغاز بیان کرنا ایک ناممکن فعل ہے- دنیا کی ساری جاندار نسلیں جو کہ ارضیاتی تھوں کے حساب سے اچانک نمودار ہوکر فوصلوں کی شکل میں اپنا نشان چھوڑ گئیں اور آج تک دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہیں وہ صرف اور صرف اس بات کی گواہی ہیں کہ ان کے اندر کسی بھی طرح کی تدریجی ترقی کا عمل رونما نہیں ہوا بلکہ یہ تخلیق کی گئی ہیں-

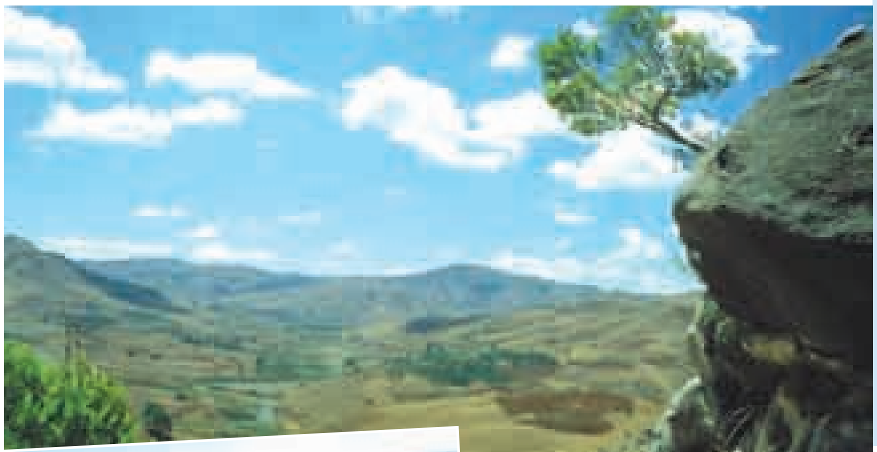

اٹلس کے ۲۴۰۰ کل ومیٹر یا ۱۵۰۰ میل پر مشتمل پہاڑی سلسلے میں وسیع فوصلی ذخائر موجودد ہیں- اس کی سب سے اونچی چوٹی جبل توبکل ہے جس کی اونچائی ۴۱۲۷میٹر یا ۱۳۶۶۵فٹ ہے- اٹلس کے پہاڑ لاکھوں سال پہلے افریقہ اور امریکہ کے براعظموں کے آپس میں ٹکرانے سے وجود میں آئے- خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی امریکہ کے اپالیشن پہاڑ بھی اسی طرح کی ارضیاتی حرکت سے وجود میں آئے-

کولیکانتھ/بڑی ہڈیوں والی سمندری مچھلی

عمر- ۲۴۰لاکھ سال
جائے وقوع- ایمبی لوب، ماڈاگاسگر
عہد- نچلا ٹرائسک

کولیکانتھ ایک بڑی ہڈیوں والی سمندری مچھلی ہے جو کہ کافی عرصے تک معدوم خیال کی جاتی رہی- اس کی دم کے پر تکونے اور آگے کے پر دبیز پر گوشت ہوتے ہیں- یہ ۴۰۰لاکھ سال پرانی مچھلی نظریہ ارتقاءکے لئے ایک شدید رکاوٹ ہے- اس مچھلی کے اندر۴۰۰لاکھ سال گزرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- اس مچھلی کا اس طرح براعظموں کی حرکت اور موسمی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے باوجود محفوظ رہنا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے شدید پریشانی کا سبب ہے- کولیکانتھ نظریہ ارتقاءکو جانداروں کے اندر تدریجی ترقی کے کسی بھی ثبوت کی غیر موجودگی کی صورت میں مکمل طور پر ناقص بنادیتا ہے-
تصویر میں موجود کولیکانتھ کا فوصل دو حصوں پر مشتمل ہے- اس پتھر کے بیچ سے دو ٹکڑے ہوئے ہوئے حصوں پر مچھلی کے ہو بہو لیکن آئینے کے عکس کی طرح پلٹے ہوئے نشانات موجود ہیں- کولیکانتھ ایک کافی بڑی مچھلی ہوتی ہے جس کی لمبائی۱۵۰سینٹی میٹر (۵فٹ) ہوتی ہے -اس کا جسم مکمل طور پر موٹے کھپروں سے ڈھکا ہوتا ہے جو کہ ایک حفاظتی چادر

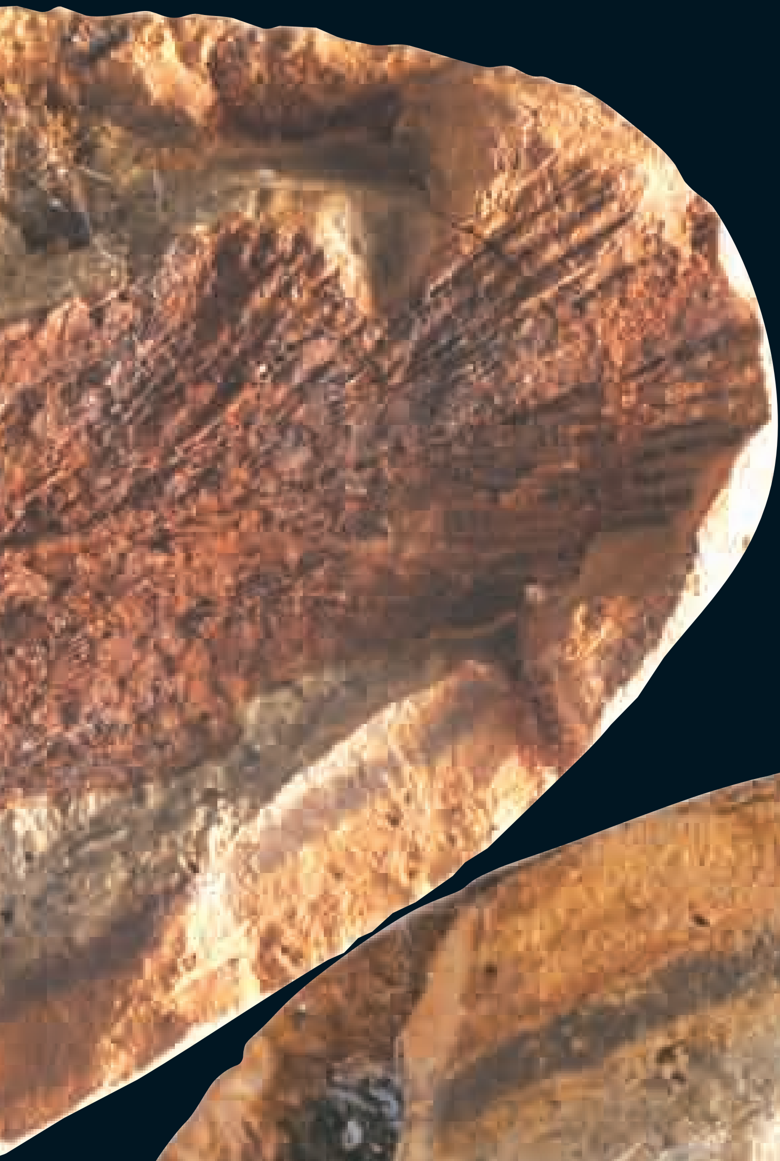

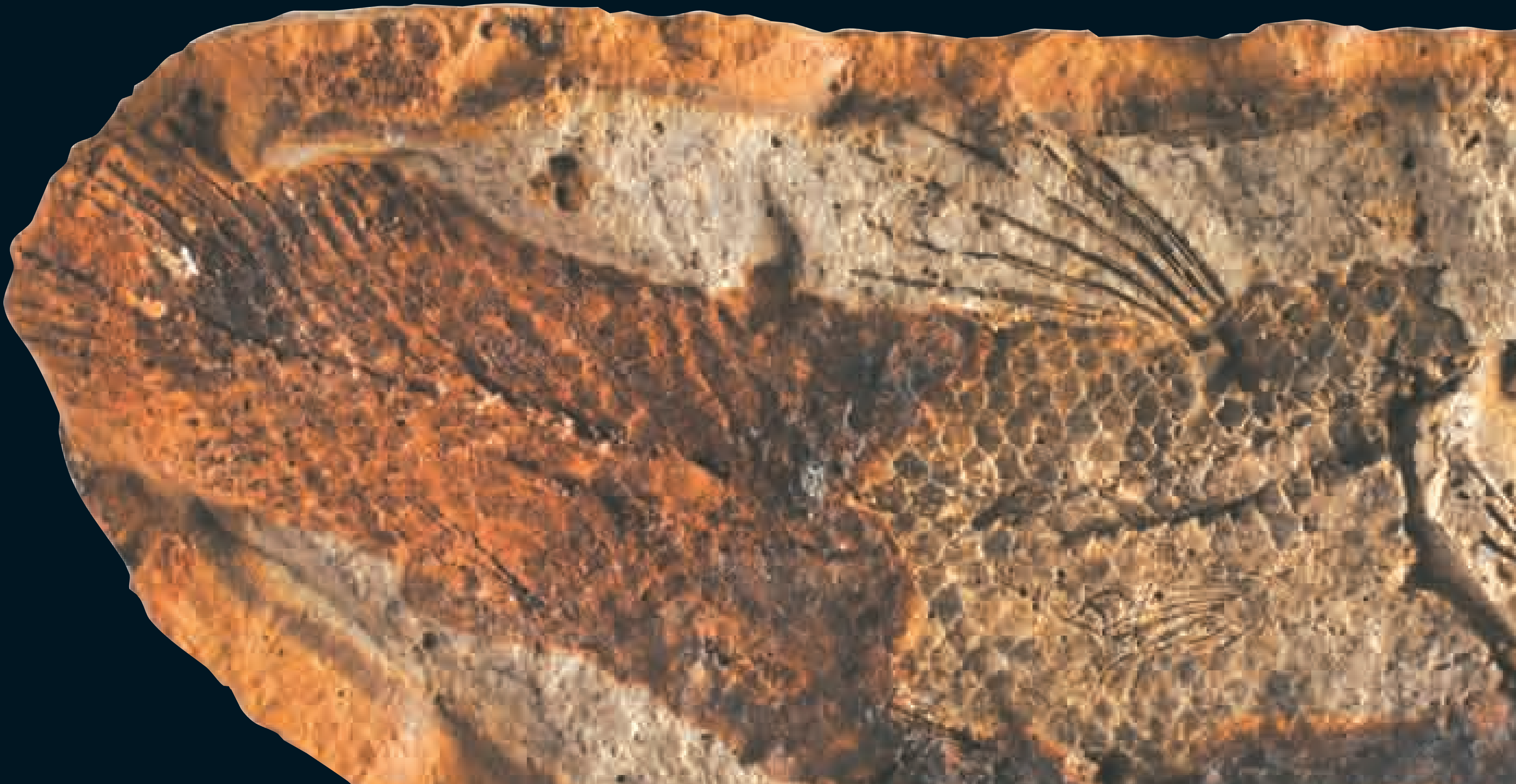

کا کام کرتے ہیں- یہ ہڈی والی مچھلیوں کے آستاکھتائس خاندان کا حصہ ہے اور اس کے سب سے پہلے فوصل ڈیوونین عہد کے ہیں۱۹۳۸ءتک بہت سے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا خیال تھا کہ یہ مچھلی اپنے دو بڑے پروں کے سہارے سے سمندر کی زمین پر چلتی ہے اور یہ آبی اور ارضی حیوانات کے درمیان کی کوئی وسطی مخلوق ہے- اپنے اس دعوے کو مزید سہارا دینے کے لئے انہوں نے نقطہ اٹھایا کہ کولیکانتھ کے دو بڑے پروں کی فوصل میں موجود ہڈی کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے-

لیکن ۱۹۳۸میں پیش آنے والے ایک واقعہ نے اس تدریجی ترقی اور وسطی فوصل سے متعلق اس دعوے کو زمین بوس کردیا- افریقہ کے ساحل کے قریب ایک زندہ کولیکانتھ پکڑی گئی جبکہ عام خیال یہ تھا کہ یہ مچھلی کم از کم ۷۰لاکھ سال پہلے معدوم ہوچکی ہے- اس زندہ مچھلی پر مزید تحقیق نے ثابت کیا کہ ۴۰۰لاکھ سال گزرنے کے باوجود اس مچھلی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے- کولیکانتھ کا دورِ حاضر کے سمندروں میں آج بھی موجود ہونا نظریہ ارتقاءکے لئے ایک بھاری چوٹ ہے-

بائیوالو/دوجڑواں صدفوں والا

عمر- ۱۴۶سے۲۰۸لاکھ سال
جائے وقوع- ماجنگا کی مدور وادی
عہد- جوراسک

دو جڑواں صدفوں والے جانوروں کی عام مثال کستور امچھلی ہے- دورحاضر میں موجود ان جانوروں اور ۱۴۶ سے ۲۰۸لاکھ سال پہلے رہنے والے ان جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے- فوصل اس بات کا ٹھوس ثبوت ہیں کہ یہ جانور کسی تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزرے اور نہ ہی یہ کسی اور حیوان کی وسطی شکل ہیں-

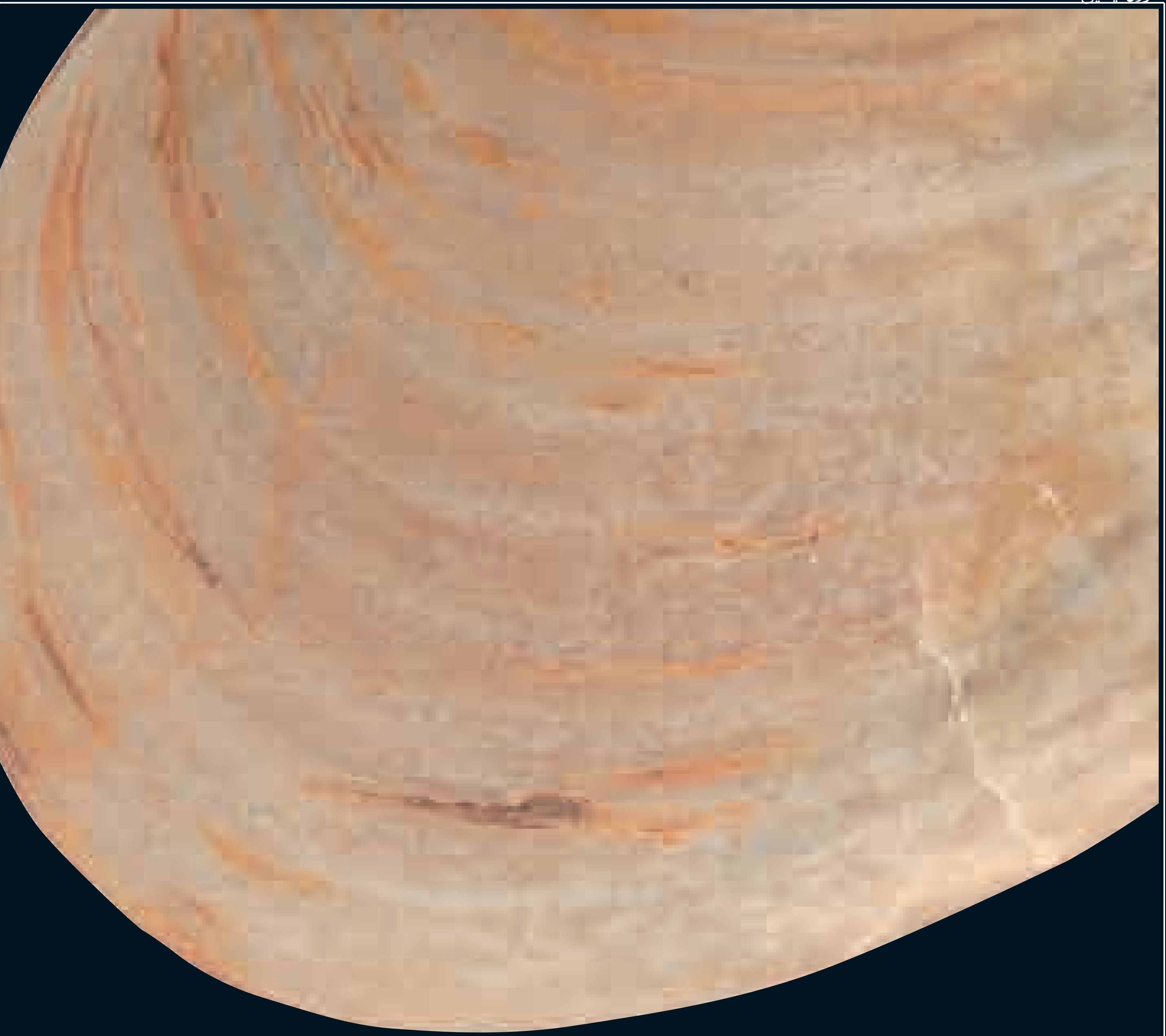

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۱۴لا کھ سال
پیمائش- **۵۵**ملی میٹر
جائے وقوع- ماڈاگاسکر
عہد- کریٹیشس،آلبین مرحلہ

یہ جاندار چاہے **۱۵۰**لاکھ سال پرانا ہو یا**۳۰۰**لاکھ سال، فوصلی ثبوت سے واضع ہے کہ آج کے زندہ سرپایہ صدفوں اور ان لاکھوں سال پرانے صدفوں میں کوئی فرق نہیں ہے- تصویر میں موجود فوصل **۱۱۴**لاکھ سال پرانا ہے اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر-   ۹۷سے۱۱۳لاکھ سال
پیمائش-   بیضوی شکل کے سب سے اونچے نقطے سے ۹-۱سینٹی میٹر (۷-۰ انچ)
زاویہ مستقیم-   **۵-۳** سینٹی میٹر (۱-۲ انچ)
جائے وقوع-   ماحاجانگا، ماڈاگاسکر
عہد-   کریٹیشس، آلبین مرحلہ

فوصلوں کے وسیع ذخائر سے ثابت ہے کہ لا کھوں سال پہلے رہنے والے جاندار جو کہ معدوم نہیں ہوئے ہیں ان کے اور دور حاضر میں موجود ان کے ہمشکلوں کے بیچ کوئی فرق نہیں ہے- ایسا ہی ثبوت یہ سرپایہ صدفے کا ۹۷ سے ۱۱۳لاکھ سال پرانا فوصل ہے جو کہ وجود میں آنے کے بعد سے آج تک کسی معمولی تبدیلی سے بھی نہیں گزرا اور نظریۂ ارتقاءکی مکمل نفی کرتا ہے-

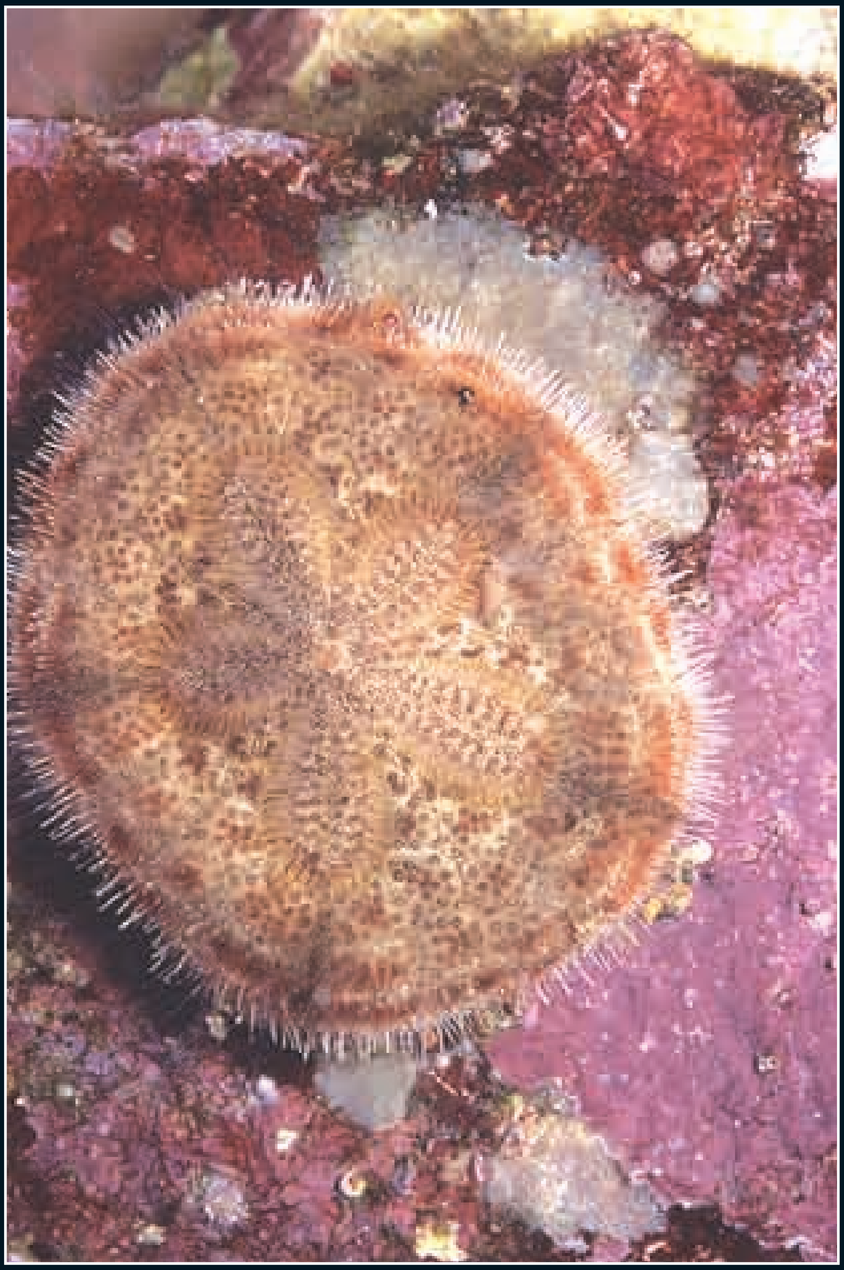

بحری خارپشت

عمر - ۱۷۲ سے ۱٦۸ لاکھ سال
جائے وقوع - ماڈاگاسکر
عہد - جوراسک باجوشن

تصویر میں موجود بحری خارپشت کا فوصل ۱۷۲ سے ۱٦۸ لاکھ سال پرانا ہے اور ان میں اور دورِ حاظر کے انہیں جانداروں میں کوئ فرق نیہں ہے ، یہ فوصل تخلیق کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے ،

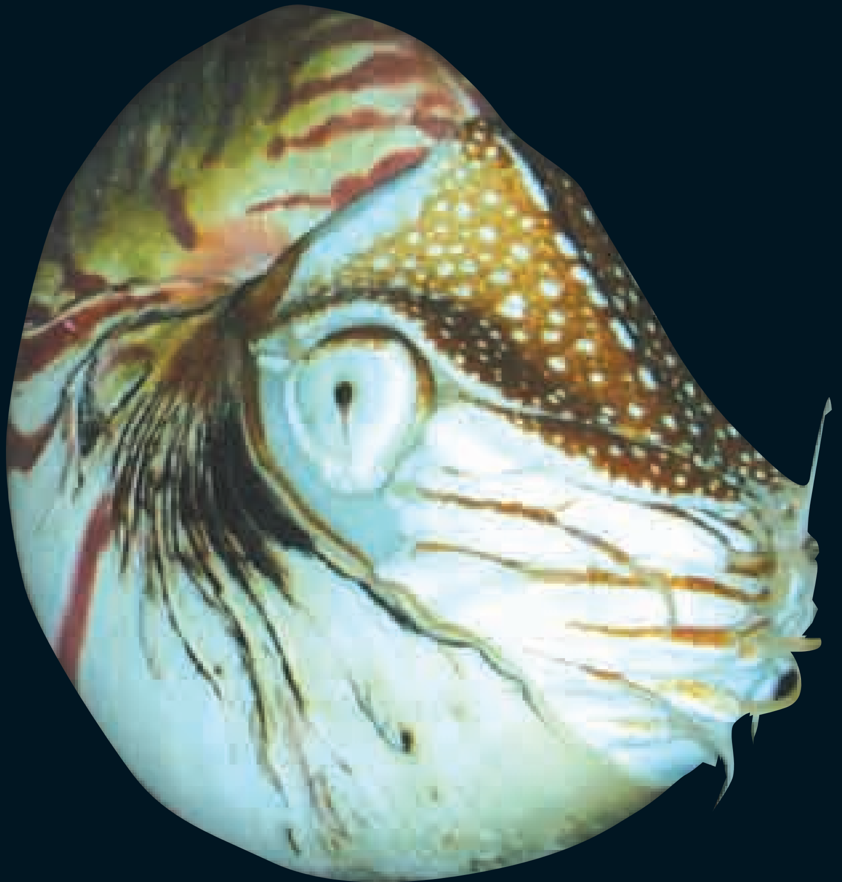

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۹۷سے ۱۱۳ لاکھ سال
پیمائش- بیضوی شکل کے سب سے اونچے نقطے سے۶.۶سینٹی میٹر (۶-۲ انچ)
زاویہ مستقیم- ۵سینٹی میٹر (۲ انچ)
جائے وقوع- ماحاجانگا، ماڈاگاسکر
عہد- کریٹیشس،آلبین مرحلہ

۹۷ سے ۱۱۳لاکھ سا ل پرانے اس جانور اور دورِ حاضر کے زندہ جانور کے درمیان یکسانیت کی حقیقت ثابت کرتی ہے کہ نظریہ ارتقاءایک زبردست دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں-

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۱۴لاکھ سال

پیمائش- **۵۵**ملی میٹر (۱-۲ انچ)

جائے وقوع- ماڈاگاسکر

عہد- کریٹیشس، آلبین مرحلہ

اس سرپایہ صدفے کا ۳۰۰ لاکھ سال سے بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود رہنا نظریہ ارتقاءکے لئے ایک زبردست دھچکا ہے- تصویر میں موجود ۱۱۴لاکھ سال پرانا یہ جانور دورِ حاضر کے اس جانور کا ہر طور سے مشابہ ہے-

باؤلوو/دوجڑواں صدفوں والا

عمر- ۱۴۶ سے ۲۰۸لاکھ سال
جائے وقوع- ماجنگا کی مدوروادی، ماڈاگاسکر
عہد- جوراسک

کستورا مچھلی باؤلوو جانوروں کی عام مثال ہے- بحری خولدار جانور لاکھوں سال سے فوصلی ریکارڈ میں کسی معمولی سی بھی تبدیلی کے بغیر موجود ہیں- تصویر میں موجود جانور۱۴۶سے ۲۰۸لاکھ سال پہلے زمین پر موجود تھا اور اس کا آج کے دور میں بھی اسی شکل میں موجود ہونا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک کھلی للکار ہے-

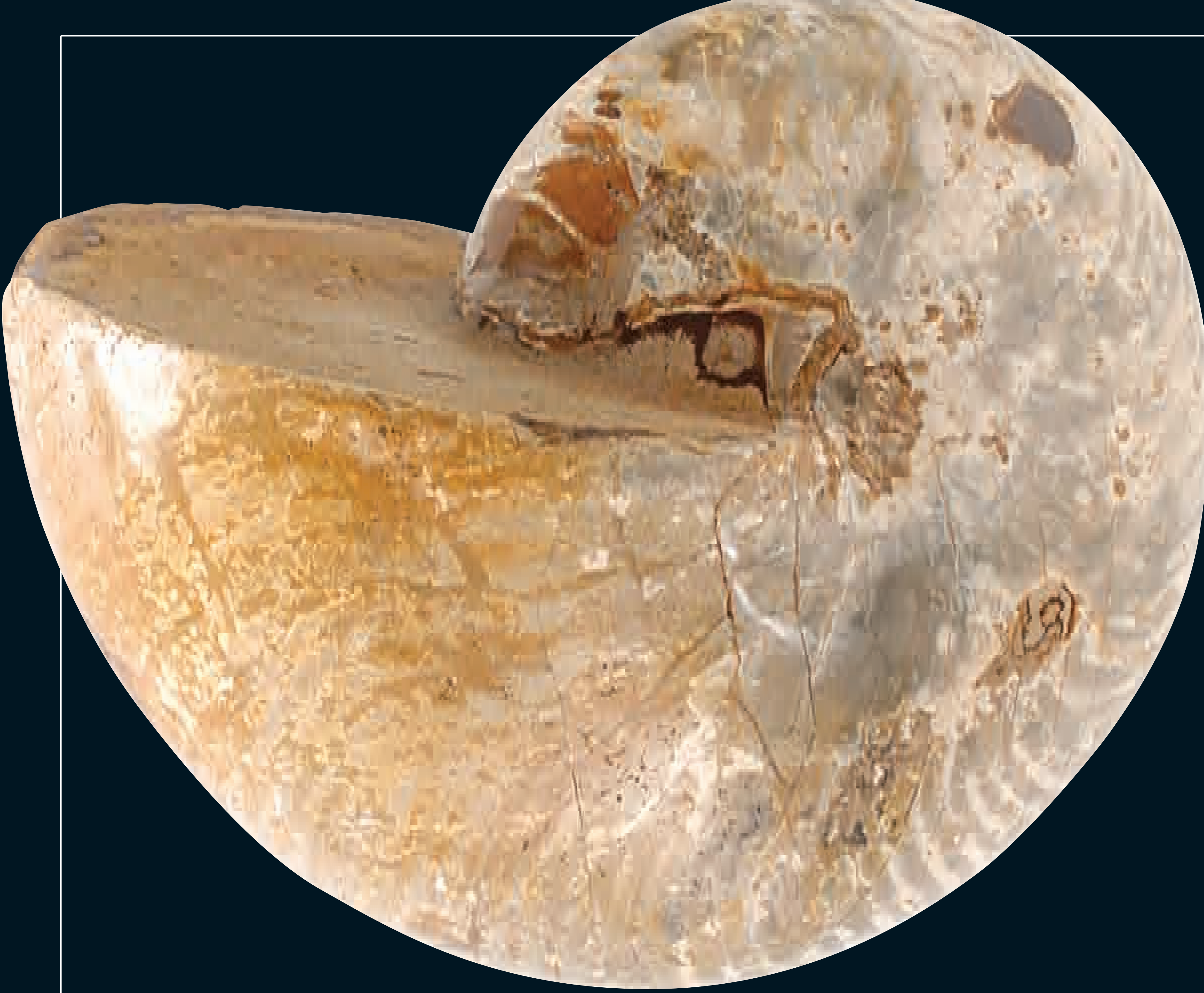

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر- ۱۱۴لاکھ سال

پیمائش- ۷۰ملی میٹر (۷-۶ انچ)

جائے وقوع- ماڈاگاسگر

عہد- کریٹیشس، آلبین مرحلہ

یہ حلزونی سرپایہ صدفہ ایک غیر فقاری جانور ہے جو کہ آج بھی سمندروں میں عام پایا جاتا ہے- یہ جانور ڈارون کے نظریے کے کھوکھلے پن کو ثابت کرتا ہے- دور حاضر کے اس جانور اور۱۱۴ لاکھ سال پہلے رہنے والے جانور میں کوئی فرق نہیں ہے-

نوٹیلس/حلزونی سرپایہ صدفہ

عمر-   ۱۱۴لاکھ سال

پیمائش-   ۱۷سینٹی میٹر (۶.۶ انچ)

جائے وقوع-   ماڈاگاسگر

عہد-   کریٹیشس، آلبین

یہ حلزونی سرپایہ صدفہ نہ صرف زمین پر ۳۰۰لاکھ سال سے زندہ ہے بلکہ اس دوران اس نے اپنے تمام فعلیاتی اوصاف بھی محفوظ رکھے ہیں- تصویر میں موجود یہ جانور۱۱۴ لاکھ سال پرانا ہے اور اس کا لاکھوں سالوں سے ایک ہی شکل میں موجود رہنا نظریۂ ارتقاءکو مکمل طور پر ناقص قرردے دیتا ہے-

چین،آسٹریلیا اور نیوز ی لینڈ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

لیاؤننگ کے فوصلی علاقے کی تحقیق کے دوران کئی فوصلی نمونے دریافت ہوئے جو کہ سب نظریہ ارتقاءکی تردید کرتے ہیں- تصویر میں ایک پتھریلی زمینی طبق نظر آرہی ہے-

ارضیاتی دوروں میں رہنے والے مخصوص جانوروں کی پہچان ہوئی ہے- ان دونوں ارضیاتی طبقوں میں۶۵سے ۱۴۶لاکھ سال پرانے کریٹیشس دور کے فوصل موجود ہیں- یونان کے علاقے میں جنگ جیانگ کی زمینی طبق ۴۵۳سے ۴۹۰لاکھ سال پرانے کیمبرین دور میں موجود کئی جانداروں کی نشاندہی کرتی ہے- اس زمینی طبق سے کثیر تعداد میں سمندری کائی، اسفنج، ٹریلوبائٹ یا قدیم حیاتی دور کا سنگوارہ اور اسی کی شکل کے غیر فقاری جانور اور کیچوؤں کی کئی نسلوں کے فوصل برآمد ہوئے ہیں جو کہ نظریہ ارتقاءکے لئے مہلک ثابت ہوئے ہیں- ان تمام فوصلوں سے ثابت ہوا ہے کہ کیمبرین دور میں رہنے والے جاندار نہ صرف ان تمام خصوصیات کے حامل تھے جو کہ دور حاضر کے انہیں جانداروں میں موجودھیں بلکہ بہت سی دفعہ ان لاکھوں پرانے جانداروں میں اپنی دور حاضر کی نسل سے بھی زیادہ اعزا زی ا ور منفرد اوصاف موجود تھے- یہ تمام ثبوت نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو خاموش کرنے کےلئے کافی ہیں جن کے دعووں کے مطابق موجودہ دور کی ہر زندہ نسل پرانی اور قدیم نسلوںکی سلسلہ وار تدریجی ترقی کا نتیجہ ہے-

چین سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

براعظم ایشیا کی ارضیاتی تاریخ میں کئی اہم پہاڑی قطعے موجود ہیں- ہمالیہ پہاڑوں کاشمار دنیاکے جوان ترین پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہاں کی تلیٹی سے ملنے والے کثیر تعداد میں غیر فقاری بحری جانداروں کے فوصلوں سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ارضی تہیں کسی زمانے میں زیر آب تھیں- براِعظم ایشیا کے اہم ترین فوصلی خطے چین میں واقع ہیں جن میں مغربی لیوننگ، یونان اور شانڈونگ فوصلی اعتبار سے سب سے زیادہ زرخیز ہیں- ان علاقوں سے بڑی تعداد میں چڑیوں، ممالیہ جانوروں، بربحری جانوروں، رینگنے والے جانوروں، مچھلیوں، کیڑے مکوڑوں اور پودوں کے فوصلوں کے ساتھ یہ حقیقت مزید مضبوط ہوگئی ہے کہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیق سے وجود میں آئے ہیں-

لیوننگ کے علاقے میں یی ژیان اور جوفوٹانگ کی زمینی طبق میں خاص

لیاؤننگ کی کچھ پتھریلی تہوں میں موجود فوصل

مے فلائی/مئی کی مکھی

عمر- ۱۶۵ لاکھ سال
پیمائش- ۲۰ملی میٹر (۸-۰ انچ)
سطر بندی- ۱۱۸ ملی میٹر (۶-۴ انچ)ضرب ۶۸ ملی میٹر (۷-۲ انچ)
جائے وقوع- چاؤیینگ، چین کا صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس

مئی کی مکھی کا یہ فوصل ایک زندہ فوصل کا نمونہ ہے -یہ ۱۲۵لاکھ سال پرانی مکھی دور حاضر کی مئی کی مکھی کی عین بمشکل ہے اور نظریہ ارتقاءکی نفی کرتی ہے-

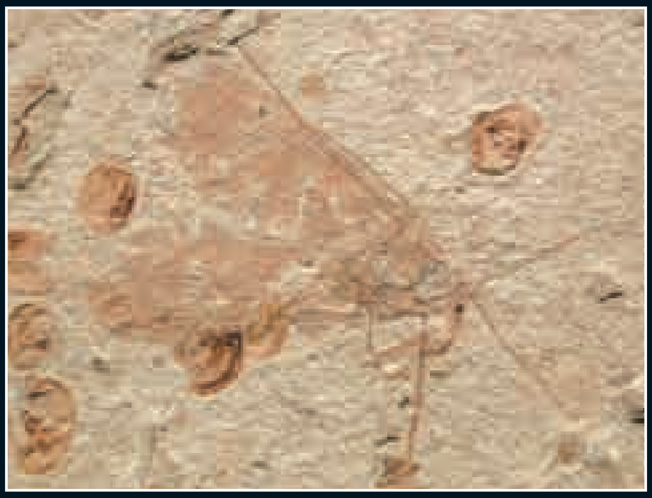

اسکارپین فلائی/میکاپٹیرہ نوع کا حشرہ یا بچھو مکھی

عمر-   ۱۲۵لاکھ سال
پروں کی پیمائش- ۱۹ ملی میٹر (۰-۸ انچ)
سطر بندی-   ۷۵ ملی میٹر (۳ انچ)ضرب ۹۵ ملی میٹر (۳-۷ انچ)
جائے وقوع-   چاؤیینگ، چین کا صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق -   یی ژیان کی زمینی طبق
عہد - نچلا کریٹیشس

اسکارپین فلائی میکاپٹیرہ کی نوع کا ایک چھوٹا حشرہ ہوتا ہے جس کے پروں کی اوسط لمبائی ۵۰ ملی میٹر (۲ انچ) ہوتی ہے- اس کے نر کا پیٹ بچھو کے ڈنک کی طرح اوپر کی طرف مڑا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ اسکارپین فلائی یا بچھو مکھی کہلاتا ہے- اس کے فوصل سے ثابت ہے کہ ۱۲۵ سال پرانے اس حشرے اور دورِ حاضر کے حشرے میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ حشرہ بھی دوسرے تمام جانداروں کی طرح تخلیق کے عمل سے وجود میں آیا ہے-

کرین فلائی/ ٹیپو لائی ڈائی خاندان کی مکھی

عمر- ۱۲۸ لاکھ سال

پیمائش- ۱۲ملی میٹر (۰-۵ انچ)

پر- ۹ ملی میٹر (۰-۴ انچ)

سطر بندی- ۷۲ ملی میٹر (۲-۸ انچ)ضرب ۴۸ ملی میٹر (۱-۹ انچ)

جائے وقوع- چاؤیینگ، چین کا صوبہ لیاؤننگ

زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

کرین فلائی ٹیپولائی ڈائی کلنگ مکھیوں کے خاندان کی مکھی ہوتی ہے جس کے دو پر اور لمبی ٹانگیں ہوتی ہیں- اگرچہ یہ بہت حد تک ایک بڑے پسو یا مچھر سے مشابہ ہوتی ہے لیکن اس کی ساخت اصل پسوؤں سے مختلف ہوتی ہے- اس کی خاص صفت اس کی اس کے جسم سے بھی دوگنی لمبی ٹانگیں ہوتی ہیں- لاکھوں سال پہلے بھی ان مکھیوں کی وہی ساخت تھی جو کہ آج نظر آتی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ مکھیاں نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتی ہیں-

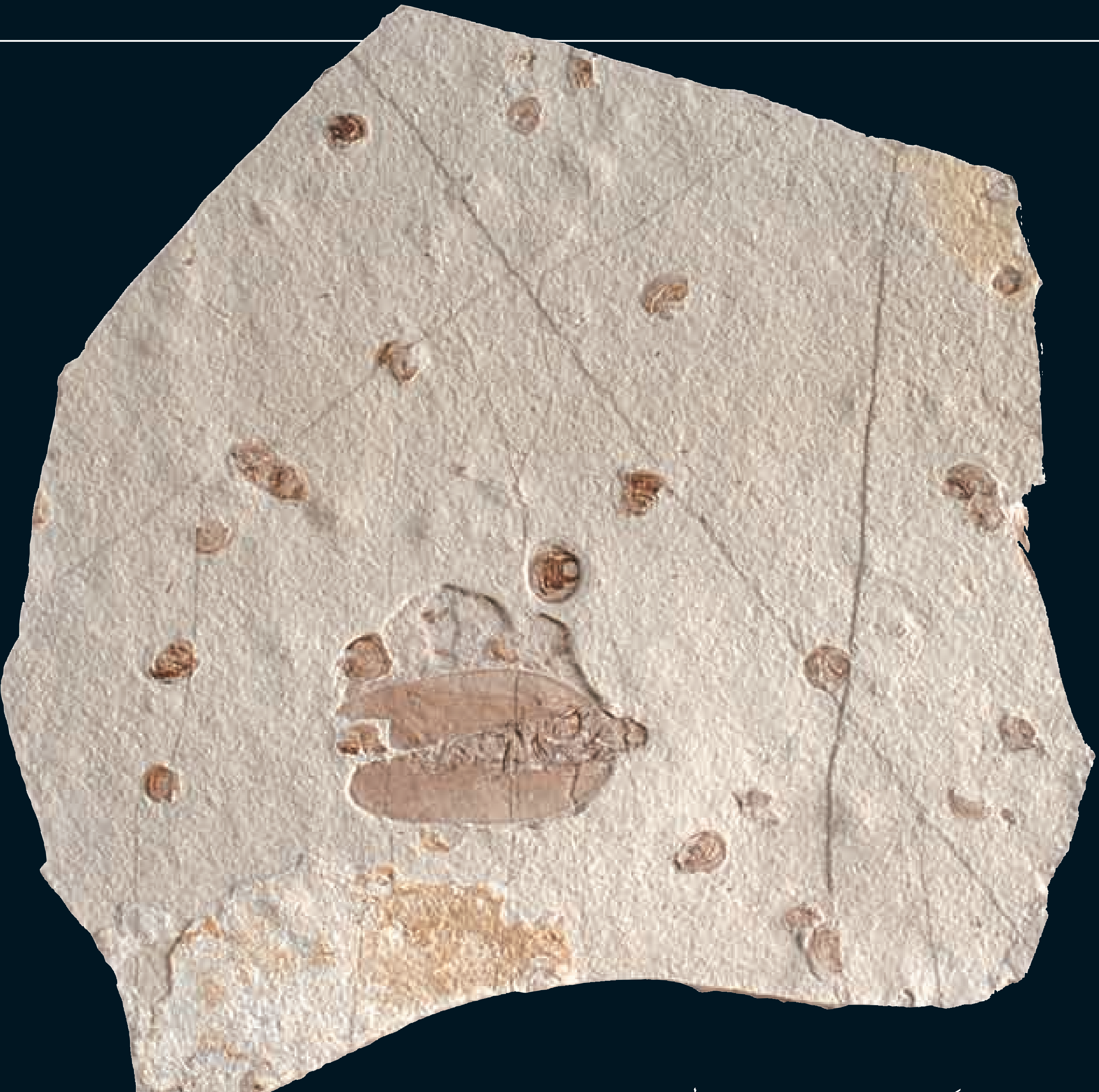

فراگ ہاپر/سرکوبیڈی خاندان کا پھدکنے والا کیڑا

عمر - ۱۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۲۳ ملی میٹر (۰.۹ انچ)
سطر بندی- ۸۰ ملی میٹر (۳.۲ انچ)ضرب ۸۰ ملی میٹر (۳.۲ انچ)
جائے وقوع- چاؤیینگ، چین کا صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس

فراگ ہاپر ایک سر کو پیڈی خاندان کا پھدکنے والا کیڑا ہوتا ہے جو پودوں کا رس چوستا ہے۔ اس کے پہل روپ یا لاروا اپنے تحفظ کے لئے حفاظتی پھین پیدا کرتے ہیں اور اس میں ڈھکے رہتے ہیں۔ دورِ حاضر میں موجود فراگ ہاپر اور لاکھوں سال پرانے فراگ ہاپر میں معمولی سا بھی فرق نہیں ہے۔ ان کی یہ یکسانیت ثابت کرتی ہے کہ جاندار کسی سلسلہ وار تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ یہ مکمل اور بے عیب اشکال میں ہی تخلیق کئے گئے ہیں۔

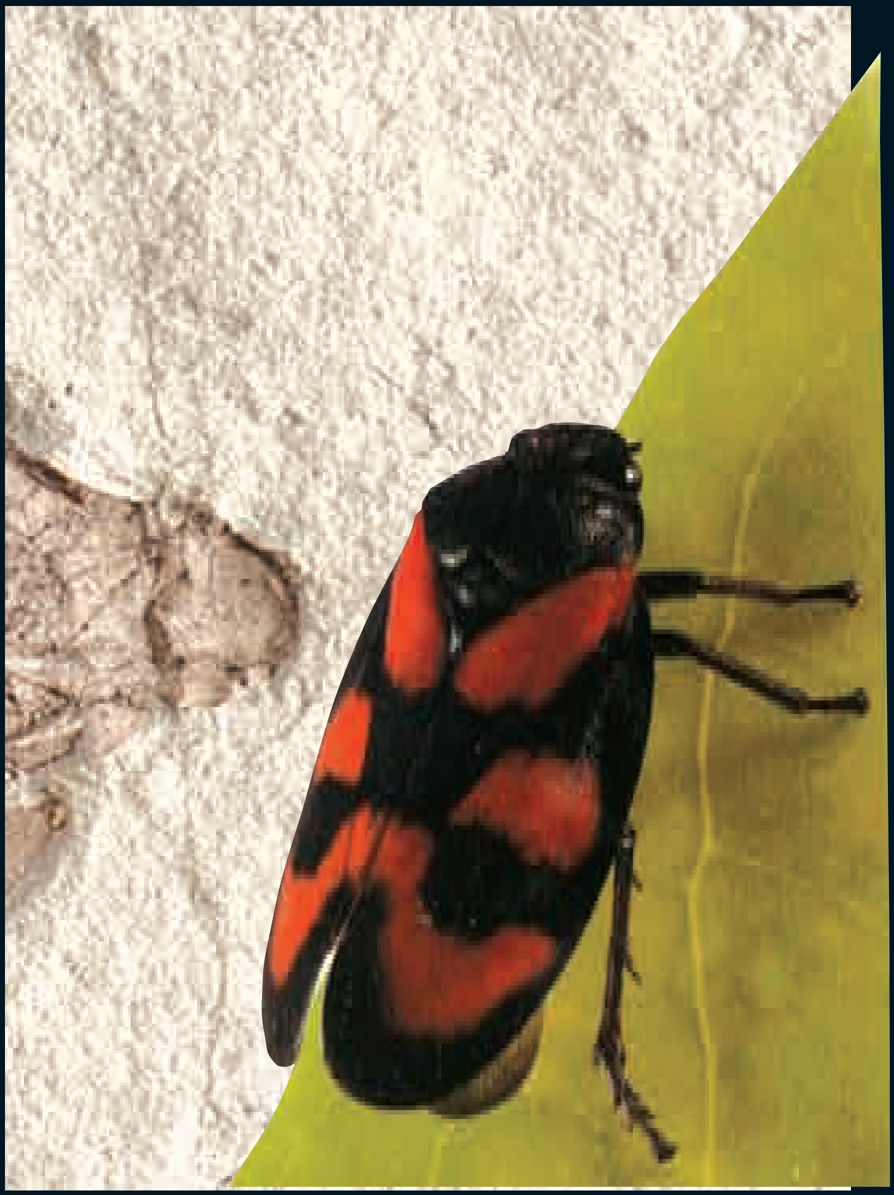

پلانٹ ہاپر/ٹڈا

عمر- ۱۲۵ لاکھ سال
پیمائش- ۱۷ ملی میٹر (۰-۷ انچ)
سطر بندی- ۶۰ ملی میٹر (۲-۴ انچ)ضرب ۴۶ ملی میٹر (۱-۸ انچ)
جائے وقوع- چاؤیینگ، چین کا صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس

ان پودے کھانے والے کیڑوں کی بالغ شکل دو نسلوں کی ہوتی ہے- ایک نسل اڑ سکتی ہے اور دوسری نہیں اڑتی- ان دونوں نسلوں کی ساخت لاکھوں سال گزرنے کے باجود بھی معمولی سی بھی تبدیلی سے نہیں گزریں- ان کی تمام خصوصیات کا یکساں رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ڈارون کے پیروکاروں کے دعوے محض خیالی باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

فنگس نیٹ/پسوؤں کی نسل

عمر- ۱۲۸ لاکھ سال

پیمائش- ۸ ملی میٹر (۳-۰ انچ)

پر- ۵ ملی میٹر (۲-۰ انچ)

سطر بندی- ۷۷ ملی میٹر (۳ انچ)ضرب ۵۰ ملی میٹر (۲ انچ)

جائے وقوع- چاؤیینگ، صوبہ لیاؤننگ

زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

سوؤں کی یہ نسل اسکا ریڈائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے- یہ مربوط جگھوں میں پائے جاتے ہیں خاص طور پر پودوں کے نچلے حصے جو مٹی کے قریب ہوتے ہیں- تصویر میں موجود پسو ۱۲۸لاکھ سال پرانا ہے اور دور حاضر میں موجود اس کیڑے کا عین ہمشکل ہے- ان کیڑوں میں کوئی تبدیلی پیش نہیں آئی ہے اور یہ نظریہ ارتقاءکے ہر دعوے کی تردید کرتے ہیں-

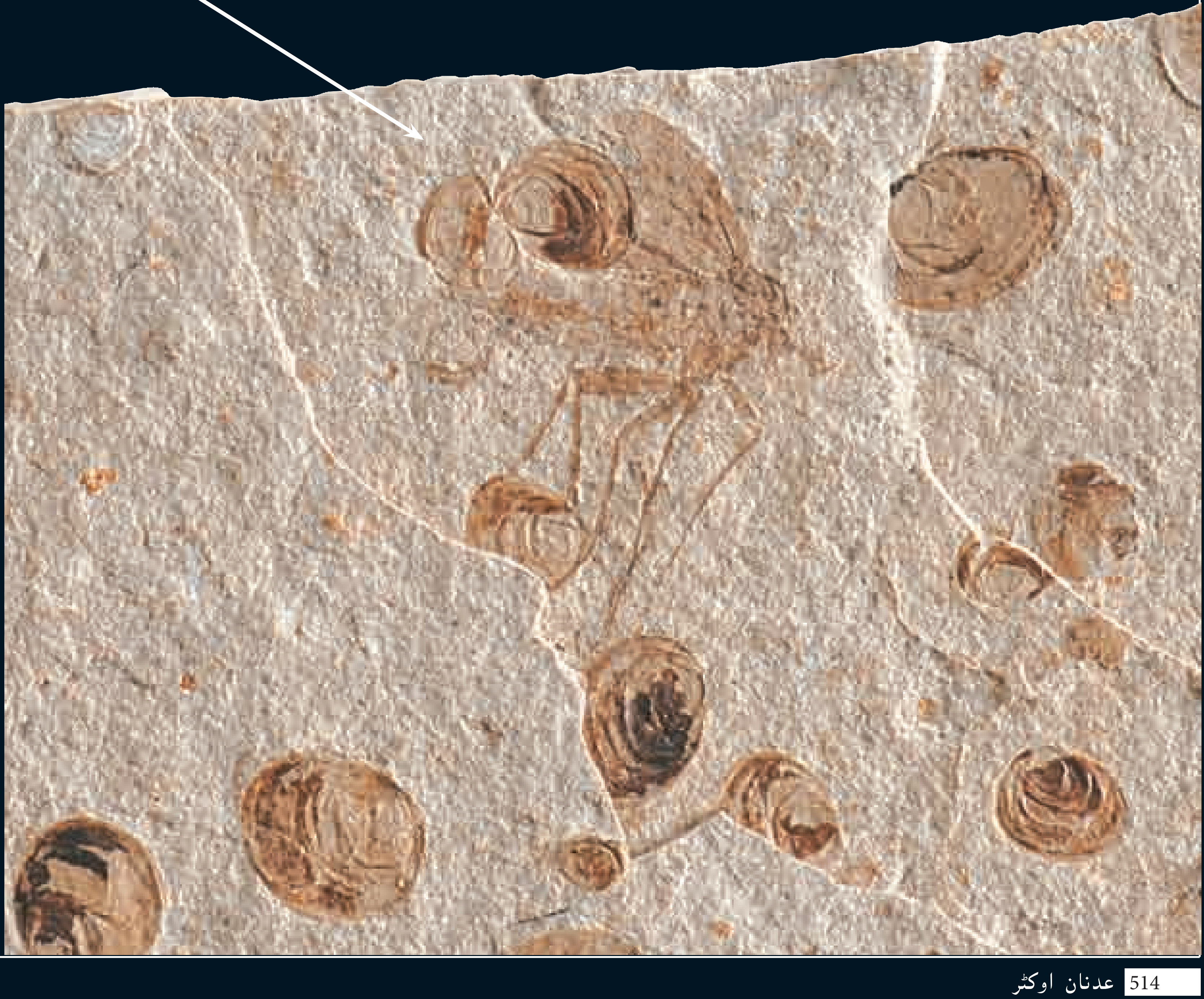

سلامانڈر/چھپکلی کی طرح کی بربحری دم دار مخلوق

عمر- ۱۲۵ لاکھ سال

پیمائش- ۱۱سینٹی میٹر (۳-۴ انچ)ضرب ۶سینٹی میٹر (۴-۲ انچ)

سطر بندی- ۶-۲۹ سینٹی میٹر (۷-۱۱ انچ)

جائے وقوع- ہولوڈاؤ کا شہر، صوبہ لیاؤننگ

زمینی طبق- جیو فوٹانگ کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

چھپکلی کی طرح کی اس بر بحری دم دار مخلوق کے بارے میں پہلے گمان تھا کہ یہ آگ میں رہ سکتی ہے- چین میں ملنے والا اس کا فوصل اس جاندار کا پرانا ترین فوصل ہے- بعض دفعہ اچانک آتش فشانی کے باعث جاندار راکھ کے تہوں میں اتنی بہترین طرح سے محفوظ ہوگئے ہیں کہ کچھ کی نہ صرف نرم ریشہ لحمی بھی قابل شناخت ہے بلکہ وہ خوراک بھی واضح ہے جو انہوں نے مرنے سے قبل کھائی تھی- اس فوصل شدہ مخلوق میں اور دور حاضر میں زندہ اس مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے- اس بر بحری مخلوق کا لاکھوں سال سے کسی تبدیلی کے بغیر زمین پر رہنا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے ہر دعوے کی تردید کرتا ہے-

اسٹرجن یا شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلی

عمر - ۱٤٤ سے ۱۲۷ لاکھ سال
پیمائش - ٤۸ سینٹی میٹر یا ۱۹ انچ
جائے وقوع - سیہی ٹون ، بائ پیاؤ شہر ، صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق - جولونگ سونگ رکن ، چاؤمیڈیانزی کی زمینی طبق (جیہول گروہ)

آج تک کسی ایسے وسطی نوعیت کے فوصل کی دریافت نہیں ہوئ ہے جس کے سہارے جانداروں کے ارتقاء کا خیالی منظر نامہ ثابت کیا جا سکے ، ہی حال مچھلیوں کی ارتقائ کہانی کا ہے ، مچھلیوں کی تمام نسلیں بغیر کس پرکھا کے ثبوت کے اچانک فوصلی ریکارڈ میں نمودار ہوتی ہیں ، گو کہ دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں غیر فقاری جانداروں کے فوصل اود لاکھوں ہی کی تعداد میں مچھلیوں کے فوصل مل چکے ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی کوئ غمشدہ کڑی کی نوعیت کا فوصل نہیں ہے ، تصویر میں موجود اسٹرجن مچھلی کا فوصل بھی تخلیق کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے ،

ٹرٹل/کچھوا

عمر- ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال
سطر بندی- ۱۷-۵ سینٹی میٹر (۷ انچ)ضرب ۲۱ سینٹی میٹر (۳-۸ انچ)
جائے وقوع- لنگ یو آن، صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق
عہد- کریٹیشس

اگرچہ سائنسی تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ جاندار نسلیں کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں لیکن پھر بھی ڈارون کے پیروکار اس حقیقت کو ماننے سے صاف انکار کرتے ہیں- تصویر میں موجود یہ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال پرانا فوصل دور حاضر میں موجود کچھووں کاعین مشابہ ہے اور ثابت کرتا ہے کہ جانداروں کا لاکھوں سال سے یکساں شکل اور خصوصیات کے ساتھ زمین پر موجود رہنا نظریہ ارتقاءکی تردید کے لئے کافی ہے-

تصویر میں موجود فوصل دو حصوں پر مشتمل ہے جس میں ایک حصہ اس کی مثبت ساخت دکھا رہا ہے اور دوسرا حصہ اس کی منفی ساخت ہے،

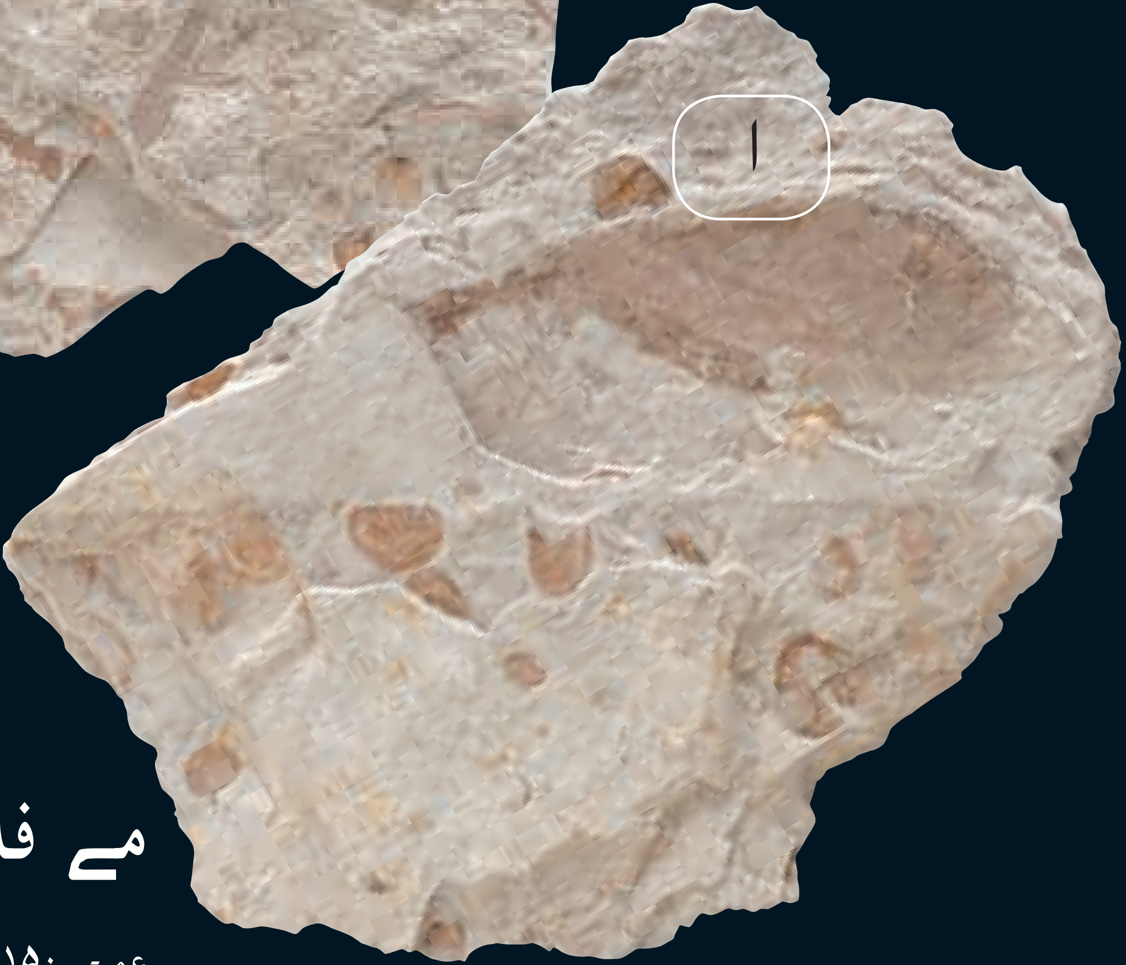

مے فلائی/مئی کی مکھی

عمر- ۱۵۰ سے ۱۵۶ لاکھ سال

جسم - ۳-۳ سینٹی میٹر (۳-۱ انچ)

سطر بندی- ۶-۷ سینٹی میٹر (۳ انچ) ضرب ۱۰ سینٹی میٹر (۴ انچ)

جائے وقوع- بائی پیاؤ، صوبہ لیاؤننگ

عہد- بالائی جوراسک

مئی کی مکھی ایفی میروپٹیرہ کے سلسلے کی مکھی ہے جو بہار کے موسم میں مختصر عرصے کے لئے جیتی ہے- دوسرے تمام کیڑے مکوڑوں کی طرح ان مکھیوں کے نظام حیات اور خصوصیات میں ان کے نقط آغاز سے لے کر آج تک کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی یہ کسی وسطی تدریجی عمل سے گزری ہیں- لاکھوں سال پرانی مئی کی مکھیوں اور آج کی مئی کی مکھیوں میں کوئی فرق نہیں ہے-

ا

ب

سلامانڈر/چھپکلی کی طرح کی بربحری دم دار مخلوق

یہ فوصل اپنے آپ کو عکس اور معکوس کی شکل میں پیش کررہا ہے۔

عمر- ۶۵ سے ۲۰۸ لاکھ سال
پیمائش- ۵-۴ سینٹی میٹر (۸-۱ انچ)
جائے وقوع- صوبہ لیاؤننگ
عہد- جوارسک،کریٹیشس

اس ۶۵ سے ۲۰۸ لاکھ سال پرانے فوصل سے ثابت ہے کہ یہ مخلوق زمین پر لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے۔ ایک زندہ سلامانڈر سے اس کا فوصل بالکل مختلف نہیں اور نظریہ ارتقاءکی مکمل نفی کرتا ہے۔

ا
ب

مکڑی کے اس ۱۵۰سے ۱۵۶لاکھ سال پرانے
فوصل کے دو برابر حصے واضح ہیں۔

اسپائڈر/مکڑی

عمر۔   ۱۵۰ سے ۱۵۶لاکھ سال

پیمائش۔   ۱۵ سینٹی میٹر (۰۔۶ انچ) ٹانگ سے ٹانگ تک

جسم۔   ۰۔۷ سینٹی میٹر (۰۔۲۸ انچ)

جائے وقوع۔ بی پیاؤ، چین کا صوبہ لیاؤننگ

عہد۔   بالائی جوارسک

مکڑی کا سب سے پرانا فوصل ایک پانی کی مکڑی کا ۴۲۵لاکھ سال پرانا فوصل ہے۔ تصویر میں موجود فوصل ۱۵۰سے ۱۵۶لاکھ سال پرانا ہے اور اس طرح کے فوصل ثابت کرتے ہیں کہ مکڑیوں کے اندر لاکھوں سال سے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ڈارون کے پیروکاروں کے پاس ان سائنسی تحقیقات کی تردید کے لئے کوئی سائنسی یا ٹھوس جواب موجود نہیں ہے۔

ب

ا

کرے فش/خولدار جھینگانما جانور

عمر- ۱۲۸ لاکھ سال
(۱) لمبائی- ۱۰۹ ملی میٹر (۳-۴ انچ)
سطر بندی- ۱۵۸ ملی میٹر (۲-۶ انچ)ضرب ۱۶۵ ملی میٹر (۵-۶ انچ)
(۲)لمبائی- ۱۰۹ ملی میٹر (۳-۴ انچ)
سطر بندی- ۱۸۰ ملی میٹر (۱-۷ انچ)ضرب ۱۶۰ ملی میٹر (۳-۶ انچ)
جائے وقوع- لنگ یو آن، صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق - ےی ژیان کی زمینی طبق
عہد- نچلا کریٹیشس

کرے فش ایک میٹھے پانی کا قشری یا خولدار جھینگا نما جانور ہے جو کیکٹ سے بھی کافی مشابہ ہوتا ہے- لاکھوں سال سے اس مخلوق نے اپنی خصوصیات کو محفوظ رکھا ہے- دورحاضر کی اس مخلوق اور لاکھوں سال پرانے اس کے فوصل کے درمیان کسی بھی فرق کا نہ ہونا ڈارون کے پیروکاروں کے لئے ایک ناقابل فہم صورتحال ہے- فوصل اللہ کی تخلیق کی سچائی کو دنیا کے آگے بیان کردیتے ہیں-

ا

ب

ڈریگن فلائی/بھنبھیری

عمر- ۱۵۰سے ۱۵۶لاکھ سال

پر پھیلاؤ- ۱۱-۴ سینٹی میٹر (۵-۴ انچ)

جسم- ۷-۶ سینٹی میٹر (۳ انچ)

سطر بندی- ۱۶-۵سینٹی میٹر (۶-۵ انچ) ۱۳-۷ سینٹی میٹر (۵-۴ انچ)

جائے وقوع- بی پیاؤ، صوبہ لیاؤننگ

عہد- بالائی جوراسک

بھنبھیری کے پروں کی ساخت اور اڑان کے نظام کو ہیلی کاپٹر کی صنعت میں تفصیلی طور پر پرکھا جاتا ہے- بھنبھیری اپنی اس جدید طرز اڑان کے ساتھ۱۵۰ لاکھ سال پہلے بھی زمین پر موجود تھی- بھنبھیری کا فوصل نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک ناقابل توضیع صورتحال ہے جو کہ ان کے ہر دعوے کی نفی کرتا ہے-

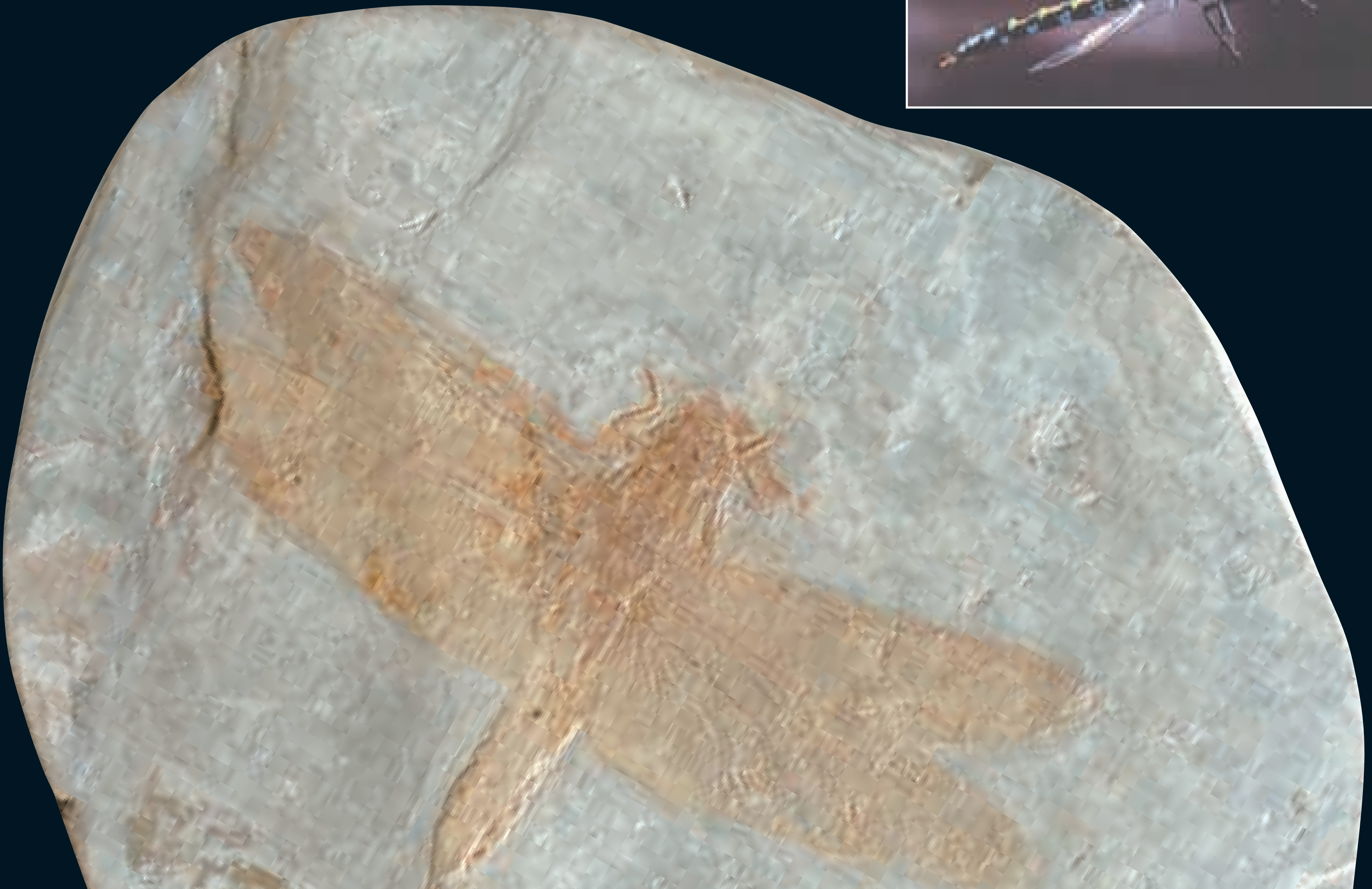

جوویناٸل ٹرٹل/کمسن کیچھوا

عمر- ۱۲۰لاکھ سال

پیمائش- ۱۸سینٹی میٹر (۷ انچ)

جائے وقوع- سیھی ٹون، شانگیو آن، بی پیاؤ شہر، صوبہ لیاؤننگ

زمینی طبق- نچلی ےی ژیان کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

“جانداروں کی اس بے انتہا کامیاب نسل کی ترتیب کا نقطۂآغاز ان کے کسی اولین فوصل کی غیر موجودگی کی وجہ سے مبہم ہے- حالانکہ دوسرے فقاری جانوروں کی نسبت کچھوے زیادہ تعداد میں اور بہتر فوصلی نشانات چھوڑتے ہیں- کوٹیلوسار وہ رینگنے والے جانور ہیں جن کے بارے میں گمان ہے کہ کچھوے ان کی تدریجی شکل ہیں لیکن ان جانوروں اور کچھوؤں کے بیچ کے کسی وسطی شکل کے جانوروں کا ثبوت مکمل طور پر غیر موجو د ہے-”
انسائکلوپیڈیا بریٹ ینیکا آن لائن “کچھوے”

کچھوے کا یہ ۱۲۰لاکھ سال پرانا فوصل ثابت کرتا ہے کہ کچھوے کسی دوسرے جاندار کی تدریجی شکل نہیں ہیں اور نہ ہی کسی تدریجی ترقی کے وسطی مراحل سے گزرے ہیں- یہ لاکھوں سالوں سے زمین پر ایک ہی شکل میں موجود ہیں-

اسٹرجن/شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلی

عمر-   ۱۵۰ سے ۱۵۶لاکھ سال
پیمائش-   ۲۲ سینٹی میٹر (۵-۸ انچ)
جائے وقوع-   بی پیاؤ، صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق-   جوفوٹانگ کی زمینی طبق
عہد-   بالائی جوراسک

اسٹرجن ایک ایسی پنسی ریڈائی خاندان کی شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلیوں میں سے ایک ہے جو انڈے دینے کےلئے دریا کے دھارے کے خلاف چڑھتی ہیں-یورپ، ایشیا اور شمالی امریکہ میں اس خاندان کی ۲۰ مختلف نسلیں پائی جاتی ہیں- یہ مچھلیاں اپنا زیادہ تر وقت سمندروں میں گزارتی ہیں اور کچھ موسموں میں دریاؤں میں جمع ہوجاتی ہیں- لاکھوں سال پرانی اس مچھلی اور دور حاضر کی اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق مچھلیوں کے پرکھا مچھلیاں، چڑیاں کے پرکھا چڑیاں اور انسانوں کے پرکھا مکمل طور پر انسان ہی تھے- تمام جاندار نسلیں اپنی مخصوص خصوصیات اور بے عیب ساخت کے ساتھ لاکھوں سال سے موجود ہیں اور ان سب کا تخلیق کار اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں-

پلانٹ ہاپر/ٹڈا

عمر- ۱۵۰ سے ۱۵۶لاکھ سال
جائے وقوع- بی پیاؤ، صوبہ لیاؤننگ
عہد- بالائی جوراسک

تمام کیڑے مکوڑے جو کہ۱۵۰لاکھ سال گزرنے کے باوجود بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں اس دعوے کی مکمل تردید کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی قدیم شکل سے بذریعہ تدریجی ترقی اپنی موجودہ ترقی یافتہ شکل تک پہنچے ہیں- کیڑے مکوڑوں کی ساخت ۱۲۰لاکھ اور ۱۵۰لاکھ سال پہلے بھی وہی تھی جو اب نظر آتی ہے-

کروکوڈائل/ مگرمچھ

عمر- ۱۰۰ لاکھ سال
پیمائش- ۷۲ سینٹی میٹر(۳۰ انچ)
جائے وقوع- ایشیا
عہد- کریٹیشس

مگر مچھ نے دنیا میں اپنے لاتعداد فوصل چھوڑے ہیں -ان کے جسم اچانک مکمل شکل میں نمودار ہوئے اور بغیر کسی تبدیلی کے آج تک اسی شکل میں موجود ہیں- مگر مچھ کے سب سے پرانے فوصل کی عمر۱۴۰ لاکھ سال ہے- ایک۱۰۰لاکھ سال پرانے مگر مچھ اور اس کے دورِ حاضر کے ساتھی میں کوئی فرق نہیں ہے-

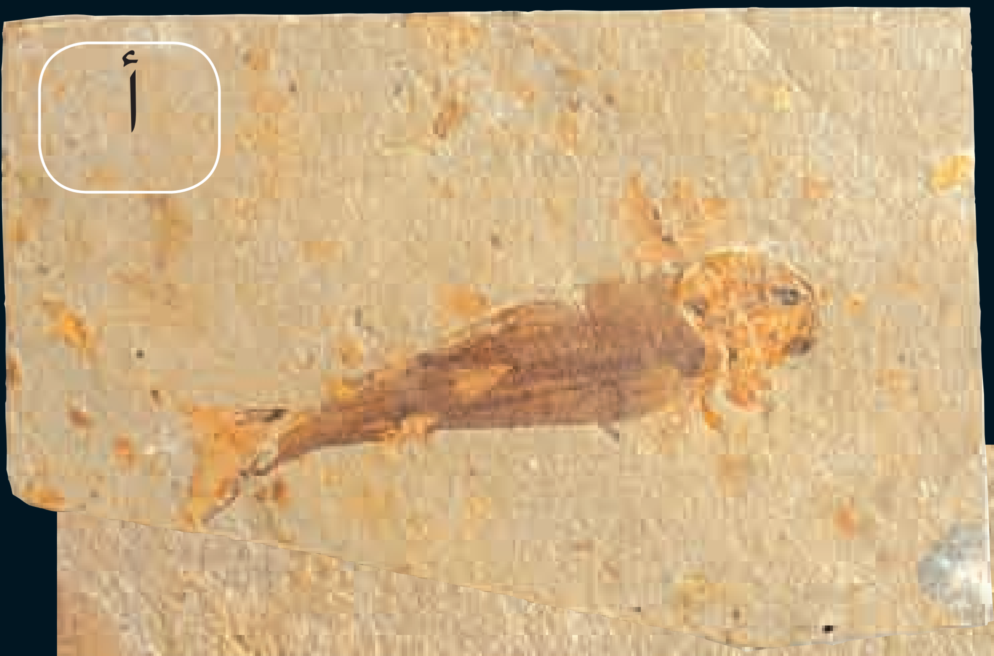

یہ ۱۳۰ لاکھ سال پرانی اسٹرجن یا شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلی کا فوصل عکس اور معکوس کی شکل میں موجود ہے۔

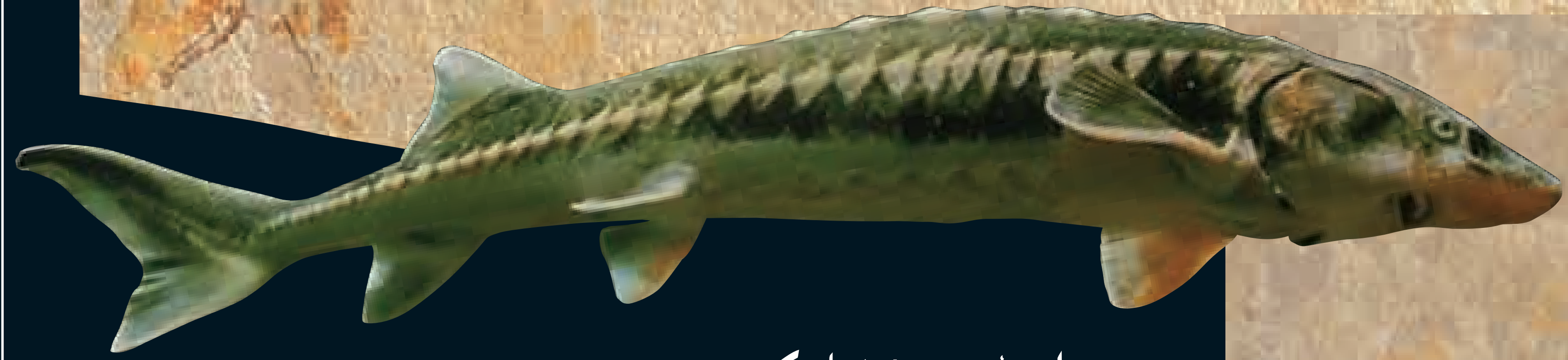

اسٹرجن/شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلی

عمر- ۳۰ لاکھ سال

پیمائش-۶-۱۱ سینٹی میٹر (۴-۶ انچ)

جائے وقوع- صوبہ لیاؤننگ

عہد- کریٹیشس

۱۳۰ لاکھ سال پہلے رہنے والی اسٹرجن میں وہی خصوصیات موجود تھیں جو کہ ایک ۱۲۰اور ۱۴۶ لاکھ سال پہلے کی اس مچھلی میں تھیں۔ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس مچھلی میں اور دور حاضر کی مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسٹرجن کسی وسطی تدریجی مراحل سے نہیں گزری اور نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے۔

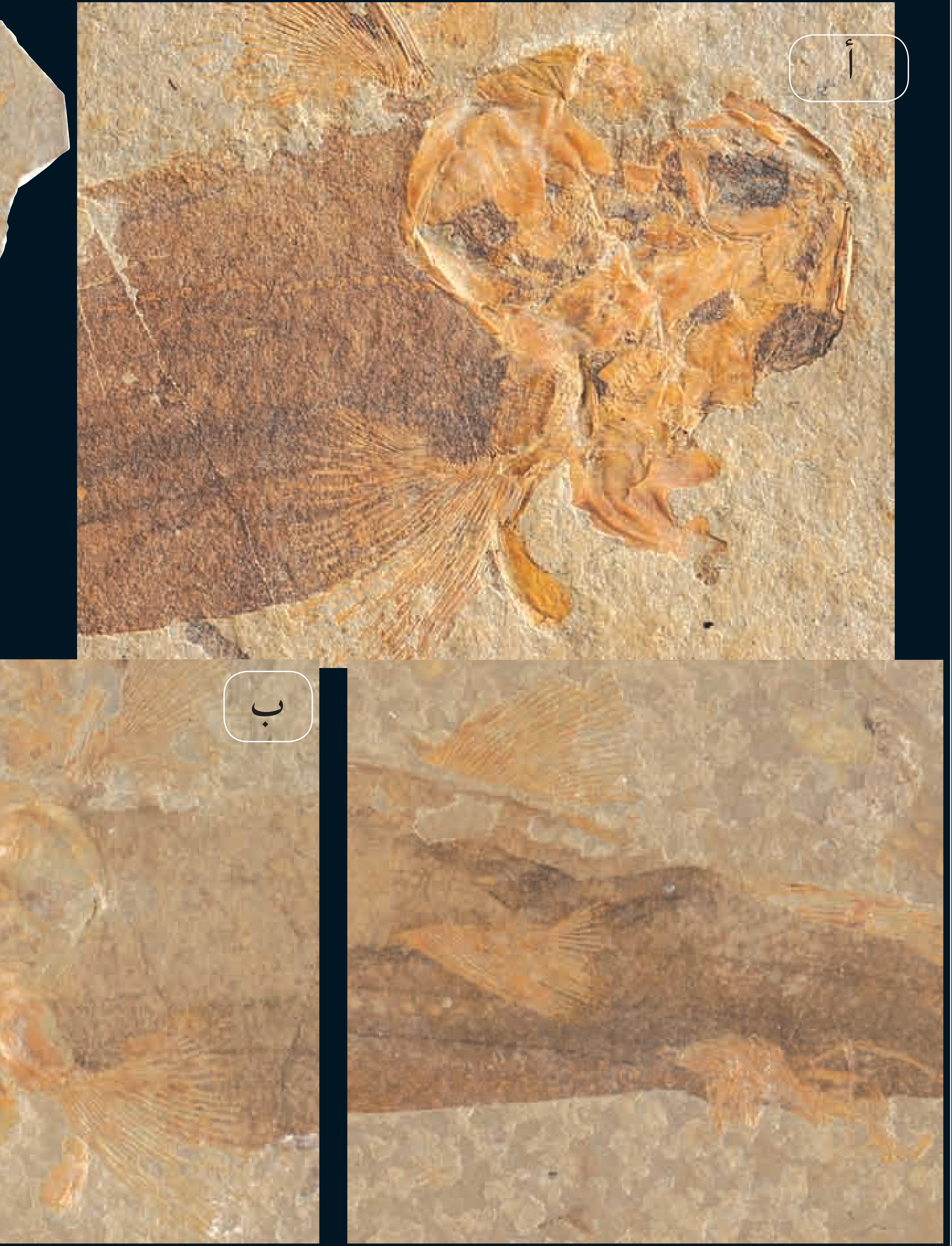
أ
ب

فوصلوں کا یہ جوڑ۳۷۱ سے ۵۴لاکھ سال پرانا ہے

بلیک فش/ سیاہ مچھلی مثلاً سرمئی

عمر- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال
پیمائش- ۱۰ سینٹی میٹر (۴ انچ)
جائے قوع- ہوبائی، چین
عہد- ایوسین

سیاہ مچھلی آج بھی شمالی بحر اوقیانوس کے ساحلوں کے نزدیک پائی جاتی ہے- دوسرے تمام جانداروں کی طرح مچھلیاں بھی لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں موجود ہیں- ۳۷سے ۵۴لاکھ سال پرانی سیاہ مچھلی اور دورِ حاضر کی اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں ہے-

ٹرٹل/کچھوا

عمر- ۱۵۰لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- جوراسک

اگر کوئی جاندار۱۵۰لاکھ سال گزرنے کے باوجود اپنی اصل ساخت اور خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے آج بھی موجود ہو تو یہ واقعہ ڈارون کے اس دعوے کو مکمل طور پر ناقص اور غیر سائنسی ثابت کردیتا ہے کہ جاندار لمبے عرصے پر محیط سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے وجود میں آئے- کچھوے لاکھوں سال سے ایک ہی شکل میں موجود ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ کسی تدریجی ترقی نہیں بلکہ تخلیق کے عمل سے وجود میں آئے ھیں-

ہائینا اسکل/لکڑ بگے کی کھوپڑی

عمر- ۵ سے ۱۰ لاکھ سال
پیمائش- ۲۰ سینٹی میٹر (۸ انچ)
جائے وقوع- صوبہ گانسو، چین
عہد- بالائی میوسین

لکڑ بگا ہائنا ڈائی خاندان سے تعلق رکھتا ہے - دور حاضر میں چار مختلف طرح کے لکڑ بگے موجود ہیں- یہ جانور تقریباً ۸۰ کی تعداد پر مشتمل قبیلوں میں گروہ کی شکل میں رہتے ہیں- اس لکڑ بگے کی تصویر میں نظر آنے والی کھوپڑی ۵ سے ۱۰لاکھ سال پرانی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے-

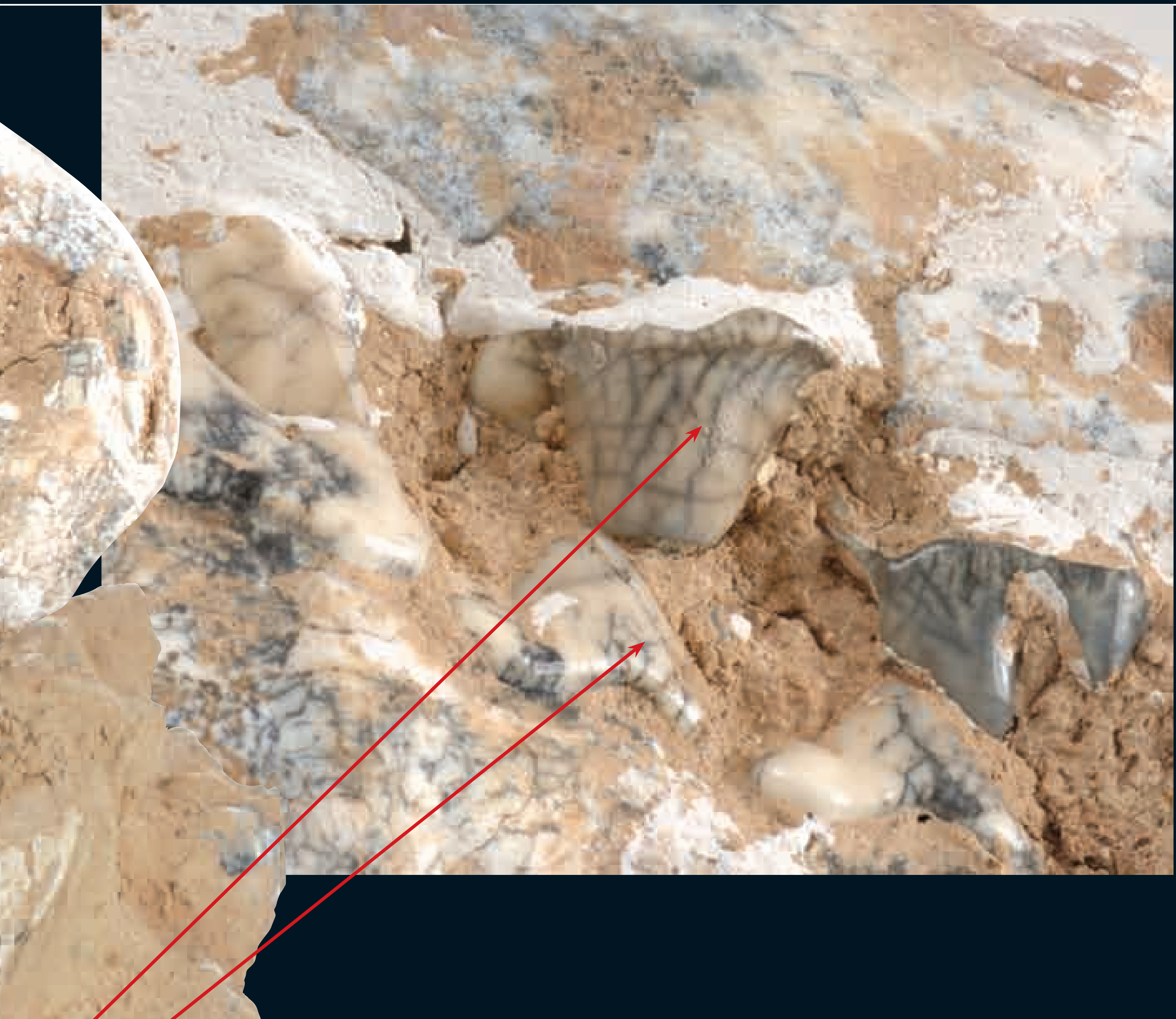

اسٹرجن/ شارک سے ملتی جلتی بڑی مچھلی

عمر- ۶۵ سے ۱۴۶ لاکھ سال
پیمائش- ۲۰ سینٹی میٹر (۷-۷ انچ)
سطر بندی- ۲۳سینٹی میٹر (۹ انچ)ضرب ۲۹سینٹی میٹر (۵-۱۱ انچ)
جائے وقوع- سیھی ٹون، شہربی پیاؤ، صوبہ لیاؤننگ
زمینی طبق- جیولونگ سونگ رکن، چاؤ میڈیانزی کی زمینی طبق (جیہول گروہ)

عہد- کریٹیشس

فوصل سے ثابت ہوتا ہے کہ جانداروں کے ہر دوسرے درجے کی طرح مچھلیاں بھی دنیا میں اپنی مکمل ساخت اور بہترین تشریح البدن کے ساتھ اچانک نمودار ہوئیں- اس کا ایک ثبوت یہ۶۵سے ۱۴۶ لاکھ سال پرانا اسٹرجن کا فوصل ہے جو کہ دورِ حاضر میں موجود اس مچھلی کا عین مشابہ ہے-

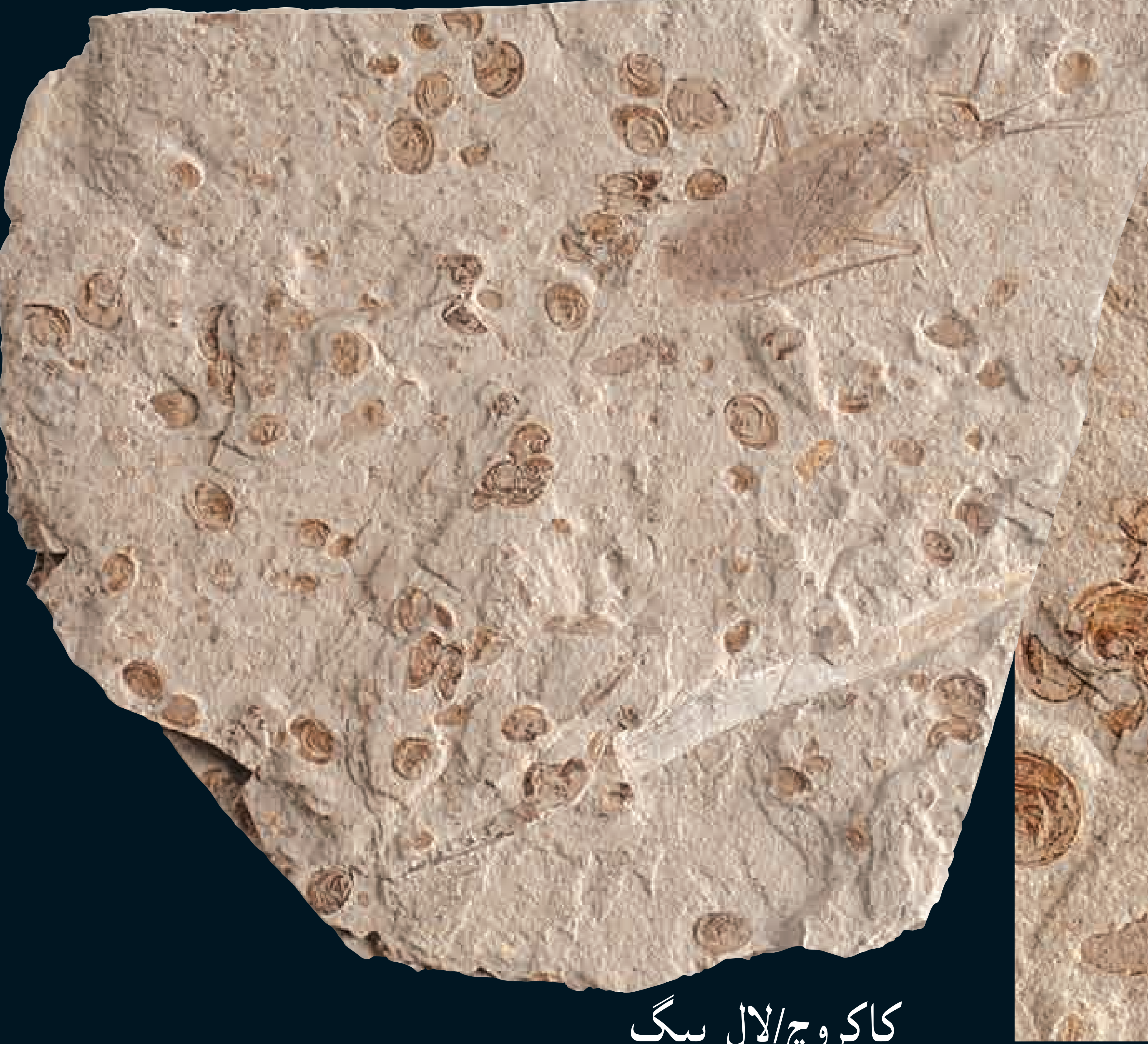

کاکروچ/لال بیگ

عمر- ۱۶۵لاکھ سال

پیمائش- ۲۶ ملی میٹر (۱ انچ)

سطر بندی- ۸۵ ملی میٹر (۳۳ انچ)x۷۷ ملی میٹر (۳ انچ)

جائے وقوع- چاؤےےنگ، صوبہ لیاؤننگ

زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق

عہد- نچلا کریٹیشس

کیڑے مکوڑے انسکٹادرجہ کے بے ریڑھ کے مفصل پایہ جانور ہوتے ہیں- ان کے سب سے پرانے فوصل۳۵۴ سے ۴۱۷ لاکھ سال پرانے ڈیوونین عہد کے ہیں- دیوونین دور سے قدرے حالیہ ۲۹۰ سے ۳۵۴ لاکھ سال پہلے کے کاربونیفرس دور میں کئی نئے طرح کے کیڑے مکوڑے اچانک نمودار ہوئے- ان کی ایک مثال لال بیگ ہیں جو کہ آج بھی اسی مکمل اور بے عیب ساخت کے ساتھ دنیا میں موجود ہیں جس کے ساتھ وہ نمودار ہوئے تھے- امریکہ کے نیچرل ہسٹری میوزیم کی بیٹی فابر کہتی ہیں، "لال بیگ کے ۳۵۰ لاکھ سال پرانے فوصل اور دورِ حاضر کے

مے فلائی لاروا/مئی کی مکھی کاپھل روپ

عمر- ۱۵۰ سے ۱۵۶لاکھ سال

زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق

جائے وقوع- صوبہ لیاؤننگ

عہد- سابقہ جوراسک

مئی کی مکھی کی عمر بہت کم ہوتی ہے- بعض دفعہ یہ مکھی صرف چند گھنٹے ہی زندہ رہتی ہے- تصویر میں اس مکھی کا لاروا یا پھل روپ فوصل کی شکل اختیار کرگیا ہے- دورِ حاضر کی مئی مکھی اور ۱۵۰ اور ۱۵۶لاکھ سال پہلے رہنے والی اس مکھی میں کوئی فرق نہیں ہے-

ٹائگر اسکل/زردی مائل سیاہ دھاری دار شیر کی کھوپڑی

عمر-   ۲۰ لاکھ سال
پیمائش-   ۲۹ سینٹی میٹر (۱۱۵ انچ)
جائے وقوع-   ایشیا
عہد-   میوسین

ٹائگر ایک فیلائی ڈائی خاندان کا حصہ ہے اور اس کا شمار ممالیہ جانوروں میں ہوتا ہے- اس شیر کی ۸۰ فیصد نسلیں ہندوستان کے جزیرہ نما خطے میں رہتی ہیں- تصویر میں نظر آنے والی اس شیر کی کھوپڑی۲۰ لاکھ سال پرانی ہے اور اس میں اور دورِ حاضر کے زندہ شیر میں معمولی سا بھی فرق نہیں ہے- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ان کی ہڈیوں کی ساخت نہیں بدلی اور یہ بات نظریہارتقاءکی مکمل تردید کرتی ہے-

رائنواسکل/گینڈے کی کھوپڑی

عمر- ۲۰ لاکھ سال
پیمائش- ۵۱ سینٹی میٹر (۲۰ انچ)
جائے وقوع- ایشیا
عہد- میوسین

گینڈارائنوسیروٹیڈائی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور عموماً افریقہ اور ایشیاءمیں پایا جاتا ہے- تصویر میں موجود اس جانور کی کھوپڑی سے ثابت ہے کہ لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس حیوان کے اندر کسی بھی قسم کی تبدیلی پیش نہیں آئی ہے-

مے فلائی لاروا/مئی کی مکھی کا پھل روپ

عمر- ۱۵۰سے ۱۵۶ لاکھ سال
زمینی طبق- یی ژیان کی زمینی طبق
جائے وقوع- صوبہ لیاؤننگ
عہد- سابقہ جوراسک

دور حاضر میں موجود مئی کی مکھی کا پھل روپ اور ۱۵۰سے۱۵۶لاکھ سال پہلے پائے جانے والا اس کا پھل روپ یا لاروا میں معمولی سا بھی کوئی فرق نہیں ہے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقاءمحض ایک خام خیالی ہے جس کا سائنس یا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے-

نیوزی لینڈ سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

نیوزی لینڈ سے ملنے والے زیادہ تر فوصل بحری جانداروں کے ہیں جن میں بہت سے نمونے بہترین طریقے سے محفوظ حالت میں ہیں۔

اگر چہ فوصلوں کی زیادہ تر مقدار کریٹیشس دور کے جانداروں کی ہے لیکن ان میں کیمبرین، اورڈوویشن اور پرمین دور کے فوصل بھی شامل ہیں۔ جانوروں کے فوصل کے علاوہ یہاں سے جوارسک دور کے بھی بہت سے نباتاتی فوصل ملے ہیں جو کہ دورحاضر میں بھی انہیں شکلوں میں موجود ہیں۔ نیوزی لینڈ کی وسیع فوصلی دریافت بھی وہی ثابت کرتی ہے جو کہ دنیا کے سارے دوسرے فوصل ثابت کرتے ہیں اور وہ یہ کہ تدریجی ترقی کا دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے۔ ایک بھی فوصل نظریہ ارتقاءکو سہارا نہیں دیتا۔ تمام فوصلی دریافت ثابت کرتی ہے کہ جاندار اپنی مکمل اور پیچیدہ خصوصیات اور ساخت سمیت اچانک دنیا میں نمودار ہوئے ۔ تخلیق کے ذریعے وجود میں آنے والے تمام جاندار اور پودے لاکھوں سال سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہیں۔

آسٹریلیا کی حیاتیات بہت خاص طرح کی ہے۔ یہاں پر بڑے رینگنے والے جانور او روہ ممالیہ جانور عام ہیں جن کے بچے ادھورے پیدا ہوتے ہیں اور ماں کے پیٹ سے لگی ہوئی جھولی میں پرورش پاتے ہیں۔ یہاں کی نباتات زیادہ تر موٹے اور چیکٹ پتوں پر مشتمل ہوتی ہے جو کہ خشک سالی کو با آسانی برداشت کرسکے۔ ونڈ جانا کی گھاٹی شمالی آسٹریلیا میں واقع ہے اور اس کی ارضیاتی ساخت ۳۵۰لاکھ سال پرانی ہے۔ یہ ارضیاتی ساخت کسی زمانے میں سمندر کے نیچے تھی اور اس میں ڈیوونین دور کے کئی فوصل پائے جاتے ہیں۔

آسٹریلیا سے دریافت ہونے والے فوصلی نمونے

آسٹریلیا میں بہت بڑی تعداد میں فوصلی خطے موجود ہیں جن میں سے کچھ کو اقوام متحدہ نے تاریخی قابل تحفظ علاقوں کا درجہ دے دیا ہے- آسٹریلیا اور قطب جنوبی ۳۰سے ۴۰لاکھ سال پہلے گونڈوانا لینڈ کے عَظیم براعظم سے ٹوٹ کر الگ ہوگئے تھے- اس وقت سے لے کر لمبے عرصے تک آسٹریلیا میں پیش آنے والی موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے یہاں پر کثیر تعداد اور کثیر انواع کے جانداروں کے فوصل پائے گئے ہیں- آسٹریلیا کے جزیرے کے فوصلی میدانوں سے ملنے والے کئی فوصلوں نے جاندار نسلوں کی رنگارنگی کو بیان کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے- ان فوصلی میدانوں میں ریورسلے، بلف ڈاؤنس، لائٹننگ رج اور ناراکورٹ قابل ذکر ہیں- ان میدانوں سے کثیر تعداد میں ۵۶ لاکھ سال سے موجودہ دور تک کے سینوزوئک عہد کے بہترین طور پر محفوظ جانوروں کے فوصل حاصل ہوئے ہیں جن میں چھوٹے مینڈک اور کینگرو شامل ہیں- ان جانوروں کے فوصل سے فقاری جانداروں کے متعلق اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں- اس کے علاوہ یہاں سے ۲۵۱سے ۵۴۳لاکھ سال پرانے پیلیوزوئک عہد کے بحری جانداروں کے فوصل بھی دریافت ہوئے ہیں-

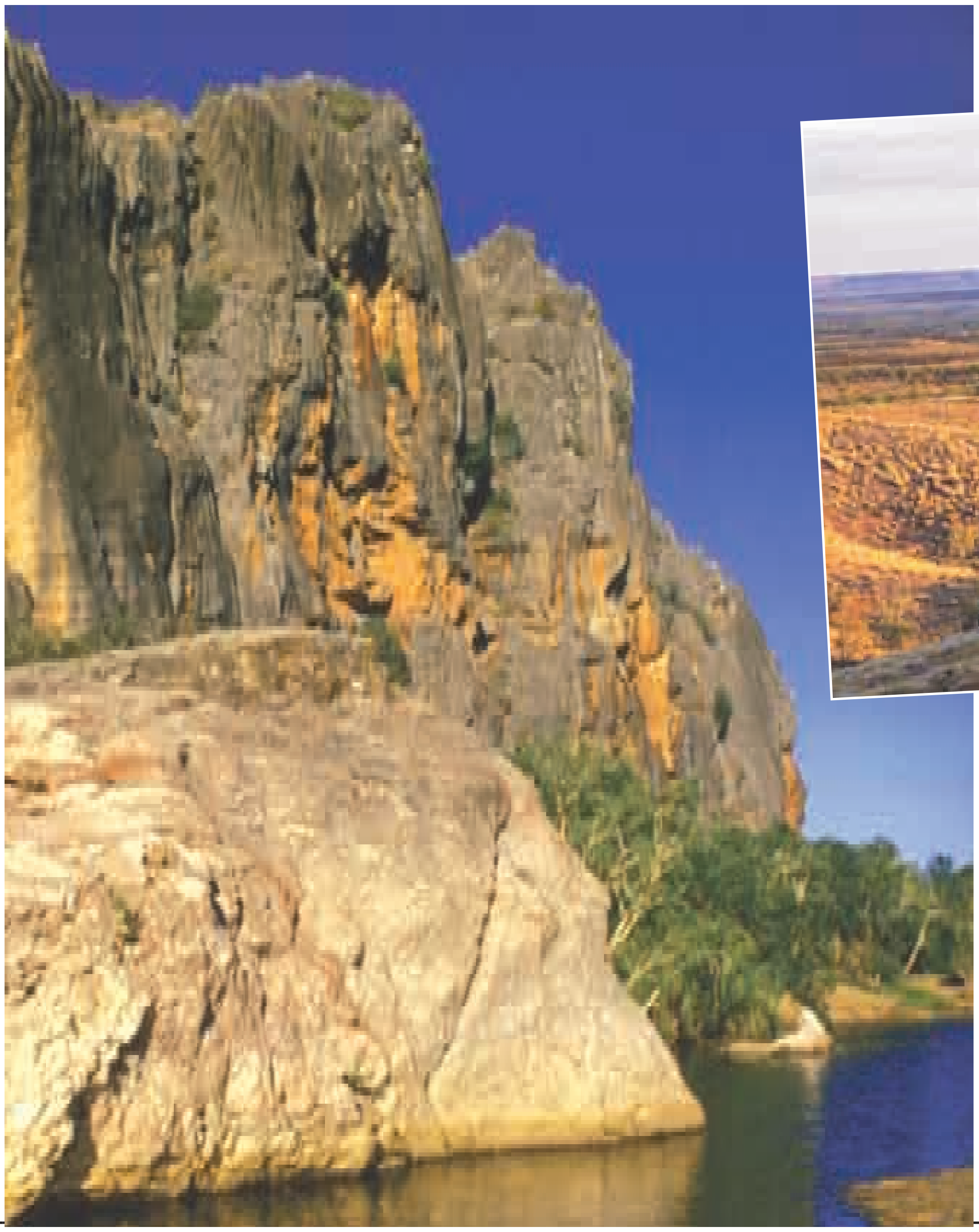

نیوزی لینڈ کے روٹو روا کے گرم پانی کے قدرتی چشموں میں کئی طرح کی کائی پائی جاتی ہے جو کہ ارضیاتی تاریخ کے اولین دور سے بغیر کسی تبدیلی کے دنیا میں موجود ہے-

تصویر میں نیوزی لینڈ کے پھوٹک پتھر نظر آرہے ہیں جو کہ برف زاروں کے اثر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے ہیں- پھوٹک پتھر قدرتی عوامل مثلاً حرارت یا دباؤ کے تحت تبدیل ہوجانے والا وہ پتھر ہوتا ہے جو زمین کی گہرائیوں میں براعظموں کے ٹکراؤ سے وجود میں آتا ہے-

ہورس ٹیل/ گھوڑے کی دم سے مشابہ پودا

عمر - ۲۰۶سے ۲۴۸لاکھ سال
جائے وقوع- آسٹریلیا
عہد - ٹرائسک

ہورس ٹیل گھوڑے کی دم سے مشابہ پودا ہوتا ہے جس کا ڈنٹھل پودوں دار، کھوکھلا ، اور پتے کھپروں جیسے ہو تے ہیں- ۲۰۰ لاکھ سال پرانے ہورس ٹیل اور آج کے ہورس ٹیل میں کوئی فرق نہیں ہے- جب کوئی جاندار ۲۰۰ لاکھ سال گزرنے کے باوجود اپنی ساخت کو برقرار رکھے تو اس کا تدریجی ترقی کے ذریعے وجود میں آنا ایک ناممکن مفروضہ ہے- فو صل زندگی کی تاریخ کے گواہ ہیں اور مکمل طور پر ارتقاءکی تردید کرتے ہیں-

کریب/کیکڑا

عمر- ۵ سے ۲۳لاکھ سال
جائے وقوع- نیوزی لینڈ
عہد- میوسین

یہ ۵ سے ۲۳ لاکھ سال پرانا کیکڑے کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ یہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں- اس کیکڑے کے نمونے اور دورِ حاضر کے زندہ کیکڑے کی ساخت اور خصوصیات میں کوئی فرق نہیں ہے-

کوپھڑیوں کے فوصل

۲۰لاکھ سال پرانا چیتے کا فوصل شدہ کھوپڑی کا فوصل

دار شیروں، چیتوں اور لکڑ بگوں کے سروں کی ساخت یا کھوپڑیاں آج بھی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اولین شکل میں موجود ہیں- ان جانوروں کی علمِ تشریح کے اندر کسی بھی تبدیلی کا موجود نہ ہونا نظریہ ارتقاءکی زبردست تردید ہے-

تمام جاندار نسلوں کی طرح یہ تحقیق انسان کے اوپر بھی صادق آتی ہے- جس طرح لاکھوں حیوانی نسلوں کی کھوپڑیوں کے اندر کوئی تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی- اسی طرح لاکھوں سال گزرنے کے باوجود انسانی کھوپڑی کی ساخت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے- جس طرح مچھلیاں ہمیشہ مچھلیاں، چڑیاں ہمیشہ چڑیاں اور رینگنے والے جانور ہمیشہ رینگنے والے جانور ہی رہے ہیں اسی طرح انسان نہ تو کسی اور جاندار کی تدریجی شکل ہے اور نہ کوئی اور جاندار اس کی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہے-انسان انسان ہی کی نیت سے تخلیق کیا گیا اور اسی طرح دنیا میں موجود ہے- اس

۲۰ لاکھ سال پرانا گینڈے کی کھوپڑی کا فوصل

کوپھڑیوں کے فوصل سے نظریۂ ڈارون تک

ڈارون کے مقالے کی تجویز کے مطابق انسان اور گوریلے ایک مشترک پرکھے سے وجود میں آئے ہیں- لیکن یہ مقالہ اپنے ۱۵۰ سال پہلے تجویز ہونے سے لے کرآج تک کسی سائنسی رو سے ثابت نہیں ہوسکا- اس معاملے میں نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کی ہر کوشش آج تک رائیگاں رہی ہے- تمام فوصلی ریکارڈ کے مطابق گوریلے ہمیشہ گوریلوں اور انسان ہمیشہ انسانوں ہی کی شکل میں دنیا میں موجود رہے ہیں- نہ گوریلے انسانوں میں تبدیل ہوئے اور نہ ہی ان کے کوئی مشترک پرکھاہیں- ڈارون کے پیروکاروں کی اس سلسلے میں شدید تشہیر اور تعلیمی دائروں میں دباؤ کے باوجود کئی سائنسدانوں نے سچائی کا اعتراف کرنے کی ہمت کر ہی لی ہے- اس میں ایک ڈیوڈ پلبیم ہے جو کہ امریکہ کی مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کا ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات ہے- پلبیم کے بیان کے مطابق انسان کی تدریجی ترقی کی ہر تجویز سائنسی معلومات سے عاری ہے-

"اس معاملے میں اگر آپ کسی دوسرے میدان کے سائنسدان کو بھی لائیں اور اس کو وہ تھوڑا بہت ثبوت دکھائیں تو وہ کہے گا کہ اس معاملے کو بھول جاؤ- اس میں اتنی جان ہی نہیں کہ یہ چل سکے-"۱

ولیم فکس "ڈاہون پڈلرز" نامی معدوم حیوانات و نباتات پر مبنی کتاب کا مصنف ہے اور تدریجی ترقی کے خیالی نظریے میں سائنسی ثبوت کی غیر موجودگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے-

"جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ کافی سارے سائنسدان اور اس نظریے کو شہرت دینے والے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے لا ابالی پن سے انسان کے نقطہ آغاز کے بارے میں دعوے تو بیشک کردیئے لیکن ان کے دعوؤں کے پیچھے کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے-"۲

فوصلوں کی دریافت اور دوسرے کسی قسم کے بھی ثبوت کی غیر موجودگی کی وجہ سے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو جس ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس کو کم کرنے کا ان کے پاس صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ وہ نقلی کھوپڑیوں کو دوبارہ کئی بار ترتیب دیں اور ان کے بارے میں قیاس آرائیاں کریں- لیکن گوریلوں کی ان کھوپڑیوں کے اوپر کی جانے والی ہر تحقیق اور اس کے علاوہ مختلف دوروں میں رہنے والے انسانوں کی کھوپڑیوں کی تحقیق نے بھی ایک ہی چیز ثابت کی اور وہ یہ کہ یہ تمام جاندار ہر دور اور وقت میں انہیں خصوصیات کے ساتھ زندہ تھے جو کہ ان کے اندر آج بھی موجود ہیں- ان کے اندر معمولی سی بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے- اس تمام تحقیق کا صرف ایک ہی نتیجہ ہے اور وہ یہ کہ جاندار نسلیں کسی سلسلہ وار تدریجی ترقی کے عمل سے نہیں گزریں اور صرف اللہ کی تخلیق ہیں- آنے والے صفحوں میں مختلف جانداروں کے اعضاءکی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو کہ آج بھی بغیر تبدیلی کے ان جانداروں کا حصہ ہیں مثلاً جیسے مینڈکوں، چھپکلیوں، بھنبھیریوں، مکھیوں اور لال بیگوں کے سروں کی ساخت آج بھی وہی ہے جو لاکھوں سال پہلے تھی- اس طرح سے شیروں، بھیڑیوں، لومڑیوں، گینڈوں، تبت کے بڑے ریچھ، زردی مائل دھاری

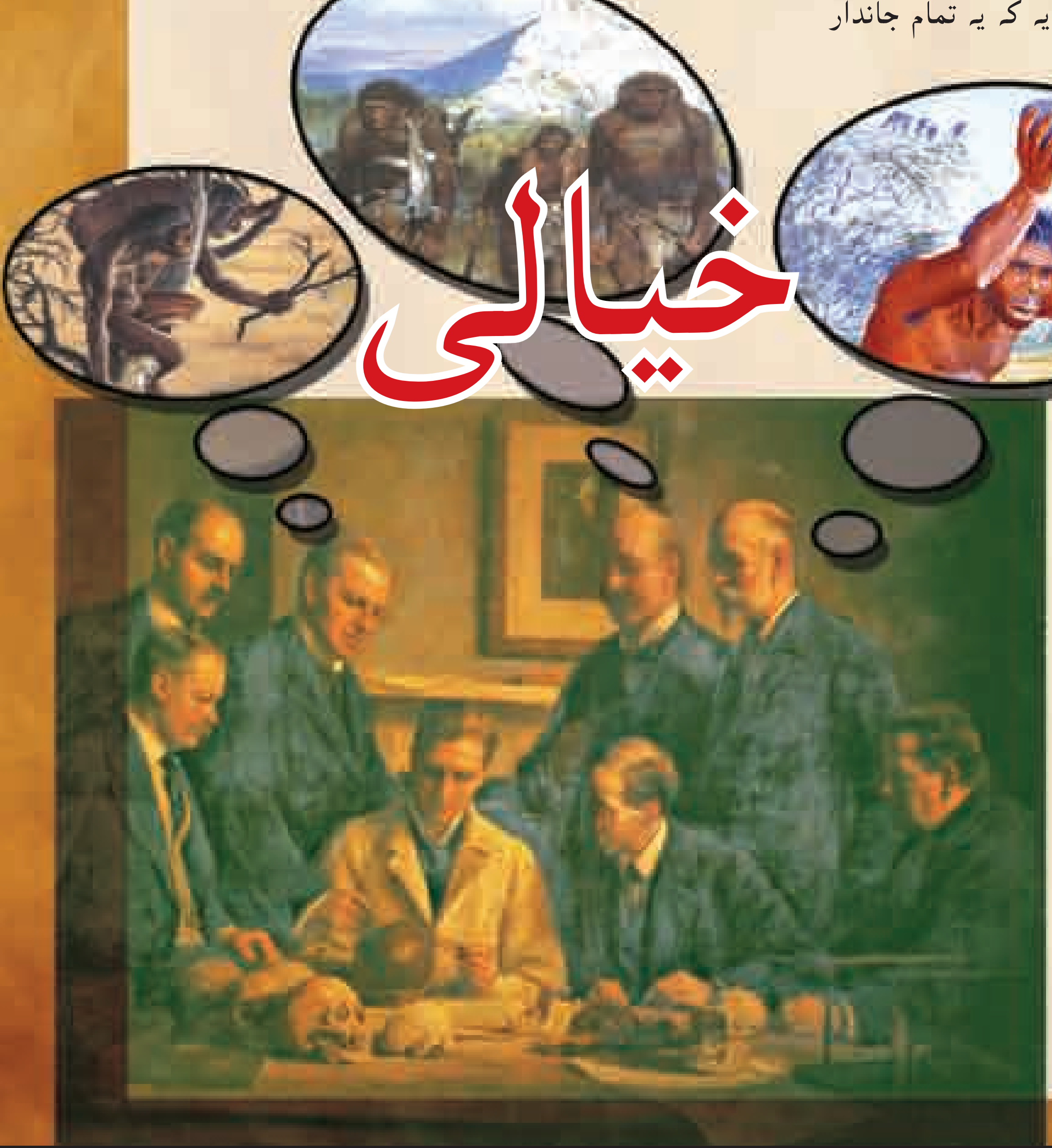

فوصلوں کی تحقیق کرنے والا نظریہ ارتقاءکا پیروکار کوئی بھی سائنسدان اپنی عقل اور مرضی کے حساب سے کسی بھی ایسی کہانی کو گھڑ سکتا ہے جو کہ محض اس کے ذہن کی پیداوار ہو- ایسی کسی بھی کہانی یا مفروضے کی کوئی سائنسی حیثیت نہیں ہوسکتی-

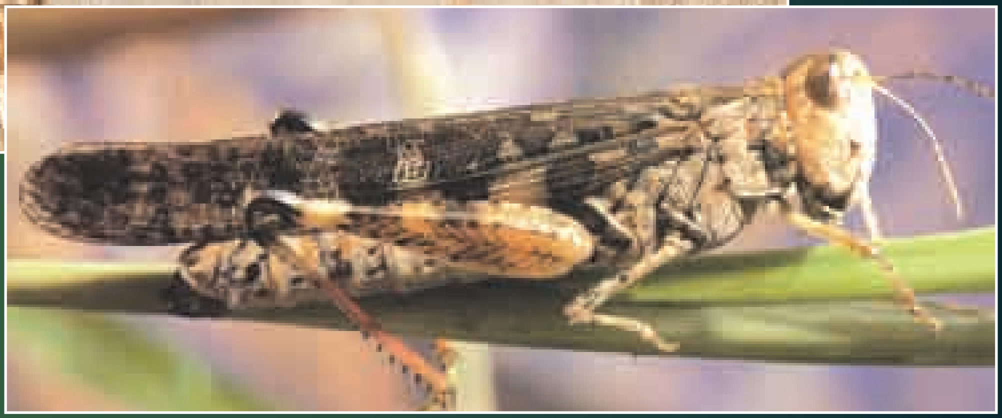

۹۲ سے ۱۰۸لاکھ سال پرانے ٹڈے کا فوصل

۳۰ لاکھ سال پرانا خرگوش کا فوصل

زندگی کے کسی دور میں کسی جاندار نسل کی کھوپڑی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی

جاندار نسلوں کے تمام دوسرے اعضاءاور خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کے سروں اور کھوپڑی کی ساخت بھی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی تبدیلی سے نہیں گزری- حیوانات و نباتات کی طرح انسانی نسل پربھی کسی قسم کی تدریجی ترقی عمل پذیر نہیں ہوئی- انسان اپنے تمام تشریح الاعضاءسمیت انسان ہی کی شکل میں زمین پر موجود رہا ہے- نظریہ ارتقاءکے پیروکار اپنے نام نہاد دعووں کی تصدیق کے لئے جن کھوپڑیوں کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں وہ یا تو معدوم بندروں کی ہیں یا قدیم انسانی نسلوں کی کھوپڑیاں ہیں جن کی ہڈیوں کو دوبارہ ترتیب دے دی گئی ہے- ان میں سے کوئی بھی کھوپڑی تدریجی ترقی کے ثبوت کے طور پر قابل قبول نہیں ہے-

۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال پرانی بوفن یا پرخور دریائی مچھلی کا فوصل

لاکھ سال پرانے مینڈک کا فوصل

۳۷ سے ۴۸ لاکھ سال پرانا خارماہی کا فوصل

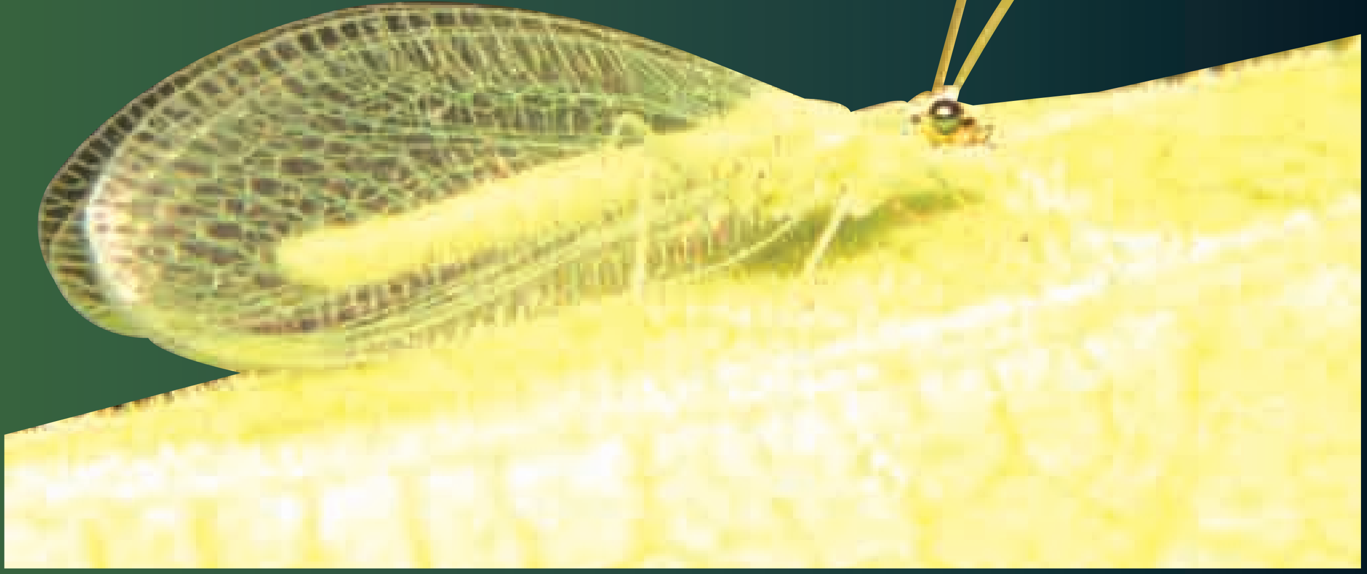

۱۲۵ لاکھ سال پرانا
نیوراپیٹرن یا پتنگا نما
عصبی پردار کا فوصل

۳۷ سے ۴۸ لاکھ سال پرانے بھڑ کا فوصل

۳۷ سے ۵۴ لاکھ سال پرانے پرچ
یا نکیلے پروں والی خوردنی مچھلی
کا فوصل

نیا نڈر تھال: ایک انسانی نسل

آسٹریلیا کے قدیمی باشندے ، اب اوریجینیز، کہلاتے ہیں -جب تک یہ نسل دوسری انسانی نسلوں میں جذب نہ ہوجائے یا ان سے اثر قبول نہ کرے یہ ہمیشہ اب اوریجینیز ہی رہیں گی-یہ کوئی یوروپین نسل نہیں بن جائے گی- چاہے جتنا بھی عرصے گزرے، ان لوگوں کے مخصوص اوصاف میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی- ان کے سر کا حجم اور باقی تشریح الاعضاءوہی رہیں گے جو کہ ان کی نسل کا خاصہ ہیں-

نیانڈرتھال لوگوں کی بانسری

تاریخ میں رہنے والی مختلف انسانی نسلیں ارتقاءکا کوئی ثبوت نہیں پیش کرتیں-

نیانڈرتھال نسل ہومونیانڈرتھالنسس کے انسان ہیں جو یورپ میں ۱۰۰،۰۰۰سال پہلے نمودار ہوئے اور تقریباً ۳۵،۰۰۰سال پہلے یا تو مکمل طور پر ناپید ہوگئے یا دوسری نسلوں کے ساتھ مل کر جذب ہوگئے- نیانڈرتھال اور دورِ حاضر کے انسانوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ان کے ڈھانچے بڑے اور ان کی کھوپڑیوں کی اوسطی پیمائش بھی زیادہ تھی- سائنسی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ نیانڈر تھال ایک مکمل انسانی نسل تھے جو کہ عقل اور ثقافت کے اعتبار سے دورِ حاضر کی انسانی نسلوں سے کسی طور پر کمتر نہیں تھے-

کرومیگنون آدمی بھی ایک نسل ہے جو کہ۳۰،۰۰۰سال پہلے زمین پر موجود تھی ان کی کھوپڑی گنبد نما اور ماتھے چوڑے تھے- ان کی کھوپڑی کا ۱۶۰۰ کعبی سینٹی میٹر حجم دورِ حاضر کے انسان کی کھوپڑی سے اونچا تھا- ان کی بھنویوں کا ابھار موٹا تھا اور ان کی کھوپڑی کی پچھلی طرف موٹی ہڈی نمایاں تھی یہ ہڈی نیا نڈر تھال کی نسل کی بھی نمایاں خصوصیت تھی-

جعلی نیانڈرتھال کی کچھ مثالیں

خیالی نیانڈر تھال کی تنظیم نو

اور جاپانی انسان مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے ان کے ماتھے، آنکھوں کی ہڈیوں، بھنوؤں کے ابھار اور کھوپڑیوں کے ناپ میں بھی فرق ہے- لیکن اس فرق کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایک نسل دوسری نسل میں تبدیل ہوئی ہے یا ایک نسل کسی دوسری نسل سے کسی طور بھی کمتر یا برتر ہے- جب تک کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندے کسی اور نسل سے مل نہیں جاتے ان کی نمایاں خصوصیات ایک ہی رہیں گی- چاہے لاکھوں سال بھی گزرجائیں لیکن یہ لوگ کسی فرضی تدریجی ترقی کے عمل سے مختلف خصوصیات کے حامل نہیں ہوسکتے- نہ ان کی کھوپڑیوں کی پیمائش میں فرق آئے گا اور نہ ان کی شکل کی تشریح الاعضاءمیں- مثال کے طور پر ملائیشیاءکے کچھ باشندوں کے بھنوؤں کے ابھار نسبتاً بڑے اور ماتھے پیچھے کی طرف دبے ہوتے ہیں- یہ خصوصیات ہوموارکٹس کھوپڑیوں میں نمایاں ہیں جن کو ارتقاء پسندوں نے قدیم کھوپڑیوں کا نام دیا ہے- اگر نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کی تجویزات کو درست مان لیا جائے تو پھر ملیشیاءکے ان باشندوں کے سر کی ساخت اور حلیہ اس ناپختہ آدمی کی طرح ہونی چاہیے تھا جو کہ حال ہی میں گوریلوں کی تدریجی ترقی کے عمل سے تبدیل ہوا ہے- لیکن صورتحال اس کے بالکل برخلاف ہے- ہوموراکٹس کھوپڑی کی علم تشریح آج بھی مختلف نسلوں میں نظر آتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہوموارکٹس محض ایک قدیم نسل نہیں ہے- ہوموارکٹس کے بارے میں اس حقیقت کے ثابت ہونے سے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا انسانی شجرہ نسب سے متعلق جھوٹ بھی سامنے آگیا ہے-

کچھ قدیم انسانی نسلوں کی تشریح الاعضاءآج کی انسانی نسل سے مختلف ہونا کسی طور سے بھی کسی تدریجی ترقی کا

معاملے میں کیا جانے والا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا ہر دعویٰ بے بنیاد اور غیر سائنسی ہے۔

نظریہ ارتقاءکے پیروکار جب انسان کی اس فرضی تدریجی ترقی کی بات کرتے ہیں تو وہ اپنی مرضی سے ارتقاءکی ترتیب اور شجرہ نسب بنالیتے ہیں جس میں وہ آنکھ کی بھنوؤں اور کھوپڑیوں میں پیشانی کی ہڈی کے کسی بھی فرق کو ثبوت کے طور پر پیش کردےتے ہیں۔ لیکن ہڈیوں کی ساخت کا معمولی سا فرق کسی طرح کا ٹھوس ثبوت نہیں ہے کیونکہ ان میں سے بہت سی کھوپڑیاں انسان کی مختلف قدیم نسلوں کی ہیں اور کچھ تو معدوم گوریلوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ مختلف انسانی نسلوں کی کھوپڑیوں کے اندر تھوڑا بہت فرق موجود ہوگا جس طرح مچھلیوں کی مختلف نسلوں کے سروں کی ظاہری ہیئت میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک سامن گھینتی مچھلی اور مارماہی کے سروں کی ہیئت میں فرق تو ہے لیکن یہ پھر بھی مچھلیاں ہی ہیں۔
اسی طرح انسانوں کی مختلف نسلوں کی کھوپڑیوں میں بھی فرق ہے مثلاً بالشتیا، انگریز، روسی، چینی، آسٹریلیا کے قدیمی باشندے، حبشی

دور حاضر کی بہت سی انسانی نسلوں میں قدیم انسانوں والی خصوصیات بھی موجود ہیں مثلاً ملیشیا کے مقامی باشندوں کی بھنویں بڑی اور اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہیں جبکہ ماتھے دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ چہرے کی ساخت کی یہ خصوصیات قدیم انسانوں میں بھی نمایاں تھیں۔

انسانی کھوپڑیوں کے درمیان فرق

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ایک جاپانی انسان کی کھوپڑی میں اور حبشی انسان کی کھوپڑی میں اور ایک جرمن اور روسی انسان کی کھوپڑی میں تھوڑا بہت فرق ہوگا لیکن یہ فرق ایک نسل کو دوسری نسل سے زیادہ یا کم ترقی یافتہ یا کم یا زیادہ عقلمند نہیں بنادیتا۔ یہ فرق صرف اللہ کی تخلیق اور کائنات کے مختلف رنگ اور اس کی برتری کو ظاہر کرتا ہے۔

بنگال کا ایک ادھیڑ عمر آدمی

پیروکا ۵۱ ویں صدی میں رہنے والا مقامی باشندہ

جنوب مغربی بحرالکاحل کے سولومن کے جزیرے پر ۱۸۵۳میں مرنے والا ایک آدمی۔

۲۵ سے ۳۰ سال جرمن آدمی

۳۵ سے ۴۰سالہ شمالی امریکہ کا اسکیمو باشندہ

۳۵ سے ۴۵سالہ زائر کا آدمی

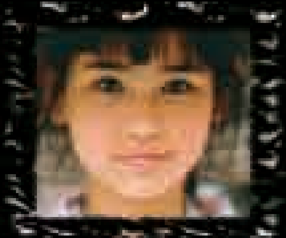

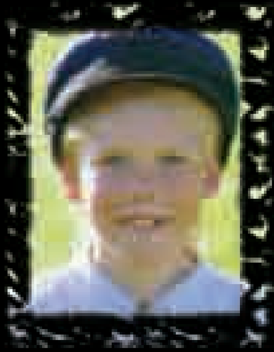

حرکتوں کی نقل کریں وہ کبھی بھی انسان نہیں بن سکتے- وہ ہمیشہ گوریلے ہی رہے ہیں اور گوریلے ہی رہیں گے- نظریہ ارتقاءکے پیروکار چاہے جتنی بھی بحث و مباحثہ کرلیں وہ سچائی کو بدل نہیں سکتے- انسان صرف اور صرف اﷲ کی تخلیق ہے اور اﷲ نے اسے انسان ہی کی نیت سے عقل، ہوش اور ضمیر کی خصوصیات کے ساتھ انسان تخلیق کیا ہے- اس سچ کا اعتراف عقل اور سائنس دونوں کرتے ہیں-

انسانی ارتقاءکی کہانی دھوکے سے بھرپور ہے

ارضیاتی تاریخ کے دوران ۶۰۰۰ سے زائد گوریلوں کی نسلیں وجود میں آئیں جن میں سے زیادہ تر معدوم ہوچکی ہیں- زمین پر آج صرف گوریلوں کی ۱۲۰ نسلیں موجود ہیں- لیکن ان معدوم گوریلوں کے باقیات نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے نزدیک اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لئے وسیع ذخائر کا کام دے رہے ہیں- ان لوگوں نے معدوم گوریلوں کی کھوپڑیاں اور انسانی کھوپڑیاں پیمائش کے حساب سے چھوٹی سے بڑی اپنے مطلب سے ترتیب دیں اور اس ترتیب پر اپنی متعصبانہ رائے چسپاں کرکے اس کو دنیا کے آگے انسانی ارتقاءکی تصویر بناکر پیش کردیا- ان ہی طریقوں سے وہ سالوں سے لوگوں کو نظریہ ارتقاءکے دھوکے میں لارہے ہیں لیکن اب سائنس اور عقل ان سارے ہتھکنڈوں کے پول دنیا کے آگے کھول رہی ہے- مندرجہ ذیل کچھ ثبوت ہیں جن کو نظریہ ارتقاءکے پیروکار لوگوں کو قائل کرنے کے لئے استعمال کرتے آئے ہیں-

۱- ۱۹۱۲ءمیں چارلس ڈاسن نے ایک "پلٹ ڈاؤن مین" یا "پلٹ ڈاؤن کا آدمی" دریافت کیا جس کی عمر ۵۰۰،۰۰۰ سال بتائی گئی- اس آدمی کو انسانی ارتقاءکا مطلق ثبوت کہا گیا -لیکن اس فوصل کی دریافت کے ۴۰ سال بعد سائنسدانوں نے اس کا ایک بار پھر معائنہ کیا اور ایک حیران کن جعل سازی سامنے آئی- پلٹ ڈاؤن آدمی کی کھوپڑی ایک ۵۰۰ سال پرانی انسانی کھوپڑی تھی اور اس کے نچلے جبڑے کی ہڈی حالیہ مرے ہوئے گوریلے کی تھی- دانتوں کو خاص ترتیب دے کر جبڑے سے جوڑاگیا تھا اور ان کے جوڑوں کو گھس کر انسانی دانتوں سے مشابہ کیا گیا تھا- اس کے بعد تمام ہڈیوں کو پوٹاشیم ڈائکرومیٹ سے مل کر قدیم رنگ دیا گیا تھا-2

۲- ۱۹۲۲ءمیں مشہور امریکی قدرتی تاریخ عجائب خانے کے ہنری فیئر فیلڈ آسبارن نے دعویٰ کیا کہ اس کو ریاست نبراسکا کی مغربی اسنیک بروک یا اسنیک ندی کے پاس سے پیلیوسین عہد کا ایک فوصل شدہ داڑھ ملا ہے- آسبارن کے قیاس کے مطابق اس دانت میں انسان اور گوریلے دونوں کی مشترک خصوصیات موجود تھیں- اس نے اس خیالی آدمی کو نہ صرف "نبراسکامین" یا "نبراسکا آدمی" کا نام دیا بلکہ اس کو اس کے تمام خاندان کے ساتھ دکھایا -لیکن ۱۹۲۷ءمیں اس دانت کا بقایا ڈھانچا دریافت ہوا اور پتا چلا کہ یہ دانت نہ تو انسان کا تھا اور نہ ہی

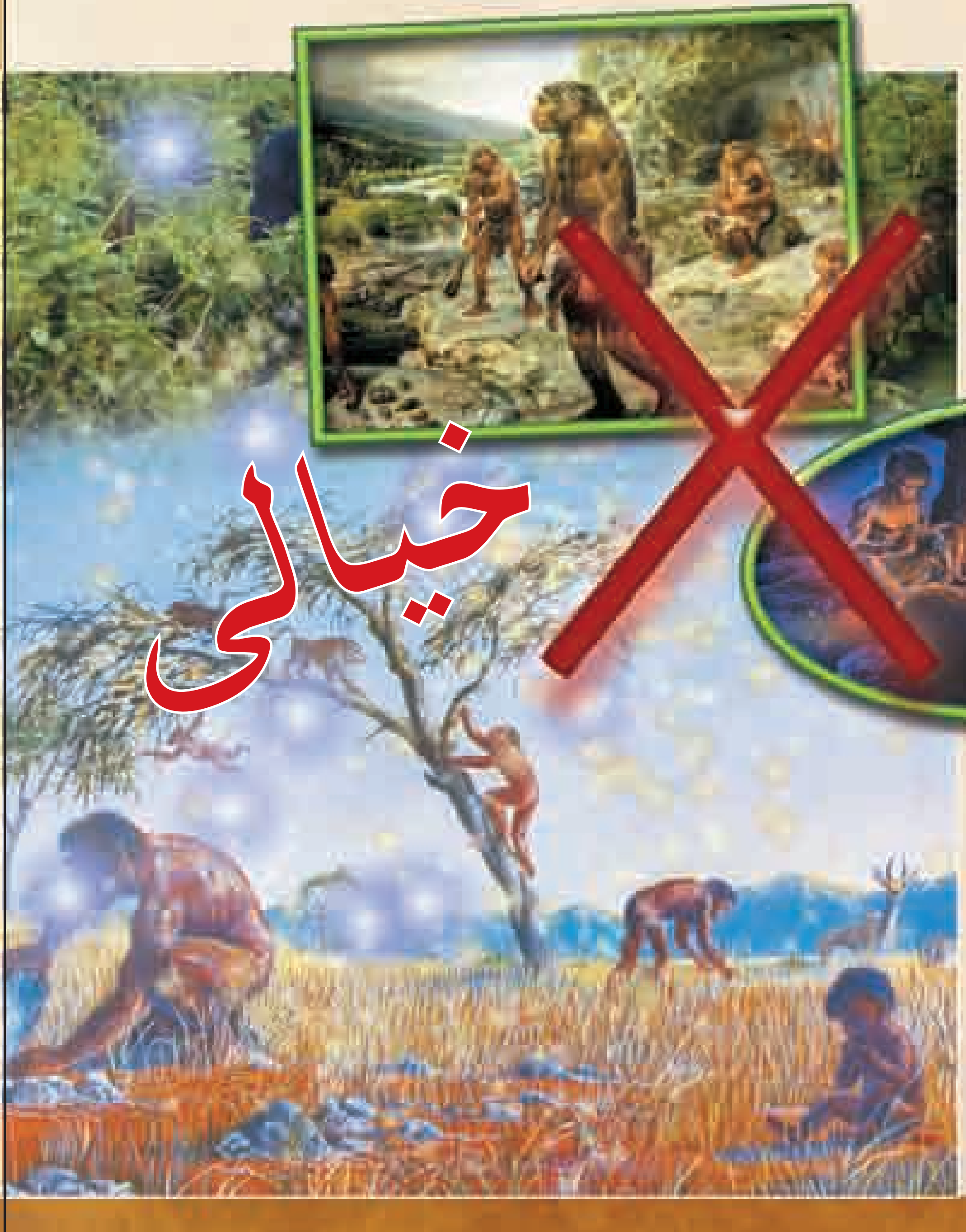

تاریخ کے کسی دور میں ناپختہ انسان موجود نہیں رہے

تصویر میں نظر آنے والا آدھا انسان/آدھا گوریلہ مخلوق کے وجود میں کوئی صداقت نہیں ہے- اس تصویر کی طرح کی بے شمار اور بھی تصویریں اخبار ،رسالوں اور اسکولوں کی نصابی کتابوں میں اکثر نظر آتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ گوریلے ہمیشہ گوریلے ہی رہے ہیں اور انسان ہمیشہ انسان- یہ تصویریں نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے ذہن کی نادرست پیداوار ہیں اور حقائق کی غلط عکاسی کرتی ہیں-

ثبوت نہیں ہے- تشریح الاعضاءکا فرق ہر انسانی نسل اور ہر عمر میں نمایاں ہے- امریکن، جاپانی، یورپین، آسٹریلیا کے باشندوں اور بالشتیا لوگوں کی کھوپڑیاں یکساں نہیں ہیں لیکن یہ فرق ایک نسل کو دوسری نسل سے برتر یا کمتر نہیں بنادیتا- لاکھوں سالوں بعد اگر ایک سائنسدان ۱۲ ویں صدی میں رہنے والے ۱۹۰میٹر لمبے امریکن اور اسی دور کے ایک ۱۶۰میٹر لمبے جاپانی کی کھوپڑیوں کا مقابلہ کرے تو اس کو کئی فرق نظر آئیں گے جن میں سے سب سے نمایاں دونوں کھوپڑیوں کی پیمائش کا فرق ہوگا- اگر اپنے ان مشاہدوں پر مبنی وہ نظریہ ارتقاءکے دعوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچے تو وہ کہے گا کہ امریکی نسل ایک اعلیٰ نسل تھی جبکہ جاپانی نسل قدیم اور کمتر تھی- لیکن اس کا یہ تجربہ کسی طور بھی صحیح یا سچ نہیں ہوگا- کسی انسان کی کھوپڑی کی پیمائش کا تعلق اس کی عقل اور ہنرمندی سے ہرگز نہیں ہوتا- بہت سے انسانوں کے جسم کی ساخت بہترین اور مکمل ہونے کے باوجود ان کے اندر عقل و دانش کی کمی ہوتی ہے- اسی طرح بہت سے انسان ایسے بھی ہیں جو کہ اگرچہ بے انتہا عقلمندا ور دانش مند ہوتے ہیں لیکن ان کے جسم اور کھوپڑی کی ساخت میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے- صرف کھوپڑیوں کی پیمائش کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانوں کو کسی خیالی ارتقائی ترتیب کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ یہ ترتیب نہ صرف حقیقت سے دور ہے بلکہ مکمل طور پر غیر سائنسی بھی ہے- یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ کھوپڑی کی پیمائش میں فرق عقلمندی اور ہنرمندی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا- ایک انسان جو کہ شدید دماغی کام کرتا ہو اس کی کھوپڑی کی پیمائش نہیں بڑھتی بلکہ وہ اور زیادہ عقلمند ہوجاتا ہے- عقلمندی کا تعلق بھیجے یا کھوپڑی کی ظاہری پیمائش سے نہیں ہوتا بلکہ دماغ کے اندر موجود عصبی خلیوں اور معانقہ عصبی سے ہوتا ہے-۳

جب تک کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندے ابوریجینی دوسری نسلوں کے ساتھ مل نہ جائیں وہ ابوریجینی ہی رہیں گے، نہ وہ یورپی نسل میں تبدیل ہوں گے اور نہ ان کی خصوصیات بدلیں گی ، نہ ان کی کوپھڑیوں کا حجم بڑا چھوٹا ہو گا اور نہ ان کی تشریح البدن کی دوسری جملہ خصوصیات ارتقاء جیسے خیالی عمل سے تبدیل ہوں گی ،

گوریلوں کے اندر نقل کی صفت ان کو انسان نہیں بناسکتی

نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ گوریلوں کے اندر نقل کرنے کی صفت ثابت کرتی ہے کہ گوریلے بذریعہ سلسلہ وار تدریجی ترقی انسانوں میں تبدیل ہوگئے- یہ بات درست ہے کہ گوریلوں کے اندر دیکھی ہوئی حرکتوں کی نقل کرنے کی صفت موجود ہے-بلکہ اگر ان کی صحیح تربیت کی جائے تو یہ چیزوں کی بیرونی ہیئت اور رنگوں کے درمیان فرق بھی کرسکتے ہیں اور عقلمندی کے ساتھ اکسائے بھی جاسکتے ہیں- لیکن ان تمام باتوں کا مطلب ہرگز یہ نہیں ھے کہ گوریلے وقت کے ساتھ انسانوں میں تبدیل ہوگئے ہیں- اگر ایسی ہی بات ہوتی تو نہ صرف گویلے بلکہ تمام عقلمند حیوانی نسلیں مثلاً کتے، بلی اور گھوڑے بھی وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے اندر تبدیل ہوجانے چاہئے تھے- جب طوطوں کی تربیت کی جاتی ہے تو وہ گول چیزوں کو چوکور چیزوں سے اور لال رنگ کا نیلے رنگ سے فرق کرسکتے ہیں اور سکھائی ہوئی چیزوں کو ان کی صحیح جگہ پر رکھ سکتے ہیں- اس کے علاوہ طوطے انسانی آواز کی نقل اتارتے ہوئے باتیں بھی کرسکتے ہیںجو کہ گوریلے نہیں کرسکتے- اس حساب سے ڈارون کے نامعقول نظریے کے مطابق گوریلوں کے مقابلے میں طوطوں کا انسانوں میں تبدیل ہونے کا زیادہ امکان ہے-

لومڑی ایک اور جانور ہے جوکہ اپنی عقلمندی کے لئے مشہور ہے- اگر اس صورتحال کو بھی ڈارون کے غیر سائنسی اور نامناسب نظریے کی روشنی میں پرکھا جائے تو لومڑی کی کھوپڑی کی پیمائش وقت کے ساتھ اور اس کی عقل کے مطابق بڑی ہوتی چلی جانی چاہئے تھی اور ان ممالیہ جانوروں کو اگر انسان نہیں تو کم از کم انسان جیسی ہی ہوشمند اور دانشمند مخلوق میں تبدیل ہوجانا چاہئے تھا -لیکن لومڑیوں کے اندر ایسی کوئی تبدیلی آج تک نظر نہیں آئی اور لومڑیاں ہمیشہ لومڑیاں ہی رہیں- اہم تعلیمی پیشوں سے منسلک لوگوں کا ڈارون کے نظریے کو ان تمام شواہد کی موجودگی میں سائنسی اور لاطینی اصطلاحوں کی مدد کے ذریعے جائز قراردے دینا ایک حیرت انگیز فعل ہے- گوریلے چاہے اپنی جتنی بھی عقل استعمال کرتے ہوئے انسانوں کی باتوں اور

لوسی کی کہانی غائب ہوگئی:

خدا حافظ لوسی

نظریہ ارتقاءکے پیروکار ماہرِ علم تشریح سولی ذکر مین اور چارلس آکسنارڈ نے لوسی نامی فوصل کے معائنے کے بعد اعلان کیا کہ لوسی کا انسانوں کی اولین دوپایہ شکل ہونے کا دعویٰ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے- لوسی کا فوصل ۱۹۷۴ءمیں دریافت ہو تھا- ان سائنسدانوں نے لوسی سے متعلق تمام دعووں کی تردید کی اور اعلان کیا کہ لوسی کی تشریح الاعضاءاور چلنے کا انداز کسی بھی طور سے انسان سے مشابہ نہیں ہے اور لوسی محض ایک گوریلے کی نسل ہے- آنے والے سالوں میں یہ مزید ثابت ہوگیا کہ لوسی واقعی ایک گوریلے کی نسل ہے اور یہ سرخی "سائنس اٹ وی" رسالے کے سرورق پر نمایاں تھی- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کو مجبوراً لوسی کو انسان کے فرضی پرکھا کی حیثیت سے خدا حافظ کہنا پڑا-

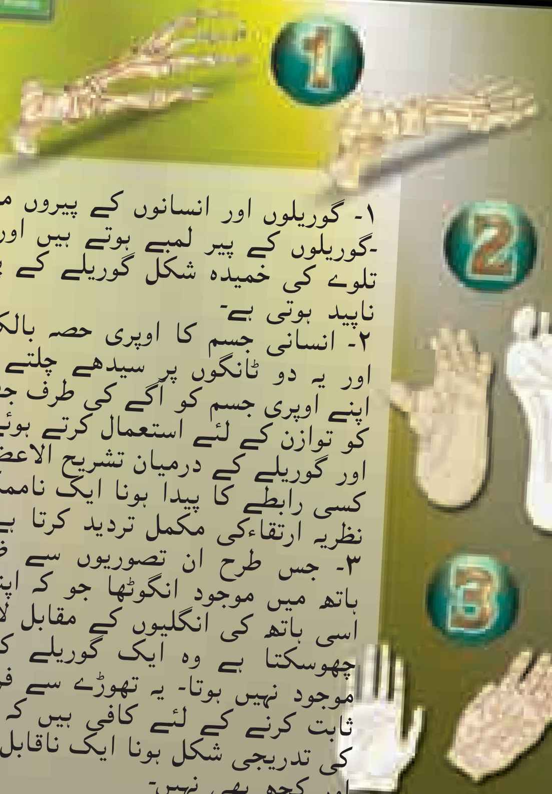

۱- گوریلوں اور انسانوں کے پیروں میں واضح فرق ہے -گوریلوں کے پیر لمبے ہوتے ہیں اور انسانی پاؤں کے تلوے کی خمیدہ شکل گوریلے کے پیر میں سرے سے ناپید ہوتی ہے-

۲- انسانی جسم کا اوپری حصہ بالکل سیدھا ہوتا ہے اور یہ دو ٹانگوں پر سیدھے چلتے ہیں جبکہ گوریلے اپنے اوپری جسم کو آگے کی طرف جھکا کر اپنے بازوؤں کو توازن کے لئے استعمال کرتے ہوئے چلتے ہیں- انسان اور گوریلے کے درمیان تشریح الاعضاءکے اس فرق میں کسی رابطے کا پیدا ہونا ایک ناممکن فعل ہے- یہ فرق نظریہ ارتقاءکی مکمل تردید کرتا ہے-

۳- جس طرح ان تصوریوں سے ظاہر ہے کہ انسانی ہاتھ میں موجود انگوٹھا جو کہ اپنی ساخت کی بناءپر اسی ہاتھ کی انگلیوں کے مقابل لایا جاسکے یا انہیں چھوسکتا ہے وہ ایک گوریلے کے ہاتھ میں بالکل موجود نہیں ہوتا- یہ تھوڑے سے فرق بھی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ انسانوں کا گوریلوں کی تدریجی شکل ہونا ایک ناقابل فہم کہانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

سائنسدان ارتقاءکی اس فرضی حکایت پر کسی سائنسی ثبوت کے نہ ہونے کے باوجود نہ صرف خود یقین رکھتے ہیں بلکہ جھوٹی ترتیبوں اور متعصب تفسیروں سے دوسروں کو بھی قائل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں- انسانی پرکھوں سے متعلق جتنی بھی کہانیاں آج تک سنائی گئی ہیں وہ دھوکہ دہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں- مضبوط سائنسی ثبوت نے ان تمام من گھڑت قصوں کا خاتمہ کردیا ہے-

آنے والے صفحات میں ان تمام کھوپڑیوں کے ثبوت دکھائے گئے ہیں جو کہ نظریہ ارتقاءکو غلط ثابت کرتی ہیں- جاندار نسلیں تاریخ میں کبھی بھی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزریں اور نہ ایک نسل سے دوسری نسل میں تبدیل ہوئی ہیں- تمام جاندار اپنی مخصوص خصوصیات اور ساخت کے ساتھ اسی طرح موجود رہے اور ہیں جن کے ساتھ ان کی تخلیق کی گئی تھی- اس تمام ثبوت سے ڈارون کی سوچ اور نظریے کی کمزوری اور خامیاں عیاں ہوجاتی ہیں- مثلاً ڈارون کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ جاندار نسلیں مسلسل تبدیلیوں کے ذریعے بہترین ہوتی گئیں- لیکن اس کے پاس جانداروں کی خصوصیات کی لاکھوں سالوں پر محیط استقامت کا کوئی جواب نہیں ہے- اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ انسان گوریلوں کی تدریجی شکل ہیں تو یہ تدریجی ترقی صرف گوریلوں اور انسانوں تک ہی محدود کیوں رہی؟ دوسرے کسی جاندار میں اس طرح کی مفصل اور بلند پایہ تدریجی ترقی کیوں پیش نہیں آئی؟ ڈارون کے پیروکار اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں کہ ریچھ نے اب تک دو ٹانگوں پر چلنا کیوں نہیں شروع کیا؟ لومڑی اپنی تمام تر عقلمندی کے باوجود ایک پروفیسر کیوں نہیں بن پائی اورچین کا مخصوص ریچھ پانڈا ایک مصور کیوں نہیں بن گیا؟ ارتقاءکا مضمون ایسی مثالوںاور منطق پر مبنی ہے جس کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی ماننے سے انکار کردے- ڈارون نے اس نظریئے کو۱۵۰ سال پہلے ایک سائنسی نظریے کے طور پر پیش کیا تھا لیکن سائنس نے آج اس کو ایک ناقابل تصور اور غیر معقول تصور ثابت کردیا ہے-ڈارون کا نظریہ اور اس سے متعلق ہر دعویٰ تاریخ کا سب سے رسوا کن واقعہ ہے جس کی بنیاد جھوٹ اور غیر منطقی دعوے ہیں -۲۱ ویں صدی میں تمام دنیا ڈارون کے نظریے کا اختتام دیکھے گی-

---

۱- رچرڈ ی- لیکی، ڈامیکنگ آف مین کائنڈ، لندن، مائیکل جوسف لیمیٹڈ۱۹۸۱ئ، صفحہ۴۳

۲- ولیم رفکس، ڈابون پڈلرز، نیویارک، میک ملن پبلشنگ کمپنی ۱۹۸۴صفحہ ۱۵۰-۱۵۳

۳- مارون لوبینو، بونز آف کانٹنشن، گرینڈ ریپڈز، مشی گن، بیکر، ۱۹۹۲ءصفحہ۱۳۶

۴- بونز آف کاٹنشن، صفحہ۱۳۶

۵- رچرڈ ایلن اور ٹریسی گرین وڈ پرائمیٹس اینڈ ہیومن ایوولیوشن، کتاب ایئر ۱۳ بائیلوجی، ۱۹۹۹ءاسٹوڈنٹ ریسورس اینڈ ایکٹیویٹی مینوئل (بیوزینانٹرنیشنل، پرنٹڈ ان نیوزی لینڈ) صفحہ۲۶۰

گوریلے کا بلکہ یہ ایک معدوم امریکی سور کی نسل پراستھینوپس کا تھا-

۳- نظریہ ارتقاءسے متعلق سب سے لمبی اور دیرپا خام خیالی راماپیتھیکس کہلائی جاتی ہے- یہ ان فوصلوں کا نام ہے جو ۱۹۳۲ءمیں ہندوستان میں دریافت ہوئے- قیاس کے مطابق یہ ۱۴ لاکھ سال پرانے وہ فوصل ہیں جو گوریلے کے انسان بننے کے درمیان کے پہلے اور سب سے اہم وسطی فوصل ہیں- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں نے ۵۰ سال سے اوپر تک ان فوصلوں کو ارتقاءکے اہم ثبوت کی طرح استعمال کیا لیکن راماپیتھیکس کے اوپر مزید تحقیق نے ظاہر کیا کہ ان فوصلوں کے دانتوں کی تمام خصوصیات زندہ چمپانزی نسل بندروں سے ہوبہو مشابہ ہے- مثلاً تھیروپیٹیکس گالاڈا ایک اونچائی پر رہنے والا ببون نسل کا بندر ہے جس کے آگے کے نکیلے دانت اور داڑھوں کے درمیان کے نکیلے دانت گوریلوں کے انہیں دانتوں کی نسبت چھوٹے ہوتے ہیں اور اس کا چہرہ راماپیتھیکس کے فوصلوں کی طرح چھوٹا ہوتا ہے- "سائنس" میگزین کے اپریل ۱۹۸۲ءکے شمار میں ایک مضمون چھپا جس کا نام تھا "انسانوں نے ایک قدیم پرکھاکھودیا!" اس مضمون میں تفصیلاً بتایا گیا کہ راماپیتھیکس کوئی انسانی ارتقائی ثبوت نہیں بلکہ اورینگوٹان نسل کے بندر کی معدوم قسم ہے- (اورینگوٹان ایک جسیم، سرخ، لمبے بالوں والا بندر ہوتا ہے جو درختوں پر بسیرا کرتا ہے -یہ بورنیو اور سماترا میں پایا جاتا ہے- اس کے بازو لمبے اور ہاتھ پیر خم دار مڑے ہوئے ہوتے ہیں-)

۴- جولائی ۱۹۸۴ءمیں کینیا کی ترکانہ جھیل سے ایک بظاہر انسان کا تقریباً مکمل طور پر فوصل شدہ ڈھانچہ دریافت ہوا- ۱۲ سالہ اس لڑکے کے فوصل کا نام ترکانہ کا لڑکا رکھا گیا- قیاس تھا کہ بلوغت تک پہنچنے پر یہ لڑکا ۱۸۳میٹر اونچا ہوتا- اس ڈھانچے کی ساخت دورِ حاضر میں موجود انسانی ڈھانچوں سے بالکل مختلف نہیں ہے- ڈھانچے کی لمبی پتلی ساخت ان مردوں کے مشابہ ہے جو کہ دنیا کے مدارینی علاقوں میں رہتے ہیں- رچرڈ لیکی کا خیال ہے کہ اگر اس لڑکے کو آج کسی بھی ہجوم میں کھڑا کردیا جائے تو وہ اسی ہجوم کا حصہ لگے گا- ۴

چونکہ یہ ڈھانچہ ۱۶لاکھ سال پرانی ارضیاتی تہہ سے ملا تھا اس لئے اس کو اس کی ارضیاتی تہہ کے حساب سے ہی عمر دے دی گئی- ترکانہ کا لڑکا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا فوصلی تحقیق کے معاملے میں تعصب اور اپنے نظریے کی جانبداری کی مثال ہے-

۵- لوسی اس فوصل کا نام ہے جو کہ ماہرِ بشریات ڈونلڈ جانسن نے۱۹۷۴ءمیں دریافت کیا- بہت سے ارتقاء پسندوں کاد عویٰ ہے کہ لوسی انسانوں اور ان کے انسان نما پرکھوں کی وسطی شکل ہے- لیکن مزید تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ لوسی ایک معدوم گوریلوں کی نسل آسٹرالوپیتھیکس کارکن ہے- اس نسل کے گوریلے کا دماغ چمپانزی نامی بندر جتنا ہوتا ہے- اس کے علاوہ آسٹرالوپیتھیکس کی دوسری خصوصیات مثلاً کھوپڑی کا ناپ، آنکھوں کا قریب واقع ہونا، تیز داڑھ، جبڑے کی ساخت، لمبے بازو اور چھوٹی ٹانگیں چمپانزی کے اندر موجود ہیں- یہاں تک کہ ان کا پیڑو کا حلقہ بھی چمپانزی کی طرح کا ہی تھا-۵

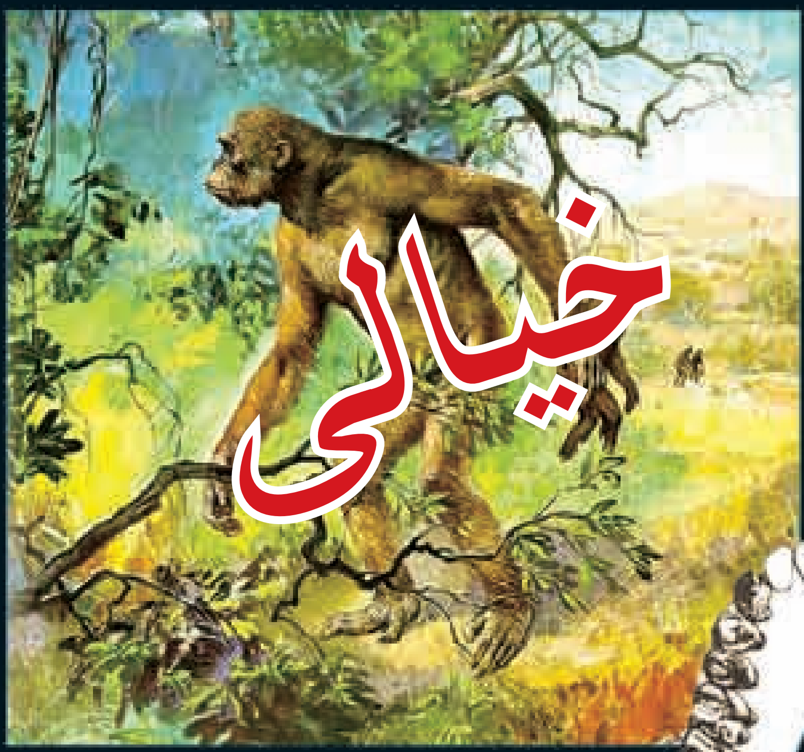

راماپیتھیکس کا سب سے پہلا فوصل صرف ایک نامکمل جبڑے کی ہڈی پر مشتمل تھا لیکن نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے مصوروں کو اس ہڈی کے اطراف ایک فرضی ماحول اور اس جیسے دوسرے افراد تخلیق کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی- لیکن جب راماپیتیکس کی اصلیت سامنے آئی کہ یہ صرف جبڑے کی ہڈی کی مدد سے تخلیق کی گئی فرضی مخلوق ہے جس کے جسم اور ماحول کا کوئی وجود نہیں ہے اور جو دراصل ایک عام گوریلے کے جبڑے کی ہڈی ہے تو راماپیتھیکس کو بہت خاموشی کے ساتھ انسانیت کے شجرہ نسب سے ہٹادیا گیا-

(ڈیوڈ پلبیم "ہیومنز نوراین ارلی اینسٹر" سائنس، اپریل ۱۹۸۲صفحہ ۷-۶)

سچائی کا وسیلہ : جبڑے کی ہڈی

۶- رچرڈ لیکی نے ایک KNM-ER ۱۴۷۰ نامی ایک کھوپڑی پیش کی جو کہ بقول اس کے۸-۲ لاکھ سال پرانی اور علم بشریات کی سب سے اہم دریافت تھی- لیکی کے مطابق اس مخلوق کی کھوپڑی آسٹرالوپیتھیکس کی طرح چھوٹی اور چہرے کی ساخت دور حاضر کے انسانوں سے مشابہ تھی- اس ثبوت کی بنیاد پر یہ مخلوق آسٹرالوپیتھیکس اور انسان کے درمیان کی وسطی کڑی یا تدریجی شکل خیال کی گئی- لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد پتہ چلا کہ KNM-ER۱۴۷۰ کی کھوپڑی کا انسان نما چہرہ جو کہ اب تک کئی سائنسی اور مشہوررسالوں کی زینت بن چکا تھا ہڈیوں کی غلط ،اور شاید دانستہ طور پر غلط ،ترتیب سے وجود میں آیا تھا- ان سب واقعات سے ثابت ہے کہ آج تک کوئی بھی ایسی سائنسی دریافت سامنے نہیں آئی جو کہ نظریہ ارتقاءکو سہارا دے سکے یا اس کوکسی طور پر بھی صحیح ثابت کرسکے- اس کے باوجود بہت سے سائنسدان اندھادھن اس نظریئے پر اعتقاد رکھتے ہیں- یہ

فوکس اسکل/لومڑی کی کھوپڑی

عمر- ۶-۸ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- میوسین

نظریہ ارتقاءکے پیروکار جب دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان گوریلوں کی تدریجی شکل ہیں تو وہ ثبوت کے طور پر مختلف کھوپڑیاں پیش کرتے ہیں- ان دراصل معدوم گوریلوں اور تاریخی کھوپڑیوں کو بنیاد بناکر جو کہانیاں گھڑی جاتی ہیں وہ نرے دھوکے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں- تاریخ میں کسی بھی جاندار کی کھوپڑی یا عام تشریح الاعضاءمیں کسی بھی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے اس لئے یہ ایک غیر منطقی بات ہے کہ گوریلوں کی کھوپڑیوں میں ایسی کوئی تبدیلی پیش آئی ہوگی- اسی طرح تصویر میں موجود ۸۶ لاکھ سال پرانی لومڑی کی اس کھوپڑی سے ثابت ہے کہ لومڑی کے اندر بھی ایسی کوئی تبدیلی پیش نہیں آئی- لومڑیوں نے نہ تو اپنی مرضی سے اپنی عقل میں اضافہ کیا، نہ اپنے دماغ کے حجم میں تبدیلی کی اور نہ ہی کسی اور جاندار کی شکل اختیار کرلی- لومڑیاں ہمیشہ لومڑیاں، شیر ہمیشہ شیر اور گوریلے ہمیشہ گوریلے ہی رہے ہیں- ٹھوس سائنسی ثبوت سے واضح ہے کہ انسانوں کا گوریلوں کی تدریجی شکل ہونے کا دعویٰ ایک زبردست جھوٹ ہے-

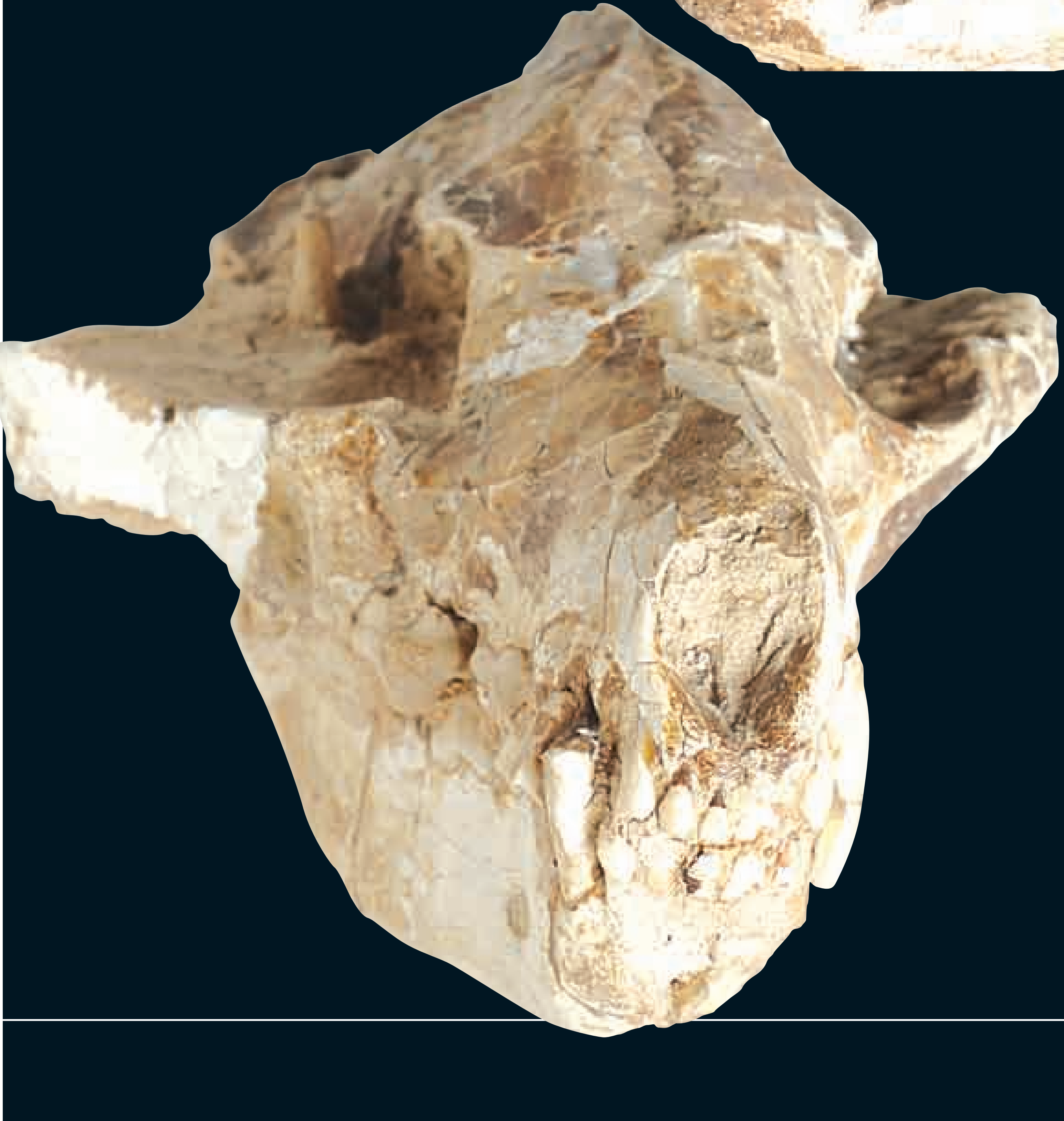

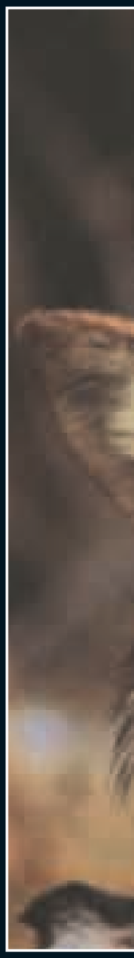

وولف اسکل/بھیڑیے کی کھوپڑی

عمر- ۵-۹ لاکھ سال

جائے وقوع- چین

عہد- میوسین

تصویر میں موجود ۵-۹ لاکھ سال پرانی اس بھیڑیے کی کھوپڑی ثابت کرتی ہے کہ ان حیوانوں کی کھوپڑی کی ساخت لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ایک ہی شکل میں موجود ہے- یہ اصول ہرجاندار کی تشریح الاعضاءاور کھوپڑی پر لاگو ہوتا ہے چاہے وہ بھیڑیے ہوں، گھوڑے ہوں، ریچھ ہوں یا بندر ہوں- اسی لئے نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے کسی ایسے دعوے میں وزن نہیں جس کا تعلق جانداروں کی اور خاص طور پر گوریلوں کا انسان بننے کی تدریجی ترقی سے ہو- ۱۸۰۰کے آخری سے لے کر اب تک یہ لوگ سائنس کے جھوٹے لبادے میں دنیا کو ارتقاءکی کہانیاں سنا سناکر بے وقوف بنارہے ہیں لیکن آج کل کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں اس جھوٹ کا مزید قائم رہنا ناممکن ہے-

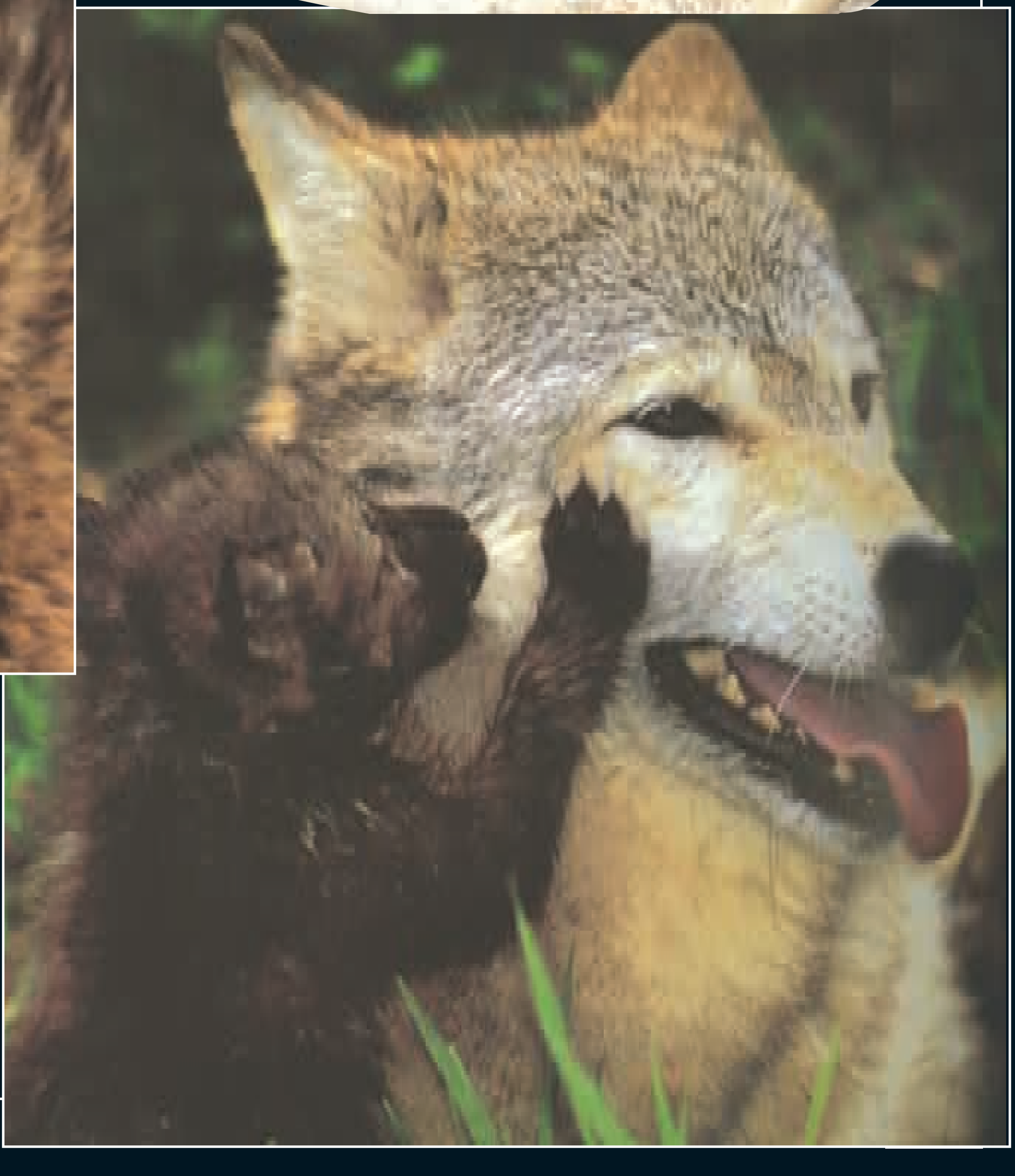

نارتھ ایسٹ ٹائیگر اسکل/شمال مشرقی چیتے کی کھوپڑی

عمر- ۷۹ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریٹیشس

آج تک ایسا نہیں ہوا کہ اس شمال مشرقی چیتے نے سوچا ہو کہ کیوں نہ میں بھی انسان کی طرح دو ٹانگوں پر چلنے لگوں؟ اور پھر اپنے ڈھانچے کی ساخت میں تبدیلی پیدا کرتے ہوئے دو ٹانگوں پر چلنے لگا ہو- یہی تو نظریہ ارتقاءکا بنیادی دعویٰ ہے اور کس قدر بودا، بچکانہ اور بے عقل دعویٰ ہے- تصویر میں اس ۷۹ لاکھ سال پرانے چیتے کی کھوپڑی کا فوصل ثابت کرتا ہے کہ جانداروں میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے- ہر جاندار نسل مخصوص اوصاف کے ساتھ تخلیق کی گئی اور اپنی زندگی کی میعاد تک انہیں اوصاف اور خصوصیات کے ساتھ بغیر کسی تبدیلی کے موجود رہی- محض یہ خیال بھی کہ جاندار نسلیں ایک مسلسل تبدیلی کے عمل میں رہتی ہیں اور قدیم شکل سے پیچیدہ اور ترقی یافتہ اشکال میں تبدیل ہوجاتی ہیں ایک ایسا ذہنی فتور ہے جس کو کسی بھی سائنسی ثبوت کا سہارا نہیں ہے-

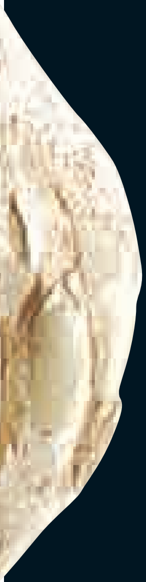

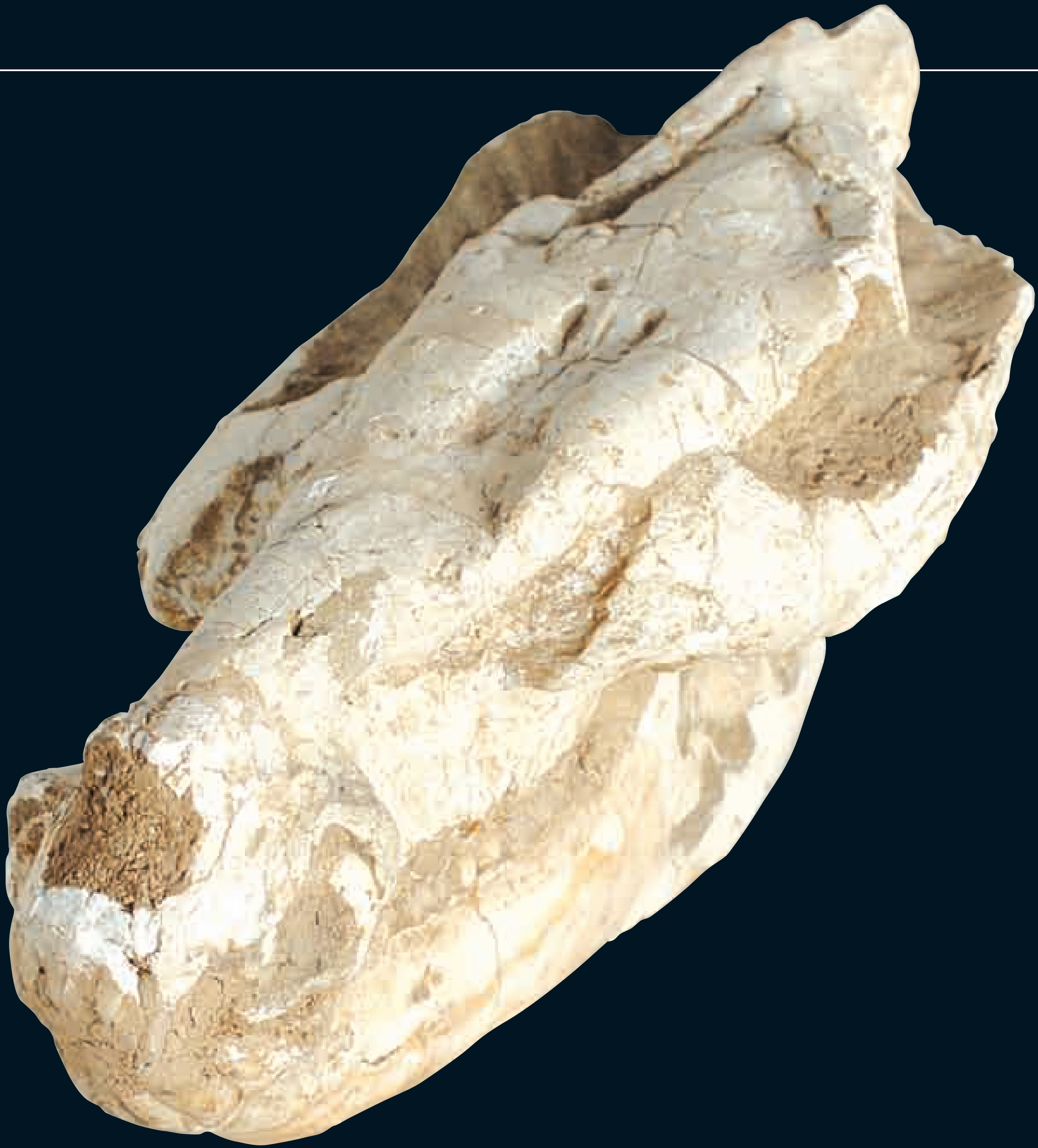

فوکس اسکل/لومڑی کی کھوپڑی

عمر- **۹۵** لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریٹیشس

ڈارون کے پیروکاروں کا یہ خیال ہے کہ اگر لاکھوں سال سے اندھے اتفاقات کا سلسلہ جاری رہے تو معجزے رونما ہونے لگتے ہیں- ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اندھے اتفاقات ہی کے بل بوتے پر مٹی جیسی بے جان شے سے جاندار نہ صرف پیدا ہوگئے بلکہ ایک سے دوسری شکل بھی اختیار کرتے چلے گئے جیسے کہ مچھلی کا مگر مچھ بن جانا، مگر مچھ کا ڈائنوسور کے اندر تبدیل ہوجانا اور ڈائنوسور کا پرندو ںاور ریچھ کا وہیل مچھلی کی شکل اختیار کرلینا - حقیقت تو یہ ہے کہ کسی لومڑی، مگر مچھ، چھپکلی، مچھلی، سمندری کائی یا پھول میں کبھی بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اس کا ثبوت لاکھوں سال پرانے لاتعداد فوصل ہیں- تصویر میں موجود **۹۵** لاکھ سال پرانی لومڑی کی کھوپڑی بھی نظریہ ارتقاءکو ناقص ثابت کرتی ہے-

براؤن بیئر اسکل/ بھورے ریچھ کی کھوپڑی

عمر-   ۹۰ لاکھ سال

جائے وقوع-   چین

عہد-   کریٹیشس

بھورا ریچھ ارسیڈائی خاندان کا رکن ہے- اس کی کھال بھوری اور بعض دفعہ زردی مائل سفید رنگ کی ہوتی ہے اور یہ جنگلات اور پہاڑی علاقوں میں پایا جاتا ہے- کسی بھی بھورے ریچھ نے آج تک یہ نہیں سوچا کہ کیوں نہ میں اپنی عقل اور دانشمندی میں اضافہ کروں، اپنی کھوپڑی کا حجم بدل لوں اور اپنی ایک نئی تہذیب قائم کروں- اس سوچ کے ساتھ ہی کسی بھورے ریچھ نے شہر تعمیر کرنا، فن پارے تخلیق کرنا اور اہم کتابیں لکھا نہیں شروع کردیں- ریچھ ہمیشہ ریچھ رہے ہیں اور کسی اور جاندار شکل میں تبدیل نہیں ہوئے- ہر جاندار اپنی اولین اور تخلیق کردہ شکل کے ساتھ ہی دنیا میں موجود ہے- یہ کہنا کہ گوریلے انسانوں میں تبدیل ہوئے ہیں ایک انتہائی بے دلیل، خلاف عقل اور غیر منطقی بات ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے-

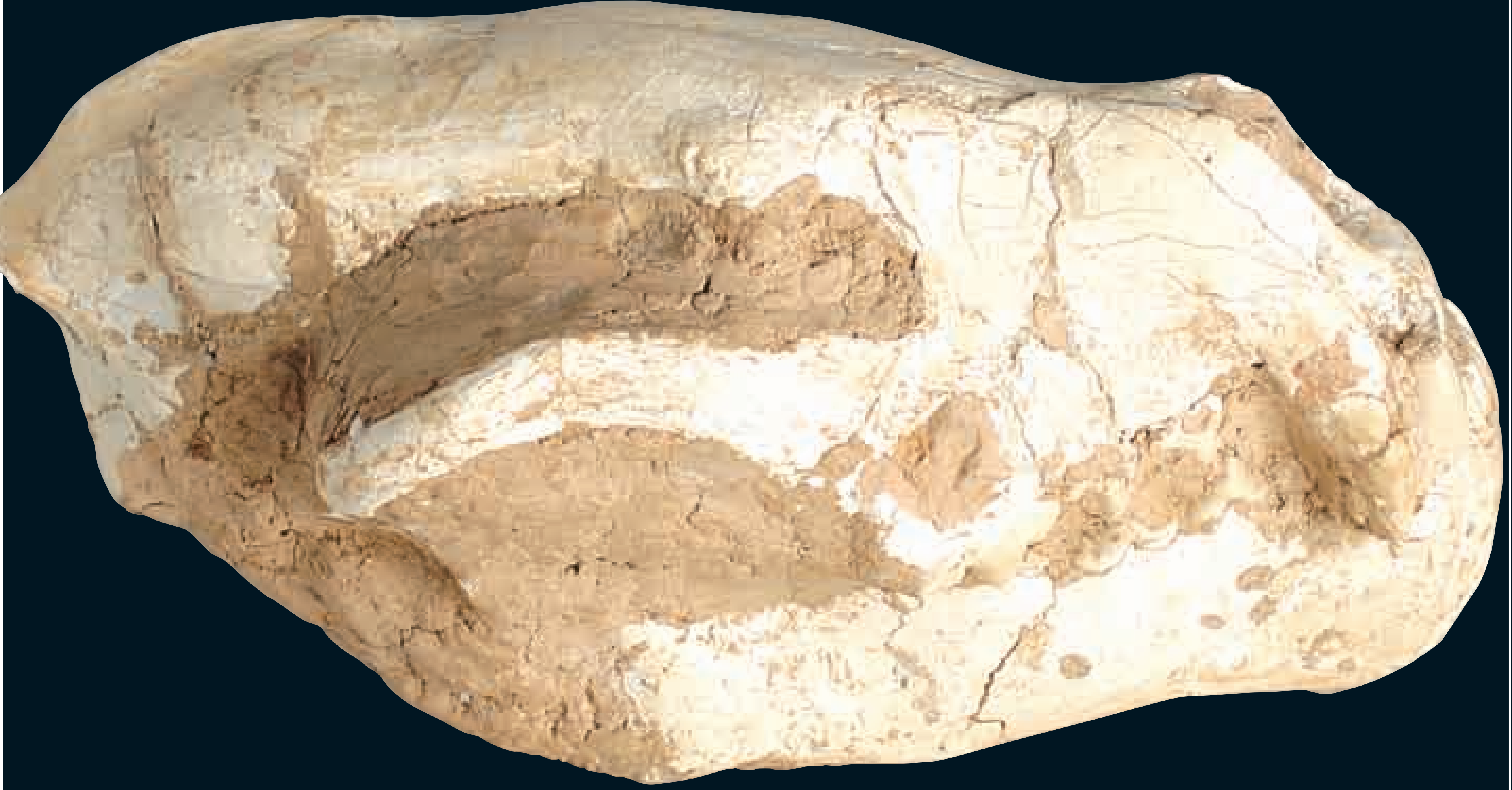

وولف اسکل/بھیڑیے کی کھوپڑی

عمر- ۳-۹ لاکھ سال

جائے وقوع- چین

عہد- میوسین

اگر نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے دعووں میں سچائی ہوتی تو دورِ حاضر کے بھیڑیوں کی کھوپڑی اور لاکھوں سال پرانی ملنے والی بھیڑیوں کی کھوپڑیوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا- لیکن اس نمونے سے صاف ظاہر ہے کہ دورِ حاضر اور ۳-۹ لاکھ سال پرانی بھیڑیوں کی کھوپڑیوں میں کوئی فرق نہیں ہے- کسی بھیڑیے نے لاکھوں سالوں میں کبھی اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیوں نہ میں اپنی قابلیت میں اضافہ کروں اور موسیقار بن جاؤں یا محل تعمیر کروں؟ فوصلی ریکارڈ سے ثابت ہے کہ نہ صرف بھیڑیے بلکہ ہر جاندار نسل ایک ہی ساخت، ہیئت اور خصوصیات کے ساتھ زمین پر موجود ہے- نظریہ ارتقاءکے پیروکار پھر بھی ضد کرتے ہیں کہ اگرچہ تدریجی ترقی کا کوئی نشان مچھلیوں، کیڑے مکوڑوں، رینگنے والے جانوروں، چڑیوں اور ممالیہ جانوروں میں نہیں ہے پھر بھی گوریلوں میں یہ تدریجی ترقی یقینا عمل پذیر ہوئی ہے جس کے نتیجے میں انسان وجود میں آیا ہے- مگر تمام جاندار نسلوں کی ساخت اور خصوصیات کی لاکھوں سالہ یکسانیت اس نظریے کے جھوٹ کو عیاں کرتی ہے-

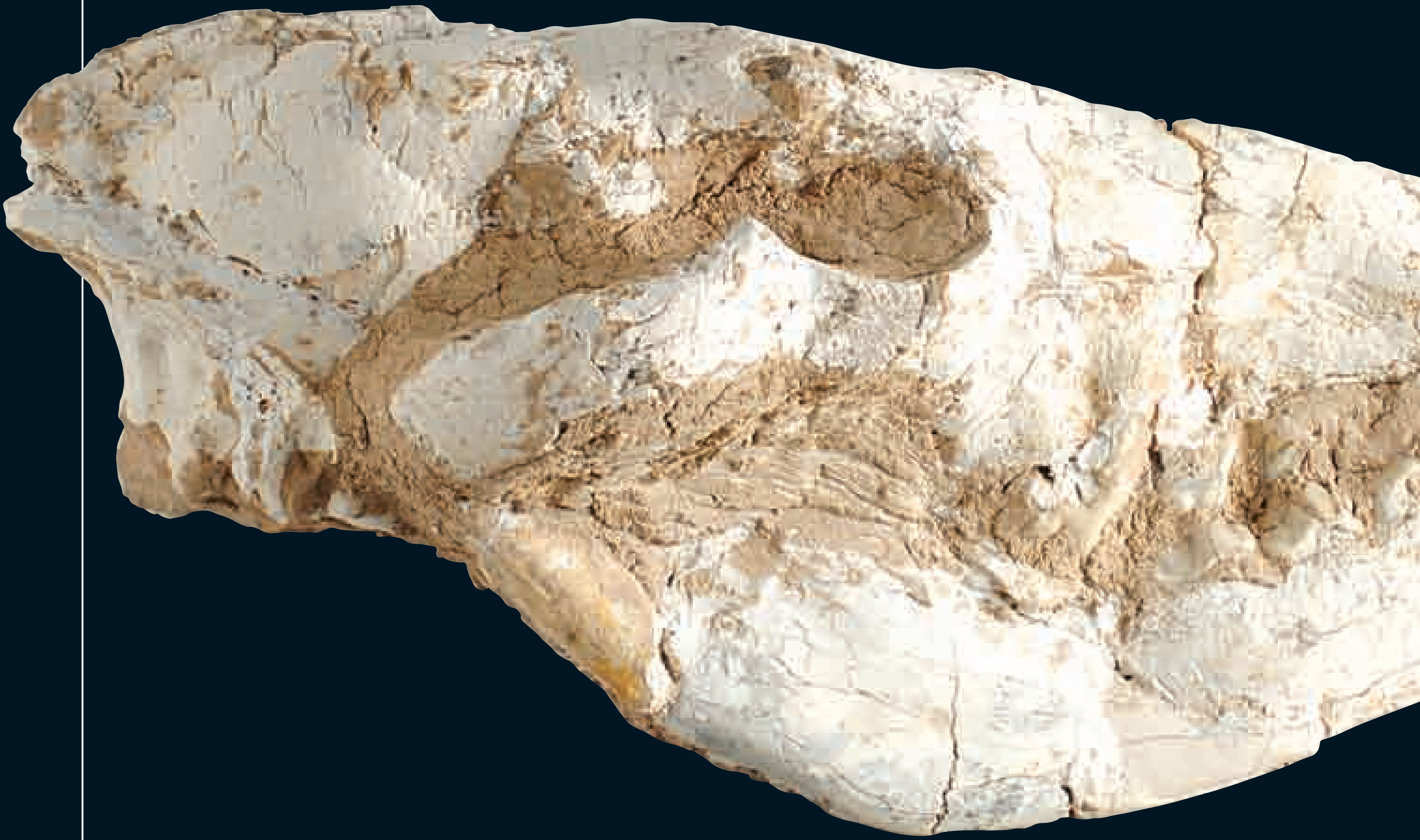

آرکٹک فوکس اسکل/ قطب شمالی لومڑی کی کھوپڑی

عمر- ۲-۸ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- میوسین

گوریلوں کی نقل کرنے کی صلاحیت سے متاثر ہوکر ڈارون کے پیروکاروں نے یہ اندازہ لگایا کہ ان جانداروں نے وقت کے ساتھ اپنی عقل میں اضافہ کیا اور آہستہ آہستہ انسان کی شکل میں تبدیل ہوگئے- حقیقت تو یہ ہے کہ گوریلوں کے علاوہ اور بھی دوسرے جانوروں میں یہ صلاحیت موجود ہے- اس کی ایک مثال لومڑی ہے جو کہ نہ صرف عقلمند ہے بلکہ عیار بھی ہے- لیکن کسی لومڑی نے یہ نہیں سوچا کہ چونکہ میں اتنی عقلمند ہوں اسی لئے مجھے ایک سائنسدان بن جانا چاہئے اور نہ ہی اس نے اپنے جسم کے خلیوں کا کسی برقیہ خوردبین کے ذریعہ معائنہ کرنا شروع کر دیا- لومڑی کتنی ہی عقلمند کیوں نہ ہو وہ صرف لومڑی ہی رہی ہے- اسی طرح سائنسی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ گوریلے ہمیشہ گوریلے ہی رہے ہیں اور انسانوں میں تبدیل نہیں ہوئے- نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کا حقیقت سے نظریں چرانے اور اس کو مختلف ہتھکنڈوں سے چھپانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی- زندگی کا نقطہ آغاز صرف اللہ کی تخلیق ہے-

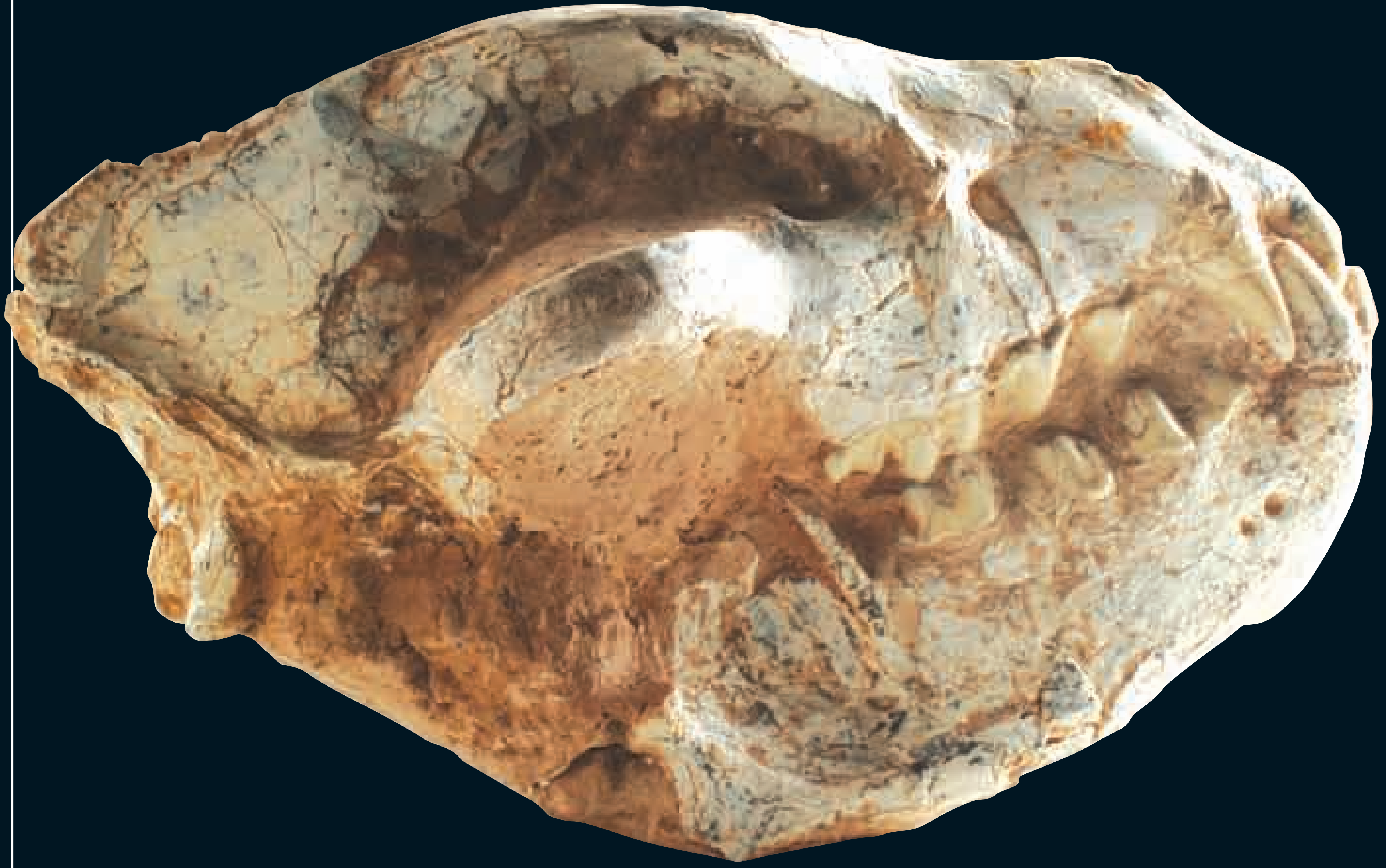

پانڈا اسکل/مخصوص سیاہ سفید نشان والے بڑے ریچھ کی کھوپڑی

عمر- ۸۸ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریٹیشس

پانڈا ایک بڑا ریچھ ہوتا ہے جو چین اور تبت کے بعض پہاڑی جنگلوں میں پایا جاتا ہے- اس پر مخصوص سیاہ و سفید نشان ہوتے ہیں- فوصلی ریکارڈ کے مطابق یہ ریچھ ہمیشہ اسی شکل میں دنیا میں موجود رہا ہے اور کسی تدریجی ترقی کے دور سے نہیں گزرا- اس ریچھ کا یہ ۸۸ لاکھ سال پرانا کھوپڑی کا فوصل اس بات کا ثبوت ہے کسی پانڈا نے کبھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ چونکہ میں بعض دفعہ دو ٹانگوں پر کھڑا ہوجاتا ہوں تو کیوں نہ میں ہمیشہ ہی دو ٹانگوں پر کھڑا رہوں- نہ ہی اس نے کبھی اپنی جسمانی ساخت تبدیل کرنے کی کوشش کی- اس ریچھ کی تمام خصوصیات لاکھوں سال گزرنے کے باوجود کسی تبدیلی سے نہیں گزریں- قدرت کی یہ حقیقت صرف اس ریچھ پر ہی نہیں بلکہ تمام جاندار نسلوں پر لاگو ہوتی ہے- کوئی جاندار نسل تدریجی ترقی کے مراحل سے نہیں گزری-

ٹائیگر اسکل/چیتے کی کھوپڑی

عمر- ۸۸ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریٹیشس

معدوم گوریلوں کی کھوپڑیوں کو حاصل کرکے اس میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے لئے ایک طرح کا مشغلہ بن گیا تھا- باوجود اس کے کہ ان کے دھوکے اور جھوٹ زیادہ دیر قائم نہیں رہتے تھے لیکن ان کا بار بار اس کام کو کرتے رہنا ان کی بے بسی کی نشاندہی تھی- فوصلی ریکارڈ اور جدید سائنسی تحقیق نے جس طرح ان کے جھوٹے نظریے کا بھرم زمین بوس کردیا اس نے ان لوگوں کو مایوسی کی انتہا پر پہنچادیا- کھوپڑیوں کے لاتعداد فوصلوں نے بھی چیتوں کو ہمیشہ چیتے، بھیڑیوں کو بھیڑیے، گینڈوں کو گینڈے اور بندروں کو بندروں ہی کی شکل میں پیش کردیا ہے -اس ۸۸ لاکھ سال پرانے چیتے کی کھوپڑی کا فوصل بھی اس ثبوت کی کڑی ہے- اس کھوپڑی میں اور دورِ حاضر کے چیتے کی کھوپڑی میں کوئی فرق نہیں ہے-

بیئر اسکل/ریچھ کی کھوپڑی

عمر- ۸۰ لاکھ سال
جائے وقوع- جین
عہد- کریٹیشس

جس طرح سے تشہیراتی اداروں نے ڈارون کے نظریے کو ایک ' ناقابل تردید' سائنسی حقیقت کی طرح پیش کیا ہے وہ دراصل ایک فکریاتی جدوجہد کا نتیجہ ہے- یہ بات اب عام ہے کہ ڈارون کا نظریہ ایک قدیم نظریہ ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے- اس نظریے کے خلاف سب سے ٹھوس ثبوت وہ لاتعداد فوصل ہیں جو دنیا کے ہر کونے سے برآمد ہوئے ہیں- گوکہ اس نظریے کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان اور گوریلے ایک ہی پرکھا کی پیداوار ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے پاس کسی بھی جاندار کی کھوپڑی، سر کی ساخت یا ڈھانچے میں معمولی سی بھی تبدیلی کی غیر موجودگی کا کوئی جواز یا جواب نہیں ہے- اس سوال کا جواب یہ آج تک نہیں دے سکے کہ آخر گوریلے ہی کیوں بسلسلہ تدریجی ترقی انسانی شکل دھارگئے جبکہ لاکھوں دوسری نسلیں ہو بہو اولین اشکال میں آج بھی کرہ ارض پر موجود ہیں؟ ان لوگوں کے پاس اس سوال کا بھی کوئی معقول جواب نہیں ہے کہ آخر بندروں اور ریچھوں نے بھی لکھنا، پڑھنا، تصویریں اور بت بنانا، اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرنا، سائنسی تحقیقات کرنا اور خلاءمیں جاکر سیارے ڈھونڈنا کیوں نہیں شروع کئے؟ اگر واقعی تدریجی ترقی کا کوئی وجود حیوانات اور نباتات کی تاریخ میں ہے تو پھر جس طرح گوریلے انسان بن گئے اسی طرح دوسرے تمام حیوانات کو بھی جدید اشکال اختیار کرلینا چاہئے تھا -لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح ریچھ کسی اور شکل میں تبدیل نہیں ہوا اسی طرح گوریلے بھی ہمیشہ گوریلے ہی رہے ہیں اور انسان نہیں بن گئے- انسان اور تمام جانداروں کا نقطۂ آغاز صرف تخلیق ہے- تصویر میں موجود اس ۸۰ لاکھ سال پرانے ریچھ کی کھوپڑی کا فوصل دورِ حاضر کے ریچھ کی کھوپڑی کے عین مشابہ ہے-

لیپرڈ اسکل/افریقی یا ایشیائی چیتے کی کھوپڑی

عمر- ۸۰ لاکھ سال
جائے وقوع- چین
عہد- کریٹیشس

تصویر میں موجود اس ۸۰لاکھ سال پرانے چیتے کی کھوپڑی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ چیتا ہمیشہ اسی شکل میں دنیا میں موجود رہا اور اپنی لاکھوں سالہ تاریخ میں کسی تبدیلی سے نہیں گزرا- اس چیتے نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ چونکہ میں ا س قدر سبک رفتاری سے دوڑ سکتاہوں تو کیوں نہ میں اپنے ڈھانچے کو تھوڑا سا بدل لوں اور ایک کھلاڑی بن جاؤں؟ اور نہ ہی اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنی تشریح الاعضاءکو تبدیل کیا اور عالمی کھیلوں کا تمغہ جیتنے والا کھلاڑی بن گیا- جن خصوصیات کے ساتھ اللہ نے پہلا چیتا تخلیق کیا تھا انہیں خصوصیات کے ساتھ چیتا آج بھی روئے زمین پر موجود ہے- لاکھوں سال گزرنے کے باوجود اس کے اندر کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی-

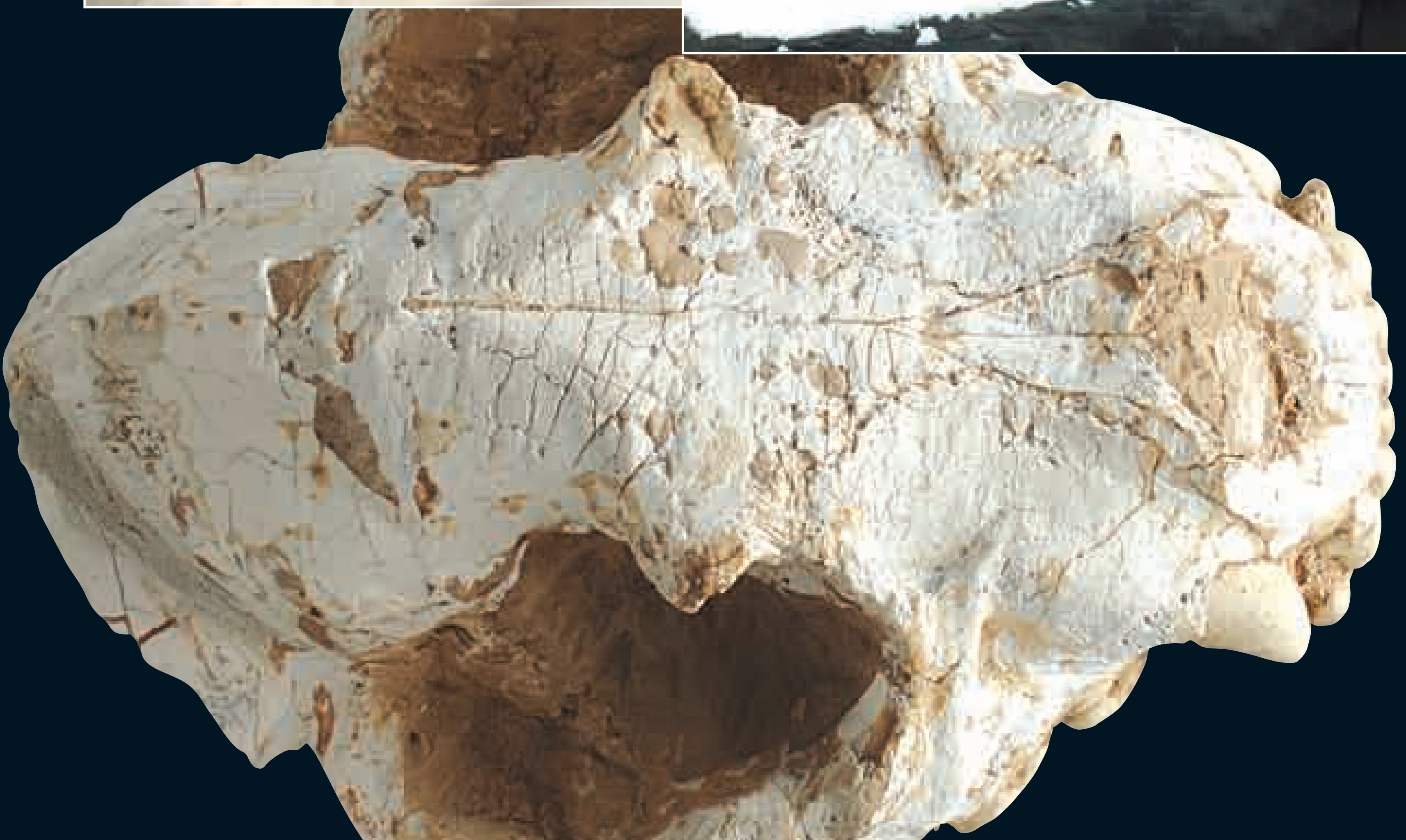

اختتام

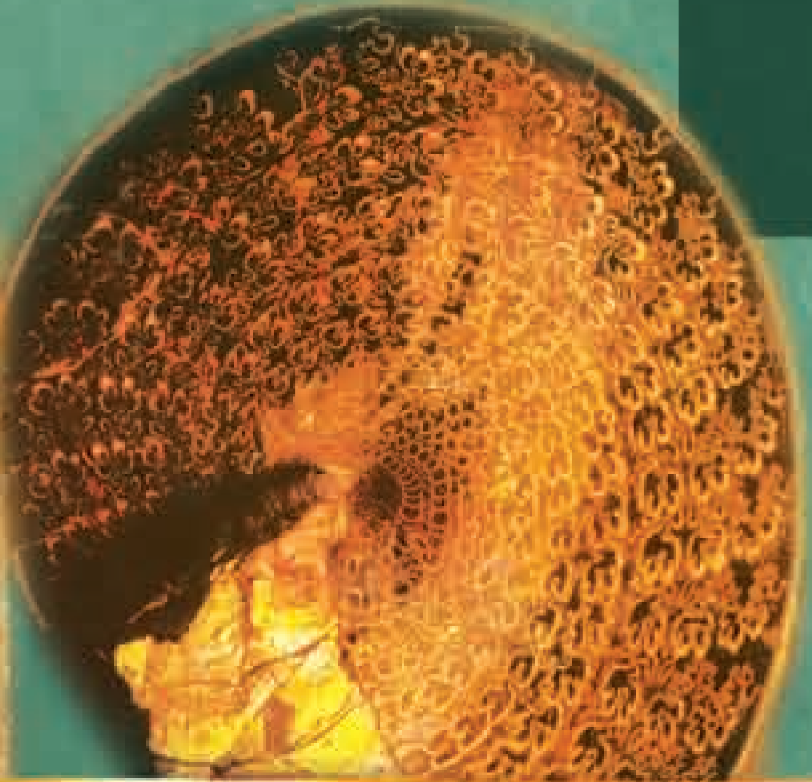

انھوں نے سور کے دانت کو نبراسکا کے آدمی کا فوصل قراردے دیا

۱۹۲۲ میں امریکہ کے مشہو ررینجرل ہسٹری کے تاریخی عجائب خانے کے ناظم اعلیٰ ہنری فیئر فیلڈ آسبارن نے اعلان کیاکہ اس کو امریکہ کی ریاست نبراسکا کی مغربی اسنیک بروک ندی کے قریب پیلیوسین دور کا ایک داڑھ ملا ہے جس میں غالباً انسان اور گوریلوں کے دانتوں کی مشترکہ خصوصیات موجود ہیں- داڑھ کے اس فوصل کا نام نبراسکا کا آدمی رکھا گیا اور اس کو فوراً ایک سائنسی نام بھی دے دیا گیا 'ہسپیروپتھیکس ہارلڈ کوکی ' - صرف اس ایک دانت کو سامنے رکھتے ہوئے اس آدمی کا فرضی سر اور جسم تشکیل دے دیا گیا- نہ صرف یہ بلکہ نبراسکا کے آدمی کے بیوی اور بچے بھی ایک مکمل ماحول میں دکھائے گئے-۱۹۲۷ میں اس داڑھ کا بقایہ ڈھانچہ بھی دریافت ہوگیا جس کے مطابق یہ داڑھ نہ تو انسان کا تھا اور نہ گوریلے کا بلکہ پراستھینوپس نامی ایک معدوم جنگلی امریکن سور کا داڑھ تھا-

لیکن جب وہ آگئی)تو انکار کردیا انھوں نے اس کے ماننے سے
سو عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا(اس روش کا نتیجہ (سورۃ صفات ۱۷۰)
(اے نبی) چھوڑ دو انھیں کہ کھائیں پیئں اور مزے کریں اور بُھلاوے میں ڈالے رکھیں انھیں ان کی جھو ٹی امیدیں سو عنقر یب انھیں معلوم ہو جائے گا- (سورۃالحجر ۳)
تاکہ ناشکری کریں اس نجات کی جو ہم نے انھیں دی تھی اور تاکہ مزے لوٹیں
(دنیاوی زندگی کے) سو عنقر یب انھیں معلوم ہو جائے گا (سورۃالعنکبوت ۶۶)

ہم صرف یہ امید کرتے ہیں کہ ڈارون کے تمام پیروکار اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر ان حقائق کا سامنا کرلیں جن کو ساری دنیا مان چکی ہے- سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ نظریہ ارتقاءسراسر جھوٹ ہے اور کائنات اور اس میں موجود ہرچیز صرف اور صرف اللہ کی تخلیق ہے -االلہ کی تخلیق کا سب سے ٹھوس اور اہم ثبوت فوصل ہیں جن کے کئی نمونے اس کتاب میں دئے گئے ہیں- قرآن میں کئی جگہ آیا ہے کہ تخلیق کا ثبوت زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے ہے- سورۃ صافات کی آیت نمبر ۱۳۷ میں آیا ہے-

اور بے شک تم گزرتے ہو ان کے پاس سے صبح کے وقت بھی اور رات کو- تو پھر کیا نہیں بوجھتے؟
(سورۃ صفات ۱۳۷، ۱۳۸)

یہ بہت ممکن ہے کہ اس آیت کا اشارہ زمین کے نیچے موجود ان تمام فوصلوں کی طرف ہے جو کہ زندگی کی حقیقت کو عیاں کرتے ہیں- زمین کے نیچے ساری دنیا میں لاتعداد فوصلی نمونے بکھرے ہوئے ہیں جو کہ ثابت کرتے ہیں کہ جاندار جس لمحے سے تخلیق ہوئے ہیں اس لمحے سے اسی شکل اور خصوصیات کے ساتھ دنیا میں لاکھوں سالوں سے موجود ہیں- جاندار کسی دور میں کسی تدریجی ترقی کے مرحلے سے نہیں گزرے بلکہ مکمل اور منظم خصوصیات کے ساتھ اللہ کی مرضی اور حکمت سے تخلیق ہوئے ہیں اور اللہ کی بڑائی اور انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں- اس تمام ثبوت کی روشنی میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی عقل اور منطق کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کو سمجھ لیں کہ یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی اور اصولوں کے تحت تخلیق کی ہے- ہمارا کام اس کا شکر ادا کرنا اور اس کی اپنی بہترین صلاحیت کے تحت عبادت کرنا ہے-

اور وہی ہے ہر چیز پر نگران اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی اور وہ لوگ جو انکار کرتے رہے اللہ کی آیات کا (سورۃ الزمر آیت ۶۲،۶۳)

اللہ نے کائنات اور ہر جاندار چیز کو بنایا

۱۹ صدی کا فرسودہ نظریہ ارتقاءجدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں مکمل طور پر زمین بوس ہوچکا ہے- فوصلی ریکارڈ کا اس نظریے کو تباہ کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ ہے اور اس نظریے کے پیروکاروں کے پاس ان سائنسی جوازوں کا کوئی جواب نہیں ہے- چونکہ ان کے پاس تدریجی ترقی کو ثابت کرنے کے لئے ایک بھی فوصل موجود نہیں ہے اس لئے وہ اپنی ناکامی چھپانے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے- جیسے کہ بعض دفعہ وہ معدوم حیوانات کی ہڈیوں کو وسطی فوصل بناکر پیش کردیتے ہیں اور بعض دفعہ وہ مکمل طور پر جعلی فوصل بناکر لے آتے ہیں- بہت سی دفعہ تو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وہ سنسنی خیز نوعیت کی سرخیاں لگادیتے ہیں مثلاً "گمشدہ کڑی مل گئی" یا "ہمارے پرکھا خردحیویہ تھے" یا "نئی دریافت ارتقاءکو ثابت کرتی ہے-"

یہ تمام حرکتیں گوکہ ۱۸۰۰ءکے آخری اور ۱۹۰۰ءکے اول سالوں میں کامیاب رہی ہوں گی جب سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی لیکن ۱۲ ویں صدی میں نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں کے تمام جھوٹ اور دھوکوں سے پردے اٹھ گئے ہیں اور ان لوگوں کو شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑرہا ہے- آج کے دور کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی جان گئے ہیں کہ وسطی فوصل طرح کی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہے اور انسان کسی گوریلے کی تدریجی ترقی کا نتیجہ نہیں ہے-بچوں کی عقل بھی اس بات کو ماننے سے انکار کرتی ہے کہ انسان جیسی مفصل اور منظم مخلوق کسی جانور کی تدریجی شکل ہو سکتی ہے -وہ بھی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ڈارون کا نظریہ اور اس سے متعلق تمام دعوے سائنسی تاریخ کا سب سے بڑا دھوکہ ہیں-

(خوب سن لوکہ یقیناًیہ ان کی من گھڑت بات ہے جو یہ کہتے ہیں)(سورة صافات۱۵۱) اللہ تعالیٰ قرآن میں بتاتا ہے کہ بے دین لوگ مختلف طرح کے جھوٹ بنا بناکر ایمان سے دور رہیں گے- ڈارون کے پیروکار مختلف دھوکوں اور غیر سائنسی دعوؤں سے نہ صرف اپنے آپ کو یقین اور ایمان سے دور رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر لگارہے ہیں- اس آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ بے دین لوگ طرح طرح کے بہانے گھڑتے ہیں لیکن یہ لوگ بھی آخر کار سچائی کو دیکھ اور سمجھ لیں گے- کئی آیتوں میں آیا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب گمراہ اور بے دین لوگ سچائی کو سمجھ لیں گے- ان آیتوں میں ڈارون کے پیروکاروں کی طرف بھی مبہم اشارہ ہے کہ یہ لوگ بھی سچائی کو بالآخر جان جائیں گے-

آرکیوپٹیرکس اس نام نہاد ثبوت کا نام ہے جو نظریہ ارتقاءکے پیروکاروں نے کئی سالوں تک لوگوں کو اس دھوکے میں رکھنے کے لئے استعمال کیا کہ چڑیاں دراصل رینگنے والے جانوروں کی تدریجی شکل ہیں- ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ ۱۵۰ لاکھ سال پرانی چڑیا آرکیوپٹیرکس کے اندر کچھ جسمانی خصوصیات رینگنے والے جانوروں کی بھی ہونے کی وجہ سے یہ چڑیا دراصل رینگنے والے جانوروں اور چڑیوں کے درمیان تدریجی ترقی کو ثابت کرنے والا وسطی فوصل یا "گمشدہ کڑی" ہے- لیکن حالیہ سائنسی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ آرکیوپٹیرکس ایک اڑنے والی چڑیا ہی تھی- اس کے علاوہ ٹیراپوڈڈائناسار جس کو چڑیوں کے رینگنے والے پرکھا کہا جاتا ہے ان کی عمر آرکیوپٹیرکس سے بہت کم ہے- نظریہ ٔ ارتقاءکے پیروکار ان تمام حقائق کو مکمل طور پر نظر انداز کرنا پسند کرتے ہیں-

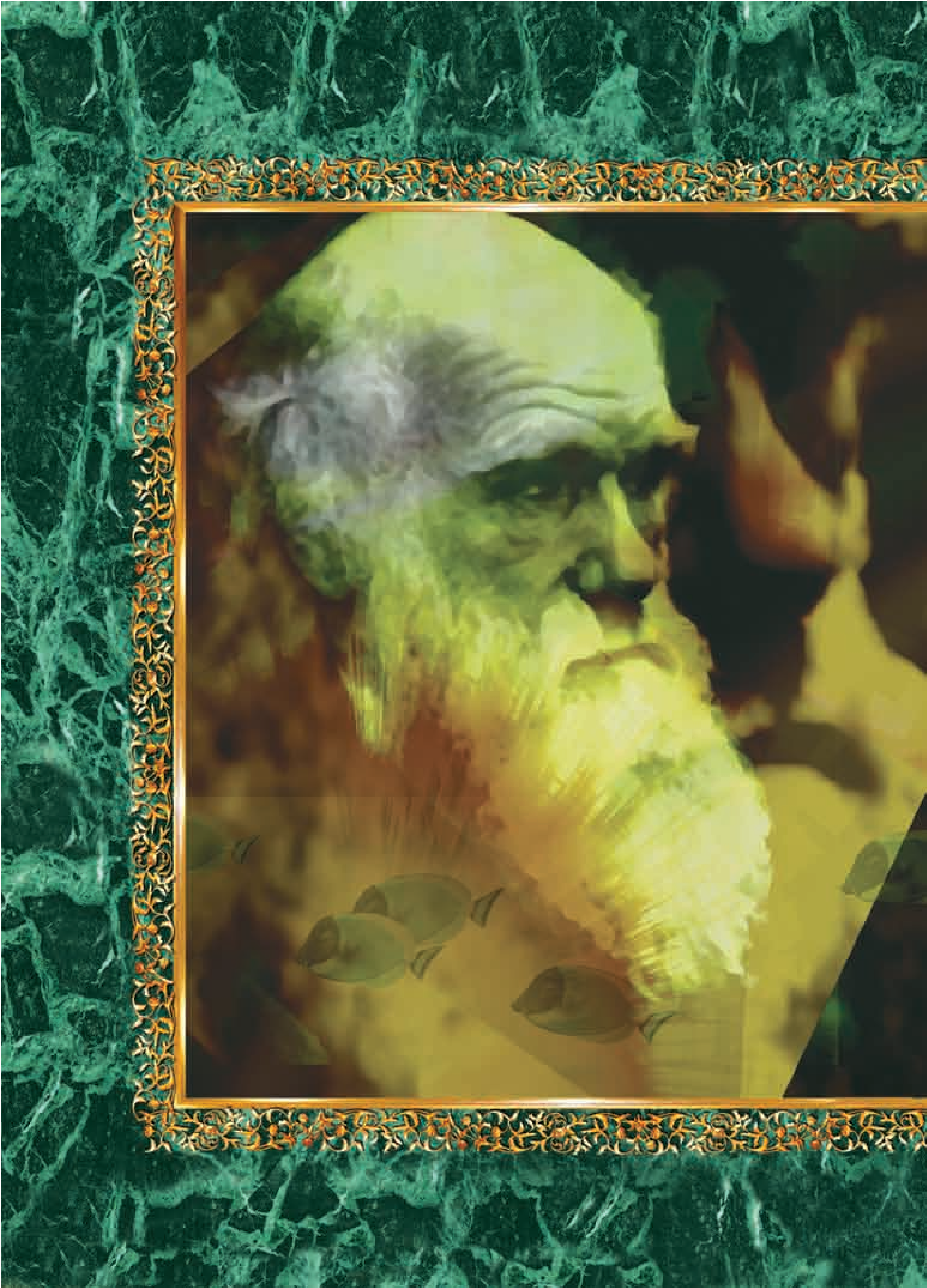

تعلیق

نظریۂ ارتقاء کی شکستگی

یہی وہ نظریہ ہے جو کہ اس کی کتاب "اوریجن آف اسپیسشیزOrigin of Species" کا ذیلی عنوان ہے "*جانداروں کا نقطۂ آغاز بذریعہ قدرتی چناؤ یا زندگی کی جدوجہد میں برتر نسلوں کا بچاؤ*" اس کے علاوہ ڈارون نے اپنے نظریئے کا ایک پہلو یہ بھی پیش کیا ہے کہ بقاءکی جنگ انسانی نسلی گروہوں کے درمیان بھی واقع ہوتی ہے- اس نرالے دعوے کے مطابق پسندیدہ، یا برتر نسلیں اس بقاءکی جنگ میں کامیاب رہیں گی-

ڈارون کے نزدیک پسندیدہ یا برتر نسلیں سفید یورپی ہیں جبکہ ایشیائی اور افریقی نسلیں ان کمتر لوگوں پر مشتمل ہیں جو کہ اس جنگ میں ناکامی کا سامنا کریں گی- اپنے اس دعوے کو مزید ایک قدم آگے لے جاتے ہوئے ڈارون کا قیاس تھا کہ یہ کمتر نسلیں نہ صرف بقاءکی جنگ میں ناکام رہیں گی بلکہ روئے زمین سے مکمل طور پر غائب ہوجائیں گی- اس کے الفاظ میںہ وقت

"مستقبل کے کسی دور میں ہے جوکہ صدیوں دور کوئی دور نہیں ہے -انسان کی مہذب نسلیں وحشی نسلوں کا دنیا بھر میں خاتمہ کردیں گی- اسی وقت انسان نما گوریلے بھی فنا ہوجائیں گے- اس صورتحال میں آدمی اور اس کے قریبی ساتھیوں کے درمیان فاصلہ بھی زیادہ ہوجائے گا کیونکہ اس وقت شاید سفید فام آدمی مزید ترقی یافتہ اور مہذب ہوچکا ہو- جو فاصلہ آج کل ایک ببون (بندر کی نسل) اور افریقی سیاہ فام کے درمیان ہے یا ایک آسٹریلیا کے باشندے اور ایک گوریلے کے درمیان ہے وہ وقت کے ساتھ انسانی ترقی سے اور کمتر نسلوں کے ضائع ہوجانے کی وجہ سے بڑھ جائے-"[۱]

ہندوستان کی اےک ماہرِ بشریات تفصیلاً بیان کرتی ہیں کہ ڈارون کے نظریئے نے سماجیات کے اوپر نسل پرستی کس طرح حاوی کی-

"ڈارون کا صرف برتر نسلوں کے بچ جانے کے نظریئے کا اس کے دور کے سماجی سائنسدانوں نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا تھا- اس کی سب سے بڑی وجہ ان کا یہ خیال تھا کہ انسانی نسل ارتقاءکی کئی منزلیں طے کرتے ہوئے بالآخر سفید فام انسانوں کے نتیجے میں سامنے آئی ہے-

یہ خیال آہستہ آہستہ اتنا زور پکڑ گیا کہ انیسویں صدی کے آخری حصے تک نسل پرستی کو کثیر تعداد کے مغربی سائنسدانوں نے صرف ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت تسلیم کرلیا تھا-"[۲]

دہشت گردی کی

اصل فکریاتی جڑ: نظریۂ ڈارون اور مادّیت

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نظریۂ ارتقاءچارلس ڈارون کا تجویز کردہ ایک نظریہ ہے جس کو مکمل سائنسی ثبوت، مشاہد ات اور تحقیق کی حمایت حاصل ہے- سچ تو یہ ہے کہ نظریۂ ارتقاءکا بانی نہ تو ڈارون ہے اور نہ ہی اس نظریئے کی بنیاد سائنسی ثبوت ہے- یہ نظریہ دراصل مادّیت کے قدیم فلسفے کی تبدیل شدہ شکل ہے- یہ نظریہ کسی بھی طرح کی سائنسی تحقیق کے بغیر ایک اندھے مادّی فلسفے کے سہارے کھڑا ہے- اس نظریے کی شدت پسندی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ مختلف طرح کی تباہیوں کی صورت میں نظر آتا ہے- اس شدت پسندی نے نہ صرف نظریۂ ارتقاءاور مادّیت پسند فلسفے کو فروغ دیا ہے بلکہ انسان کیا ہے؟ کے جواب کو بھی بدل دیا ہے- لوگ اس سوال کا جواب اس کے بجائے کہ' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تخلیق کیا ہے اور وہ اس کے بنائے ہوئے نظا م کے تحت زندگی گزارتے ہیں'، اب یہ دینے لگے ہیں کہ' انسان اتفاقاً وجود میں آیاہے اور وہ ایسا جانور ہے جو کہ طبعی انتخاب کے نتیجے میں ترقی پاتا گیا- یہ دھوکے سے بھرپور نظریہ انسانیت کو بہت مہنگا پڑا ہے کیونکہ اس کی جڑوں سے نسل پرستی، فسطائیت، اشتراکیت اور دیگر دوسری وحشیانہ اور ظالمانہ پر تشدد فکریات نے جنم لیا ہے- یہ مضمون خاص طور پرنظریۂ ڈارون کا دنیا پر تباہی کا معائنہ کرے گا اور اس کے اور دہشت گردی کے درمیان رشتے کو ثابت کرے گا جو کہ موجودہ دور کا سب سے سنگین مسئلہ ہے-

نظریہ ڈارون کا جھوٹ : " زندگی ایک جدوجہد ہے-"

ڈارون کا اپنے نظریے کو فروغ دینے کے لئے بنیادی اصول تھا کہ "**جانداروں کی ترقی ان کی اپنی بقاءکی جنگ پر منحصر ہے- جو طاقتور ہیں وہ یہ جنگ جیت جاتے ہیں اور جو کمزور ہیں وہ ناکام و معدوم ہوجاتے ہیں-**"

ڈارون کے نزدیک قدرت میں ایک بے رحم نوعیت کی حفاظتی جدوجہد اور کبھی نہ ختم ہونے والی کشمکش موجود ہے- طاقتور ہمیشہ کمزور پر حاوی ہوجاتا ہے-

نسلوں کے درمیان بقاءکی جدوجہد جیسے اقتصابات عام پائے جاتے ہیں جو کہ ڈارون کے ادب کا خاص حصہ ہیں- جب ہٹلر نے اپنی کتاب کا نام "میری جدوجہد"رکھاتھا تو یہ نام اس نے دراصل ڈارون کے بقاءکی جنگ اور سب سے توانا کی جیت کے نظریوں سے متاثر ہوکر رکھا تھا- ہٹلر خاص طور پر نسلوں کے درمیان جدوجہد پر رائے زنی کرتا ہے-

"تاریخ ایک نئی شاندار سلطنت کی ابتداءدیکھے گی جس کی بنیاد ایک ایسی اعلیٰ نسل ہوگی جس کا انتخاب خود قدرت کرے گی-"۴

۳۳۹۱ءکی نیورمبرگ کے اجتماع میں ہٹلر نے اعلان کیا کہ "برتر نسلیں کمتر نسلوں پر حکمرانی کرسکتی ہیں- یہ وہ حق ہے جو ہمیں قدرت میں نظر آتا ہے اور یہی وہ اصول ہے جو کہ انسانیت کا واحد قابل فہم حق ہے-" تمام تاریخ دان اس نقطے پر متفق ہیں کہ تمام نازی پرست نظریے ڈارون سے متاثر تھے- تاریخ دان ہکمین ہٹلر کے اوپر ڈارون کے اثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے-

"ہٹلر ارتقاءکا گھٹا ہوا مبلغ اور معتقد تھا- ہٹلر کے اس شدید دماغی خلل کی پیچیدگی کی خواہ کوئی بھی وجہ ہو، یہ بات کم از کم طے ہے کہ اس کے لئے انسانی جدوجہد کا عنوان بے حد ضروری تھا- اس نے اپنی کتاب "میری جدوجہد" میں کئی ذاتی ارتقائی خیالات کا اظہار کیا ہے بالخصوص جدوجہد، توانائی کی جیت اور بہتر سماج کے لئے کمزور اور لاغر کا غرق ہوجانا شامل ہیں-"۵

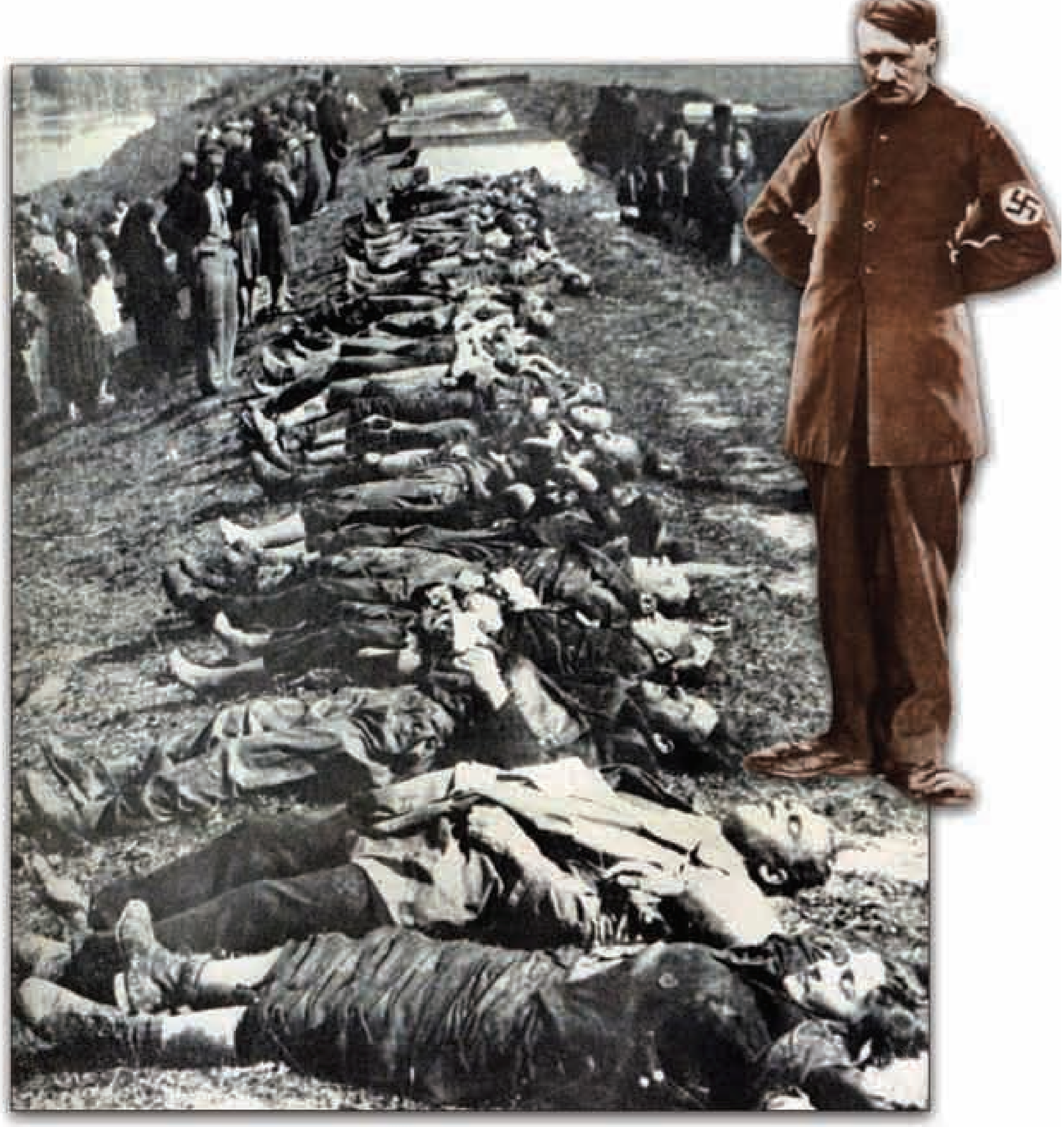

ڈارون کی سوچ کا وسیلہ: مالتھس کا بے دردانہ نظریہ

تھامس رابرٹ مالتھس

اپنے پورے نظریئے کے متعلق ڈارون کی سوچ کا وسیلہ ایک انگریز ماہر معاشیات تھامس مالتھس *MALTHUS* THOMAS کی کتاب *An Essay on the Principle of Population* یا آبادی کے نظام کے اوپر ایک مضمون تھی۔ اپنے طور سے مالتھس نے یہ اندازہ لگایا کہ انسانی آبادی بہت تیزی سے بڑھے گی۔ اس کے نزدیک آبادی کو قابو کرنے کی بنیادی طرےقے جنگ، افلاس اور بیماریاں تھیں۔ اس ظالمانہ دعوے کے حساب سے کچھ انسانوں کا حق زندہ رہنا تھاجبکہ دوسروں کا نصیب مرجانا تھا۔ زندہ رہنے کا مفہوم مستقل جنگ بن گیا۔ انیسویں صدی میں مالتھس کے خیالات کو وسیع پیمانے پر سراہا گیا۔ یورپ کے پڑھے لکھے طبقے نے خاص طور پر مالتھس کے اس ظالم نظریے کی بے پناہ حمایت کی۔ ایک مضمون *THE SCIENTIFIC BACKGROUND OF THE NAZI RACE PURIFICATION PROGRAMME* یا 'نازی نسلی صفائی پروگرام کا سائنسی پس منظر'، میں اس اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو کہ انیسویں صدی یورپ مالتھس کے آبادی سے متعلق خیالات کو دیتا تھا۔

"انیسویں صدی کی شروعات میں یورپ کے ہر کونے سے حاکم طبقوں کے سب با اختیار لوگ جمع ہوئے اور اس نئی "مسئلہ آبادی" کی دریافت کو زیر بحث لایا گیا۔ اس اجتماع کا اہم مقصد مالتھس کے ضابطوں پر عملدرآمد کے طریقے اور غریبوں کی شرح اموات کو بڑھانے کے طریقوں پر غور و فکر تھا۔

"بجائے اس کے کہ ہم غریبوں کو صفائی کی تلقین کریں ہمیں چاہئے کہ ہم ان کو اس کے برعکس عادتیں اپنانے کا پرچار کریں۔ ہمیں ہمارے قصبوں کی سڑکوں کی چوڑائی کو کم کردینا چاہئے، گھروں میں زیادہ لوگوں کو ٹھونس دینا چاہئے اور طاعون کے واپس آنے کا ماحول بنادینا چاہئے۔ ہمارے قصبوں اور گاؤں کو گندے پانیوں کے تالابوں کے نزدیک ہونا چاہئے۔ ایسے گندے اور بیماری سے بھرپور پانیوں اور ماحول میں ہمیں زیادہ تر غرباءکو رکھنا چاہئے۔"[3]

ان ظالمانہ ضابطوں کا مقصد یہ تھا کہ کمزور اور لاچار لوگ جو اپنی بقاءی جنگ لڑنے کے قابل نہ ہوں وہ خود بہ خود قدرتی طریقوں سے فنا ہوجائیں اور اس تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی میں توازن پیدا ہوجائے۔ ان غریبوں پر جبر کے اصولوں پر انیسویں صدی برطانیہ میں عمل بھی شروع ہوگیا۔ ایک صنعتی نظام تشکیل دیا گیا جس کے تحت آٹھ اور نو سالہ بچوں کو سولہ گھنٹوں تک کوئلے کی کانوں میں کام کروایا جاتا تھا۔ اس سفاک ماحول کی وجہ سے ہزاروں بچے موت کے گھاٹ اترگئے۔ مالتھس کے نظریہ "برتر کے بچاؤ" نے لاکھوں برطانوی انگریزوں کی زندگی جہنم بنادی۔

ڈارون ان تمام حالات اور خیالات سے بے پناہ متاثرتھا اور اس نے یہ اصول پوری قدرت پر لاگو کردیا اور اعلان کیا کہ طاقتور اور برتر نسلیں ہی اس بقاءکی جنگ کو جیتنے کا حق رکھتی ہیں۔ اس نے مزید یہ بھی دعویٰ کیا کہ بقاءکیءیہ جنگ قدرت کا ناقابل تردید اور برحق اصول ہے۔ اس نے لوگوں کو اکسانا شروع کیا کہ وہ تخلیق کے ہر اصول کو غلط تسلیم کرتے ہوئے اپنے دینی عقائد سے کنارہ کشی کرلیں۔ ڈارون کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ کوئی بھی انسان اپنے مذہب کے دائرے میں رہ کر بقاءکی جنگ کے اصولوں پر عمل نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی بھی مذہب اپنے پیروکاروں کو غیر اخلاقی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں نہیں سکھاتا۔ اس لئے بقاءکی جنگ کے سفاک عظائم ایک دین اور مذہب سے مکمل طور پر بے بہرہ شخص ہی پورا کرسکتا ہے۔ بیسویں صدی میں انسانیت نے ان بے حس نظریات کے پھیلنے سے شدید نقصان اٹھایا ہے۔ یہ انہیں نظریات کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کے اندر ظلم اور بے رحمی کے عناصر نمایاں ہوگئے ہیں۔

اس جنگل کے قانون کا نتیجہ: فسطائیت

جیسے جیسے نظریۂ ڈارون نسل پرستی کی پرورش کرتے ہوئے انیسویں صدی میں پہنچا، دنیا کے سامنے نازیت کی صورت میں اس کا ایک اور ہولناک نتیجہ سامنے آیا۔ نازی فکریات میں ڈارون کے نظریوں کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اڈالف ہٹلر اور آلفرڈ روزنبرگ کے تشکیل شدہ نازی نظریے کا اگر باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے تو اس میں قدرتی انتخاب، انتخابی نسل کشی اور

ہارورڈ یونیورسٹی کے تاریخ دان جیم ریووپوسی نے اپنی کتاب چین اور چارلس ڈارون، میں نظریۂ ڈارون کا ماؤ اور چینی اشتراکیت کے اوپر اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے-۰۱ -مختصراً یہ کہ نظریۂ ارتقاءاور اشتراکیت کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ ہے- اس نظریئے کے مطابق جاندار نسلیں محض اتفاق کا نتیجہ ہیں اور یہی بات دہریت کے لئے سائنسی ثبوت بن جاتی ہے- اشتراکیت ایک دہریہ نظریہ ہے اور اسی وجہ سے اس کا نظریۂ ڈارون کے ساتھ گہرا تعلق ہے- نظریۂ ارتقاءکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ قدرت میں ترقی صرف جدوجہد یا بقاءکی جنگ یا جدوجہد سے ہی ممکن ہوتی ہے- یہ نظریۂ منطقی مناظرے کا بھی حامی ہے جو کہ اشتراکیت کا ایک اور بنیادی اصول ہے- اگر ہم اشتراکیت کی اس منطقی لڑائی کا جائزہ لیں جس نے بیسویں صدی میں ایک قاتل مشین کے طور پر بیسویں صدی میں ۰۲۱ لاکھ لوگوں کا خاتمہ کردیا تو ہمیں اس عظیم نقصان کا اندازہ ہوسکتا ہے جو انسانیت نے ڈارون کے نظریئے کے ہاتھوں اٹھایا-

نظریۂ ڈارون اور دہشت گردی

ڈارون کا نظریہ ان تمام پرتشدد حکمیات کی جڑ ہے جنھوں نے بیسویں صدی میں انسانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے- ان تمام حکمیات کا بنیادی تصور اور طریقہ کار ہے "**ان سب سے لڑو جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں-**" اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ دنیا میں مختلف نظریات، فلسفے اور عقائد ہیں جن کے درمیان فرق اور وجہ تنازع ہونا ایک قدرتی فعل ہے- لیکن یہ مختلف خیالات ایک دوسرے کو مندرجہ ذیل میں سے ایک طریقے سے پرکھ سکتے ہیں-

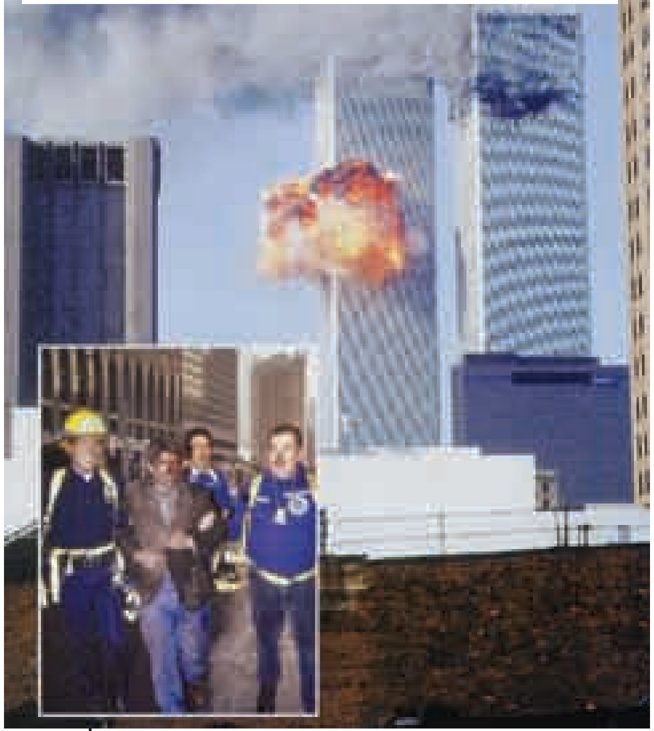

دنیا بھر میں دہشت پھیلانے والے لوگ چاہے منہ سے کسی بھی نظریئے کا دعویٰ کریں لیکن درحقیقت وہ سب ڈارون کے ہی پیروکار ہیں- فلسفۂ ڈارون ہی وہ اکیلا فلسفہ ہے جوکہ نہ صرف ہر طرح کے تنازعے کو اہم گردانتا ہے بلکہ اس کو فروغ بھی دیتا ہے-

۱- ایک دوسرے کو عزت دی جائے اور باہمی تعلقات اور مذاکرات میں ایک دوسرے کی عزت کو ملحوظ رکھا جائے- یہ طریقہ قرآن کا بھی بتایا ہوا طریقہ ہے-

۲- ایک دوسرے سے لڑائی کی جائے اور ایک دوسرے کو قتل و غارت گیری سے جانوروں کی طرح نقصان پہنچایا جائے- یہ طریقہ کار مادّیت اور دہریت کا ہے-دہشت گردی کے تحت جو نقصانات سامنے آتے ہیں وہ دوسرے طریقے کو اپنانے سے پیدا ہوتے ہیں- اگر ان دونوں طریقوں کے درمیان فرق کا معائنہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ڈارون کے اصولوں کے تحت اختیار کیا گیا دوسرا طریقہ انسانی سوچ اور نظریات پر زیادہ اثر انداز ہے جو کہ انسان کو ایک لڑتے بھرتے جانور کی صورت میں پیش کرتا ہے- جو افراد اور گروہ اس طریقہ کار کواپناتے ہیں انہوں نے شاید ڈارون اور اس کے نظریوں کو کبھی سنا بھی نہ ہو لیکن ان کی منطق کا دارومدار صرف اور صر ف ڈارون کے فلسفے کے اطراف ہی گھومتا ہے- ان کے عمل اور ڈارون کے نظریئے کے بیچ مطابقت ان نعروں کے ذریعے نظر آتی ہے- "دنیا میں صرف طاقتور ہی زندہ رہ سکتے ہیں-"، "بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھاجاتی ہیں-"، "جنگ ایک وصف ہے"، "انسان جنگ سے ترقی کرتا ہے-" اگر ان سب نعروں سے ڈارون کے نظریئے کے اثرات ہٹادیئے جائیں تو ان میں کچھ نہیں بچتا-بلکہ اگر دیکھا جائے تو ان نعروں سے ڈارون کے اثرات نکال دینے کے بعد ان میں لڑائی کا ہی کوئی فلسفہ نہیں بچتا- دنیا کے تین سب سے بڑے مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت تشدد کے سخت خلاف ہیں- یہ مذاہب دنیا میں امن اور نظام لانے کی سعی کرتے ہیں اور مظلوموں کے ناحق قتل اور ظلم کے خلاف ہیں- جنگ، دہشت گردی اور تشدد اللہ کے بنائے ہوئے نظام سے مکمل اختلاف کرتے ہیں- یہ غیر طبعی اور غیر ضروری تصورات ہیں- لیکن ڈارون کی منطق ان کو قدرتی، حق بجانب اور دوست تصورات کی طرح پیش کرتی ہے- اسی وجہ سے جو لوگ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی آڑ لے کر مذہب کے نام پر دہشت گردی میں ملوث ہیں وہ لوگ مسلمان، عیسائی یا یہودی ہو ہی نہیں سکتے- یہ لوگ صرف کٹر ڈارون کے پیروکار ہیں جو کہ مذہب کے لبادے میں چھپے وہ منافق ہیں جن کے عمل اور دین کے احکامات میں کوئی مطابقت نہیں ہے-

یہی لوگ مذہبوں کے اصل دشمن ہیں جو کہ وہی سب کام کرتے ہیں جن کی مذہب میں سختی سے ممانعت ہے اور اس طرح وہ مذہب کو بدنام کرتے ہیں- اس لئے دہشت گردی جو کہ دنیا میں طاعون کی طرح پھیلتی جارہی ہے اس کی جڑ دہریت اور دورِ حاضر میں دہریت کا مفہوم نظریۂ ڈارون اور مادّیت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

ہٹلر ان خیالات کے ساتھ منظرعام پر ابھرا اور دنیا کو ایک ناقابل یقین ظلم کی کہانی سنائی- لاتعداد سیاسی اور نسلی گروہ، خاص طور پر یہودی، نازی قیدیوں کے مرکزوں میں اس عظیم بربریت اور ظلمکا نشانہ بنے-

دوسری عالمی جنگ کی ابتداءنازی حملوں سے ہوئی اور اس میں مرنے والوں کی تعداد **۵۵** لاکھ تھی- دنیا کی تاریخ کے اس سب سے افسوس ناک واقعے کے پیچھے صرف اور صرف ڈارون کا نظریہ اور بقاءکی جنگ کا اصول تھا-

نظریہ ڈارون اور اشتراکیت: ایک خونی اتحاد

فسطائیت پسندوں کو نظریہ ڈارون کا قدامت پرست طبقہ کہا جاسکتا ہے اور اشتراکی اس نظریہ کا انتہا پسند پہلو ہیں- اشتراکی دراصل نظریۂ ڈارون کے سب سے شدید حمایتی رہے ہیں- اشتراکیت اور نظریۂ ڈارون کے مابین اس اٹوٹ رشتے کی بنیاد ان دونوں نظریوں کے بانیوں نے رکھی- اشتراکیت کے بانیوں مارکس اور اینگلز نے ڈارون کی کتاب' 'اوریجن آف اسپیسےز" اس کے چھپتے ہی پڑھی اور وہ اس کتاب کی جدلیاتی مادہ پرست رجحان سے بے حد متاثر ہوئے- مارکس اور اینگلز کے درمیان خط و کتابت اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ڈارون کے نظریئے میں قدرتی تاریخ میں اشتراکیت کا پہلو ڈھونڈ لیا تھا- ڈارون کی کتاب سے متاثر ہوکر لکھی گئی اینگلز نے اپنی کتاب "قدرت پر مباحثہ" میں ڈارون کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور ایک باب میں خاص طور پر ڈارون کے نظریے پر اپنے خیالات کا اضافہ کیا- اس باب کا عنوان تھا "گوریلا سے آدمی بننے میں مزدور کشوں کا کردار"

مارکس اور اینگلز کے ہم نوا روسی اشتراکی مثلاً پلیخانوو، لینن، ٹراٹسکی اور اسٹالن بھی ڈارون کے نظریۂ ارتقاءکے حمایتی تھے- پلیخانوو جو کہ روسی اشتراکیت کا بانی ہے وہ اشترایت کو نظریۂ ڈارون کو سماج کا سائنسی پہلو کہتا ہے-"[٦] ٹراٹسکی کہتا ہے "ڈارون کی دریافت مربوط مادے پر سب سے شاندار مباحثہ ہے-"[٧]

ڈارون کے نظریئے اور اس سے متعلق تعلیم نے اشتراکی نظام قائم کرنے میں اہم کردار اد اکیا ہے- **مثال کے طور پر تاریخ دانوں کے حساب سے اسٹالن اپنی نوجوانی میں مذہبی رجحان رکھتا تھا لیکن ڈارون کی کتابوں اور منطق کے زیر اثر آکر وہ دہریہ ہوگیا-[٨]**

ماؤ نے چین میں اشتراکی نظام قائم کیا جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگ موت کے گھاٹ اترگئے- ماؤ صاف صاف اس بات کا اعتراف کرتا تھا کہ چینی اشتراکیت کی بنیاد ڈارون اور نظریۂ ارتقاءہے-[٩]

اللہ نے بے ایمانی، بداخلاقی، بغاوت، ظلم، تشدد، قتل اور غارت گری کی سختی سے ممانعت کی ہے- جو لوگ ان کاموں میں ملوث ہیں اللہ نے ان کو شیطان کے قدموں پر چلنے سے تشبیہ دی ہے اور ان کو گناہگاروں کا درجہ دیا ہے- سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۵۲ میں آیا ہے-

اور وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اللہ سے کئے ہوئے عہد کو بعد اس کو پختہ کرلینے کے اور قطع کرتے ہیں ان (رشتوں) کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کے ملانے کا اور فساد مچاتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں کہ ہے ان پر لعنت اور ان کے لئے ہے برا گھر (سورۃ الرعد، آیت ۵۲)

سورۃ قصص کی آیت نمبر ۷۷ میں آیا ہے:

اور طلب کر اس میں سے جو دے رکھا ہے تجھے اللہ نے، گھر آخرت کا اور نہ فراموش کر اپنا حصہ-

ان تمام آیات سے اللہ تعالیٰ کی دہشت گردوں اور ظالموں کے لئے سخت ناپسندیدگی واضح ہے- مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا سے بدی کو دور کریں اور دوسرے لوگوں کو نیکی اور فلاح کی طرف آنے کی تلقین کریں- اسلام رواداری اور آزادیٔ اظہار کی مکمل حمایت کرتا ہے- قرآن میں لڑائی، منفی خیالات، گالی گلوچ اور بدزبانی کے خلاف واضح احکامات ہیں -جس طرح سے اسلام دہشت گردی اور تشدد کے خلاف ہے اسی طرح سے اس نے لوگوں کے اوپر نظریاتی اور فکریاتی دباؤ ڈالنے سے بھی سختی سے منع کیا ہے- اسلام میں کوئی زبردستی نہیں ہے- فلاح کا راستہ اور طریقہ بدی سے صاف طور پر الگ کردیا گیا ہے- جو کوئی جھوٹے خداؤں کو رد کرکے اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لے اللہ نے اس کے لئے فلاح اور تحفظ کا وعدہ کیا ہے- بے شک اللہ سب سننے، سب سمجھنے والا ہے-

نہیں کوئی زبردستی دین کے معاملہ میں بیشک صاف صاف طور پر الگ ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے سو جس نے انکار کیا طاغوت کا اور ایمان لایا اللہ پر تو یقینا اس نے تھام لیا ایک ایسا مضبوط سہارا جو کبھی ٹوٹنے

والا نہیں- اور اللہ سب کچھ سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے سورۃ بقرہ آیت نمب ۶۵۲

نہیں ہو تم ان پر کوئی جبر کرنے والے سورۃ غاشیہ آیت نمبر ۲۲

لوگوں کے اوپر مذہبی معاملات میں زبردستی اور احکامات کو ماننے کا دباؤ اسلام کی رو سے منفی ہے- اسلام کے نزدیک سچا ایمان صرف مرضی اور ایک صاف ضمیر کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے- مسلمانوں کا اہم فریضہ دوسرے لوگوں کو کسی قسم کے بھی ذاتی اور ذہنی دباؤ اور دھمکی کے بغیر اسلام کی دعوت دینا ہے- اس دعوت میں دباؤ کے علاوہ کسی دنیاوی لالچ کا بھی دخل نہیں ہوسکتا-

قرآن اور اسلام کے اس بتائے گئے ضابطۂ حیات کے برعکس معاشرے کا اگر تجزیہ کیا جائے توعموماً ایک ایسا نظام سامنے آتا ہے جس میں لوگوں پر مذہب اور دین کے معاملوں میں جبر کیا جاتا ہے- یہ معاشرہ اسلامی معاشرے کے برعکس ہے کیونکہ اسلام میں عبادت صرف اسی وقت قابل قبول ہے جب یہ خوشنودی اور رضا سے کی جائے- اگر کوئی معاشرتی نظام عبادت اور عقیدے کے معاملے میں جابر ہو تو وہ عبادت اور عقیدے ڈر اور خوف کے تحت پیدا ہوں گے- مذہب کے نقطۂ نظر سے عبادت صرف خدا کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اس کے بندوں کی اور یہ خوشنودی صرف اس وقت ممکن ہے جب یہ عبادت جبر سے عاری ہو-

اللہ تعالیٰ نے بے گناہ اور معصوم کے قتل کو گناہ کبیرہ قراردیا ہے

قرآنی تعلیمات کے مطابق گناہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ایسے شخص کا قتل ہے جس کا کوئی قصور نہ ہو- سورۃ الماعدہ میں آیا ہے-

اسی وجہ سے فرض کردیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا فساد مچایا ہو زمین میں تو گویا اس نے قتل کر ڈالا سب انسانوں کو اور جس نے زندگی بخشی ایک انسان کو تو گویا اس نے زندہ کیا سب انسانوں کو- اور بے شک آچکے ہیں ان کے پاس ہمارے رسول واضح احکام لے کر پھر بھی یقینا بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرتے ہیں- ۲۲

سورۃ فرقان میں بھی آیا ہے

اور وہ لوگ جو نہیں شریک کرتے پکارنے میں اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس جان کو جسے حرام کردیا ہے اللہ نے مگر جائز طریقے سے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی کرے گا ایسا تو وہ

اسلام دہشت گردی کی وجہ نہیں بلکہ اس کا حل ہے

بہت سے لوگ جو اپنے کاموں کو مذہب کا نام دیتے ہیں وہ دراصل نہ تو مذہب کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور نہ اس کے احکامات پر صحیح طور پر عمل پیرا ہوتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کے بیانات پر یقین کرتے ہوئے کسی بھی مذہب کے بارے میں رائے قائم کرنا غیر مناسب ہے- مذہب کو سمجھنے کا سب سے صحیح طریقہ اس کی اصل کتابوں اور احکامات کامطالعہ کرنا ہے- اسلام کا اصل سرچشمہ قرآن ہے- قرآن میں علم الاخلاق اور مسلمانوں کے بارے میں مغربی ممالک کے عام تاثر میں زمین اور آسمان کا فرق ہے- قرآن کی اخلاقی اقدار حسن عمل، محبت، رحم، عاجزی، قربانی، صبر و ضبط اور امن پر مبنی ہیں- قرآن کے احکامات پر عمل پیرا ایک شخص انہیں سب اقدارات کا مجسم ہوگا- وہ خو دبھی امن پسند ہوگا اور اپنے اطراف بھی محبت، عزت، امن، نظم اور سکون پھیلانے کے لئے کوشاں رہے گا-

لفظ اسلام عربی زبان میں امن کو کہتے ہیں- اللہ تعالیٰ نے اس مذہب کے ذریعے ایک مکمل اور پر سکون نظامِ حیات انسانیت کے لئے تشکیل کردیا ہے جس سے لوگ نہ صرف زمین پر ایک دوسرے کے ساتھ امن اور محبت کے ساتھ رہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرکے آخرت میں بھی فلاح پائیں- قرآن کے ذریعے اللہ کے احکامات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ رحم دلی اور محبت کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے- سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۸۰۲ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے فرماتے ہیں:

µاے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں پرنہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے-

اس آیت میں واضح ارشاد ہے کہ تحفظ صرف اسلام کے دائرے میں داخل ہونے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے- اس سے مراد قرآن کے تحت زندگی گزارنا ہے- اللہ تعالیٰ نے ظلم اور شرپسندی کی مذمت کی ہے اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بدی سے دور رہیں-

اللہ تعالیٰ لوگوں کو امن اور تحفظ کی طرف بلاتا ہے جبکہ بے دین فلسفے لڑائی اور خوف و ہراس کو ہوادیتے ہیں-

پائے گا بدلہ اپنے گناہوں کا ۸۶

جو لوگ ہے گناہوں کے قتل میں ملوث ہیں ان کو سخت عذاب کی نوید ہے- اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک انسان کا قتل پوری انسان کے قتل کے برابر ہے -جو شخص قرآن اور اللہ کی بتائی ہوئی حدود کا لحاظ اور خوف کرتا ہو وہ ایک شخص کو بھی نقصان نہیں پہنچاسکتا- ہزاروں کا قتل تو بہت دور کی بات ہے- جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا میں انصاف اور سزا سے بچ جائیں گے وہ غفلت میں ہیں کیونکہ ان کو بالآخر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے- ایمان والوں کو اندازہ ہے کہ وہ اللہ کے سامنے ہر بات کے لئے جواب دہ ہوں گے اور اسی لئے وہ ہر ایسی حرکت سے بچتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے انصاف کی پکڑ میں لے آئے-

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو رحم اور نرم دلی کا حکم دیا ہے

اسلام میں اخلاقیات کا اندازہ سورۃ بلد کی اس آیت سے ہوتا ہے-

پھر ہو بھی یہ (کھلانے والا) ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور نصیحت کرتے رہے ایک دوسرے کو صبر و استقامت کی اور وصیت کرتے رہے ایک دوسرے کو رحم کی سورۃ بلد آیات نمبر ۷۱

یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے سورۃ بلد آیات نمبر ۸۱

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی گئی اخلاقی اقدار میں ایک دوسرے کو رحم دلی کی تلقین کرنا بھی شامل ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کے رحم اور تحفظ کا حقداراور جنت میں جگہ پاسکتا ہے-

قرآن نے اسلام کو ایک ترقی یافتہ، روشن خیال اور سماجی اصلاح کی طرف مائل مذہب کہا ہے- مسلمان ایک امن پسند باشندہ ہے جس کے اندر جمہوریت، روشن خیالی، دیانت اری، اور سائنس اور فنون لطیفہ کی حس پائی جاتی ہے- جس مسلمان کے اندر قرآن کے اخلاقی احکامات کا پاس ہو وہ ہر دوسرے انسان کو اسی محبت اور اخلاق سے برتتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ اور قرآن کا حق ہے- وہ ہر دوسرے خیال کی عزت اور جمالیات کی قدر کرتا ہے- کسی بھی انتشار کی صورت میں وہ مصالحت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے اور سماجی ہلچل یا فشار کی صورت میں معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے- جس سماج کے افراد ان اصولوں پر کاربند ہوں گے وہ ایک ترقی یافتہ تہذیب ہوگی جس کی سماجی اخلاقیات مضبوط ہوں گی -اس معاشرے میں زیادہ سکون، خوشی، تحفظ اور برکت ہوگی- اگر غیر جانبدارانہ طور سے دیکھا جائے تو یہ تمام قدریں آج کے دور کی بڑی بڑی نام نہاد ترقی یافتہ ترین اقوام میں بھی ناپید ہیں-

اللہ تعالیٰ نے برداشت اور درگزر کا حکم دیا ہے

قرآن میں درگزر اور برداشت کا تصور سورۃ اعراف کی اس آیت سے واضح ہے

اختیار کرو طریقہ درگزر کا اور تلقین کرو نیک کام کی اور نہ الجھو جاہلوں سے ۹۹۱

یہ تصور اسلام کے اہم ترین بنیادی تصورات میں سے ایک ہے- اسلام کی تاریخ کا اگر معائنہ کیا جائے تو مسلمانوں کا اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی زندہ مثالیں جابجا ملتی ہیں جس کے ذریعے وہ معاشرے محفوظ ترین اور اخلاقیات سے بھرپور تھے- مسلمانوں نے ہمیشہ آزادی اور درگزر کی فضا قائم کی ہے اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدار کا خاتمہ کیا ہے- مسلمانوں نے مختلف مذاہب، زبانوں اور تہذیبات کے لوگوں کو ایک ساتھ مل جل کر ایک چھت کے نیچے امن اور نظم کے ساتھ رہنے کے طریقے سکھائے-

سلطنت عثمانیہ کا صدیوں تک قائم رہنا اسی رواداری، درگزر اور باہمی اتفاق کا نتیجہ تھا جو اسلام اپنے ساتھ اس علاقے میں لے کر آیا تھا- مسلمان اپنی درگزر اور محبت کی خصوصیات کی وجہ سے صدیوں سے سب سے زیادہ رحم دل اور انصاف پسند گروہ کی حیثیت سے مشہور ہیں- کئی مختلف تہذیبوں کے ایک ملک میں موجود ہونے کے باوجود مسلمانوں کی حکومت میں تمام گروہوں کو مذہب اور خیالات کی آزادی حاصل تھی-

اصل برداشت اور درگزر صرف اس وقت دنیا میں فلاح اور امن لاسکتے ہیں جب ان پر قرآن کے احکامات کے دائرے میں عمل کیا جائے-

اختتام

ان تمام باتوں سے ثابت ہے کہ اسلام کی سکھائی ہوئی اخلاقیات انسانیت کوامن، نظم اور انصاف کے نزدیک کرتی ہیں- دنیا کو آج کل جس بربریت نے جکڑ رکھا ہے اور جس کو دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے وہ بے عقل، بے دین اور عقل سے بے بہرہ ان لوگوں کا کام ہے جن کا قران کی تعلیمات سے یا کسی بھی مذہب سے کوئی لین دین نہیں ہے- ان لوگوں کی بے عقلی اور جاہلیت کا واحد حل ان کے دلوں کو قرآنی اخلاقیات کی تعلیم سے منور کر ناہے ورنہ یہ لو گ ا سی طرح مذہب کے لبادے میں مذہب اور مسلمانوں کو بدنام کرتے رہیں گے- اسلام اور قرآنی تعلیم دہشت گردی کا علاج اور حل ہیں، اس کے حامی نہیں-

اور اس میں موجود ہر جاندار اور انسان کو پیدا کیاہے- اس کتاب کا مقصد اس حقیقت کو لوگوں تک پہنچانا ہے- اس کتاب کی پہلی اشاعت ترکی میں ہوئی اور اس کے بعد سے کئی ممالک میں لاکھوں لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا اور سراہا ہے- ترکی زبان کے علاوہ یہ کتاب انگریزی، جرمن، اتالوی، ہسپانوی، روسی، چینی، لوسنین، عربی، آلبینین اردو، ملائے اور انڈونیشین زبانوں میں مترجم ہوچکی ہے- اس کتاب کو انٹرنیٹ کے اس پتے سے مفت پرنٹ کیا جاسکتا ہے: www.evolutiondeceit.com کتاب ارتقائی دھوکے کے مخالف نظریات رکھنے والے افراد بھی معترف ہیں-

اس کے مصنف ہارون یحییٰ نیوسائنٹسٹ رسالے کے مضمون برننگ ڈارون، یا ڈارون کاجل جانا کا موضوع تھے- اس مشہور رسالے کی ۲۲ اپریل ۲۰۰۰ کی اشاعت نے ہارون یحییٰ کو ایک عالمی ہیرو کا خطاب دیتے ہوئے اس بات پر پریشانی کا اظہار کیا کہ ان کی کتابیں اسلامی دنیا کے ہر کونے میں پھیل گئی ہیں- سائنسی دائروں کے مشہور جریدے سائنس نے ہارون یحییٰ کی کتابوں کے نمایاں اثرات اور تصنع کو خاص طور پر سراہا ہے- اس جریدے کے ۱۸ مئی ۲۰۰۱ کے مضمون یورپ اور ایشیاءکے ملاپ پر تخلیق کی جڑ، کے مطابق ترکی میں ہارون یحیٰی کی کچھ کتابیں مثلاً ' ارتقائی دھوکہ اور نظریۂ ڈارون کاسیاہ چہرہ' ملک کے کچھ حصوں میں نصابی کتابوں سے زیادہ مقبول ہوگئی ہیں- اس مضمون کا مصنف مزید یہ بھی کہتا ہے کہ ہارون یحییٰ کی کتابوں نے شمالی امریکہ سے باہر دنیا کی مضبوط ترین خلافِ ارتقاءتحریکوں کی بنیاد ڈالی ہے-اگرچہ یہ تمام سائنسی جریدے ارتقائی دھوکے کے اثرات کے معترف ہیں لیکن پھر بھی یہ ان کتابوں میں موجود بحث کا کوئی سائنسی جواب دینے سے قاصر ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کےلئے ایسا کرنا ممکن ہی نہیں- نظریۂ ارتقاءایک مکمل تعطل کا شکار ہے اور اس کا ثبوت اس کتاب میں واضح طور پر پیش کیا گیا ہے- پڑھنے والے خود اندازہ کرلیں گے کہ نظریۂ ڈارون ایک سائنسی نظریہ نہیں بلکہ ایک ایسا نیم سائنسی عقیدہ ہے جو کہ اختلافی تردید اور کھلی تردید کے باوجود فقط مادیت کے سہارے کھڑا ہے- ہماری امید ہے کہ یہ کتاب لمبے عرصے تک ان تمام مادیت پسند نظریۂ ڈارون کے عقیدوں کی تردید کا کام انجام دیتی رہے گی جو کہ انیسویں صدی سے اب تک انسانیت کو گمراہ کررہے ہیں-ان عقیدوں کی تردید کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کو ان کے خالق کی پہچان کروانے کے علاوہ اس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی اہم ذمہ داری بھی باور کروائے گی-

دانشورانہ نقشہ یا تخلیق

یہاں پر یہ ضروری ہے کہ لفظ 'نقشے' کا مفہوم صحیح طریقے سے سمجھا جائے- اگر اللہ نے ایک بے عیب نقشہ بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے پہلے ایک نقشہ بنایا اور پھر اس کے حساب سے تخلیق کی- اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کا خالق ہے اور تخلیق کرنے کے لئے وہ کسی نقشے کا محتاج نہیں- اللہ تعالیٰ کسی بھی ایسے نقص یا قلت سے برتر ہے- اس کا نقشہ 'ارادہ اور تخلیق کا فیصلہ ایک ہی لمحے کا کام ہے- اللہ تعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'کن' اور وہ چیز ہوجاتی ہے- سورۃ یاسین کی آیت نمبر ۲۸ میں آیا ہے

بس اس کی شان تو یہ ہے کہ جب ارادہ کرتا ہے وہ کسی چیز کا تو حکم دیتا ہے اسے کہ "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے ۲۸

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۷ میں آیا ہے

نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتی ہے-

تعارف

نظریۂ ارتقاءکیوں؟

کچھ لوگوں کےلئے نظریۂ ارتقاءیا نظریۂ ڈارون کا مفہوم صرف سائنسی ہے جس سے ان کی زندگی پرکوئی خاص یا براہِ راست اثر نہیں پڑتا۔ یہ ایک عام غلط فہمی ہے۔ نظریۂ ارتقاءصرف ایک حیاتیاتی سائنس کے دائرے میں رہنے والا مسئلہ نہیں بلکہ مادّیت جیسے پر دھوکہ فلسفہ کی بنیاد ہے جو لاکھوں لوگوں کے دلوں پر حکومت کررہا ہے۔ مادیت فلسفہ صرف مادے کو پہچانتا ہے اور انسانی وجود کو صرف مادے کا ڈھیر تصور کرتا ہے۔ اس فلسفے کے حساب سے انسان ایک جانور سے بڑھ کر اور کچھ نہیں جس کے زندہ رہنے کا واحد طریقہ جنگ یا تنازع ہے۔ مادّیت کو اگرچہ ایک ترقی یافتہ سائنسی فلسفے کے طور پر فروغ دیا گیا ہے لیکن دراصل مادیت ایک قدیم اور غیر سائنسی عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی تخلیق قدیم یونان میں ہوئی تھی اور اس کو اٹھارویں صدی کے دہریہ فلسفہ دانوں نے بازیافت کیا۔ یہ عقیدہ انیسویں صدی میں کئی سائنسی شاخوں میں کارل مارکس، چارلس ارون اور سگمنڈفرائڈ جسے مفکروں نے داخل کردیا۔ لیکن یہ داخلہ ہرگز انسانی فلاح کے لئے نہیں تھا بلکہ ان مفکروں کے اپنے خیالات کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ سائنس کو مسخ کرکے مادّیت کے لئے جگہ بنائی گئی تھی۔

پچھلی دو صدیاں مادّیت کے ہاتھوں ایک خونی اکھاڑہ بنی رہیں ہےں۔ مادّیت پر مبنی عقیدوں نے دنیا بھر میں سر اٹھانا شروع کردیا۔ ان میں مسابقتی نوعیت کے وہ عقیدے بھی تھے جو کہ بظاہر تو مادّیت کے مقابلے پر تھے لےکن جن کے بنیادی اصول مادّیت پر ہی مبنی تھے۔ ان عقیدوں کے ہاتھوں دنیا نے عظیم جنگوں، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا سامنا کیا۔ لوگوں کی سوچ مادّیت کے نعرے ' زندگی ایک جدوجہد ہے' سے گمراہ ہوچکی تھی جس کے نتیجے میں لوگوں نے اپنی زندگی کو ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ کشمکش کی صورت میں جانچنا شروع کردیا اور نتیجتاً دنیا میں ایک طرح کا جنگل کا قانون رائج ہوگیا۔ اس فلسفے کے اثرت پچھلی دو صدیوں مےں انسانی تخلیق کردہ تباہیوں اور ان کے پیچھے عقیدوں میں با آسانی تلاش کئے جاسکتے ہیں ۔اس تباہی میں دورِ حاضر کے وہ تمام دہشت گرد شامل ہیں جو کہ مذہب کی آڑ لے کر انسانیت کے خلاف سب سے سنگین جرم اور ظلم معصوم اور بے گناہ لوگوں کے قتل کے مرکتب ہوئے ہیں۔

نظریۂ ارتقاءیا نظریۂ ڈارون اس موقع پر اس پہیلی کو حل کرنے میں کام آتا ہے کیونکہ اس نظریے کے مطابق مادیت ایک سائنسی خیال ہے۔ اسی لئے اشتراکیت اور جدلیاتی مادیت کے بانی کارل مارکس نے اپنے عالمی جائزے کے لئے لکھا ہے کہ نظریۂ ڈارون قدرتی تاریخ کی بنیاد ہے۔ لیکن یہ بنےاد درحقیقت ایک گلی سڑی بنیاد ہے کیونکہ جدید سائنسی دریافت اور تحقیقات نے بارہا ثابت کردیا ہے کہ ڈارون کے نظریے اور سائنس کے مابین یہ مقبول تعلق سراسر جھوٹ ہے۔

سائنسی تحقیق نظریۂ ڈارون کو تفصیلاً غلط ثابت کرتی ہے اور بار بار اس حقیقت کو باور کراتی ہے کہ جانداروں کا وجود تدریجی ترقی سے نہیں بلکہ تخلیق کے عمل سے واقع ہواہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات

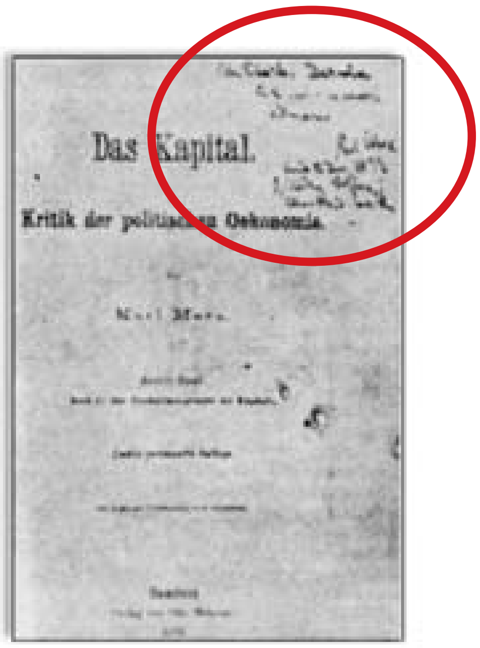

کارل مارکس نے اس بات کو واضح کردیا کہ نظریۂ ڈارون مادہ پرستی اور اشتراکیت کی ٹھوس بنیاد ہے۔ ڈارون سے اپنی ہمدردی کے اظہار کے طور پر اس نے اپنی سب سے اہم تصنیف تصور کی جانے والی کتاب "ڈاسکیپیٹا" کو بھی ڈارون کے نام وقف کردیا۔ کتاب کی جرمن اشاعت میں اس نے لکھا ہے۔ "ایک وفادار مداح کی طرف سے چارلس ڈارون کے لئے"

شامل ہونا ان کی عزت کو گھٹادیتا ہے جوکہ ایک بچکانہ ضد کی طرح ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں جو ان کی رام کہانیوں پر یقین کرنے سے انکار کرتے ہیں اور الٹا ان ہی لوگوں پر غیر سائنسی اور متعصب ہونے کا الزام لگاتے ہیں- ایسے ہٹ دھرم لوگوں کے درمیان اور ان کٹر، شدت پسند اور جاہل قرونِ وسطیٰ ذہنیت رکھنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے جو اپنے دور میں لوگوں کو صرف اس لئے سزا کا مستحق ٹھہراتے تھے کیونکہ وہ اس بات پر یقین کرنے سے انکار کرتے تھے کہ دنیا چپٹی ہے- مزید افسوس کی بات تو یہ ہے کہ نظریۂ ارتقاءپر یقین رکھنے والے لاتعداد لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اﷲ پر یقین کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان لوگوں کے نزدیک ' اﷲ نے تمام زندگی تخلیق کی ہے' ایک غیر سائنسی فقرہ ہے اور اس کے برعکس وہ اس بات پر زیادہ آسانی سے یقین کرلیتے ہیں کہ جاندار نسلیں ہوش و حواس سے بیگانہ ایک ایسے طریقے کار سے وجود میں آئیں جوکہ کروڑوں اندھے اتفاقات کا مرکز ہے- یہ دوسری صورتحال ان کے نزدیک زیادہ سائنسی اور جدید ہے-اگر انہی لوگوں کے سامنے ایک لکڑی کا بت رکھ دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ اس بت نے کمرے میں موجود ہر چیز کو تخلیق کیا ہے تو وہ اس بات کو صریحاً فضول قراردیتے ہوئے اس پر یقین کرنے سے مطلق انکار کردیں گے -لیکن افسوس کہ یہ لوگ اس دعوے کو ایک زبردست سائنسی جواز سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کروڑوں جاندار نسلیں جو کہ شاندار اور غیر معمولی نقشوں کا نشان دیتی ہیں وہ دراصل اتفاق جیسے بے شعور عمل کا نتیجہ ہیں-

یہ لوگ اتفاق کو خد اکا درجہ دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ایک ہوشمند ' باشعور اور اتنا طاقتور واقعہ ہے کہ یہ کائنات کے نازک توازن اور اس میں موجود ہر جاندار کو وجود میں لانے کا اہل ہے- جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ دراصل اﷲ نے اپنی وسعت ِعلم و فراست، طاقت اور مرضی سے تمام کائنات اور اس میں موجود جانداروں کو پیدا کیا ہے تو یہ ارتقائی پروفیسران اس حقیقت کو ماننے سے صاف انکار کردیتے ہیں اور اس بات پر مصر رہتے ہیں کہ بے شعور، بے عقل اور بے جان اتفاقات ہی اس کائنات اور جانداروں کے پیچھے تخلیقی طاقت ہیں- ان پڑھے لکھے ، ہوشمند اور عقلمند لوگوں کا اس طرح کے غیر منطقی دعوے کرنا ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے- جس طرح ایک خلیہ سے پیدا ہوا جاندار اﷲ کا معجزہ ہے اسی طرح ان لوگوں کا اس معجزے سے ہٹ دھرم انحراف بھی ایک طرح کا معجزہ ہی ہے- اﷲ تعالیٰ کی شان ہے کہ جس بات کو چھوٹے چھوٹے بچے بھی درست ماننے سے انکار کردیں اور مذاق میں اڑادیں اس کو ارتقائی پیروکار ایک دین اور خدائی کا درجہ دینے پر مصر ہیں-یہ کتاب اس معجزے سے پردے اٹھانے کی کاوش ہے-یہ نظریۂ ارتقاءکو اس کی اصلیت میں پیش کرتی ہے اور وہ اصلیت یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کی رو میں یہ نظریۂ مکمل طور پر زمین بوس ہوچکا ہے- نظریۂ ڈارون ایک عظیم دھوکہ ہے جو کہ کسی بھی قسم کی منطق اور جواز سے مطابقت نہیں رکھتا- یہ وہ نظریہ ہے جو اپنے تمام ہٹ دھرم حمایتیوں کو بے عزت کردیتا ہے-

پیش لفظ

ارتقائی دھوکے کا یقین :
ہمارے دور کا افسوسناک معجزہ

زمین پر رہنے والی لاکھوں جاندار نسلیں معجزاتی اوصاف، بے نظیر عادات اور بے عیب طبعیاتی ساخت کی حامل ہیں- ہر نسل اپنی مخصوص تفصیلا ت اور خوبصورتی کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے- نباتات، حیوانات اور سب سے بڑھ کر انسان ایک زبردست تخلیق کار کے فن کا منہ بولتا ثبوت ہےں- ہر عضو اور خلیہ بہترین اور مکمل ہے- دورِ حاضر میں سائنس کی کئی شاخیں اور لاکھوں سائنسدان جانداروں کی ایک ایک تفصیل کا معائنہ کررہے ہیں اور ان معجزات کے وجود میں آنے کا جواب دینے کی کوشش کررہے ہیں- کئی سائنسدان جانداروں کی تخلیق سے متعلق معجزات پر تحقیق سے سخت حیرانی کا شکار ہیں- خاص طور پر جب وہ اس تمام تخلیق کے پیچھے اس لامحدود دانشمندی اور فہم و فراست کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں جس نے یہ سب معجزات مکمل بنائے- دوسرے بہت سے سائنسدان ایسے بھی ہیں جو ان تمام معجزات کو اتفاق کانام دیتے ہیں- یہ سائنسدان نظریۂ ارتقاءپر اندھا یقین رکھنے والے لوگ ہیں جن کے نزدیک جانداروں میں موجود اعضائ، خلیئے اور نامیات اتفاقاً وجود میں آگئے- یہ ایک حیران کن بات ہے کہ جو لوگ سالوں تک سائنسی تحقیقات کے مختلف شعبوں میں کام کرتے رہے اور جنہوں نے صرف ایک خلیئے کی معجزاتی اوصاف کے بارے میں لمبی لمبی کتابیں لکھیں جو کہ بغیر خوردبین کے آنکھ کو نظر بھی نہیں آسکتا وہ یہ سوچتے ہوں کہ جاندار نسلوں جیسے زبردست اور غیر معمولی فن پارے محض اتفاق کا نتیجہ ہیں-

وہ اتفاق کی کڑیاں جن کے اوپر یہ ممتاز پروفیسران یقین رکھتے ہیں اسقدر غیر منطقی دلیلیں ہیں کہ جن کو سن کر دوسرے لوگ حیرت کا شکار ہوجاتے ہیں- ان پروفیسران کا کہنا ہے کہ پہلے کچھ سادہ کیمیائی اجزاءکے ملنے سے نامیات وجود میں آئے- یہ بات اسی طرح ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ الفاظ خود بہ خود کہیں سے جمع ہوکر ایک نظم کی شکل اختیار کرگئے- پھر پے در پے دوسرے اتفاقات سے دوسرے نامیات وجود میں آئے- یہ تمام نامیات اس طرح منظم طریقے سے ملتے گئے کہ انہوں نے کروموسوم، رائیبونیوکلیک ایسڈ، خامرہ، ہارمون اور خلیوں جیسی پیچیدہ اشکال اختےار کر لےں- ان پیچیدہ اشکال نے مزید اندھے اور معجزاتی اتفاقات کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے خلیئے کو تشکیل کردیا- یہ اندھا اتفاق یہاں پر نہیں رکا بلکہ یہ خلیئے پھر خود بہ خود ہی ضرب ہوتے ہوتے پہلے جاندار کی شکل اختیار کرگئے- اس ایک جاندار کی صرف ایک آنکھ کے وجو میں آنے کے لئے کروڑوں ناممکن واقعات کا پیش آنا لازمی تھا- ارتقاءپسندوں کے مطابق یہاں پر بھی اندھے اتفاقات کا پورا پورا ہاتھ ہے مثلاً اس ایک آنکھ کا سر کے چوکھٹے میں مناسب جگہ پر فٹ ہونا اور پھر کھوپڑی میں دو صحیح پیمائش کے سوراخوں کی موجودگی جس میں آنکھیں بہترین طریقے سماجائیں وغےرہ وغےرہ- ےہ تمام اندھے اتفاقات تھک سکتے ہیں لیکن پھر بھی وہ جانداروں سے متعلق کسی حوصلہ افزا وجوہات کو پیش نہیں کرسکتے-

اتفاقات صرف ان چیزوں کو بنانے میں پیش آسکتے ہیں جن کے بارے میں وہ جواب دہ ہوں- اتفاق کو کیسے پتہ تھا کہ دیکھنا، سننا، سونگھنا اور سانس لینا کیا ہوتا ہے جب کہ اس وقت زمین پر کوئی جاندار ان حرکات کے عملی ثبوت کے طور پر موجود ہی نہیں تھا؟لےکن اتفاق نے روئے زمین پر کسی جاندار کے نہ ہونے کے باوجودزندگی کے بارے میں مکمل علم اور دانشمندی کا بھرپور مظاہرہ کیا اور جانداروں کے متعلق ہر عمل اور قدم کو نہایت سوچ بچار کے بعد اٹھایا- یہ ساری دلیلیں اور جانداروں کے متعلق منظر کشی مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے- اس منظر کشی میں نامور اساتذہ، سائنسدانوں اور تحقیق کاروں کے ناموں کا

کرلینا چاہئے- ایسا نہ کرنے سے وہ اپنے آپ کو ایسے انسان ثابت کرتے ہیں جو کہ اپنے ذاتی فلسفے، عقیدے اور فکریات کو سائنس کے نام پر فروغ دے رہے ہیں- اصل سائنس کا ان کے نظریات سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا- جیسے جیسے یہ سائنسدان حقیقت کا سامنا کرتے ہیں ان کا غصہ، ضد اور متعصبات بڑھتے جاتے ہیں- ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ صرف اور صرف ان کا عقیدہ ہے جو کہ فقط ایک اندھا اور تہماتی عقیدہ ہے- اس عقیدے کو کسی اور لفظ میں بیان نہیں کیاجاسکتا کیونکہ اس کے ہاتھوں وہ اپنے ذہن کی ایک غیر منطقی دلیل پر جمے رہنے پر مصر ہیں حالانکہ سائنس اور سارے حقائق ان کو ہر طرح کے مضاد ثبوت پیش کرتے ہیں-

اندھی مادیت

جس اندھے عقیدے کا یہاں ذکر ہورہا ہے وہ مادّیت کا فلسفہ ہے جو کہ بحث کرتا ہے کہ مادہ ہمیشہ سے وجود میں رہا اور اس کے علاوہ کوئی اور حقیقت نہیں ہے- اس مادی فلسفے کی بنےاد نظرےۂ ارتقاءہے جس کی اندھی حماےت صرف مادےت کو تقویت دینے کے لئے کی جاتی ہے- بیسویں صدی کے آخر میں جب سائنس نے ارتقائی دعوؤں کو ناقص قراردے دیا تو ارتقاءپسندوں نے اس نظریئے کو بگاڑ کر ایسی صورتحال کی بنیاد ڈال دی جس سے لوگ ارتقاءکی طرف داری مادیت کو زندہ رکھنے کی خاطر کرنے لگیں- ترکی کے ایک نامور ارتقائی ماہرِ حیاتیات کی لکھی ہوئی کچھ باتیں ارتقاءسے متعلق غیر منظم فیصلوں اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والے حالات پر روشنی ڈالتی ہیں- یہ سائنسدان زندگی کے اہم ترین لحمیہ سائٹوکروم- سی کے اتفاقاً وجود میں آنے کے بارے میں ممکنہ توجیح پیش کرتا ہے-

"سائٹوکروم-سی کے سلسلے کا اتفاقاً وجود میں آجانے کا امکان صفر ہے- اگر زندگی کو کسی ایسے حیاتیاتی سلسلے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ سلسلہ پوری کائنات میں صرف ایک دفعہ ہی وجود میں آسکتا ہے- اس کی تخلیق میں کسی ایسے مابعدالطبعیاتی طاقت کا ہاتھ ہے جو کہ ہماری سمجھ سے بالا ترہے- چونکہ سائنس اس دوسری صورتحال کو قبول نہیں کرتی اس لئے ہمیں پہلے مفروضے کو منظور کرنا پڑتا ہے"-[۲]

اس سائنسدان کے نزدیک اس مفروضے کو منظور کرنا زیادہ مناسب ہے جس کے درست ہونے کے امکان صفر ہے بجائے اس کے کہ وہ تخلیق پر ایمان لائے ہوتے اپنے عقیدوں سے دست بردار ہو- سائنس کے اصولوں کے تحت اگر کسی صورتحال کے متعلق دو مخالف بیانات موجود ہوں جن میں ایک کا امکان صفر ہو تو پھر دوسرا مفروضہ ہی درست ہوتا ہے- لیکن ارتقاءپسندوں کی مادیت پرستی ان کو تخلیق کی حقیقت سے مکمل طور پر منکر رکھتی ہے- نہ صرف یہ سائنسدان خود تخلیق کو جھٹلاتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ لاکھوں لوگوں کو بھی گمراہی کے راستے پر لگائے رکھتے ہیں جبکہ ان کا عقیدہ واضح طور پر غیر منطقی اور غیر دانشمندانہ ہے- جو لوگ ان سائنسدانوں پر اعتماد کرتے ہیں وہ مادیت کے اس اسرار اور سحر انگیزی کی دھند میں داخل ہوکر اسی طرح کا بے توجہ اور بے اہمیتی کا رویہ اپنالیتے ہیں جس کی تلقین ان سائنسدانوں کی لکھی ہوئی کتابیں اور مضمون ان کو کرتے ہیں-

یہ اسی مادہ پرست نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے کہ سائنسی حلقوں کے بڑے بڑے نام دہریہ ہیں- جو لوگ اپنے آپ کو اس اسرار سے آزاد کرلیتے ہیں اور کھلے دماغ سے سوچتے ہیں وہ اپنے خالق کا اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے- امریکن ماہرِ حیاتیاتی کیمیا ڈاکٹر مائیکل بیہی کا نام تخلیق کی حقیقت کے حامیوں میں سرفہرست ہے- ڈاکٹر بےہی نے ان مادہ پرست سائنسدانوں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے-

"پچھلی چار صدیوں میں جدید حیاتیاتی کیمیا کی تحقیق کے ذریعے خلیوں کے تمام راز آشکار ہوچکے ہیں- لاکھوں لوگوں نے اپنی زندگیوں کے بہترین سال اس محنت طلب کام میں وقف کردیئے ہیں- لحمیاتی سطح پر زندگی کی تحقیق کا نتیجہ ایک زوردار ' تخلیق !'کے نعرے کی صورت میں موصول ہوا ہے- یہ نتیجہ اس قدر غیر مبہم اور اہم ہے کہ اس کو سائنس کی تاریخ کی سب سے زبردست کامیابی قرردیا جاسکتا ہے لیکن حیرت انگیز طور پر سائنسی حلقوں نے اس کامیابی کا جشن ایک غیر معمولی اور شرمندہ خاموشی سے منایا ہے- سائنسی حلقے اس حیران کن دریافت کو نویدگی سے کیوں نہیں پرھتے؟ اس عظیم نقشے کو شعور اور عقل و فہم سے کیوں جانچا جارہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اس موضوع کا ایک پہلو دانشمند نقشہ ہے وہیں اس کا دوسرا پہلو نتیجتاً اور لازماً خدا ہے-"[۳]

لاتعداد مضمون نوےسوں، ارتقاءسے متعلق ٹےوی پروگراموں میں آنے والوں اور کتابوں کے مصنف دہریہ ارتقائی سائنسدانوں کا یہی مسئلہ اور پریشانی ہے کہ ارتقاءکا انکار ان کو اﷲ کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور کردیتا ہے- ان کی تمام سائنسی تحقیق کا لب لباب اﷲ کی وحدانیت اور اس کی عظیم الشان تخلیقی فنکاری کے اعتراف کی صورت میں نکلتا ہے- لیکن یہ تمام سائنسدان ان مادی عقیدوں کی تعلیم کو جذب کرنے کی وجہ سے اسقدر بے حس اور اندھے ہوچکے ہیں کہ وہ اپنے انکار پر مستقل قائم ہیں کےونکہ جو لوگ اپنے تخلیق کار کے ثبوت اور شواہد کی نفی کرتے ہیں وہ بے حس ہوجاتے ہیں- یہ بے حسی ان کے اندر ایک جاہلانہ خود اعتمادی پیدا کردیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک مکمل خرافات کو ایک اخلاقی بلندی اور وصف تصور کرنے لگتے ہیں- اس کی ایک مثال نامور ارتقاءدان رچرڈ ڈاکنز کی یہ بات ہے جو اس نے عیسائیوں سے کہی کہ اگر بی بی مریم کا بت

پہلا باب

تعصب سے آزادی

دنےا مےں اکثر لوگ سائنسدانوں کی ہر بات کو حرف آخر کا درجہ دیتے ہیں- ان کو یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ سائنسدانوں کے بھی الگ فلسفے اور فکریاتی تعصب ہوسکتے ہیں- حقیقت تو یہ ہے کہ ارتقائی سائنسدان دراصل اپنے ذاتی فلسفے اور تعصبات عام لوگوں کے اوپر سائنس کے نام پر مسلط کرتے ہیں- مثلاً ان سائنسدانوں کو اچھی طرح سے پتہ ہے کہ ارتقائی حالات بدنظمی اور پریشانی کے علاوہ اور کچھ پیدا کرنے کے اہل نہیں ہیں لیکن پھر بھی وہ ضد کرتے ہیں کہ کائنات اور اس میں موجود جانداروں کا زبردست نظام، نقشہ اور منصوبہ محض اتفاق کا نتیجہ ہے- ارتقائی نوعیت کے ماہرِ حیاتیات کے لئے یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کہ کسی بھی جاندار کی بنیادی نامیاتی اکائیوں میں اس قدر حیران کن نظم ہے کہ ان کے محض اتفاق سے وجود میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- اس حقیقت کو جاننے کے باوجود یہ سائنسدان پھر بھی ٹھوس دعوے کرتا ہے کہ یہ نامیاتی اکائیاں زمین کے قدیم ماحولیاتی اثرات کے زیر اثر اتفاق سے کروڑوں سال پہلے وجود میں آئیں- یہ مزید کسی شک و شبہ کے یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اکائیاں پھر حیرت انگیز طور پر آپس میں باہمی تعلق کے ذریعے پہلے خلیئے میں تبدیل ہوگئیں- اپنے ان دعوؤں کی وہ ہٹ دھرمی اور اندھی ضد سے حمایت کرتا ہے- یہ ایک ارتقائی سائنسدان کی مثال ہے جوکہ حقیقت کو سمجھنے کے باوجود اپنے ذاتی فلسفے کو لوگوں پر مسلط کرتا ہے- سائنسدان چونکہ لوگوں پر ایک عقلمند فرقہ ہونے کا تاثر چھوڑتے ہیں اس لئے یہ سائنسدان اپنے پیشے کے اس تاثر کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں- اگر یہی سائنسدان سڑک پر تین ایک کے اوپر ایک رکھی ہوئی اینٹوں کو دیکھیں وہ کبھی بھی اس بات پر یقین نہیں کریں گے کہ یہ اینٹیں اتفاقاً اس طرح ہوگئیں- اس طرح کی کوئی بات کہنے والا پاگل قراردیا جائے گا- اسی لئے یہ صورتحال اور بھی مضحکہ خیز ہے کہ یہی لوگ جو عام حالات میں عام واقعات کے منطق کو تو سمجھ لیتے ہیں پر اپنے وجود کے متعلق ایسی ہی منطق کو سمجھنے سے صاف انکار کردیتے ہیں- یہ رویہ سائنسی ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ سائنس کا قانون ہر واقعہ کے دونوں پہلو پرکھنے پر زوردیتا ہے اس سے پہلے کہ کوئی حتمی نتیجہ اخذ کیا جائے- اگر ایک پہلو کا امکان ۱ فیصد ہو اور دوسرے کا امکان ۹۹ فیصد ہو تو پھر زیادہ امکان والا پہلو ہی نتیجہ قراردیا جاتا ہے-

اسی سائنسی بنےاد کو ذہن میں رکھتے ہوئے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں-

جانداروں کے وجود میں آنے سے متعلق دو نظریئے عام ہیں- پہلا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو ان کی بے عیب اور پےچےدہ ساخت کے ساتھ تخلےق کےا-دوسرا نظرےہ ےہ ہے کہ زندگی بے ترتےب اور بے شعور اتفاقات کا نتیجہ ہے -یہ دوسرا نظریہ ڈارون کے نظریئے یا نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے- اگر اکائیوں کی حیاتیات کا سائنسی تحقیق کی روشنی میں غیر جانبدارانہ معائنہ کیا جائے تو عقل اس بات کو تسلیم کرہی نہیں سکتی کہ جانداروں کے جسم کا واحد خلیہ اور اس خلیئے میں موجود لاکھوں نامیات کسی ایسے اتفاق کا نتیجہ ہوسکتے ہیں جس کا دعویٰ ارتقاءپسندوں کو ہے- آنے والے بابوں میں اس بات کا ممکنہ توجیحات کی شماریات کے ساتھ مزید معائنہ کیا جائے گا کہ ارتقائی نظریئے کا درست ہونے کا دراصل اےک فیصد امکان بھی نہیں ہے- اسی طرح پہلے والے نظریئے کے درست ہونے کا امکان ۱۰۰ فیصد ہوگیا کہ زندگی ایک باشعور اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تخلیق کی گئی ہے اور زندگی کا تخلیق کار اعلیٰ اور بہترین قوت، دانائی، حکمت اور علم کا حامل ہے- اس حقیقت کو ماننے کے لئے صرف ایمان کا ہونا ہی لازم نہیں بلکہ یہ حقیقت حکمت، منطق اور سائنسی رو سے بھی اپنے آپ کو منواتی ہے-

ان تمام حالات کے پیش نظر ارتقائی سائنسدانوں کو اصولاً اپنے غیر منطقی دعوؤں سے دست بردار ہوکر اصل حقیقت کو تسلیم

امریکہ کا ماہرِ لحمیاتی حیاتیات جاناتھن ویلز اس عمل کے دباؤ کا ذکر اپنی ۲۰۰۰ میں چھپنے والی کتاب "آئیکانز آف ایوولوشن" میں ان الفاظ میں کرتا ہے-

"کٹر ارتقاءپسند ثبوت کو تنگ نظری سے پرکھنے کی عادت ڈالتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنس پر عمل کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے- اس طریقہ کار کے مخالفوں کو غیر سائنسی قراردے دیا جاتا ہے- ان کے مضمون معیاری جریدے چھاپنے سے انکار کردیتے ہیں کیونکہ ان کے اداریے کٹر سوچ رکھنے والے ارتقاءپسند ہوتے ہیں- مخالف گروہ کے لوگوں کو حکومت بھی مالی امداد دینے سے انکار کردیتی ہے- یہی حکومت کٹر سوچ رکھنے والوں کو بنفس نفیس آگے آنے کی دعوت دیتی ہے-بالآخر اس نظریئے کے مخالفین سائنسی حلقوں سے مکمل طور پر خارج کردیئے جاتے ہیں-اس پورے عمل کے دوران ڈارون کے نقطۂ نظر کے خلاف ثبوت بھی ایسے ہی پراسرار طریقے سے غائب ہوجاتے ہیں جیسے ڈاکوؤں کے خلاف شہادت دینے والوں کا وجود- دوسری صورت میں یہ ثبوت صرف ان خاص الخاص رسائل میں چھاپا جاتا ہے جہاں تک صرف ایک ماہر تحقیق کار کی ہی پہنچ ہوتی ہے ، عام عوام کی نہیں- جب مخالفین کو چپ کرواکر تمام ثبوت کو دفن کردیا جاتا ہے تو یہ کٹر عقیدہ مند دنیا کے آگے اعلان کرتے ہیں کہ ان کے نظریئے میں مزید سائنسی بحث کی گنجائش موجود ہے اور اس کے خلاف فی الحال کوئی ثبوت موجود نہیں ہے-"[5]

جاناتھن ویلز کی' ارتقاء کے مقدس مجسمے'

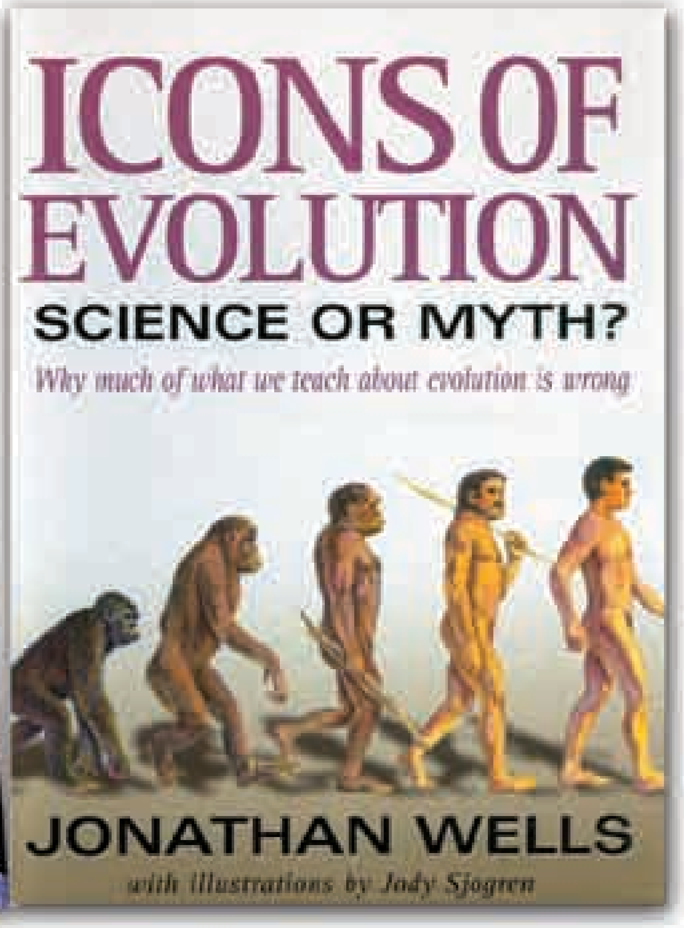

یہ وہ اصلیت ہے جو ارتقاءپسندوں کے اس اصرار کے پیچھے ہے کہ 'نظریۂ ارتقاءابھی بھی سائنسی دنیا میں قبول کیا جاتا ہے'- اس نظریئے کے زندہ رہنے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے اندر کسی قسم کا سائنسی وزن موجود ہے بلکہ اس کی وجہ اس کا ایک فکریاتی ذمہ داری ہونا ہے- بہت سے سائنسدان حقیقت کا علم رکھتے ہوئے بھی حق کے لئے آواز بلند کرکے اپنی سائنسی حلقوں میں بنی ہوئی ساکھ کو مٹی میں ملانا نہیں چاہتے- بقیہ کتاب میں جدید سائنس کا ارتقاءکے خلاف ثبوت کا معائنہ کیا جائے گا - ان میں سے کئی ثبوت ارتقاءپسند سرے سے ماننے سے ہی انکار کرتے ہیں اور کئی کو 'خاص قسم کے' جریدوں میں ہمیشہ کے لئے دفن کردیا گیا ہے- یہ تمام ثبوت اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کے ہونے کا کھلا اعتراف کرتے ہیں- پڑھنے والے اس بات پر متفق ہوجائیں گے کہ نظریۂ ارتقاءایک ایسا دھوکہ ہے جس کو سائنس نے محض تخلیق کی حیثیت سے انحراف کرنے کے لئے ہر قدم پر سہارا دیا ہے- پڑھنے والوں سے صرف یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس سحر سے اپنے دماغ کو آزاد کرلیں جس نے ان کی حقیقت کو جانچنے کی صلاحیت کو جکڑ رکھاہے اور اس کتاب میں موجود مواد پر کھلے دماغ اور سنجیدگی سے غور و فکر کریں- اگر وہ اس سحر سے آزاد ہوکر آزادیٔ سوچ اور تعصب کے بغیر اس کتاب پر غور کریں تو وہ شفاف سچ کو پالیں گے- لازم الوقواع سچ جو کہ جدید سائنس نے ہر پہلو سے ثابت کردیا ہے کہ وہ یہ ہے جاندار نسلیں کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ تخلیق کے عمل سے وجود میں آئی ہیں- اگر انسان صرف اپنی ہی ذات کی گہرائی اور پیچیدگی پر غور کرے تو وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جس ذات نے اس کو پانی کے ایک قطرے سے جیتا جاگتا انسان بنادیا وہی ذات ہر جاندار کی تخلیق کے پیچھے ہے-

ارتقاءکے پرچار میں مصروف رچرڈ ڈاکنز

بھی تمہیں باتھ ہلائے تو یہ ہرگز مت سمجھنا کہ تم نے کوئی معجزہ دیکھا ہے-ڈاکنز کے الفاظ میں:

"شاید اس بت کے بازوؤں کے ذرے یا خلیے اتفاقاً ہی ایک سمت میں ہلنا شروع ہوگئے- اگرچہ ایسا ہونے کی ممکنہ توجیہ بے انتہا کم ہے پھر بھی یہ ممکن تو ہے-" بے دین لوگوں کی نفسیات تاریخ میں ایک سی ہی رہی ہے- قرآن میں اس کا ذکر سورۃالانعام کی آیت نمبر ۱۱۱ میں آتا ہے-

'اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں'-

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ارتقاءپسندوں کی یہ کٹر طرزِ سوچ ہمیشہ سے ان کا خاصہ رہی ہے اوراس میں کوئی نیا یا قابل حیرت عنصر نہیں ہے -بلکہ ارتقائی سائنسدانوں کی یہ طرزِ فکر اور سوچ کوئی جدید سائنسی رجحان بھی نہیں بلکہ قدیم ترین دہریہ تہذیبوں کا عام نقطہ نظر تھا- قرآن میں اس نفسیات کے اوپر آیا ہے کہ:

اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں کہ دن کو اس میں چڑھتے (سورۃ الحجر آیت نمبر۱۴)

جب بھی یہی کہتے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے- (سورۃ الحجر آیت نمبر ۱۵)

ارتقاءکی وسیع آموزش

جیسے کہ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہے کہ لوگوں کی تخلیق کے بارے میں بند ذہنی کی ایک وجہ وہ سحر ہے جو کہ ان کی منطق اور عقل پر طاری ہے- یہ وہی سحر ہے جو کہ دنیا بھر میں ارتقائی نظریوں کی قبولیت کی وجہ ہے- سحر سے مراد عام ارتقائی تعلیم کے ہاتھوں ہونے والی دماغ شوئی ہے- لوگوں کو نظریۂ ارتقاءکی درستگی کے بارے میں اتنی کٹر تعلیم دے دی جاتی ہے کہ ان کا ذہن اس نظر ےئے کے ناقص ہونے کے کسی امکان کا تصور بھی نہیں کرسکتے- یہ کٹر تعلیم دماغ اور سوچ پر منفی اثرات ڈالتے ہوئے فیصلے اور سمجھ کی صلاحیت کو مفلوج کردیتی ہے- دماغ آخر کار اس کٹر عقیدے کی تعلیم کے مستقل زیر اثر رہنے کی وجہ سے حقیقت کو اسی زاویہ سے پرکھنا شروع کردیتا ہے جس کی اس کو مشق کروائی گئی ہو- اس صورتحال کا مشاہدہ دوسری مثالوں سے بھی کیا جاسکتا ہے- مثلاً اگر کسی کو تنویم کے زیر اثر کردیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ وہ جس بستر پر لیٹا ہوا ہے وہ ایک بستر نہیں بلکہ موٹر کار ہے تو وہ شخص عمل تنویم کے بعد بستر کو موٹر کار ہی تصور کرے گا- اس کے حساب سے اس کا یہ تجزیہ نہایت منطقی اور مناسب ہے کیونکہ اس کا ذہن اس کو یہی بتاتا ہے اور اس کا ذہن اس معاملے میں کسی شک و شبہ کا شکار نہیں- یہ تمام مثالیں آموزش کے عمل کی حسنِ کارکردگی، نظام اور طاقت کو بیان کرتی ہیں- آموزش ایک باقاعدہ سائنسی حقیقت ہے جو کہ لاتعداد تجربوں سے ثابت کی جاچکی ہے- اس کا ذکر سائنسی جریدوں اور نصابی کتابوں میں موجود ہے اور اس کا استعمال نفسیاتی اور ذہنی بیماریوں کے علاج کے لئے عام ہے-

نظریۂ ارتقاءاور عالمی مادی نظریہ لاکھوں لوگوں کے اوپر ایسی ہی آموزش کے ذریعے مسلط کئے گئے ہیں -جو لوگ مسلسل مختلف نشریاتی ذریعوں، تعلیمی ذرائع اور سائنسی اعلانات سے اس ارتقائی آموزش کے زیر اثر رہتے ہیں وہ اس نظریئے کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ نظریہ دراصل منطق کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے- یہ آموزش سائنسدانوں کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے- سائنس کے شعبے میں آنے والے نئے نام اس مادی نقطۂ نظر کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ اپنانے لگتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہی سیکھا اور سنا ہوتا ہے- اس سحر کے زیر اثر کئی ارتقائی سائنسدان انیسویں صدی کے ان غیر منطقی اور فرسودہ ارتقائی دعوؤں کی سائنسی تصدیق اپنی زندگی کا مقصد بنالیتے ہیں-

اس کے علاوہ کچھ اور بھی ایسے اضافی نظام ہیں جو کہ سائنسدانوں کو ارتقاءپسند اور مادہ پرست ہونے پر مجبور کردیتے ہیں- مغربی ممالک میں کسی سائنسدان کے نامور ہونے کے لئے اور اپنے شعبے میں تعلیمی اعزاز حاصل کرنے کے لئے اس کا ایک مخصوص معیار کی سوچ کا حامل ہونا ضروری ہے- ان معیارات میں سرِ فہرست اس کا ارتقاءپر یقین ہے- سائنس کے جس نظام سے یہ سائنددان منسلک ہوتے ہیں وہ ان کو ان کی تمام پیشہ ورانہ زندگی کے دوران اسی کٹر عقیدے کی تلقین اور یقین میں سرگرداں رکھتا ہے-

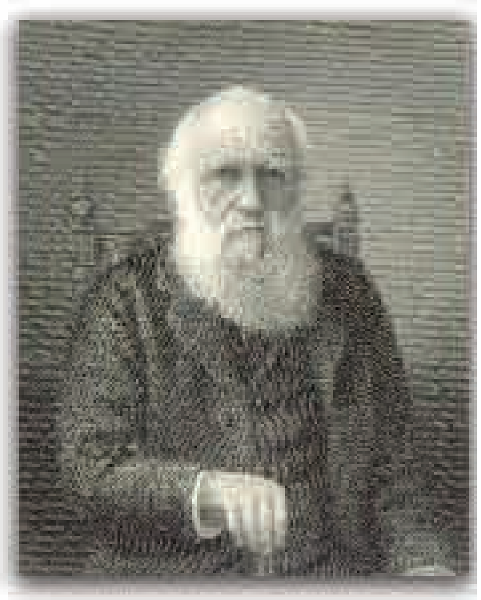

چارلس ڈارون

ہوتی ہیں اور ڈارون کا یہ خیال تھا کہ ان کی چونچوں کی ساخت ان کے ماحول کا نتیجہ ہے۔ ذہن میں اس خیال کو بنیاد بناتے ہوئے اس نے فرض کیا کہ زندگی کی ابتداءاور جانداروں کا وجود ان کا اپنے آپ کو ماحول میں ڈھال لینے کے عمل پر مشتمل ہے۔

ڈارون اس حقیقت سے انحراف کرتا تھا کہ خدا نے مختلف جاندار نسلیں الگ الگ تخلیق کی ہیں۔ اس کے ذاتی نظریئے کے مطابق تمام جاندار نسلیں ایک مشترک پرکھے سے مختلف قدرتی حالات کے تحت الگ الگ جانداروں میں تبدیل ہوگئیں۔

ڈارون کا مفروضہ کسی سائنسی دریافت یا تحقیق پر مبنی نہیں تھا لیکن اس دور کے مشہور ارتقائی ماہرِ حیاتیات نے اس کے اس مفروضے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی۔ خیال یہ تھا کہ جن جانداروں کے اندر اپنے ماحول میں ڈھل جانے کی بہترین خصوصیات تھیں وہی اپنی نسلوں کو آگے چلانے کے لائق تھے۔ وقت کے ساتھ ان کی نسلیں مزید ترقی یافتہ ہوتی گئےں اور ایک ایسی نسل کا روپ ڈھال لیا جو کہ اپنے پرکھا سے بالکل مختلف تھے۔ اس وقت ان ترقی یافتہ اوصاف کا بھی کسی کو علم نہیں تھاجو کہ ڈارون کے حساب سے نسلیں آنے والی نسلوں میں منتقل کرتی گئےں ےا مزےد کرتی جاتےں۔ ڈارون کے نزدیک انسان اس خیالی عمل درآمد کا سب سے ترقی یافتہ نتیجہ تھا۔

ڈارون نے اس پورے عمل کو ارتقاءبذریعہ انتخاب طبعی کا نام دیا۔ اس کے خیال سے اس نے جانداروں کی ابتداءکا سراغ لگالیا تھا۔ وہ سراغ یہ تھا کہ ایک جاندار نسل کی ابتداءدراصل کوئی اور نسل تھی۔ اس نے ۹۵۸۱ءمیں ان تمام نظریوں کو کتابی شکل دے دی جس کا نام تھا "دا اوریجن آف اسپیشیز بائے مینز آف نیچرل سلیکشن" یا قدرتی انتخاب کے ذریعے نسلوں کی ابتدائ۔ ڈارون کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کے نظریئے کے اندر بے حساب جھول ہیں۔ ان کمزوریوں کا اعتراف اس نے کتاب کے باب "**نظریئے کی مشکلات**" میں کیا۔ ان مشکلات کی نوعیت فوصلی ریکارڈ کی دریافت، جانداروں کے آنکھ جیسے پیچیدہ عضو جو کہ محض اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتے اور جانداروں کی حسیات تھیں۔ ڈارون کو امید تھی کہ جدید تحقیق ان مشکلات کا حل نکا ل لے گی لیکن اس نے پھر بھی اپنے طور پر ان سوالات کے غیر منطقی جوابات تشکیل کرلئے۔

امریکی ماہرِ طبعیات لپسن نے ڈارون کی مشکلات کا مندرجہ ذیل الفاظ میں جائزہ کیا ہے۔

"ڈارون کی کتاب پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ڈارون اپنے نظریئے کے بارے میں اتنا خود اعتماد نہیں تھا جتنا وہ خود کو ظاہر کرتا تھا۔ "نظریئے کی مشکلات" والے باب میں وہ بڑی حد تک ذاتی شک و شبہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایک ماہرِ طبیعیات کی حیثیت سے مجھے اس کی آنکھ کے وجود میں آنے سے متعلق مفروضوں نے حیران کردیا۔"[۹]

اپنے نظریئے کی تشکیل کے دوران ڈارون اپنے سے پہلے کے ارتقائی ماہرِ حیاتیات بالخصوص لامارک سے کافی متاثر تھا[۰۱]۔ لامارک کے مطابق جاندار اپنی زندگی کے دوران حاصل کئے گئے اوصاف اپنی اگلی نسل میں منتقل کردیتے ہیں اور یہ سلسلہ چلتارہتا ہے جس کے ذریعے ارتقاءممکن ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جرافے سینگوں والے ہرن نما جانوروں کی تدریجی شکل ہیں۔ ایک نسل سے دوسری نسل میں جیسے جیسے یہ جانور کھانے کی تلاش میں اونچی اونچی ٹہنیوں تک اپنی گردن دراز کرتے گئے اسی حساب سے ان کی گردنیں بھی لمبی ہوتی چلی گئیں۔ ڈارون نے لامارک کے طے شدہ اوصاف کو آگے منتقل کرنے کے مفروضے کو اپنے بھی نظریئے میں ارتقائی پہلو دے کر بنیادی اصول بنالیا۔ حقیقتاً دونوں لامارک اور ڈارون سخت غلطی پر تھے کیونکہ ان کے دور میں زندگی کا مشاہدہ نہایت قدیم سائنسی تکنیک کے ذریعے معمولی سطح پر کیا جاتا تھا۔ جینیات اور حیاتیاتی کیمیا جیسی جدید سائنسی شاخیں اس وقت وجود میں بھی نہیں تھیں اس لئے ڈارون اور اس کے ساتھی سائنسدانوں کے نظریئے کا سارا دارومدار ان کی قوتِ تخیل پر تھا۔

تارک الدنیا درویش کے دریافت شدہ جینیاتی قوانین نے نظریۂ ارتقاءکو تعطل میں ڈال دیا۔

جیسے جیسے ڈارون کی کتاب کی شہرت دنیا میں گونجنے لگی گریگور مینڈل نامی ایک آسٹرین ماہرِ نباتات نے ۵۶۸۱ءمیں میراث کے قانون دریافت کئے۔ مینڈل کی اس دریافت نے فوراً کسی قسم کا تہلکہ نہیں مچایا اور ۰۰۹۱ کے اول سالوں مےں اس دریافت کو اہمیت ملنی شروع ہوئی۔ یہ دراصل جینیاتی سائنس کی بنیاد تھی۔ ۰۵۹۱ءمیں *DNA*یا کروموسومی مادے کی ساخت کی دریافت نے جینیات کی تحقیق کے ساتھ مل کر نظریۂ ارتقاءکو تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا۔ اس کی وجہ زندگی سے متعلق وہ زبردست پیچیدگیاں تھیں جو اس تمام نئی دریافت سے منظر پر آئیں۔ اس نئے تحقیق نے اب تک پیش کئے گئے ڈارون کے ارتقائی نظام کو منسوخ قراردے دیا۔ ان تمام حالات کا اصولاً تو یہ نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ

دوسرا باب

نظریۂ ارتقاءکی مختصر تاریخ

ارتقائی سوچ کی جڑیں زمانہ قدیم تک جاتی ہیں جب یہ تخلیق سے انکار کرنے کے اےک کٹر عقیدے کے طور پر پیدا ہوا- قدیم یونان کے زیادہ تر گمراہ اور بے دین فلسفہ دان ارتقاءکے مکمل حمایتی تھے- اگر فلسفے کی تاریخ کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ارتقاءکا خیال کئی گمراہ فلسفوں میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتا رہا ہے- لیکن جدید سائنس کے پیدا ہونے اور فروغ پانے کی وجہ ےہ قدیم بے دین فلسفہ نہیں بلکہ اللہ پر ایمان ہے- زیادہ تر لوگ جو کہ جدید سائنس کے بانی تصور کئے جاتے ہیں وہ خدا کی ذات پر یقین رکھتے تھے- سائنس کو پڑھنے کے دوران وہ خدا کی بنائی ہوئی کائنات اس میں موجود جاندار اور اس کے اصولوں کو پرکھنے کی مستقل سعی کرتے رہے- کوپرنیکس، کپلر اور گیلیلیو جیسے نجومی، علم معدوم حیوانات و نباتات کے بانی کوویر، علمِ نباتات اور علمِ حیوانات کے بانی لیناےس اور نےوٹن جس کو سب سے عظیم ترین سائنسدان کہا جاتا ہے، سب نے سائنس کا مطالعہ خدا پر یقین اور ایمان رکھتے ہوئے کیا- ان کے نقطۂ نظر میں اس نظریئے کا بھی دخل تھا کہ تمام کائنات خدا کی تخلیق کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے-[6]

ہمارے دور کا ایک اور عظیم سائنسدان آلبرٹ آئنسٹائن ایک اور خدا کا عقیدہ مند سائنسدان تھا- اس کے الفاظ میں:

"میں گہرے ایمان سے عاری کسی سچے سائنسدان کا تصور بھی نہیں کرسکتا- اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ دین کے بغیر سائنس معذور ہے-"[7]

جدید طبیعات کے ایک بانی جرمن سائنسدان میکس پلانک کا کہنا ہے کہ "کسی بھی سنجیدہ نوعیت کے سائنسی کام میں ملوث ہونے والے سائنسداں کو اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ سائنس کی عبادتگاہ کے داخلی دروازے کے اوپر یہ الفاظ آویزاں ہیں "تمہارے اندر ایمان بالغیب لازمی ہے"- یہ وہ وصف ہے جس کے بغیر سائنسدان کا سائنسدان ہونا ناممکن ہے-"[8]

نظریۂ ارتقاءاس مادی فلسفہ کا نتیجہ ہے جو قدیم مادی فلسفوں کے اچانک سر اٹھانے کی وجہ سے سطح پر آگیا اور انیسویں صدی کے دوران تیزی سے پھیلتا چلا گیا- جیسے کہ پہلے بتایا گیا ہے مادیت قدرت کی وضاحت صرحاً مادی نقطۂ نظر سے کرتی ہے- چونکہ یہ تخلیق کا انکار شروع سے ہی کرتی ہے اس لئے اس کا یہ بھی کٹر دعویٰ ہے کہ قدرت میں ہر چیز، جاندار اور غیر جاندار، کسی بھی تخلیق کار کے بغیر وجود میں آگئی اور رفتہ رفتہ اتفاقی حالات کے ذریعے ہی منظم ہوتی چلی گئی- لےکن انسانی دماغ کی ساخت اور سوچ کی اہلیت اتنی اعلیٰ ہے کہ وہ کسی بھی مکمل نظام کاکسی تنظیمی مرضی کے بغیر موجود ہونا قبول نہےں کرتی-فلسفہ ٔمادیت انسانی دماغ کے اس وصف کے خلاف جاتا ہے اور نتیجتاً انسانی سوچ کے اس پہلو کو زیر کرنے کے لئے اس فلسفے نے انیسویں صدی کے بیچ میں نظریۂ ارتقاءدنیا کے آگے پیش کردیا-

ڈارون کے ذہن کی تخلیق

نظریۂ ارتقاءکی دورِ حاضر میں حمایت کردہ شکل کا بانی ایک مطالعۂ قدرت کا غیر پیشہ ور شائق انگریز چارلس رابرٹ ڈارون تھا- ڈارون نے حیاتیات میں کسی قسم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی- اس کا قدرت اور جانداروں کے موضوع سے صرف ایک شائق کی حد تکِ واسطہ تھا- اس شوق کے ہاتھوں وہ اپنی مرضی سے ایچ- ایم- ایس بیگل نامی بحری جہاز کے سفر پر روانہ ہوگیا جو انگلستان سے ۲۳۸۱ میں روانہ ہو اور اگلے پانچ سالوں تک دنیا کے مختلف خطوں میں پھرتارہا- نوجوان ڈارون اپنے مختلف ممالک کی اس سیر کے دوران کئی طرح کے انواع و اقسام کی جاندار نسلوں کے مشاہدے سے بے پناہ متاثر ہوا- اس کو خاص طور پر برگالا پاگوس کے جزیرے پر پائی جانے والی زرد چڑیوں یا فنچس نے خاص طور پر حیران کیا- ان چڑیوں کے چونچیں اندر کی طرف مڑی ہوئی

ڈارون کا نظریۂ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوڑے کے ڈھیر کا حصہ بن جاتا- لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کی وجہ کچھ مخصوص حلقوں کی اس نظریئے کی اس حد تک تصیح اور تجدید تھی کہ یہ آخر کار ایک سائنسی نوعیت کے نظریئے میں ڈھل گیا- ان تمام کاوشوں کا مفہوم اس وقت واضح ہوتا ہے جب ہم اس کے پیچھے کسی بھی سائنسی قدر سے زیادہ فکریاتی مقاصد کا جائزہ لیں‌جنہوں نے نظریۂ ڈاورن کو اس اہمیت تک پہنچادیا جس کا وہ بطور ایک عام نظریہ کبھی بھی لائق نہیں ہوسکتا تھا-

نوڈ اروینیت کی مایوس کوششیں

نوڈاروینیت ڈارون کے نظریۂ انتخاب طبعی کا نیا روپ ہے جس میں جینیات کی دریافتوں کو بھی شامل کرلیا گیا- بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں نظریۂ ڈارون کو ان دریافتوں کے ہاتھوں شدید خطرے کا سامنا کرنا پڑا- لیکن سائنسدانوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہ ڈارون کا اس حد تک وفادار تھا کہ اس نے اس خطرے کا حل نکالنے کے منصوبے تشکیل کرنے شروع کردیئے- امریکہ کی ارضیاتی سوسائٹی کے زیر صدارت منعقد ہونے والے ۱۴۹۱کے ایک اجلاس میں یہ تمام سائنسدان اکھٹا ہوئے- ان میں ماہرِ جینیات لڈےارڈ ایسٹےبنز اورتھیوڈوسیس ڈوبزہانسکی، ماہرِ حیوانات ارنسٹ میئر اور جولین ہکسلی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات جورج گیلارڈ سمسن اور گلین جیپسن اور ماہرِ ارضیات رانلڈ فِش اور سیول رائٹ شامل تھے -تفصیلی مذاکرات کے بعد ان سب لوگوں نے نظریۂ ڈارون کو لاحق بیماریوں کا علاج کرنے کا ارادہ کرلیا-

ان کے علاج کا مرکز وہ فائدہ مند تبدیلیاں تھیں جنہوں نے جانداروں کو تدریجی ترقی کے عمل سے گزارا- یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب خود ڈارون کے پاس بھی نہیں تھا اور اس نے اس معاملے میں لامارک کے نظریوں کا سہارا لیا تھا- ان سائنسدانوں نے نظریۂ ارتقاءکے اس نئے پہلو کو 'بے ترتیب جینیاتی تبدیلی ' کہتے ہوئے 'جدید مصنوعی ارتقاءنظریئے' کا باقاعدہ نام دیا جس میں جینیات کی دریافت بھی ڈارون کے انتخاب طبعی نظریئے کے ساتھ ملادی گئی- تھوڑے ہی عرصے بعد یہ نظریہ نوڈاروینیت کہلانے لگا- آنے والے سال نوڈاروینیت کی صداقت کو ثابت کرنے کی مایوس کن کوشش سے بھرپور تھے- اس بات کا علم تو ہمیشہ سے تھا کہ جانوروں کی جینیات میں بے ترتیبی یا حادثات نقصان دہ ہوتے ہیں- نوڈارون نظریہ رکھنے والوں نے فائدہ مند جینیاتی بے ترتیبی کا سائنسی وجود ثابت کرنے کے لئے ہزاروں جینیاتی تجربے کرنے شروع کردیئے جو کہ سب ناکام رہے- انہوں نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اولین جاندار نہایت قدیم ماحولیاتی اثرات میں اتفاقاً وجود میں آئے لیکن یہ تمام تجربے بھی شدید ناکامی کا شکار رہے-

ممکنہ توجیہہ کے ہر حساب نے ثابت کیا کہ زندگی بنانے کی اکائی لحمیات کا اتفاقاً وجود میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- مزید یہ کہ ارتقاءپسندوں کے حساب سے وہ واحد خلیہ جو کہ قدیم اور بے ترتیب ماحولیاتی اثرات میں اتفاقاً وجود میں آگیا اس کو بیسویں صدی کی جدید ترین سائنسی تجربہ گاہیں بھی تشکیل نہیں کرسکیں-

نوڈاروینیت نظریئے کو فوصلی ریکارڈ نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے- اس نظریئے کے مطابق ان عارضی نوعیت کی نسلوں کا پوری دنیا میں کوئی نام و نشان نہیں ہے جو کہ جانداروں کی قدیم شکل سے جدید شکل کے مابین کی اشکال ہوں اور ارتقاءکو ثابت کریں- جن نسلوں کو نظریۂ ارتقاءکے پیروکار ایک دوسرے کی تدریجی شکل قراردیتے ہیں ان کی تشریح الاعضاءکے موازنے نے ان کے اعضاءمیں اتنے وسیع پیمانے پر عدم مماثلت ظاہر کی ہے کہ ان نسلوں کا آپس میں کسی قسم کے تعلق کا معمولی سا بھی جواز نہیں ہے- نوڈاروینیت کبھی بھی ایک سائنسی نظریہ نہیں تھا بلکہ صرف ایک فکریاتی عقیدہ تھا جس کو ایک طرح کا غلط مذہب بھی کہا جاسکتا ہے- کینیڈا کے سائنسی فلسفہ دان اور کٹر ارتقاءپسند مائیکل روس نے ۳۹۹۱ءمیں ایک جلسے میں دی گئی تقریر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے-

> "اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ماضی میں اورمیرے خیال سے حال میں بھی بہت سے ارتقاءپسندوں کے لئے نظریۂ ارتقاءکے کئی نقطے اس کو ان کی لئے ایک لادین مذہب بنادیتے ہیں- مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ ایک بنیادی سطح پر ارتقاءایک سائنسی نظریئے کے طور پر مادی فلسفے پر مبنی نظام سے وابستہ ہے-"۱۱

ان وجوہات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ نظریۂ ارتقاءکے سورما پیروکار آج بھی تمام شواہد کے موجود ہوتے ہوئے بھی ارتقاءکی حمایت کے لئے کمربستہ ہیں جبکہ وہ ایک بات جس پر وہ آج بھی متفق نہیں ہیں وہ یہ ہے کہ ارتقاءکے متعلق پیش کئے گئے مختلف خاکوں یا نقشوں میں کون سا نقشہ درست ہے- ان تمام نقشوں میں سب سے اہم اوقافی توازن نامی پر تخیل منظر نامہ ہے-

اوقافی توازن: آزمائشی تجربات

نوڈاروینیت نظریئے کے پیروکار زیادہ تر سائنسدان آہستہ اور سلسلہ وار تدریجی ترقی پر یقین رکھتے ہیں- البتہ پچھلی کچھ دہائیوں میں ایک مختلف نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کا نام اوقافی توازن ہے- اس نقشے کے حساب سے جاندار نسلیں ڈارون کے

ڈارون کے وقت کا قدیم سائنسی اور تکنیکی معیار

جس وقت ڈارون نے دنیا کے آگے اپنے مفروضے پیش کئے تھے اس وقت سائنس میں جینیاتی، خردحیاتیاتی اور حیاتیاتی کیمیا کے شعبے موجود نہیں تھے۔ اگر یہ شعبے اس وقتِ موجود ہوتے تو ڈارون کو اسی وقت اپنے نظریئے کی غیر سائنسی نوعیت کااندازہ ہوجاتا اور وہ ان بے معنی دعوؤں کو آگے بڑھانے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ نسلوں کا تعین کرنے والی تمام معلومات جینیات میں موجود ہوتی ہیں اور انتخابِ طبعی اور جینیاتی تبدیلی کے ذریعے کئی نسلوں کا وجود میں آنا ایک ناممکن فعل ہے۔

اسی طرح ان دنوں میں سائنس کو خلئے کی ساخت اور طریقہ عمل کے بارے میں بھی صرف سطحی اور بے ڈھنگی معلومات حاصل تھیں۔ اگر ڈارون برقیہ خوردبین کے ذریعے خلئے کا معائنہ کرتا تو اس کو خلئے کی بے انتہا پیچیدہ اور غیر معمولی ساخت کا اندازہ ہوجاتا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا کہ اس تفصیلی اور پیچیدہ نظام کا ارتقاءکی معمولی تبدیلیوں کے ذریعے تشکیل ہوجانا قطعی ناممکن ہے۔ اگر اس کو حیاتیاتی ریاضی کے بارے میں علم ہوتا تو وہ خود اس بات کے امکان سے انکار کردیتا کہ خلیہ تو بہت دور کی بات، لحمیہ کا ایک واحد سالم بھی اتفاق سے وجود میں نہیں آسکتا۔

خلئے کا تفصیلی معائنہ برقیہ خوردبین کی دریافت نے ممکن بنایا۔ ڈارون کے وقت میں صرف یہ قدیم خوردبین موجود تھی جوکہ صرف خلئے کی بیرونی سطح دکھاتی تھی۔ جاندار خلیہ تو تخلیق کا ایسا شاندار نمونہ ہے جس نے سائنسدانوں انگشت بدندان کردیا ہے۔ برقیہ خوردبین خلئے کی متحرک ساخت کو عیاں کردیتی جس کی حرکت اور اندرونی مصروفیت کا نظام شہد کے چھتے کے مشابہ ہےجسم میں روزانہ مرنے والے لاکھوں خلئے فوراً نئے خلیوں سے تبدیل ہوجاتے ہیں۔ کروڑوں خلئے باہمی اتحاد اور نظام کے ساتھ مل کر انسانی جسم کی زندگی کا سہارا بنتے ہیں۔

یہ ایک نہایت غیر منطقی اور نامعقول سوچ ہے کہ خلیوںنے اپنی حرکت کا مخصوص اور پیچیدہ نظام خود اپنے آپ سے اپنے اندر پیدا کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے خلیوں کے اندر کاملیت اور حد درجہ کمال پیدا کیاہے۔ یہ ایسا نظام ہے جس کو برقیہ خوردبین کے بغیر دیکھنا ہی ناممکن ہے۔ تخلیق کی ہر شکل میں اللہ تعالیٰ کا بے مثل نظام اور لامحدود حکمت اتنی نمایاںہے کہ اس کی تردید ناممکن ہے۔

عبوری اشکال کا کوئی وجود نہیں ہے

نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ جاندار جینیاتی تبدیلی کے ذریعے مختلف نسلوں میں تبدیل ہوگئے۔ جدید سائنس نے واضح طور پر ثابت کردیا ہے کہ یہ مفروضہ سراسر فریب ہے۔ڈارون خود کہتا ہے:

"اگر نسلیں دوسری نسلوں سے واقعی غیر محسوس تدریجی تبدیلی کے ذریعے وجود میں آئی ہیں تو ہم کو لاتعداد عبوری اشکال کے جانداروں کا ثبوت کیوں نہیں ملتا؟ قدرت میں ہرچیز منتشر ہونے کی بجائے اس قدر منظم اور واضح کیوں ہے؟ اس نظریئے کے مطابق اگر عبوری اشکال موجود ہیں تو پھر یہ ہمیں زمین کی تہوں میں دھنسی ہوئی کیوں نہیں ملتےں؟ مختلف ارضیاتی تہیں ان عبوری اشکال کے جانداروں سے بھری ہوئی کیوں نہیں ہیں؟ علمِ ارضیات کسی بھی ایسے نفیس بدریج مربوط زنجیر کا نشان نہیں دیتا اور شاید میرے نظریئے کے خلاف یہی سب سے واضح اور سنجیدہ اختلاف ہے"۔
(چارلس ڈارون "دااوریجن آف اسپیسز" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نیویارک، ۸۹۹۱ءصفحہ ۱۴۱، ۰۴۱، ۷۲۲،۱۴۱)

نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ جاندار جینیاتی تبدیلی کے ذریعے مختلف نسلوں میں تبدیل ہوگئے۔ جدید سائنس نے واضح طور پر ثابت کردیا ہے کہ یہ مفروضہ سراسر فریب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر جاندار واقعی دوسری مخلوق میں تبدیل ہوئے ہیں تو اس تبدیلی کے ثبوت کے طور پر وسطی اشکال کے جانداروں کی موجودگی لازم ہے۔ ارضیاتی ریکارڈ ایسے وسطی اشکال جانداروں سے بھرا ہوا ہونا چاہئے (یعنی کہ ایسے جانداروں کے فوصل جوکہ تدریجی ترقی کے مراحل میں ہیں)۔ لیکن اب تک تقریباً ۰۰۱ لاکھ کے قریب ملنے والے فوصل صرف ا ن مکمل جانداروں کے ہیں جوکہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ اگر ارتقاءکا عمل واقعی ایک سچائی ہوتا تو زمین میں آج کروڑوں کے حساب سے ہر وضع اور قطع کے فوصل موجود ہوتے جو کہ ارتقاءکی تصدیق کرتے۔

اس کے علاوہ ان مخلوقات میں سے کئی تو جینیاتی تبدیلی کے باعث بدہیئت اور غیر معمولی طور پر بدشکل پیدا ہوتیں۔ ارتقاءپسندوں کے دعوے کے مطابق جسم کا ہر عضو بے ترتیب جینیاتی تبدیلی کے ذریعے وجود میں

عام انسانی ڈھانچا

خیال کے مطابق ایک آہستہ تدریجی ترقی کے ذریعے نہیں بلکہ اچانک اور جامع تبدیلیوں کے ذریعے دوسری ہیئتیں اختیار کرگئیں- اس خیال کے سب سے پہلے پر جوش حمایتی ۰۷۹۱ءکے شروع میں نمودار ہوئے- نائلز ایلڈرج اور اسٹیفن جے گولڈ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ فوصلی ریکارڈ نے نوڈاروینی نظریئے کے ہر دعوے کو ناقص کردیا ہے- فوصلوں نے دنیا کو بتادیا کہ جاندار نسلوں کا نقطۂ آغاز تدریجی ترقی نہیں بلکہ وہ اپنی مکمل اور بے عیب شکلوں میں اچانک ہی روئے زمین پر نمودار ہوئیں- نوڈاروینی طبقے کی یہ زبردست خواہش اور خوش فہمی تھی کہ کسی نہ کسی دن کسی عارضی نوعیت کا کوئی فوصل دریافت ہو ہی جائے گا جو کہ ارتقاءکو ثابت کردے گا-

اس انداز ے کے باوجود کہ یہ امید فضول ہے، ایلڈرج اور گولڈ اپنے کٹر عقیدے سے دستبردار ہونے کے لئے پھر بھی تیار نہیں تھے- انہوں نے اچانک ہی ارتقاءسے متعلق ایک نیا نقشہ پیش کیا، اوقافی توازن -اوقافی توازن کا یہ دعویٰ ہے کہ تدریجی ترقی کا عمل معمولی تبدیلیوں کی شکل میں پیش نہیں آیا بلکہ یہ ایک اچانک اور جامع سطح پر پیش آنے والی تبدیلی کا نام ہے- یہ نیا نقشہ ایک پر تخیل رنگین خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا- مثال کے طور پر یورپی ماہر معدوم حیوانات و نباتات شنڈوولف، جس کے خیالات نے ایلڈرج اور گولڈ کے لئے راہیں ہموار کی تھیں ،ےہ دعویٰ کرتا ہے کہ پہلی چڑیا رینگنے والے جانور کے انڈے سے ایک زبردست جینیاتی بے ترتیبی یا حادثے کے نتیجے میں برآمد ہوئی- ۲۱

اسی نظریئے کے مطابق زمین پر رہنے والے کچھ بڑے جانور اچانک اور پیچیدہ جینیاتی تبدیلیوں کے باعث عظیم الجثہ وہیل مچھلیوں میں ڈھل گئے- یہ تمام دعوے جینیات، حیاتیاتی طبیعیات اور حیاتیاتی کیمیا کے تمام اصولوں کو رد کرتے ہوئے ایسی کہانی پیش کرتے ہیں جس میں مینڈک شہزادے کا روپ ڈھال لیتا ہے-

لیکن ان تمام پریشانےوں کے باوجود جو کہ نوڈاروینیت کو لاحق ہوئی تھی، کئی ارتقائی ماہر معدوم حیونات و نباتات نے اس نظریئے کا گرم جوشی سے استقبال کیا حالانکہ ان کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ اوقافی توازن کا یہ نیا پہلو نوڈاروینیت سے بھی زیادہ گیا گزرا اور عجیب ہے- اس نئے نقشے کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ فوصلی ریکارڈ اور نوڈاروینیت سے متعلق جن سوالات کے جوابات ارتقاءپسندوں کے پاس نہیں تھے وہ اب حاضر کردیئے جائیں لیکن ان کو یہ اندازہ نہیں تھاکہ "**چڑیاں اچانک ہی رینگنے والے جانوروں کے انڈوں سے ا چھل پڑیں**" کہہ دینا ان سوالات کا جواب ہرگز نہیں ہوسکتا- اس وقت تک ارتقاءپسندوں کا خود یہ کٹر دعویٰ رہا تھا کہ ایک جاندار نسل کی دوسری نسل میں منتقلی ایک سلسلہ وار اور آہستہ عمل ہے جو کہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے جس میں فائدہ مند جینیاتی منتقلی بھی بڑا کردار ادا کرتی ہے- لیکن کوئی بھی جینیاتی بے ترتیبی کسی جاندار کی جینیات کے اندر مثبت اثرات نہیں پیدا کرسکتی اور نہ جینیات میں اضافہ کرسکتی ہے- جینیاتی بے ترتیبی جینیاتی معلومات کو بگاڑ سکتی ہے، سنوار نہیں سکتی- اسی لئے وہ وسیع جینیاتی بے ترتیبی جو کہ اوقافی توازن کا نقشہ پیش کرتی ہے وہ صرف ' وسیع' اور' بے ترتیبی 'پیدا کرتے ہوئے جینیات میں کمی، انتشار اور معذوری پیدا کرسکتی ہے مگر ایک نسل کو دوسری مکمل اور بے عیب نسل نہیں بناسکتی-

اس کے علاوہ اوقافی توازن کا نقشہ پہلے ہی قدم پر زمین بوس اس لئے بھی ہوجاتا ہے کیونکہ یہ زندگی کی ابتداءکے متعلق کوئی جواب پیش نہیں کرتا- یہ سوال نوڈاروینیت کے نقشے کو بھی پہلے قدم پر ناقص بنادیتا ہے کےونکہ کسی ایک بھی لحمیات کا اتفاقاً وجود میں آجانے کا ہر امکان رد کیا جاچکا ہے- اس لئے جانداروں کا اوقافی توازن کے ذریعے ارتقاءیا کسی بھی اور طریقے سے ارتقاءکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر جاندار جسم کروڑوں اربوں لحمیات کا مرکب ہے- اس تمام سائنسی منطق کے باوجود آج بھی ارتقاءسے متعلق نوڈاروینیت ہی لوگوں کے ذہن میں سمائی ہوئی ہے-

آنے والے بابوں میں پہلے نوڈاروینیت کے نقشہ کے دو تصوراتی طریقۂ عمل کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر فوصلی ریکارڈ کے ذریعے اس نقشے کوپرکھا جائے گا-اس کے بعد زندگی کی ابتداءکے متعلق سوالات کا جواب دیا جائے گا جو کہ نظریۂ ارتقاءکو نوڈاروینیت سے لے کر اےک ہی جست میں ہونے والی تدریجی ترقی کے پہلو تک ناقص ثابت کردے گا- پڑھنے والوں کو ےہ بھی باور کرواےا جاتا ہے کہ ہر قدم پر آشکار کی جانے والی حقیقت ان کے لئے نظریۂ ارتقاءکو ایک پریوں کی حکایت سے مشابہ کہانی ثابت کرے گی-

آج دنیا بھر میں لاکھوں سائنسدان' خاص طور پر متحدہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور یورپ کے ممالک میں' نظریۂ ارتقاءکی تردید کرتے ہیں اور اس نظریئے کے عدم جواز کے اوپر کئی کتابیں شائع کرچکے ہیں- اس کی کچھ مثالیں اوپر ہیں-

ہے- اس نظریئے کی حمایت اس امید پر کرنا کہ شاید کسی دن کسی کو ایسا وسطی نوعیت کا فوصل مل جائے گا باوجود اس کے کہ پچھلے ۰۴۱ سال میں ملنے والا ہر فوصل ارتقاءکی تردید کرتا ہے، ایک نہایت نامناسب اور نامعقول امید ہے-

۰۴۱ سال کے عرصے کی مکمل کھدائی کے بعد اب کوئی بھی ایسی ارضیاتی تہہ بچی نہیں ہے جس کی کھدائی کرنا باقی ہو- کڑوڑوں ڈالر اس تحقیق پر خرچ ہوچکے ہیں لیکن ڈارون کے دعوے کے مطابق وسطی اشکال کے کوئی بھی جاندار کسی بھی ارضیاتی تہ سے دریافت نہیں ہوپائے جوکہ ارتقاءکی تصدیق کرسکیں- اس کے برعکس لاکھوں زندہ فوصلوں کے نمونے دریافت ہوچکے ہیں جوکہ تخلیق کا حتمی ثبوت ہیں-

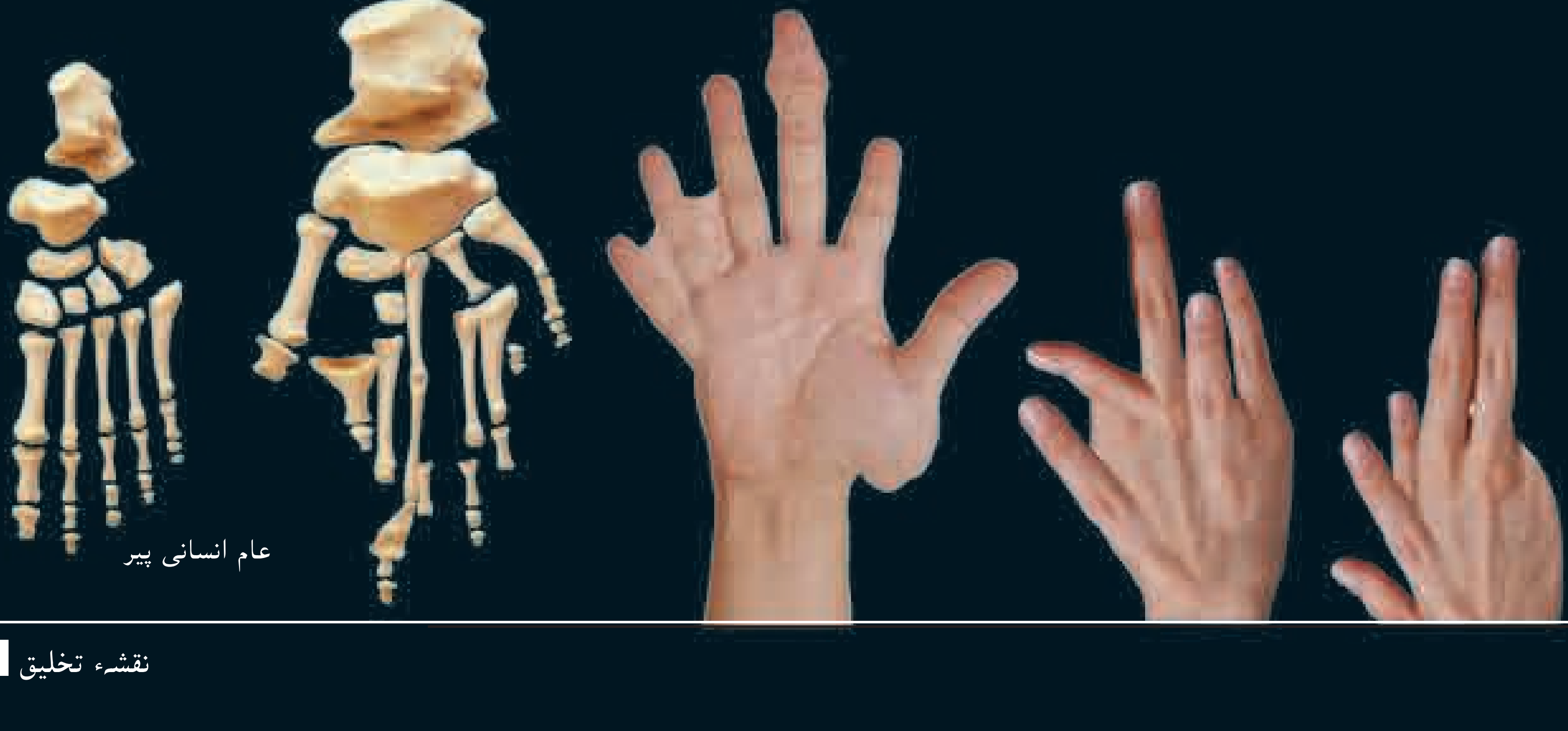
عام انسانی پیر

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر جاندار ایک شکل سے دوسری میں تبدیل ہوئے ہیں تو پھر ان کی تبدیلی کے مراحل کے ثبوت کے طور پر کئی وسطی اشکال کے جانداروں کے نشانات بھی زمین پر موجود ہونے چاہئے تھے- ارتقاءپسندوں کے دعوے کے حساب سے بے ترتیب جینیاتی تبدیلی کے ذریعے ایسے جاندار وجود میں آنے چاہئے تھے جوکہ تین دماغ ،چار آنکھیں، پنجہ نما ہاتھ اور ایسی ہی کئی عجیب و غریب خصوصیات کے مالک ہوتے-

آیا ہے- اپنی کارگزاری صلاحیتوں کی تشکیل کے دوران ہر غیر معمولی عضو کئی جینیاتی تبدیلیوں سے گزرا جس نے اس کی موجودہ غیر معمولی ساخت کو ایک نئی پرغیرمعمولی ساخت میں تبدیل کردیا- اس دعوے کا اصرار ہے کہ زمین میں لاکھوں کے حساب سے بےہ بدہیئت اور غیر معمولی اعضاءرکھنے والی مخلوقات موجود ہیں جو کہ ارتقاءکے ہر مرحلے کی غیر معمولی خصوصیات کی نمائش کرتی ہےں- لیکن اس نوعیت کا ایک بھی فوصل آج تک دریافت نہیں ہوسکا- اس دعوے اور نظریئے کی سچائی ثابت کرنے کے لئے دو، تین، چار اور پانچ سروں والے، کیڑے مکوڑوں کی طرح کئی آنکھوں والے، کئی میٹر لمبے ہاتھ پیروں والے اور ایسی ہی کئی بے ڈھنگی تبدیلیوں والے انسان بھی زمین پر موجود ہونے چاہئے تھے-

اسی طرح لاتعداد ، بدہیئت حیوانات اور نباتات کے نمونے بھی ارتقاءکے ثبوت کے طور پر موجود ہونے چاہئے تھے -لیکن ایسے کسی بھی حیوان یا پودے کا فوصل آج تک دریافت نہیں ہوسکا- تمام آبی حیوانات کو بھی اپنے پیچھے بدہیئت وسطی اشکال جانداروں کی لمبی زنجیر چھوڑنی چاہئے تھی -لیکن اس طرح کا کوئی بھی کوئی ثبوت ندارد - آج تک ملنے والے تمام فوصل مکمل طور پر تشکیل ہوئے جانداروں کے ہی ہیں- یہ حقیقت اپنے آپ ہی نظریہ ارتقاءکی تباہی کا مکمل ثبوت

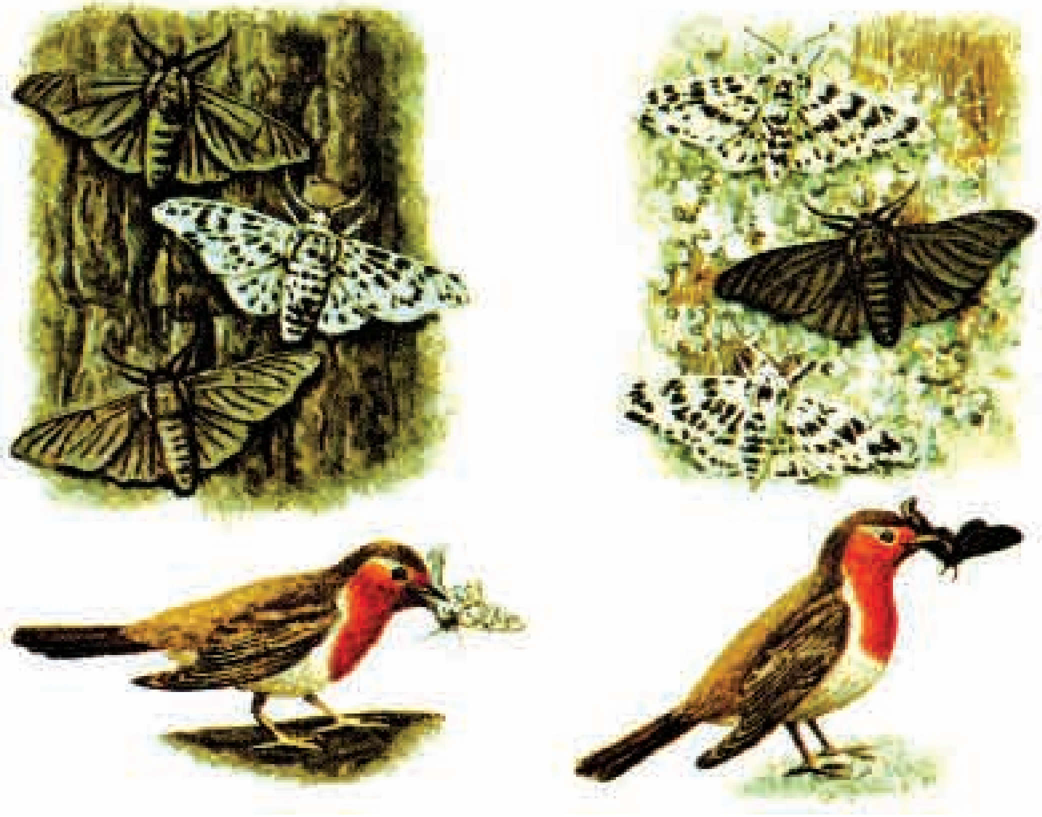

صنعتی سیاہی کسی بھی طور پر ارتقاءکا ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس کے ذریعے پتنگوں کی کوئی نئی نسل وجود میں نہیں آئی- یہ انتخاب پہلے سے ہی موجود پتنگوں کی قسموں میں پیدا ہوا- جلد کی اس غیر معمولی سیاہی کی یہ روایتی کہانی سراسر فریب ہے- تصویر میں دکھائی گئی تصویریں ایک نصابی کتاب سے لی گئی ہیں- ان تصویروں میں موجود پتنگے مرے ہوئے ہیں جن کو ارتقاءپسندوں نے درخت کے تنوں سے پنوں اور گوند کے ذریعے چپکایا ہوا ہے-

آلودگی کی وجہ سے ان درختوں کی کائی بھی مرگئی اور درختوں کے تنے گہرے رنگ کے ہوگئے اور اس وجہ سے پتنگے ہلکے رنگ کے نظر آنے لگے اور خطرے میں آگئے کیونکہ اب ان کی شناخت آسان ہوگئی-اب ہلکے رنگ کے پتنگوں کا تناسب گہرے رنگ کے پتنگوں کی نسبت بڑھ گیا"- ارتقاءپسندوں نے اس واقعہ کو اپنے نظریئے کو ثابت کرنے میں ایک اہم ثبوت تصور کیا اور اس بات کو سجا بناکر پیش کیا کہ ہلکے رنگ کے پتنگے گہرے رنگ کے پتنگوں کی ارتقائی شکل ہیں- اگر اس صورتحال کو درست فرض بھی کرلیا جائے تو پھر بھی اس میں ارتقاءکا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ پتنگوں کی کوئی نئی تدریجی شکل تو نمودار ہوئی ہی نہیں- پتنگا پتنگا ہی رہا گہرے رنگ کے پتنگوں کی آبادی صنعتی انقلاب سے پہلے بھی موجود تھی- اس انقلاب کی وجہ سے پتنگوں کی مختلف اقسام میں تقابلی تناسب بدل گیا- پتنگوں کے اندر کسی نئے عضو یا عادت کا اضافہ نہیں ہوا جس سے یہ کسی نئی نسل میں بدل گئے- کسی پتنگے کی نسل کا کسی اور نسل میں تبدیل ہوجانا مثلاً چڑیا میں تبدیل ہوجانے کے لئے اس کی جینیات میں وسیع پیمانے پر اضافے کی ضرورت ہے- پتنگوںکی جینیات کے اندر ایک الگ جینیاتی ترتیب داخل کرنے سے ہی وہ چڑیوں کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوسکتے ہیںورنہ وہ صرف پتنگا ہی رہیں گے- صنعتی سیاہی کی ارتقائی کہانی کا یہ جواب ہے-

اس کہانی کا ایک اور دلچسپ پہلو بھی ہے- نہ صرف اس کہانی کی تشریح غلط ہے بلکہ اس کہانی میں بذاتِ خود نقص موجود ہے- سالمی حیاتیات کے ماہر جوناتھن ویلز نے اپنی کتاب "ارتقاءکی قابل عقیدت شبیہات" مےں وضاحت کی ہے کہ پتنگوں کی یہ کہانی جو کہ تقریباً ہر حیاتیاتی ارتقاءکی کتاب کا حصہ ہے اور اےک قابلِ عقیدہ شبیہ کا روپ دھارگئی ہے دراصل ایک سچی کہانی ہرگز نہیں ہے- ویلز اپنی کتاب میں تفصیلاً بتاتا ہے کہ برنارڈ کیٹلول کا تجزیہ جو کہ اس پوری کہانی کا "تجرباتی ثبوت" کہلاتا ہے دراصل سائنس کا ایک فساد انگیز واقعہ ہے- اس فساد کے کچھ بنیادی نقطے مندرجہ ذیل ہیں-

- کیٹلول کے تجربے کے بعد کئے جانے والے کئی تجربوں نے ظاہر کیا کہ صرف ایک نسل کے پتنگے ہی ان درختوں کے تنوں پر بسیرا کرتے تھے- دوسری طرح کے پتنگے چھوٹی افقی ٹہنیوں کو ترجیح دیتے تھے- ۱۹۸۰ءکے بعد واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ سیاہی مائل پتنگے درختوں کے تنوں پر عموماً ٹھہرتے ہی نہیں ہیں- ۲۵ سالہ عملی کام کے ذریعے سیسل کلارک، رودی باؤلٹ، مائیکل ماجیرس، ٹونی لیبرٹ اور پال بریکفیلڈ جیسے سائنسدانوںنے اخذ کیا کہ "کیٹلول کے تجربوں میں پتنگوں کو غیر معمولی حالات کے تحت زبردستی عمل کروایا گیا تھا اسی لئے اس تجربے کو سائنسی تجربے کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا"-

- جن سائنسدانوں نے کیٹلول کے تجربے کے نتیجے کو پرکھا وہ اور بھی دلچسپ صورتحال کو سامنے لے کر آئے- اگرچہ ہلکے رنگ پتنگوں کی تعداد انگلستان میں کم آلودہ خطوں میں اوسطاً زیادہ ہونی چاہئے تھی لیکن وہاں گہرے رنگ پنگے ہلکے رنگ پتنگوں سے چار گنا زیادہ مقدار میں موجود تھے- اس سے ظاہر تھا کہ کیٹلول کے دعوے کے برخلاف پتنگوں کی آبادی کا درختوں کے تنوں سے کوئی تعلق نہیں تھا- یہ دعویٰ صرف کیٹلول کا ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر ارتقائی ذریعے کا ہے-

- جیسے جیسے اس معاملے کی تحقیق گہرائی میں جانے لگی اس فساد انگیز کہانی کا رخ بھی تبدیل ہوتا گیا- درختوں کے تنوں پر جن پتنگوں کی تصویر کیٹلول نے اتاری تھی وہ دراصل بے جان پتنگے تھے- کیٹلول نے بے جان پتنگوں کے نمونوں کو استعمال کرتے ہوئے ان کو درختوںکے تنوں سے چپکاکر یا سوئیوں کے ذریعے لگاکر ان کی تصویریں اتاریں- سچائی کی بات تو یہ ہے کہ ایسی تصویر اتارنے کے امکان ہی بہت کم ہیں کیونکہ پتنگے عادتاً درختوں کے تنوں پر نہیں بلکہ پتوں کے نیچے پائے جاتے ہیں-۱۴

یہ تمام حقائق سائنسی حلقوں نے ۱۹۹۰ءکے آخر ی سالوں میں برآمد کئے- صنعتی سیاہی کی افلاطونی حکایت کے زمین بوس ہونے کی وجہ سے ارتقاءپسندوں کو شدید دھچکا پہنچا کیونکہ یہ حکایت ارتقاءکے تعارف کے طور پر کئی تعلیمی ادروں کی نصابی کتابوں میں ایک قیمتی اثاثہ تصور کی جاتی تھی- ان مایوس ارتقاءپسندوں میں سے ایک جیری کوئن بھی تھا جس نے تبصرہ کیاکہ:

تیسرا باب

ارتقاءکے خیالی طریقۂ عمل

ارتقاءکا نوڈاروینی نقشہ جس کو دورِ حاضر کا مقبول ترین ارتقائی رجحان کہا جاسکتا ہے بحث کرتا ہے کہ زندگی دو طرح کے لائحہ عمل سے ارتقاءسے گزری- ایک انتخاب طبعی اور دوسرا جینیات میں بے ترتیبی- اس نظریئے کے حساب سے یہ دونوں لائحہ عمل متلازم ہیں کیونکہ یہ کہتا ہے کہ ارتقائی ترمیمات کاتعلق اس بے ترتیبی سے ہے جو کہ جانداروں کی جینیاتی ساخت میں واقع ہوتی ہے- اس بے ترتیبی سے جو عادات وجود میں آتی ہیں وہ انتخابِ طبعی کے طریقہ عمل سے جانداروں میں ارتقاءکا سبب بنتی ہیں- اگر اس نظریئے کا مزید گہرائی میں تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دراصل اس میں کوئی ارتقائی طریقہ عمل سرے سے موجود ہی نہیں- جاندار نسلوں کا ایک نسل سے دوسری نسل میں تبدیل ہونے میں نہ تو انتخاب طبعی کا ہاتھ ہے اور نہ جینیاتی بے ترتیبی کا- یہ کہنا کہ یہ دونوں طریقے نسلوں کو بنانے اور بگاڑنے میں کسی بھی طرح کا کرار ادا کرتے ہیں ایک سراسر بے بنیاد دعویٰ ہے-

انتخابِ طبعی

انتخابِ طبعی ایک قدرتی عمل کے طور پر ڈارون سے پہلے رہنے والے ماہر حیاتیات کے لئے بھی کوئی نئی چیز نہیں تھا- ان لوگوں کے نزدیک اس اصطلاح کا مفہوم ایک ایسا لائحہ عمل تھا جو کہ نسلوں کو مسخ کئے بغیر ایک ہی شکل میں نسل در نسل قائم رکھتا ہے- اس طریقۂ عمل میں ارتقائی قوت کی موجودگی کا قیاس ڈارون نے سب سے پہلے کیا اور اس کمزور بنیاد پر اس نے اپنا پورا نظریہ تعمیر کردیا- اس نے اپنی کتاب کو جو عنوان دیا وہ ثابت کرتا ہے کہ انتخاب طبعی ہی اس کے نظریئے کی بنیاد تھا- "نسلوں کی ابتداءبذریعہ انتخاب طبعی" لیکن ڈارون کے وقت سے لے کر اب تک ایک دھاگے کے برابر بھی ثبوت ارتقاءبذریعہ انتخابِ طبعی کی حمایت میں سامنے نہیں آسکا-

لندن کے برٹش میوزیم آف نیچرل ہسٹری کا نامور ماہر معدوم حیوانات و نباتات اور کٹر ارتقاءپسند کولن پیٹرسن اس بات پر زوردیتا ہے کہ انتخابِ طبعی کے اندر کبھی بھی جانداروں کے ارتقاءکی صلاحیت نہیں پائی گئی-

"کسی نے آج تک انتخاب طبعی کے عمل سے کوئی نسل پیدا نہیں کی- کوئی آج تک اس مسئلہ کے نزدیک بھی نہیں پہنچ سکا پھر بھی نوڈاروینیت کی تمام حالیہ بحث اسی سوال کے اطراف گردش کرتی ہے-"۳۱

انتخاب طبعی کے حساب سے وہ جاندار جو اپنے قدرتی ماحول میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہی اپنی نسل کو آگے چلانے کے لائق ہوتے ہیں جبکہ دوسرے اپنے ماحول میں ڈھلنے کی صلاحیت سے معذور جاندار معدوم ہوجاتے ہیں- مثال کے طور پر ہرن کے گروہ میں سب سے زیادہ تیز دوڑنے والے ہرن بچ جاتے ہیں جبکہ دوسرے شکار ہوجاتے ہیں- گوکہ یہ ایک درست تجزیہ ہے لیکن باوجود اس عمل کے ہمیشہ جاری رہنے کے اس سے ہرن ہرگز کسی دوسری نسل کے جانور میں تبدیل نہیں ہوجاتے- ہرن ہمیشہ ہرن ہی رہا ہے- جب ارتقاءپسندوں کی اس معاملے میں پیش کی گئی چند مثالوں کی تفصیل دیکھی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سارے معاملات دھوکہ دہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

صنعتی سیاہی

۶۸۹۱ءمیں ڈگلس فوٹیما نے "ارتقاءکی حیاتیات" کے نام سے کتاب شائع کی جو کہ انتخاب طبعی کے ذریعے ارتقاءکے نظریئے پر مفصل بیان خیال کی جاتی ہے- اس موضوع پر فوٹیما کی سب سے مشہور مثال پتنگوں کی آبادی کے رنگ کے متعلق ہے جو کہ انگلستان کے صنعتی انقلاب کے دوران گہرا ہوگیا تھا- صنعتی سیاہی کی ملتی جلتی کہانی صرف فوٹیما کی کتاب میں ہی نہیں بلکہ ارتقائی حیاتیات کی شاید ہر کتاب میں موجود ہے- یہ کہانی انگریز ماہرِ طبیعیات اور حیاتیات برنارڈ کیٹلول کے کئے گئے کئی تجربوں پر مبنی ہے- اس کہانی کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے-

"بیان کے مطابق انگلستان میں صنعتی انقلاب کی شروعات کے وقت مانچسٹر کے اطراف درختوں کے تنوں کا رنگ کافی ہلکا تھا- اس ہلکے رنگ کی وجہ سے ان درختوں پر بیٹھنے والے گہرے رنگ کے پتنگوں کی شناخت آسانی سے کی جاسکتی تھی- چڑیاں ان پتنگوں کواس آسان شناخت کی وجہ سے غذا بنالیتی تھیں اور پتنگوں کے بچ جانے کے امکان بہت کم تھے- پچاس سال بعد صنعتی

سے وجود میں نہیں آسکتیں۔ ڈارون نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا تھا۔"انتخاب طبعی کسی کام کا اہل نہیں جب تک کہ مناسب تبدیلیاں اتفاقاً رونما نہ ہوجائیں۔"۸۱

اس صورتحال کی وجہ سے نوڈاروینیت کو جینیاتی تبدیلیوں کے نقطے کو ' فائدہ مند تبدیلیوں کی وجہ ' کے طور پر جینیاتی تبدیلی کا ہم پلہ کرنا پڑا۔ لیکن آگے ثابت ہوگا کہ جینیاتی تبدیلی کسی بھی فائدے کی نہیں بلکہ سراسر نقصان دہ تبدیلی کی وجہ ہے۔

جینیاتی تبدیلی

جینیاتی تبدیلی کا مفہوم *DNA* کے ذرے میں تعطل یا تبدیلی ہے۔ *DNA* اپنی مثل پیدا کرنے والا مادہ ہوتا ہے جو تقریباً سب زندہ نامی اجسام میں موجود ہوتا ہے اور جس میں اس جسم سے متعلق تمام جینیاتی معلومات موجود ہوتی ہیں۔ اس مادے میں تعطل یا تبدیلی بیرونی نورافگنی یا کیمیائی اثرات کے تحت پیدا ہوتی ہے۔ ہر جینیاتی تبدیلی ایک حادثہ ہوتا ہے جس کے تحت *DNA* کے مادے کے ذرات توڑ پھوڑ کا شکار ہوجاتے ہیں یا ان کی جگہ بدل جاتی ہے۔ اکثر اوقات *DNA* کا مادہ اتنے زیادہ نقصان کا شکار ہوجاتا ہے کہ اس کی مرمت اس خلیئے کے لئے ناممکن ہوجاتی ہے جس کے اندر وہ موجود ہوتا ہے۔ ارتقاءپسند اکثر جینیاتی تبدیلی کے وصف کے پیچھے منہ چھپانے کی کوشش اس دعوے کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ عمل ایک ایسی جادو کی چھڑی ہے جو کہ جاندار نسلوں کو مزید ترقی یافتہ اور بہترین بنانے کے لائق ہے۔ لیکن جینیاتی تبدیلی کے براہِ راست اثرات صرحاً نقصان دہ ہیں۔ جینیاتی تبدیلی کے اثرات ہیروشیما، ناگاساکی اور چرنوبل کے نیوکلیائی حادثات میں واضح ہیں جن کا نتیجہ صرف موت، بیماری اور معذوری تھا۔ اس کی وجہ بہت سیدھی سادھی ہے۔ *DNA* کے مادے کی ساخت بے انتہا پیچیدہ ہے اور بے ترتیب اثرات اس مادے کو صرف نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ بی جی رانگانیتھن کے الفاظ میں:

"اول بات تو یہ ہے کہ قدرت میں بے ترتیب جینیاتی تبدیلی ایک بے انتہا غیر معمولی واقعہ ہے۔ دوسرا یہ کہ زیادہ تر جینیاتی بے ترتیبی نقصان دہ ہوتی ہے کیونکہ یہ جینیات کی ساخت میں ترتیب وار تبدیلی کے برعکس ایک بے ترتیبی ہوتی ہے۔ کسی بھی بے انتہا پیچیدہ نظام میں معمولی سی بھی بے ترتیب تبدیلی صرف نقصان پیدا کرسکتی ہے، فائدہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک زلزلہ ایک پیچیدہ عمارتی ڈھانچے کو ہلادے تو اس سے اس عمارت کے تعمیراتی ڈھانچے میں شدید بے ترتیبی پیدا ہوجائے گی جس کو کسی طور سے بھی بہتری کا نام نہیں دیا جاسکتا۔"۹۱

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ آج تک کوئی فائدہ مند جینیاتی تبدیلی سامنے نہیں آئی ہے۔ تمام جینیاتی تبدیلیاں سراسر نقصان دہ رہی ہیں۔ارتقائی سائنسدان وارن ویور اس رپورٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے جو کہ ایٹمی نورافگنی کے جینیاتی اثرات کی کمیٹی نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لے کر لکھی تھی:

"بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہوں گے کہ تقریباً ساری ہی تبدیل شدہ جینیات نقصان دہ ہیں کیونکہ جینیاتی تبدیلی کو ارتقائی عمل کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے لیکن ایک اعلیٰ نسل کو پیش کرنے والا عمل ان تبدیل شدہ جینیات کا نتیجہ کیسے ہوسکتا ہے جو کہ سراسر نقصان دہ ہیں، فائدہ مند ہرگز نہیں؟"۰۲

ایک بھی فائدہ مند جینیاتی تبدیلی کو وجود میں لانے کے لئے کی جانے والی ہر کوشش ناکام رہی ہے۔ کئی دہائیوں تک ارتقائی سائنسدانوں نے پھلوں کی مکھی پر جینیاتی تجربے کئے کیونکہ یہ مکھی بہت تیزی سے نسل بڑھاتی ہے اور اس لئے اس میں جینیاتی تجربوں کے اثرات بھی تیزی سے رونما ہوتے نظر آسکتے تھے۔ اس مکھیوں کی نسل در نسل پر یہ تجربے کئے گئے لیکن ایک بھی فائدہ مند جینیاتی تبدیلی سامنے نہیں آئی۔

ارتقائی ماہرِ جینیات گورڈن ٹیلر لکھتا ہے:

"گوکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس پر تبصرہ بہت کم اوقات کیاجاتا ہے کہ دنیا بھر کی تجربہ گاہوں میں ماہرِ جینیات پھلوں کی مکھیوں کی افزائش جینیاتی تجربوں کی

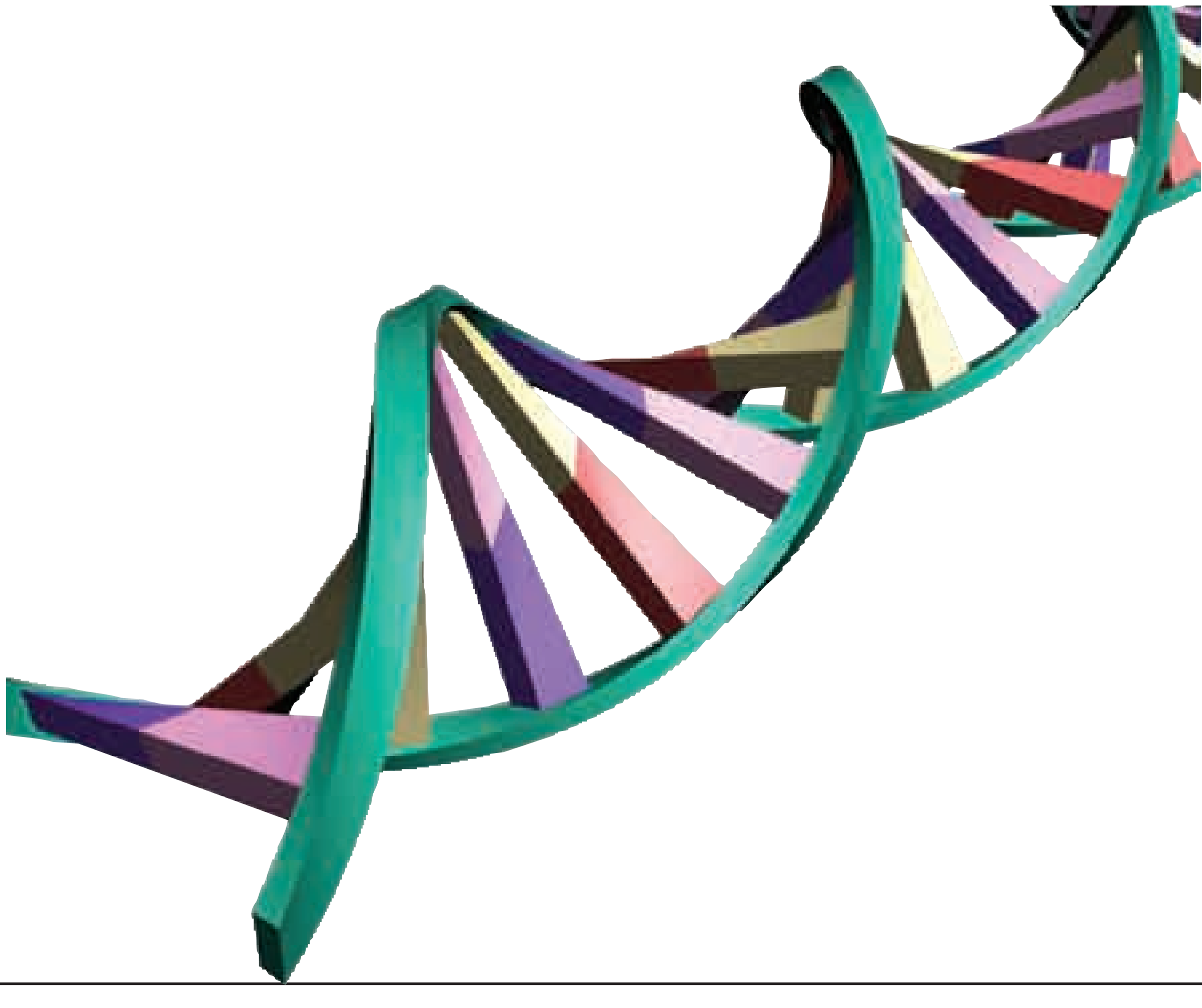

جینیاتی تبدیلی کسی جاندار کے *DNA* میں نئی معلومات کا اضافہ نہیں کرتی۔ جینیاتی تبدیلی کے نتیجے میں جینیاتی معلومات کی تشکیل کرنے والے ذرات اپنی جگہوں سے پھٹ کر الگ ہوجاتے ہیں، ضائع ہوجاتے ہیں یا دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کسی بھی جینیاتی تبدیلی کے نتیجے میں کسی جاندار کا نیا عضو یا نئی عادت حاصل کرلینا ناممکن ہے۔ یہ تبدیلی صرف غیر معمولی بدہیئتیں پیدا کرسکتی ہے مثلاً پیٹھ پر سے ٹانگ اور پیٹ پر کان کا اگ آنا۔

"اس تمام واقعہ پر میرا ذاتی ردعمل اس طرح تھا جس طرح میری چھ سال کی عمر میں مجھے یہ افسوس ناک انکشاف ہوا کہ کرسمس کے موقع پر میرے تحائف سانٹا کلاس نہیں بلکہ میرا باپ خرید کر لاتا تھا-"۵۱

چنانچہ اس طرح انتخاب طبعی کا سب سے مشہور ثبوت تاریخ کے کچرے کے ڈھیر میں سائنسی فساد انگیز کہانیوں کی دوسری مثالوں کے ساتھ مل گیا کیونکہ انتخاب طبعی ارتقاءپسندوں کے دعوؤں کے مطابق ارتقائی طریقہ عمل ہرگز نہیں ہے- انتخاب طبعی کسی بھی جاندار میں نہ تو نیا عضو ڈال سکتا ہے نہ اس کے جسم سے کوئی عضو نکال سکتا ہے اور نہ ہی ایک نسل کو دوسری نسل میں تبدیل کرسکتا ہے-

انتخابِ طبعی پیچیدگی کو کیوں نہیں بیان کرتا؟

انتخاب طبعی نظریہ ارتقاءکو کسی طور سے آگے نہیں چلاسکتا کیونکہ اس طریقہ عمل سے کسی بھی نسل کی جینیاتی معلومات نہ تو بڑھ سکتی ہیں اور نہ بہتر ہوسکتی ہیں- انتخاب طبعی ایک نسل کو دوسری نسل میں بھی نہیں تبدیل کرتا -اس عمل سے نہ تو ستارہ مچھلی عام مچھلی، نہ مچھلی مینڈک، نہ مینڈک مگر مچھ اور نہ مگر مچھ چڑیا بن سکتا ہے- اوقافی توازن کا سب سے بڑا حمایتی اسٹیفن گولڈ انتخابِ طبعی کے اس تعطل کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"نظریۂ ڈارون کی روح فقط ایک فقرے میں بند ہے- انتخابِ طبعی کی تخلیقی طاقت ارتقائی تبدیلی میں ہے- کوئی بھی اس بات سے انحراف نہیں کرسکتا کہ گو کہ انتخابِ طبعی کمزوروں کا خاتمہ کرنے میں تو کردار ادا کرتا ہے لیکن دوسری طرف ارتقائی نظریوں کے تقاضوں کے تحت انتخابِ طبعی طاقتور اور صحت مند جاندار ہر گز پیدا نہیں کر سکتا-"۶۱

نظریۂ ارتقاءکے پیروکاروں کا انتخابِ طبعی کے معاملے میں لوگوں کو بھٹکانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اس پورے عمل کو ایک ہوشمند کارروائی کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ انتخابِ طبعی حقیقتاً ایک بے خبر اور بے شعور عمل ہے- اس کی کوئی مرضی نہیں ہوتی کہ جانداروں کے لئے کیا چیز مناسب ہے اور کیا غیر مناسب ہے- اسی لئے "پیچیدگی جو کم نہیں کی جاسکتی" کی خصوصیت جو کہ انتخابِ طبعی میں موجود ہے وہ جانداروں کے حیاتیاتی نظام اور اعضاءکا جواب نہیں دے سکتی- جانداروں کے پیچیدہ اعضا اور نظام کئی مختلف حصوں کا مرکز ہیں جن میں سے اگر ایک حصہ بھی کم ہوجائے یا اس میں نقص آجائے تو پورا نظام ہی ضائع ہوجاتا ہے- مثال کے طور پر اگر قوتِ بصارت کو ذرا سا بھی نقصان پہنچے تو بینائی ضائع ہوجاتی ہے- صرف اس تمام نظام کو مجتمع کرنے والی طاقت کو ہی اندازہ ہے کہ نظام کو مکمل طور پر درست کارکردگی کا متحمل ہونے کے لئے کس طریقے سے مکمل ہونا ضروری ہے- چونکہ انتخاب طبعی میں کوئی مرضی یا مستقبل کو جانچنے کی اہلیت موجود نہیں اس لئے وہ اس طرح کا کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہے- یہ حقیقت اس نظریئے کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیتی ہے- ڈارون بھی اس مسئلے پر پریشان تھا- وہ لکھتا ہے:

"اگر کسی پیچیدہ عضو کی موجودگی کا ثبوت قائم ہوجائے جس کا کسی بھی طرح کی معمولی اور سلسلہ وار تبدیلی کے ذریعے وجود میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہو تو میرا نظریہ مکمل طور پر تباہ ہوجائے گا-"۷۱

انتخابِ طبعی کے ذریعے کسی بھی نسل کے صرف بدہیئت، کمزور اور بیمار وجود ہی قدرتی طور پر ختم ہو سکتے ہیں مگر اس عمل سے نئی نسلیں، نئی جینیاتی معلومات یا نئے اعضاءپیدا نہیں ہو سکتے- آسان الفاظ میں جاندار نسلیں انتخاب طبعی

انتخابِ طبعی ایک ایسا عمل ہے جس سے کسی نسل میں موجود کمزور جانداروں کا اخراج ہوجاتا ہے- یہ ایک انقلابی طاقت ہے جوکہ موجودہ نسلوں کو تنزل سے تو محفوظ رکھتی ہے لیکن اس کے اندر ایک نسل کو دوسری نسل میں بدلنے کی طاقت موجود نہیں ہوتی-

چوتھا باب

فوصلی ریکارڈ ارتقاءکی تردید کرتا ہے

نظریۂ ارتقاءکے مطابق ہر جاندار نسل کا ایک پرکھا ہے - ہرنسل جو کبھی کسی وقت میں رہی ہے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دوسری کسی نسل میں تبدیل ہوگئی ہے اور یہی عمل جانداروں کے وجود میں آنے کا سبب ہے- اس نظریئے کے مطابق یہ منتقلی اور تبدیلی کا عمل لاکھوں سالوں کے عرصے پر محیط ہے-لےکن اگر یہی صورتحال ہوتی تو پھر ان تبدیلیوں کے درمیان کی بے شمار وسطی نوعیت کی نسلوں کا نشان بھی ملنا چاہئے تھا- مثال کے طور پر ماضی میں کسی آدھی مچھلی آدھے رینگنے والے جانور کے کوئی آثار نہیں ہیں جنھوں نے رینگنے والے جانوروں کی خصوصیات کے علاوہ مچھلیوں کی خصوصیات بھی حاصل کرلی ہوں- نہ ہی ماضی میں کسی آدھے رینگنے والے جانور یا آدھی چڑیا نما جانور کے آثار ہیں جن کے اندر رینگنے والے جانوروں کی خصوصیات کے ساتھ پرندوں کی بھی خصوصیات موجود ہوں- ارتقاءپسند ان ماضی کے تصوراتی جانوروں کو وسطی اشکال کا نام دیتے ہیں- اگر ایسے جانداروں کا حقیقتاً کوئی وجود ہوتا تو دنیا میں ان کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں میں ہوتی اور ان کے تمام ثبوت فوصلی ریکارڈ میں موجود ہوتے - نہ صرف ان وسطی اشکال کے جانداروں کی تعداد دورِ حاضر میں موجود جانداروں کی تمام نسلوں سے زیادہ ہوتی بلکہ ان کے بقایا جات بھی پوری دنیا میں بکھرے ہو تے -اپنی کتاب ”اوریجن آف اسپیشیس“ میں ڈارون نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے:

”اگر میرا نظریہ درست ہے تو جانداروں کی لاتعداد وسطی اشکال کئی نسلوں کا آپس میں تعلق دکھاتی ہوئی موجود ہوتیں اور ان کے وجود کا ثبوت فوصلی ریکارڈ میں با آسانی مل جاتا-“۳۲

سچ تو یہ ہے کہ ڈارون کو خود بھی اچھی طرح اندازہ تھا کہ ان خیالی وسطی جانداروں کی کوئی حقیقت اور کوئی وجود نہیں ہے- اس کو صرف امید تھی کہ شاید مستقبل میں ان جانداروں سے متعلق کوئی ثبوت برآمد ہوجائے- اس تمام پر امیدی کے باوجود اس کواس بات کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا کہ یہ غیر موجود وسطی جاندار ہی اس کے نظریئے کے لئے سب سے ناموافق صورتحال ہیں- اسی وجہ سے اس نے اپنی کتاب کے باب ”نظریئے کی مشکلات“ میں لکھا ہے:

”اگر ایک نسل دوسری نسل کا بسلسلہ تدریجی ترقی نتیجہ ہے تو ہم کو ہر جگہ بے شمار وسطی اشکال کے جانداروں کے نشان کیوں نہیں ملتے؟ قدرت میں ہر چیز بے ترتیب کیوں نہیں ہے بجائے نسلوں کی موجودہ منظم ترتیب؟ س نظریئے کے حساب سے لاتعداد وسطی نوعیت کے جانداروں کا وجود دنیا میں موجود ہونا چاہئے تھا تو پھر یہ جاندار ہم کو زمین کی مختلف سطحوں میں دھنسے ہوئے کیوں نہیں ملتے؟ زمین کی ہر ارضیاتی تہہ اور ساخت ان وسطی کڑیوں سے پر کیوں نہیں ہے؟ علمِ ارضیات میں ایسے کسی باریک بین مربوط سلسلے کا کوئی نشان نہیں ہے- میرے نظریئے کا شاید یہی سب سے واضح اور سنجیدہ اعتراض ہے-“۴۲

اس اعتراض کے جواب میں ڈارون صرف ایک ہی وضاحت پیش کرسکتا تھا اور وہ یہ کہ اس کے وقت تک حاصل کئے جانے والا فوصلی ریکارڈ نامکمل تھا- اس نے اس بات پر زوردیا کہ جب فوصلی تحقیق مزید تفصیل سے مکمل کی جائے گی تو یہ گمشدہ کڑیاں بھی نمودار ہوجائیں گی- ڈارون کی پیشن گوئی پر یقین کرتے ہوئے ارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات انیسویں صدی کے وسط سے ساری دنیا میں ان گمشدہ کڑیوں کی تلاش میں فوصلوں کی کھدائی میں مصروف ہیں لیکن ان کی بہترین کوششوں کے باوجود کسی وسطی نوعیت کا کوئی بھی فوصل آج تک برآمد نہیں ہوا- ارتقاءپسندوں کی ہر خواہش کے خلاف ہر کھدائی سے ملنے والے فوصلوں نے صرف اور صرف یہ ثابت کیا ہے کہ زمین پر زندگی اچانک اور مکمل اشکال میں نمودار ہوئی- اپنے نظریئے کو درست ثابت کرنے کی کوششوں میں ارتقاءپسندوں نے الٹا اپنے ہی نظریئے کو زمین بوس کردیا- ایک ارتقاءپسند ہونے کے باوجود مشہور انگریز ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات ڈیرک- وی- ایگر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

”اگر ہم فوصلی ریکارڈ کا تفصیلی معائنہ کریں تو یہ نقطہ جانداروں کے سلسلوں اور نسلوں کے متعلق اٹھتا ہے کہ ہم کو یہاں کسی طرح کی درجہ بہ

شدید ناکامی کے باوجود مسلسل کئے جارہے ہیں- باوجود اس کے کہ یہ مکھی ہر گیارہ روز بعد ایک نئی نسل جن دیتی ہے ان سائنسدانوں نے اپنے کسی بھی تجربے سے ابھی تک اس مکھی کی نسل تو کجا اس میں کسی نئے لحمیہ کا وجود تک نہیں پایا"- ١٢

ایک اور تجربہ دان مائکل پٹمین بھی پھلوں کی مکھی پر کئے جانے والے تجربوں کی ناکامی کے بارے میں لکھتا ہے:

"مورگن، گولڈ اشمتھ، ملر اور کئی دوسرے ماہرِ جینیات نے پھلوں کی مکھی کی نئی نسلوں کو شدید گرمی، سردی، روشنی، اندھیرے، کیمیائی اور نورافگنی کے ماحول میں رکھا- ہر طرح کی معمولی سے لے کر تباہ کن جینیاتی تبدیلی ان کے اندر پیدا کی گئی- انسان کی پیدا کی گئی نسلیں؟ ہرگز نہیں- کیونکہ ان ارتقائی عجیب الخلقت حیوانات میں سے ایک بھی اپنی نسل کی افزائش کرنے کے لائق نہیں تھا اگر اس کو اس بوتل سے باہر نکال دیا جاتا جس میں وہ تجربوں کی مدد سے وجود میں لایا گیا تھا- عملی طور پر جینیاتی طور پر تبدیل شدہ نسل مرجاتی ہے یا بانجھ ہوتی ہے یا پھر مکمل طور پر جنگلی ہوجاتی ہے-"٢٢

یہ اصول انسانی نسل پر بھی لاگو ہوتا ہے- انسانی نسلوں میں جینیاتی تبدیلیوں کے نتیجے تباہ کن رہے ہیں- اس معاملے میں ارتقاءپسند معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے وہ نمونے پیش کرتے ہیں جو کہ تباہ کن اثرات کا مجسمہ ہونے کے باوجود ان کے حساب سے ارتقاءکا ثبوت ہیں- انسانوں میں جینیاتی تبدیلی کا نتیجہ جسمانی معذوری اور ڈاون سنڈروم، منگولزم، البینو، بونے اور کینسر جیسی بیماریاں ہیں- ان تمام جینیاتی معذوریوں کو ارتقاءکی نصابی کتابوں میں ارتقاءکے عملی ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے- یہ بات ان ارتقائی سائنسدانوں کی سمجھ سے باہر ہے کہ کوئی بھی عمل جو کہ لوگوں کو معذور اور بیمار بنادے وہ ایک فائدہ مند ارتقائی عمل ہو ہی نہیں سکتا- ارتقاءکا صحیح مفہوم ایسے جاندار پیدا کرنا ہے جن کے اندر اپنے ماحول میں بہترین طریقے سے پنپنے کی صلاحیت موجود ہو-

خلاصے کے طور پر تین وجوہات ایسی ہیں جن کی روشنی میں جینیاتی تبدیلی ارتقاءپسندوں کے دعوؤں کو سہارا دینے سے قاصر ہے:

١- جینیاتی تبدیلی کے براہِ راست اثرات نقصان دہ ہیں- کیونکہ جینیاتی تبدیلی ایک بے ترتیب عمل ہے اس لئے یہ تقریباً ہمیشہ اس جاندار کو نقصان پہنچاتا ہے جس میں یہ رونما ہوتا ہے- منطق کے حساب سے بھی یہ اصول سمجھنا مشکل نہیں کہ کسی بھی پیچیدہ اور مکمل ساخت میں ایک بے شعور اور بے ترتیب مداخلت اس ساخت کو فائدہ ہرگز نہیں پہنچاسکتی- اس لئے آج تک کوئی مداخلت اس ساخت کو فائدہ ہرگز نہیں پہنچاسکتی- اسی لئے آج تک کوئی فائدہ مند جینیاتی تبدیلی سامنے نہیں آئی-

٢- **جینیاتی تبدیلی کے ذریعے کسی بھی جاندار کے *DNA* کے مادے میں نئی معلومات کا اضافہ نہیں ہوسکتا-** جینیاتی تبدیلی کے نتیجے میں جینیاتی معلومات کے ذرے یا تو اپنی اصل جگہ سے الگ ہوجاتے ہیں، مکمل طور پر تباہ ہوجاتے ہیں یا پھر کسی اور جگہ پر منتقل ہوجاتے ہیں- جینیاتی تبدیلی کے نتیجے میں آج تک نئی عادات اور نئے اعضاءپیدا نہیں ہوئے، صرف موجودہ اعضاءمیں شدید معذوری نظر آئی ہے مثلاً پیٹھ پر ٹانگ کا اگ آنا یا پیٹ پر کان کا ابھر آنا-

٣- اگر جینیاتی تبدیلی نے دوسری نسل میں منتقل ہونا ہے تو اس کے لئے اس کا عمل جاندار کے افزائشی خلیوں کے اندر ہونا لازمی ہے- کسی جاندار کے عام خلیئے یا عضو کے اندر پیدا ہونے والا بے ترتیب عمل اس کے آنے والی نسل میں اس وقت تک منتقل نہیں ہوسکتا جب تک کہ افزائشی خلیوں میں موجود *DNA* کا مادہ جینیاتی تبدیلی کے اثرات کے تحت تبدیل ہوجائے- مثال کے طور پر نورافگنی اثرات سے انسانی آنکھ کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلی آنے والی نسل کو منتقل نہیں ہوسکتی - اسی طرح جانداروں کی افزائش ارتقاءکے عمل کے تحت ممکن ہی نہیں کیونکہ قدرت نے ایسا کوئی نظام ہی نہیں بنایا- فوصلی ریکارڈ بھی اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے- فوصل کسی بھی زاویئے سے ارتقائی عمل کی تصدیق نہیں کرتے-

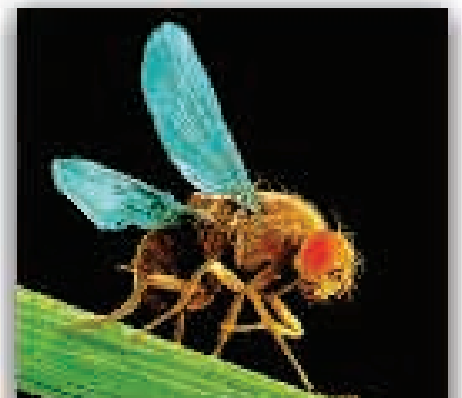

٢٠ ویں صدی کی شروعات سے ارتقاءپسند ماہرِ حیاتیات جینیاتی تبدیلی کے ذریعے پید اکی گئی مکھیوں سے فائدہ مند جینیاتی تبدیلی کو ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں- ان کاوشوں کا نتیجہ بد ہیئت اور بیمار مکھیوں کی شکل میں نکلا ہے- اوپر والی تصویر میں ایک صحت مند پھلوں کی مکھی کا سر ہے اور نیچے والی تصویرمیں اسی مکھی کے سر سے ٹانگیں نکلی ہوئی نظر آرہی ہیں- اوپر کی ایک تصویر میں اس مکھی کے پر بھی جینیاتی تبدیلی کے باعث بدشکل ہوچکے ہیں-

کیمبرین پتھروں سے ملنے والے فوصل گھونگے، قدیم حیاتےاتی دور کے سنگوارے ،اسفنج ، کیچوے، فالودہ مچھلی، ستارہ مچھلی، آبی خولدار جانور اور آبی کنول جیسے پیچیدہ غیر فقاری نسلوں کے ہیں- سب سے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ تمام مخصوص نسلیں اچانک ہی نمودار ہوئیں- اس وجہ سے اس معجزاتی واقعہ کو ارضیاتی کتب میں "کیمبرین دھماکے" کا نام دیا جاتا ہے-

درجہ ارتقاءکا پہلو نہیں ملتا بلکہ ایک نسل کا دوسری نسل سے مختلف دھماکوں کی صورت میں زندگی کی رونمائی نظر آتی ہے-"۵۲

ایک اور نامور ارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات تبصرہ کرتا ہے کہ:

"اس نظریئے کو ثابت کرنے میں سب سے بڑا مسئلہ فوصلی ریکارڈ کا ہے جو کہ گمشدہ نسلوں کے ارضیاتی ساخت میں نشانات ہیں-نشانات کے اس ریکارڈ نے ڈارون کے نظریئے کے کسی بھی نقطے کی تصدیق نہیں کی ہے-اس کے برعکس جاندار نسلیں اچانک نمودار اور غائب ہوتی نظر آتی ہیں- اس بے ربطگی نے اس بحث کو مزید جلا بخشی ہے کہ تمام جاندار نسلیں صرف خدا کی تخلیق ہیں-"۶۲

فوصلی ریکارڈ کا یہ خلایہ کہہ کر ہرگز پر نہیں کیا جاسکتا کہ ابھی تک کافی فوصل ملے ہی نہیں لیکن ایک دن جب فوصلی تحقیق مکمل ہوجائے گی تو ڈارون کا نظریہ بھی ثابت ہوجائے گا- ایک اور امریکی ادب دان رابرٹ ویسن اپنی ۱۹۹۱ءمیں چھپنے والی کتاب "انتخابِ طبعی سے آگے" میں لکھتا ہے کہ فوصلی ریکارڈ میں موجود خلا اصل اور پر معنی ہے- اپنے اس دعوے کی وضاحت وہ اس طرح کرتا ہے:

"فوصلی ریکارڈ میں موجود خلا اصل ہے اور اس معاملے میں کسی تردیدی ثبوت کی غیر موجودگی ایک غیر معمولی واقعہ ہے- نسلیں اکثر لمبی مدتوں کے لئے ساکت رہتی ہیں اور دوسری نسل کے اندر ارتقائی تبدیلی کا کوئی مظاہرہ نہیں کرتیں بلکہ نئی نسلوں کی موجودگی اچانک رونما ہوتی ہے-"۷۲

زمین پر زندگی اچانک اور پیچیدہ اشکال میں نمودار ہوئی

جب ارضیاتی تہوں اور فوصلی ریکارڈ کا معائنہ کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمام جاندار اچانک ایک ہی وقت میں نمودار ہوئے- زمین کی سب سے قدیم ارضیاتی تہہ جس میں جانداروں کے فوصل برآمد ہوئے ہیں وہ ۵۰۰ سے ۵۵۰ لاکھ سال پرانی کیمبرین دور کی ارضیاتی تہہ ہے- اس دور میں نمودار ہونے والے تمام جاندار فوصلی ریکارڈ میں اچانک بغیر کسی پرکھا کے نمودار ہوئے- اس دور کی فوصل گھونگوں، قدیم دور کے سنگواروں، اسفنج، کیچوؤں، فالودہ مچھلی، سمندری خار پشت اور دوسرے پیچیدہ غیر فقاری جانداروں کے ہیں - یہ پیچیدہ نوعیت کی وسیع اور رنگین جوڑ بندی اتنی زیادہ تعداد اور مختلف انواع و اقسام کے جانداروں‌کی اچانک نمودار ی ہے کہ اس معجزانہ واقعے کو ارضیاتی ادب میں "کیمبرین دھماکے" کا نام دیا گیا ہے- اس دور کے زیادہ تر جاندار بے انتہا پیچیدہ نظام اور ساخت رکھتے ہیں مثلاً آنکھیں، گلپھڑے اور نظامِ دورانِ خون - ےہ تمام نظامات دورِ حاضر کے انہیں جانداروں کے نظامات کے عین مشابہ ہےں-

قدیم حیاتی دور کے سنگوارے ٹریلوبائٹ کی آنکھوں کا دوعدسہ شہد کے چھتے نما ساخت تخلیق کا ایک حیران کن عجوبہ ہے- امریکہ کی ہارورڈ روچسٹر اور شکاگو یونیورسٹی کے ارضیات کے پروفیسر ڈیوڈ راوپ کا کہنا ہے کہ **۴۵۰ لاکھ سال پہلے رہنے والے ٹرےلو بائٹ کی آنکھوں کا نظام ایسا تھا گوےا اس کو تشکیل دینے کے لئے ایک نہایت اعلیٰ سطح کا تربیت یافتہ اور تخلیقی صلاحیت رکھنے والا بصری انجینئر سے کام لیا گیا** ہو-۸۲

یہ نہایت پیچیدہ غیر فقاری حیوان مکمل شکل میں اچانک زمین پر نمودار ہوئے- ان سے پہلے زمین پر صرف یک خلیہ جانداروں کا بسیرا تھا اور ٹریلوبائٹ اور ان کے بیچ نہ تو کسی طرح کی ارتقائی نوعیت کی مشابہت تھی اوار نہ ہی ان دونوں کے درمیان کسی وسطی شکل کے دوسرے جاندار موجود ہیں- مشہور سائنسی جریدے "سائنس نےوز" کا سائنسی صحافی رچرڈ موناسٹرسکی کیمبرین دھماکے کو نظریۂ ارتقاءکے لئے موت کا پھندا تصور کرتا ہے اور کہتا ہے:

"آدھ کروڑ سالوں پہلے قابل غور اور نہایت پیچیدہ نوعیت کے وہ جاندار اچانک نمودار ہوئے جو کہ ہم کو آج بھی نظر آتے ہیں- ۵۵۰ لاکھ سال پہلے زمین کے کیمبرین دور کی شروعات میں اس ارتقائی دھماکے کے نتیجے میں سمندر پیچیدہ انواع و اقسام کے جانداروں سے بھرگئے- یہ وسیع جاندار خلقت جس کی ابتداءکیمبرین دور میں ہوئی وہ آج بھی نظر آتی ہے اور آج بھی ایک دوسرے سے اتنی ہی مختلف ہے جتنی کہ لاکھوں سال پہلے تھی-"۹۲

کیمبرین دھماکے کی مزید گہرائیوں میں تحقیق اس پریشانی سے پردہ اٹھاتی ہے جو کہ یہ نظریۂ ارتقاءکے لئے پیش کرتا ہے- حالیہ تحقیق کے مطابق دنےاکی تقریباً ساری ہی حیوانی نسلیں اچانک کیمبرین دور میں نمودار ہوئیں- رسالہ "سائنس" میں چھپنے والے ۲۰۰۱ءکے اس مضمون کے مطابق ۵۴۵ لاکھ سال پہلے کیمبرین دور کی شروعات نے فوصلی ریکارڈ میں تقریباً ان تمام حیوانی نسلوں کی اچانک نموداری دیکھی جو کہ آج بھی حیوانی زندگی پر راج کرتی ہیں-(۳۰)اسی مضمون میں مزید لکھا ہے کہ:

" ان تمام پیچیدہ اورواضح طور پر امتیازی جاندار گروہوں کی وضاحت نظریۂ ارتقاءکے حساب سے کرنا صرف اسی وقت ممکن ہوگا جب فوصلی ریکارڈ زرخیزی سے ان جانداروں کی سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ثبوت بھی پیش کریں لیکن ابھی تک ایسا کوئی ثبوت سامنے نہیں آیا ہے-اس تفرقی ارتقاءکی موجودگی اور پھیلاؤ کی بنیادی وجہ کوئی ایسا تاریخی گروہ تو ضرور ہوگا جس کا کوئی فوصلی ثبوت موجود نہیں ہے-"۱۳

زمین پر لاتعداد قسم کی حیوانی نسلوں کااچانک بغےر کسی پرکھا کے نام و نشان کے نمودار ہونا ایک ایسامعمہ ہے جس کا حل ارتقاءپسند آج تک ڈھونڈ رہے ہیں- رچرڈ ڈاکنز آکسفورڈ یونیورسٹی کا ماہرِ حیوانات ہے جس کا شمار دنیا میں ارتقائی سوچ

کے نظریئے کے لئے ایک مہلک وار ہے۔

سوئڈن کے ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات اسٹیفن بینگسٹن کیمبرین دور میں وسطی کڑیوں کی غیر موجودگی کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "کیمبرین دور ڈارون کے لئے تو ایک وجہ شرمندی ہے ہی مگر ہمارے لئے بھی چکاچوند کردینے والا واقعہ ہے۔"۵۳

فوصلی ریکارڈ واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ جاندار نسلیں ارتقاءکے ذریعے قدیم سے ترقی یافتہ اشکال میں نہیں ڈھلیں بلکہ اچانک اور مکمل ہیئتوں میں نمودار ہوئیں۔ قصہ مختصر یہ کہ جاندار کسی تدریجی ترقی کا نہیں بلکہ تخلیق کا نتیجہ ہیں۔

سالمی موازنے ارتقاءکے کےمبرےن تعطل کو مزیدگہرا بنادیتے ہیں

ارتقاءپسندوں کو کیمبرین دھماکے سے متعلق مزید الجھن کا سامنا مختلف جاندار نسلوں کا آپس میں موازنے کی صورت میں کرنا پرتا ہے۔ اس موازنے سے پتہ چلا ہے کہ ارتقاءپسندوں کے حساب سے جو جاندار ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار تصور کئے جاتے ہیں وہ دراصل جینیاتی تحقیق کے مطابق ایک دوسرے سے انتہائی مختلف ہیں۔ حالیہ وقتوں میں آشکار ہونے والی یہ حقیقت "وسطی اشکال" کے نظریئے کو مزید پریشانی میں ڈال دیتی ہے۔ رسالہ "پروسیڈنگز آف نیشنل اکیڈمی آف سائنس" کی ۲۰۰۰ءکی رپورٹ میں چھپنے والے ایک مضمون کے تحت *DNA* کے مادے کی تحقیق نے ماضی میں وسطی اشکال تصور کئے جانے والے سب جانداروں کے امکانات کو رد کردیا ہے:

"DNA مادے کی سلسلہ وار تحقیق سے درختوں کی کچھ خصوصیات کا ارتقاءایک نئے مفہوم کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ میٹازوا درختوں کی وہ نسلیں جو کہ درختوں کی سلسلہ وار تدریجی ترقی کی بنیاد تصور کی جاتی تھیں لےکن اب وہ مکمل طور پر رد کردی گئی ہیں۔ اس سے ارتقائی "وسطی" اشکال کے تمام امکانات کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور ہم دو طرفہ تکوین کے متعلق غور کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں"۔ ۶۳

اسی مضمون میں ارتقائی مصنف خاص طور پر اس نقطہ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ:

"اسفنجوں، نائڈیرین اور سمندری پٹاری نما حیوانی گروہوں کے درمیان وسطی اشکال تصور کئے جانے والے حیوانات کی نئی جینیاتی تحقیق کے مطابق کوئی حقیقت نہیں ہے اور اسی لئے اب نظریۂ ارتقاءکے پاس کسی بھی ایسے ارتقائی شجرۂ نسب کو تعمیر کرنے کابھی کوئی جواز نہیں ہے۔ سالموں کی تحقیق پر مبنی جاندار نسلوں کی خصوصیات کئی اہم دلائل سامنے لاتی ہےں جس میں سے سب سے اہم اسفنجوں، نائڈیرین اور سمندری پٹاری نما گروہ کے درمیان وسطی اشکال کی غیر موجودگی ہے جو نتیجتاً ماضی میں خیال کئے گئے دو طرفہ جانداروں کے درمیان ہر رشتہ ختم کر کے ایک وسیع تعطل کو پیدا کرتا ہے۔

ہم نے ہر وہ امید چھوڑدی ہے جو کہ پچھلی ارتقائی منطقوں کا خاصہ تھی اور جس سے ہم جانداروں کے پرکھا کو سلسلہ وار تدریجی ترقی کے ذریعے قدیم سے ترقی یافتہ اشکال میں بدلتے ہوئے دکھاتے تھے۔ ان قدیم "خاندانوں" کی تعمیر اب ممکن نہیں رہی۔"۷۳

دلچسپ ریڑھ کی ہڈیاں

کیمبرین دور میں اچانک نمودار ہونے والی ایک مخلوق ہیلوسےجےنیا بھی تھی۔ اس کے اور کئی دوسری مخلوق کے فوصلوں میں سخت اور نوکیلی ریڑھ کی ہڈیوں کے آثار ملے ہیں جو ان کو حملوں سے محفوظ رکھنے میں مدد دیتے تھے۔ ارتقاءپسند اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مخلوقات میں اتنے اعلیٰ دفاعی نظام کی موجودگی کی کیا وجہ تھی جبکہ ان کے آس پاس خطرناک شکاری بھی موجود نہیں تھے۔ ایسے شکاریوں کی غیر موجودگی کا ان ریڑھ کی ہڈیوں کی انتخاب طبعی کی رو سے وضاحت کرنا ناممکن ہے۔

ارتقاءکو سراسیمہ کرنے والا تخلیق کا معجزہ

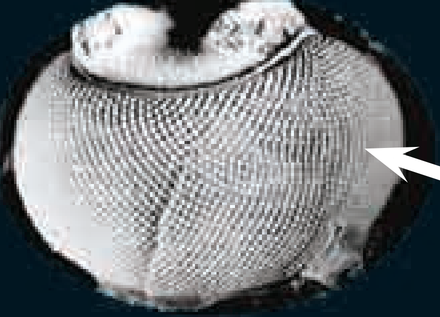

کیمبرین دور میں اچانک نمودار ہونے والے قدیم حیاتےاتی دور کا مفصل پا سنگوارہ ٹریلوبائٹ ایک نہایت ہی پیچیدہ آنکھ کی ساخت کا حامل تھا- اس کی آنکھیں لاکھوں شہد کے چھتے نما ساخت کے نیچے ذرات اور دوعدسہ طریقۂ عمل پر مشتمل تھیں- یہ بصارت کا اس قدربہترین نظام تھا کہ ارضیات کے پروفیسر ڈیوڈ راپ کے الفاظ میں :'آج کے دور میں ایسا نظام تشکیل کرنے کے لئے نہایت قابل اور پر تخیل بصری انجینئر درکار ہوگا'-

ٹریلوبائٹ کی آنکھ کی ۰۳۵ لاکھ سال پہلے مکمل حالت میں نموداری میں کوئی شک نہیں ہے- اس بہترین اور اعلیٰ نقشے کی اچانک نموداری ارتقاءکے ذریعے بیان کرنا ناممکن ہے اور یہ تخلیق کا واضح ثبوت ہے- ٹریلوبائٹ کی شہد کے چھتے نما آنکھ کی ساخت دورِ حاضر میں بھی بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے-شہد کی مکھیوں اور بھنبھیریوں میں بھی ٹریلوبائٹ جیسی آنکھ کی ساخت پائی جاتی ہے- ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ ارتقائی مفروضہ کہ جانداروں کی ترقی قدیم سے پیچیدہ اشکال میں ارتقاءکے ذریعے بتدریج ہوئی مکمل طور پر غلط ثابت ہوجاتاہے-

(* آر-ایل-گریگوری، آنکھ اور دماغ- "دافیزیولوجی آف سیپنگ" آکسفورڈ یونیورسٹی ۵۹۹۱ءصفحہ ۱۳ ٹریلوبائٹ کی آنکھ)

کے سب سے بڑے حمایتیوں میں ہوتا ہے- ڈاکنز کا اس حقیقت پر تبصرہ اس بحث کی بنیادوں کو ہی کھوکھلا کردیتا ہے جس کی وہ دراصل حمایت کرنا چاہ رہا ہے- مثال کے طور پر کیمبرین دور کی پتھریلی ساخت سب سے قدیم ساخت ہے جس میں سب سے اہم غیر فقاری جانداروں کے گروہ دریافت ہوئے ہیں- کئی جانداروں کے فوصل ان کو دریافت کے وقت سے ہی نہایت ترقی یافتہ ارتقائی حالت میں پیش کرتے ہیں- اےسے معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے ان کو وہاں بغیر کسی ارتقائی تاریخ یا پس منظر کی بودیا ہو-"۲۳

ڈاکنز زبردستی اس بات کا اعتراف کرنے کے لئے مجبور ہے کہ کیمبرین دھماکہ تخلیق کا مضبوط ثبوت ہے کیونکہ صرف تخلیق ہی ان مکمل اور بے عیب جانداروں کی نموداری کی وجہ ہوسکتی ہے- ڈگلس فوٹائما ایک نامور ارتقائی ماہرِ حیاتیات ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

"جاندار زمین کے اوپر یا تو مکمل تخلیق شدہ حالت میں نمودار ہوئے یا پھر بالکل نہیں ہوئے- ان کے نہےں ہونے کا مطلب ہے کہ وہ کسی پہلے رہنے والی نسل کی تدریجی شکل ہیں- لےکن اگر ان سے پہلے کوئی نسل ہی موجود نہ ہو جس کی یہ تدریجی شکل ہوسکتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو کسی قادر مطلق طاقت نے تخلیق کیا ہے-"۳۳

اس بات کا امکان ڈارون نے خود ظاہر کیا تھا جب اس نے لکھا کہ "اگر جانداروں کے اےک ہی خاندان کی کئی نسلیں اچانک ہی نمودار ہوئی ہیں تو یہ حقیقت تدریجی ترقی بذریعہ انتخاب طبعی کے نظریئے کے لئے موت ہے-"(۴۳)کیمبرین دھماکہ ڈارون

اس زندہ نمونے نے ارتقاءپسندوں کو شدید دھچکا پہنچایا- ارتقائی ماہرِ معدوم حیواناتو نباتات جے-ایل- بی اسمتھ کا کہنا ہے کہ:

"اگر میں راہ چلتے ایک زندہ ڈائینوسار کو بھی دیکھ لیتا تو مجھے اس سے زیادہ حیرت نہیں ہوتی جتنی اس مچھلی کو دےکھ کر ہوئی ہے-"۱۴

آنے والے وقت میں ۰۰۲ کے قریب کولیکانتھ مچھلیاں دنیا کے مختلف حصوں سے پکڑی گئیں- زندہ کولیکانتھ کے معائنے سے ظاہر ہوا کہ ارتقاءپسند اپنے تصوراتی نظریوں کی حقیقت کو منوانے کے لئے کس کس طرح کے قدم اٹھاتے رہے ہیں- ان کے بر دعوے کے برخلاف کولیکانتھ کے نہ تو قدیم پھیپھڑے تھے اور نہ ہی بڑا بھیجا- اس کے جس عضو کو ارتقاءپسند تحقیق دانوں نے ناپختہ پھیپھڑے کا نام دیا تھا وہ دراصل نامیات کے گھولنے کا ایک تھیلا تھا-(۲۴)مزید یہ کہ کولیکانتھ جس کا تعارف پانی سے زمین کی طرف منتقلی کے لئے تیار حیوان کے طور پر کروایا گیا تھا دراصل ایک مچھلی ہے جو کہ سمندرکی اس قدر گہرائی میں پائی جاتی ہے کہ وہ کبھی بھی سطح سمندر سے ۰۸۱ میٹر سے کم کے فاصلے پر نہیں آئی-

"پانی سے زمین تک" کے فرضی مفروضے کے مطابق کچھ مچھلیوں کو زمین پر آنے کی ضرورت خوراک کے مسئلوں کی وجہ سے پیش آئی- اس دعوے کو ان قیاس آرائیوں پر مبنی تصاویر نے سہارا دیا ہے-

پانچواں باب

پانی سے زمین پر منتقلی کی کہانی

ارتقاءپسندوں کا خیال ہے کہ سمندری غیر فقاری حیوانات جو کہ کیمبرین زمینی طبق میں ظاہر ہوتے ہیں وہ لاکھوں سال کے عرصے کے دوران مچھلیوں میں تبدیل ہوگئے -لیکن جس طرح کیمبرین غیر فقاری حیوانات کے کوئی پرکھا نہیں ہیں بالکل اسی طرح ان غیر فقاری حیوانات اور مچھلیوں کے درمیان تعلق ثابت کرنے والے وسطی نوعیت کے جانداروں کا بھی کوئی نام و نشان موجود نہیں ہے- اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر فقاری حیوانات اور مچھلیوں کے درمیان زبردست ساخت کا فرق ہے- غیر فقاری حیوانات کے سخت ریشۂ لحمی ان کے جسم کے باہر ہوتے ہیں جبکہ مچھلیاں فقاری جاندار ہیں جن کے سخت ریشۂ لحمی ان کے جسم کے اندر ہوتے ہیں- غیر فقاری حیوانات اور مچھلیوں کے مابین ارتقائی عمل کا روپذیر ہونا کروڑوں مرحلوں پر مشتمل ہوگا اور اسی حساب سے کروڑوں جاندار اس عمل کو ثابت کرنے کے لئے زمین پر بھی موجود ہونے چاہئے تھے- ارتقاءپسند پچھلے ۰۴۱ سال سے فوصلی خطوں کی کھدائی اس امید پر کر رہے ہےں کہ شاید ان کو کہیں سے ان تصوراتی اجسام کا سراغ مل جائے- ان کو لاکھوں کی تعداد میں غیر فقاری حیوانات اور مچھلیوں کے فوصل تو مل گئے لیکن ایک بھی ایسا فوصل نہیں مل سکا جو ان دونوں کے درمیان کی وسطی تدریجی شکل کہلایا جاسکے-

ارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات جیرالڈ، ٹی- ٹوڈ "ہڈی والی مچھلیوں کی ابتداءاور پھیپھڑے کا ارتقائ" کے نام سے ایک مضمون میں ملتی جلتی ہی ایک حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں:

"ہڈی والی مچھلیوں کی تینوں تقسیمات فوصلی ریکارڈ میں تقریباً ایک ہی وقت میں نمودار ہوئیں- یہ تینوں نامی اجسام تشکیل کے حوالے سے بالکل مختلف ہیں اور حفاظتی چادروں سے لیس ہیں- ان کی ابتداءکیا ہے؟ کن حالات کے تحت ان کی اتنی وسیع گروہ بندی ہوگئی؟ ان کی بھاری حفاظتی چادروں کی کیا وجہ ہے؟ اور ان کی سابقہ وسطی اشکال کا کوئی نام و نشان کیوں نہیں ہے؟"۸۳

ارتقائی منظر ایک قدم اور آگے جاتا ہے اور بحث کرتا ہے کہ مچھلیاں جوکہ نظریۂ ارتقاءکے حساب سے غیر فقاری حیوانات کی تدریجی شکل ہیں وہ بربحری حیوانات میں بھی تبدیل ہوگئیں- لیکن اس نظریئے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے- اےک بھی فوصل کسی آدھی مچھلی/ آدھی بر بحری مخلوق کا نہیں مل سکا جو کہ اس بات کی تصدیق کرسکے -ارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات اور ماہرِ غیر فقاری معدوم حیوانات را برٹ کےرل اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے- اپنی مشہور کتاب "فقاری معدوم حیوانات اور ارتقائ" میں وہ لکھتا ہے:

"قدیم دور کے رینگنے والے حیوانات بربحری حیوانات سے بہت مختلف تھے اور ان کے پرکھا کا کوئی نشان نہیں مل سکا ہے-"اپنی ۷۹۹۱ءمیں چھپنے والی نئی کتاب "فقاری ارتقاءکے نقوش اور عمل" میں وہ لکھتا ہے:"قدیم مچھلیوں اور بربحری حیوانات کے درمیان کے کوئی وسطی نوعیت کے فوصل دریافت نہیں ہوئے ہیں-" ۹۳

دوارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات کولبرٹ اور مورالس بربحری مینڈکوں ، سالامانڈر یا چھپکلی کی طرح کی بربحری دم دار مخلوق اور سائسی لین یا جل تھلی کیڑا جس کی آنکھیں ناقص ہوتی ہیں اور ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

"کسی بھی ایسے پیلیوزوئک بربحری حیوان کا ثبوت موجود نہیں ہے جس کا ایک مشترک پرکھا ہونے کی وجہ سے ساری خصوصیات یکجا ہوں- مینڈکوں، سالامانڈر اور سائسی لین کے قدیم ترین فوصل بھی دورِ حاضر کے ان جانداروں سے ہوبہو مشابہ ہیں-"۰۴

۰۵ سال پہلے تک بھی ارتقاءپسندوں کو ایسے حیوان کے ملنے کی امید تھی- ایک تقریباً ۰۱۴ لاکھ سال پرانی کولیکانتھ نامی مچھلی کو انہوں نے مچھلی اور بربحری مخلوق کی وسطی تدریجی شکل کے طور پر پیش کیا- اس مچھلی میں قدیم پھیپھڑا، مکمل بھیجا، زمین کے اوپر کام کرنے کے لائق نظام انہضام اور نظام دورانِ خون اور قدیم طور پر چلنے کی صلاحیت موجود تھی- ۰۳۹۱ءکے آخر تک یہ تشریح الاعضاءکی تفصیل سائنسی حلقوں میں ایک بلا حجت سچ کے طور پر قبول کی جاتی رہی- کولیکانتھ کو پانی سے زمین پر حیوانات کی منتقلی کی حقیقتاً اصل وسطی شکل تسلیم کرلیا گیا تھا- لیکن ۲۲ دسمبر ۸۳۹۱ءکو بحیرہ ہند سے ایک انتہائی دلچسپ دریافت سامنے آئی- کولیکانتھ مچھلی کے خاندان کا ایک زندہ فرد پکڑاگیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک ایسی وسطی نوعیت کا فوصل ہے جو کہ پانی سے زمین پر منتقلی کو ثابت کرتا ہے اور ۰۷ لاکھ سال پہلے معدوم ہوچکا ہے-کولیکانتھ کے

پانی سے زمین پر منتقلی کیوں ناممکن ہے

ارتقاءپسندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ایک روز پانی میں رہنے والی کسی نسل نے زمین پر قدم رکھا اور زمین پر بسنے والی مخلوق میں تبدیل ہوگئی- کئی وجوہات کی بناءپر ایسی منتقلی ناممکن ہے-

۱- وزن برداشت کرنے کی صلاحیت : سمندری حیوانات سمندر کے اندر اپنا وزن برداشت کرسکتے ہیں‌جبکہ زمین پر رہنے والے زیادہ تر جاندار اپنی ۰۴ فیصد طاقت اپنے جسموں کو اٹھائے پھرنے میں صرف کردیتے ہیں- کسی حیوان کا پانی سے زمین پر منتقلی کا مطلب ان کے اندر نیا عضلاتی نظام اور ڈھانچے کا پیدا ہونا ہے تاکہ وہ اپنے وزن کو اٹھانے کا کام انجام دے سکیں- یہ زبردست تبدیلی کسی بھی طرح کی اتفاقیہ جینیاتی ردوبدل یا حادثے کے تحت ممکن ہی نہیں-

۲- گرمی کو جذب رکھنے کی صلاحیت : زمین کے اوپر درجۂ حرارت بہت تیزی سے بدلتا ہے- زمین پر رہنے والے حیوانات کے اندر اس بدلتے ہوئے درجۂ حرارت کو برداشت کرنے کے لئے قدرتی طبعیاتی نظام موجود ہوتا ہے- اس کے برعکس پانی کے اندر درجۂ برارت آہستہ اور کم سلسلہ حدود میں بدلتا ہے- پانی میں رہنے والا جاندار اگر زمین پر آجائے تو اس کو زمین کے درجہ حرارت میں شدت کے باعث نقصان سے بچنے کے لئے نیا حفاظتی نظام پیدا کرنا پڑے گا- ایسا سوچنا بھی شدید بے وقوفی ہے کہ مچھلیاں اچانک زمین پر آئیں اور بے ترتیب جینیاتی تبدیلیوں کے ذریعے زمین کی مخلوق بن کر رہنا شروع ہوگئیں-

۳- پانی : پانی تحوّل کے لئے ضروری ہے لیکن چونکہ زمین پر پانی کم مقدار میں پایا جاتا ہے اس لئے اس کے استعمال میں احتیاط لازمی ہے- مثال کے طور پر زمینی حیوانات کی کھال مخصوص مقدار میں پانی ضائع کرنے کی متحمل ہوتی ہے- اسی لئے زیادہ پانی نکل جانے کی صورت میں زمین پر رہنے والے حیوانات کو پیاس لگتی ہے -اس کے برعکس سمندری حیوانات کو پیاس نہیں لگتی- اس وجہ سے سمندری حیوانات کی کھال زمین پر مستقل رہائش کے لئے ناموزوں ہے-

۴- گردے : سمندری جاندار اپنے جسم کے فضلات کی نکاسی زیادہ تر امونیا کی صور ت میں کرتے ہیں- چونکہ زمین پر پانی کا استعمال کفایت شعاری سے کرنا پڑتا ہے اس لئے پانی کے حیوانات میں گردے موجود ہوتے ہیں جو کہ امونیا کو یوریا میں تبدیل کرکے کم سے کم پانی کی صورت میں خارج کرتے ہیں- پانی سے زمین پر منتقل ہونے کے لئے کسی بھی جاندار میں گردوں کا نظام ہونا بے حد ضروری ہے-

۵- نظامِ تنفس : مچھلیاں اپنے گلپھڑوں سے گزرتے ہوئے پانی کے اندر موجود آکسیجن سے سانس لیتیَ ہیں- پانی سے باہر وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتیں- یہ ناممکن ہے کہ کسی آبی حیوان میں اچانک ایسا پیچیدہ نظام تنفس نمودا رہوجائے کہ وہ با آسانی زمین پر زندہ رہنے کے قابل ہوجائے-
ان تمام ڈرامائی طبعیاتی تبدیلیوں کا کسی بھی جاندار کے اندر اچانک اتفاقاً نمودار ہوجانا ایک ناممن ترین امکان ہے اور یہ پانی سے زمین پر منتقلی کے ہر قصے کو رد کردیتا ہے-

۰۱۴ لاکھ سال پرانا کولیکانتھ کا فوصل
ارتقاءپسندوں کا دعویٰ تھاکہ کولیکانتھ جانداروں کی پانی سے زمین تک منتقلی کی عبوری شکل ہے-لےکن ۸۳۹۱ءسے لے کر اب تک اس مچھلی کے کئی زندہ نمونے پکڑے جاچکے ہیں جو ارتقاءپسندوں کے خیالی نظریوں کی انتہاءکا ثبوت ہیں-

ارتقاءکی تردید کرتا ہو اثبوت

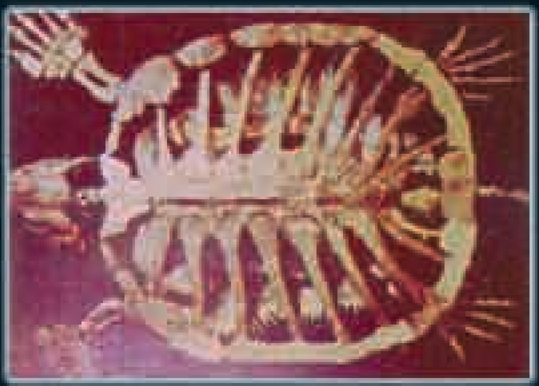

دوسری طرف ایک جرمنی سے دریافت ہونے والا ۵۴ لاکھ سال پرانا تازہ پانی کے کچھوے کا فوصل ہے- اس کے ساتھ برازیل سے ملنے والا سب سے قدیم سمندری کچھوے کا فوصل ہے جو کہ ۰۱۱ لاکھ سال پرانا ہونے کے باوجود دورِ حاضر کے کچھوے کی شکل کا ہے-

۰۰۱ لاکھ سال پرانا کچھوے کا فوصل دورِ حاضر کے کچھوے کے عین مشابہ ہے- (داڈ ان آف لائف، آربس پبلیکیشنز، لندن ۲۷۹۱)

جس طرح نظریۂ ارتقاءجانداروں کی مچھلی جیسی بنیادی نسل اور خزندوں کی ابتداءکو بیان نہیں کرسکتا اسی طرح وہ ان نسلوں کے اندر مختلف درجوں کی بھی وضاحت کرنے سے قاصر ہے- مثال کے طور پر خزندوں کے گروہ کا حیوان کچھوا فوصلی ریکارڈ میں اپنے مخصوص خول کے ساتھ اچانک نمودار ہوتا ہے- ایک ارتقائی ذریعے کے مطابق اس انتہائی اعلیٰ اور کامیاب ترتیب کی ابتداءاولین فوصلوں کی غیر موجودگی کی وجہ سے مبہم ہے حالانکہ کچھوے دوسرے فقاری جانوروں کی نسبت زیادہ بہتر فوصلی نشانات چھوڑتے ہیں- خیال کیا جاتا ہے کہ کچھوے کو ٹیلوسارنامی خزندوں کی ارتقائی شکل ہےہ لیکن کیچھوے اور کوٹیلوسار کے درمیان کسی بھی طرح کے عبوری حیوانات کا کوئی نشان نہیں ملتا-(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا آنلائن "ٹرٹل")

دورِ حاضر میں موجود کچھوؤں اور قدیم زمانے کے کچھوؤں میں کوئی فرق نہیں ہے- یہ مخلوق کسی بھی دوسرے حیوان کی تدریجی شکل نہیں ہےہ بلکہ یہ ہمیشہ سے اسی شکل میں موجود رہے ہیں-

پرندوں کے لئے خاص پھیپھڑے

پرندوں کی تشریح الاعضاءان کے ازروئے دعویٰ پرکھوں خزندوں سے بہت مختلف ہوتی ہے- پرندوں کے پھیپھڑے زمین پر رہنے والے جانداروں کی نسبت مختلف طریقوں سے کام کرتے ہیں- زمین پر رہنے والے جاندار ایک ہی ہوا کی رگ سے اندر باہر سانس لیتے ہیں جبکہ پرندوں کے اندر ہوا پھیپھڑوں سے سامنے سے داخل ہوکر پیچھے سے خارج ہوتی ہے- اﷲ تعالیٰ نے یہ مخصوص نظام صرف پرندوں کے لئے بنایا ہے جن کو پرواز کے دوران آکسیجن کی کثیر مقدار کی ضرورت ہوتی ہے- خزندے کے پھیپھڑے سے اچانک تدریجی ترقی کے ذریعے ایسے خاص پھیپھڑے وجود میں آجانا ناممکن ہے-

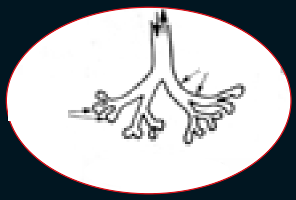

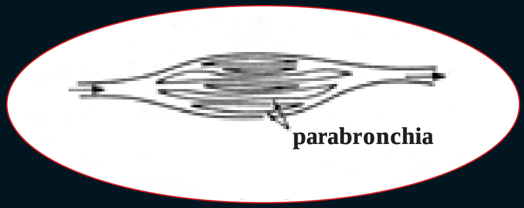

چھٹا باب

چڑیوں اور ممالیہ حیوانات کا تصوراتی ارتقائ

نظریۂ ارتقاءکے مطابق زندگی کی ابتداءپانی میں ہوئی جو پھر بربحری جانوروںکے ذریعے زمین پر منتقل ہوگئی- یہ ارتقائی منظر یہ بھی قیاس کرتا ہے کہ ےہ بربحری حیوانات پھر رینگنے والے حیوانات میں تبدیل ہوگئے جو صرف زمین پر پائے جاتے تھے- یہ ایک ناممکن قیاس ہے کیونکہ پانی اور زمین پر رہنے والے جانداروں کی نسلوں کے درمیان ساخت اور حساب سے وسیع فرق ہیں- مثال کے طور پر بربحری جانوروں کے انڈے صرف پانی کے اندر افزائش پاسکتے ہیں جبکہ زمین پر رہنے والے جانداروں کے انڈے صرف زمین پر ہی پنپ سکتے ہیں- بربحری حیوانات کا کسی بھی شکل میں سلسلہ وار تدریجی عمل ناممکن ہے کیونکہ ایک صحت مند اور مکمل انڈے کے بغیر اس نسل کا زندہ رہنا ہی ناممکن ہے- اس معاملے کا سب سے بڑا ثبوت کسی بھی وسطی نوعیت کے جانداروں کے فوصلوں کی غیر موجودگی ہے جو کہ ان دونوں نسلوں کے درمیان کسی تعلق کو واضح کرسکیں- ارتقائی ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات اور ماہر فقاری معدوم حیوانات رابرٹ کیرل کو مجبوراً اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ:"**قدیم رینگنے والے جانور بربحری جانوروں سے بے انتہا مختلف تھے اوران کے پرکھا ہم کو ابھی تک نہیں مل سکے ہیں-**"۴۴

پھر بھی ارتقاءپسندوں نے اپنی نا امیدی سے بھرپور مناظر دنیا کے سامنے پیش کرنا ختم نہیں کئے- ابھی تو اس ارتقائی عمل سے تبدیل شدہ مخلوقات کو ہوا میں اڑانا بھی باقی تھا- چونکہ ارتقاءپسندوں کا دین و ایمان مصر تھا کہ ہر جاندار کی طرح پرندے بھی کسی دوسری نسل کی ارتقائی شکل ہیں اس لئے انہوں نے فرض کرلیا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور رینگنے والے جانواروں کی تبدیل شدہ شکل ہیں- لیکن مسئلہ یہ تھا کہ پرندوں کی جملہ خصوصیات جو کہ زمین پر رہنے والے جانداروں سے قطعاً مختلف ہیں ان کا جواب کسی بھی طرح کی سلسلہ وار تدریجی ترقی کس طرح دے؟- پرندوں کی قابلِ ذکر اور سب سے نمایاں خصوصیت ان کے پر ہیں جو کہ ارتقاءپسندوں کے ہر قیاس کو تعطل کا شکار کردیتی ہےں- ترکی کا ارتقاءپسند انگن کودر پروں کا ارتقاءکے ذریعے نموداری ناممکن ہونے کا اظہار کرتا ہے:

> "آنکھوں اور پروں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں اعضاءنامکمل حال میں یا معمولی سے بھی نقص کے ساتھ کام کر ہی نہیں سکتے- ایک نامکمل آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور ایک نقص زدہ پروالا پرندہ اڑ نہیں سکتا- ان دونوں اعضاءکی ابتداءقدرت کا ایسا معمہ ہے جو کہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا-"**۴۵**

پروں کی مکمل اور بہترین ساخت پے در پے بے ترتیب جینیات کے ذریعے وجود میں آنا ایک ایسی غیر منطقی بات ہے جس کو آج تک دماغ قبول نہیں کرسکا- دورِ حاضر کی جدید سائنسی تحقیق خاص طور پر اس منظر کو نہایت مضحکہ خیز بنادیتی ہے-گو کہ جینیات کی اتفاقاً بدہیئتی کے سبب رینگنے والے جانوروں کے آگے کے دو بازوؤں کو بہترین کارکردگی کے متحمل پروں میں تبدیل ہوجانے کے خیال کو ارتقاءپسندوں کی عقل بھی نہیں مانتی لیکن وہ پھر بھی اپنے عقیدے میں پکے اور ضد میں ہٹ دھرم ہیں-

مزےد ےہ کہ زمین پر بسنے والے کسی بھی حےوان کے اڑنے کے لئے صرف پروں کا ہونا ہی کافی نہیں ہے- زمین کے جانوروں میں ساخت کے اعتبار سے کئی چیزوں کی کمی ہوتی ہے جو کہ پرندوں میں موجود ہیں-مثلاً پرندوں کی ہڈیاں ہلکی ہوتی ہیں اور ان کے پھیپھڑوں کا نظام بھی مختلف ہوتا ہے- ان کا عضلاتی نظام، تشریح الاعضا اور نظام دورانِ خون بھی مخصوص ہوتا ہے- یہ تمام خصوصیات اڑان کے لئے اتنی ہی ضروری ہیں جتنے کہ پر- پرندے کی اڑان کے لئے ان تمام پرزوں کا مکمل اور ایک ہی وقت میں موجود ہونا لازمی ہے- یہ ممکن ہی نہیں ایک پرزہ ایک وقت میں ارتقائی عمل سے وجود میں آئے اور دوسرا کوئی پرزہ لاکھوں سال بعد وجود میں آئے اور پرندہ پھر بھی اڑنے کے قابل رہا ہو- ان تمام حقائق کی روشنی میں زمین کے جانداروں کا ہوائی جانداروں میں تبدیل ہوجانے والا ہر نظریہ انتہائی مغالطہ آمیز ثابت ہوتا ہے- ذہن میں پھر یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر اس فرضی کہانی کو درست مان بھی لیا جائے تو ارتقاءپسندوں کو آج تک کسی آدھے پر یا ایک پروالی مخلوق کا فوصل کیوں نہیں مل سکا جو کہ ان کی کہانیوں کی تصدیق کرسکے؟

ایک اور ازروئے دعویٰ شکل: آرکیوپیٹیرکس

ایک ازروئے دعویٰ شکل کے طور پر ارتقاءپسند آرکیوپیٹیرکس نامی پرندے کا فوصل پیش کرتے ہیں جس کا شمار ان تھوڑی سی مخلوقات میں ہوتا ہے جن کی حمایت ارتقاءپسند آج بھی وسطی نوعیت کی شکل کے طور پر کرتے ہیں- دورِ حاضر کے پرندوں کا یہ نام نہاد پرکھا آرکیوپیٹیرکس ارتقاءپسندوں کے حساب سے تقریباً ۰۵۱ لاکھ سال پہلے زندہ تھا- اس نظریئے کے تحت کچھ نسبتاً چھوٹے ڈائناسار مثلاً ویلاسیریٹار اور ڈورمیوسار نے تدریجی عمل کے ذریعے پر حاصل کرلئے اور اڑنے لگے- آرکیوپیٹیرکس انہیں اڑنے والے ڈائناسار کی تدریجی شکل خیال کئے جاتے ہیں- ان کے پرکھا یہ ڈائناسار تھے جو اچانک پر اگ آنے کی وجہ سے اڑنے لگ گئے لیکن حالیہ تحقیق اس کے بالکل برعکس منظر پیش کرتی ہے- آرکیوپیٹیرکس کے فوصلوں کے معائنے نے ثابت کیا ہے کہ یہ مخلوق کسی بھی دوسری نسل کی تدریجی شکل ہرگز نہیں ہے بلکہ پرندوں کی ایک معدوم شکل ہے جس کے اور دورِ حاضر کے پرندوں کے درمیان غیر اہم فرق ہے-

ارتقاءپسند حلقوں میں یہ مقالہ بہت لمبے عرصے تک مقبول رہا کہ آرکیوپیٹیرکس ایک پرندہ نما مخلوق تھی جو کہ صحیح طور پر اڑنے سے بھی قاصر تھی- اس مخلوق میں سینے کی ہڈی کی غیر موجودگی اس ارتقائی دعوے کو ہوا دیتی تھی کہ یہ پرندہ صحیح سے اڑنہیں سکتا تھا- سینے کی ہڈی گلے اور پیٹ کے بیچ میں واقع ہوتی ہے جس کے ساتھ اڑنے میں مدد دینے والے عضلاتی عضو جڑے ہوئے ہوتے ہیں- دورِ حاضر میں یہ ہڈی تمام اڑنے اور غےر اڑنے والے پرندوں میں موجود ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ ہڈی چمگادڑوں میں بھی موجود ہوتی ہے جو کہ گو اےک اڑنے والا ممالیہ جانور ہے پر اس کا خاندان پرندوں سے مختلف ہے-لےکن

۲۹۹۱ءمیں ساتواں آکیوپیٹیرکس کا فوصل برآمد ہوا جس نے ارتقائی دائروں میں سخت حیرانی کی لہر دوڑادی- اس نمونے میں سینے کی وہ ہڈی موجود تھی جس کو اب تک غیر موجود تصور کیا جاتارہا تھا- رسالہ ”نےچر“ اس فوصل پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

”آرکیوپیٹیرکس کا حال ہی میں ملنے والے ساتویں نمونے میں کسی حد تک ایک مستطیل سینے کی ہڈی موجود ہے جس کے بارے میں شک تو کافی عرصے سے تھا مگر جس کا ذکر پہلے کبھی نہیں کیا گیا- اس ہڈی کا موجود ہونا اس پرندے کے اندر مضبوط اڑنے والے عضلات کی موجودگی کی نشاندہی کرتی ہے-“۶۴

اس دریافت نے آرکیوپیٹیرکس سے متعلق اڑنے کی صلاحیت سے قاصر آدھا پرندہ ہونے کے تمام دعوؤں کو زمین بوس کردیا- اس ہڈی کے علاوہ اس پرندے کے پروں کی ساخت بھی اس کا اےک اڑنے والا پرندہ ہونے کے ثبوت کااہم حصہ تھی- آرکیوپیٹیرکس کی غیر متناسب پروں کی ساخت دورِ حاضر کے پرندوں کے پروں کی ساخت سے ناقابل امتیاز ہے اور اس مےں بہترین اڑان کی صلاحیت کی نشاندہی کرتی ہے- نامور ماہر معدوم حیوانات و نباتات کارل او-ڈنبار کہتا ہے ”اپنے پروں کی وجہ سے آرکیوپیٹیرکس خاص طور پر ایک پرندے کا درجہ رکھتا ہے-“۷۴

آرکیوپیٹیرکس کے پروں کی ساخت کے معائنے سے اس کے گرم خونی تحول کی صفت سامنے آئی ہے جبکہ رینگنے والے جانور اور ڈائناساروں کا شمار ٹھنڈے خون والے جانوروں میں ہوتا ہے جن کے جسم کی حرات کا انحصار اعضائی جسم کے عمل پر نہیں بلکہ ماحولیاتی اثرات پر ہوتا ہے- پرندوں میں پروں کی ایک نہایت اہم خصوصیت جسم کی حرارت کو معتدل رکھنا ہے- آکیوپیٹیرکس میں پروں کی موجودگی اس کے ایک گرم خون رکھنے والے پرندے کی حقیقت کو مزیدواضح کردیتی ہے جو کہ ڈائناسار کے برعکس اپنے پروں کو جسم کی حرارت معتدل رکھنے کے لئے استعمال کرتا تھا-

آرکیوپیٹیرکس کے دانت اور پنجوں کے بارے میں ارتقاءپسندوں کے قیاس

ارتقاءپسند ماہرِ حیاتیات جب آرکیوپیٹیرکس کا ایک وسطی نوعیت کی مخلوق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کے پاس دو اہم

ارتقاءپسندوں کے حساب سے ویلیو سیرپیٹرز اور ڈرومیوسار جیسے چھوٹے ڈائنا سار ارتقائی عمل سے پر حاصل کرنے کے بعد اڑنا شروع ہوگئے- اسی طرح ان کا قیاس ہے کہ آرٹیوپٹیر کس بھی ڈائناسار پرکھوں سے تدریجی عمل کے ذریعے پر حاصل کرنے کی بناءپر اڑنا شروع ہوگیا- یہ خیالی حکایت تقریباً ہر ارتقائی کتاب میں موجود ہے-

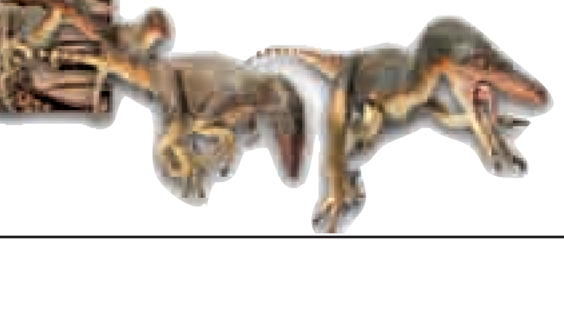

پرندوں کے پر: ایسا نقشہ جس کی وضاحت ارتقاءکرنے سے قاصر ہے-

گو کہ نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ پرندے خزندوں کی تدریجی شکل ہیں لیکن پھر بھی وہ جانداروں کی ان دو مختلف جماعتوں کے درمیان فرق کرنے میں ناکام ہے- پرندے اپنے ڈھانچوں کی ساخت ، پھیپھڑوں کے نظام اور گرم خون تحول کے اعتبار سے خاص طور پر خزندوں سے مختلف ہیں- ایک اور خصوصیت جوکہ پرندوں اور خزندوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ پیداکرتی ہے وہ پرندوںکے پر ہیں-خزندوں کے جسم کھپروں سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اور پرندوں کے جسم پر پر ہوتے ہیں -چونکہ ارتقاءپسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خزندے پرندوں کے پرکھا ہیں اس لئے وہ اس بات کا اعتراف کرنے پر بھی مجبور ہیں کہ پرندوں کے پر ان کھپروں سے ارتقائی عمل سے وجود میں آئے -لیکن کھپروں اورپروں کے بیچ کوئی مشابہت نہیں ہے-یونیورسٹی آف کنکٹیکٹ کا طبیعیات اوراعصابی حیاتیات کا پروفیسر اے- ایچ برش ارتقاءپسند ہونے کے باجود اس حقیقت کو قبول کرتا ہے -وہ کہتا ہے:

"پرندوں اور کھپروں میں جینیات سے لے کر ساخت، ترتیب، نشوونما، شکل گری اور ریشہ لحمی کی تنظیم تک ہر خاصیت مختلف ہے-" ۱

اس کے علاوہ پروفیسر برش نے پروں میں لحمیوں کی ساخت کی تحقیق کے بعد اصرار کیا ہے کہ یہ لحمئے فقاری جانوروں کی کسی اور جماعت میں پائے نہیں جاتے اور بہت خاص ہیں-۲

پروں کا کھپروں کی تدریجی شکل ہونے کا کوئی فوصلی ثبوت بھی موجود نہیں ہے- اس کے برخلاف پر فوصلی ریکارڈ میں اچانک نمودا ہوتے ہیں اور پرندوں کی نسل کی وضاحت کی ایک ناقابل تردید خاصیت ہیں جیسے کہ پروفیسر برش کہتا ہے-(۳) اس کے علاوہ خزندوں میں ابھی تک ایسی کسی بھی برادمی ساخت کی تشخیص نہیں ہوسکی ہے جوپروں کی ابتداءکا ثبوت بن سکے-۴

۶۹۹۱ءمیں ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات نے شور اٹھایا کہ ان کو ایسے ڈائناسار کَے آثار ملے ہیں جس کے پر بھی تھے- اس کا نام سائنوسوروپیٹرکس رکھا گیا-لیکن ۷۹۹۱ءمیں مزید تحقیق سے ظاہر ہوا کہ ان فوصلوں کا پرندوں سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ پر دورِ حاضر کے پرندوں کے پر نہیں تھے-۵

اگر پرندوں کے پروں کا قریب سے معائنہ کیا جائے تو ایساپیچیدہ نقشہ سامنے آتا ہے جس کی وضاحت کسی بھی طرح کا ارتقائی عمل نہیں کرسکتا- مشہور ماہرِ طھوریات ایلن فیڈوشا کہتا ہے "پرندوں کی ساخت کے ہر پہلو میں ہوائی حرکت کی مہارت واضح ہے- یہ بہت ہلکے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے با آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ تیزی سے پہنچ سکتے ہیں- مجھے یہ بالکل سمجھ میں نہیںآتاکہ اڑان کے لئے بنایا گیا یہ بہترین عضو کسی دوسرے عضو کی تدریجی شکل کس طرح ہوسکتا ہے-"۶

پروں کے اس بہترین نقشے نے چارلس ڈارون کو بھی سوچ میں ڈال دیا تھا- بلکہ تیہو کے پروں کے مکمل حسن نے تو اس کو ا س کے اپنے الفاظ میں "اختلاج" کا شکار کردیا تھا- ۳ اپریل ۰۶۸۱ءکو اسا گرے کو لکھے جانے والے خط میں ڈارون کہتا ہے:

"مجھ کو وہ وقت بخوبی یاد ہے جب آنکھ کے تصور سے مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے تھے لیکن میں شکایت کے اس دور سے باہر نکل آیا ہوں- اب ساخت کی بظاہر غیر اہم تفصیلات کی سوچ مجھے بے طرح بے چین کئے رکھتی ہے- مور کی دم کا ایک پربھی مجھ پر اختلاج کی کیفیت طاری کرنے کے لئے کافی ہے-"۷

اگر پرندوں کے پروں کا تفصیلی معائنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پر ہزاروں گھونگروں سے بنے ہوتے ہیں جوکہ ایک دوسرے سے کانٹوں کے ذریعے جڑے ہوتے ہیں- ساخت کا یہ خاص نقشہ ان کی بہترین ہوائی کارکردگی کی وجہ ہے-

A-H Brush, "On the Origin of Feathers". Jou*RNA*l of Evolutionary Biology, Vol. 9, 1996, p. 132----1

A.H Brush, "On the Origin of Feathers", p. 131-----2

Ibid.----3

Ibid.----4

Plucking the Feathered Dinosaur", Science, Vol. 278, 14 November 1997," p. 1229-----5

Douglas Palmer, "Learning to Fly" (Review of the Origin of and Evolution of Birds by Alan Feduccia, Yale-----6 University Press, 1996), New Scientist, Vol. 153, March 1, 1997, p. 44

Norman Macbeth, "Darwin Retried: An Appeal to Reason", Boston, Gambit, 1971 p. 101-----7

اگر پرندے کے پروں کا تفصیلی معائنہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ پر ہزاروں باریک ڈوریوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے کنڈوں کے ذریعے جڑی ہوتی ہیں، یہ منفرد نقشہ پرندوں کی بہترین اڑان کا سبب ہے،

نقطے اس پرندے کے پروں پر موجود پنجے اور اس کے دانت ہیں- اگرچہ یہ درست ہے کہ آرکیوپیٹیرکس کے پروں پر پنجے اور اس کے منہ میں دانت تھے لیکن یہ اس بات کو ہرگز ثابت نہیں کرتے کہ یہ پرندہ رینگنے والے کسی بھی حیوان کا ہم رشتہ ہے- دورِ حاضر میں موجود پرندوں کی دو نسلوں ٹاؤراکو اور ہیوٹزن کے بھی پنجے ہیں جس سے ان کو شاخوں کو پکڑنے میں مدد ملتی ہے- یہ پرندے مکمل پرندے ہی ہیں جن کے اندر رینگنے والے جانوروں کی ایک بھی صفت موجود نہیں ہے- اس لئے اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ آرکیوپیٹیرکس محض اپنے پنجوں کی وجہ سے اےک وسطی تدرےجی جاندار ہے- اسی طرح اس کی چونچ کے اندر موجود دانت بھی اس کو تدریجی شکل ثابت نہیں کرتے-

ارتقاءپسند ایک جانی بوجھی چال کے تحت دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ دانت رینگنے والے جانداروں کے دانت سے مشابہ ہیں - دانت دراصل صرف رینگنے والے جانداروں کا ہی خاصہ نہیں ہوتے - اسی لئے اس دعوے کو ثابت کرنا بے انتہا مشکل ہوجاتا ہے- دورِ حاضر میں کچھ رینگنے والے جانوروں کے دانت ہوتے ہیں اور کچھ کے نہیں ہوتے- یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ دورِ حاضر میں بے شک کوئی دانت والا پرندہ موجود نہیں ہے لیکن اگر فوصلی ریکارڈ کا معائنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آرکیوپیٹیرکس کے دور میں اور اس کے بعد کے زمانے میں بھی پرندوں کی ایک خاص نسل موجود تھی جس کو دانتوں والے پرندوں کی نسل کہا جاسکتا ہے-

اس تمام معاملے میں سب سے ضروری نقطہ تو یہ ہے کہ آرکیوپیٹیرکس کے دانتوں کی اور دوسرے پرندوں کی دانتوں کی ساخت ان کے ازروئے دعویٰ پرکھا ڈائناسار سے بالکل مختلف تھی- جانے پہچانے ماہر طیوریات ایل- ڈی- مارٹن، جے- ڈی- اسٹوارٹ اور کے- این- ویٹ اسٹون کے معائنے کے مطابق آرکیوپیٹیرکس اور اس کی طرح کے دوسرے پرندوں کے دانتوں کی سطح ہموار اور جڑیں بڑی تھیں- اس کے برعکس گرگٹی ڈائناساروں کے دانت پتلی جڑوں والے ابھرواں تھے- ان ڈائناساروں کو ان پرندوں کا پرکھا تصور کیا جاتا ہے- ۸۴ ان تحقیق دانوں نے آرکیوپیٹیرکس اور ان ڈائناساروں کی کلائیوں کی ہڈیوں کا بھی موازنہ کیا اور ان کو ان دونوں کے بیچ کسی قسم کی مماثلت نہیں مل سکی- ۹۴ ماہرِ تشریح الاعضاءایس ٹارسیٹانو، ایم- کے- ہکٹ اور اے- ڈی- والکر کی تحقیقات نے ظاہر کیا ہے کہ جان آسٹروم اور اس جیسے دوسرے سائنسدانوں نے آرکیوپیٹیرکس اور ڈائناساروں کے درمیان جن مشابہتوں کو تلاش کیا تھا وہ درحقیقت ایک غلط تشریح کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھی-۰۵ یہ تمام تحقیقات واضح کرتی ہیں کہ آرکیوپیٹیرکس ارتقاءکی کوئی وسطی تدریجی کڑی نہیں بلکہ صرف ایک ایسا پرندہ ہے جس کا شمار دانت والے پرندوں کے گروہ میں ہوتا ہے-

آرکیوپیٹیرکس اور دوسرے پرندوں کے فوصل

اس بات کے باوجود کہ ارتقاءپسندکئی دہائیوں سے آرکیوپیٹیرکس کا شمار پرندوںکے ارتقاءکے سب سے اہم ثبوت میں کرتے رہے لےکن کچھ حال ہی میں ملنے والے فوصل اس سارے منظر کی نام نہاد سچائی کو ناکارہ قراردے دیتے ہیں-

۵۹۹۱ءمیں چین کے فقاری معدوم حیوانات و نباتات کے ادارے کے دو ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات اور لیانہائی ہو اور زونگی زو نے ایک نئے پرندے کا فوصل دریافت کیا جس کا نام انہوں نے کونفیوسیوسارنس رکھا- یہ فوصل آرکیوپیٹیرکس کی طرح ہی ۰۴۱ سال پرانا ہے لیکن اس کے منہ میں دانت نہیں ہےں- اس کے علاوہ اس کی چونچ اور پروں کی خصوصیات دورِ حاضر کے پرندوں کے عین مشابہ ہےں- کونفیوسیوسارنس کا ڈھانچا بھی دورِ حاضر کے پرندوںکی طرح ہے اور اس کے پروں پر آرکیوپیٹیرکس کی طرح پنجے موجود ہیں- پرندوں کی ساخت کی "پائگواسٹائل" نامی خصوصیات بھی کونفیوسیوسارنس میں موجود ہے جس کے تحت اس کے دم کے پروں کو بھی ساخت کا سہارا ہوتا ہے- مختصراً یہ کہ آرکیوپیٹیرکس کی عمر کا یہ فوصل دورِ حاضر میں موجود پرندوں سے بہت حد تک مشابہ ہے- اس نئے فوصل کے سامنے آنے سے وہ تمام ارتقائی مقالے ناکارہ ہوجاتے ہیں جو کہ آرکیوپیٹیرکس کو قدیم ترین رینگنے والے جانور کی تدریجی عمل سے تبدیل شدہ پرندہ اور تمام پرندوں کا پرکھا قراردیتے تھے-

چین سے دریافت ہونے والے ایک اور فوصل نے ارتقائی حلقوں میں اس فوصل سے بھی بڑھ کر الجھن اور پریشانی پھیلادی- نومبر ۶۹۹۱ءمیں رسالہ "سائنس" میں ایل-ہو، ایل- ڈی- مارٹن اور ایلن فیڈوشا نے ایک ۰۳۱ لاکھ سال پرانے پرندے کی موجودگی کا اعلان کیا- اس پرندے کا نام لیاؤننگورنس ہے اور اس کے اندر ایک واضح سینے کی ہڈی موجود ہے جس سے اڑنے والے عضلات بالکل اسی طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح دورِ حاضر کے پرندوں میں موجود ہیں- یہ پرندہ جدید پرندوں سے دوسرے اعتبار سے بھی ناقابل امتیاز ہے- ان

کونفیوسیوسارنس نامی پرندہ کی عمر آرکیوپٹیرکس جتنی ہے،

آرکےوپٹےرکس کے اندر اےک
عام پرندے کی ہر خاصیت موجود ہے-

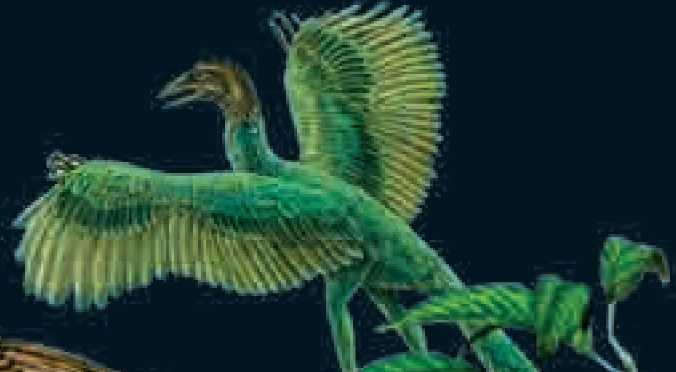

۱- اس کے پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ایک اڑان کے لائق گرم خون مخلوق ہے-

۲- دورِ حاضر کے پرندوں کی طرح اس کی ہڈیاں بھی کھوکھلی ہیں-

۳- ان کے اندر دانتوں کی موجودگی ان کا خزندوں کا رشتہ دار ہونا ثابت نہیں کرتیں کیونکہ تاریخ میں دانت والے کئی پرندوں کے نشان موجود ہیں-

۴- حال میں موجود کئی پرندوں کے پروں پر ان قدیم پرندوں کی طرح پنجے موجود ہیں-

۵- حال میں دریافت ہونے والا آرکیوپٹیرکس کے ساتویں فوصل میں سینے کی ہڈی موجود تھی- اس ہڈی سے ثابت ہوتا ہے کہ دورِ حاضر کے پرندوں کی طرح آرکیوپٹیرکس کے اندر بھی اڑان کے مضبوط عضلات موجود تھے-

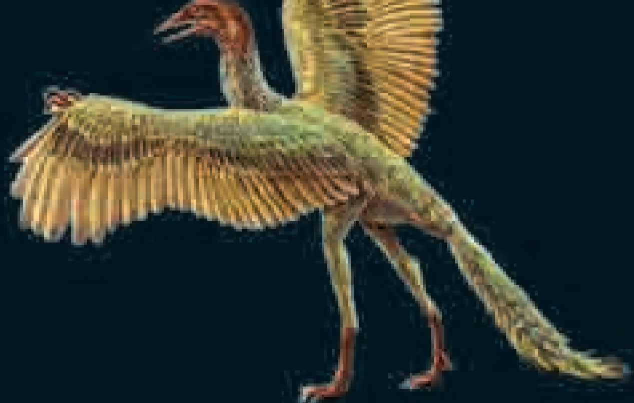

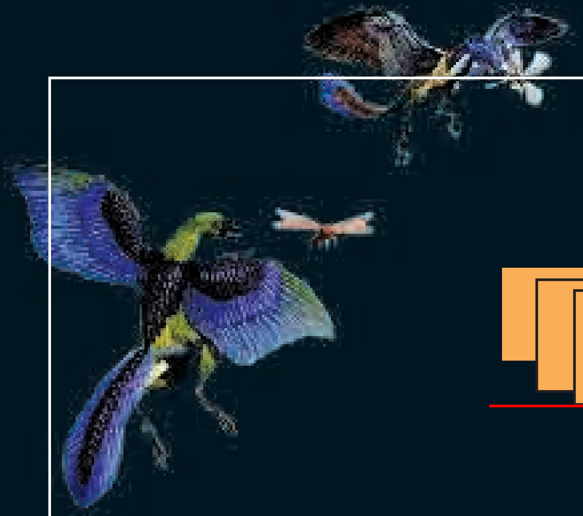

مکھیوں کی ابتداءکیا ہے؟

ارتقاءپسند اپنے ڈائناساروں کو پرندوں کے اندر تبدیل ہونے کے دعوے کو یہ کہہ کر سہارادیتے ہیں کہ وہ ڈائناسار جوکہ اپنے آگے کی ٹانگوں کو پھڑپھڑاکر مکھیوں کا شکار کرتے تھے وہ اس حرکت سے اچانک ہی اڑنے لگ گئے جس طرح کہ تصویر میں نظر آرہا ہے- اس نظریئے میں کسی بھی طرح کی سائنسی بنیاد مفقود ہونے سے اس کا ایک خیالی کہانی ہونا صاف ظاہر ہے- اس کے علاوہ اس نظریئے کے اندر ایک اور عدم توافق موجود ہے- اڑان کی ابتداءکو بیان کرنے کے لئے ارتقاءپسند جو مثال پیش کرتے ہیں اس میں خود تضاد ہے کہ مکھیوں کے اندر پہلے سے ہی اڑنے کی بہترین صلاحیت موجود ہے- ایک انسان اپنی آنکھوں کو ایک سیکنڈ میں ۱۰ دفعہ ہی کھول بن کرسکتا ہے جبکہ ایک عام مکھی ایک سیکنڈ میں اپنے پر ۵۰۰ دفعہ پھڑپھڑاتی ہے- اس کے علاوہ وہ اپنے دونوں پروں کو بیک وقت ہلاتی ہے- اس کے پروں کی ہلکی سی بھی بدآہنگی اس کے توازن پر اثر انداز ہوسکتی ہے لیکن ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا-

ارتقاءپسندوں کے لئے پہلے اس بات کی وضاحت کرنا لازمی ہے کہ مکھی نے اڑان کی یہ مہارت کس طرح حاصل کی- لےکن اس کے بجائے وہ خزندوں جیسی بے ڈھنگی مخلوق کی اڑان کے بارے میں خیالی منظر نامے گھڑنے بیٹھ جاتے ہیں- ایک عام گھریلو مکھی کی مکمل تخلیق بھی ارتقاءکے ہر دعوے کی تردید کرتی نظر آتی ہے- انگریزی ماہرِ حیاتیات رابن ووٹن اپنے ایک مضمون "مکھی کے پروں کا میکانیکی نقشے" میں لکھتا ہے:

"اڑنے والے حشروں کے پروں کے طریقۂ عمل کو جیسے جیسے بہتر طور پر سمجھا جا رہاہے اتنی ہی ان کے نقشے کی خوبصورتی واضح ہوتی جا رہی ہے-روایتی طور پر ساخت کم سے کم بدشکلی کا شکار ہوتی ہے اور میکانیکی عمل پرزوں کو توقع کے حساب سے ہلاتا جاتا ہے -لیکن اڑنے والے حشروں کے پر دونوں طرح کی صورتحال کو یکجا کردیتے ہیں- ان کے اعضاءلچکدار خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں- وہ نہایت خوش وضع طریقے سے تشکیل دیئے گئے ہوتے ہیں جس کی بدولت مناسب قوت کے جواب میں وہ تبدیل بھی ہوسکتے ہےں اور ہوا کا بہترین استعمال بھی کرسکتے ہےں- شاید ہی کوئی اور ساخت ان کا ثانی ہے"-۱

دوسری طرف آج تک ایک بھی فوصل ایسا نہیں ملا جو کہ مکھیوں کے خیالی ارتقاءکا ثبوت ہو- نامور فرانسیسی ماہرِ حیوانیات پیرگرا سے کہتا ہے کہ "کیڑے مکوڑوں کی ابتداءکے متعلق ہم آج تک اندھیرے میں ہیں"-۲

Robin J. Wootten, "The Mechanical Design of Insect Wings", Scientific American, v. 263, Nov.1990, p. 120----1

Pierre Grasse, "Evolution of Living Orgnanisms", New York Academic Press, 1977, p. 30-   ---2

ارتقاء کے خیالی منظر نامے کی ایک مثال : مکھیاں پکڑنے کی کوشش میں ڈائنوساروں کے پر اگ آئے !

کے درمیان واحد فرق آرکیوپیٹیرکس کے منہ کے دانت ہیں- اس سے ثابت ہوتا ہی کہ ارتقاءپسندوں کے دعوؤں کے برخلاف دانتوں والے پرندے قدیم جسمانی ساخت کے حامل ہرگز نہیں تھے- ۲۵ رسالہ "ڈسکوور" کے ایک مضمون کے مطابق "پرندوں کی ابتداءکیا ہے؟ یہ فوصل تجویز کرتا ہے کہ ان کی ابتداءکم از کم ڈائناسار خاندان تو ہرگز نہیں ہے-'۳۵

ایک اور فوصل جو کہ آرکیوپیٹیرکس کے متعلق ارتقاءپسندوں کے ہر دعوے کی تردید کرتا ہے وہ ایوالولاوس نامی پرندے کا فوصل ہے جس کے پروں کی ساکت آرکیوپیٹیرکس کے پرندوں کی ساخت سے ۵۲ سے ۰۳ سال جوان ہے- پروں کی یہ مخصوص ساخت دورِ حاضر کے آہستہ اڑنے والے پرندوں سے مشابہ ہے-

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۰۲۱ لاکھ سال پہلے آسمانوں پر جو پرندے اڑرہے تھے وہ دورِ حاضر کے پرندوں سے ناقابل امتیاز ہیں- یہ تمام حقائق آکیوپیٹیرکس اور اس ہی کی عمر کے قدیم پرندوں کے وسطی اشکال ہونے کے دعوے کے خلاف جاتے ہیں- فوصل بھی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ پرندوں کی مختلف نسلیں کسی بھی جاندار کی تدریجی شکل نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی ابتداءارتقاءکے ذریعے ہوئی ہے- فوصلی ریکارڈ ثابت کرتا ہے کہ دورِ باضر کے کچھ پرندے اور آرکیوپیٹیرکس اور اس ہی کی وضع کے دوسرے قدیم پرندے ماضی میں ایک ہی وقت پر موجود رہے تھے- البتہ آرکیوپیٹیرکس اور کونفیوسیوسارنس معدوم ہوگئے ہیں جبکہ اس دور کے پرندوں کی کچھ نسلیں دورِ حاضر میں بھی موجود ہیں- قصہ مختصر یہ کہ آرکیوپیٹیرکس کی کئی خصوصیات سے صاف ظاہر ہے کہ ےہ کسی بھی جاندار کی تدریجی شکل نہیں ہےن- اس پرندے کا جملہ تشریح الاعضا جمود کو ظاہر کرتا ہے، ارتقاءکو نہیں- ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات رابرٹ کیرل اعتراف کرتا ہے کہ:

"آرکیوپیٹیرکس کے اڑنے کے پروں کی اقلیدسی جدید پرندوں کے مشابہ ہے جبکہ بغیر اڑنے والے پرندوں کے بے ترتیب پر ہوتے ہیں- اس پرندے کے پروں کی ترتیب بھی دورِ جدید کے پرندوں کی حدود میں آتی ہے- وین ٹائن اور برگر کے حساب سے آوکیوپیٹیرکس کے پروں کی پیمائش اور نقشہ ان پرندوں سے مشابہ ہے جو کہ پودوں اور جھاڑیوں کی مخصوص جگھوں پر بھی اڑنے کے قابل ہوتے ہیں مثلاً گھریلو مرغیاں، تیتر، بٹیر، فاختہ، ہدہد اور عام گھریلو چڑیاں -اڑان کے یہ پرکم از کم پچھلے ۰۵۱ لاکھ سال سے جمودی حالت میں ہیں-"۵۵

دوسری طرف 'ارضی متضاد خیالات پر مبنی دعویٰ ' بھی آرکیوپیٹیرکس سے متعلق ارتقائی الزام دہی کے لئے مہلک وار ہے-جاناتھن وےلز نے اپنی کتاب 'ارتقائی مقدس شخصےات' مےںآرکےوپےٹےرکس کا نظریۂ ارتقاءکی بدولت ایک مقدس شخصیت کے حامل ہونے کا ذکر کیا ہے حالانکہ ثبوت صاف بتاتا ہے کہ یہ مخلوق دورِ حاضر کے پرندوں کا قدیم پرکھا نہیں ہے- ویلز کے مطابق اس ثبوت کی ایک کڑی تو یہ ہے کہ آرکیوپیٹیرکس کے خیال کئے جانے والے پرکھا تھیراپوڈ ڈائناسار کی عمر آرکیوپیٹیرکس سے بھی کم ہے- یہ ڈائناسار دو ٹانگوں پر رینگنے والی مخلوق تھی جو زمین پر دوڑتی تھی اور اس میں مزید کچھ اور بھی خصوصیات موجود تھیں جو کہ آرکیوپیٹیرکس کا پرکھا ہونے کے ناطے گوکہ ان میں موجود ہونی چاہئے تھیں مگر کافی عرصے بعد نمودار ہوئیں-"۶۵

چڑیا اور ڈائناسار کے درمیان تصوراتی کڑی

ارتقاءپسند جب آکیوپٹیرکس کو پرندوں کی وسطی شکل کے طور پر پیش کرتے ہیں تو ان کا بنیادی دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ پرندے ڈائناسار کی ارتقائی شکل ہیں- لیکن دنیا کے مشہور ترین ماہر طھوریات امریکہ کی یونیورسٹی آف نارتھ کیرولائنہ کا ایلن فیڈوشا ، باوجود اےک کٹر ارتقاءپسندہونے کے ،اس نظریئے کی مخالفت کرتا ہے کہ پرندے ڈائناسار کے رشتہ دار ہیں- رینگنے والے جانور اور پرندوں کے مقالے سے متعلق فیڈوشا کہتا ہے:

" میں ۵۲ سالوںسے پرندوں کی کھوپڑیوں کا مطالعہ کر رہاہوںاور مجھے ان میں (اور ڈائناسار میں) کسی بھی قسم کی یکسانیت قطعاً نظر نہیں آتی- میری رائے میں پرندوں کی ڈائناسار کے ذریعے ابتداءکا قےاس بیسویں صدی کی علمِ معدوم حیوانات و نباتات کے لئے ایک زبردست شرمندگی ہے-"۷۵

یونیورسٹی آف کینساس کے قدیم پرندوں کا ماہر لیری مارٹن بھی اس نظریئے سے اختلاف کرتا ہے کہ ڈائناسار پرندوں کے پرکھا ہیں- اس معاملے میں ارتقائی تضاد کے موضوع پر وہ کہتا ہے:

"سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی مجھے اس نظریئے کی حمایت کرنے کے لئے کہے کہ ڈائناسار اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ پرندوں کا پرکھا ہے تو مجھے ہر دفعہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے شدےد شرمندگی ہوگی-"۸۵

خلاصہ یہ کہ پرندوں کی ارتقائی کہانی جس کی بنیاد آرکیوپےٹےرکس کو بنایا گیا ہے دراصل ارتقاءپسندوں کے تعصب اور خام خیالی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

ممالیہ جانوروں کی ابتدائ

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ نظریۂ ارتقاءکے مطابق سمندر سے نکلنے والی کچھ تصوراتی مخلوق رینگنے والے حیوانات میں تبدےل ہو گئی اور پرندے انہی رینگنے

گھوڑے کی ارتقاءکی فرضی حکایت

حالیہ دور تک گھوڑے کا ارتقاءدکھاتا ہوا ایک ازروئے دعویٰ سلسلے کو نظریۂ ارتقاءکے اہم ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتارہا۔ آج کئی ارتقاءپسند خود اپنے منہ سے اس منظر نامے کا دیوالیہ ہوجانا تسلیم کرتے ہیں۔ ۰۸۹۱ءمیں شکاگو کے فیلڈ میوزیم آف نیچرل ہسٹری میں چار روزہ مجلسی مذاکرہ منعقد کیا گیا جس میں ۰۵۱ ارتقاءپسندوں نے شرکت کی۔ اس مذاکرے کا مقصد بتدریج ارتقائی نظریئے کو درپیش مسائل کے اوپر بحث تھا۔ اس مذاکرے میں ارتقاءپسند بوئس رینسبرگر نے خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا کہ گھوڑے کے ارتقاءکے منظرنامے کا فوصلی ریکارڈ میں کوئی وجود نہیں ہے اور نہ کوئی ثبوت گھوڑے کی تدریجی ترقی کو ثابت کرنے کے لئے موجود ہے۔

گھوڑے کی ارتقاءکے اس مقبول مفروضے کے حساب سے چار انگلیوں والی لومڑی نما ۰۵ لاکھ سال پرانی مخلوق تدریجی ترقی سے ایک انگلی والے دورِ حاضر کے گھوڑے میں تبدیل ہوگئی۔ یہ مفروضہ آج مکمل طور پر غلط قراردے دیا گیا ہے۔ وسطی نوعیت کے اس سلسلے کی کڑی سمجھے جانےو الے کئی جانداروں کے فوصل مکمل اشکال میں نمودار ہوئے، بغیر کسی تبدیلی کے زمین پر موجود رہے اور پھر معدوم ہوگئے۔

گھوڑے کا ارتقاءدکھاتے ہوئے خاکوں کے بارے میں ڈاکٹر نائلز ایلڈرج کہتا ہے۔ "زندگی کی تاریخ کے بارے میں لاتعداد کہانیاں سننے میں آتی ہیں جوکہ ایک سے بڑھ کر ایک رنگین تصویروں پر مبنی ہیں۔ ان میں سے سب سے مشہور نمونہ گھوڑے کی ارتقاءپر تشکیل دی گئی ۰۵ سال پرانی ایک نمائش ہے جوکہ کئی نصابی کتابوں میں بھی بلامبالغہ موجود ہے۔ میرے خیال سے یہ ایک نہایت قابل افسوس بات ہے۔ خاص طور پر اس لئے کیونکہ ان کہانیوں کو پیش کرنے والے کئی لوگ ان کہانیوں کی قیاس آرائیوں سے خود اچھی طرح واقف ہیں"۔۲

تو پھر گھوڑے کے ارتقاءکے منظر نامے کی کیا بنیاد ہے؟ اس منظر نامے کی تشکیل انڈیا، شمالی افریقہ، جنوبی امریکہ اور یورپ میں مختلف دوروں میں رہنے والی معدوم نسلوں کے فوصلوں کی سلسلہ وار ترتیب پر مبنی پرفریب نقشوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ ان مفروضوں کو مزید ہوا ارتقاءپسندوں کے تصورات کی متمول قوت نے دی۔ مختلف تحقیق دانوں نے ایک دوسرے سے مختلف ۰۲ کے قریب گھوڑے کی ارتقاءکے اوپر نقشے تیار کئے ہیں جس سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ گھوڑے کے شجرۂ نسب کے بارے میں ارتقاءپسند خود بھی آج تک ایک فیصلے پر نہیں پہنچ پائے۔ان تمام ترتیبوں میں واحد مشترک خاصیت یہ یقین ہے کہ "ایوہپس" نامی کتا نما حیوان جو کہ ۵۵ لاکھ سال پرانے ایوسین دور میں موجود تھا وہ گھوڑے یا اکس کا پرکھا ہے۔ لیکن ایوہپس سے اکس تک کی ارتقائی لکیریںنہایت غیر ہموار ہیں۔

ارتقاءپسند سائنسی مصنف گورڈن ٹیلر اس غیر تسلیم شدہ سچائی کا ذکر اپنی کتاب "داگریٹ ایوولوشن مسٹری" یا "ارتقاءکا عظیم بھید" میں کرتا ہے: "نظریۂ ڈارون کی شاید سب سے توجہ طلب کمزوری ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات کا اہم ارتقائی تبدیلیوں کو واضح کرتے ہوئے جانداروں کی قابل یقین ترتیب کو ڈھونڈنے میں ناکامی ہے۔ گھوڑے کو ہمیشہ اس معاملے میں سب سے مفصل طور پر حل شدہ مثال سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ایوہپس سے اکس تک کی لکیر بہت ڈانواڈول ہے۔ ازروئے دعویٰ یہ پیمائش میں بتدریج اضافہ دکھاتی ہے لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے بیچ کی کچھ نسلیں ایوہپس سے چھوٹی تھیں، بڑی نہیں۔ مختلف ذرائع سے جمع کئے گئے قابل یقین نمونوں کو ثبوت کے طور پر یکجا کرلینا بہت آسان ہے لیکن یہ ترتیب اس بات کا ثبوت ہرگز نہیں کہ یہ جاندار نسلیںو اقعی وقت اور تاریخ میں بھی اسی ترتیب سے موجود تھیں"۔۳

یہ تمام حقائق اس بات کا ٹھوس ثبوت ہیں کہ گھوڑے کی ارتقاءکے متعلق نظریۂ ڈارون کو ثابت کرنے والے تمام نقشے نرالے، پرتخیل اور غیر معقول حکایتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

Boyce Rensberger, Houston Chronicle, November 5, 1980, p. 15-----1

Niles Eldridge, quoted in "Darwin Enigma" by Luther D. Sunderland, Santee, CA, Master Books, 1988, p. 78----2

Gordon Rattray Taylor, "The Great Evolution Mystery", Abacus, Sphere Books, London, 1984, p. 230----3

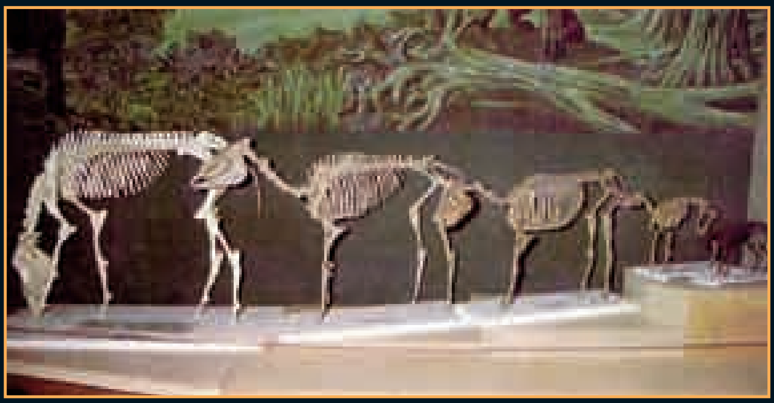

ایک عجائب گھر میں موجود گھوڑے کاارتقاءدکھاتی یہ ترتیب کئی جانوروں پر مشتمل ہے جوکہ مختلف اوقات اور مختلف جغرافیائی خطوط میں رہتے تھے۔ انکی ترتیب دھاندلی سے کی گئی ہے تاکہ ایک متعصب ارتقائی نقطۂ نظر کو سہارا دیا جاسکے۔ گھوڑے نما ارتقاءکے منظر نامے کا فوصلی ریکارڈ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

والے حیوانات کی ارتقائی شکل ہیں- اس نظریئے کے مطابق رینگنے والے حیوانات نہ صرف پرندوں کے رکھا ہیں بلکہ ممالیہ جانوروں کے بھی یہی پرکھا ہیں حالانکہ ان دونوں جماعتوں کے بیچ وسیع اختلافات ہیں- ممالیہ جانور گرم خون کے جانور ہوتے ہیں جس کا مطب ہے کہ وہ نہ صرف اپنے جسم کی حرارت خود پیدا کرسکتے ہیں بلکہ یہ اس حرارت کو معتدل سطح پر رکھنے کے بھی اہل ہوتے ہیں- اس کے علاوہ ممالیہ جانور زندہ بچے جنتے ہیں، اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں اور ان کے جسم بالوں یا لپشم سے ڈھکے ہوتے ہیں-اس کے برعکس رینگنے والے جانور ٹھنڈا خون رکھتے ہیں ےعنی وہ اپنے جسم کی حرارت پیدا نہیں کرسکتے اور ان کے جسم کے درجہ حرارت کا انحصار بیرونی درجہ حرارت کے اوپر ہوتا ہے- یہ انڈے دیتے ہیں، اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتے اور ان کے جسم کھپروں سے ڈھکی ہوتے ہیں-

رینگنے والے اور ممالیہ جانداروں کے درمیان ساخت کاایک فرق ان کے جبڑوں میں نمایاں فرق ہے- ممالیہ جانوروں کا نچلا جبڑا صرف ایک ہڈی پر مشتمل ہوتا ہے جس کے اندر دانت ہوتے ہیں جبکہ رینگنے والے جانوروں کے نچلے جبڑے کے دونوں طرف تین چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں- ساخت کا ایک اور فرق یہ ہے کہ تمام ممالیہ جانوروں کے کان کے وسطی حصے میں تین ہڈیاں ہوتی ہیں جبکہ رینگنے والے جانوروں کے کان کے بیچ میں ایک ہی ہڈی ہوتی ہے- ارتقاءپسندوں کا دعویٰ ہے کہ رینگنے والے جانوروں کا جبڑا اور وسطی کان ممالیہ جبڑے اور کان سے بدل گیا- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہڈی والا کان تین ہڈی والے کان میں کس طرح تبدیل ہوگیا؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ بات بھی عقل سے بالاتر ہے کہ ان تمام تبدیلیوں کے دوران سننے کی طاقت پھر بھی کیسے برقراررہی؟ اسی لئے کسی ایک بھی اےسے فوصل کی غیر موجودگی حیرت کی بات نہیں جو کہ رینگنے والے جانوروں اور ممالیہ جانوروں کے مابین رشتے کی نشاندہی کرسکیں -اسی لئے ارتقائی سائنسی مصنف راجر لوان کو مجبوراً یہ بات کہنی پڑی کہ:"**پہلے ممالیہ جانور تک منتقلی جو کہ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو شجرۂ نسبوں میں ہوئی ابھی تک ایک حیران کن واقعہ ہے-"۹۵**

جارج گیلارڈ سمسن کا شمار معروف ارتقائی ہستیوں میں ہوتا ہے اور یہ نوڈاروینیت کے نظریئے کا ایک بانی بھی ہے- ارتقاءپسند اس پریشان کن واقعہ سے جس مشکل کا شکار ہوگئے ہیں اس کے بارے میں وہ کہتا ہے:

"زمین کے اوپر زندگی کی تاریخ کا سب سے حل طلب مسئلہ میسوزوئک دور اور رینگنے والے جانوروں کی دور سے ممالیہ جانوروں کے دور میں منتقلی ہے-یہ منظر اس طرح ہے کہ جس طرح کسی اےسے اسٹیج پر اچانک پردہ گرادیا جائے جس کے تمام اہم کردار رینگنے والے جانور ہوں بلکہ خاص طور پر وسیع تعداد اور انواع و اقسام کے ڈائناسار ہوں اور پھر اچانک پردہ اٹھادیا جائے اور اسی پس منظر کو نئے کرداروں کے ساتھ پیش کیا جائے جن میں ڈائناسار بالکل موجود نہ ہوں، سارے رینگنے والے جانور خاموش اداکار ہوں اور سارے اہم کردار وہ تمام ممالیہ جانوروں کی انواع و اقسام ہوں جن کا ہلکا سا ذکر بھی ابھی تک ڈرامے میں نہیں کیا گیا تھا-"۶۰

اس کے علاوہ جب ممالیہ جانور اچانک نمودار ہوئے تو وہ ایک دوسرے سے اس وقت ہی بے انتہا مختلف تھے- مثلاً چمگادڑ، گھوڑے، چوہے اور وہیل مچھلیاں تمام ممالیہ جانور ہیں جو کہ ایک ہی ارضیاتی دور میں نمودار ہوئے- ان کے درمیان کسی قسم کا رشتہ تصور کے آخری حد تک جانے سے بھی قائم نہیں کیا جاسکتا- مشہور رسالے "ایوولوشن" میں ارتقائی ماہرِ حیوانات ایرک لومبارڈ اس نقطے کو ایک مضمون میں اٹھاتے ہوئے کہتا ہے:

"وہ تمام لوگ جو کہ ممالیہ نسلوں کی نوعی تفریق اور انقسام کو تعمیر کرنے کی نیت سے مخصوص مواد کی تلاش میں ہیں وہ شدید مایوسی کا شکار ہوں گے-"۱۶

یہ تمام حقائق اس بات کا ثبوت ہیں کہ جاندار نسلیں زمین کے اوپر اچانک اور مکمل حالتوں میں بغیر کسی ارتقائی عمل کے نمودار ہوئیں- ارتقاءپسند اس حقیقت کی تشریح اپنی مرضی سے ایک خاص ترتیب کے تحت کرکے ارتقاءکا ثبوت پیش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں- جاندار نسلیں صرف تخلیق کی ترتیب کے تحت نمودار ہوئیں ،کسی ارتقائی عمل کے ذریعے نہیں- بہترین اور بے عیب تخلیق کے ذریعے زمین اور سمندر جانداروں سے بھرگئے اور آخر کار انسان کی نموداری پیش آئی- گوریلا نما آدمی کی کہانی کے برخلاف ،جو کہ دنیا کے اوپر شدید اشتہاری مہموں کے ذریعے ٹھونسی جاتی ہے، انسان بھی درحقیقت زمین کے اوپر اچانک اور مکمل حالت میں نمودار ہوا-

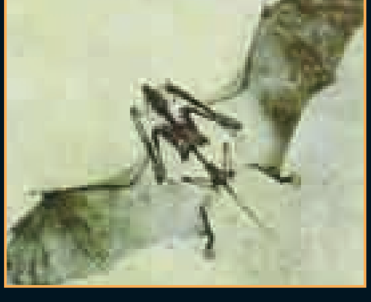

۵۰ لاکھ سال پرانا چمگادڑ کا فوصل جوکہ دورِ حاضر کے چمگادڑ سے عین مشابہ ہے (سائنس، اشاعت ۴۵۱)

چمگادڑ

ارتقاءپسندوں کے مفروضے کے مطابق تمام ممالیہ نسلیں ایک مشترک پرکھا سے وجود میں آئیں- لیکن مختلف ممالیہ نسلوں کے درمیان وسیع امتیازات موجود ہیں مثلاً ریچھ، وہیل مچھلی، چوہے اور چمگادڑ-ہر یہ جاندار نسل مخصوص نظام کی حامل ہے- مثلاً چمگادڑوں کے اندر بہت حساس قسم کا صوتی نظام موجود ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اندھیرے میں بھی با آسانی راستہ تلاش کرسکتے ہیں- جس پیچیدہ نظام کی نقل جدید ترین تکنیکی صلاحیت بھی بمشکل کرسکتی ہے اس کا اتفاقی طور پر وجود میں آجانا ناممکن ہے- فوصلی ریکارڈ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ چمگادڑ اپنی حالیہ اور بہترین شکل میں کسی بھی تدریجی ترقی کے مراحل سے گزرے بغیر زمین پر اچانک نمودار ہوئے-

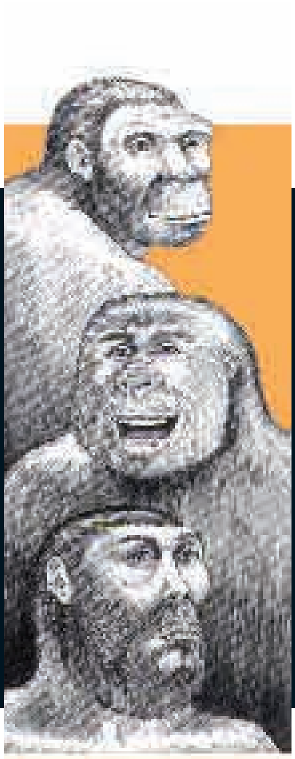

ایک کھوپڑی کی تین مختلف اشکال مےں نوتعمیرات

ارتقاءپسند ایسی ایسی ناقابل یقین اور واہیات کہانیاں گھڑ لیتے ہیں کہ وہ ایک ہی کھوپڑی کو مختلف شکلیں بھی دینے سے نہیں چوکتے۔ مثال کے طور پر آسٹرولوپیتھیکس روبیسٹس نامی فوصل کی تین مختلف نو تعمیراتی اشکال ایسے ہی دھوکے کی اےک مشہور مثال ہے۔

اوپر سے نیچے

ماریس ولسن کے خاکے

سنڈے ٹائمز کی ۵ اپریل ۴۶۹۱ءکی اشاعت میں چھپنے والا خاکہ

نیشنل جیوگرافک کی ستمبر ۰۶۹۱ءکی اشاعت میں چھپنے والا پارکر کا خاکہ

جاوا مین کے دو خاکے جوکہ ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ ہیں ارتقاءپسندوں کے ہاتھوں فوصلوں کی ناقابل یقین تشریح کا ثبوت ہیں

ہے۔ ہڈی کی شکل میں ملنے والے بقایاجات کسی بھی مخلوق کی صرف سرسری خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کسی مخلوق کی شکلیاتی خصوصیات کا انحصار نرم ریشۂ لحمی پر ہوتا ہے جو کہ موت کے بعد سڑ جانے سے غائب ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے اس نرم ریشہ لحمی کی نو تعمیرات جو کہ خاکوں اور نقشوں میں دکھائی جاتی ہے وہ صرف اور صرف اس شخص کے ذہن کی پیداوار ہوتی ہے جو کہ ان کو بنارہا ہوتا ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کا ارنسٹ اے۔ ہوٹن اس تمام معاملے کو یوں بیان کرتا ہے:

"نرم حصوں کی نو تعمیرات کا بیڑا اٹھانا ایک نہایت ہی خطرناک نوعیت کا کام ہے۔ ہونٹ، آنکھ، کان اور ناک کی نوک کا نیچے والے ڈھانچے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک نیا نڈر تھا لائد (قدیم انسان) کی کھوپڑی کے اوپر چمپانزی بندر کی شکل بھی تعمیر کی جاسکتی ہے اور ایک مشہور فلاسفر کی بھی۔قدیم انسان کی یہ ازروئے دعویٰ نو تعمیرات کی سائنسی قیمت اگرچہ بہت کم ہے لیکن یہ عام لوگوں کو بہکانے کا کام بہت اچھی طرح کرسکتی ہیں۔ اسی لئے ان نو تعمیرات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔"۳۶

حقیقت تو یہ ہے کہ ارتقاءپسند اس موضوع پر واہیات ترےن کہانیاں گھڑ لیتے ہیں اور ایک ہی کھوپڑی پر مختلف شکلیں بھی تعمیر کرنے سے گریز نہیں کرتے۔آسٹرالوپیتھیکس روبسٹس (زنجانتھروپس) نامی ایک فوصل کا تین مختلف نو تعمیری شکلوں کے ساتھ پیش کیا جانا اس طرح کی جعل سازی کی بہترین مثال ہے۔

فوصلوں کی یہ متعصب تشریح اور صریحاً جعل سازی ارتقاءپسندوں کا من پسند وطیرہ بن گیا ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو ارتقاءکے فریب میں الجھائے رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ حرکتیں بہت معصوم لگتی ہیں جب ان کا موازنہ ان دوسری جانی بوجھی جعل سازیوں سے کیا جاتا ہے جن کا ارتکاب ارتقاءکی تاریخ میں کیا گیا ہے۔

ماریس ولسن کے خاکے (گوریلے سے آدم تک:
انسان کے پرکھوں کی تلاش، ہربرٹ وینڈ)

اسٹیون اسٹینلی کے کاکے (انسان کی ابتدائ)

ساتواں باب

ارتقاءپسندوں کی متعصب اور پر فریب فوصلی تشریح

انسانی ارتقاءکی فرضی حکایت کی تفصیلات میں جانے سے پہلے ان منظم تشہیراتی طریقوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے جس کے ذریعے عام لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا جاتا ہے کہ ماضی میں رہنے والا آدھا انسان/آدھا گوریلا ایک حقیقت ہے۔ یہ منظم تشہیرات بڑی حد تک فوصلوں کی نو تعمیرات کے ذریعے کی جاتی ہےں۔ ان نو تعمیرات کا طریقہ ارضیاتی کھدائی کے دوران پائی گئی کسی ایک ہڈی کو بنیاد بناکر تصویر بنانا یا کسی جاندار کا مکمل ڈھانچا تعمیر کردینا ہے۔ اخباروں، رسالوں اور فلموں میں اکثر نظر آنے والا گوریلا نما آدمی ایسی ہی نو تعمیرات کا نتیجہ ہے کیونکہ فوصل زیادہ تر کسی ڈھانچے کا معمولی سا حصہ اور بسا اوقات غیر مکمل حصہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو بنیاد بناکر کوئی بھی قیاس کرنا سراسر تخمینہ ہوتا ہے۔ ان فوصلی بقایاجات کو بنیاد بناکر ارتقاءپسند صرف اس لئے نو تعمیر کرتے ہےں تا کہ دنیا کے سامنے اپنے ارتقائی مقالے کو سچ ثابت کر سکےں۔درحقےقت یہ نو تعمیراتی اشکال صرف ان کے ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کا ایک نامور ماہرِ بشریات اس بات پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"کم از کم علمِ قدیم بشری رکازیات میں صحیح معلومات کی اتنی کمی ہے کہ کسی بھی چیز کی تشریح زیادہ تر ذاتی مقالے پر مبنی ہوتی ہے۔ ماضی میں بھی ذاتی مقالے ہی جدید فکریات کا آئینہ رہے ہیں۔" ۲۶

لوگوں کی سوچ آنکھ دیکھی چیزوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ نو تعمیرات ارتقاءپسندوں کے مقاصد کو بخوبی کامیاب بنادیتی ہیں اور لوگوں کو یقین آجاتا ہے کہ واقعی تصاویر میں نظر آنے والی مخلوق حقےقی ہے۔ اس موقع پر ایک نقطے کو اجاگر کرنا لازمی

دھوکے کی ایک کہانی

۱ چارلس ڈاسن کے دریافت شدہ فوصل سرآرتھر اسمتھ وڈورڈ کودے دیئے گئے-

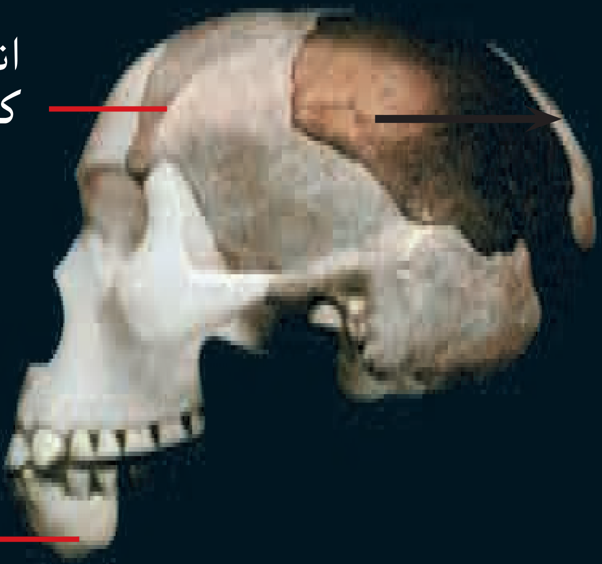

۲ پرزوں کی نوتعمیرات کے ذریعے مشہور کھوپڑی بنادی گئی-

۳ اپنی دریافت کے ۴۰ سال بعد تحقیق دانوں کے ایک گروہ نے پلٹ ڈاؤن کے فوصل کو ایک دھوکہ ثابت کردیا-

٤ **After 40 years of its discovery, the Piltdown fossil is shown to be a hoax by a group of researc-hers.**

آٹھواں باب

ارتقاءکی جعل سازیاں

گو کہ گوریلانماآدمی کے مشہور خاکے کو سہارا دینے کے لئے کسی بھی طرح کا ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے لےکن پھر بھی یہ نقش تشہیراتی ذرائع اور ارتقائی تعلیمی حلقوں کے ذریعے پھیلایا جارہا ہے- ارتقائی مصور اپنے ہاتھوں‌میں برش تھامے خیالی مخلوقات بنائے چلے جارہے ہیں لیکن ان تصویروں کی فوصلوں کے ساتھ غیر مطابقت ان کے لئے پریشانی کا سبب ہے- اس سلسلے کا حل انہوں نے اس طرح نکالا کہ وہ خود ان فوصلوں کی تعمیر کرلیں جن کی انہیں ضرورت ہو- سائنسی تاریخ کا سب سے بڑا رسواکن نمونہ 'پلٹ ڈاؤن مین ' اس طریقے کو استعمال کرنے کا بہترین ثبوت ہے-

پلٹ ڈاؤن مینن یا پلٹ ڈاؤن کا آدمی:

آورنگوٹین بندر کا جبڑا اور انسانی کھوپڑی

۲۱۹۱ءمیں ایک جانا پہچانا ڈاکٹر اور قدیم بشری رکازیات کا شائق چارلس ڈاسن نے یہ اعلان کیاکہ اس کو انگلستان کے مقام پلٹ ڈاؤن کے ایک گڑھے سے ایک جبڑے کی ہڈی اور کھوپڑی کا حصہ ملا ہے- اگرچہ جبڑے کی ہڈی گوریلا نما تھی لیکن دانت اور کھوپڑی انسانی کھوپڑی سے مشابہ تھیں- ان نمونوں کو 'پلٹ ڈاؤن مین یا پلٹ ڈاؤن آدمی ' کا نام دیا گیا- اس وقت کہا گیا کہ یہ فوصل ۵۰۰,۰۰۰ سال پرانے ہیں اور ان کی انسانی ارتقاءکے مطابق ثبوت کے طور پر کئی عجائب گھروں میں نمائش کی گئی- ۰۴ سال سے زیادہ کے عرصے میں اس پلٹ ڈاؤن مین کے اوپر کئی مضمون لکھے گئے، اس کی کئی تشریحات ہوئیں، اس کے کئی خاکے بنائے گئے اور ےہ انسانی ارتقاءکا ایک ضروری ثبوت مان لیا گیا- حتیٰ کہ اعلیٰ ترین اسناد کے لئے اس کے اوپر تقریباً ۵۰۰ کے قریب مقالے تک لکھے گئے ہیں-۶۴

۱۲۹۱ءمیں انگلستان کے عجائب گھر کے دورے کے دوران ایک نامور امریکی ماہرِ قدیم بشری رکازیات ہنری فیرفیلڈ آسبارن نے کہا:"ہم کو ےہ بار بار یاد دلایا جانا ضروری ہے کہ قدرت تضادپر مشتمل ہے-"آسبارن نے پلٹ ڈاؤن مین کو "انسان کی ماقبل تاریخ کی تجربے سے بالاتر دریافت" کہا ہے-

۹۴۹۱ءمیں انگلستان کے عجائب گھر کے معدوم حیوانات و نباتات کے شعبے کے کینتھ اوکلی نے 'فلورین ٹیسٹ ' نامی ایک نئے تجربے کے ذریعے فوصلوں کی عمر جانچنے کی کوشش کی- پلٹ ڈاؤن مین کے فوصل کے اوپر بھی اس نئے طریقے کے ذریعے تحقیق کی گئی اور اس کا نتیجہ حیران کن نکلا-

تجربہ کے ذریعے پتہ چلا کہ اس پلٹ ڈاؤن مین کے جبڑے کی ہڈی میں فلورین بالکل نہیں تھا ےعنی کہ یہ ہڈی صرف چند سال سے ہی دفن رہی تھی- کھوپڑی میں فلورین صرف تھوڑی سی مقدار میں موجود تھا جس سے اس کی عمر چند ہزار سال پرانی ظاہر ہو رہی تھی- مزید تحقیق سے پتہ چلا کہ اس کے جبڑے میں موجود دانت ایک اورنگوٹین بندر کے تھے جن کو نقلی طریقوں سے گِھس کر پرانا بنایا گیا تھا- فوصل کے ساتھ موجود جو قدیم اوزار تھے وہ بھی نقلی تھے جن کو لوہے کی مختلف مشینوں سے تیز کیاگیاتھا-۶۶

جو سف وائنز نے اس تجربہ کی مزید تحقیق کی اور اس دھوکہ دہی کی تفصےلات کو دنیا کے آگے ۳۵۹۱ءمیں پیش کےا- پلٹ ڈاؤن مین کی کھوپڑی ایک ۵۰۰ سال پرانے آدمی کی تھی جبکہ اس کا جبڑا ایک ممالیہ مرے ہوئے گوریلے کا تھا- اس کے دانتوں کو خاص طور پر ترتیب دے کر جبڑے میں لگایا گیا تھا اور اس کی داڑھوں کی سطح کو اس طرح گھساگیا تھا کہ وہ انسانی داڑھوں سے مشابہ ہوگئے- ان تمام چیزوں کو پوٹاشیم ڈائکرومیٹ سے رنگ کر پرانا بنادیا گیا- تفصیلی تحقیق کے دوران جب ان تمام چیزوں کو تیزاب میں ڈبویا گیا تو یہ تمام رنگ غائب ہوگئے- اس دھوکے کی تحقیق کے گروہ میں سرولفرڈ لاگرو کلارک بھی شامل تھا اور اس تمام صورتحال پر اپنی حیرت کا مظاہرہ اس نے ان الفاظ میں کیا:"نقلی رینجھنے کے اس عمل کا ثبوت فوراً ہی واضح ہوگیا- یہ اتنا زیادہ واضح تھا کہ سمجھ نہیں آتا کہ اس غلطی کو پہلے کیوں نہیں پکڑا گیا-"۷۶

نواں باب:

انسانی ارتقاءکا منظر نامہ

اس کہانی کے لئے ارتقاءپسند کون سی بنیاد تجویز کریں گے؟ یہ بنیاد ان کئی فوصلوں کی موجودگی ہے جس کے ذریعے ارتقاءپسند اپنے نظریوں کی خےالی تشریحات کرتے ہیں- پوری تاریخ کے دوران تقریباً ۶۰۰۰ گوریلوں کی نسلیں زمین پر پیدا ہوئیں جن میں سے زیادہ تر معدوم ہوگئیں- آج صرف ۱۲۰ نسلیں زمین پر موجود ہیں لیکن معدوم گوریلوں کی ہڈیاں ارتقاءپسندوں کے لئے ہڈیوں کا ایک ایسا خزانہ ہیں جن کو وہ اپنے نظریوں کے فروغ کے لئے استعمال کرتے ہیں-

ارتقاءپسندوں نے انسانی ارتقاءکا منظر نامہ اس طرح لکھاکہ پہلے اپنی مرضی کی کھوپڑیوں کو چھوٹے سے لے کر بڑے ناپ تک ایک ترتیب دے دی اور ان کے بیچ میں کچھ معدوم انسانی نسلوں کی کھوپڑےاں بھی ملا دےں- اس منظر نامے کے حساب سے انسان اور گوریلوں کے پرکھا مشترک ہیں- ارتقاءپسندوں کے مطابق یہ قدےم مخلوق وقت کے ساتھ ساتھ بسلسلہ تدریجی ترقی دورِ حاضر کا گوریلا بن گئی جبکہ ایک گروہ نے ارتقاءکی ایک اور شاخ کے ذریعے ترقی کے باعث دورِ حاضر کے انسان کی شکل اختیار کرلی- لیکن تمام علم معدوم حیوانا و نباتات، علم تشریح الاعضاءاور علم حیاتیات کی تحقیق کے مطابق نظریہٴ ارتقاءکا یہ دعویٰ اتنا ہی خام خیالی سے پر اور معذور ہے جتنے کہ دوسرے تمام دعوے ہیں- کسی بھی نوعیت کا اصل اور ٹھوس ثبوت آج تک اس معاملے میں سامنے نہیں آسکا جو کہ انسان اور گوریلے کے درمیان کوئی رشتہ استوار کرنے میں کامیاب ہوسکے- سارے ثبوت صرف دھوکہ دہی ، حقیقت کی بگڑی ہوئی اشکال، بہکاووں سے پر خاکوں اور تجزیوں پر مشتمل ہیں-

فوصلی ریکارڈ تارےخ کے بردور میں انسانوں کا انسان اور گوریلوں کا گوریلے ہونے کی ہی نشاندہی کرتا ہے- ارتقاءپسندوں کے دعوؤں کے مطابق کچھ فوصل جن کو وہ انسان کا پرکھا کہتے ہیں وہ ان انسانی نسلوں کی ہیں جو کہ ۱۰,۰۰۰ سال پہلے کے دور میں زندہ رہیں اور معدوم ہوگئیں- اس کے علاوہ کئی انسانی گروہ جو کہ دورِ حاضر میں بھی موجود ہیں اِنہیں معدوم انسانی نسلوں سے مشترک طبےعیاتی اور شکلیاتی خصوصیات کی حامل ہیں جن کو ارتقاءپسند انسانوں کے پرکھا کہتے ہیں- یہ تمام باتیں اس حقیقت کا واضح ثبوت ہیں کہ انسانی نسل تاریخ کے کسی دور میں کسی بھی ارتقائی عمل سے نہیں گزری- سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ گوریلوں اور انسانوں کے درمیان اتنے زےادہ تشریح الاعضاءکے فرق موجود ہیں کہ ان دونوں نسلوں کا کسی بھی طرح کے تدریجی ترقی کے عمل کے ذریعے وجود میں آنے کا سول ہی پیدا نہیں ہوتا-ان میں سے سب سے نماےاں فرق دو ٹانگوں پر چلنے کی صفت ہے جو کہ انسان کے لئے مخصوص ہے- انسان اور دوسرے حیوانات کے درمیان فرق پیدا کرنے والی یہ سب سے اہم خصوصیت ہے-

انسان کا خیالی شجرہٴ نسب

نظریہٴ ارتقاءکا یہ دعویٰ ہے کہ دورِ حاضر کا انسان کسی گوریلا نما مخلوق کی تدریجی شکل ہے- اس ازروئے دعویٰ ارتقائی عمل کا آغاز ۴ سے ۵ لاکھ سال پہلے ہوا اور اس شجرہ نسب میں کچھ عبوری نوعیت کی مخلوق کا بھی دخل ہے جو کہ انسان اور اس کے پرکھا کے مابین رشتہ داری کو واضح کرتی ہے- اس مکمل طور پر فرضی منظر نامے کے مطابق مندرجہ ذیل چار بنیادی گروہوں کی نشاندہی کی گئی ہے-

۱- آسٹرالوپیتھیسینز (جنس آسٹرالوپتھیکس سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی شکل) *Australopithecines*

۲- ہوموہابلس *Homo hablis*

۳- ہوموارکٹس *Homo erectus*

۴- ہوموسیپینز *Homo sapiens*

انسان کے ازروئے دعویٰ گوریلا نما پرکھا کو ارتقاءپسند آسٹرالوپتھیکس کا نام دیتے ہیں جس کے لفظی معنی ہیں جنوبی گوریلا- یہ ایک پرانی وضع کا گوریلا ہے جو کہ معدوم ہوچکا ہے اور مختلف اشکال میں فوصلوں کی صورت دریافت ہوتارہتا ہے- کچھ اشکال بڑی اور مضبوطی سے بنی ہوتی ہیں جبکہ دوسرے ڈھانچے نسبتاً چھوٹے اور نازک ہوتے ہےں-انسانی ارتقاءکا دوسرا مرحلہ ارتقاءپسندوں کے حساب سے جنس ہومو ہے جس کا لفظی مطلب 'آدمی' ہے- ارتقاءپسند دعوے کے مطابق ہومو سلسلے کے جاندار آسٹرالوپتھیکس کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور دورِ حاضر کے انسان سے کافی مشابہ ہیں- آج کا انسان ہومو سیپین نسل کا ہے جس کی

اس تمام سائنسی ثبوت کے سامنے آتے ہی پلٹ ڈاؤن مین کو انگلستان کے عجائب گھر سے فوراً ہٹادیا گیا جہاں پر وہ بڑی شان سے ۰۴ سال سے زائد عرصے سے ایستاذہ تھا۔

بنراسکا کا آدمی: سور کا دانت

۲۲۹۱ءمیں امریکہ کے قدرتی تاریخ کے عجائب گھر کا منظم اعلیٰ ہنری فیر فیلڈ آسبارن نے اعلان کیا کہ اس کو ریاست نبراسکا کے مغرب میں موجود اسنیک بروک سے پیلیوسین دور کا ایک داڑھ کا فوصل ملا ہے۔ اس دانت میں ازروئے دعویٰ انسان اور گوریلے کی مشترکہ خصوصیات موجود تھیں۔ اس فوصل کے گرد تفصیلی سائنسی بحث گردش کرنے لگی اور اس کا نام' نبراسکا کا آدمی' رکھ دیا گیا۔ بہت سے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ داڑھ پتھکانتھرو پس ارکٹس کا تھا جبکہ دوسرے مصر تھے کہ یہ ایک انسانی داڑھ تھا۔ نبراسکا کے آدمی کا فوراً ایک سائنسی نا م ' ہسپےروپتھیکس ہارلڈکوکی ' رکھ دیا گیا ۔ ا س کے علاوہ بہت سی تنظیمات نے آسبارن کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ بھی کرلیا۔اس واحددانت کو سامنے رکھتے ہوئے نبراسکا کے آدمی کے سر اور جسم کی نوتعمیر کردی گئی۔ مزید یہ کہ اس تصوراتی آدمی کا پورا خاندان بھی اس کی بیوی اور بچوں سمیت ایک قدرتی پس منظر میں بناکر دکھایا گیا ۔ارتقائی حلقوں کو اس خیالی آدمی کے اوپر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ولیم برائن نامی ایک تحقیق دان نے نبراسکا کے آدمی سے متعلق متعصب نتیجوں سے اختلاف کیا تو اس کی شدید نکتہ چینی کی گئی۔

لیکن۷۲۹۱ءمیں اس ڈھانچے کے دوسرے حصے بھی مل گئے جن کے حساب سے یہ دانت نہ تو کسی انسان کا تھا نہ گوریلے کا بلکہ یہ ایک پراستھینوپس نامی معدوم جنگلی امریکی سور کی نسل کا تھا۔ رسالہ سائنس میں ولیم گریگوری کا ایک مضمون چھپا جس میں اس نے اس سچائی کا اعلان کیا۔ '**ہسپیروپتھیکس ہیرالڈ کوکی**'[68] اورا س کے خاندان کی ساری تصویریں ارتقائی ادب سے فوراً ہٹالی گئیں۔

اوپر دکھائی گئی تصویر ایک واحد دانت کو بنیاد بناکر بنائی گئی اور یہ السٹیریٹڈ لندن نیوز میگزین میں جولائی ۴۲، ۲۲۹۱ءمیں شائع ہوئی۔ لیکن ارتقاءپسندوں کو تھوڑے عرصے بعد نہایت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہ دانت نہ تو گوریلا نما مخلوق کا تھا اور نہ انسان کا بلکہ یہ ایک معدوم سور کی نسل کا دانت تھا۔

اوٹابینگا: پنجرے میں موجود افریقی

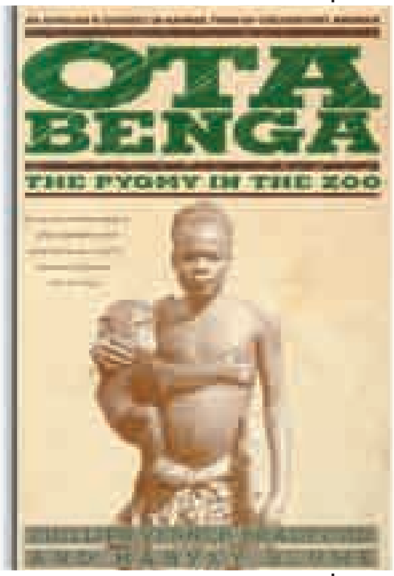

اپنی کتاب "ڈیسنٹ آف مین" یا انسان کا سلسلہ نسب کے ذریعے جب ڈارون نے اپنے دعوے کو فروغ دیا کہ انسان دراصل گوریلہ نما مخلوق کی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہے تو پھر اس کو اس دعوے کے لئے ثبوت جمع کرنے کی بھی فکر ہوئی جو کہ صرف فوصل کی صورت ہی ہوسکتا تھا۔ بہت سے ارتقاءپسندوں کو یقین تھا کہ اس آدھے انسان آدھے گوریلا نما مخلوق کے نشانات نہ صرف فوصلی ریکارڈ میں موجود ہوں گے بلکہ یہ دنیا کے کچھ حصوں سے شاید انہیں یہ ' عبوری کڑیاں ' زندہ بھی مل جائیں۔

بیسویں صدی کی شروعات میں ان زندہ عبوری کڑیوں کی تلاش کے ہاتھوں کئی افسوسناک واقعات دیکھنے میں آئے۔ ان میں سے سب سے ایذارساں کہانی اوٹابینگا نامی افریقہ کے ہالشتئے کی ہے۔ اوٹابینگا کو ۴۰۹۱ءمیں ایک ارتقائی تحقیق دان نے افریقہ کی ریاست کانگو میں قید کیا۔ اس کی اپنی زبان میں اس کے نام کا مطلب "دوست" تھا اور اس کی بیوی اور دو بچے بھی تھے۔ پنجرے میں زنجیروں سے قید کرکے اس کو امریکہ لایا گیا جہاں ارتقائی سائنسدانوں نے اس کی نمائش گوریلوں کی کئی دوسری نسلوں کے ساتھ انسان سے سب سے قریبی عبوری کڑی کے طور پر سینٹ لوئی کے عالمی میلے میں کی۔ دوسال بعد یہ لوگ اس کو نیویارک کے برانکس کے چڑیا گھر لے گئے اور اس کو انسان کا قدیم پرکھا کے نام سے پیش کیا۔

یہاں پر اوٹابینگا کے ساتھ کچھ چمپانزی بندر، ڈائنا نامی گوریلا اور ڈوہنگ نامی اورنگوٹین بندر بھی موجود تھے۔ چڑیا گھر کا ارتقاءپسند منظم اعلیٰ ڈاکٹر ولیم ٹی ہارناڈے نے لمبی لمبی تقریریں کیں کہ اس غیر معمولی عبوری کڑی کا اس کے چڑیا گھر میں ہونا اس کے لئے کس قدر فخر کی بات تھی۔ پنجرے میں قید اوٹابینگا کے ساتھ ایک عام جانور کی طرح سلوک کیا گیا۔ آخر کاراس تمام سلوک کو مزید برداشت نہ کرنے کی سکت کے باعث اوٹابینگا نے خودکشی کرلی۔[96]

پلٹ ڈاؤن مین، نبراسکا کا آدمی اور اوٹابینگا ایسے رسوا انگیز واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے نظریوں کو فروغ دینے کے لئے ارتقائی سائنسدان کسی بھی طرح کا طریقہ کار اپنانے سے گریز نہیں کرتے۔ اس نقطے کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب اس طرح کے دوسرے انسانی ارتقاءسے متعلق خیالی کہانیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس طرح کے اور بھی واقعات سامنے آتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ایک ایسی ہی خیالی حکایت اور اس کو ثابت کرنے کے لئے رضاکارانہ طور پر کام کرنے والوں کی ایک ارتقاءپسند فوج کا قصہ ہے جو کہ اس کہانی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ہر حربہ آزمانے کو تیار ہیں۔

الٹے ہاتھ کی طرف اے- ایفیرنسس کے دو
خاکے ہیں
نیچے والی تصویر اے- بوٹسی کی ہے-
یہ تمام تصویریں مکمل طور پر خیالی ہیں-
آسٹرالوپتھیسینز درحقیقت گوریلوں کی ایک
معدوم شکل ہیں-

ہے کہ اس گروہ کی سب سے پرانی نسل اے- افارنسس ہے- اس کے بعد اے- افریکانس ہے اور پھر اے- روبسٹس ہے جس کی ہڈیاں نسبتاً بڑی ہیں- اے-بوئے سائے نامی نسل کو کچھ تحقیق دان مختلف نسل گردانتے ہیں جبکہ کچھ اس کو اے- روبسٹس کی ذیلی نسل ہی قرار دیتے ہیں-

آسٹرالوپتھیکس کی تمام نسلیں درحقیقت معدوم گوریلے ہیں جو کہ دورِ حاضر کے گوریلوں سے مشابہ ہیں- ان کی کھوپڑیاں موجودہ وقت کے چمپانزی بندروں کی ہو بہو یا تھوڑی سی چھوٹی ہیں- چمپانزی کی طرح ہی ان کے ہاتھوں اور پیروں میں کچھ حصے باہر کو نکلتے ہوئے ہیں جن کی مدد سے وہ درخت پر چڑھتے ہیں اور ان کے پیروں کی ساخت ان کو ٹہنیوں پر لٹکنے کے لئے مدد دیتی ہے- ان کا قد چمپانزی ہی کی طرح چھوٹا ہوتا ہے- (زیادہ سے زیادہ ۰۳۱ سینٹی میٹر یا ۱۵ انچ) -نرآسٹرالوپتھیکس مادہ کی نسبت بڑا ہوتا ہے- اس کے علاوہ ان کی کئی دوسری خصوصیات بھی ثابت کرتی ہیں کہ یہ آج کے گوریلا سے بالکل مختلف نہیں مثلاً کھوپڑی کی تفصیلات، آنکھوں کا قریب قریب واقع ہونا، تیز داڑھ ، جبڑے کی ساخت، لمبے بازو اور گڈی ٹانگیں- پھر بھی ارتقاءپسند یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گوریلوں کی طرح ہونے کے باوجود یہ گوریلوں سے مختلف تھے اور انسانوں کی طرح سیدھا ہوکر چلتے تھے- ان کے اس دعوے کو کئی دہائیوں سے ماہر قدیم بشری رکازیات رچرڈ لیکی اور ڈانلڈسی- جوہانسن کی مضبوط پشت پناہی حاصل رہی ہے- لیکن کئی سائنسدانوں نے گروہ آسٹرالوپتھیکس کے ڈھانچوں پر تفصیلی تحقیق سے ثابت کردیا ہے کہ یہ نظریہ ناقص ہے-

آسٹرالوپتھیکس کے نمونے کے اوپر تفصیلی تحقیق کرنے والے عالمی شہرت کے حامل ماہرِ تشریح البدن انگلستان کا لارڈ سولی زکر مین اور امریکہ کا پروفیسر چارلس آکسنارڈ نے واضح کردیا ہے کہ یہ مخلوق ہرگز انسانی طریقے سے سیدھا ہوکر نہیں چلتی تھی- لارڈ زکزمین اور اس کے ساتھ پانچ ماہر تحقیق دانوں نے انگلستان کی حکومت سے حاصل کی گئی مالی امداد کے ذریعے پندرہ سال کے عرصے کے دوران ان فوصلوں کا معائنہ کیا اور یہ حتمی نتیجہ اخذ کیا کہ آسٹرالوپتھیکس ایک عام گوریلے کی نسل تھی جو کہ ہرگز دوپایہ نہیں تھی-

زکر مین خود بھی ایک ارتقاءپسند ہے لیکن اس کا تجربہ اس کے ذاتی کٹر نظریات کی بجائے سائنسی تحقیق پر مبنی تھا -(۲۷) چارلس آکسنارڈ بھی ارتقاءپسند تھا جو کہ اس موضوع پر اپنی تحقیق کے لئے مشہور تھا اور اس کا بھی یہی نتیجہ تھا کہ آسٹرالو پتھیسنز کا ڈھانچہ آج کے اورنگوٹان بندر کی طرح ہے-(۳۷) قصہ مختصر یہ کہ آسٹرالوپتھیسینز کا انسانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ صرف ایک معدوم گوریلوں کی نسل ہیں-

اس گروہ کا انسانی پرکھا نہ ہونے کی حقیقت کو مختلف ارتقائی ذرائع بھی تسلیم کرتے ہیں- مشہور فرانسیسی رسالے ’سائنس اٹ وی ‘ نے مئی ۹۹۹۱ میں اس کہانی کو اپنے سرورق کی زینت بنایا- اس رسالے کی کہانی خاص طور پر’ لوُسی‘ کے بارے میں تھی جو کہ آسٹرالوپتھیکس افارنسس کا سب سے مشہور فوصلی نمونہ ہے- کہانی کا عنوان تھا ’اڈولوسی‘ یا خدا حافظ لوسی -اس کہانی میں اس بات پر زوردیا گیا کہ تمام تحقیقات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسٹرالوپتھیکس کو انسانی شجرہ نسب سے ہٹادیا جائے- مضمون ایک نئی اسٹرالوپتھیکس کی دریافت نمبر *STW573* پر مبنی تھا-

”ایک نئے نظریئے کے مطابق جنس آسٹرالوپتھییکس انسانی نسل کی جڑ نہیں ہے- *STW573* کا معائنہ کرنے کی اجازت پانے والی واحد خاتون نے جو نتیجہ اخز کیا ہے وہ انسانی پرکھا سے متعلق عام نظریوں سے بالکل مختلف ہے- اس نتیجہ کی روشنی میں انسانی شجرۂ نسب تباہ ہوجاتاہے- بڑے بڑے حیوانِ رئیسہ جن کو انسان کے پرکھا سمجھا جاتا رہا تھا وہ انسانی شجرہ نسب سے ہٹادیئے گئے ہیں- آسٹرالوپتھییکس اور ہومو یا انسانی نسل ایک ہی شاخ پر نظر نہیں آتے- انسان کے براہِ راست پرکھا ابھی بھی دریافت کئے جانے کا انتظار کررہے ہیں-

(Isabelle Bourdial,"Adieu Lucy, "Science et Vie, May 1999, no. 980, pp. 52-62)

شکل ارتقاءکے آخری مرحلے پر جنس ہومو کی تدریجی ترقی سے ہوئی ہے- جاوا مین، پیکن مین اور لوسی جیسے فوصل جو کہ تشہیراتی مواد میں وقتاً فوقتاً نمودار ہوتے رہتے ہیں اور ارتقائی جریدوں اور نصابی کتابوں کا اہم جزو ہیں ،یہ بھی اوپر دئے گئے چاروں گروہ میں سے کسی ایک کا حصہ ہیں-

ےہاں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چاروں بڑے گروہ مزید انواع اور ذیلی انواع میں تقسیم ہوجاتے ہیں- بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ راما پتھیکس جیسی ماضی کی عبوری اشکال کو اس خیالی شجرہ نسب سے خارج کردیا جائے کیونکہ ان کا محض عام گوریلا ہونے کاثبوت سامنے آگیا تھا-۰۷

ارتقاءکے شجرۂ نسب کی خیالی زنجےر کی کڑیوں کو آسٹرالوپیتھیسینز، ہوموہابلس، ہوموارکٹس اور ہوموسیپینز کی صورت میں بیان کرکے ارتقاءپسند وضاحت کرتے ہیں کہ ہر زمرہ دراصل اس سے پہلے والے کا پرکھا ہے- لیکن ماہرِ قدیم بشری رکازیات کی حالیہ تحقیق نے ظاہر کیا ہے کہ آسٹرالاپیتھیسینز اور ہوموہابلس اور ہوموارکٹس دنیا کے مختلف حصوں میں ایک ہی وقت میں موجود تھے- مزید یہ کہ ہوموارکٹس کے زمرے کے انسان حالیہ دور میں بھی موجود ہےں- حالیہ جاوا کے ہومو ارکٹس: جنوب مشرقی ہوموسیپینز کے ساتھ ممکنہ متحد الوقوع ' کے عنوان سے رسالہ سائنس میں چھپنے والے مضمون میں بیان کیا گیا کہ جاوا سے ملنے والے ہومو ارکٹس کے فوصلوں کی اوسطاً عمر ۲۷+۲ سے ۳۳۵+-۴ ہزار سال پہلے کی ہے- یہ اس بات کے امکان کو بڑھادیتا ہے کہ ہومو ارکٹس تشریح الاعضاءکے حساب سے جنوب مشرقی ایشیاءکے ترقی یافتہ ہومو سیپینز کے متجاوز تھے-مزید یہ کہ ہوموسیپینز نینڈر تھالنسس اور ہوموسیپینز سیپینز یا دور حاضر کا انسان بھی ایک ہی وقت میں زندہ تھے- اس بات کے ثابت ہونے سے اس دعوے کی منسوخی واضح ہوجاتی ہے کہ ایک نسل دوسری نسل کی پرکھا ہے-[۱۷]

قدرتی طور پر تمام نتیجے اور سائنسی تحقیق ےہی ثابت کرتے ہیں کہ فوصلی ریکارڈ کسی قسم کا ایسا تدریجی ترقی کا عمل تجویز نہیں کرتا جس کو ارتقاءپسند پیش کرتے ہیں- جن فوصلوں کو ارتقاءپسند انسانوں کے پرکھا کہتے ہیں وہ مختلف انسانی نسلوں کے ےا پھر گوریلوں کے فوصل ہیں- تو پھر کون سے فوصل انسانی ہیں اور کون سے گوریلوں کے ہیں؟ کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی عبوری نوعیت کی مخلوق تصور کرنا ممکن ہے؟ ان سب باتوں کا جواب حاصل کرنے کےلئے ہر گروہ پر تفصیلی نظر ڈالنا ضروری ہے-

آسٹرالوپتھیکس: گوریلوں کی ایک نسل

ارتقائی شجرۂ نصب کا پہلا گروہ آسٹرالوپتھیکس کہلاتا ہے جس کے معنی ہیں جنوبی گوریلا \اقیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوق ۴ لاکھ سال پہلے افریقہ میں نمودار ہوئی اور ۱ لاکھ سال تک موجود رہی- اس گروہ کے اندر کئی نسلیں آتی ہیں- ارتقاءپسندوں کا خیال

تخلیقی عمل میں کارفرما جبڑے کی ہڈی

راماپیتھیکس کا ملنے والاپہلا فوصل ایک غیر موجود جبڑے کی ہڈی کے دو ٹکڑوں پر مشتمل تھا- ارتقاءپسندوں نے جرا ۂت مندانہ طور پر اس جبڑے پر انحصار کرتے ہوئے راماپیتھیکس اور اس کے مکمل ماحول اور خاندان کے بھی خیالی خاکے دنیا کے آگے پیش کردئے- جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہ مخلوق، اس کا ماحول، اس کا خاندان اور اس کے متعلق بتائی گئی ہر تفصیل ایک عام گوریلے کے جبڑے کی ہڈی سے اخذ کیا گیا تھا تو راماپیتھیکس کو خیالی انسانی شجرہ ۂنسب سے خاموشی سے ہٹادیا گیا- (ڈیوڈ پلبیم "انسانوں نے ایک قدیم پرکھاکھودیا" رسالہ سائنس اپریل ۲۸۹۱ءصفحہ۷-۶)

آسٹرالوپیتھیکس

اوپر والی تصویر میں آسٹرالوپیتھیکس افیرنسس AL ٤٤٤-٢کی کھوپڑی کا فوصل نظر آ رہا ہے اور نیچے ایک دورِ حاظر کا گوریلا ہے، ان دونوں کے درمیان واضع مشابہت ثابت کرتی ہے کی آسٹرالوپیتھیکس افیرنسس ایک عام گوریلے کی نسل تھی جس کا انسانوں سے کوئ تعلق نہیں تھا۔

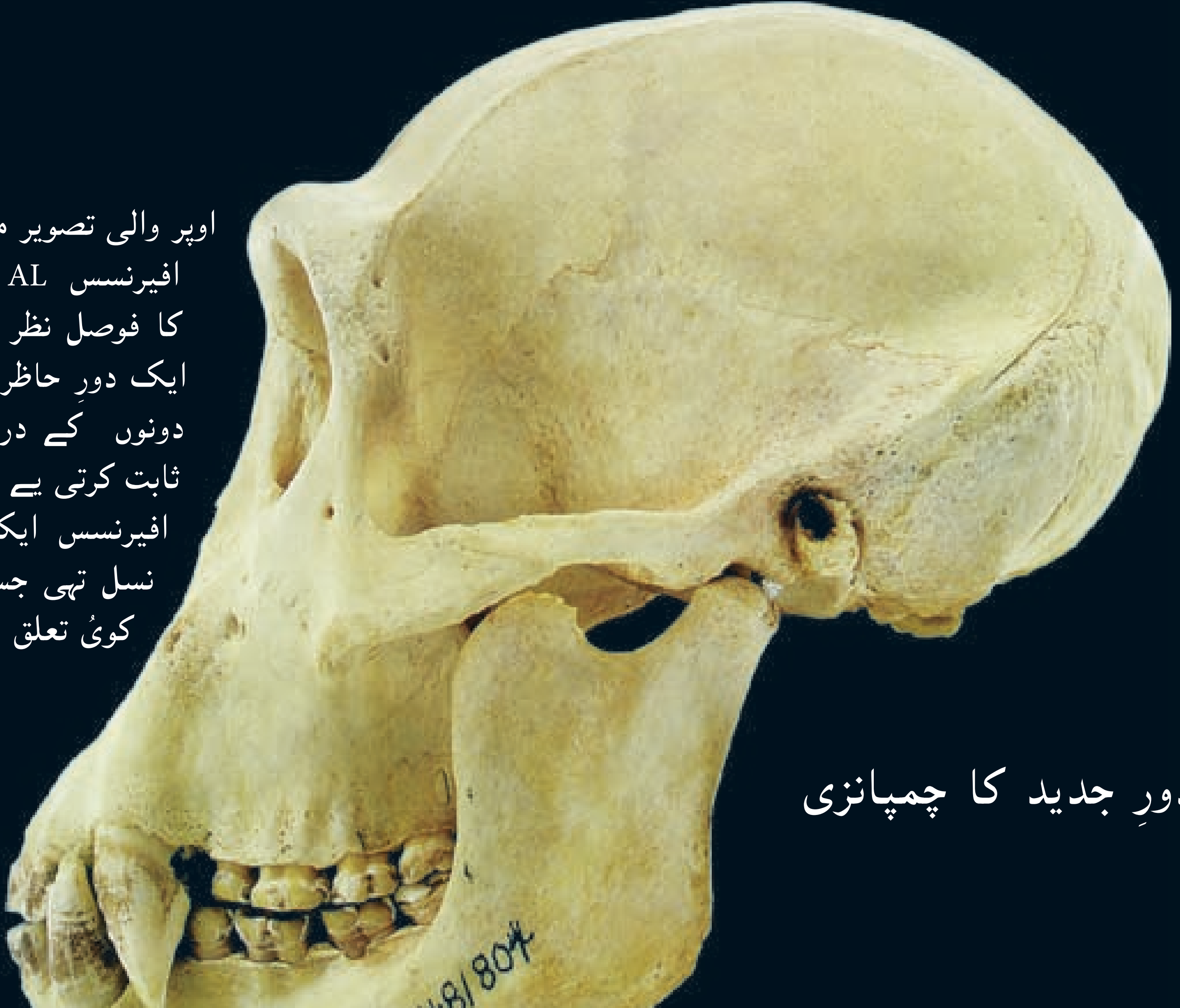

دورِ جدید کا چمپانزی

آسٹرالوپتھیکس ایفیرنسس: ایک معدوم گوریلا

بادر، ایتھیوپیا میں ملنے والا فوصل جوکہ ازروئے دعویٰ آسٹرالوپیتھیکس ایفیرنسس یا لوسی *AL 288-1* کا ہے- ارتقاءپسند بہت عرصے تک اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے کہ لوسی سیدھا چل سکتی تھی لیکن جدید تحقیق نے واضح کردیا ہے کہ لوسی نامی یہ مخلوق ایک عام گوریلا تھا جوکہ گوریلوں کی طرح ہی جھک کر چلتا تھا-

نیچے نظر آنے والا آسٹرالوپیتھیکس ایفیرنسس *AL333-105* کا فوصل اسی نسل کے ایک جوان گوریلے کا ہے- اسی لئے اس کی کھوپڑی پر گوریلوں کی مخصوص ہڈی کا ابھار نمایاں نہیں ہے-

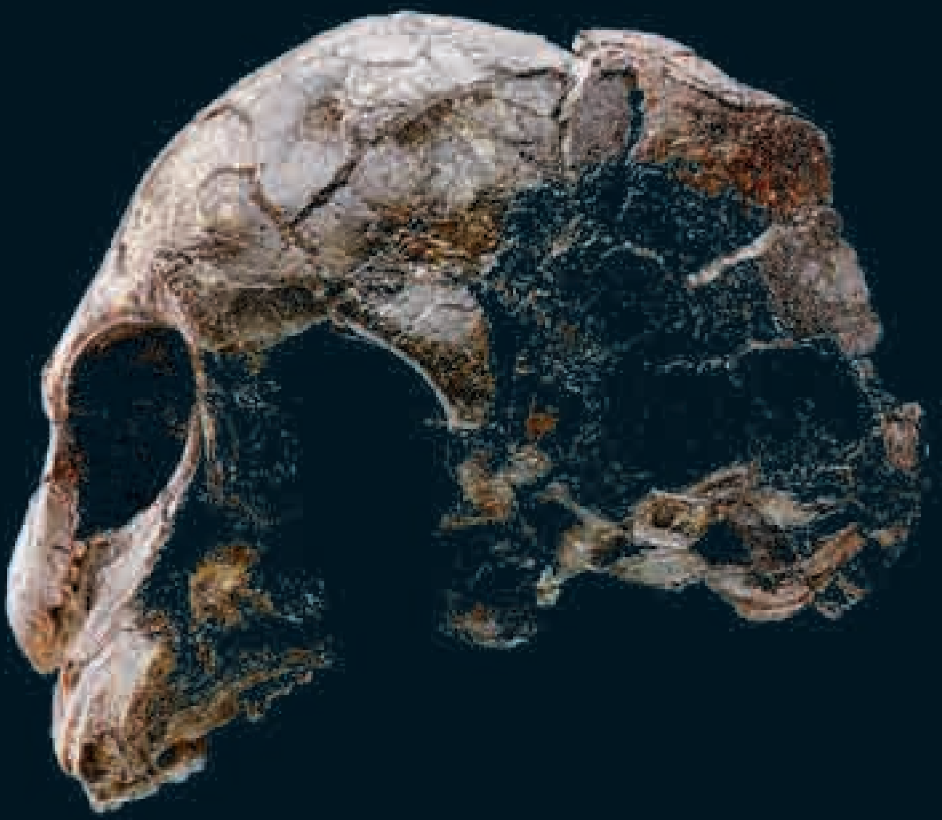

ہوموہابلس: وہ گوریلا جو انسان بناکر پیش کیا گیا

آسٹرالوپتھیسینز اور چمپانزی کے درمیان ڈھانچے اور کھوپڑی کی مشترک قدریں اور اس دعویٰ کی منسوخی نے کہ یہ مخلوق سیدھی چلتی تھی ، ارتقاءپسند ماہر قدیم بشری رکازیات کو شدید مشکلات کا شکار کردیا- اس کی وجہ یہ ہے کہ خیالی ارتقائی ترتیب کے حساب سے ہوموارکٹس اسٹرالوپتھیکس کے بعد آتے ہیں جیسے کہ اس کے نام ہومو یعنی انسان سے واضح ہے کہ ہومو ارکٹس ایک انسانی نسل ہے اور اس کا ڈھانچہ سیدھا ہے- اس کی کھوپڑی کا حصہ اسٹرالو پتھیکس کا دوگنا ہے-آسٹرالوپتھییکس جیسے گوریلا نما چمپانزی سے ہومو ارکٹس جیسے دورِ حاضر کے انسان جیسا ڈھانچہ رکھنے والی مخلوق تک براہِ راست جست کا سوال ارتقائی دعوؤں کے حساب سے بھی ناممکن ہے- اسی لئے ان دو نسلوں کو جوڑنے کے لئے کڑیوں کی ضرورت پڑی- اسی ضرورت کے تحت ہومو ہابلس کو بنانا لازمی ہوگیا-

ہوموہابلس کی گروہ بندی ۰۶۹۱ءکے سالوں میں لیکی خاندان کے فوصلی شکاریوں نے تجویز کی- لیکی خاندان کے حساب سے اس نئی نسل کا نام ہوموہابلس تھا اور اس کی کئی نمایاں خصوصیات تھیں جن میں بڑی کھوپڑیاں، سیدھا چلنے کی صفت اور پتھر اور لکڑی سے بنے ہوئے اوزاروں کو استعمال کرنے کی صلاحیت شامل ہے- اس لئے انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہ گروہ انسان کا پرکھا ہونے کا اعزاز رکھتا ہے- لیکن اس نسل کے ۰۸۹۱ءکے آخری سالوں میں ملنے والے نئے فوصلوں نے اس منظر کو مکمل طور پر بدل دیا- ان نئے فوصلوں پر انحصار کرنے والے تحقیق دانوں برنارڈ وڈ او ر سی- لورنگ برلیس نے بیان دےاکہ ہوموہابلس (جس کا مطلب ہے کہ کاریگر آدمی یا وہ آدمی جو اوزار استعمال کرنا جانتا ہو) کو اسٹرالوپتھیکس ہابلس یا ہنر مند جنوبی گوریلا کا خطاب دیا جائے کیونکہ ہوموہابلس اور آسٹرالوپتھیسین گوریلوں کے درمیان کئی قدریں مشترک تھیں- ہوموہابلس کے بھی اسٹرالوپتھیکس کی طرح لمبے بازو، چھوٹی ٹانگیں،اور گوریلا نما ڈھانچہ تھا- اس کی بھی انگلیاں اور پیر چڑھنے کے لئے موزوں تھے اور ان کا جبڑا دورِ حاضر کے گوریلے کے مشابہ تھا- ان کی *CC600*کی کھوپڑی کی اوسطاً پیمائش بھی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یہ دراصل گوریلے ہی تھے- قصہ مختصر یہ کہ ہو موہابلس کو گو کہ ارتقاءپسندوں نے ایک مختلف نسل کے طور پر پیش کیا لیکن حقیقتاً وہ دوسرے تمام اسٹرالاپتھیسین کی طرح گوریلوں کی ہی ایک قسم تھے-

وڈاور برلیس کے کام کے بعد کی جانے والی تحقیق نے مزید ثابت کیا کہ ہوموہابلس اسٹرالوپتھیکس سے بالکل مختلف نہیں تھے- ٹی وائٹ کو ملنے والا *OH62* نامی کھوپڑی اور ڈھانچے کا فوصل ظاہر کرتا ہے کہ اس نسل کی کھوپڑی کا حصہ چھوٹا تھا اور اس کے باز لمبے اور ٹانگیں گڈی تھیں جن سے وہ با آسانی دورِ حاضر کے گوریلوں کی طرح درختوں پر چڑھ سکتا تھا- ۴۹۹۱ءمیں امریکی ماہر ِبشریات ہولی اسمتھ کی تفصیلی تحقیق نے ثابت کیا کہ ہوموہابلس دراصل ہوموتھے ہی نہیں یعنی کووہ انسان نہےں تھے بلکہ وہ بلا اشتہباہ گوریلے تھے-آسٹریلوپتھیکس، ہوموہابلس، ہوموارکٹس اور ہومو نیانڈر تھالنسس کے دانتوں کے اوپر کی گئی تحقیق کے بارے میں ہولی اسمتھ کہتی ہے:

"مخصوص حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آسٹرالوپتھیسنز اور ہوموہابلس کے دانتوں کی ترتیب کا معائنہ کیا جاتا ہے تو ان نسلوں کی درجہ بندی صرف افریقہ کے گوریلوں کے ساتھ ہی کی جاسکتی ہے- ہوموارکٹس اور نیانڈرتھال کی درجہ بندی انسای گروہ میں ہوتی ہے-"۴۷

اس سال کے دوران ماہر ِ تشرےح البدن فریڈ اسپور، برنارڈوڈ اور فرانززونیولڈ ایک مختلف طریقے سے اسی مشترک فیصلے پر پہنچے- ان کا طریقہ کار انسان اور گوریلوں کے اندرونی کان میں موجود نیم دائرے کی شکل کی نالیوں کی موازنی تحقیق تھی- سپور، وڈ اور زونیولڈ کا نتیجہ یہ تھا کہ:

"انسان کے فوصلوں میں سب سے جدید انسانی شکل پیش کرنے والا نمونہ ہوموارکٹس کا ہے- اس کے مقابلے میں جنوبی افریقہ کے خطے کی مخصوص کھوپڑی کی نیم دائرہ نالیاں جوکہ آسٹرالوپتھیکس اور پرانتھروپس کا خاصہ ہیں وہ معدوم بڑے گوریلوں سے مشابہ ہیں-"۵۷

اسپور، وڈ اور زونیولڈ نے *STW53* نامی ہوموہابلس کے نمونے کا بھی مطالعہ کیا اور اس کے بارے میں کہا کہ "*STW53* کا انحصار اپنے دوبازوؤں پر آسٹرالوپتھیسینز سے کم تھا-" اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہومو ہابلس نمونہ آسٹرالوپتھیکس نسل سے بھی زیادہ گوریلا نما تھا- ان تینوں تحقیق دانوں کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"STW53 اسٹرالوپتھیسینز اور ہوموارکٹس کی ہیتوں کے درمیان ایک ناممکن کڑی ہے-" اس تمام تحقیق سے دو اہم نتائج سامنے آئے-

۱- ہوموہابلس نامی فوصل جنس ہومو یا انسانی جن کا حصہ نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق آسٹرالوپتھیکس یا گوریلوں کے گروہ سے تھا-

۲- ہوموہابلس اور آسٹرالوپتھیکس آگے جھک کر چلنے والی مخلوق تھے یعنی کہ ان کے ڈھانچے گوریلوں کے تھے- ان کا انسان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے-

ہوموروڈالفنسس : غلط طریقے سے جوڑا گیا چہرہ

۲۷۹۱ءمیں چند فوصلی ٹکڑوں کی دریافت کو ہوموروڈ ولفنسس کا نام دیا گیا- یہ فوصل جس نسل کی نشاندہی کرتے تھے

ہوموہابلس: ایک اور معدوم گوریلا

ارتقاءپسند لمبے عرصے تک یہ بحث کرتے رہے کہ ہوموہابلس نامی مخلوق مکمل طور پر کھڑے قد کے ساتھ چل سکتی تھی- ان کے خیال سے اس مخلوق کی شکل میں ان کو گوریلے اور انسان کے درمیان کی کڑی مل گئی ہے لیکن ۶۸۹۱ءمیں ٹم وائٹ کے دریافت شدہ نئے ہوموہابلس کے *OH62* نامی فوصلوں نے ان مفروضوں کی تردید کردی- ان فوصلوں میں ہوموہابلس کے لمبے بازو اور چھوٹی ٹانگیں نمایاں تھیں جوکہ دورِ حاضر کے گوریلوں کے عین مشابہ ہیں- اس فوصل سے اس مفروضے کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا کہ ہوموہابلس عمودی طور پر کھڑا قد چلنے والا دوپایہ تھا- درحقیقت ہوموہابلس گوریلوں کی ہی ایک نسل تھی-

سیدھے ہاتھ پر نظر آنے والا فوصل ہوموہابلس کی نسل *OH7Homohablis* کا ہے جس میں ہومو ہابلس نسل کے جبڑوں کی ساخت واضح ہے- اس جبڑے کے فوصل میں بڑے بڑے نکیلے دانت نمایاں ہیں- اس کے ڈاڑھ چھوٹے اور جبڑے کی عمومی شکل چوکور ہے- یہ جبڑا ایک بار پھر ثابت کرتا ہے کہ ہومو ہابلس ایک گوریلا ہی تھا-

اندرونی کان کی تفصیلی جانچ کا نتیجہ :
گوریلے سے انسان کے عبوری مفروضے میں کوئی سچائی نہیں ہے

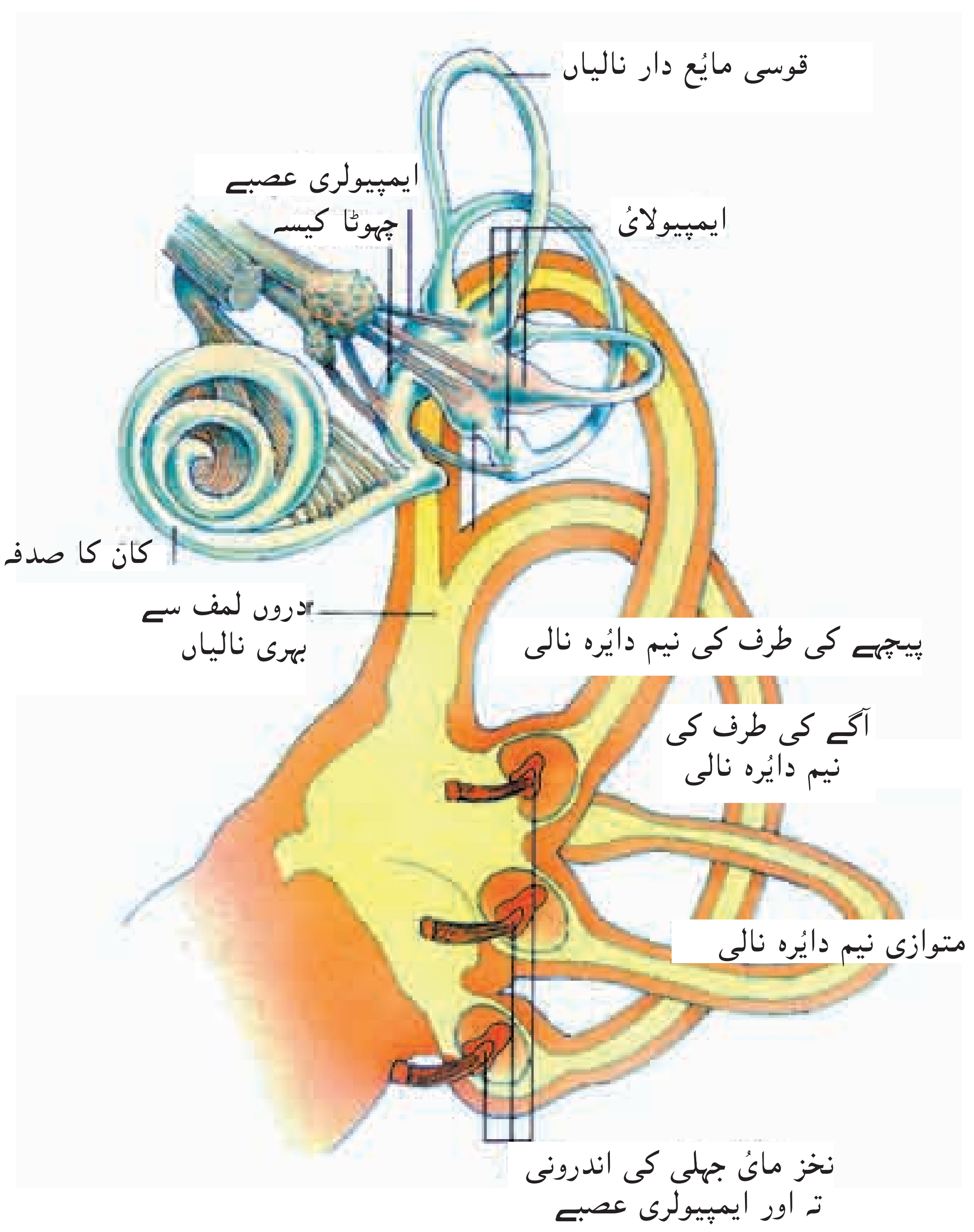

گوریلوں اور انسانوں کے اندرونی کان کی تین قوسی مائع دار نالیوں کے درمیان موازناتی جانچ نے ثابت کردیا ہے کہ جس مخلوق کوانسان کا پرکھا سمجھا جاتارہا ہے وہ گوریلے ہی تھے- آسٹرالوپیتھیکس اور ہوموہابلس نسلوں میں گوریلوں کے اندرونی کان کی ساخت موجود تھی جبکہ ہومو ارکٹس نسل کے کان انسانی تھے-

وڈ اور کالارڈ کا حتمی نتیجہ بھی وہی ہے جس کے اوپر شروع سے زوردیا جارہا ہے اور وہ یہ کہ قدیم انسانی پرکھا جیسی کوئی مخلوق تاریخ میں موجود نہیں ہے- جس مخلوق کے بارے میں ازروئے دعویٰ یہ خیال کیا جاتا بھی ہے تو وہ مخلوق دراصل جنس آسٹرالوپتھیکس کا حصہ ہے- فوصلی ریکارڈ کے مطابق معدوم گوریلوں اور ہومو یعنی انسانی نسلوں میں کسی قسم کا ارتقائی تعلق نہیں ہے- انسانی نسلیں بھی دوسرے تمام جانداروں کی طرح اچانک فوصلی ریکارڈ میں نمودار ہوئیں-

ہومو ارکٹس اور ان کے بعد: انسان

ارتقاءپسندوں کے وہم و خیال پر مبنی منصوبے کے مطابق جنس ہومو کااندرونی ارتقاءاس طرح ہے کہ پہلے ہوموارکٹس آتا ہے، اس کے بعد قدیم ہوموسیپین اور نیانڈر تھال آدمی ہے (ہوموسیپین نیانڈر تھالنسس) اور سب سے آخر میں کروماگنون آدمی (ہوموسیپینز سیپینز) - حقےقت تو ےہ ہے کہ ےہ ساری درجہ بندی صرف ایک ہی خاندان کی مختلف اشکال اور نسلیں ہیں- ان سب کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ایک افریقن، ایک بالشتیا او رایک یورپی ملک کے رہنے والے کے درمیان ہوسکتا ہے-

سب سے پہلے ہوموارکٹس کا معائنہ کیا جاتا ہے جس کو سب سے قدیم انسانی نسل کہا جاتا ہے- اس کے نام کے لفظی معنوں کی طرح ےہ وہ آدمی ہے جو بالکل سیدھا چلتا ہے- سیدھا چلنے کی خاصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ارتقاءپسندوں کو یہ فوصل تمام پرانے فوصلوں سے الگ کرنا پڑا کیونکہ ہوموارکٹس کے سارے فوصل اس حد تک سیدھے تھے کہ جس کا مشاہدہ کسی بھی آسٹرالوپتھیسینز یا نام نہاد ہومو ہابلس کے نمونوں‌میں نہیں کیا گیا تھا- دورحاضر کے انسان کے ڈھانچے اور ہومو ارکٹس کے ڈھانچے میں کوئی فرق نہیں ہے- ارتقاءپسندوں کا ہوموارکٹس کو قدیم کہنے کی بنیادی وجہ کھوپڑی کی پیمائش ہے (CC۰۰۱,۱-۰۰۹) جو کہ دورِ حاضر کے انسان کی کھوپڑی سے چھوٹی ہے اور اس کی گھنی بابر کو نکلی ہوئی بھنویں ہیں- لیکن آج بھی دنیا کے کئی خطوں میں ہومو ارکٹس سے ملتی ہوئی کھوپڑی کے پیمائش والے لوگ مثلاً بالشتیئے اور گھنی بابر کو نکلی ہوئی بھنوؤں کے لوگ موجود ہیں جیسے کہ آسٹریلیا کے مقامی باشندے-

اس بات پر تو سب ہی سائنسدان متفق ہیں کہ کھوپڑی میں پیمائش کا فرق عقل اور صلاحیتوں پر کسی طرح سے اثر انداز نہیں ہوتا- عقلمندی دماغ کی اندرونی کارکردگی پر منحصر ہے ناکہ اس کی پیمائش اور ناپ پر- [۱۸] ہوموارکٹس کو دنیا بھر میں مقبول

اس کا نام ہوموروڈولفنسس اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ فوصل کینیا کی جھیل روڈالف کے آس پاس کے علاقے میں دریافت کئے گئے- بہت سے ماہرِ قدیم بشری رکازیات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فوصل کسی مخصوص نسل کے فوصل نہیں ہےں اور ہوموروڈولفنسس نامی مخلوق ہوموہابلس سے ناقابل امتیاز ہے- یہ فوصل رچرڈ لیکی نے دریافت کئے تھے اور اس نے *KNM-ER 1470* نامی ایک کھوپڑی پیش کی جو کہ اس کے بیان کے مطابق ۸۲ لاکھ سال پرانی اور علمِ بشر کی تاریخ کی سب سے اہم دریافت تھی-

لیکی کے حساب سے یہ مخلوق اپنی آسٹرالوپتھیکس کی طرح کی چھوٹی کھوپڑی اور دورِ حاضر کے انسان سے ملتے جلتے چہرے کے ساتھ آسٹرالوپتھیکس اور انسانوں کے درمیان گمشدہ کڑی تھی- لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ *KNM-ER 1470* کی انسانی شکل نما کھوپڑی جو کہ اب تک کئی سائنسی جریدوں اور مشہور سائنسی رسالوں کے سرورق پر چھپ چکی تھی دراصل کھوپڑی کی ہڈیوں کی شاید جان بوجھ کر کی گئی غلط ترتیب کا نتیجہ تھی- انسانی شکل کی تشریح الاعضاءپر تحقیق کرنے والے پروفیسر ٹم بروماج نے ۲۹۹۱ءمیں کمپیوٹر کے ذریعے بنائے گئے خاکوں‌کے ذریعے اس معاملے کی دھوکہ دہی سے پردہ اٹھایا:

"جب KNM-ER ۱٤۷۰ کو سب سے پہلے بنایا گیا تھا تو اس کے چہرے کو کھوپڑی پر تقریباً عمودی طور پر بٹھایا گیا تھا جس طرح جدید انسانوں کی شکلیں ہوتی ہیں لیکن حالیہ تشریح البدن کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چہرہ زندہ KNM-ER ۱٤۷۰ کی زندگی کے دوران کافی حد تک باہر کی طرف نکلا ہوا ہوگا جس طرح گوریلوں کا چہرہ ہوتا ہے- یہ چہرہ بر طور پر آسٹرالوپتھیکس کے چہرے سے مشابہ ہے-"۶۷

ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات جے- ای- کرونن اس معاملے پر کہتا ہے:

"اس کا مضبوطی سے بنا ہوا چہرہ، ناک کی چپٹی ہڈی، (جس طرح اسٹرالوپتھیسین کی ہوتی ہیں) گری ہوئی کھوپڑی کی چوڑائی، مضبوط آگے کے دانتوں اور داڑھوں کے درمیان نکلے دانت اور بڑے بڑے داڑھ (جس کی نشاندہی بچی ہوئی جڑوں سے ہوتی ہے) سب کافی قدیم خصوصیات ہیں جو کہ جنس آسٹروپتھیکس افریکا نس سے مشترک ہیں-" ۷۷

مشیگن یونیورسٹی کا سی- لورنگ بریس بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا- *1470* کی کھوپڑی کے جبڑے اور دانتوں‌کی ساخت پر کی جانے والی تحقیق کے بعد اس کا بیان تھا کہ "جبڑے کی پیمائش اور داڑھوں کی جگہ کی سطح کے ناپ سے لگتا ہے کہ *ER-1470* کا ایک مکمل طورپر آسٹرالوپتھیکس کے ناپ کی شکل اور جبڑا تھا-"۸۷

جان ہاپکنز یونیورسٹی کا پروفیسر ماہرِ قدیم بشری رکازیات ایلن والکرے نے بھی *KNM-ER* 1470 پر اتنی ہی تحقیق کی ہے جتنی لیکی نے کی اور اس کا بھی یہی بیان ہے کہ اس مخلوق کو کسی بھی طور پر ہومویا انسان کی درجہ بندی میں‌نہیں ڈالا جاسکتا بلکہ اس کی صحیح جگہ آسٹرالوپتھیکس زمرے میں ہی ثابت ہوتی ہے-"۹۷

خلاصہ کے طور پر یہ کہ ہوموہابلس اور ہومو روڈالفنسس جن کو آسٹرالو پتھیسینز اور ہومو ارکٹس کے درمیان عبوری کڑیاں بناکر پیش کیا گیا ہے وہ دراصل خیالی مخلوق کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں- کئی تحقیق دانوں نے سالوں پر محیط تحقیق سے ثابت کردیا ہے کہ تمام مخلوق دراصل آسٹرالو پتھیکس سلسلے کی ہی ارکان ہیں-اس سچائی کی تصدیق مزید دوا ور ارتقائی ماہر بشریات برنارڈوڈ اور مارک کولارڈ نے کی جن کا اس موضوع کے اوپر مضمون ۹۹۹۱ءمیں رسالہ "سائنس" میں چھپا- وڈ اور کولارڈ کا تفصیلی بیان تھا کہ ہوموہابلس اور ہوموروڈالفنسس (کھوپڑی ۰۷٤۱) سراسر خیالی مخلوق ہیں اور ان کے نام پر دکھائے گئے سارے فوصل جنس آسٹرالوپتھیکس کی درجہ بندی کے فوصل ہیں:

"حالیہ دور میں جنس ہومو کی درجہ بندی میں ڈالے گئے فوصل، ان کے بھیجے کی پیمائش، ان کی بات کرنے کی صلاحیت اور ہاتھوں کا استعمال کہ اگر وہ ہاتھوں سے پتھر کے اوزار بنانے کے قابل تھے یا نہیں‌جیسی تمام خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے- کچھ استثنائیوں کے علاوہ انسانی ارتقاءمیں جنس ہومو کی تعریف اور استعمال بغیر کسی مسئلے کے رہا ہے- لیکن حالیہ تحقیق، تمام ثبوت کی تازہ تشریح اور علمِ قدیم بشری رکازیات کے ریکارڈ کی محدود نوعیت ہومو سے وابستہ تمام ثبوت کو کافی حد تک ناقص بنادیتے ہیں-

عملی طور پر ہومینن نسل سمجھے جانے والے فوصل ہومو درجہ بندی میں چار میں سے ایک یا زائد شرائط کے پورا ہونے پرڈ الے جاتے ہیں لیکن اب یہ واضح ہے کہ چاروں میں سے ایک بھی وجہ تسلی بخش نہیں ہے- کھوپڑی کا ناپ مسئلہ پیش کرتا ہے کیونکہ کھوپڑی کی حتمی پیمائش کا اندازہ لگانا علم بشریات کے حساب سے ایک کافی ناممکن فعل ہے- اسی طرح قوتِ گوےائی کا اندازہ محض دماغ کے ناپ سے نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ دماغ کے وہ حصے گوےائی کی صلاحیت کے ذمہ دار ہیں وہ اتنے واضح طور سے قابل شناخت نہیں ہیں جتنا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا-دوسرے الفاظ میں ، ہومو ہابلس اور ہومو روڈالفنسس کی مخصوص خصوصیات کے ساتھ یہ تاثر ملتا ہے کہ ہومو کوئی اچھا جنس نہیں ہے- اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہومو ہابلس اور ہومو روڈالفنسس کو ہومو کی درجہ بندی سے نکال دیا جائے- بظاہر انقسامی متبادل یہ ہے کہ ایک یا دونوں نسلوں کو کسی ایک قدیم انسانی درجہ بندی میں ضرورجذب کردیا جائے- گو کہ ایسا کرنا مشکل نہےں ہو گا لیکن فی الحال ہماری رائے یہ ہے کہ ہومو ہابلس اور ہومو روڈالفنسس کو جنس آسٹرالوپتھیکس میں منتقل کردیا جائے-"۰۶

وموارکٹس: ایک حقیقی انسانی نسل

ہوموارکٹس کا لفظی معنی ہے "کھڑے قد کا آدمی" یا "عمودی آدمی"- اس نسلی گروہ میں شامل تمام فوصل خاص انسانی نسلوں کے ہیں -کیونکہ اس گروہ میں شامل کئی فوصلوں میں کوئی ایک بھی قدر مشترک نہیں ہے اسی لئے ان آدمیوں کی کھوپڑیوں کی بنیاد پر وضاحت کافی مشکل ہوجاتی ہے- اسی وجہ سے مختلف ارتقائی تحقیق دانوںنے ان کی مختلف درجہ بندیاں کردی ہیں اور ان کو کئی الگ الگ القابات دے دئے ہیں- اوپر الٹے ہاتھ کی طرف (Left)افریقہ کے کوبی فورا علاقے سے ۵۷۹۱ءمیں ملنے والی ایک کھوپڑی ہے جوکہ بظاہر ہوموارکٹس کے زمرے میں آتی ہے- سیدھے ہاتھ کی طرف (Right) ہومو ارگاسٹر *KNM-ER3733* نامی ایک کھوپڑی ہے جس کی تشخیص قدرے مشکل ہے-

ان تمام مختلف ہوموارکٹس فوصلوں کی دماغی گنجائش ۰۰۹ سے ۰۰۱۱CC کے درمیان ہے جوکہ دورِ حاضر کے انسان کی دماغی گنجائش کے لگ بھگ ہے-

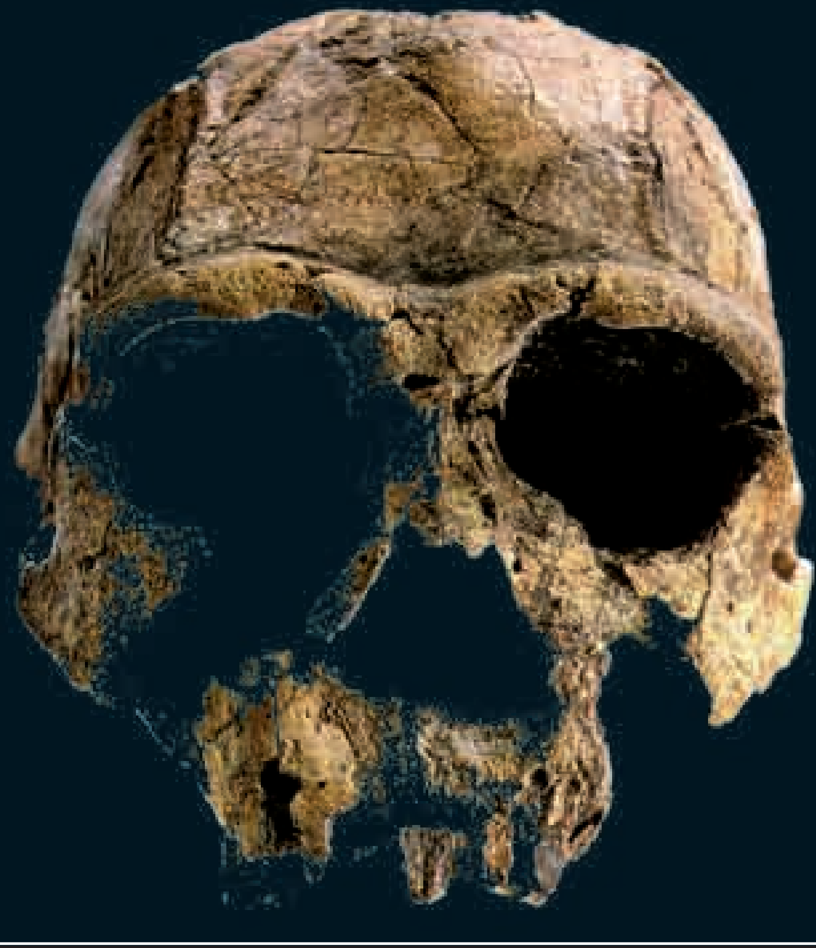

سیدے ہاتھ پر نظر آنے والا *KNM-WT* ۰۰۰۵۱ یا ترکانہ کے بچے کا ڈھانچہ آج تک ملنے والے تمام انسانی فوصلوں میں سب سے مکمل اور پرانا انسانی فوصل ہے- اس فوصل پر تحقیق اس کی عمر ۶۱ لاکھ سال بتاتی ہے- یہ ایک ۲۱ سال کے بچے کا فوصل ہے جوکہ نوجوانی میں M۰۸۱ لمبے قد کا ہوجاتا- یہ فوصل نیانڈرتھال نسل سے بے حد مشابہ ہے اور انسانی ارتقاءکی فرضی کہانی کی تردید کرتا ہوا سب سے اہم ثبوت ہے-ارتقاءپسند ڈونلڈ جانسن اس فوصل کے بارے میں کہتا ہے:

"یہ لمبا اور دبلا تھا-اس کے جسم کی ظاہری ہیئت اور اعضاءکا تناسب موجودہ وقت کے خط استوا کے قریب رہنے والے افریقی باشندوں کی طرح ہے- اس کے اعضاءکا ناپ دورِ حاضر کے سفید شمالی امریکی جوان لوگوں کی طرح ہے"-

(ڈونلڈ جانسن اور ایم-اے- اڈی: "لوسی: انسانی نسل کی شروعات، نیویارک، سائمن اینڈشوسٹر، ۸۹۱)

کرنے والے فوصل ایشیاءکے جاوامین اور پیکنگ مین ہیں لیکن وقت کے ساتھ یہ ثابت ہوگیا کہ یہ دونوں فوصل ناقابل اعتبار ہیں- پیکنگ مین فوصل کے کئی حصے پلاسٹر سے بنائے گئے تھے اور جاوا مین کی ترتیب میں کھوپڑی کے ٹکڑے اور کولھو کی وہ ہڈی بھی شامل ہے جو کہ کھوپڑی سے اتنی دور ملی تھی کہ اس کا اس مخلوق کے جسم کا اصل حصہ ہونے پر بھی شک ہے-

اسی وجہ سے ایشیاءکی نسبت افریقہ سے ملنے والے ہوموارکٹس فوصلوں کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے- (یہاں پر اس نقطے کو اجاگر کرنا ضروری ہے ہوموارکٹس کہلائے جانے والے کئی فوصل کچھ ارتقاءپسندوں نے ایک او ر ' ہوموارگاسٹر' نامی نسل کے اندر ڈال دیئے ہےں- اس معاملے میں چونکہ ماہروں کی رائے میں اختلاف ہے اسی لئے عمومی طور پر ان تمام فوصلوں کو ہوموارکٹس کی درجہ بندی کے اندر ہی ڈالا جاتا ہے-)

افریقہ سے ملنے والا سب سے مشہور ہوموارکٹس کا نمونہ 'ناریکوٹومی ہوموارکٹس یا ترکانہ بوائے ' کا فوصل ہے جو کہ کینیا کی ترکانہ جھیل کے نزدیک دریافت ہوا- اس بات کی تصدیق ہوچکی ہے کہ یہ فوصل ایک ۲۱ سالہ لڑکے کا ہے جس کا قد نوجوانی میں ۳۸۱ میٹر ہوجاتا- ڈھانچے کی سیدھی عمودی ساخت اس کو ایک دورِ حاضر کا انسان ظاہر کرتی ہے- امریکہ کا ماہرِ قدیم بشری رکازیات ایلن والکر کہتا ہے کہ اس کو اس بات پربھی شک ہے کسی اوسط درجے کے ماہرِ جسمانی عوارض کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ وہ کسی فوصلی ڈھانچے اور جدید انسان کے درمیان امتیاز کرسکے-"۲۸

والکر لکھتا ہے کہ ترکانہ بوائے کی کھوپڑی دیکھ کر اس کو ہنسی آگئی کیونکہ وہ نیا نڈرتھال سے بےحد مشابہ تھی-(۳۸) آگے ثابت کیا جائے گاکہ کیونکہ نیانڈر تھال بھی ایک انسانی نسل ہے ،اس لئے ہومو ارکٹس بھی ایک انسانی نسل ہی ہے- ارتقاءپسند رچرڈ لیکی بھی اعتراف کرتا ہے کہ:

"ہوموارکٹس اور جدید انسان کے درمیان معمولی بےتی فرق سے بڑھ کر کوئی اور فرق نہیں مثلاً کھوپڑی کی ساخت کا فرق، چہرے کے ابھارکافرق ، بھنوؤں کی مضبوطی کا فرق اور اسی طرح کے دوسرے معمولی امتیازات جو کہ اتنے ہی غیر اہم ہیں جتنے کہ دورِ حاضر میں مختلف جغرافیائی خطوں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان فرق نظر آتے ہیں- اس طرح کے حیاتیاتی فرق اس وقت رونما ہوتے ہیں جب آبادیاں ایک دوسرے سے لمبے عرصے کے لئے مختلف جغرافیائی علاقوں میں رہائش پذیر ہوجائیں-"۴۸

کنکٹیکٹ ےونیورسٹی کے پروفیسر ولیم لوکلن نے شمالی امریکہ کے اسکیمو باشندوں اور الےوٹ کے جزیرے پر رہنے والوں کے اوپر تفصیلی تشریح البدن کی تحقیق کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سب لوگ غیر معمولی طور پر ہوموارکٹس سے مشابہ ہیں- لوکلن کا حتمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ تینوں مخصوص نسلیں جدید انسانی نسل یعنی ہوموسیپین ہی کے مختلف قبیلے ہیں-

"جب ہم اسکیمو اور آسٹریلیا اور افریقہ کے بشمین کے درمیان وسیع فرق کا معائنہ کرتے ہیں جبکہ دونوں ہی ہومو سیپین نسل کا حصہ ہیں تو یہ بات قابل انصاف ہوجاتی ہے کہ سینانتھروپس (جو کہ ارکٹس نمونہ ہے) بھی اسی متنوع نسل کا حصہ ہے-"۵۸

سائنسی حلقوں میں یہ حقیقت اب اور بھی واضح ہوگئی ہے کہ ہومو ارکٹس ایک فاصل برادری ہے اور وہ تمام فوصل جو کہ

۰۰۷ ہزار سال پرانے ملاح

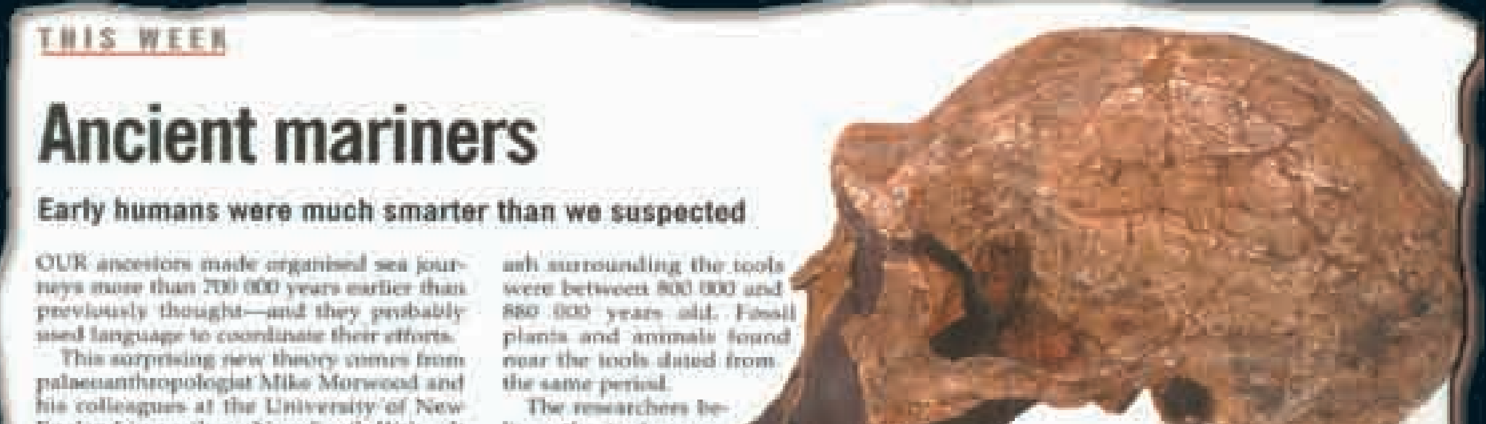

THIS WEEK

Ancient mariners

Early humans were much smarter than we suspected

OUR ancestors made organised sea journeys more than 700 000 years earlier than previously thought—and they probably used language to coordinate their efforts.

This surprising new theory comes from palaeoanthropologist Mike Morwood and his colleagues at the University of New England in northern New South Wales. It is the result of an intriguing find during their exploration of an ancient lake bed at Mata Menge [illegible]

ash surrounding the tools were between 800 000 and 880 000 years old. Fossil plants and animals found near the tools dated from the same period.

The researchers believe the tools were used by the ancestral human species Homo [illegible]

" قدیم انسان ہمارے اندازوں سے زیادہ عقلمند تھے "

رسالہ "نیوسائنٹسٹ" میں مارچ ۴۱، ۸۹۹۱ءمیں چھپنے والی ایک خبر کے مطابق ارتقاءپسندوں کی طرف سے نام دئے گئے ہوموارکٹس انسان ۰۰۷ ہزار سال پہلے بھی جہاز اور کشتی رانی کی مہارت رکھتے تھے- ان انسانوں میں اتنا شعور، عقل اور تکنیکی صلاحیت تھی کہ وہ عمدہ سمندری کشتیاں بناتے تھے- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کسی بھی طور سے قدیم نہیں کہلائی جاسکتی-

نیانڈر تھال: مضبوط لوگ

الٹے ہاتھ کی طرف اسرائل سے دریافت ہونے والی ہوموسیپین نیانڈ رتھالنسس، آمد ۱ کی کھوپڑی ہے- نیانڈر تھال آدمی عمومی طور پر مضبوط لیکن گٹا تھا لیکن اندازہ ہے کہ اس فوصل کا مالک M۰۸۱ لمبا تھا- اس کی دماغ کی گنجائش اب تک ملنے والے تمام فوصلوں میں سب سے زیادہ CC۰۴۷۱ ہے- ان تمام وجوبات کی بناءپر نیانڈرتھال کو قدیم ، غیر ترقی یافتہ نسل کہتے تمام دعوؤں کی تردید کے لئے یہ فوصل اہم شواہد میں سے ایک ہے-

ہوموارکٹس گروہ کا حصہ سمجھے جاتے تھے وہ جدید ہومو سیپین سے ہرگز اتنی حد تک مختلف نہیں تھے کہ ان کو ایک الگ ہی نسل سمجھ لیا جائے۔ رسالہ امریکن سائنٹسٹ میں اس موضوع کے اوپر بحث اوراےک ۲۰۰۰ میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے نتائج کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"سینکنبرگ کی کانفرنس میں شریک ہونے والے بہت سے لوگ ہومو ارکٹس کی برادری کے سائنسی مقام پر شروع ہوجانے والی ایک گرماگرم بحث میں ملوث ہوگئے جس کو یونیورسٹی آف مشی گن کی ملفورڈ والپوف، یونیورسٹی آف کانبیرہ کے ایلن تھارپ اور اس کے ہم پیشہ لوگوں نے ہوادی۔ انہوں نے سختی کے ساتھ اس نقطے پر زوردیا کہ ہوموارکٹس کا ایک الگ نسل کے طور پر کوئی وجود نہیں ہے اور اس کو مکمل طور پر سائنس سے خارج کردینا چاہیے۔ جنس ہومو کے تمام ارکان ۲ لاکھ سال سے لے کر دورِ حاضر تک ایک اونچی سطح کی تبدل پذیر اور بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی ایک ہی نسل ہوموسیپین کا حصہ ہےں جس کے اندر کوئی قدرتی غیر ہم آہنگی یا ذیلی نسلیں نہیں ہیں۔ اسی لئے بحث کے موضوع ہوموارکٹس کا کوئی وجود نہیں ہے۔"۶۸

وہ تمام سائنسدان جو اس مقالے کی حمایت میں بول رہے تھے ان کا مشترکہ نتیجہ یہ تھا کہ "ہوموارکٹس ہوموسیپین سے مختلف نسل نہیں ہے بلکہ ہومو سیپین کے اندر ہی موجود ایک نسل ہے۔" یہ نقطہ بھی اٹھانا ضروری ہے کہ انسانی نسل ہومو ارکٹس اور ان سے پہلے رہنے والے ارتقاءکے خیالی منظر نامے کے گوریلوں کے درمیان ایک بہت بڑا خلا ہے۔ گوریلوں کی نسلیں آسٹرالوپتھیکس، ہوموہابلس، اور ہومو اور ڈالفنسس ہیں۔ اس کا صرف یہ مطلب نکلتا ہے کہ زمین پر پہلا آدمی فوصلی ریکارڈ میں اچانک کسی بھی طرح کی ارتقائی تارےخ کے بغیر نمودار ہوا۔ یہ تخلیق کا وزنی ثبوت ہے۔

لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنا ارتقاءپسندوں کے ہٹ دھرم فلسفے اور طرزِ فکر کے خلاف ہے۔ نتیجتاً وہ ہوموارکٹس کو ایک گوریلا نما مخلوق کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک خالصتاً انسانی نسل ہے۔ ہوموارکٹس کی نوتعمیرات کرتے ہوئے وہ بے انتہا پرعظم طریقوں سے ان کو انسانوں جیسی خصوصیات کا حامل بنادیتے ہیں۔ اسی طرح کے نوتعمیراتی طریقوں سے وہ آسٹرالوپتھیکس اور ہومو ہابلس جیسے گوریلوں کو انسانی اشکال دے دیتے ہیں ۔اپنی ان چالبازیوں سے وہ انسانوں کو گوریلے اور گوریلوں کو انسان بناکر ان کے درمیان موجود خلاکو پر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

نیانڈر تھال

نیانڈر تھال وہ انسان تھے جو کہ اچانک ۱۰۰،۰۰۰ سال پہلے یورپ میں نمودار ہوئے اور جو کہ یا تو وقت کے ساتھ مکمل طور پر غائب ہوگئے یا پھر دوسری نسلوں میں ۳۵،۰۰۰ سال پہلے جذب ہوگئے۔ دورِ حاضر کے انسان اور ان میں صرف یہ فرق تھا کہ نیانڈر تھال کے ڈھانچے زیادہ مضبوط اور ان کی کھوپڑی تھوڑی اور بڑی تھی۔

نیانڈر تھال کا انسانی نسل ہونے کا اعتراف آج تقریباً ہر کوئی کرتا ہے۔ اگرچہ ارتقاءپسندوں ایڑی چوٹی کا زور لگاکر ان کو ایک "قدیم نسل" کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہےں لیکن تمام تحقیق صرف ان کو دورِ حاضر کا ایک جسمانی طور پر مضبوط آدمی ہونا ہی ثابت کرتی ہے۔ نیومیکسیکو یونیورسٹی کا ایرک ٹرنکاس جو کہ ماہرِ قدیم بشری رکازیات ہونے کے علاوہ اس مخصوص موضوع پر بھی ماہر ہے وہ لکھتا ہے:

"نیانڈرتھال کے ڈھانچے اور جدید انسانوں کے درمیان تفصیلی موازنہ ظاہر کرتا ہے کہ نیانڈر تھال کے تشریح البدن میں

غلط نقاب: گوکہ نیانڈر تھال نسل موجودہ دور کے انسانوں سے قطعی مختلف نہیں تھی لیکن ارتقاءپسند ان کو پھر بھی گوریلا نما بناکر پیش کرتے ہےں۔

۰۰۰,۶۲ سال پرانی سوئی

یہ سوئی ایک بیحد اہم فوصل ہے جو ثابت کرتا ہے کہ نیانڈر تھال لوگوں کو کپڑوں کی سلائی کی بھی سمجھ بوجھ تھی۔ (ڈی لننسن، بی۔ ایڈگر "لوسی سے زبان تک" ، صفحہ ۹۹)

لوئس لیکی نے بھی آسٹرالوپتھیکس، ہوموہابلس اور ہومو ارکٹس کے فوصل تقریباً ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہی تنزانیہ کے اولڈ ووائی گورج خطے میں سطح IIمیں دریافت کئے ہیں۔

ایسے کسی بھی شجرۂ نسب کا کوئی وجود نہیں ہے جس کا ذکر ارتقاءپسند کرتے رہتے ہیں۔ اسٹیفن جے گولڈ ہارورڈ یونیورسٹی کا ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات اور ارتقاءپسند ہے۔ وہ ارتقاءکو پیش آنے والا یہ تعطل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ہماری سیڑھی کا کیا بنا اگر ایک ہی وقت کے دور میں تینوں آسٹرالوپتھیکس افراکانس، مضبوط آسٹرالوپتھیسینز اور ہوموہابلس نسلیں ایک ساتھ ہی موجود ہوں اور کوئی بھی ایک دوسرے کا پرکھا نہ ہو؟ اس کے علاوہ ان تےنوں کے اندر کسی بھی طرح کے ارتقائی اوصاف ان کی ارضی زندگی کے دوران موجود نہیں تھے۔"[۰۹]

جب ہومو ارکٹس سے ہومو سیپین کی طرف آتے ہیں تو یہاں بھی کسی بھی طرح کے شجرۂ نسب کی عدم موجودگی ہے۔ تحقیقی ثبوت کے مطابق ہومو ارکٹس اور ارکائک ہومو سیپین ۰۰۰,۷۲ سال تک زندہ رہے اور دورِ حاضر سے ۰۰۰,۰۱ سال پہلے تک بھی موجود تھے۔ آسٹریلیا کی کوﺅ سوانپ یا جھیل سے ۰۰۰,۳۱ سال پرانی ہومو ارکٹس کھوپڑیاں ملی ہیں۔ جاوا کے جزیرے پر ملنے والے ہومو ارکٹس کے بقایاجات ۰۰۰,۷۲ سال پرانے ہیں۔[۱۹]

ہومو سیپین کی خفیہ تاریخ

نظریۂ ارتقاءکے خیالی شجرۂ نسب کو غلط ثابت کرنے والا سب سے دلچسپ اور قابلِ ذکر واقعہ جدید انسان کی قدیم تاریخ کا خلاف توقع دریافت ہونا ہے۔ علمِ قدیم بشری رکازیات کے مطابق بالکل دورِ حاضر کے انسانوں کے بمشکل ہوموسیپین لوگ زمین پر ۱ لاکھ سال پہلے بھی موجود تھے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے ثبوت مشہور ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات لوئس لیکی نے دریافت کئے۔ ۲۳۹۱ءمیں کینیا کی جھیل وکٹوریا کے اطراف کے کانجیرہ علاقے میں لیکی کو وسطی پلائسٹوسین دور کے کئی فوصل ملے جو جدید انسان کے ہوبہو مشابہ تھے - وسطی پلائسٹوسین دور ۱ لاکھ سال پہلے کا دور تھا۔[۲۹]

ان تمام دریافتوں سے ارتقاءکا شجرۂ نسب الٹا ہوگیا اور اس کو کئی ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات نے مکمل طور پر برخاست کردیا۔ لیکن لیکی کو ہمیشہ اس بات کا یقین رہا کہ اس کی تحقیق اور نتائج بالکل درست تھے۔ جیسے ہی ممکن ہواکہ لوگ اس تمام تنازعہ کو بھول جاتے ۵۹۹۱ءمیں اسپین سے ملنے والے ایک فوصل نے ایک نہایت حیرت انگیز طریقے سے ثابت کیا کہ ہوموسیپیس کی تاریخ اس وقت سے بھی زیادہ پرانی ہے جس کا پہلے خیال رہا تھا۔ یہ فوصل تین ہسپانوی یونیورسٹی آف میڈرڈ کے ماہرِ قدیم بشری رکازیات نے اسپین کے اٹاپرکا کے علاقے میں موجود گران ڈولینا نامی ایک غار سے دریافت کئے۔ اس فصول میں ایک ۱۱ سالہ بچے کی شکل تھی جو کہ ہو بہو ایک دورِ حاضر کے انسان کی طرح تھی لیکن اس کو مرے ہوئے ۰۰۰,۰۰۸ سال گزرچکے تھے۔ اپنے دسمبر ۷۹۹۱ءکے شمارے میں رسالہ 'ڈسکور' نے اس کہانی کو بے حد تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ اس فوصل نے وان لوئی آرسواگا فیرےراس کے اعتقاد کو بھی متزلزل کردیا جو کہ گران ڈولینا کی کھدائی کا سربراہ تھا۔ فیرےراس کہتا ہے:

"ہم کسی بڑی، ضخیم، پھولی ہوئی قدیم چیز کی توقع کررہے تھے۔ ہماری توقعات ایک ۰۰۰,۰۰۸سال پرانے لڑکے کے بارے میں ایسی تھیں جیسے کہ ترکا نہ ہوائے تھا۔ لیکن جو چیز ہم کو ملی اس کا مکمل جدید چہرہ تھا۔ میرے لئے یہ درےافت نہایت حیرت انگیز تھی۔ اس طرح کی چیزیں آپ کو ہلاکر رکھ دیتی ہیں۔ اس طرح کی مکمل طور پر غیر متوقع چیزیں فوصلوں کا ملنا نہیں، فوصلوں کا ملنا تو توقع کے مطابق ہے اور ٹھیک ہے، لیکن سب سے حیرت انگیز چیز ایک ایسی چیز کا ملنا ہے جس کو آپ ہمیشہ سے ماضی کا حصہ سمجھتے تھے اور وہ اچانک حالیہ دور کے اوصاف کے ساتھ ظاہر ہوجائے۔ یہ تو اسی طرح ہے جس طرح گرین دولینا کے غار سے ٹیپ ریکارڈ مل جائے۔ یہ واقعی ایک حیرت انگیز دریافت ہوگی۔ ہم وسطی پلائسٹو سین دور میں کیسیٹوں

کوئی ایسی خود حرکتی، لسانیاتی، چابک دستی یا عقل و فہم سے متعلق کمی نہیں تھی جوکہ اس کو جدید انسان سے کسی طور پر کمتر ثابت کرے۔"۷۸

کئی جدید تحقیق دان نیانڈرتھال انسان کو جدید انسان کی ذیلی نسل کہتے ہیں اور اس کو ہوموسیپین نیانڈرتھالنسس کے نام سے پکارتے ہیں۔ تمام تحقیق کے مطابق نیانڈر تھال بھی اپنے مرے ہوؤں کو دفناتے تھے، موسیقی کے آلے بناتے تھے اور ان کے اور اسی دور میں موجود ہوموسیپین انسانوں کے درمیان کئی تہذیبی اور ثقافتی مماثلت تھی۔ یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ نیانڈر تھال ایک مضبوط اور تنومند انسانی نسل تھی جو کہ وقت کے ساتھ غائب ہوگئی۔

ہوموسیپین آرکائک،ہومو ہائلڈربرگنسس اور کروماگنون مین

خیالی ارتقائی منصوبے میں آرکائک ہومو سیپین جدید انسان سے پہلے آخری مرحلہ ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ارتقاءپسند ان فوصلوں کے بارے میں کچھ بولنے کے لائق ہی نہیں ہیں کیونکہ ان کے اور آج کے انسان کے بیچ بہت معمولی فرق ہے۔ کچھ تحقیق دانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس نسل کے نمائندے مقامی آسٹریلوی باشندوں کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ ہوموسیپین آرکائک کی طرح ان آسٹریلوی مقامی باشندوں کی بھنویں بھی گھنی باہر کو نکلتی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کا جبڑا تھوڑا اندر کو دھنسا ہوا ہوتا ہے اور ان کی کھوپڑی کا ناپ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے۔ ہوموہائلڈلبرگنسس نامی ارتقائی ادب کا گروہ آرکائک ہومو سیپین کا مشابہ ہے۔ ایک ہی نسل کے دو نام اس لئے رکھے گئے کیونکہ ارتقاءپسندوں کاا س موضوع پر اختلاف رائے تھا۔ ہوموہائلڈر برگنسس درجہ بندی کے تمام فوصل ان لوگوں کی نشاندہی کرتے ہیں جوکہ تشریح الاعضاءکے حساب سے ناصرف دورِ حاضر کے یورپی لوگوں سے مشابہ ہیں بلکہ ان یورپیوں سے بھی مشابہ ہیں جو کہ انگلستان اور اسپین میں ۰۰۰،۰۰۵ اور ۰۰۰....۰۷۴ سال پہلے زندہ تھے۔

اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کرومیگنون انسان ۰۰۰،۰۳ سال پہلے زندہ تھا۔ ان کی کھوپڑی گنبد کی شکل کی اور ماتھا چوڑا تھا۔ اس کی شکل پر گھنی باہر کو نکلی ہوئی بھنویں تھیں اور کھوپڑی کے پیچھے کی ہڈی تھوڑی باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ یہ خاصیت نیانڈر تھال انسان اور ہوموارکٹس میں بھی موجود تھی۔ گوکہ کرومیگنون انسان کو ایک یورپی نسل سمجھا جاتا ہے لیکن ان کی کھوپڑی کی ساخت اور ناپ افریقہ اور مدارینی علاقوں کے دورِ حاضر کے باشندوں سے مشابہ ہے۔ اس مماثلت پر انحصار کرتے ہوئے اندازہ لگایا گیا ہے کہ کرومیگنون انسان ایک آرکائک یا قدیم افریقی نسل تھی۔ کچھ اور قدیم بشری رکازیات کی تحقیق کے ذریعے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ کرومیگنون انسان اور نیانڈر تھال نسلیں آپس میں مل گئیں اور دورِ حاضر کی جدید نسل کی بنیاد ڈل گئی۔ ان سب میں سے کوئی بھی انسان غیر ترقی یافتہ نسلیں نہیں تھیں۔ وہ صرف الگ نسلیں تھیں جوکہ پرانے وقت میں زندہ رہیں اور یاتو دوسری نسلوں میں جذب ہوکر کوئی اور شکل اختیار کرگئیں یا پھر معدوم ہوکر تاریخ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہوگئیں۔

اپنے پرکھوں کے دور میں ہی رہنے والی نسلیں

اب تک جس تحقیق کا جائزہ لیا گیا ہے وہ ایک واضح منظر پیش کرتی ہے۔ انسانی ارتقاءکا منظر نامہ ایک خیالی کہانی ہے۔ کسی بھی ایسے شجرہ نسب کے وجود میں آنے کے لئے گوریلے کا آدمی تک ارتقاءایک سلسلہ وار تدریجی ترقی پر مبنی ہونا چاہئے تھا جس کا ہر ثبوت فوصلی شکل میں موجود ہونا چاہئے تھا۔ لیکن گوریلے اور انسان کے درمیان ایک لامحدود خلاہے۔ ڈھانچوں کی ساخت، کھوپڑیوں کی پیمائش اور سیدھاچلنے کی صلاحیت انسانوں کو گوریلوں سے الگ کرتی ہے۔ (اس بات کا پہلے ہی ذکر ہوچکا ہے کہ ۴۹۹۱ءمیں کی جانے والی کان کی اندرونی ساخت کی تحقیق کی بنیاد پر آسٹرالوپتھیکس اور ہوموہابلس کا شمار گوریلو ں میں کیا گیا تھاجبکہ ہومو ارکٹس کو انسان کا درجہ دیا گیا تھا)

ایک اور بے حد قابل ذکر دریافت جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام مختلف نسلوں کے درمیان کسی بھی شجرہ نسب کے اعتبار سے تعلق ناممکن ہے وہ یہ کہ جن نسلوں کو ایک دوسرے کا پرکھا کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے وہ درحقیقت وقت کے ایک ہی دور میں زندہ تھےں۔ اگر ارتقاءپسندوں کے دعوے کے مطابق آسٹرالوپتھیکس ہومو ہابلس میں تبدیل ہوگئے اور ہومو ہابلس ہومو ارکٹس میں بدل گئے تو ان کی زندگی کے دور اور اوقات بھی بدل جانے چاہئے تھے۔ لیکن فوصلی ریکارڈ میں ایسی کسی بھی تاریخی ترتیب کا نشان نہیں ملتا۔ ارتقائی اندازوں کے مطابق آسٹرالوپتھیکس ۴ لاکھ سال پہلے نمودار ہوا اور ۱ لاکھ سال پہلے معدوم ہوگیا۔ ہوموہابلس نامی مخلوق اندازاً ۷۱ سے ۹۱ لاکھ سال پہلے بھی موجود تھی۔ ہوموہابلس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ نسل ہومو روڈولفنسس ۵۲ سے ۸۲ لاکھ سال پہلے زندہ تھی۔ اس حساب سے ہوموروڈولفنسس ہومو ہابلس سے تقریباً ۱ لاکھ سال بڑی ہے جس کا اس کو پرکھا کہا جاتا ہے۔ ہومو ارکٹس ۶۱ سے ۸۱ لاکھ سال پہلے زندہ تھے جس کے حساب سے ہومو ارکٹس زمین پر وقت کے اسی دورانیئے میں نمودار ہوئے جس دورانیئے میں ان کے نام نہاد پرکھا ہوموہابلس وجود میں آئے تھے۔

ایلن والکر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے

"مشرقی افریقہ سے ثبوت ملا ہے کہ دنیا میں نسبتاً چھوٹے آسٹرالوپتھیکس انسان وقت کے ایک ہی دور میں پہلے ہوموہابلس کے ساتھ اور پھر ہومو ارکٹس کے ساتھ موجود تھے۔"۹۸

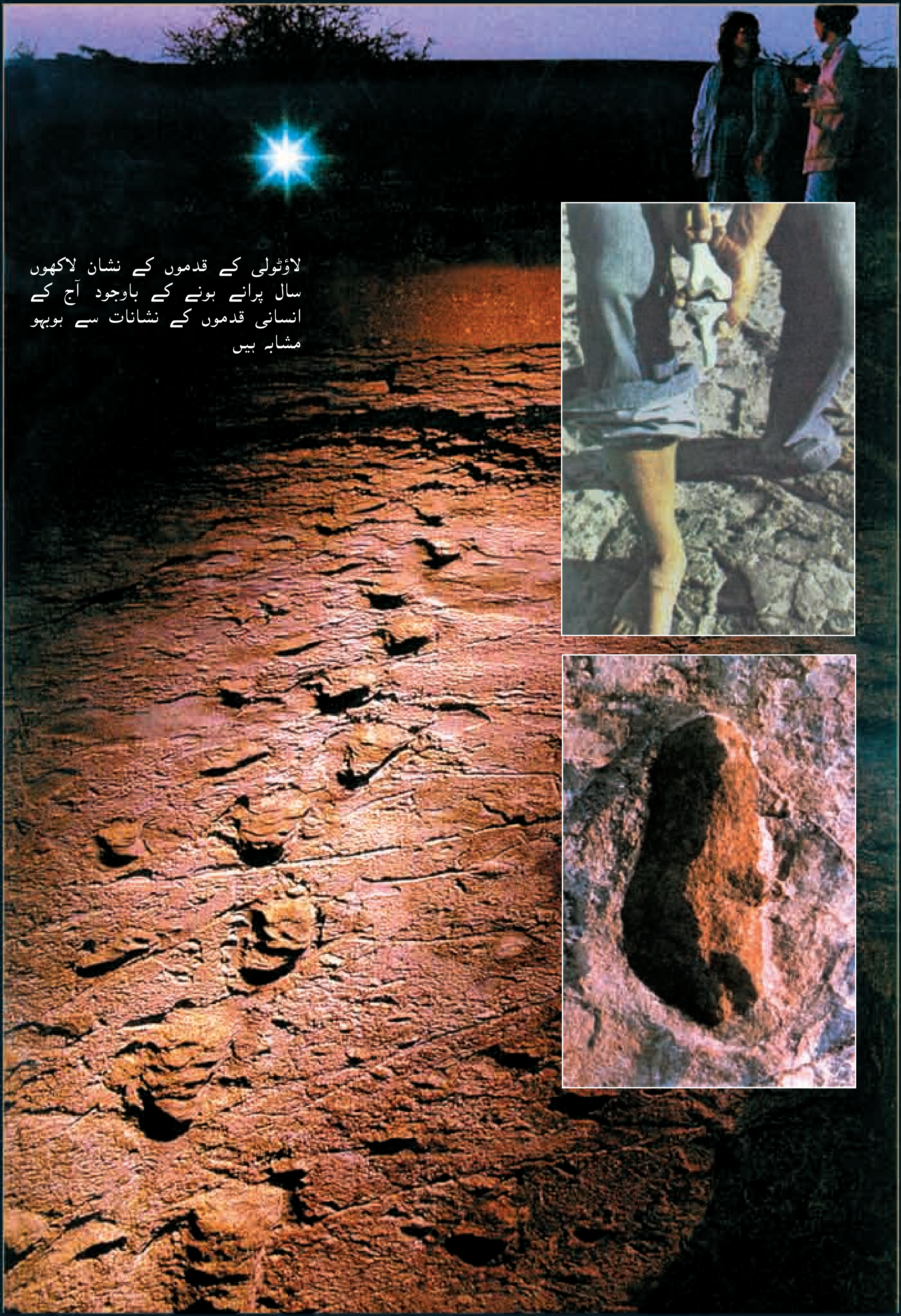

لاؤٹولی کے قدموں کے نشان لاکھوں سال پرانے ہونے کے باوجود آج کے انسانی قدموں کے نشانات سے ہوبہو مشابہ ہیں

رسالہ ڈسکور، ارتقائی کتب کے اہم ترین جریدوں میں سے ایک ہے۔ اس رسالے نے اپنے سرورق پر ۰۰۸ ہزار سال پرانا ایک انسانی چہرہ اس سوال کے ساتھ چھاپا "کیا یہ ہمارے ماضی کا چہرہ ہے؟"

اور ٹیپ ریکارڈوں کے ہونے کی ہرگز توقع نہیں کرسکتے۔ **۰۰۰,۰۰۸ سال پہلے ایک جدید چہرے کے ہونے کا ثبوت ملنا بھی ایسی ہی بات ہے۔ اس چہرے کو دیکھ کر ہم ناقابلِ بیان حیرت کا شکار ہوگئے ہیں۔**"۳۹

اس فوصل نے اس حقیقت کو اجاگر کردیا کہ ہومو سیپینز کی تاریخ ضرور ۰۰۰,۰۰۸ سال پرانی ہے۔ ارتقاءپسند جب اس فوصل کے جھٹکے سے باہر نکلے تو اس کو دریافت کرنے والے ارتقائی سائنسدانوں نے فیصلہ کیا کہ یہ فوصل ہو نہ ہو کسی اور ہی نسل کا فوصل ہے کیونکہ ان کے بنائے گئے ارتقائی شجرۂ نسب کے حساب سے ہومو سیپینز ۰۰۰,۰۰۸ سال پہلے موجود ہی نہیں تھے۔اس لئے انہوں نے ہنگامی طور پر ایک نئی خیالی مخلوق تخلیق کرلی جس کو انہوں نے 'ہوموانیٹے سیسر' کا نام دیا۔ اس نئی درجہ بندی کے اندر انہوں نے اس اٹاپرکا سے ملنے والی کھوپڑی کو بھی ڈال دیا۔

۷۱ لاکھ سال پرانی جھونپڑی

کئی دریافتیں ایسی بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہوموسیپینز کی عمر ۰۰۰,۰۰۸ سال سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ ان میں سے لوئس لیکی کی اولڈ لوائی گورج میں کی گئی ۰۷۹۱ءکے سالوں کی یہ دریافت ہے۔ یہاں پر پرت II کی تہ سے لیکی کو پتہ چلا کہ آسٹرالوپتھیکس، ہوموہابلس اور ہومو ارکٹس نسلیں ایک ہی وقت کے ایک ہی دور میں موجود تھیں۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز وہ ساخت تھی جو کہ لیکی کو اسی خطے سے ملی۔ یہاں اس کو ایک پتھر کی جھونپڑی کے بقیا جات ملے۔ اس واقعے کے بارے میں سب سے غیر معمولی بات یہ تھی کہ اس جھونپڑی کو بنانے کا طریقہ کار آج بھی افریقہ کے کچھ حصوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کو صرف ہوموسیپینز ہی تعمیر کرتے ہیں۔ لیکی کی اس دریافت کے مطابق آسٹرالوپتھیکس ہوموہابلس، ہوموارکٹس اور دورِ حاضر کا انسان ساتھ ساتھ ہی تقریباً ۷۱ لاکھ سال پہلے زندہ تھے۔۴۹ اس دریافت سے وہ تمام ارتقائی نظریئے ناقص ہوجاتے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ جدید انسان آسٹرالوپتھیکس جیسی گوریلا نما مخلوق کی تدریجی شکل ہے۔

دورِ حاضر کے انسان کے ۶۳ لاکھ سال پرانے قدموں کے نشان

کئی دوسری دریافتیں بھی دورِ حاضر کے انسان کی ابتداءکا ثبوت ۷۱ لاکھ سال پہلے کے دور میں دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم دریافت ۷۷۹۱ءمیں لاٹولی، تنزانیہ سے میری لیکی کو ملنے والے قدموں کے نشان ہیں۔ یہ قدموں کے نشان ایک ۶۳ لاکھ سال پرانی تہ میں ملے اور ان نشانوں سے بالکل مختلف نہیں ہیں جس طرح کے نشان ایک دورِ حاضر کا انسان چھوڑسکتا تھا۔ میری لیکی کو ملنے والے ان قدموں کے نشانات کا معائنہ بعد میں مشہور ماہر قدیم بشری رکازیات ڈونلڈ جانسن اور ٹم وائٹ کے علاوہ اس شعبے کے دوسرے ماہروں نے بھی کیا۔ ان تمام سائنسدانوں کا ایک ہی نتیجہ تھا۔وائٹ لکھتا ہے:

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ نشان جدید قدموں کے نشانات کی طرح ہی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نشان کیلیفورنیا کے ساحل پر ڈال دیا جائے اور ایک چار سال کے بچے سے اس کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ فوراً کہے گا کہ یہاں پر کوئی ابھی چل کر گیا ہے۔ وہ اس کا امتیا ز ساحل پر موجود لاتعداد دوسرے پیروں کے نشانات سے نہیں کرسکے گا۔نہ صرف وہ بچہ بلکہ آپ خود بھی اس نشان اور دوسرے نشانات کے بیچ میں کوئی فرق محسوس نہیں کرسکتے۔۵۹

قدموں کے نشانات کا معائنہ کرنے کے بعد نارتھ کیلیفورنیا یونیورسٹی کی کوئس رابنسن کا کہنا تھا کہ:

"پاؤں کی خمیدہ شکل اٹھی ہوئی ہے۔ کسی چھوٹے انسان کے پاؤں کی خمیدہ شکل میرے پاؤں کی اس شکل سے اونچی تھی۔ بڑا والاانگوٹھا بڑا ہے اور دوسرے پاؤں کے انگوٹھے سے ہم آہنگ ہے۔ یہ انگوٹھے زمین کو بالکل انسانی انگوٹھوں کی طرح پکڑ سکتے ہیں۔ یہ خاصیت حیوانی اشکال میں موجود نہیں ہوتی۔"۶۹

ان نشانات کی مزید تحقیق ثابت کرتی چلی گئی کہ یہ انسانی پیروں کے نشانات ہی ہیں اور ایک ایسے انسان کے پیر ہیں جو دورِ حاضر میں بھی موجود ہے یعنی کہ ہوموسیپین۔رسل ٹٹل نے بھی ان نشانات کا معائنہ کیا اور لکھتا ہے:

"ایک چھوٹے ہومو سیپین پیر نے یہ نشانات بنائے ہیں۔ تمام شکلیاتی عناصر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نشانات جدید انسانی پیروں کے نشانات سے ناقابل امتیاز ہیں۔"۷۹

ان قدموں کے نشانات کا غیر جانبدارانہ معائنہ ان کے اصل مالکوں کا پتہ دیتے ہیں ۔یہ نشانات ایک ۰۱ سالہ انسان کے ۰۲ فوصل شدہ پیروں کے نشانات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جوان انسان کے پاؤں کے ۷۲ نشانات بھی ان میں شامل ہیں۔ یہ تمام نشانات دورِ حاضر کے انسان

۷۱ لاکھ سال پرانی جھونپڑی کی دریافت نے سائنسی حلقوں کو زبردست دھچکا پہنچایا۔ یہ جھونپڑی ہوبہو ان جھونپڑیوں کی طرح تھی جوکہ کئی افریقی باشندے آج بھی تعمیر کرتے ہیں۔

پینے کی کوئی چیز حاصل کرنا ہو- عام طور پر ان کے ڈھانچے آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ اپنی چاروں ٹانگوں پر ہی چلتے ہیں- تو پھر کیا دوپایہ چلنے کی صفت گوریلوں کی چارپایہ چلنے کی صفت کی تدریجی شکل ہے جیسا کہ ارتقاءپسندوں کا دعویٰ ہے؟ ہرگز نہیں- تحقیق کے مطابق دوپایہ صفت ارتقاءکا نتیجہ نہیں ہے- اس طرح ہونا ممکن ہی نہیں تھا- پہلی بات تو یہ کہ دو پایہ صفت کسی طرح کا ارتقائی فائدہ نہیں ہے- اس کی کئی وجوحات ہےں- بندروں کی حرکت کا طریقہ انسان کی دوپایہ صفت سے کہیں زیادہ آسان، تیز اور کارگزر ہے-انسان ایک درخت سے دوسرے درخت پر بندروں کی طرح جست لگاکر نہیں پہنچ سکتا- اس کو زمین پر آکر دوسرے درخت پر دوبارہ چڑھنا پڑتا ہے-انسان چیتے کی طرح ۵۲۱ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ بھی نہیں سکتا- اس کے برعکس کیونکہ انسان دوٹانگوں پر چلتا ہے اس لئے اس کی حرکت کی رفتار نسبتاً آہستہ ہوتی ہے- اسی وجہ سے وہ تمام نسلوں میں حرکت اور تحفظ کے اعتبار سے سب سے زیادہ غیر محفوظ نسل ہے- نظریہٴ ارتقاءکی منطق کے مطابق بندروں کو تدریجی ترقی کے ذریعے دوپایہ مخلوق نہیں بننا چاہئے تھا بلکہ انسان جیسی دفاع کے اعتبار سے کمزور اور غیر محفوظ مخلوق کو چارپایہ بن جانا چاہئے تھا-

اس ارتقائی دعوے کاایک اور تعطل یہ ہے کہ دوپایہ صفت کسی بھی طور پر ڈارون کے ' سلسلہ وار ترقی' کے نمونے کی ضروریات کو پورا نہیں کرتی- یہ نمونہ نظریہٴ ارتقاءکی ایک اہم بنیاد ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ دوپایہ اور چار پایہ اوصاف کے درمیان ایک 'مجموعی' عبور ہے- لیکن ۶۹۹۱ءمیں انگریز ماہرِ قدیم بشری رکازیات روبن کرومپٹن نے کمپیوٹر کے ذریعے کی گئی تحقیق سے ثابت کیا کہ ایسا کوئی بھی "مجموعی" عبوری طریقہ کار قطعاً ناممکن ہے- کرومپٹن نے نتیجہ نکالا کہ 'کوئی بھی جاندار یا تو صرف عمودی حالت میں دو ٹانوں پر چلنے کے لائق ہوتا ہے یا پھر چوپایہ ہوتا ہے-"(۹۹) ان دونوں کے درمیان کسی بھی "مجموعی" طو رپر فاصلے کو ختم کردینے کا طریقہ کار ناممکن ہے کیونکہ اس میں حد سے زیادہ طاقت کا مصرف بھی لازم ہے- اسی لئے کوئی 'آدھا' دوپایہ وجود میں نہیں ہے-

انسان اور گوریلے کی درمیان زبردست فاصلہ صرف دوپایہ صفت تک ہی محدود نہیں ہے- بہت سے دوسرے تنازعے بھی ابھی تک حل نہیں ہوسکے- مثلاً دماغ کی گنجائش، بولنے کی صلاحیت اور دوسرے کئی معاملات بھی آج تک اسی جگہ اٹکے ہوئے ہیں- اس معاملے پر ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات ایلین مورگن اپنے اعترافی نوعیت کے خیالات کا اظہار کرتی ہیں:

"انسانوں سے متعلق چار ممتاز بھید یہ ہیں ۱-وہ دو ٹانگوں پر کیوں چلتے ہیں؟ ۲- ان کی کھال کا پشم کہاں گیا؟ ۳-ان کے دماغ اتنے بڑے کیوں ہیں؟ ۴- انہوں نے بولنا کیوں سیکھا؟ ان تمام سوالوں کے کٹر روایات پسند جوابات ہیں۱- ہم کو ابھی نہیں پتہ ۲-ہم کو ابھی نہیں پتہ ۳-ہم کو ابھی نہیں پتہ- ۴-ہم کو ابھی نہیں پتہ- سوالوں کی فہرست میں کئی سوال اور بھی ڈالے جاسکتے ہیں لیکن جواب کی نوعیت پر کوئی فرق نہیں آئے گا-"۰۰۱

حالیہ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ گوریلوں کا جھکا ہوا ڈھانچہ صرف چوپایہ چال کے لئے ہی بناگیا ہے اور اس ڈھانچے کا انسانی دوپایہ ڈھانچے میں ارتقائی عمل کے ذریعے تبدیل ہوجانا قطعی ناممکن ہے-

ارتقائ: ایک غیر سائنسی عقیدہ

لارڈ سولی زکرمین کا شمار انگلستان کے مشہور ترین باعزت سائنسدانوں میں ہوتا ہے- اس نے کئی سالوں فوصلی ریکارڈ کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے اوپر تفصیلی تحقیق بھی کی ہے- اس کو اپنا نام اور مقام سائنس کی انتھک خدمت سے حاصل ہوا ہے- زکرمین ایک ارتقاءپسند ہے اسی لئے ارتقاءکے متعلق اس کے نظریات بے علم اور متعصب قرار نہیں دیئے جاسکتے- فوصلوں کے اوپر اس کی کئی سالہ تحقیق کا محور انسانی ارتقاءکا خیالی منظر نامہ بھی ہے- زکر مین کے مطابق اس خیالی شجرہٴ نسب میں کوئی سچائی نہیں ہے-

ذکر مین نے ایک اور دلچسپ "سائنسی تجزیئے کا نقشہ" نامی ایک عمومی تصور کا آغاز کیا جس کے ذریعے سائنسی اعتبار سے درست اور غیرسائنسی روایات کا تجزیہ کیا جاسکے- زکر مین کے اس نقشے کے مطابق سب سے زیادہ ٹھوس تحقیق پر مبنی اور سائنسی رو سے قابل اعتبار سائنسی شاخیں کیمیا اور طبابت ہیں- اس کے بعد حیاتیاتی سائنسی شاخیں آتی ہیں اور پھر معاشرتی شاخیں ہیں- اس تجزیئے کے نقشے کا بالکل آخری کونا غیر سائنسی کونا بن جاتا ہے اور یہاں پر غیر حسی مشاہدے جس طرح بعید رسانی اور وجدان موجود ہیں- نقشہ کے اس آخری کونے کی آخری چیز انسانی ارتقاءہے- زکر مین اپنے استدلال کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ہم لوگ حقیقی سچائی کے میدان سے نکل کر فرض کی جانے والی حےاتیاتی سائنس کے دائرے میں آجاتے ہیں مثلاً وجدان یا غیر حسی مشاہدے- انسان کی فوصلی تاریخ مےںعقیدہ مندوں کے لئے ہر چیز ممکن بن جاتی ہے اور ان کے لئے بیک وقت کئی پرُ اختلاف دعوؤں کو بھی صحیح مان

۳,۲ لاکھ سال پرانا انسانی جبڑا

یہ ۳۲ لاکھ سال پرانا انسانی جبڑا ارتقاءپسندوں کے تشکیل کردہ خیالی شجرۂ نسب کی تردید کرتا ہوا ایک اور ثبوت ہے- اس جبڑے کا نام -A.L.666 1 رکھاگیا اور یہ ہادر، ایتھیوپیا سے د ریافت ہوا تھا- ارتقائی جریدے اس دریافت سے سنسنی خیز خبریں پیدا کرنے کے لئے اس کو ایک "حیرت انگیز دریافت" کا نام دیتے ہیں-
(ڈی- جوہانسن، بلیک ایڈگر "لوسی سے زبان تک" صفحہ ۹۶۱)

کے پاؤں کے نشانات سے ہوبہو مشابہ ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان پیروں کے حامل انسان بھی بالکل ہماری ہی طرح کے لوگ تھے-اس صورتحال نے لائٹولی کے قدموں کے نشانات کو کئی سال تک مدلل بحث کا مرکز بنائے رکھا- ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات نے شدت سے کوئی ایسی دلیل پیش کرنے کی کوشش کی جو کہ اس تمام ثبوت کو ناکارہ بنادے- ان کے لئے یہ بات بے حد ناقابل فہم تھی کہ ایک جدید طرز کا آدمی زمین کے اوپر ۶۳ لاکھ سال پہلے بھی چل پھررہا تھا-

۰۹۹۱ءکے سالوں کے دوران ایک طرح کی صفائی نے بالآخر سراٹھانا شروع کردیا- ارتقاءپسندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ قدموں کے نشانات آسٹرالوپتھیکس کے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے نظریئے کے مطابق کسی بھی ہومو نسل کے جاندار کا ۶۳ لاکھ سال پہلے موجود ہونا ناممکن بات تھی- ۰۹۹۱ءمیں رسل ٹٹل نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

"خلاصہ یہ کہ لائٹولی کے مقام سے ملنے والے ۵۳ لاکھ سال پرانے قدموں کے نشانات ایسے جدید انسانوں کے ہیں جن کو پیروں میں جوتا پہننے کی کبھی عادت نہ رہی ہو- کسی بھی خاصیت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لائٹولی کے انسان ہم سے کسی طور پر ادنیٰ دوپایہ تھے- اگر لائٹولی کے پیروں کے یہ نشانات اتنے پرانے نہےں ہوتے تو با آسانی یہ نتیجہ اخذ کرلیتے کہ یہ ہماری ہی جنس ہومو کے کسی انسان کے بنائے ہوئے ہیں-کسی بھی حال میں ہمیں اس ڈھیلے سے اندازے سے پےچھا چھڑا لےنا چاہئے کہ لائٹولی کے قدموں کے نشانات لوسی کی جنس آسٹرالوپتھیکس ا فارنسس کے بنائے ہوئے ہیں-"۸۹

مختصرَ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نشانات جو کہ ۶۳ لاکھ سال پرانے قیاس کئے جاتے ہیں وہ آسٹرالوپتھیکس کے ہرگز نہیں ہوسکتے- ان کو آسٹرالوپتھیکس نسل کا سمجھے جانے کی ایک وجہ ان کا ۶۳ لاکھ سال پرانی آتش فشانی تہ سے دریافت ہونا ہے- ان کو آسٹرالوپتھیکس نسل سے جوڑے جانے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کسی طور پر یہ گمان بھی کسی کو نہیں تھاکہ انسان وقت کے اس دور میں موجود بھی ہوسکتا تھا- لائٹولی کے نشانات کی تمام تشریحات ایک اہم حقیقت کو سامنے لے کر آتی ہیں اور وہ یہ کہ ارتقاءپسند اپنے نظریوں کوسائنسی تجربات کا سہارا دینے سے سراسر گریز کرتے ہیں- اس کی مثال لائٹولی کے نشانات ہیں جن کو ہر طرح کی سائنسی تحقیق کا مکمل سہارا حاصل ہونے کے باوجود ارتقاءپسندوں کے ہاتھوں اس قدر شک و شبہ میں ڈال دیا گیا کہ یہ ثبوت عام لوگوں نے مکمل طور پر نظر انداز کردیا- اس سے صاف ظاہر ہے کہ نظریہ ارتقاءسائنس نہیں بلکہ سائنس کی مخالفت کرتے ہوئے کٹر عقائد ہیں-

نظریہ ارتقاءکا دوپایہ خا صیت کے ہاتھوں تعطل

اب تک زیرِ غور لائے گئے فوصلی ریکارڈ کے علاوہ انسان اور گوریلوں میں تشریح الاعضاءکے حساب سے بھی اتنا زیادہ فرق اور خلاہے کہ انسانی ارتقاءکی خیالی کہانی مکمل طور پر منسوخ ہو جاتی ہے- ان میں سے ایک فرق دو ٹانگوں پر چلنے کی مخصوص خاصےت ہے- انسان دو ٹانگوں پر عمودی زاویئے سے چلتا ہے- یہ حرکت کرنے کی اتنی مخصوص صلاحیت ہے کہ انسان کے علاوہ کسی اور ممالیہ نسل میں نظر نہیں آتی- کچھ جانور اپنے پیچھے کی ٹانگوں پر کھڑے ہوکر تھوڑی دیر کے لئے چل سکتے ہیں لیکن یہ ان کا قدرتی چلنے کا طریقہ نہیں ہوتا- بھالو اور بندر اس طرح سے تھوڑی دیر کے لئے حرکت کرتے ہیں اگر ان کو کھانے

دسواں باب

ارتقاءکا سالمی تعطل

کتاب کے پچھلے حصوں میں بتایا گیا ہے کہ فوصلی ریکارڈ کس طرح نظریۂ ارتقاءکو ناقص بنادیتا ہے- یہ ثبوت پیش کرنے کی درحقیقت کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ارتقاءکے متعلق تمام نظریئے فوصلی ثبوت تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین بوس ہوجاتے ہیں- وہ موضوع جو کہ اس نظریئے کو شروع سے ہی بے معنی بنادیتا ہے وہ زندگی کا زمین پر نموداری کا سوال ہے-

اس سوال کے جواب میں نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ زندگی ایک واحد خلئے سے شروع ہوئی جو کہ اتفاقاً وجود میں آگیا تھا-اس منظر نامے کے حساب سے چار کروڑ سال پہلے کئی بے جان کیمیائی مرکبوں کے درمےان زمین کے قدیمی ماحول میں رد عمل پیش آیا جس کی وجہ سے گرج چمک اور ماحولیاتی دباؤ کے سبب سے پہلا جاندار خلیہ وجود میں آگیا- یہاں پر پہلی وضاحت تو یہ کرنا لازمی ہے کہ محض یہ دعویٰ کہ بے جان چیزیں آپس میں مل کر جاندار چیز پیدا کرسکتی ہیں دراصل ایک ایسا غیر سائنسی دعویٰ ہے جس کی تصدیق کوئی تجربہ یا مشاہدہ آج تک نہیں کرسکا- زندگی صرف زندگی سے وجود میں آتی ہے- ہر جاندار خلیہ کسی دوسرے جاندار خلئے کی نقل ہوتا ہے- دنیا میں کوئی بھی آج تک غیر جاندار اشیاءکو آپس میں ملاکر جاندار خلیہ پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا- حتیٰ کہ دنیا کی جدید ترین تجربہ گاہیں بھی ایسا کوئی معجزہ پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں-البتہ نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ وہ جاندار خلیہ جو کہ انسانی عقل، علم اورفنیات کی تمام طاقت مل کر نہیں بناسکی وہ زمین کے کروڑوں سال پہلے کے قدیم ماحول میں محض اتفاق سے وجود میں آگیا- اس باب میں ہم اس بات کا تفصیلی معائنہ کریں گے کہ ارتقاءپسندوں کا یہ دعویٰ کس طرح سے سائنس اور منطق کے بنیادی اصولوں سے مکمل انحراف کرتا ہے-

اتفاقاً پیدا ہونے والے خلئے کی کہانی

اگر کوئی اس بات پر یقین کرسکتا ہے کہ جاندار خلیہ محض اتفاق سے وجود میں آگیا تو اس کو مندرجہ ذیل کہانی پر یقین لانے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا- یہ ایک چھوٹے سے شہر کی کہانی ہے-

ایک دن بنجر زمین پر موجود پتھروں کے بیچ پھنسی ہوئی کچھ مٹی بارش کے پانی سے گیلی ہوگئی- یہ گیلی مٹی سورج کے نکلنے کے بعد سوکھ کر سخت ہوگئی اور اس کے اندر قوت مدافعت پیدا ہوگئی-بعد میں یہ پتھر جنھوں نے سانچے کا کام بھی کیا تھا اس کے کسی طرح ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوگئے اور پھر ایک صاف ستھری شکل کی مضبوط اینٹ کی شکل دھارگئے- یہ اینٹ اسی قدرتی ماحول میں سالوں ایک اور اپنی جےسی اینٹ کے بننے کا انتظار کرتی رہی- یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس جگہ پر ہزاروں اسی طرح کی اینٹیں جمع نہیں ہوگئےں- یہ بھی محض اتفاق ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی اینٹ کسی نقصان کا شکار نہیں ہوئی - باوجود ہزاروں سال کے طوفانوں، بارشوں، ہواؤں، سورج کی تیز روشنی اور شدید ٹھنڈ کے باوجود کسی بھی اینٹ میں معمولی سی بھی دراڑ نہیں پڑی اور نہ وہ ٹوٹیں یا اپنی جگہ سے ہلیں بلکہ نہایت قطعیت سے ایک ہی جگہ پر دوسری اینٹیں بننے کاانتظار کرتی رہیں-

جب کافی مقدار میں اینٹیں جمع ہوگئیں تو انھوں نے ماہرانہ طور پر اپنے آپ کو ترتیب دیتے ہوئے ایک بہترین عمارت تعمیر کرلی- ان کی ترتیب کسی ہوا، طوفان یا آندھی کا بے ترتیب نقشہ نہیں تھا بلکہ ایک انتہائی منظم تعمیر کاثبو ت تھا- ان کو جوڑنے والے سیمنٹ اور مٹی کے مرکبات بھی ان کی طرح قدرتی عوامل کے ذریعے وجود میں آئے اور ان اینٹوں کے درمیان خود ہی گھس کر ان کو چپکانے اور آپس میں جوڑنے کا اہم کام انجام دیتے رہے- ان تمام واقعات کے دوران زمین کے نیچے قدرتی حالات کے تحت لوہا بننا شروع ہوگیا جو کہ خاص طور پر اس عمارت کی بنیادوں میں استعمال ہوگا جوکہ ان اینٹوں سے بنے گی- اس تمام عمل کے نتیجے میں ایک مکمل عمارت اپنی تمام تر ضروری لوہے اور لکڑی کے پرزوں اور بجلی کی تاروں سمیت کھڑی ہوگئی-

ظاہر ہے کہ ایک عمارت صرف بنیادوں، اینٹوں اور سیمنٹ ہی کا مرکب نہیں ہوتی- تو پھر باقی دوسری چیزیں کہاں سے آئیں گی؟ اس کا جواب آسان ہے- جس طرح کا سامان اس عمارت کی تعمیر کے لئے ضروری ہے وہ سب اس زمین کے اندر موجود ہے

لینا کسی قسم کا مسئلہ پیش نہیں کرتا۔"۱۰۱

رابرٹ لوک رسالہ' ڈسکوورنگ آرکیولوجی 'کے مدیر اعلیٰ ہیں ۔ےہ رسالہ انسان کی ابتداءکے اوپر ایک اہم جریدہ ہے۔ لوک اس رسالے میں لکھتا ہے:

"انسانی پرکھا کی تلاش روشنی سے زیادہ گرمی برآمد کررہی ہے۔" اس مضمون میں اس نے مشہور ارتقائی ماہرِ قدیم بشری رکازیات ٹم وائٹ کا اعتراف بھی شامل کیا ہے۔

"ہم سب لوگ ان تمام سوالوں کے ہاتھوں شدید مایوسی اور الجھن کا شکار ہیں جن کے ہم جواب نہیں دے پائے ہیں"۔۲۰۱

لوک کا مضمون نظریۂ ارتقاءکا انسان کی ابتداءکے موضوع پر تعطل اور تشہیراتی ذرائع سے اس موضوع کے سراسر بے بنیاد پرچار کا معائنہ کرتا ہے۔

"سائنس کا کوئی بھی شعبہ انسان کی ابتداءکی تلاش سے زیادہ حجتی اور تصفیہ طلب نہیں ہے۔ نامور ماہرِ قدیم بشری رکازیات کو انسان کے شجرہ نسب کی سب سے بنیادی ابتدائی خاکے کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔ اس شجرے کی نئی شاخیں زبردست دھوم دھڑکے سے اگتی تو ہیں لیکن نئی فوصلی دریافت کی روشنی میں سوکھ کر مر جاتی ہیں۔"۳۰۱

ایک جانے پہچانے جریدے "نیچر" کے مدیر اعلیٰ ہنری گی نے حال ہی میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ ۹۹۹۱ءمیں چھپنے والی اپنی کتاب، "ان سرچ آف ڈیپ ٹائم" میں گی کہتا ہے :

"انسانی ارتقاءسے متعلق ۵ سے ۰۱ لاکھ سال کے عرصے پر محیط ثبوت جو کہ جانداروں کی کئی ہزار نسلوں پر مشتمل ہے اس کو ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بند کیا جاسکتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی ابتداءاور ترقی سے متعلق تمام روایتی ثبوت سراسر انسانی ایجاد ہے جس کا دارومدار انسانی تعصبات پر ہے۔" وہ مزید کہتا ہے:

"کسی بھی فوصلی سلسلے کو اٹھاکر دعویٰ کردینا کہ یہ کسی نسل کے ترجمان ہیں ہرگز ایسا سائنسی مفروضہ نہیں ہے جس کی تحقیق کی جاسکے۔ یہ صرف ایک ایسا اعلان کا عمل ہے جیسے کہ بچے کو رات میں بہلانے والی کوئی کہانی جو کہ دلچسپ اور تعلیمی تو ہوسکتی ہے لیکن سائنسی ہرگز نہیں ہوتی۔"۴۰۱

پھر کیا وجہ ہے کہ لاتعداد سائنسدان اس کٹر عقیدے پر اتنی مضبوطی سے قائم ہیں؟ وہ اتنی سختی سے اپنے اس نظریئے کو زندہ رکھنے کے لئے سرگرداں کیوں ہیں باوجود اس کے کہ اس کے لئے ان کو کئی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کتنے ہی ثبوت ضائع کرنے پڑتے ہے؟ اس کا جواب صرف ان کا اس حقیقت سے خوفزدہ ہونا ہے جس سے ان کو نظریہ ارتقاءکو غلط مان لینے پر سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ انسان اور تمام جاندار صرف اور صرف اللّٰہ کی تخلیق ہیں۔ لیکن ان کی تمام پیش قیاسیاں اور مادی فلسفہ پر کٹر یقین ان کے لئے تخلیق کو ایک ناقابل قبول تصور بنادیتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اور دنیا کو اپنے ساتھ تعاون کرنے والے تشہیراتی ذرائع کے ذریعے شدید دھوکے کا شکار رکھتے ہیں۔ اگر ان کو ضروری فوصل نہیں ملتے تو وہ جعلی فوصل بنانے سے گریز نہیں کرتے جوکہ وہ خیالی خاکوں، نقشوں اور شکلوں کی صورت میں دنیا کے سامنے اس مکمل اعتماد کے ساتھ پیش کردیتے ہیں کہ جیسے واقعی یہ ارتقاءکو ثابت کرنے والے اصل فوصل ہیں۔ وہ تمام وسیع تشہیراتی ذرائع جوکہ انہیں کی طرح مادہ پرست نقطۂ نظر رکھتے ہیںوہ اپنی کہانیوں سے لوگوں کے تحت الشعور میں ارتقاءکے متعلق جھوٹ کو بٹھانے میں جت جاتے ہیں۔ لیکن ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ سچ کو بدل نہےں سکتے کہ انسان کسی ارتقائی عمل سے نہیں بلکہ اللّٰہ کی تخلیق سے وجود میں آیا ہے اور وہ صرف اللّٰہ کے سامنے جوابدہ ہے۔

انسانی ارتقاءکی خیالی حکایت کی بنیاد کسی بھی طرح کی سائنسی تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ اس طرح کے خاکوں اور نقشوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے ماسوائے ارتقاءپسندوں کی رنگین تصورات کی عکاسی کرنا۔

جس کے اوپر وہ عمارت کھڑی ہے مثلاً شیشوں کے لئے سیلیکون، بجلی کی تاروں کے لئے تانبا، بنیادوں کے ستونوں اور پانی کے پائپوں کے لئے لوہا وغیرہ سب زمین کے اندر وافر مقدار میں موجود دھاتیں ہیں- صرف قدرتی کیفیات کی ہنرمندی سے یہ دھاتیں ضرورت کے تحت اشکال میں ڈھل کر عمارت کے اندر پہنچ جائیں گی- اینٹوں کے اس ڈھانچے میں تمام پائپ، لکڑی کا کام اور دوسری ضروری چیزیں اڑتی ہوا، بارش اور زلزلوں کی مدد سے اپنی صحیح جگہ پر پہنچ جائیں گی-ہرچیز اتنے منظم اور مکمل طریقے سے تعمیر ہوگی کہ اینٹوں نے صحیح جگھوں پر کھڑکیوں کی جگہ بھی چھوڑدی ہو گی تاکہ قدرتی عوامل بعد میں شیشہ نامی چیز بناکر یہاں پر کھڑکیاں لگادیں- اس کے علاوہ اینٹیں، پانی، بجلی اور ایئرکنڈیشنر کے نظام کے لئے مناسب جگہ بھی موجود ہو گی جو کہ بعد میں محض اتفاقاً ہی وجود میں آجائیں گے- ہر چیز بہترین طریقے سے وجود میں آتی ہے -غرضےکہ اتفاقات اورقدرتی عوامل ایک مکمل عمارت تعمیر کردےں گے-

اگر کسی کو اب بھی اس کہانی کے سچ ہونے کا یقین ہے تو اس کو اس شہر کی دوسری عمارتوں، سڑکوں، کارخانوں، چھوٹی عمارتوں اور گھروں کا بھی ا سی طرح سے وجود میں آنے پر بھی مکمل یقین آجائے گا- اگر کسی کے اندر تکنیکی سمجھ بوجھ ہو اور جو اس موضوع سے تھوڑا آشنا ہو تو اس کو ایک ایسی سائنسی نوعیت کی کتاب لکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی جس کے اندر وہ شہر کے نظام نکاسی اور دوسری عمارتوں کے ساتھ اس عمارت کی ہَم آہنگی کے اوپر اپنا ذاتی ارتقائی سائنسی مقالہ پیش کرے- ذہانت کے اس بھرپور مظاہرے پر بہت ممکن ہے کہ ایسے مصنف کو کئی تعلیمی انعامات سے نوازا جائے اور مصنف خود کو ایک غیر معمولی ذہنی اور تخلیقی صلاحیت کا حامل سمجھنے میں کوئی عار محسوس نہ کرے- نظریۂ ارتقاءبھی اسی طرح سے دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آئی اور یہ نظریۂ اس کہانی ہی کی طرح واہیات اور نامعقول ہے کیونکہ جسم کی تمام تر ذمہ دارےاں، رابطے، نقل و حمل اور انتظامی نظام تو اےک طرف، ایک واحد خلیہ بھی کسی ایک پورے شہر سے کم پیچیدہ اور اہم نہیں ہے-

خلئے کا معجزہ اور ارتقاءکا اختتام

ایک زندہ خلئے کی پیچیدہ ساخت ڈارون کے زمانے میں سامنے نہےں آئی تھی- اس زمانے میں ارتقاءپسندوں کا زندگی کی ابتداءکو اتفاقات اور قدرتی عوامل کا نتیجہ ہونا کہہ دینا ہی لوگوں کو اس دھوکے میں لانے کےلئے کافی تھا- لیکن ۲۰ صدی کی تکنیکی اور

ایک روز بنجر زمین پر پتھروں کے بیچ میں دبا مٹی کا تودا بارش ہونے کی وجہ سے گیلا ہوگیا -سورج نکلنے کے بعد یہ گیلی مٹی سوکھ کر سخت ہوگئی اور مزاحمتی قوت ےاپتھر کی شکل اختیار کرگئی-

تھوڑے عرصے بعد یہ پتھر کسی وجہ سے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور ایک صاف ستھری مضبوط اینٹ کی شکل دھارگئے- یہ اینٹ اسی قدرتی ماحول میں سالوں تک اپنی جیسی ایک اور اینٹ کے بننے کا انتظار کرتی رہی- اس کے علاوہ جو اینٹیں بنتی جارہی تھیں وہ اتفاق کے طور پر ہر طرح کے ماحولیاتی نقصان سے بھی مکمل طور پر محفوظ رہیں-

جب مناسب تعداد میں اینٹیں جمع ہوگئیں تو انہوں نے خود بہ خود اپنے آپ کو ترتیب دے کر ایک عمارت کی تعمیر شروع کردی- ہوا، طوفان اور آندھی نے ان اینٹوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر ہلنے جلنے میں مدد کی- ساتھ ساتھ تعمیر کے لئے دوسری اہم اشیاءمثلاً مٹی اور سیمنٹ بھی قدرتی ماحول میں تشکیل پاتے گئے اور خود بہ خود ان اینٹوں کے درمیان گھس کر ان کو سختی اور مضبوطی سے آپس میں جوڑتے چلے گئے- اس تمام عمل کے اختتام پر ایک بہترین عمارت تمام لکڑی کے کام اور بجلی کی ضروری تاروں سمیت کھڑی ہوگئی- زندگی کا اتفاق سے وجود میں آنے والا نظریۂ ارتقاءبھی ا وپر بتائی گئی کہانی ہی کی طرح نامعقول اور غیر منطقی ہے- بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے تمام نظاموں، ساخت کی پیچیدگی اور کارکردگی کے حساب سے ایک واحد خلیہ کسی عمارت سے بھی کہیں زیادہ الجھا ہوا، نفیس اور بناوٹ کے اعتبار سے نازک ہے-

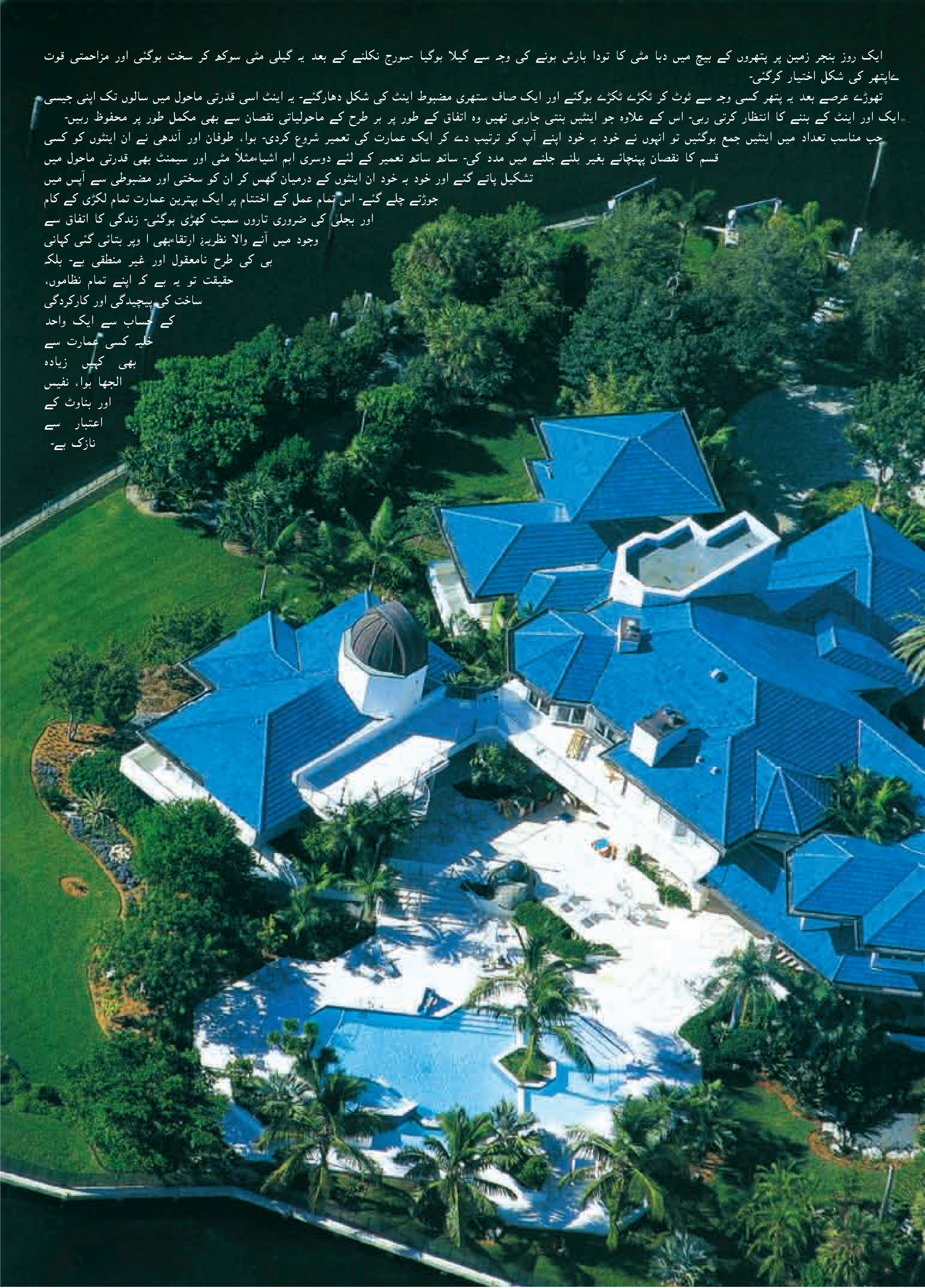

خلئے کی پیچیدگی

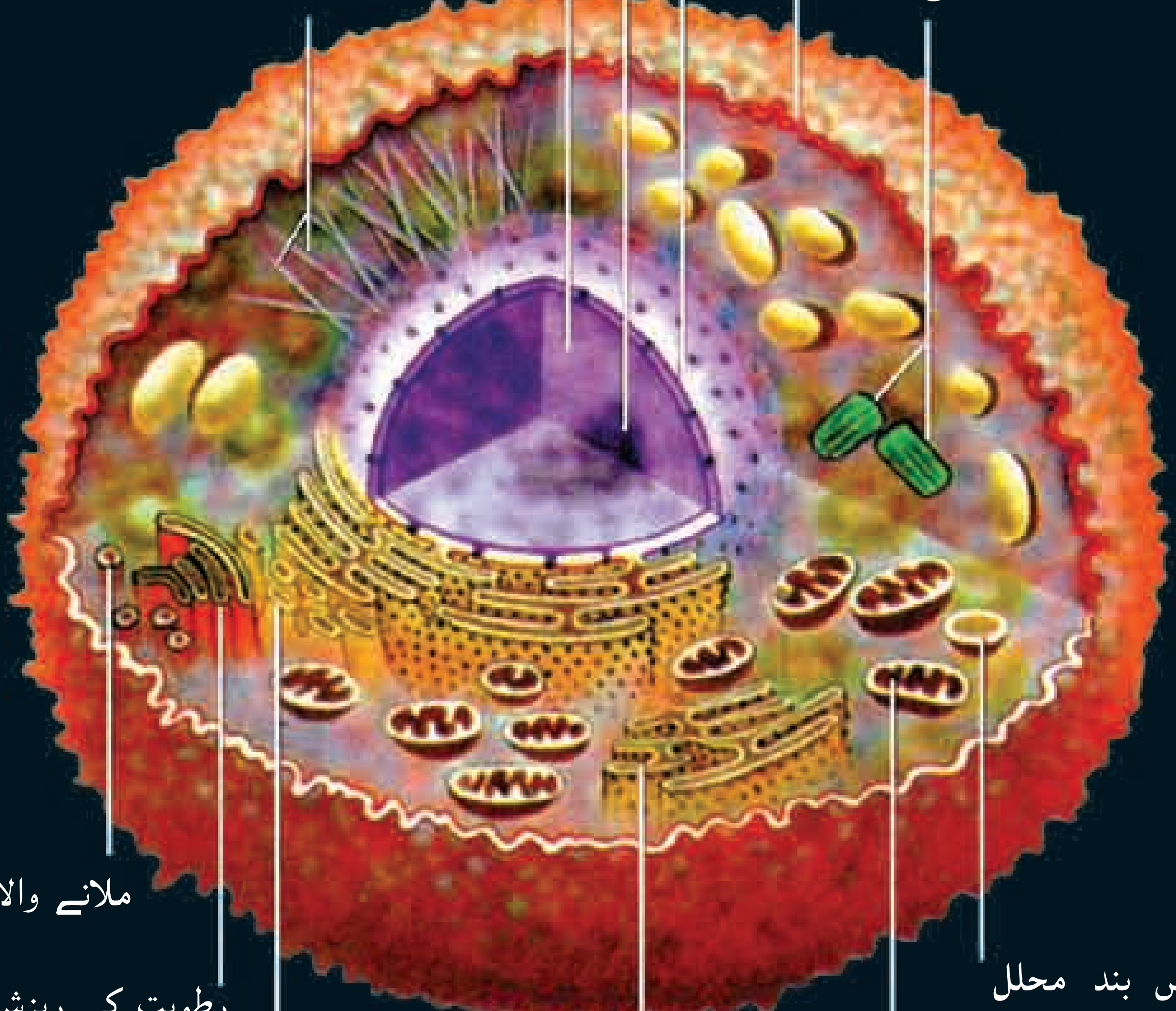

خلیہ انسانی ذہن اور عقل کے سامنے سب سے زیادہ پیچیدہ اور اعلیٰ نظام ہے- حیاتیات کے پروفیسر مائیکل ڈنٹن نے اپنی کتاب "ایوولوشن اے تھیوری ان کرائسس" یا "ارتقائ: ایک پریشان حال نظریہ" میں خلئے کی پیچیدگی کی وضاحت کی ہے:

"سالماتی حیاتیات کے ذریعے سامنے لائی گئی زندگی کی حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے ہمیں ایک خلئے کو ایک ہزار لاکھ سے ضرب دے کر اتنا بڑا کرنا پڑے گا کہ اس کا قطر بیس کلومیٹر ہوکر ایک عظیم ہوائی جہاز کے مشابہ ہوجائے جوکہ لندن اور نیویارک جیسے بڑے شہروں کو بھی ڈھک دے- اس وقت ہمارے سامنے ایک ایسی شے آئے گی جوکہ پیچیدگی اور موافقت کیa صلاحیت کے اعتبار سے بے مثل ہوگی-

خلئے کی سطح پر لاکھوں مہین سوراخ نظر آئیں گے جس طرح کہ ایک بہت بڑے جہاز کے پہلو میں روشن دان ہوتے ہیں- یہ سوراخ مستقل کھلنے اور بند ہونے کے عمل میں ہوتے ہیں تاکہ مختلف اجزاءاس کے اندر اور باہر جاسکیں- اگر ہم ان میں سے کسی سوراخ سے خلئے کے اندر داخل ہوجائیں تو ہم اپنے آپ کو انتہائی ترقی یافتہ اور تکنیکی دنیا میں پائیں گے جس کی پیچیدگی کا تصور بھی محال ہے- یہ ایک حقیقت ہے جو کہ اتفاق کی مکمل ضد ہے- خلئے ساخت اور انتظام کی مہارت انسانی عقل کے ذریعے بنائی گئی کسی بھی چیز سے کہیں زیادہ ممتاز اور اعلیٰ ہےن-

سائنسی مہارت نے زندگی کے اس سب سے چھوٹے ترین پرزے کے اندر جاکر اس کی اصلیت کو جاندار اجسام کی پیچیدہ ترین تنظیم ثابت کردیا ہے۔ آج پوری دنیا کو پتہ ہے کہ خلیوں کے اندر طاقت کے کارخانے لگے ہیں جوکہ خلئے کو کارآمد رکھنے کے لئے مستقل طاقت پیدا کرتے ہیں۔ یہ ان لحمیوں کو پیدا کرنے کا کارخانہ ہیں جو کہ مخصوص حیاتیاتی کیمیائی ردعمل میں عمل انگیز کا کام کرتے ہیں۔خلئے ایک ایسا بینک ہیں جن میں ان تمام انتظامات کے متعلق معلومات داخل ہوتی ہیں جو اس نے جسم میں پیدا کرنے ہیں۔ خلیہ ایک پیچیدہ نقل و حمل کا نظام ہے اور جسم کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں انتضامی اشیاءاور خام مال لے کر جانے کا نہایت اہم کام بھی انجام دیتا ہے۔خلئے کی شکل میں جسم میں نہایت ترقی یافتہ تجربہ گاہیں موجود ہیں جو کہ باہر سے آنے والے خام مال کو توڑنے اور قابل استعمال بنانے والے کارخانے بھی ہیں۔ خلیوں کی مخصوص لحمیاتی جھلی اس کے اندر آنے والے اور باہر جانے والے اجزاءکو قابو میں رکھتی ہے۔ یہ تمام کام خلیوں کے نہایت پیچیدہ نظام کی ہلکی سی جھلک ہے۔

ارتقائی سائنسدان ڈبلیو-ایچ۔ تھارپ کہتا ہے "سب سے سادے خلئے کے اندر بھی ایک ایسا نظام موجود ہے جس کو بنانا تو دور کی بات، انسان نے تصور بھی نہیں کیا ہے۔"۱۰۵

ایک خلئے کی ساخت اس قدر پیچیدہ ہے کہ جدید ترین تکنیکی صلاحیت بھی اس کو بنانے سے قاصر ہے۔ خلیہ بنانے کی ہر کوشش ہمیشہ سے ناکام رہی اور اس لئے سائنسدانوں نے اب ایسی کسی کوشش کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑدیا ہے۔ لےکن نظریۂ ارتقاءکا دعویٰ ہے کہ یہ نظام جس کی نقل انسان اپنی تمام تر عقل، تعلیم اور جدید ترین تکنیکی صلاحیتوں کے باوجود نہیں کرسکا وہ زمین کے قدیم ترین ماحول کے زیر اثر محض اتفاق سے وجود میں آگیا۔ خلئے کے اچانک وجود میں آجانے کی ایک اور مثال ایسی ہے جیسے کہ کتابوں کے طباعت خانے میں دھماکے ہوجانے کی بناءپر ایک بہترین کتاب کا وجود میں آجاناہے۔

انگریز ماہرِ ریاضی اور ہیئت دان سرفریڈ ہائل نے رسالہ "نیچر" کی ۲۱ نومبر ۱۸۹۱ءکی اشاعت میں چھپنے والے ایک انٹرویو میں اسی طرح کا ایک موازنہ کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ خود ایک ارتقاءپسند ہے ہائل کہتا ہے کہ: "اعلیٰ زندگی کی اقسام کا اس طرح اتفاق سے وجود میں آنا اسی طرح کی بات ہے کہ گویا ایک آندھی کا کباڑ خانے سے گزرنے پر اس میں موجود ٹین ٹبار کے ساتھ ایک بوئنگ ۷۴۷ طیارہ وجود میں آجائے۔"۱۰۶

اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ خلیوں کا محض اتفاق کی بناءپر وجود میں آجانا ممکن ہی نہیں۔ خلئے صرف تخلیق کے ذریعے وجود میں آئے ہیں۔ایک اور بنیادی وجہ جس کی بناءپر نظریہ ارتقاءخلیوں کی ابتداءبیان کرنے سے قاصر ہے وہ اس کے اندر موجود "ناقابل تخفیف پیچیدگی" ہے۔ ایک جاندار خلیہ اپنے آپ کو کئی ترکیبی حصوں کے تعاون سے زندہ رکھتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی حصہ ناکارہ ہوجائے تو خلیہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ خلیہ کے پاس کسی انتخابِ طبعی یا جینیاتی بے ترتیبی جیسے غیر شعوری طریقۂ عمل کا انتظار کرنے کا وقت نہیں ہوتا جوکہ اس کو ترقی دینے یا زندہ رہنے میں مدد دے سکے۔ اسی لئے زمین پر پہلا خلیہ بے شک اور لازماً ایک مکمل خلیہ تھا جس کے اندر تمام ترکیبی نظام اور کارگزاری کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس لئے خلیہ صرف تخلیق ہی کیا جاسکتا ہی، اتفاقاً نہیں بن سکتا۔

ارتقاءپسندوں کے اعترافات

نظریۂ ارتقاءکو سب سے زیادہ پریشانی زندگی کی ابتداءکو بیان کرنے میں پیش آتی ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ مربوط سالمے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ان کی تشکیل کو محض اتفاق کہہ دینا ممکن ہی نہیں- اسی طرح مربوط خلئے کا بھی اتفاق اور حادثے کی بدولت وجود میں آجانا قطعی ناممکن ہے-ارتقاءپسندوں کو زندگی کی ابتداءسے متعلق سوالوں کا سامنا ۰۲ ویں دی کی دوسری چوتھائی میں ہوا- روسی ارتقاءپسند ایلکسنرانڈر اوپارن سالمی ارتقاءکا ایک سربرآوردہ سائنسدان ہے- اس نے اپنی ۶۳۹۱ءمیں چھپنے والی کتاب "دااوریجن آف لائف" یا "زندگی کی ابتدائ" میں لکھا ہے:

"بدقسمتی سے خلئے کی ابتداءایک ایسا سوال ہے جوکہ بلاشبہ پورے نظریۂ ارتقاءکا تاریک ترین پہلو ہے-"۱

اوپارن کے بعد بھی کئی ارتقاءپسندوں‌نے لاتعداد تجربوں، ہر نوعیت کی تحقیق اور مشاہدوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ خلیہ اتفاق سے وجود میں آیا ہے- لیکن ان کی ہر کوشش صرف اسکے برعکس خلئے کی انتہائی پیچیدہ ساخت کومزید واضح کرتی چلی گئی اور انکے ہر دعوے کی تردید مضبوط تر ہوتی گئی- یونیورسٹی آف جوہانس، گوٹنبرگ میں حیاتیاتی کیمیاءکے انسٹیٹیوٹ کا سربراہ پروفیسر کلاس دوس کہتا ہے:

"کیمیائی اور خردنامیاتی ارتقاءکے شعبوں کے ذریعے زندگی کی ابتداءکے بارے میں ۰۳ سے زائد سال کی تحقیق زمین پر زندگی کی ابتداءکے مسئلے کو حل کرنے کے بجائے اس کو مزید الجھاتی چلی گئی ہے- آج اس موضوع پر تمام بنیادی نظریئے اور تحقیقات یاتو اس سوال کو تعطل میں ڈال دیتے ہیں یا پھر بے علمی کے اعتراف پر ختم ہوتے ہیں-"۲

سان ڈیگو کے اسکرپس انسٹیٹیوٹ کے ارضیاتی کیمیا دان جفری بادا اس تعطل کے متعلق ارتقاءپسندوں کی بے چارگی میں کہتا ہے:

"آج بیسویں صدی کو چھوڑتے ہوئے ہمارے سامنے وہی عظیم غیر حل شدہ سوال موجود ہے جوکہ بیسویں صدی میں داخل ہونے پر تھا- "زمین پر زندگی کی ابتداءکس طرح ہوئی؟"۳

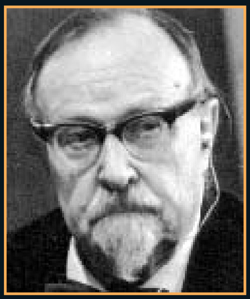

ایلکسزانڈراوپارن
"خلیہ کی ابتداءابھی تک ایک سوال ہے-"

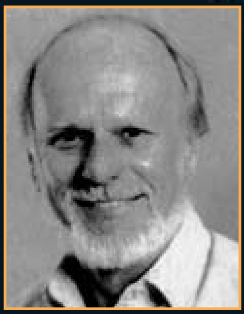

جفری بادا
"سب سے بڑا غیر حل شدہ مسئلہ: "زمین پر زندگی کی ابتداءکیسے ہوئی؟"

1 Alexander I. Oparin, Origin of Life, (1936) NewYork: Dover Publications, 1953 (Re print), p..196
2 Klaus Dose, «The Origin of Life: More Questions Than Answers», Interdisciplinary Science Rewievs, Vol 13, No. 4 1988, p. 348
3 Jeffrey Bada, Earth, February ,1998 p. 40
4 Nicholas Wade, "Life's Origins Get Murkier and Messier", The New York Times, June 13, 2000, p. D1-D2

لحمیات اتفاق کو للکارتے ہیں

خلیہ تو دور کی بات ہے نظریۂ ارتقاءتو خلیہ کے تعمیراتی اجزاءکو بیان کرنے میں بھی ناکام ہے- قدرتی ماحول کے زیرِاثر خلئے کے کئی ہزار تعمیراتی لحمی سالموں میں سے کسی ایک لحمیہ کے وجودمےں آنے کا جواب دینا بھی ناممکن ہے- لحمیات بہت بڑے سالمی وجود ہوتے ہیں جوکہ "امینوترشے" نامی مزید چھوٹے ارکان کا مرکب ہوتے ہیں جوکہ مخصوص سلسوں اور مخصوص تعداد اور ساخت کے حساب سے خلئے کے اندر ترتیب وار موجود ہوتے ہیں- "امینو ترشوں" کے یہ ارکان جاندار لحمیوں کے تعمیراتی اجزاءہوتے ہیں- سب سے سادہ لحمیہ بھی ۵۰ امینو ترشوں کا مرکب ہوتا ہے جبکہ کئی لحمیوں کے اندر ہزاروں کی تعداد میں امینو ترشے موجود ہوتے ہیں- یہاں پر ضروری نقطہ یہ ہے کہ کسی بھی لحمیہ کی ساخت میں ایک بھی امینو ترشے کی غیر موجودگی، اضافہ یا بے دخلی اس لحمیہ کو ایک بے کار سالمیاتی ڈھیر میں تبدیل کردیتا ہے- نظریۂ ارتقاءجس کے دعوے کے مطابق زندگی محض اتفاق ہے وہ اس ترتیب کی حقیقت کے سامنے بے بس ہے کیونکہ ےہ بے ترتیبی کسی اتفاقیہ واقعہ کے ذریعے بیان نہیں کی جاسکتی- (اس کے علاوہ یہ نظریہ لحمیات کی اتفاقی ابتداءکو بھی بیان نہیں کرسکتا جیسے کہ آگے بتایا جائے گا)

حقیقت تو یہ ہے کہ لحمیات کی عملی ساخت کا اتفاق سے وجود میں آنا ایک سراسر ناممکن بات ہے - اس کا ثبوت ایک سادہ سے حساب شمار کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جس کو کوئی بھی با آسانی سمجھ سکتا ہے- مثال کے طور پر ایک ۲۸۸ امینوترشوں پر مبنی عام سالمی لحمیہ کی ۱۲ مختلف امینو ترشوں کو ۱۰۳۰۰ مختلف طریقوں سے ترتیب دی جاسکتی ہے- (یہ ایک بے انتہا بڑی تعداد ہے جس میں ۱ کے ہندسے کے بعد ۳۰۰ صفر لگتے ہیں) یہ تمام ممکنہ ترتیبیں صرف ایک ہی مطلوبہ سالمی لحمیہ بناسکتی ہیں- باقی ساری امینوں ترشوں کی زنجیریں یا تو مکمل طور پر ناکارہ ہو گیں یا پھر جانداروں کے لئے مضر -

دوسرے الفاظ میں صرف ایک سالمی لحمیہ کے بننے کا امکان ۱۰۳۰۰ میں ۱ ہے- اس ۱ کے واقع ہونے کا امکان تقریباً صفر ہے- (عملی طور پر اےسے کم امکانات جوکہ ۱۰۵۰ سے زیادہ ہوتے ہیں ان کو صفر امکان ہی سمجھا جاتا ہے) اس کے علاوہ وہ سالمیاتی لحمیہ جو کہ ۲۸۸ امینو ترشوں کا مرکب ہوتا ہے ایک کافی پر تکلف صورتحال ہے کیونکہ کچھ بہت بڑے سالماتی لحمیات کے اندر ہزاروں کی مقدار میں امینو ترشے موجود ہوتے ہیں- اگر ان زخیم سالمیاتی لحمیوںکے اوپر یہی حساب شمار کرکے اصول لاگو کئے جائیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ صورتحال کو بیان کرنے کے لئے لفظ "ناممکن" نہایت غیر موزوں ہے- اگر ارتقائی زندگی کے لائحہ عمل میں ایک اور قدم آگے بڑھایا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ ایک واحد لحمیاتی جز کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے-

سب سے چھوٹا دریافت ہونے والا جراثیم مائکروپلازمہ ہومینس H۳۹ میں اور اس کے اندر ۶۰۰ مختلف طرح کے لحمیات موجود ہیں- اس صورتحال میں حساب و شمار کے اوپر بتائے گئے تمام اصولوں کو ہر لحمیات کے لئے دہرانا پڑے گا- اس کا نتیجہ لفظ 'ناممکن 'کے تمام عمومی تصورات کو شرمسار کردیتا ہے- ان تمام باتوں کو پڑھنے والے کچھ لوگ جنہوں نے نظریہ ارتقاءکو ایک سائنسی نظریہ کے طور پر قبول کرلیا ہے وہ شاید شک کریں کہ یہ تمام حسا ب و شمار کے اصول بڑھاچڑھاکر لکھے گئے ہیں اور سچائی کی صحیح عکاسی نہیں کرتے- لیکن اس حقیقت کو کوئی ارتقاءپسند بھی جھٹلانہیں سکتا- وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ کسی واحد سالمیاتی لحمئے کا حادثاتاً وجود میں آنے کا امکان اتنا ہی ناممکن ہے کہ جتنا ایک بندر کا ٹائپ رائٹر استعمال کرتے ہوئے بغیر کوئی غلطی کئے انسانی تاریخ کا لکھناہے-۱۰۷ لیکن چونکہ دوسری صورتحال تخلیق کا اعتراف ہے جس سے ےہ لوگ مکمل طور پر منکر ہےں اسی لئے ےہ لوگ اندھادھند اس ناممکنہ صورتحال کی حمایت کئے چلے جاتے ہیں-

پھر بھی اس صورتحال کی سچائی کو کئی ارتقاءپسند مانتے بھی ہیں- مثال کے طور پر ایک نامور ارتقائی سائنسدان ہیرلڈاے‌ف- بلوم کہتا ہے '**کسی دس سے زائد امائنی ترشوں سے بننے والے مخلوطے کا بے ساختہ وجود میں آنا ممکنات کی ہر حدود سے باہر ہے**'- (۱۰۸)ارتقاءپسندوں کا دعویٰ ہے کہ سالمےاتی ارتقاءبہت لمبے عرصے پر محےط دورانئے میں پیش آیا اور اسی لئے ناممکن ممکن بن گیا- لیکن چاہے جتنے بھی عرصے کے دوران ارتقاءکا نام نہاد عمل وجود میں آیا ہو یہ پھر بھی امینو ترشوں کے لحمیات بننے کے لئے اتفاقی ذریعہ نہیں ہوسکتا- امریکی ماہرِ ارضیات ولیم اسٹوکس نے اپنی کتاب "اسنشلز آف ارتھ ہسٹری" میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> "ایسا ہونے کے امکان اس قدر کم ہیں کہ یہ کروڑوں سالوں کے دوران ان کروڑوں سیاروں پر بھی نہیں ہوسکتا چاہے ان تمام سیاروں کو اےسے پانی کی چادر سے ڈھک دیا جائے جس کے اندر تمام ضروری امینو ترشے موجود ہوں-"۱۰۹

پھر ان تمام باتوں کا کیا مطلب ہوا؟ کیمیا کے پروفیسر ہیری ریوواس سوال کا جواب دیتا ہے:

> "اگر کوئی ان تمام وسیع ممکنہ مرکبات کا جائزہ لے جو کہ ایک قدیم سوکھتے ہوئے تالاب میں سادہ سے بے ترتیب امینو ترشوں کی یکجائی سے وجود میں آسکتے ہیں تو ذہن اس بات کو ماننے سے انکار کردیتا کہ زندگی کی ابتداءاس طرح ہوسکتی ہے- یہ صورتحال زیادہ قابل فہم ہے کہ ایک عظیم ٹھیکیدار نے ایک بہترین نقشے کے ذریعے اس کام کو انجام دیا ہے-"۱۱۰

اگر ایک بھی لحمیہ کا اتفاقاً وجود میں آنا ہی ناممکن ہے تو پھر یہ کروڑہا بار اور بھی ناممکن ہے کہ ایک لاکھ کے قریب یہ لحمیات نہ صرف وجود میں آئیں بلکہ اتفاقاً مکمل ترتیب کے ساتھ ایک خلئے کی شکل دھارلیں-لحمیات کے علاوہ خلئے کے اندر نیوکلیائی ترشے، پانی میں حل نہیں ہونے والے نامیاتی مرکبات، حیاتین اور کئی دوسرے کیمیا مثلاً پگھلانے اور حل کرنے پر برقی توانائی ترسیل کرنے والا مادہ ساخت اور کارگزاری کی حیثیت سے ایک واضح تناسب، توازن اور نقشہ کی شکل میں ترتیب

کردیا- صرف چند حالات میں ٹوٹے پھوٹے اجزاءسے ان جراثیم نے استعمال کے لائق چپ دست امینو ترشے تشکیل کرلئے-

ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیتے ہیں کہ زندگی ارتقاءپسندوں کے دعوے کے مطابق اتفاق کا نتیجہ ہے- اس صورتحال میں چپ دست اور سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے جو کہ اتفاقاً وجود میں آئے ہیں وہ بھی قدرت میں تقریباً برابر تناسب میں موجود ہونے چاہیئں- اس لئے تمام جانداروں کے اندر چپ دست اور سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے موجود ہونا چاہئیں کیونکہ ارتقاءکے حساب سے دونوں طرح کے امینو ترشوں کا کیمیائی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ مل جانا ممکن ہے-

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل دنیا میں تمام جاندار اجسام کے اندر موجود لحمیات صرف چپ دست امینو ترشوں سے بنے ہوئے ہیں- اب سوال یہ ہے کہ لحمیات سارے امینو ترشوں میں سے صرف چپ دست امینو ترشوں کا ہی انتخاب کیوں کرتے ہیں اور ایک بھی سیدھے ہاتھ والا امینو ترشہ زندگی کے عمل میں شامل کیوں نہیں ہوتا؟ یہ ایک ایسی پریشانی ہے جس کا حل ارتقاءپسند آج تک تلاش کررہے ہیں- اتنا مخصوص اور باشعور انتخاب نظریۂ ارتقاءکے لئے ایک اور بہت بڑا تعطل ہے کیونکہ لحمیات کی یہ صفت ارتقاءپسندوں کے "اتفاق" سے متعلق مسئلے کو اور پیچیدہ بنادیتی ہے- کسی پر معنی لحمیہ کی تشکیل کے لئے اس کے اندر امینو ترشوں کا مخصوص اعداد اور سلسلے میں ہی موجود ہونا ہی کافی نہیں اور نہ ہی اس کا سہ ابعادی شکل میں ہونا کافی ہے بلکہ اس کے علاوہ ان تمام امینو ترشوں کا چپ دست ہونا بھی لازم ہے- ان میں سے ایک امینو ترشہ بھی سیدھے ہاتھ والا نہیں ہوسکتا- لیکن ایسا کوئی قدرتی انتخابی نظام موجود نہیں ہے جو کہ اس بات کی نشاندہی کرسکے کہ غلطی سے سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے کا شمار سلسلے میں ہوگیا ہے اور اب اس کو امینو ترشوں کے سلسلے یا زنجیر سے نکالنا ضروری ہے- یہ صورتحال ہمیشہ کے لئے اتفاق اور حادثے کے امکان کو زائل کردیتی ہے-

بریٹانیکا سائنس انسائکلوپیڈیا ارتقاءکی منہ پھٹ حمایتی ہے اور اس کا بیان ہے کہ زمین پر رہنے والے تمام جانداروں کے امینو ترشے اور لحمیات کے تعمیراتی اجزاءکے اندر ایک ہی طرح کی ناموزونیت موجود ہے- مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اس طرح ہے کہ جس طرح کسی سکے کو ایک لاکھ دفعہ اچھالا جائے اور ہر دفعہ سر ہی آئے- اسی انسائکلوپیڈیا کے مطابق یہ سمجھنا بہت ہی ناممکن ہے کہ سالمیا کس طرح چپ دست اور سیدھے ہاتھ والے بن جاتے ہیں اور اس انتخاب کا زمین پر زندگی کی ابتداءسے حیرت انگیز طور پر تعلق بھی ہے-۴۱۱

اگر ایک سکہ ہمیشہ ہی سر کے بل گرے تو کیا اس کو اتفاق قراردینا زیادہ منطقی بات ہے یا پھر اس بات کو مان لینا زیادہ عقلمندی کی علامت ہے کہ اس تمام معاملے میں ایک شعوری عمل و دخل موجود ہے؟جواب بہت واضح ہونا چاہئے- لیکن جواب چاہے جتنا بھی واضح کیوں نہ ہو ارتقاءپسند پھر بھی اتفاق کی چادر میں منہ چھپانا زیادہ پسند کرتے ہیں صرف اس لئے کیونکہ وہ منطقی عمل و دخل کی موجودگی کا اقرار کرنا ہی نہیں چاہتے-

امینو ترشوں کی چپ دستی سے ملتی جلتی صورتحال نیوکلیوٹائڈ یا فاسفوری گروپ سے منسلک نیوکلیو سائڈ پر مشتمل ایک نامیاتی مرکب کے متعلق بھی موجود ہے -نیوکلیوٹائڈ *DNA* اور *RNA* یا کروموسومی جز کا سب سے چھوٹا جز ہوتا ہے- لحمیات کے مقابلے میں، جس میں صرف چپ دست امینو ترشوں کا ہی انتخاب ہوتا ہے، نیوکلیوئڈ کے لئے پسندیدہ اجزاءہمیشہ سیدھے ہاتھ والے ہوتے ہیں- یہ ایک اور ایسی حقیقت ہے جس کو اتفاق کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا- خلاصے کے طور پر یہ کہ کسی بھی شک و شبہ کے بغیر تمام ممکنات کے ذریعے ثابت کیا جاچکا ہے کہ زندگی کی ابتداءکو اتفاق کہہ کر بیان نہیں کیا جاسکتا- اگر حساب و شمار کے ذریعے ایک عام ناپ کے ۰۰۴ امینو ترشوں پر مشتمل عام ناپ کے لحمیہ کا صرف ایک چپ دست امینو ترشوں سے انتخاب کا امکان کا اندازہ لگایا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ امکان ۰۰۴۲ میں سے ۱ یا ۰۲۱ ۰۱ میں ۱ ہے- موازنے کے طور پر یا درکھنا ضروری ہے کہ پوری کائنات میں الیکٹروں یا منفی بار کے حامل مستقل ابتدائی ذروں کی تعداد اندازاً ۹۷۰۱ ہے جو کہ کافی بڑا ہندسہ ہے مگر پھر بھی اتنا بڑا نہیں- ان امینو ترشوں کا قابلِ ضرورت سلسلہ اور عملی شکل اختیار کرنے کا امکان اس سے بھی بڑے ہندسوں کی شکل میں ہوگا- اگر ان تمام امکانات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملادیا جائے او اگر اس سے بھی زیادہ بڑے ہندسوں اور لحمیات کی مختلف اشکال کے امکانات کے اوپر کام کیا جائے تو اس حساب شمار کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا-

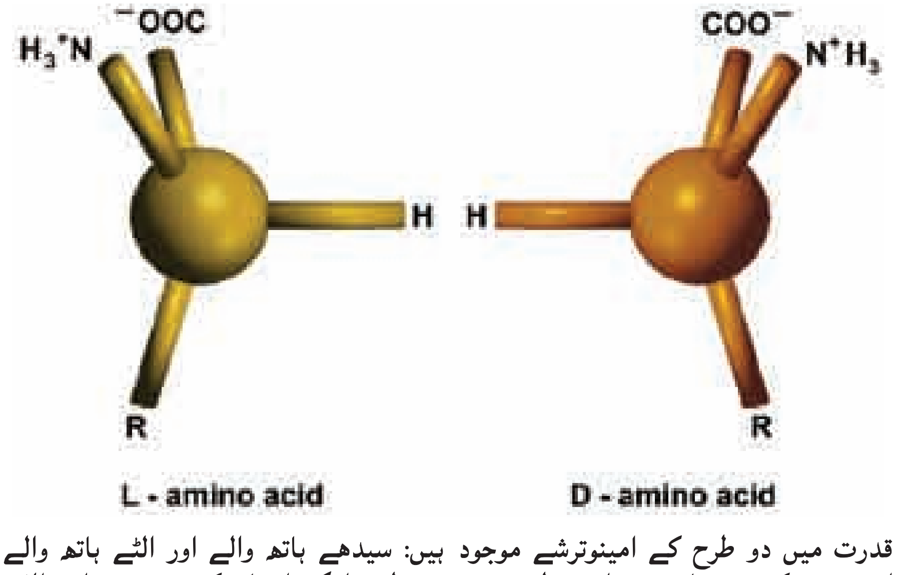

قدرت میں دو طرح کے امینوترشے موجود ہیں: سیدھے ہاتھ والے اور الٹے ہاتھ والے ان دونوں کے درمیان فرق اسی طرح ہے جس طرح ایک انسان کے سیدھے اور الٹے ہاتھ میں ہوتا ہے یعنی کہ دونوں میں اصل اور عکس کی طرح باہمی توافق اور ہم آہنگی ہوتی ہے-

صحیح تعلق لازمی ہے

نظریۂ ارتقاءکو ایک واحد لحمیہ کی تشکیل سے متعلق جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ صرف اب تک بتائے

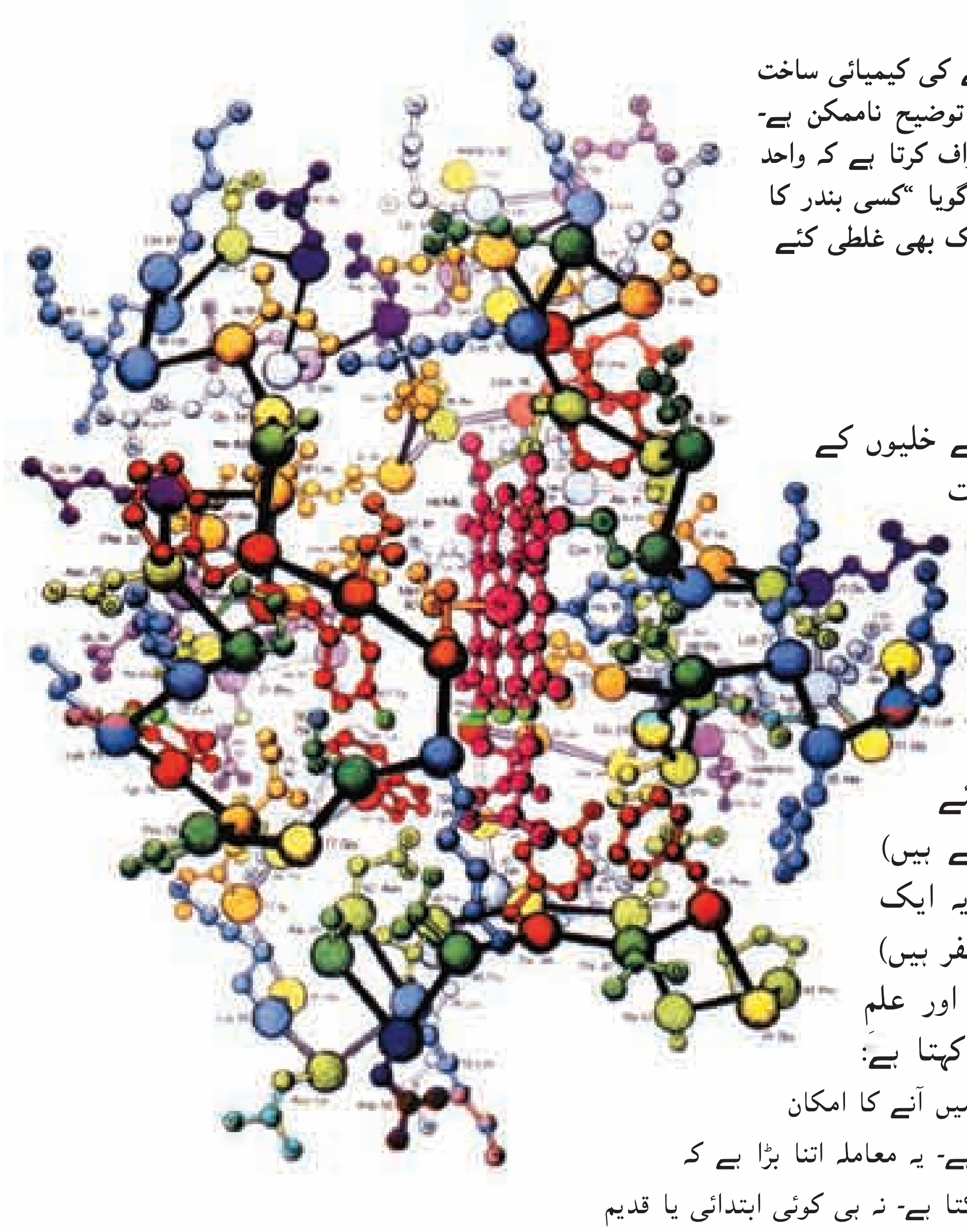

(Left)الٹے ہاتھ پر موجود سائٹو کروم- سی کے ایک بھی لحمئے کی کیمیائی ساخت اسقدر پیچیدہ ہے کہ اس کی کسی بھی اتفاق کے ذریعے توضیح ناممکن ہے- ترکی کا ارتقاءپسند حیاتیات کا پروفیسر علی ڈیمرسوئے اعتراف کرتا ہے کہ واحد سائٹوکروم- سی سلسلے کی اتفاقی تشکیل بھی اس طرح ہے گویا "کسی بندر کا ٹائپرائٹر استعمال کرتے ہوئے انسانیت کی پوری تاریخ بغیر ایک بھی غلطی کئے لکھنا-"

دئے ہوئے ہوتے ہیں- ان میں سے ہر جز کئی طرح کے خلیوں کے ترکیبی حصوں میں تعمیراتی ٹکڑوں یا ذیلی سالمیات کا کام انجام دیتے ہیں-

رابرٹ شاپیرو نیویارک یونیورسٹی میں کیمیا کا پروفیسر اور *DNA* کا ماہر ہے- شاپیرو نے ایک جراثیم کے اندر موجود ۲۰۰ مختلف لحمیات کا ریاضی کے عمل کے ذریعے حادثتاً وجود میں آنے کی ممکنات کا اندازہ لگایا- (ایک انسانی خلئے میں ۲۰۰,۰۰۰مختلف طرح کے لحمیات موجود ہوتے ہیں) شاپےرو کا نتیجہ ۱۰۴۰۰۰ کے اوپر ۱ تھا -۱۱۱ (یہ ایک ناقابلِ یقین ہندسہ ہے جس میں۱ کے بعد ۴۰,۰۰۰ صفر ہیں) ویلنر کے یونیورسٹی کالج کارڈف کا عملی ریاضی اور علمِ ہیئت کا پروفیسر چندراوکراماسنگھے اس بارے میں کہتا ہے:

"غیر جاندار مادے سے اضطراری طور پر زندگی کے وجود میں آنے کا امکان کسی عدد کے آگے ۴۰,۰۰۰ صفر لگانے کے بعد ۱ ہے- یہ معاملہ اتنا بڑا ہے کہ ڈارون اور اس کا تمام نظریۂ ارتقاءاس میں دفنایا جاسکتا ہے- نہ ہی کوئی ابتدائی یا قدیم سیال اس سیارے یا کسی بھی اور سیارے پر موجود تھا- اسی لئے اگر زندگی کی ابتداءبے ترتیب نہیں تھی تو یہ لازماً ایک عقلمند اور سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ ہے-"۲۱۱

سرفریڈ ہائل بھی ان حیران کن اعداد پر رائے زنی کرتا ہے:

"لازماً یہ نظریہ (کہ زندگی عقلمندی کا نتیجہ ہے) اس قدر واضح ہے کہ دماغ سوچ و بچار پر مجبور ہو جاتا ہے-اگر اس نظریئے کو ایک ایسی حقیقت کے طور پر نہیں قبول کیا گیا جو کہ اپنے آپ کو خود منوالیتی ہے تواس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سائنسی سے زیادہ نفسیاتی ہے-"۳۱۱

ہائل کا لفظ ' نفسیاتی' استعمال کرنے کی وجہ ارتقاءپسندوں کا تحت الشعوری جذباتی رکاوٹ کے باعث اس حقیقت کی نفی کرنا ہے کہ زندگی تخلیق کا نتیجہ ہے- اللہ تعالیٰ کی ذات کو مسترد کرنا ان کا بنیادی مقصد ہے- صرف اسی واحد وجہ کے لئے وہ ان تمام غیر منطقی نظریوں کی حمایت کرتے چلے جاتے ہیں جن کے ناممکن ہونے کا ان کو بھی بخوبی اندازہ ہے-

چپ دست لحمیات

اب اس بات کا تفصیلی معائنہ کرتے ہیں کہ لحمیات کی تشکیل کا ارتقائی منظر نامہ ناممکن کیوں ہے- امینو ترشوں کی بالکل مکمل اور درست ترتیب بھی ایک عملی طور پر درست سالمیاتی لحمیہ کی تشکیل کے لئے کافی نہیں ہے- ان تمام ضروریات کے پورا ہونے کے علاوہ لحمیات کی تشکیل کے لئے جن ۲۰ مختلف طرح کے امینو ترشوں کا ہونا ضروری ہے ان کا چپ دست ہونا بھی لازم ہے- تمام عضوی سالمیات کی طرح امینو ترشے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں چپ دست یا الٹے ہاتھ والے یا سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے- ان کے درمیان فرق کسی انسان کے سیدھے اور الٹے ہاتھ کے درمیان سہ ابعادی ساخت میں اصل اور عکس کا باہمی توافق کی طرح ہے جس سے یہ دو طرح کے امینو ترشے آسانی سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاتے ہیں- لیکن تحقیق کے ذریعے لحمیات کی ایک حیرت انگیز صفت سامنے آئی ہے اور وہ یہ کہ اس سےارے کے تمام حےوانی اور نباتاتی لحمےات،سب سے سادہ جاندار سے لے کرسب سے پیچیدہ ساخت والے جانداروں تک ،چپ دست امینو ترشوں سے بنے ہوئے ہیں- اگر ایک بھی سیدھے ہاتھ والاامینو ترشہ کسی لحمیہ کی ساخت سے جڑ جائے تو وہ لحمیہ ناکارہ ہوجاتا ہے- کئی سلسلہ و ار تجربوں سے حیرت انگیز طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ جراثیم جو کہ سیدھے ہاتھ والے امینو ترشوں کے ساتھ جوڑے گئے تھے انہوں نے امینو ترشوں کو بلاک

تجرباتی طریقے سے وجود میں آنے کے لئے ناکافی ہے- خون کے اےک سرخ خلئے کابھی اس طرح وجود میں آنا ایک بے انتہا ناممکن سوچ ہے- اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ امینو ترشوںکی آپس میں جوڑ توڑ کرۂ ارض کے وجود میں آنے کے بعد وقت ضائع کئے بغیر آزمائشی تجرباتی طریقے سے وجود میں آئی ہے تو جتنا وقت ایک واحد سالمےاتی لحمیہ کو بننے میں درکار ہوتا ہے، جس کا امکان ۰۵۹۰۱ ہے ، وہ کرۂ ارض کی اندازاً عمر سے تصور سے بھی بڑھ کر زیادہ ہے- خلاصہ کے طور پر یہ کہ ایک واحد لحمیہ کے وجود میں آنے کے معاملے میں بھی نظریۂ ارتقاءشدید قسم کی ناممکنات کا شکار ہوکر رہ گیا ہے-

کیا قدرت میں آزمائشی تجربے کا نظام موجود ہے؟

بالآخر اختتام ممکنات کے حساب و شمار کی بنیادی منطق سے متعلق ایک اہم نقطے سے کیا جاتا ہے جس کی اور بھی مثالیں پیش کی جاچکی ہیں- اس بات کو واضح کیا جاچکا ہے کہ اب تک کئے گئے حساب و شمار کی ممکنات نہایت بسیط و عظیم نوعیت کی ہیں اور اس کا اصلیت میں ظاہر ہونے کے کوئی امکان نہیں ہے- لیکن یہاں پر ارتقاءپسندوں کو مزید اہم اور تباہ کن حقائق کا سامنا کرنا پڑرہا ہے اور وہ یہ کہ قدرتی ماحول کے اندر کسی بھی طرح کے آزمائشی تجربات کا بسیط و عظیم خلافِ معمول امکان کے باوجود شروع ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہےں ہوتا کیونکہ قدرت میں کسی طرح کا آزمائشی تجربے کا نظام موجود ہی نہیں جس کے ذریعے لحمیات وجود میں آسکیں-

اوپر دئے گئے ۰۰۵ امینو ترشوں پر مبنی لحمیہ کے وجود میں آنے کے لئے امکان کا حساب و شمار صرف ایک جائز آزمائشی تجرباتی ماحول پر لاگو ہوتا ہے جس کا حقیقی زندگی میں کوئی گزر نہیں- وہ یہ کہ ایک کارآمد لحمیہ حاصل کرنے کا امکان ۰۵۹۰۱ میں ۱ صرف اس وقت ہو گا جس وقت ایک ایسا خیالی نظام بھی وجود میں ہو جس میں ایک نادیدہ ہاتھ ۰۰۵ امینو ترشوں کو بے قاعدہ طور پر جوڑدے اور پھر یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ یکجائی درست نہیں ہے ان کو دوبارہ ایک ایک کرکے الگ کرتا جائے اور پھر نئے سرے سے ان کی مختلف ترتیب دیتا جائے اور یہ سلسلہ وہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک کہ اس کو مطلوبہ سلسلہ حاصل نہ ہوجائے- ہر نئے آزمائشی تجربے میں امینو ترشوں کو ایک ایک کرکے الگ کرنا پڑے گا اور بالکل نئی شکل میں ترتیب دیناہوگا- یہ پیوند کاری ۰۰۵ نمبر کے امینو ترشے کے شامل ہونے کے بعد رک جانی چاہئے اور پھر اس بات کا یقین لگانا چاہئے کہ اس تجربے میں ایک بھی زائد امینو ترشہ استعمال نہیں ہوا ہے-اب اس تجربے کو روک کر اس بات کا تجزیہ لگانا چاہئے

$$10^{950} =$$

100.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000000.00
0.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.
000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000
.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000
.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000
.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.00
0.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000
.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000
.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.0
00.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000.000

امینو ترشوں پر مشتمل ایک عام لحمیہ کے سالمے کا درست مقدار اور سلسلے میں تشکیل ہونا اور اس کے اندر تمام امینو ترشوں کا صرف الٹے ہاتھ والے ترشے بھی ہونا اور درست والے جوڑ یعنی پیپٹائڈ جوڑ سے جڑے ہونے کا امکان ۰۵۹۰۱ میں ۱ ہے- یہ ہندسہ ۱ کے بعد ۰۵۹ صفر لگانے سے حاصل ہوتا ہے یعنی.

گئی مشکلات ہی نہیں ہیں- امینو ترشوںکا صرف درست تعداد، سلسلوں اور لازمی سہ ابعادی ساخت میں ترتیب وار موجود ہونا ہی کافی نہیں ہے- لحمیات کی تشکیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ امینو ترشوں کے سالمیات جو کہ ایک سے زائد بازو پر مشتمل ہوتے ہیں وہ ا ےک دوسرے کے ساتھ مخصوص طریقوں سے جڑے ہوئے ہوں- ایسے جوڑ کو 'پےپٹائڈ بونڈ' کہتے ہیں- امینو ترشے ایک دوسرے کے ساتھ مختلف جوڑ بناسکتے ہیں لیکن لحمیات صرف اور صرف ان امینو ترشوں سے بن سکتے ہیں جوکہ 'پےپٹائڈ بونڈ' کے جوڑ کے ذریعے جڑے ہوتے ہوں-

ایک موازنہ اس نقطہ کی وضاحت کرسکتا ہے- فرض کریں کہ موٹر کار کے تمام حصے مکمل اور درست طریقے سے تشکیل دیئے گئے ہوں سوائے اس کے کہ ایک پہیہ صرف تار کے ایک ٹکڑے سے جڑا ہوا ہو-

ایسی گاڑی کے لئے باوجود اس کی تکنیکی مہارت اور انجن کے طاقتور ہونے کے ذرا سا فاصلہ بھی طے کرنا ناممکن ہے- پہلی نظر میں تو یوں لگے گا جیسے ہرچیز اپنی جگہ پر مکمل ہے لیکن اس ایک پہئے کے غلط جوڑے جانے کی وجہ سے پوری گاڑی ناکارہ ہوجاتی ہے- اسی طرح سے کسی سالمیاتی لحمیہ میں ایک بھی امینو ترشے کا دوسرے سے پےپٹائڈ بونڈ کے علاوہ کسی اور جوڑ کے ذریعے جوڑے جانے سے پورا سالمیہ ناکارہ ہوجاتا ہے- تحقیق کے ذریعے ثابت ہوا ہے کہ پےپٹائڈبونڈ سے امےنو ترشے صرف ۵۰ فےصد دفعہ ہی بے ترتیبی سے جڑتے ہےں- با دفعہ لحمےات مےں غےر موجود مختلف جوڑوں کا وجودم آنا دےکھا گےاہے-احسن کارکردگی کے لئے لازم ہے کہ امےنو ترشہ جو کہ لحمےات مےں موجود ہے وہ دوسرے ساتھ صرف پےپٹائڈ بونڈکے ذریعے ہی جڑا جائے- بال اسی طرح جس طرح اس کا صرف چپ دست ہونا بھی لا ہےصرف پےپٹائڈ بونڈ سے ہی اس کے جوڑے جانے کا امکا اتنا ہی زیادہ ہے جتنا کہ ہر امینو ترشے کا چپ دست ہو کا امکان- اگر کسی ایسے لحمیہ کی مثال لی جائے جس م ۴۰۰ امینو ترشے موجود ہیں تو ان تمام امینو ترشوں کا آپ میں صرف پیٹیائڈ بونڈ کے ذریعے جڑنے کا امکان ۲۳ میں ایک ہے-

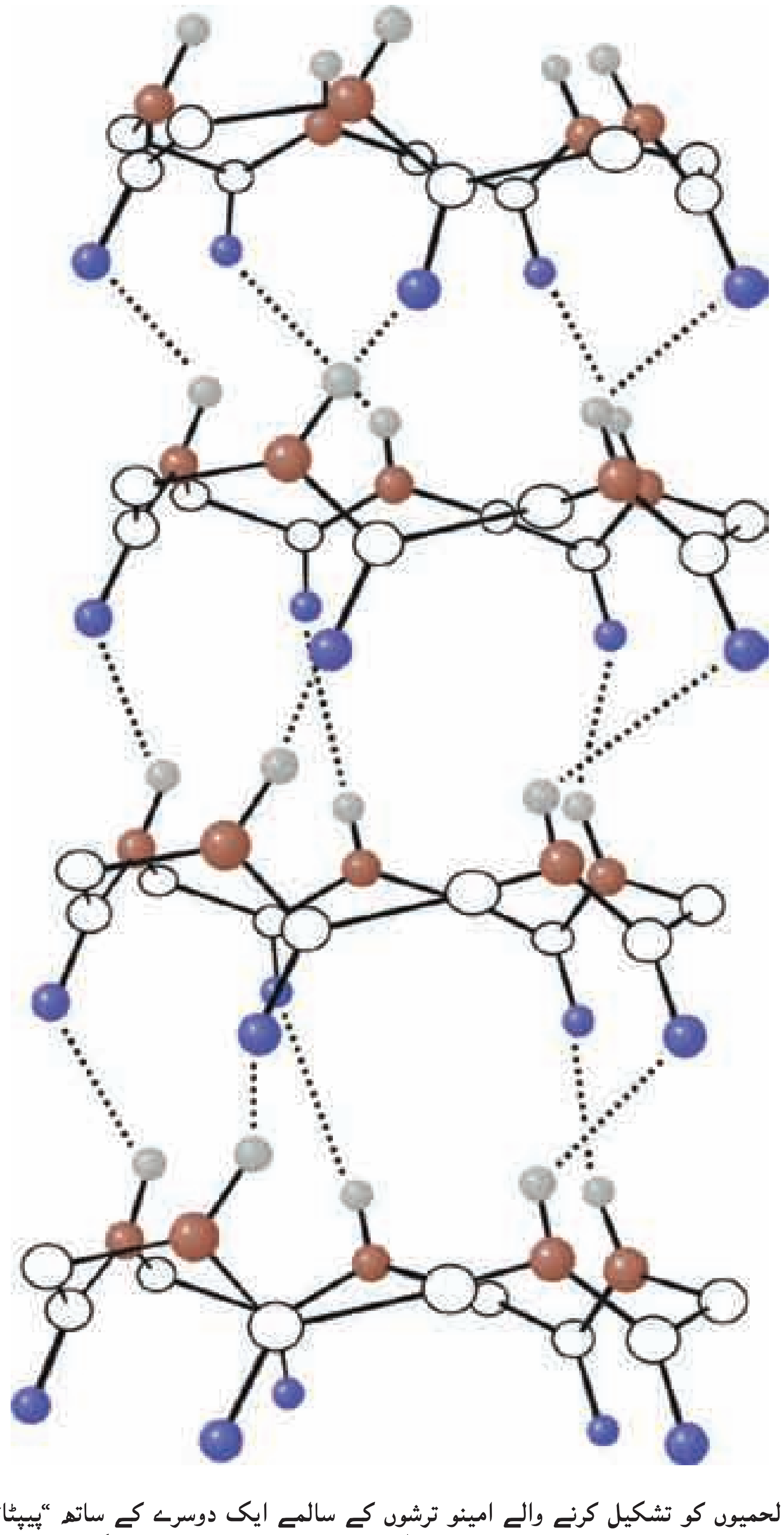

لحمیوں کو تشکیل کرنے والے امینو ترشوں کے سالمے ایک دوسرے کے ساتھ "پیپٹائڈ جوڑ" کے ذریعے جڑے ہوتے ہیں- یہ جوڑ کا طریقہ قدرت میں موجود کئی ممکنہ جوڑوں میں سے ایک ہے- اگر یہ جوڑ نہ ہو تو امینو ترشوں کی زنجیریں ناکارہ ہوجاتی ہےں اور کوئی لحمیات وجود میں نہیں آسکتے-

صفر امکان

جس طرح کہ آگے آئے گا ایک ۵۰۰ امینو ترشوں مشتمل سالمیاتی لحمیہ کے وجود میں آنے کا امکان ۱ نیچے ۱ کے ساتھ ۹۵۰ صفر لگانے کی طرح ہے- یہ ای ایسا عدد بن جاتا ہے جو کہ انسانی ذہن کے لئے ناقابل تص ہے- یہ امکان صرف کاغذ پر لکھ کر ہی دکھایا جاسکتا عملی طور پر اس طرح ہونے کا امکان صفر ہے- جیسا کہ پ بتایا گیا تھا ریاضی میں ۱۰۵۰ میں ۱ سے چھوٹے کہ بھی امکان کا وجود میں آنا ازروئے شماریات کے حساب صفر ہے- اسی لئے ۱ کے نیچے ۱۰۹۵۰ کاامکان ناممکن کی ہر قابل تصور حد کو بھی پار کر جاتا ہے-

جب کسی ۵۰۰ امینو ترشوں پر مشتمل سالمیاتی لح کے وجود میں آنا اس حد تک بعید از امکان ہوجاتا ہے ذہن کو اور بھی اونچی سطح پر متشبہ حدود کو پار کروا کی کوشش کرکے دیکھا جاتا ہے- حمرت الدّم ہا ہیموگلو ایک ناگزیر لحمیہ ہے جس کا سالمیہ ۵۷۴ امینو ترشوں مشتمل ہے جوکہ اوپر بتائے گئے لحمیہ سے بھی زیادہ ہ اس بات کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جسم میں موج کڑوڑوں خون کے سرخ خلیوں میں ۲۸۰,۰۰۰,۰۰۰ یا ۲۸۰ لاکھ ہیموگلوبن کے سالمات موجود ہوتے ہیں- کرہ ارض کی قیاس کی گئی عمر ایک واحد لحمیہ کی بھی آزمائشی

صفر امکان

کارآمد لحمئے کی تشکیل کے لئے ۳ شرائط کا پورا ہونا لازمی ہے-
۱- لحمیاتی زنجیر میں موجود تمام امینو ترشے درست ہوں اور صحیح ترتیب میں موجود ہوں-
۲- زنجیر میں موجود تمام امینو ترشے الٹے ہاتھ والے ہوں-
۳- تمام امینو ترشے آپس میں "پیپٹائڈجوڑ" والے کیمیائی جوڑ سے ہی جڑے ہوں-
کسی لحمئے کے اتفاقی طور سے وجود میں آنے والی تینوں شرائط کا ایک ساتھ پورا ہونا لازمی ہے- لحمیہ کی اتفاقی تشکیل کا امکان ہر اس شرط کے پورا ہونے کے امکان کو ضرب دے کر بڑھادینے کے برابر ہے- مثال کے طور پر ایک عام ۵۰۰ امینو ترشوں پر مشتمل سالمے کا تجزیہ کرتے ہیں-

۱- تمام امینو ترشوں کا درست ترتیب میں ہونے کا امکان:
لحمیوں کی تشکیل میں ۲۰ مختلف طرح کے امینو ترشے استعمال ہوتے ہیں اس حساب سے

۲۰ طرح کے امینو ترشوں میں درست والے کا امکان : ۱/۲۰
۵۰۰ امینو ترشوں کے درست ہونے کا امکان-
۱/۲۰۵۰۰=۱/۱۰۶۵۰=۱۰۶۵۰ میں ایک امکان

۲- تمام امینو ترشوں کا الٹے ہاتھ والے ہونے کا امکان:
صرف ایک امینو ترشے کا الٹے ہاتھ والا ہونے کا امکان-۱/۲
سارے ۵۰۰ امینو ترشوں کا بیک وقت الٹے ہاتھ والے ہونے کا امکان=
۱/۲۵۰۰=۱/۱۰۱۵۰-۱۰۱۵۰ میں ایک امکان

۳- تمام امینو ترشوں کا درست والے "پیپٹائڈ جوڑ" سے ہی جڑے ہونے کا امکان:
امینو ترشے ایک دوسرے کے ساتھ مختلف طرح کے کیمیائی جوڑوں سے بھی جڑ سکتے ہیں لیکن ایک کار آمد لحمئے کی تشکیل کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کے اندر موجود تمام امینو ترشے خاص طور پر "پیپٹائڈ جوڑ" سے ہی جڑے ہوں- ریاضی کے قواعد کے ذریعے اندازہ لگایا گیا ہے کہ امینو ترشوں کا صرف اور صرف پیپٹائڈ جوڑ کے ذریعے جڑنے کا امکان ۵۰ فیصد ہے یعنی کہ :
دو امینو ترشوں کا پیپٹائڈ جوڑ کے ذریعے جڑنے کا امکان =۱/۲
۵۰۰ امینو ترشوں کا پیپٹائڈ جوڑ سے جڑنے کا امکان=
۱/۲۴۹۹-۱/۱۰۱۵۰-۱۰۱۵۰ میں ایک امکان

مکمل امکان=

۱/۱۰۹۵۰=۱/۱۰۱۵۰x۱/۱۰۱۵۰x۱/۱۰۶۵۰=

۱۰۹۵۰ میں ایک امکان

کہ آیا ایک کارگزر لحمیہ وجود میں آیا ہے کہ نہیں اور اگر تجربہ ناکام رہا ہے تو پورے تجربے کو ازسر نو شروع کردینا ہوگا- اس کے علاوہ ہر تجربے میں کوئی بھی فاضل وجود غلطی سے بھی شامل نہیں ہونا چاہئے- یہ بھی لازم ہے کہ تجربے کے نتیجے میں بننے والی زنجیر پورے تجربے کے دوران ۴۹۹ نمبر کی کڑی تک پہنچنے سے پہلے نہ تو الگ ہو اور نہ اس کو کسی قسم کا کوئی اور نقصان پہنچے- ان تمام شرائط کے پورا ہونے کا مطلب ہے کہ اوپر دی گئی تمام ممکنات صرف ایک باضابطہ ماحول میں انجام پائیں جہاں پر ایک باشعور عملی نظام تمام معاملات کے اوپر شروع سے لے کر آخر تک ہدایت کرنے کے علاوہ اس عمل کے وسطی دور کی بھی نگرانی کرے جہاں پر صرف 'امینو ترشوں کا ایک درست انتخاب' ہی ہے اختیار رہے- ایسے کسی بھی ماحول کا قدرتی حالات کے زیر اثر موجود رہنا ایک ناممکن بات ہے- اسی لئے قدرتی ماحول میں لحمیہ کی تشکیل تکنیکی اور منطقی حساب سے ناقابل فہم اور ناممکن ہے- بلکہ ایسے کسی واقعہ کے بارے میں بات بھی کرنا سراسر غیر سائنسی ہے-

کچھ لوگ ان معاملات کا وسیع منظر نہیں دیکھ پاتے بلکہ ایک سطحی نقطہ نظر استعمال کرتے ہوئے لحمیہ کی تشکیل کو ایک سادہ کیمیائی رد عمل سمجھتے ہیں- وہ غیر حقیقی خلاصوں پر یقین کرلیتے ہیں کہ امینو ترشے ردِ عمل کے ذریعے جڑ جاتے ہیں اور لحمیات کی شکل دھارلیتے ہیں -حقیقت تو یہ ہے کہ بے جان اشکال میں حادثاتی کیمیائی ردِ عمل کا نتیجہ صرف سادہ اور غیر ترقی یافتہ تبدیلیاں ہیں جن کی تعداد مخصوص اور طے شدہ ہے- کسی بہت ہی بڑے اور پیچیدہ کیمیائی مادے کو وجود میں لانے کے لئے عظیم کارخانوں، کیمیائی صنعت خانوں، اور تجربہ گاہوں کا استعمال لازمی ہے- دوائیاں اور روزمرہ زندگی کے کئی دوسری کیمیائی اجزاءاسی طرح بنائے جاتے ہیں- لحمیات کارخانوں میں بنائے گئے ان کیمیا سے کہیں زیادہ پیچیدہ ساخت کے حامل ہوتے ہیں- اسی لئے تخلیق کے عظیم انسانی نمونے لحمیات کا ، جس کا ہر حصہ بہترین ترتیب اور نظم کا شاہکار ہے، حادثاتی اور بے ترتیب کیمیائی ردعمل کے ذریعے وجود میں آنے کی بات صرف غیر سائنسی ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے-اگر ایک لمحے کے لئے تمام حقائق و ثبوت کو ایک طرف رکھ کر فرض بھی کر لیا جائے کہ ایک کار آمد سالمیاتی لحمیہ حادثاتی ردِ عمل کا نتیجہ ہے تو پھر بھی ارتقاءکے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ اس لحمیہ کو زندہ رہنے کے لئے اس کو اپنے قدرتی ماحول سے الگ کرنا پڑتا اور اس کی نگہداشت خاص الخاص حالات میں کرنی پڑتی-ایسا نہ کرنے کی صورت میں یہ لحمیہ کرۂ ارض کی قدرتی ماحولیاتی اثرات کے تحت تباہ ہوجاتا یا پھر دوسرے ترشوں، امینو ترشوں یا کیمیائی مرکبات کے ساتھ مل جاتا جس صورت میں وہ اپنے مخصوص اثاثے کھودیتا اور ایک مکمل طور پر الگ اور ناکارہ مادے کی شکل دھارلیتا-

زندگی کی ابتداءسے متعلق ارتقائی تنازعہ

جاندار کیسے نمودار ہوئے؟ کا سوال ارتقاءپسندوں کے لئے اسقدر سنگین تعطل کی سطح پر ہے کہ وہ اس موضوع سے دور رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں- اس سوال کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ زمین کے اوپر پہلے جاندار پانی کے اندر بے ترتیب واقعات کے نتیجے میں وجود میں آئے - ارتقاءپسند اب ایک ایسی بند گلی پر پہنچ چکے ہیں جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے- تمام ارتقائی قدیم بشری رکازیات کی بحث و مباحثہ کے باوجود اس موضوع پر ان کے پاس کسی قسم کے فوصل موجو دنہیں ہیں جن کو وہ مسخ کرکے اپنی مرضی کی تشریح کے ذریعے اپنے بے بنیاد دعوؤں کے سہارے کے لئے استعمال کرسکیں- اسی لئے نظریۂ ارتقاءشروع سے ہی بذریعہ دلیل رد ہوچکا ہے-

سب سے بڑھ کر جس نقطے کو ذہن میں رکھناضروری ہے وہ یہ کہ: اگرارتقائی عمل کا ایک مرحلہ بھی بذریعہ ثبوت غلط ثابت ہوجائے تو یہ اس بات کی بھاری دلیل ہے کہ پورا نظریہ ہی جھوٹا اور بے کار ہے- مثال کے طور پر لحمیات کی بے ترتیب تشکیل کا ناممکن ثابت ہونا ارتقاءکے باقی تمام آنے والے مرحلوں کی تردید ہے- اس کے بعد انسان اور گوریلوں کی کھوپڑیاں لے کر ان کے بارے میں غور و فکر اور قیاس کرنا بھی ایک انتہائی بے معنی فعل ہے -بے جان مادے سے جانداروں کے وجود میں آنے کے موضوع پر ارتقاءپسندوں نے کافی عرصے تک بات ہی نہیں کی- لیکن مستقل نظر انداز کرنے کے باوجود اس سوال کا کبھی نہ کبھی تو جواب دینا ہی تھا- ۲۰ ویں صدی کی دوسری چوتھائی میں اس مسئلہ کا حل کئی تجربات پر مبنی سلسلوں کے ذریعے نکالنے کی کوشش کی گئی-

سب سے اہم سوال یہ تھاکہ کرۂ ارض کے قدیم ماحول میں پہلا جاندار خلیہ کس طرح نمودار ہوا؟ اس سوال کے ذریعے دراصل یہ پوچھا گیا تھا کہ ارتقاءپسندوں کی اس مسئلے کے بارے میں کیا رائے ہے- تمام جوابات کو تجربات کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی- گوکہ ارتقائی سائنسدانوں اور تجربہ دانوں نے کئی تجربوں کے ذریعے جوابات دینے کی سرتوڑ کوشش تو کی لیکن ان کے نتیجے کسی بھی دلچسپی کا سبب نہیں بن سکے-

زندگی کی ابتداءسے متعلق سب سے قابل ذکر مطالعہ ملر ایکسپیریمنٹ یا ملر کا تجربہ سمجھا جاتا ہے جوکہ ۱۹۵۳ءمیں امریکی تحقیق دان اسٹینلی ملر نے کیا- اس تجربے کو ' یوری ملر تجربہ' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ملر کے استاد یونیورسٹی آف شکاگو کے ہیرلڈ یوری نے بھی اس میں ملر کی مدد کی تھی-یہ تجربہ دراصل ارتقاءپسندوں کا اپنا 'سالمیاتی ارتقاءکا مقالہ' ثابت کرنے کا واحد ذریعہ ہے- یہ اس کو زندگی کی ابتداءثابت کرنے والے ازروئے دعویٰ ارتقائی عمل کے پہلے مرحلے کے طور پر پیش کرتے ہیں- لیکن آدھی صدی گزرنے اور شاندار تکنیکی ترقی کے باوجود کوئی بھی اس تجربے کو ایک قدم اور آگے نہیں لے کر جاسکا-

باوجود اس ناکام صورتحال کے ملر کا تجربہ آج بھی نصابی کتابوں میں اولین ترین جاندار نسلوں کے ارتقائی ثبوت کے طور پر موجود ہے- ارتقاءپسند تحقیق دانوں کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ یہ تمام معلومات ان کے مقالے کی تصدیق نہیں بلکہ مکمل تردید کرتی ہیں اور اسی لئے یہ لوگ جان بوجھ کر اس تجربہ کی جدید تفصیلات یا اس طرح کے نئے تجربوں کا بیڑا اٹھانے سے مکمل طور پر گریز کرتے ہیں-

ملر کا تجربہ

اس تجربے کے ذریعے اسٹینلی ملر کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ لحمیات کے تعمیراتی جز، امینو ترشے ایک بے جان کرۂ ارض پر کروڑوں سال پہلے ارتفاقی طور پر وجود میں آئے ہیں- اپنے تجربے میں ملر نے گیس کا وہ مرکب استعمال کیا جو کہ اس کے حساب سے قدیم زمین پر موجود تھا (یہ نظریہ بعد میں غیر حقیقی ثابت ہوگیا) -اس گیس میں امونیا، میتھین، ہائڈروجن اور آبی بخارات شامل تھے- چونکہ یہ تمام گیسیں ایک دوسرے کے ساتھ قدرتی حالات میں کوئی ردِ عمل پیدا نہیں کرسکتیں اس لئے اس نے اس مرکب میں ردِ عمل پیدا کرنے کے لئے توانائی ملادی- مزید قیاس کرتے ہوئے کہ قدیم حالات کے دوران یہ توانائی آسمانی بجلی کے ذریعے ہی آسکتی تھی، اس نے اپنے تجربے میں برقی توانائی کا استعمال کیا-ملر نے پھر گیس کے اس مرکب کو ایک ہفتے تک ۰۰۱ سینٹی گریڈ پر گرم کیا اور پھر اس میں برقی توانائی ملادی- اےک ہفتے کے اختتام پر ملر نے ان کیمیائی اجزاءکا معائنہ کیا جو بوتل کے پیندے میں جمع ہوگئے تھے-

پتا چلاکہ ۰۲ امینو ترشوں میں سے تین جو کہ لحمیات کے بنیادی جز تھے وہ مربوط ہوچکے تھے- اس تجربے سے ارتقاءپسند حلقوں میں ایک بے قابو خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس تجربے کو ایک ممتاز اور نمایاں کامیابی قراردیا گیا -اور تو اور کئی رسالوںنے مدہوش خوشی کے عالم میں یہ سرخیاں تک چھاپ دیں کہ ملر نے زندگی تخلیق کرلی ہے- دراصل ملر صرف کچھ بے جان سالمیات کی مربوط شدہ شکل پیدا کرنے میں کامیاب ہو اتھا-اس تجربے کی کامیابی سے حوصلہ پاتے ہی ارتقاءپسندوں نے فوراً نئے منظر نامے پیش کرنے شروع کردئے- امینو ترشوں کی تخلیق کے بعد کے مرحلے بھی جلدی جلدی قیاس کرلئے گئے جن کے مطابق امینو ترشے بعد میں حادثاتی طور پر درست سلسلے قائم کرتے ہوئے لحمیات میں تبدیل ہوتے چلے گئے -اتفاقی طور پر نمودار ہونے والے کچھ لحمیات نے خلیوں کی جھلی کی شکل بھی دھارلی اور کسی نامعلوم طریقے سے بالآخر ایک پہلا خلیہ تشکیل ہوگیا- تمام خلئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی خلیوں پر مبنی جانداروں کی شکل میں زمین پر چلنے پھرنے لگے- ملر کا تجربہ ایک خیالی کہانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور یہ کئی زاویوں سے اپنا جھوٹا ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے-

ملر کا تجربہ صرف مغالطے پر مبنی تھا

ملر کے تجربے کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ زمین کے قدیم ماحولیاتی اثرات میں امینو ترشے خود بہ خود وجود میں آگئے لیکن اس تجربے میں کئی بے ربطگیاں ہیں-

۱ - ' ٹھنڈا جال' نامی ایک طریقہ عمل استعمال کرتے ہوئے ملر نے امینو ترشوں کو عام ماحول سے ان کے وجود میں آتے ہی الگ کردیا- اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ ماحولیاتی اثرات جس میں یہ امینو ترشے وجود میں آئے تھے وہ ان سالمیات کوفوراً تباہ کردیتے- اس بات میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا کہ قدیم زمینی ماحول میں اس طرح کا باشعور نظام علےحدگی موجود نہیں تھا- اس نظام کے بغیر اگر امینو تو‌ترشے قدیم زمین پر تشکیل ہو بھی جاتے تو وہ فوراً تباہ بھی ہوجاتے- کیمیا دان رچرڈ بلس اس معاملے کے تضاد کو اس طرح بیان کرتا ہے:"دراصل اس جال کے بغیر کوئی بھی کیمیائی پیداوار توانائی کے ذریعے سے ہی تباہ ہوجاتی-"۵۱۱

اور یہ بات درست بھی ہے کیونکہ اپنے تمام سابقہ تجربوں میں ملز انہیں اجزاءکے استعمال سے ایک بھی امینو ترشہ بغیر اس مخصوص ' ٹھنڈے جال' کے نہیں بناسکاتھا-

۲- جس قدیم ماحول کی نقل ملر نے اپنے تجربے میں کرنے کی کوشش کی وہ سراسر غیر حقیقی تھا- ۰۸۹۱کے سالوں میں سائنسدان اس بات پر متفق ہوگئے کہ اس تجربے میں بنائے گئے نقلی ماحول میں ملر کو میتھین اور امونیا کے بجائے نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائڈ استعمال کرنا چاہئے تھی- ایک لمبی خاموشی کے بعد ملر نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا کہ اس تجربے میں استعمال کیا گیا ماحول حقیقی نہیں تھا-۶۱۱ تو پھر ملر نے ان مخصوص گیسوں پر زور کیوں دیا؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے- اس لئے کہ امونیا کے بغیر کسی بھی امینو ترشے کی تشکیل ناممکن تھی- رسالہ "ڈسکوور" میں چھپنے والے ایک مضمون میں کیون مکینن اس کے بارے میں لکھتا ہے:

"ملر اور ےوری نے زمین کے قدیم ماہول کی نقل میتھین اور امونیا کے مرکب سے کی- ان کے حساب سے کرۂ ارض دھات، پتھر اور برف کاایک ہم اصل اور سچا مرکب تھا- لیکن حالیہ تحقیق کے مطابق یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ اس قدیم زمانے میں کرۂ ارض کا درجہ حرارت بے انتہا گرم تھا اور اس کی ساخت پگھلے ہوئے نکل اور لوہے پر مبنی تھی- اسی وجہ سے اس دورکا کیمیائی ماحول بھی نائٹروجن CN_2، کاربن ڈائی آکسائڈ (Co_2) اور آبی

حالیہ ارتقاءپسند ذرائع کا ملر کے تجربے کے اوپر نا اتفاقی

آج ملر کا تجربہ ارتقاءپسند سائنسدانوں نے بھی رد کردیا ہے۔ مشہور ارتقائی سائنسی جریدی "ارتھ" کی فروری ۸۹۹۱کی اشاعت میں "لائف کروسیبل" کے عنوان سے چھپنے والے ایک مضمون میں آیا تھا:

"ماہر ارضیات کا اب یہ خیال ہے کہ زمین کا قدیم ماحول بنیادی طور پر کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن گیسوں پر مشتمل تھا۔ یہ گیسیں ۳۵۹۱ءکے تجربے میں استعمال کی گئی گیسوں سے کم متعامل ہوتی ہیں۔ اگر فرض کرلیں کہ ملر کا پیش کیا گیا ماحول واقعی سچ تھا تو پھر امینو ترشوں جیسے سادے سالموں کو اس ضروری کیمیائی تبدیلی سے کس طرح گزارنا ممکن ہے جوکہ ان کو لحمیوں جیسے پیچیدہ مرکبات میں بدل دے؟ ملر نے خود پہیلی کے اس پہلو پر لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ اس نے بے چارگی سے اعتراف کیا تھا کہ "یہ ایک مسئلہ ہے۔ آپ مرکبات کس طرح بناسکتے ہیں؟ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" ۱

صاف ظاہر ہے کہ ملر نے خود اس حقیقت کا اعتراف کرلیا تھا کہ اس کا تجربہ زندگی کی ابتداءکی وضاحت کرنے سے قاصر ہے۔ ارتقاءپسندوں کا پھر بھی جوش و خروش سے اس تجربے کو قبول کرنا اور اس کا پرچار کرنا نظریۂ ارتقاءکے حامیوں کی مایوسی اور ناکامی کی کھلی دلیل ہے۔ ان کا نظریۂ بربادی اور ناکامی کی دہلیز پر اسی وقت تھا اور ان کو اس بات کا اچھی طرح سے اندازہ بھی تھا۔

مارچ ۸۸۹۱ءمیں نیشنل جیوگرافک کی اشاعت میں "داایمرجنس آف لائف آن ارتھ" یا "زمین پر زندگی کی نموداری" کے عنوان سے چھپنے والے ایک مضمون میں آیا تھا:

"کئی سائنسدانوں کو اب شبہ ہے کہ قدیم ماحول ملر کے فرضی ماحول سے بہت مختلف تھا۔ ان کے خیال سے وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن سے تشکیل تھا جبکہ ملر کا خیال کہ یہ ہائیڈروجن، میتھین اور امونیا پر مشتمل تھا۔ ایک غلط مفروضہ تھا۔ کیمیا دانوں کےلئے یہ بری خبر ہے۔ جب وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن کو آپس میں جوش دلانے کی کوشش کرتے ہیں تو نتیجہ حقیر مربوط سالموں کی شکل

میں نکلتا ہے جوکہ اس طرح ہے جیسے رنگ کے ایک قطرے کو بڑے سے تیراکی کے تالاب میں ملادیا جائے۔سائنسدانوں کا اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ زندگی اس رقیق مائع سے نمودار ہوئی ہے۔"۲

غرضیکہ نہ تو ملر کا تجربہ نہ اس کے جیسا کئے جانے والا کوئی تجربہ زمین پر زندگی کی نموداری کو بیان کرسکا۔ تمام تحقیق تخلیق کی تصدیق کرتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ زندگی کا اتفاقاً وجود میں آنا سراسر ناممکن ہے۔

Earth, “Life’s Crucible”, February 1988, p.34-----1

National Geographic, “The Rise of Life on Earth”, March 1998, p. 68----2

ارتقاءپسندوں کا گھمبیر ترین فریب ان کا تصویر میں دکھایا گیا قدیم زمین پر زندگی کی بیک وقت نموداری کا منظر نامہ ہے- اپنے دعوؤں کو ملر جیسے تجربوں سے ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن سائنسی حقائق سے ان کو ہمیشہ مات ہوتی رہی ہے- ۰۷۹۱کے تجربوں سے حاصل کئے گئے نتائج سے ثابت ہوگیا ہے کہ قدیم زمین کا جو ماحول ارتقاءپسندوں نے فرض کیا تھا وہ زندگی کےلئے نہایت غیر موزوں تھا-

موقع پر ارتقاءپسندوں کو امینوترشوں کی تشکیل سے بھی بڑے مسئلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ لحمیات کی ابتداءہے- لحمیات زندگی کا تعمیراتی جز ہوتے ہیں جن کے اندر ہزاروں مختلف امینو ترشے ایک دوسرے کے ساتھ مخصوص شکل اور ترتیب کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں-یہ دعویٰ کہ لحمیات قدرتی ماحول کے زیر اثر وجود میں آئے اس دعوے سے بھی بڑھ کر غیر حقیقی اور غیر منطقی ہے کہ امینو ترشے اتفاق سے وجود میں آئے- گزرنے والے صفحات میں ریاضی کی رو سے امینو ترشوں کے بے ہنگم ملاپ کا درست سلسلوں کی صورت میں لحمیاتی اشکال پیدا کرنے والی ناممکنات کا ممکنہ حساب و شمار کا جائزہ لیا گیا تھا- اب لحمیات کا قدیم ارضی ماحول کے تحت کیمیائی اثرات کے ذریعے پیدا ہونے کی ناممکنات کا جائز لیا جائے گا-

لحمیات کی ترکیب پانی میں ممکن نہیں ہے

جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ لحمیات کی تشکیل کے دوران امینو ترشے ایک دوسرے کے ساتھ مخصوص جوڑ بناتے ہیں جس کو 'پےپٹائڈ بونڈ ' کہتے ہیں -اس جوڑ کی تشکیل کے دوران پانی کا ایک سالمہ خارج ہوتا ہے- یہ حقیقت لازمی طور پر اس ارتقائی دعوے کی تردید کرتی ہے کہ قدیم زندگی کی ابتداءپانی میں ہوئی کیونکہ کیمیاءکے 'لاشےٹےلےرپرنسےپل' کے مطابق کوئی ایسا ردِ عمل جو کہ پانی خارج کرتا ہو (بستہ کرنے کا ردِ عمل) وہ آبی ماحول میں پیش نہیں آسکتا-آبی ماحول میں اس طرح کے ردعمل کے پیش آنے کا تمام کیمیائی ردِ عمل میں سے سب سے کم امکان ہے- اسی لئے گوکہ سمندر کو زندگی کی شروعات اور امینو ترشوں کی ابتداءگاہ قراردیا جاتا ہے ،وہ دراصل امینو ترشوں کا لحمیات کی شکل اختیار کرنے کے لئے سب سے زیادہ غیر موزوں اور ناممکن ماحول ہے- دوسری طرف ارتقاءپسندوں کا اپنا یہ بیان بدل دینا اور یہ کہنا شروع کردینا کہ زندگی کی ابتداءدراصل زمین پر ہوئی تھی بھی خلاف منطق ہے کیونکہ امینو ترشوں کاورائے بنفشی سے محفوظ رہ کر وجود میں آنا صرف اور صرف پانی کے اندر ہی ممکن تھا- زمین کے اوپر ورائے بنفشی ان کو فوراً تباہ کردیتے- "لاشےٹےلےر پرنسیپل" یا "لاسٹیلر اصول" زندگی کی پانی کے اندر ابتداءکی مخالفت کرتا ہے- یہ ایک اور مسئلہ ہے جو کہ ارتقاءپسندوں کو درپیش ہے-

فوکس کا تجربہ: ایک اور مایوس کن کوشش

اوپر بتائے گئے مسئلے سے للکارے جانے کے باعث ارتقاءپسندوںنے اپنے نظریوں کی تردید کرتے ہوئے اس پانی کے مسئلے کے حل کے طور پر غیر حقیقی منظر ایجاد کرنے شروع کردئے- سڈنی فوکس ان تحقیق دانوں میں سب سے مشہور تحقیق دان تھا- فوکس

بخارات سے بنا ہوا ہونا چاہئے تھا -لیکن یہ اجزاءمربوط سالمیات کی تشکیل کے لئے میتھین اور امونیا جتنے موزوں نہیں ہیں-“ ۷۱۱

امریکی سائنسدان جے- پی فیرس اور سی-ٹی- چین نے بھی ملر کے تجربے کو کاربن ڈائی آکسائڈ، ہائڈروجن، نائٹروجن اور آبی بخارات سے بھرپور احول میں دہرانے کی کوشش کی لیکن ایک بھی امینو ترشے کا سالمیہ حاصل نہیں ہوسکا-۸۱۱

۳- ملر کے تجربے کی تردید کرنے والا ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ قدیم ماحول میں آکسیجن کی مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ یہ تمام امینو ترشوں کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی تھی- ملر نے اس حقیقت کو نظر انداز کردیا تھا لیکن اس کا ثبوت **۵۳** کروڑ سال پرانے پتھروں میں ملا ہے جن میں‌آکسیےڈاز لوہے اور یورینیم کے نشانات موجود ہیں-(۹۱۱) اس کے علاوہ اور بھی طرح کی تحقیق ثابت کرتی ہے کہ اس وقت ہوا میں آکسیجن کی مقدار ارتقاءپسندوں کی بتائی گئی مقدار سے کہیں زیادہ تھی-

تحقیق یہ بھی بتاتی ہے کہ اس وقت کرہٴ ارض پر پڑنے والی ورائے بنفشی ارتقائی اندازوں سے ۰۰۰,۰۱ گنا زیادہ تھی- اس شدید نورافگنی کے نتیجے میں تمام آبی بخارات اور کاربن ڈائی آکسائڈ نے تحلیل ہوکر آکسیجن کو ہوا میں آزاد کردیا ہوگا- یہ صورتحال ملر کے تجربے کے خلاف جاتی ہے جس میں آکسیجن کو مکمل طور پر نظر انداز کردیا گیا تھا- اگر تجربے میں آکسیجن استعمال کی جاتی تو میتھین کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی میں تبدیل ہوجاتی اور امونیا نائٹروجن اور پانی کی شکل دھارلیتا- دوسری صورت میں ایک آکسیجن سے عاری ماحول میں اوزون کی دبیز تہ بھی موجود نہیں ہوتی اور امینو ترشے فوراً ہی تباہ ہوجاتے کیونکہ وہ اوزونی تہ کے بغیر شدید نورافگنی کی تاب نہیں لاسکتے تھے- آسان الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آکسیجن کے ساتھ یا آکسیجن کے بغیر، دونوں صورتےں قدیم ماحول مےں امینو ترشوں کے لئے مہلک ثابت ہوتےں-

ملر کے تجربے کے اختتام پر کئی ایسے مربوط ترشے وجود میں آچکے تھے جن کی خصوصیات جانداروں کی ساخت اور کارکردگی کے لئے نقصان کا سبب ہوتےں- اگر امینوترشوں کو الگ نہیں کیا جاتا اور نئے کیمیائی اجزاءکے ساتھ ایک ہی ماحول میں چھوڑدیا جاتا تو ان کی تباہی یا کیمیائی ردِ عمل کے ذریعے مختلف مرکبات میں تبدیل ہوجانا ناگزیر تھا- تجربے کے اختتام پر کئی سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے بھی تشکیل ہوچکے تھے-۰۲۱ ان امینو ترشوں کی موجودگی اس نظریئے کی اپنے حدود کے اندر ہی تردید کردیتی ہے کیونکہ سیدھے ہاتھ والے امینو ترشے جاندار اجسام کی تشکےل کے لئے بےکار ہیں- یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملر کے تجربے میں امینو ترشے جن حالات کے تحت تشکیل ہوئے تھے وہ زندگی کے لئے موزوں حالات نہیں تھے- ملر کا بناےا گیا ماحول ایک اےسا ترشی مرکب تھا جو کہ حاصل ہونے والے کارآمد سالمیات کو بھی آکسیجن کی آمیزش کے ذریعے تباہ کردیتا-

یہ تمام حقائق ایک ہی سچائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں او روہ یہ کہ ملر کا تجربہ جانداروں کے قدیم ارضی ماحول میں اتفاق سے وجود میں آنے کے دعوﺅں کو ثابت کرنے میں ناکام ہے- یہ پور اتجربہ امینوترشوں کا اےک سوچا سمجھا باضابطہ عمل کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں- تجربے میں استعمال ہونے والی گیسوں کی نوعیت اور مقدار کا انتخاب امینو ترشوں کے لئے سب سے سازگار ماحول فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے کیا گیا- تجربے میں استعمال کی گئی توانائی نہ بہت زیادہ تھی اور نہ بہت کم بلکہ اس درست مقدار میں ترتیب دی ہوئی تھی جس کے زیر اثر مطلوبہ ردِ عمل حاصل ہوسکے-تجرباتی آلات کو بھی الگ تھلگ کردیا گیا تھا تاکہ ان کے ذرےعے کوئی مضر، مہلک یا دوسرے قسم کے اجزاءاندرنہ جاسکیں جو امینو ترشوں کی تشکیل کے سازگار ماحول پر اثر انداز ہوں- کسی ایسے عناصر، معدنیات، یا مرکبات کا استعمال اس تجربے میں نہیں کیا گیا جو کہ گو کہ اس وقت زمےن پر تو موجود تھے مگر جس سے مطلو بہ ردِ عمل پر فرق پڑتا -آکسیجن ان مہلک عناصر میں سے ایک ہے جوکہ آمیزش کے ذریعے امینو ترشوں کی تشکیل کو ناممکن بناسکتا تھا- اس بہترین افزائشی ماحول کے باوجود کسی بھی تشکیل کئے گئے امینو ترشوں کا ’ٹھنڈے جال‘ کے بغیر تباہی سے بچے رہنا ناممکن تھا-

حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے اس تجربے کے ذریعے ملر نے اس ارتقائی دعوے کی دھجیاں اڑادیں کہ ”زندگی لاشعوری اتفاقات کا نتیجہ ہے“ - اگر اس تجربے سے کچھ ثابت ہوا بھی ہے تو وہ یہ کہ امینو ترشے صرف ایک اےسے باضابطہ تجربہ گاہی ماحول میں ہی تشکیل دئے جاسکتے ہیں جہاں کی تمام ماحولیاتی خصوصیات ایک باشعور مداخلت کا نتیجہ ہوں- یعنی کہ زندگی کو وجود میں لانے والی طاقت ایک بے شعور اتفاق نہیں بلکہ باشعور تخلیق ہے- ارتقاءپسندوں کا اس حقیقت سے انکار ان کا اندھا ور غیر سائنسی تعصب ہے- دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اپنے طالب علم اسٹینلی ملر کے ساتھ مل کر ملر کے تجربے کو ترتیب دینے والا ہیرلڈےوری نے اس موضوع پر اعتراف کیا کہ:

> ”ہم میں سے جو بھی زندگی کی ابتداءکا مطالعہ کرتا ہے اس پر ادراک ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ ہم اس معاملے کی گہرائی میں جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ زندگی ارتقائی عمل کے لئے بہت زیادہ پیچیدہ ہے- گو ہم سب لوگ عقیدے کے طور پر یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کی ابتداءسیارے کے مردہ مادے سے ہوئی لیکن پھر بھی اس کی پیچیدگی اس قدر زخےم ہے کہ ارتقاءکا تصور بھی بے انتہا مشکل ہے-“۱۲۱

دنیا کا قدیم ماحول اور لحمیات

تمام بے ربطگیوں کے باوجود ارتقائی ذرائع ملر کے تجربے کو امینو ترشوں کی ابتداءسے متعلق تمام سوالات کا جواب دینے کے لئے استعمال کرتے آ رہے ہیں- یہ غلط تاثر دیتے ہوئے کہ یہ موضوع اس ناکارہ تجربے کے ذریعے حل ہوچکا ہے ،وہ دراصل نظریہٴ ارتقاءمیں موجود دراڑوں کو پر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں -لیکن زندگی کی ابتداءسے متعلق دوسرے مرحلے کو بیان کرنے کے

نے مندرجہ ذیل نظریئے کو اس مسئلے کے حل کے طور پر آگے بڑھانا شروع کردیا- فوکس کے مطابق پہلے امینو ترشے قدیمی سمندر میں تشکیل پانے کے بعد ایک آتش فشاں کے نزدیک پہاڑیوں پر کسی طرح پہنچ گئے- ان امینو ترشوں‌کے اندر موجود پانی میں پہاڑیوں کے امینو ترشے بھی شامل ہوگئے- یہ تمام پانی سخت درجہ حرارت کے باعث خشک ہوگیا- اس طریقے سے سوکھ جانے والے امینوترشے آپس میں جڑ کر لحمیات کی شکل اختیار کرگئے- اس پیچیدہ طریقے کو اس حلقے کے سائنسدانوں‌نے قبول کرنے سے انکا رکردیا کیونکہ امینو ترشے اتنا شدےدرجہ حرارت برداشت ہی نہیں کرسکتے تھے- تحقیق کے ذریعے ثابت ہوچکا ہے کہ امینو ترشے بہت زیادہ درجہ حرارت کے باعث تباہ ہوجاتے ہیں-لیکن فوکس نے اب بھی ہار نہیں مانی- اس نے تجربہ گاہ میں‌مخصوص ماحول کے اندر امینو ترشوں کو ہر طرح کی آلائش اور ملاوٹ سے پاک کردیا اور ان کو ایک خشک ماحول میں گرم کیا- گوکہ امینو ترشے آپس میں مل گئے لیکن لحمیات اب بھی حاصل نہیں ہوئے- فوکس کو سادہ اور بے ترتیب امینو ترشوں کے گچھے حاصل ہوئے جوکہ ایک دوسرے سے ناکافی واقفیت سے جڑے ہوئے تھے- ان گچھوں اور کسی زندہ لحمیے کے درمیان کسی قسم کی مماثلت نہیں تھی- اس کے علاوہ اگر فوکس ان امینو ترشوں کو ایک باقاعدہ درجہ حرارت پر مزےد اور وقت کے لئے رکھتا تو امینوترشوں کے یہ ناکارہ گچھے بکھرجاتے-۲۲۱

ایک اور نقطہ جو کہ فوکس کے تجربے کو ناقص بناتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ملر کے تجربے سے حاصل کئے گئے بے کار اجزاءکا استعمال نہیں کیا بلکہ اس نے جانداروں کے خالص امینو ترشوں کو استعمال کیا تھا- چونکہ اس کا تجربہ ملر کے تجربے کا تسلسل تھا اسی لئے اس کو ملر کے حاصل کردہ نتیجوں سے ہی شروع ہونا چاہئے تھا -لیکن نہ فوکس نہ کسی اور تحقیق دان نے ان ناکارہ امینو ترشوں کو استعمال کیا جوکہ ملر نے اپنے تجربے سے حاصل کئے تھے-۳۲۱

فوکس کے تجربے کا ارتقاءپسند حلقوں میں کسی طرح کا خیر مقدم نہیں کیا گیا کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ اس تجربے کے ذریعے اس نے جوامینو ترشوں کی زنجیریں حاصل کی تھیں جن کو اس نے "پروٹینائڈ" (پروٹین یعنی لحمیہ سے پروٹینائڈ) کا نام دیا تھا وہ کسی بھی طرح کے قدیم قدرتی ماحول میں وجود میں نہیں آسکتے تھے- اس کے علاوہ زندگی کا بنیادی لحمیہ آج تک کسی انسانی کوشش سے پیدا نہیں کیا جاسکا- لحمیات کی ابتداءسے متعلق تمام مسائل غیر حل شدہ ہی ہےں- مشہور سائنسی رسالے "کیمیکل انجینئرنگ نیوز"میں ۰۷۹۱ءکے سالوں میں چھپنے والے ایک مضمون میں فوکس کے تجربے کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ:

"سڈنی فوکس اور دوسرے تحقیق دانوں‌نے امینو ترشوں کو "پروٹینائڈ" کی شکل میں جوڑنے سے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ مخصوص حرارت کے ذریعے ایسی صورتحال میں کی ہے جوکہ درحقیقت کرہ‌ٔ ارض کے قدیمی وقت میں موجود ہی نہیں تھی- ان کے علاوہ ان لوگوں کو جانداروں کے اندر موجود عام لحمیات کے متعلق مکمل طور پر علم ہی نہیں تھا- ان کے تجربے کا نتیجہ صرف ناکارہ اور بے رتیب کیمیائی دھبے ہیں- ان کو اس بات کا بھی واضح طور پر علم تھا- الغرض کوئی سالمے ابتدائی وقت کے دور میں وجود میں آبھی جاتے تو وہ لازماً تباہ بھی ہوجاتے-"۴۲۱

اور واقعی یہ بات درست بھی تھی کہ فوکس کو حاصل ہونے والے پروٹینائڈ اصل لحمیات سے ساخت اور کارکردگی کے اعتبار سے بالکل مختلف تھے- ان کے درمیان فرق ایسا تھا جیسے کسی جدید تکنیکی صلاحیت رکھنے والے آلات اور خام لوہے کے ڈھیر کے درمیان ہوتا ہے- اس کے علاوہ ان بے ترتیب امینو ترشوں کی زنجیروں کا قدیم ماحول میں زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں تھا- شدید ورائے بنفشی اور دوسرے بے ربط قدرتی ماحولیاتی اثرات کے تحت پیدا ہونے والے مصر طبعیاتی اور کیمیائی ردِ عمل کے باعث یہ لحمیات فوراً تباہ ہوجاتے- "لاسٹیلر پرنسپل"، یا "لاسٹیلر اصول" کے تحت یہ بھی ناممکن تھاکہ یہ امینو ترشے پانی کے اندر تشکیل پاتے جہاں پر وہ ورائے بنفشی سے مکمل طور پر محفوظ رہتے-

ان تمام اہم نقطوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس خیال نے سائنسدانوں کے درمیان متفقہ طور پر دم توڑ دیا کہ پروٹینائڈ یا نقلی طور پر حاصل کئے گئے لحمیات زندگی کی بنیاد ہوسکتے ہیں-

معجزاتی سالمے: *DNA* (یا اپنی مثل پیدا کرنے والا مادہ):

اب تک بیان کئے گئے تجزیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سالمیاتی سطح پر نظریہ‌ٔ ارتقاءایک شدید الجھن کا شکار ہے- ارتقاءپسند ابھی تک امینو ترشوں کی ابتداءکے معاملے پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکے- لحمیات کی تشکیل بھی ایک اور راز ہے -لیکن یہ تمام مسئلے صرف امینو ترشوں اور لحمیات تک محدود نہیں ہیں- یہ تو صرف شروعات ہے جس سے آگے خلئے کی بے انتہاپیچیدہ ساخت ارتقاءپسندوں کو اےک اور تعطل پر لاکر کھڑا کردیتی ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیہ صرف امینو ترشوں سے بنے ہوئے لحمیات کا ڈھیر نہیں ہے بلکہ انسان کے سامنے موجود سب سے زیادہ اور ناقابل تصور طور پر پیچیدہ نظام ہے- جہاں ایک طرف نظریہ‌ٔ ارتقاءکو خلئے کے بنیادی جز سالموں کے بارے میں کوئی قابل فہم توضیح فراہم کرنے میں شدید دشواری پیش آرہی تھی وہیں جینیاتی سائنس میں ترقی اور نیوکلیک ترشوں *DNA* اور *RNA* کی دریافت نے اس نظریئے کے لئے نئی مشکلات کھڑی کردیں- ۳۵۹۱ءمیں جیمز واٹسن اور فرانسس کرک نے حیاتیات میں ایک نئی نسل کی ابتداء *DNA* کے حیران کن طور پر پیچیدہ ساخت کو درےافت کرکے کی- *DNA* نامی سالمے جسم کے ۰۰۱ کھرب خلیوں کے اندر موجود ہوتے ہیں اور ان کے اندر اس مخصوص جسم کی ساخت پیدا کرنے کی تمام معلومات کا ذخیرہ ہوتا ہے-

DNA کے اندر اس انسان کو تمام طبعیاتی اور اندرونی اعضاءکے حساب سے مکمل کرنے سے متعلق معلومات چار مخصوص بنیادوں

فوکس نے اپنے تجربے میں "پروٹینائڈ" نامی مادی ذرات تیار کئے جو کہ امینو ترشوں کے بے ترتیب مرکب تھے- جاندار اجسام کے لحمیوں کے برعکس پروٹینائڈ بے کار اور غیر فعال کیمیائی اجزاءتھے- یہاں برقیہ خوردبین کے ذریعے پروٹینائڈ کے ذرے نظر آرہے ہیں-

بے جان مادہ زندگی نہیں پیدا کرسکتا

ملر اور فوکس کے تجربوں جیسے ارتقائی تجربوں کا مقصد اس دعوے کو سچ ثابت کرنا تھا کہ بے جان مادہ خود اپنے آپ کو ترتیب دے کر پیچیدہ جاندارا جسام کی شکل دھارسکتا ہے- یہ ایک نہایت غیر سائنسی عقیدہ ہے- ہر مشاہدے اورتحقیق نے ناقابلِ انکار سطح پر ثابت کردیا ہے کہ مادے کے اندر اس طرح کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی- مشہور انگریز ہیئت داں اور ریاضی داں سر فریڈ ہائل کہتا ہے کہ دانستہ دخل اندازی کے بغیر مادہ زندگی پیدا نہیں کرسکتا-

"مادے کا اگر کوئی بنیادی اصول ہوتا جس کے تحت تمام مربوط نظام زندگی کی طرف چلے جاتے تو اس عمل کا ثبوت با آسانی تجربہ گاہوں میں حاصل ہوجانا چاہئے تھا-مثال کے طور پر تیراکی کے ایک تالاب کو قدیم مائع تصور کرلیتے ہیں- اس تالاب کو اپنی مرضی کے ہر غیر حیاتیاتی کیمیا سے بھردیتے ہیں- اب چاہے اس کے اوپر گیس ڈالیں یا اس کے اندر وہ آپ کی مرضی ہے اور پھر اپنی مرضی سے اس کو نورافگنی کے عمل سے بھی گزاردیتے ہیں- اس تجربے کو ایک سال تک جاری رکھیں اور دیکھیں کہ ۲۰۰۰ میں سے کتنے خامرے اس پانی میں نمودار ہوتے ہیں (خامرے وہ لحمئے ہوتے ہیں جو مخصوص حیاتی کیمیائی ردِ عمل میں عمل انگیز کا کام کرتے ہیں)- اس کا جواب میں آپ کو دے سکتا ہوں اس لئے آپ خود اس تجربے کو کرنے کا وقت، مشکل اور خرچا بچالیں- اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا ماسوائے تارکول سے آلودہ امینو ترشوں پر مشتمل گندہ پانی اور دوسرے سادہ مربوط کیمیا"-۱

ارتقائی ماہرِ حیاتیات اینڈرواسکاٹ بھی یہی اعتراف کرتا ہے:

"مادے کی تھوڑی سی مقدار لے لیں اور اس کو گرم کرتے ہوئے ہلائیں- یہ کسی شے کی تخلیق کی جدید صورت ہے- باقی کا کام کشش ثقل، برقناطیسی عمل اور مضبوط اور کمزور نیوکلیائی قوت کرتی ہے- لیکن اس بظاہر صاف ستھری کہانی کا کتنا حصہ تسلیم شدہ ہے اور کتنا پرامید مفروضوں پر مبنی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ ہر بڑے مرحلے کا میکانیکی عمل، کیمیائی عمل سے نکلنے والے مادے سے لے کر پہچان کے لائق پہلے خلیوں تک، سخت تنازعہ اور مکمل بدحواسی کا شکار ہے"-۲

Fred Hoyle, “The Intelligent Universe”, New York, Holt, Rinehard & Winston, 1983, p. 256-----1

Andrew Scott, “Update on Genesis”, New Scientist, vol. 106, May 2nd, 1985, p. 30------2

واٹسن اور کرک DNA کے سالمے کے سہ ابعادی نمونے کے ساتھ

علاوہ ایک مخصوص لحمیاتی زنجیر کے اچانک وجود میں آجانے کا امکان اتنا کم ہے کہ اس کو صرف بسیط و عظیم ہی کہا جاسکتا ہے"۔۸۲۱

اس نقطے پر ایک نہایت دلچسپ متضاد بات سامنے آتی ہے۔ اگرچہ DNA صرف مخصوص خامرہ نامی لحمیات کی مدد سے نقل کا کام انجام دے سکتاہے ،ان لحمیات کو مرکب بنانے کا عمل صرف اورصرف DNA کے اندر موجود معلومات کے ذریعے ہی ممکن ہے ۔چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اسی لئے ان کی نقل کے لئے بیک وقت موجود ہونا لازمی ہے یا پھر ایک کو دوسرے سے پہلے وجود میں آنا ضروری ہے۔ امریکی ماہر خرد حیاتیات ہومرجیکسن کہتا ہے:

"جینیاتی ارادوں کی تولید کے راستوں کا تعین کرنے کے لئے ،جن میں توانائی اور موجودہ ماحول سے کشیدگی، افزائشی عمل کا سلسلہ اور تمام افزائش کے اندر مستعملی نظام شامل ہے ، یہ ضروری تھا کہ تمام نظام زندگی کی ابتداءکے وقت ایک ساتھ موجود ہوں ۔افزائش سے متعلق ان تمام نظاموں کا بیک وقت موجود ہونا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے اور اسی لئے اکثر اس کو متبرک مداخلت کا نام دیا جاتا ہے۔"۹۲۱

اوپر دیا گیا بیان واٹسن اور کرک کا DNA کی ساخت دریافت کرنے کے دوسال بعد کا ہے لیکن تمام سائنسی ترقی کے باوجود ارتقاءپسند وں کا یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔ دوجرمن سائنسدانوں جنکر اور شریر کے حساب سے کیمیائی ارتقاءکے لئے مقصود اہم سالموں کی ترکیب کے لئے مخصوص ماحول درکار ہے ۔ان اجزاءکی ترکیب مختلف طریقوں سے اخذ کئے جانے کا امکان صفر ہے:

"ابھی تک ایسا کوئی تجربہ ایجاد نہیں ہوا ہے جس کے ذریعے ہم کیمائی ارتقاءکے لئے لازم سالموں کو حاصل کرسکیں۔ اسی لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف سالمے مختلف جگھوں پر نہایت موزوں ماحول کے زیر اثر پہلے تو بنائے جائیں اور پھر ان کورد عمل کے تجربے کے لئے آب پاشیدگی اور ضیانخزی عمل سے محفوظ رکھتے ہوئے دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔"۰۳۱

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظریہ ارتقاءکسی بھی نام نہادر ارتقائی مرحلے کو ثابت کرنے سے قاصر ہے جو کہ سالمی سطح پر رونما ہوتا ہے۔بجائے اس کے کہ ان سوالات کے جواب مہیا کئے جاتے سائنسی ترقی نے الٹا ان کے جوابات کا حصول مزید پیچیدہ اور الجھن آمیز بنادیا ۔ قابل دلچسپ بات تو یہ ہے کہ کئی ارتقاءپسند نہ صرف اس نظریئے پر بلکہ اس جیسی اور بھی سائنسی رام کہانیوں پر اتنا یقین کرتے ہیں کہ گویا یہ سچی ہوں۔ چونکہ انہوں نے اپنی عقل کو تخلیق کے خلاف بند کرلیا ہے اس لئے ان کے پاس ان کہانیوں پر اعتقاد رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ آسٹریلیا کا مشہور ماہر حیاتیات مائیکل ڈنٹن اپنی کتاب "ایولوشن، اے تھیوری ان کرائسس" یا "ارتقائ: ایک مصیبت زدہ نظریہ" میں اس موضوع کے اوپر لکھتا ہے:

"کسی تنقید دان کے لئے محض ترقی یافتہ جانداروں کی جینیاتی معلومات کی ،جو کہ کئی ہزار لاکھ معلوماتی جز پر مشتمل ہے جس کا ایک چھوٹے کتب خانے کی ۰۰۰,۱ کتابوں سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور جس کے اندر ہزاروں لاتعداد باریک بین لوگاردم موجود ہیں جوکہ مستقل کھربوں خلیوں کو قابو میں رکھنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور ان کی افزائش کے بھی ذمہ دار ہیں ،کسی خالص بے ترتیب عمل سے وجود میں آنے کی تجویز عقل اور منطق کے منافی ہے لیکن ڈارون پرست اس نظریئے پر شک کی ایک ہلکی سی بھی لہر کے بغیر بلا تامل اندھا اعتقاد کرلیتے ہیں"۔۱۳۱

ایک اور ناکام ارتقائی کوشش : RNA کی دنیا

۰۷۹۱ءکی دریافت کہ کرہ ارض کے قدیم ماحول میں موجودہ گیسوں سے امینو ترشوں کی ترکیب کا عمل ناممکن تھا ،سالموں کی ارتقاءکے نظریئے کے لئے ایک سنگین دھچکا تھا۔ ارتقاءپسندوں کو پھر اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا کہ اسٹینلی ملر، سڈنی فوکس، سیرل پونمپیروما کے قدیم ماحول کی نقل کر کے کئے گئے تجربے ناقص تھے۔ اس وجہ سے ۰۸۹۱ءکے سالوں میں ارتقاءپسند ایک بار پھر کمر باندھ کر میدان میں اترگئے اور نتیجتاً RNA دنیا کا مفروضہ آگے بڑھایا گیا۔ اس منظر نامے کے مطابق لحمیات کی بجائے RNA کے سالمے جو کہ لحمیات کے لئے معلومات کا ذخیرہ ہوتے ہیں پہلے وجود میں آئے۔ اس مفروضے کو ہارورڈ کے

DNA نامی سالمے انسانی جسم کے ۰۰۱ کھرب خلیوں کے مرکزوں میں پائے جاتے ہیں اور ان کے اندر اس مخصوص انسانی جسم کی تعمیر کے لئے مکمل نقسہ موجود ہوتا ہے- اس انسان کی ظاہری ہیئت سے لے کر اندرونی اعضاءکی ساخت سے متعلق تمام معلومات DNA کے اندر محفوظ ہوتی ہیں-

کے سلسلوں میں موجود ہوتی ہیں جو کہ ایک بہت بڑے سالمے کی شکل میں موجود ہوتا ہے- ان بنیادوں کو G,T,A اور C کہتے ہیں جو کہ ان کے ناموں کے پہلے حرف ہیں- تمام انسانوں کے درمیان فرق ان کے DNA کے فرق پر منحصر ہوتا ہے جو کہ ایک طرح سے چار بنیادوں پر کھڑا بینک ہے- DNA کے حروف یا بنیادوں کی سلسلہ وار ترتیب ایک انسان کی معمولی ترین خاصیت کا بھی تعین کرتی ہے- قد، آنکھوں، بالوں اور جلد کے رنگ کے علاوہ ایک واحد خلئے میں موجود DNA میں ۶۰۲ ہڈیوں، ۰۰۶ عضلہ، ۰۰۱ کروڑ اعصابی خلیوں، ۰۰۰,۱ کھرب اعصابی جوڑوں، ۰۰۰,۷۹ کلو میٹر رگوں اور ۰۰۱ کھرب جسمانی خلیوں کے خاکے بھی موجود ہوتے ہیں- اگر DNA میں موجود تمام معلومات کو لکھا جائے تو ایک وسیع کتب خانہ بن جائے گا جس میں ۰۰۵ صفحات پر مبنی ۰۰۹ کتابیں ہوں گی-یہ تمام معلومات ایک خلئے کے مرکز میں بخوبی موجود ہوتی ہیں جوکہ خلئے کی ۰۰۱/۱ ملی میٹر لمبائی سے بھی کہیں چھوٹا ہوتا ہے-

DNA اتفاق سے وجود میں کیوں نہیں آسکتا

اس نقطے پر ایک اور اہم تفصیل قابل غور ہے- وہ یہ کہ کسی جین کی ترتیب میں نیوکلیوٹڈ کے سلسلوں میں ذراسی بھی غلطی اس تمام جین کو ناکارہ بنادیتی ہے- (جین نسلی توریث کی اکائی ہوتی ہے جو RNA یا DNA پر مشتمل ہوتی ہے) اگر ان ۰۰۰,۰۳ کے قریب انسانی جسم کے اندر موجود جین کو مدِنظر رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے ان میں موجود لاکھوں مرکزوں کا بالکل درست سلسلوں میں محض اتفاق سے وجود میں آجانا ناممکن ہے- ارتقائی ماہرِ حیاتیات فرینک سالسبیری نے اس ناممکن صورتحال کے اوپر رائے دی ہے کہ:

"ایک درمیانی لحمیہ کے اندر ۰۰۳ امینوترشے موجود ہوتے ہیں- ان کو قابو میں رکھنے والے DNA کی جینیاتی زنجیر کے اندر ۰۰۰۱ مرکز یا نیوکلیوٹڈ موجود ہوں گے- چونکہ DNA زنجیرمیں چار طرح کے مرکز یا نیوکلیوٹڈ ہوتے ہیں- ایک ۰۰۰۱ کڑیوں پر مبنی زنجیر ۰۰۰,۱۴ اشکال میں موجود ہوسکتی ہے- تھوڑے سے الجبرا کی مدد سے یہ دیکھا جاسکتا ہے ۰۰۶۰۱=۰۰۰۱۴-۰۱ کو اپنے آپ سے ۰۰۶ دفعہ ضرب دینے سے ۱ کے بعد ۰۰۶ صفر پر مشتمل عدد بن جاتا ہے- یہ عدد ہماری عقل کے لئے ناقابل فہم ہے"-۵۲۱

۰۰۰۱۴ کا عدد ۰۰۶۰۱ کے برابر ہے جس کا مطلب ہے کہ ۱ کے بعد ۰۰۶ صفر لگے ہوئے ہیں- اگر ۱ کے ساتھ ۲۱ صفر لگانے سے ایک کھرب بن جاتا ہے تو پھر ۰۰۶ صفر کس قدر ناقابل فہم عدد بنے گا اس کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے-DNA اور RNA کے نیوکلیوٹڈ کے اتفاقی طور پر مجتمع ہونے سے وجود میں آنے کی ناممکنہ صورتحال کو فرانسیسی سائنسدان پال آگر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"نیوکلیوٹڈ جیسے پیچیدہ سالموں کا کیمیائی واقعات کے ذریعے اتفاقی طور پر وجود میں آنے کا دو مخصوص مرحلوں میں جائزہ لینا ضروری ہے- نیوکلیوٹڈ کا ایک ایک کرکے وجود میں آنا اور پھر ان نیوکلیوٹڈ کا مخصوص سلسلوں کی شکل میں جڑ جانا - پہلا مرحلہ نسبتاً ممکن ہے جبکہ دوسرا مرحلہ اتفاق کے تحت سراسر ناممکن ہے"-۶۲۱

کئی سالوں تک فرانسس کرک کو سالموں کے ارتقائی نظریئے پر مکمل اعتقاد رہا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس قدر پیچیدہ سالمے کسی بھی ارتقائی عمل کے نتیجے میں اتفاقی اور اضطراری طریقوں سے وجود میں نہیں آسکتے:

"کوئی بھی ایماندار آدمی جو کہ جدید سائنسی علم سے لیس ہو وہ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ زندگی کی ابتداء ایک معجزے سے کم دکھائی نہیں دیتی"-۷۲۱

ترکی کا ارتقائی پروفیسر علی دمرسوئے ارتقاءکے موضوع پر مندرجہ ذیل اعتراف کرنے پر مجبور ہے:

"حقیقت تو یہ ہے کہ لحمئے اور نیوکلیک ترشے (DNA-RNA) کے وجود میں آنے کا امکان ایک ایسا امکان ہے جس کا اندازہ بھی ناممکن ہے- اس کے

کیا ہے جس میں اس نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہRNA کے اندرنہ صرف ان تمام ناممکنات کو ممکن بنانے کے لئے کن خصویات کا ہونا لازم تھا بلکہ ان تمام خصوصیات کا اس کے اندر موجود ہونا ہی دراصل کتنا ناممکن فعل تھا-اس کا مضمون ۴۹۹۱ءاکتوبر میں رسالہ "امریکن سائنٹسٹ" میں چھپا تھا:

"یہ صورتحال اس قت پیش آسکتی تھی اگر قبل از زندگی RNAکے اندر وہ دونوں خصوصیات موجود ہوتیں جوکہ آج مفقود ہیں- ایک تو لحمیات کی مدد کے بغیر خود نقلی کی صلاحیت اور دوسرا لحمیات کی ترکیب کے عمل کے ہر لمحے کو تیزی سے آگے بڑھانے کی صلاحیت کا موجود ہونا -"۵۳۱

اس وقت یہ واضح ہوجانا چاہئے کہ اوپر دئے گئے دونوں پیچیدہ اور بے انتہا ضروری عملیات کا RNAجیسے سالمے سے توقع رکھنا صرف ایک ارتقاءپسند نقطہ نظر سے ہی ممکن ہے- صرف ایک ارتقائی نوعیت کا تصور ہی اس کو ممکن بناسکتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت اور امکان نہیں ہے- ٹھوس سائنسی ثبوت اس بات کو صاف و صریح طور پر واضح کردیتا ہے کہ RNA کی دنیا کا مفروضہ ،جوکہ زندگی کی اتفاقی ابتداءکے لئے پیش کیا گیا نیا نقشہ ہے، وہ ایک سراسر غیر معقول اور توہمات پر مبنی کہانی ہے- ٹیکساس کی یونیورسٹی کے حیاتیاتی کیمیا دان گوڈرن ملز اور سین فرانسسکو اسٹیٹ یونیورسٹی کے ماہرِ خرد نامیہ حیاتیات ڈین کینن RNA کی دنیا کے منظر نامے میں موجود ڈارون کا معائنہ اپنے مضمون "دا RNA ورلڈ اے کریٹیک" یا "RNA کی دنیا، ایک تنقید" میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"RNA ایک بے انتہا غیر معمولی سالمہ ہے لیکن RNAکی دنیا کا مفروضہ کچھ اور ہی بات ہے -ہم کو کوئی ایسا جواز نہیں ملتا جس کے تحت ہم اس مفروضے کو درست مان کر اس کی تصدیق کرسکیں-"۶۳۱

سائنسی مصنف برگ کلائس اپنے ۱۰۰۲ میں چھپنے والے مضمون میں لکھتا ہے کہ ارتقائی سائنسدان اس موضوع پر بے حد ضد اور کٹر پن کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ اب تک ملنے والا ہر ثبوت ان کی ہر کوشش اور عقیدے کو ناکارہ اور ناقص ثابت کرتا ہے:

"RNAکی دنیا پر کی گئی تمام تحقیق ایک درمیانی نوعیت کی صنعت ہے- تمام تحقیق صرف یہ ثابت کرتی ہے کہ کرہءِ ارض کے قدیم ماحول میں بے جان مادے سے جاندار خلیوں کا اتفاق سے وجود میں آجانا ایک ناقابل تصور طور پر دشوار فعل ہے- صرف اس فعل کی دشواری کا ثابت ہونا ہی سائنس کے لئے ایک اہم قدم ہے- آنے والے وقت میں اور بھی قیمتی تحقیق سامنے آتی جائے گی-لیکن اس کے باوجود ارتقاءپسندوں کی یہ ضد کہ زندگی بے جان کیمیا سے اضطراری اور بے ارادی طور پر وجود میں آئی ایک بڑی قابل مہم بات ہے جوکہ ان پرانے زمانے کے کیمیا دانوں کے کام کے مشابہ ہے جوکہ سیسے کو سونا بنانے کی پرامید اور سرتوڑ کوششیں کرتے رہتے تھے-"۷۳۱

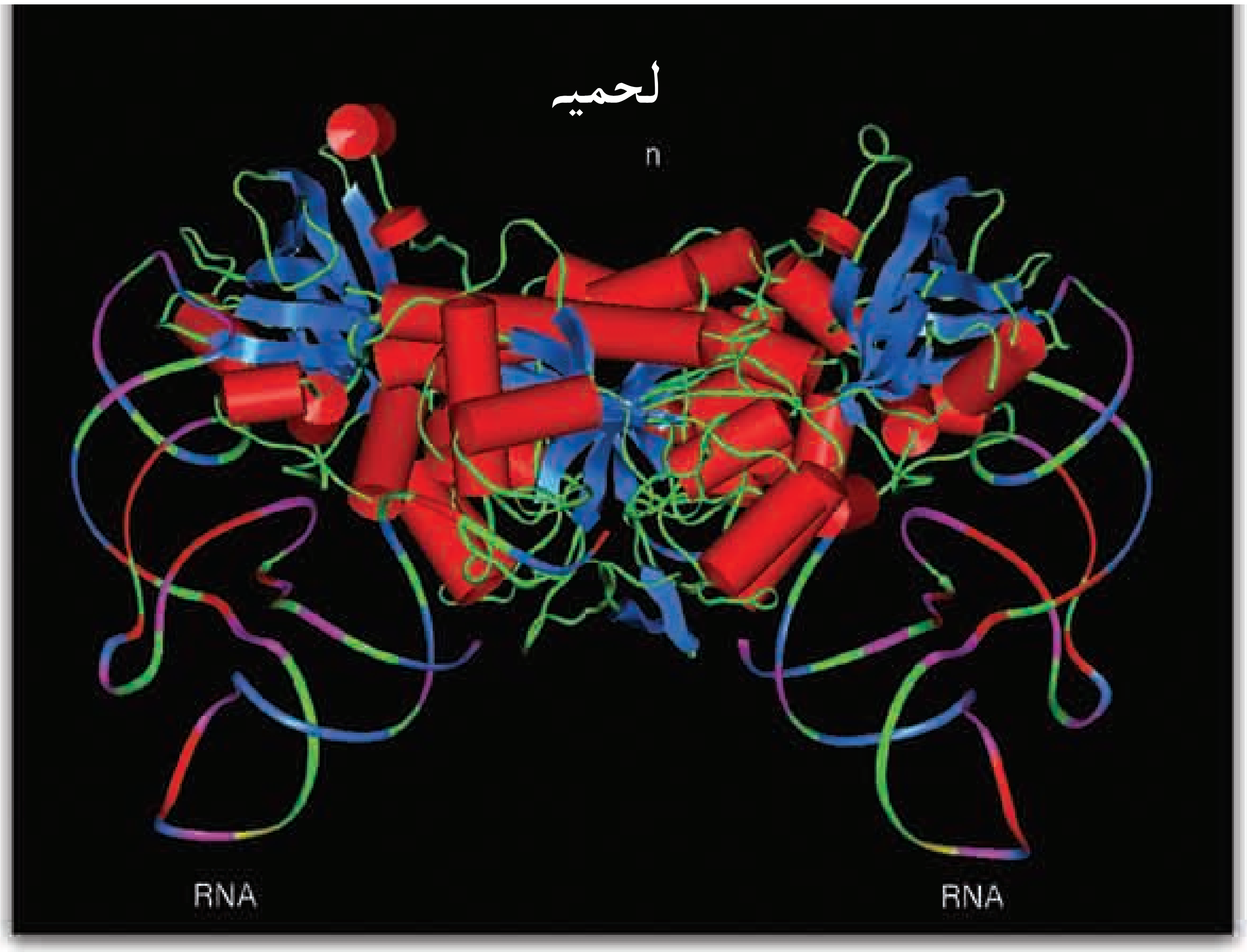

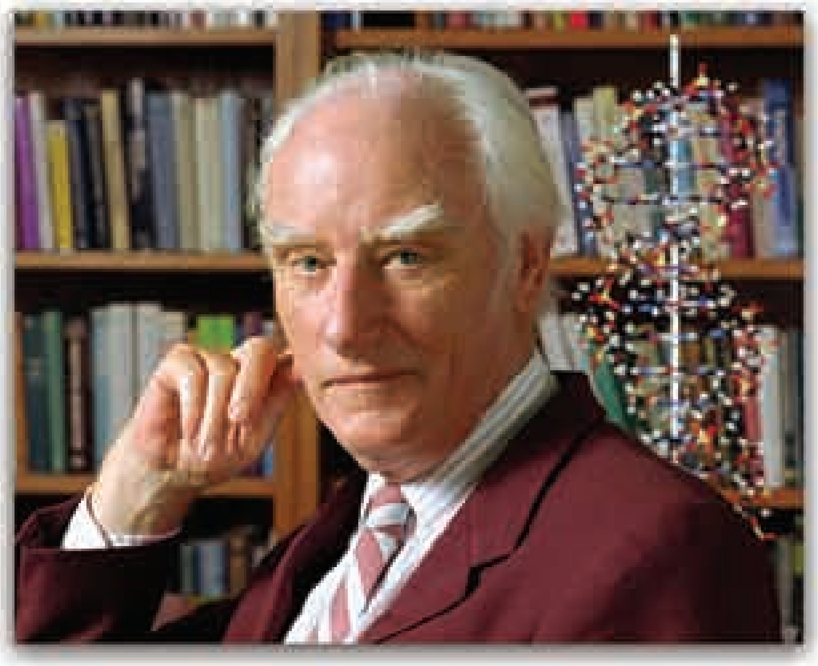

پروفیسر فرانسس کرک "زندگی کی ابتداءایک معجزہ لگتی ہے۔"

کیمیا دان والٹر گلبرٹ نے ۶۸۹۱ میں تشکیل کیا۔ اس
سے کروڑوں سال پہلے *RNA* کا ایک سالمہ جس کے اندر اپ
یہ *RNA* کا سالمہ بیرونی اثرات کے زیر اثر لحمیات پیدا
کے پیش نظر اتفاقی طور پر *DNA* کا پہلا سالمہ وجود م
نہ ختم ہونے والے زنجیر ہے کسی بھی صورت زندگی کی
زیادہ بڑھاکر مسئلے میں مزید سوالات کا اضافہ کردیتا ہ

۱- اگر *RNA* کو بنانے والے کسی ایک نیوکلیوئڈ کی سلسلوں میں جڑ کر *RNA* بن جاناکیسے مانا جاسکتا ہے؟
پر کہتا ہے:

"جیسے جیسے تحقیق دان *RNA* کی دنیا کے اصولوں کا جائزہ
ہے؟ *RNA* اور اس کے اجزاءبہترین ماحول کے تحت کسی تجربہ گاہ میں بھی ترتیب نہیں دئے جاسکتے تو پھر ان کا اتفاقی حالات کے تحت وجود میں آنا کیسے ممکن ہے۔"۲۳۱

۲- اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ *RNA* اتفاقی طور پر وجود میں آیا ہے تو پھر ایک نیوکلیوئڈ زنجیر پر مبنی *RNA* نے خود بہ خود دوسرا بننے کا فیصلہ کس طرح کرلیا؟ پھر یہ خود نقلی کا عمل اس نے کس طرح کا نظام استعمال کرتے ہوئے کیا؟ اس کو نئے *RNA*بنانے کے لئے نیوکلیوئڈ کہاں سے ملے؟ ماہر خرد حیاتیات جیرلڈ جوئس اورلسلی اورگل نے بھی اپنی کتاب "ان دا *RNA* ورلڈ"، یا "*RNA* کی دنیاکے اندر' ' اس مایوس کن صورتحال کے بارے میں رائے زنی کی ہے:

" اس تمام بحث کا محور ایک طرح سے ایک گھاس پھوس کا آدمی ہے: خود نقلی کرتا ہوا ایک *RNA* کے سالمے کی خےالی کہانی جو کہ کثیر تعداد نیوکلیوئڈ کے بے ترتیب آبی آمیزے میں وجود میں آتا ہے۔ اس طرح کا کوئی بھی خیال نہ صرف جدید حالیہ قبل از زندگی کیمیا کی تحقیق کے حساب سے غیر حقیقی ہے بلکہ یہ خیال تو کسی خود اندیش کی *RNA* کے اندر موجود کیٹالسٹ کی طاقت کے بارے میں سادہ لوحی پر بھی شدید دباؤ ڈالنے کے قابل ہے۔"۳۳۱

۳- اگر یہ فرض کربھی لیا جائے کہ قدیم ارضی ماحول میں خود نقلی کی صلاحیت رکھنے والا *RNA* موجود تھا، *RNA* کے استعمال کے لئے کئی اور طرح کے امینوترشے بھی دستیاب تھے اور یہ ناممکنات کسی طرح واقع ہو بھی گئیں توتمام صورتحال پھربھی کسی ایک بھی لحمیہ کی ترتیب کی طرف اشارہ نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ *RNA* صرف لحمیات کی ساخت سے متعلق معلومات کا ذخیرہ ہوتا ہے جبکہ امینو ترشے خام مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔صرف *RNA* کی موجودگی لحمیات کی تشکیل کے لئے کافی ہونا اتنا ہی مضحکہ خیز خیال ہے جتنا کہ یہ سوچ لینا کہ ایک موٹر کار خود بہ خود ایک خاکے کو لوہے کے ڈھیر پر پھینک دینے سے وجود میں آجائے گی۔کوئی بھی خاکہ یا نقشہ اس وقت تک موٹر کار نہیں بناسکتا جب تک کہ ایک کارخانہ اور اس میں موجود کارکن تمام حصوں کی تشکیل اس خاکے کے مطابق نہ کردیں۔ بالکل اسی طرح *RNA*کے اندر جاندار جسم کا خاکہ موجود ہوتا ہے جوکہ خود بہ خود لحمیات نہیں پیدا کرسکتا جب تک کہ اس کو خلئے کے ان دوسرے تمام اجزاءکا تعاون حاصل نہ ہو جو کہ *RNA* میں موجود ہدایت نامے کو مکمل طور پر نافذ نہ کردیں۔ لحمیات رائبوسوم کے کارخانے میں تشکیل پاتے ہیں۔ (رائبوسوم *RNA* اور متعلقہ لحمیات پر مشتمل مہین ذروں کو کہتے ہیں)۔ لحمیات کی تشکیل میں کئی سالموں کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہ تشکیل خلئے کے اندر نہایت پیچیدہ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ رائبوسوم خلئے کا پیچیدہ جز ہوتا ہے جو کہ لحمیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس صورتحال سے ایک اور غیر منطقی مفروضہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ پھر تو رائبوسوم کو بھی اتفاقاً اسی وقت وجود میں آجانا چاہئے تھا۔نوبل انعام جیتنے والے جاک موناڈ نظریۂ ارتقاءاور لادینیت کا شدد پسند حمایتی ہے۔ موناڈ کی توضیح کے مطابق لحمیات کی ترکیب محض نیوکلیک ترشے کے اندر موجود معلومات پر منحصر نہیں ہے:

"یہ خفیہ تحریر ا س قت تک بے کار ہے جب تک کہ اس کا ترجمہ نہ کرلیا جائے۔ جدید خلئے کی ترجمانی کا نظام کم از کم ۰۵ کلاں سالماتی اجزاءپر مشتمل ہے جن کے بارے میں تمام معلومات *DNA* کے اندر خفیہ طور پر تحریر ہوئی ہوتی ہیں۔ اس تحریر کا ترجمہ صرف وہ جز کرسکتے ہیں جوکہ خود بھی ترجمے کا نتیجہ ہوں۔ یہ اومنی و یوم ایکس اوروہ کا جدید اظہار ہے۔ یہ حلقہ کب اور کس طرح سے بند ہوا؟ یہ قیاس کرنا نہایت دشوار ہے۔"۴۳۱

قدیم ارضی ماحول میں رہنے والی ایک *RNA* کی زنجیر اس طرح کا فیصلہ کس طرح کرسکتی تھی اور اس نے کس طرح کے طریقے اپناتے ہوئے لحمیات کی تشکیل اپنے ۰۵ مخصوص ذرات سے کام لےتے ہوئے کی؟ حسبِ دستور ارتقاءپسندوں کے پاس ان تمام سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ڈاکٹرلسلی اورگل یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، سین ڈےگو میں اسٹینلی ملر اور فرانسس کرک کی ایک ہم منصب تھی۔ اس نے اس منظر نامے کی اصلاح کے لئے اپنا مضمون "دا اوریجن آف لائف"، یا"زندگی کی ابتدائ" پےش

تمام اعلیٰ سطح کی ناممکنات اتفاقی طور پر ممکن ہو بھی جاتیں تو کیا سالموں کا یہ ڈھیر زندہ ہوجاتا؟ ہرگز نہیں کیونکہ تحقیق کے تحت زندگی پیدا کرنے والے تمام ضروری اجزاءکا صرف آپس میں مل جانا ہی زندگی شروع کرنے کے لئے کافی نہیں ہے- اگر زندگی سے متعلق تمام لحمیات کو ایک تجرباتی نلکی میں ڈال دیا جائے تو یہ زندہ نہیں ہوسکتےن- اس سلسلے میں کئے گئے تمام تجربے ناکام رہے ہیں-تمام تحقیقات اور مشاہدات صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ زندگی زندگی سے آگے بڑھتی ہے،بے جان اجزاءسے نہےں- یہ دعویٰ کہ زندگی کا ارتقاءغیر جاندار اجزاءسے یا "تولید حیات از غیر حیات" طریقے سے ہوا ہے ایک ایسا مفروضہ ہے جو کہ ارتقاءپسندوں کے خوابوں کا حصہ ہے اور ہر تجربے اور مشاہدے کے منافی ہے- اسی طرح زمےن پر نمودار ہونے والی پہلی جان بھی کسی جاندار کا نتیجہ ہوگی- یہ اﷲ تعالیٰ کی صفت "حیّ" یعنی زندگی کا مالک کی طرف واضح اشارہ ہے- زندگی صرف اس کی مرضی سے شروع، برقرار اور ختم ہوسکتی ہے -جہاں تک نظریہٴ ارتقاءکا سوال ہے تو یہ نہ صرف زندگی کی ابتداءسے متعلق کوئی جواب دے سکتا ہے بلکہ یہ بھی واضح نہےں کرسکتا کہ زندگی کو چلانے کے لئے لازم اجزاءکس طرح وجود میں آکر مرکب کی شکل اختیار کرکے زندہ اجسام میں تبدیل ہوگئے- چاندرہ وکراماسنگھا اپنے آپ کو ایک ایسا سائنسدان کہتا ہے جس کو تمام زندگی یہ بتایا گیا تھا کہ زندگی اتفاقات کی کڑیوں کا نتیجہ ہے- حقیقت کا علم ہونے پر وہ لکھتا ہے:

"سائنسدان کے طور پر میری تربیت کے اول دور میں میری دماغ شوئی کی گئی تھی کہ سائنس کسی بھی طرح کی سوچی سمجھی تخلیق کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوسکتی- لےکن اب تکلیف دہ طور پر ہی سہی لیکن میں نے اس خیال کو چھوڑدیا ہے- اس وقت میرے پاس کسی طرح کی ایسی منطقی بحث موجود نہیں ہے جوکہ مجھے خدا کی طرف مڑنے کے راستے میں حائل ہوسکے- ہم بہت کھلا ذہن رکھتے تھے لیکن اب ہمیں احساس ہورہا ہے کہ زندگی کی ابتداءکے لئے سب سے استدلالی جواب صرف تخلیق ہے نہ کہ کوئی گھستی پھسلتی حادثاتی بے ترتیبی"-۸۳۱

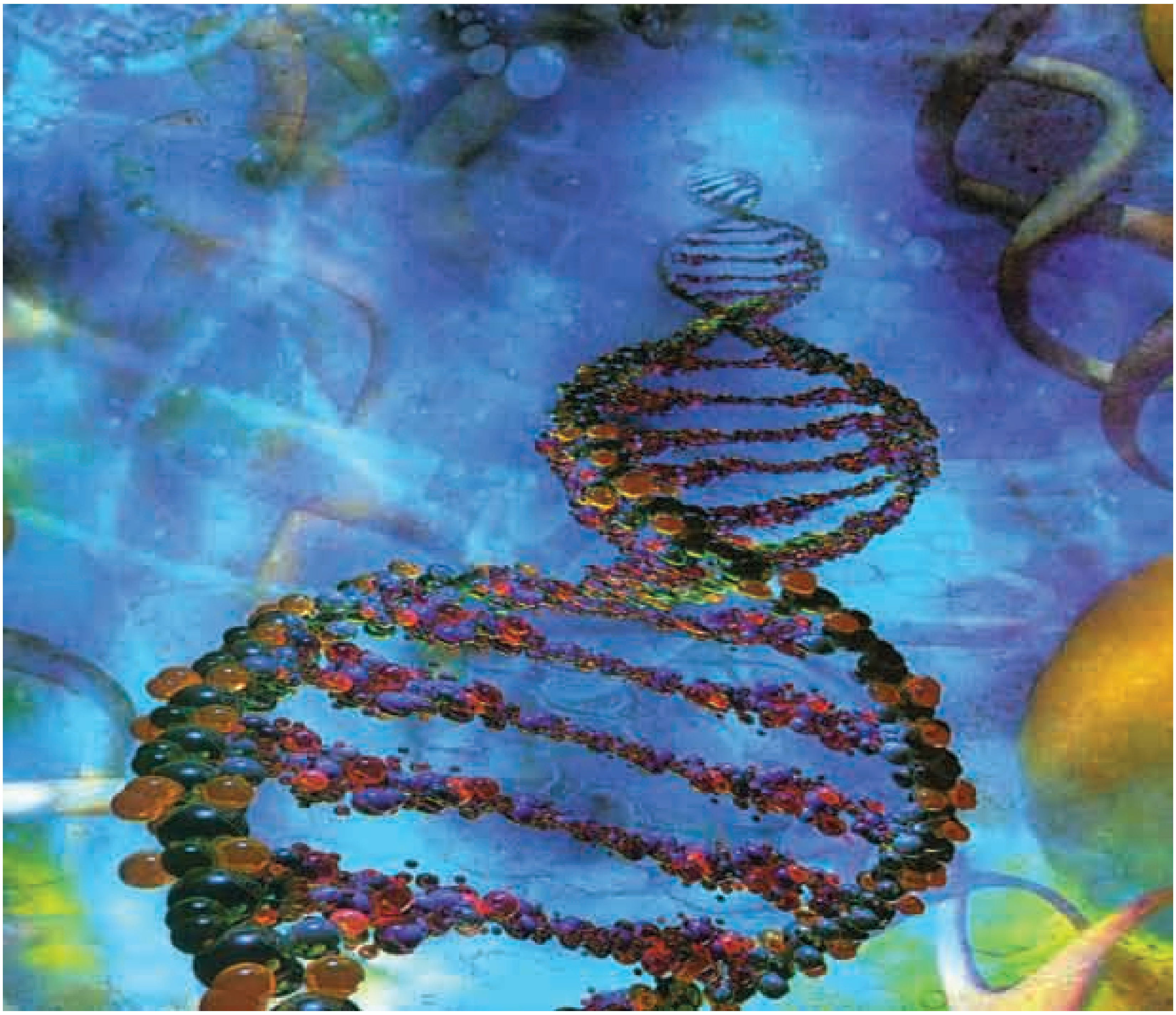

ارتقاءپسندوں کے اعترافات

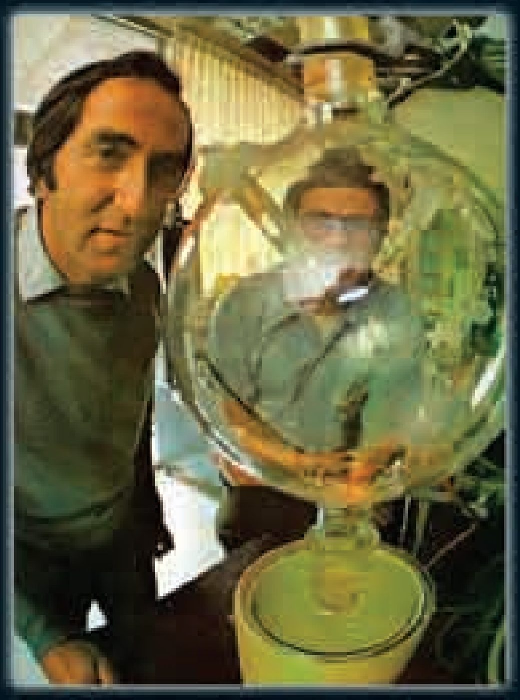

حساب شمار کا احتمال اس بات کو واضح کردیتا ہے کہ لحمیات اور RNA اور DNA جیسے پیچیدہ سالمے اتفاق سے اور ایک دوسرے سے آزادانہ طور پر وجود میں نہیں آسکتے- ارتقاءپسندوں کو اس سے زیادہ بڑا مسئلہ اس بات کے ثابت ہوجانے سے پیش آرہا ہے کہ ان تمام پیچیدہ سالموں‌کا زندگی کو قائم رکھنے کےلئے بیک وقت موجود ہونا لازمی ہے- اس ضرورت سے ارتقائی نظریۂ قطعاً طور پر سراسیمگی کا شکار ہے- اس نقطے پر آکر کئی سربرآوردہ ارتقاءپسند اعتراف پر مجبور ہوگئے ہیں -مثلاً اسٹینلی ملر اور فرانسس کرک کا یونیورسٹی آف سین ڈیگو، کیلیفورنیا کا قریبی منصب دار نامور ارتقاءپسند ڈاکٹر لسلی اور گل کہتا ہے:

"یہ نہایت ناممکن ہے کہ لحمیات اور نیوکلیائی ترشے جو کہ دونوں ساخت کے اعتبار سے پیچیدہ ہیں، بیک وقت ایک ہی جگہ ایک ہی وقت نمودار ہوئے -لیکن ایک کے بغیر دوسرے کا موجودہونا بھی ناممکن ہے- اسی لئے پہلی نظر میں ہی یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ زندگی کی ابتداءکیمیائی طریقوں سے ہو ہی نہیں سکتی تھی-"۱

اسی حقیقت کا اعتراف دوسرے سائنسدان بھی کرتے ہیں‌کہ خامروں کی مدد کے بغیر DNA نہ اپنا کام صحیح طور پر کرسکتا ہے اور نہ ہی نئے DNA کی تشکیل کرسکتا ہے- خلاصہ یہ کہ DNA کے بغیر لحمیات وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ہی لحمیات کے بغیر DNAتشکیل ہوسکتا ہے-۲

اپنے ترجمے کے طریقہ عمل یعنی رائبو سوم اور RNA کے ذروں کے ساتھ جینیاتی اشارے کس طرح وجود میں آئے؟ اس مقام پر ہم اپنے اپ کو کسی جواب کے بجائے صرف ستعجاب اور حیرت سے ہی تسلی دے سکتے ہیں-۳

نیویارک ٹائمز کا سائنسی مصنف نکولس ویڈ ۲۰۰۰ میں لکھے گئے ایک مضمون میں کہتا ہے:

"زمین کے اوپر زندگی کی ابتداءکے متعلق ہرچیز ایک راز ہے- لگتا ہے کہ اس معاملے میں جتنا ہمارا علم بڑھتا ہے اتنا ہی یہ راز شدت اختیار کرتا جاتا ہے"-۴

Leslie E. Orgel, "The Origin of Life on Earth", Scientific American, vol. 271, October 1994, p. 78--------1

John Horgan, "In the Beginning", Scientific American, vol. 264, February 1991, p. 119------2

Douglas R. Hofstadter, Godel, Escher, Bach: "An Ete*RNA*l Golden Braid", New York, Vintage Books,-----3 p. 548 ,1980

Nicholas Wade, "Life's Origins Get Murkier and Messier", The New York Times, June 13, 2000, pp. D1, D2-----4

زندگی کا تصور سالموں کے ڈھیر سے بالا تر ہے

ابھی تک تو یہ دیکھا گیا ہے کہ زندگی کی حادثاتی ابتداءکتنی ناممکن بات ہے- تھوڑی دیر کے لئے ان تمام ناممکنات کو نظر انداز کردیتے ہیں اور فرض کرلیتے ہیں کہ لحمیہ کا سالمہ بے حد غیر موزوں اور بے قابو قدیم ارضی دور کے ماحول میں وجود میں آگیا -چونکہ صرف ایک لحمیہ کی تشکیل ہی تو کافی نہیں تھی اس لئے اس ایک لحمیہ کو صبر سے ہزاروں یا شاید لاکھوں سال اس بے قابو اور غیر موزوں ماحول میں کسی بھی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر اس وقت تک انتظار کرتے رہنا پڑا ہوگا جب تک کہ اس کا ہو بہو ایک اور لحمیہ اتفاقی طور پر اسی ماحول میں نمودار ہوجاتا -پھر سے تاریخ دہرائی جاتی جب تک کہ مزید لحمئے اسی طرح محض اتفاقی طور پر نمودار نہیں ہوجاتے- پہلے بننے والے لحمےوں پرباوجود شدید ورائے بنفشی اور سخت میکانیکی اثرات کے اپنے آپ کو بچائے رکھ کر صبر سے دوسرے لحمیوں کے بننے کا انتظار کرنا لازم ہوتا- جب تمام لحمئے درست تعداد میں وجود میں آجاتے ،جو کہ ایک ہی جگہ پر اتفاقاً تشکیل ہوگئے، تو پھر وہ آپس میں اےک سوچی سمجھی اور پر معنی ترتیب کے تحت جڑ کر خلئے کے بنیادی جز کی شکل دھارلیتے- اس تمام ترکےب مےں‌کسی بھی فاضل اجزائ، مضر سالمہ یا ناکارہ لحمیہ کی زنجیر کا عمل دخل نہیں ہوسکتا-پھر اس عظیم تعاون اور یکجہتی کے تحت ایک بہترین نقشے کے زیر اثر آپس میں مل جانے کے بعد وہ اپنے ساتھ تمام ضروری خامروں کو بھی شامل کرلیتے اور خلئے کی مخصوص جھلی سے اپنے آپ کو ڈھک لیتے جس کے اندر ایک مخصوص قسم کا سیال موجود ہوتا جو کہ ان کی افزائش کے لئے موزوں ماحول فراہم کرتا- اگر فرض کے طور پر یہ

اور جلد یا بدیر اس کا بکھرنا اور ٹوٹنا لازم ہے- نوری تالیف اور دوسرے تمام زندگی سے متعلق اعمال حتیٰ کہ زندگی بذات خود حر حرکیات یا دوسری کسی مکمل سائنس کے ذریعے سمجھی نہیں جاسکتی ،باوجود اس کے کہ اس کام کے لئے بھٹکانے اور دانستہ طور پرسراسیمہ کرنے کی زبان کا استعمال کیا جاتا ہے-"[۴]

جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ حر حرکیات کا دوسرا قانون ارتقائی منظر نامے کے لئے سائنس اور منطق کے حساب سے ایک ناقابل عبور رکاوٹ ہے- ارتقاءپسند چونکہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے کوئی بھی سائنسی اور متوازن وضاحت دینے سے قاصر ہیں اسی لئے وہ اس کام کے لئے اپنے تصورات کا استعمال کرتے ہیں- مثال کے طور پر جانا پہچانا ارتقاءپسند جیریمی رفکن اپنے عقیدے کے بارے میں کہتا ہے کہ ارتقاءطبیعیات کے اس قانون کو جادوئی طاقت سے مات کردیتی ہے:

"اینٹروپی کا قانون کہتا ہے کہ ارتقاءزمین پر موجود زندگی کے لئے ناگزیر پوری قوت کو نابود کردیتا ہے- ارتقاءکے متعلق ہمارا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے- ہمارا عقیدہ ہے کہ ارتقاءکسی جادوئی طریقے سے زمین کے اوپر زیادہ قدر اور نظام پیدا کرتا ہے-"[۵]

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ارتقاءایک سائنسی مقالہ نہیں بلکہ ایک کٹر عقیدہ ہے-

کھلے نظام کی فرضی حکایت

ارتقاءکے کچھ حامی اس معاملے میں اس بحث سے مدد لیتے ہیں کہ حر حرکیات کا دوسرا قانون صرف "بند نظاموں" پر ہی لاگو ہوتا ہے اور کھلے نظام اس قانون کے دائرے سے باہر ہیں-

"کھلا نظام" وہ حرحرکیاتی نظام ہوتا ہے جس میں قوت اور مادہ اندر اور باہر کی طرف بہتے ہیں- ارتقاءپسندوں کا دعویٰ ہے کہ دنیا ایک کھلا نظام ہے کیونکہ یہ مستقل سورج کی توانائی کی زد میں ہے- ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اینٹروپی کا قانون دنیا پر مکمل طور پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ منظم اور پیچیدہ جاندار بے ترتیب، سادہ اور بے جان ساخت سے وجود میں آسکتے ہیں -لیکن اس منظر میں ایک واضح تصحیف ہے- کسی نظام میں قوت کے اندر جانے کی صلاحیت کا موجود ہونا اس نظام کو منظم بنانے کے لئے کافی نہیں ہے- اس قوت کو کارآمد بنانے کے لئے مخصوص طریقۂ عمل کا ہونا بھی لازم ہے- مثال کے طور پر گاڑی کو چلنے کے لئے ایک انجن، ترسیل کا نظام اور اختیار میں رکھنے کے لئے مختلف آلے چاہئےں جوکہ پیٹرول میں موجود قوت کو کارآمد بناسکیں- قوت کی تبدیلی کے مختلف نظاموں کے بغیر گاڑی پیٹرول میں موجود قوت کو استعمال نہیں کرسکتی-

یہی اصول زندگی کا بھی ہے- یہ سچ ہے کہ سورج کی توانائی زندگی کو قوت بخشتی ہے لیکن شمسی توانائی جانداروں کے اندر موجود ناقابل یقین طور پر پیچیدہ قوت کے ردوبدل کے نظام کے ذریعے کیمیائی قوت مےں تبدیل ہوتی ہے ،جیسے کہ پودوں میں نوری تالیف کا نظام اور انسانوں اور حیوانوں میں نظامِ انہضام -کوئی بھی جاندار قوت کی اس تبدیلی کے نظام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا- اگر تبدیلی کے یہ نظام نہ ہوں تو سورج کی گرمی صرف جلانے، سکھانے اور پگھلانے کا ذریعہ بن کر رہ جائے-

اس تمام وضاحت سے ثابت ہوتا ہے توانائی کے ردوبدل کے طریقہ کار کے بغیر حرحرکیاتی نظام ارتقاءکے لئے کارآمد ہو ہی نہیں سکتا چاہے وہ کھلا نظام ہو یا بند- کوئی اس بات پر اصرار نہیں کرسکتا کہ جاندار جیسے پیچیدہ اور باشعور نظام قدرت میں قدیم زمین کے ماحول کے زیر اثر نمودار ہوسکتے تھے-

ارتقاءپسندوں کو درپیش اصل مسئلہ تو یہ سوال ہے کہ پودوں کے اندر قوت کی ردوبدل کے لئے نوری تالیف کا پیچیدہ نظام ،جس کو جدید تکنیکی صلاحیت بھی نقل کرنے سے قاصر ہے ،خود اپنے آپ سے وجود میں کس طرح آے- دنیا کے اندر شمسی توانائی کا مسلسل بہاؤ بھی اس طرح کا نظام برآمد کرنے کا اہل نہیں ہے- اس کے علاوہ درجہ حرارت چاہے جتنا بھی بڑھ جائے امینو ترشے ترتیب سے جوڑ بنانے کی مزاحمت نہےں کرتے - توانائی بذات خود لحمیات کے پیچیدہ سالموں سے امینو ترشے نہیں کشید سکتی اور نہ ہی وہ خلیوں کی مزید پیچیدہ اور ترتیب وار ساخت سے لحمیات بناسکتی ہے- ہر سطح پر تنظیم اور ترتیب کا اصل اور اہم ذریعہ بے عیب تخلیق ہے-

مادے کی خوود تشکیلی کی فرضی حکایت

اس بات کے ثابت ہوجانے سے کہ حر حرکیات کا

حرحرکیات ارتقاءکی نفی کرتی ہے

حر حرکیات کا دوسرا قانون جو کہ طبیعیات کے بنیادی قوانین میں سے ایک ہے، اس کے حساب سے عام حالات کے اندر اپنے حال پر چھوڑدیئے گئے تمام نظام گزرتے وقت کے براہِ راست تناسب سے بے ترتیب، منتشر اور مسخ ہوجاتے ہیں- ہر چیز چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان گھس جاتی ہے، بگڑ جاتی ہے، سڑ جاتی ہے یا ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے- یہ ہی ہر جاندار کا قطعی انجام ہے اور اس قانون کے مطابق اس عمل سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا اور ہر کسی نے اپنی زندگی میں اس کا عملی مظاہرہ بھی یقینا دیکھا ہے -مثلاً اگرکوئی اپنی گاڑی کو صحرا میں لے جاکر چھوڑدے تو وہ یقینا اس بات کی توقع نہیں کرسکتا کہ وہ گاڑی اس کو کئی سال بعد واپسی پر اسی حالت یا اس سے بہتر حالت میں ملے گی - اس کے برخلاف گاڑی کے پہیوں کی ہوا نکل چکی ہوتی ہے، اس کے شیشے ٹوٹ چکے ہوتے ہیں، اس کا لوہا زنگ آلود ہوچکا ہوتا ہے اور انجن بھی ناکارہ ہوچکا ہوتا ہے -یہی عمل جانداروں پر بھی صادق آتا ہے-

حر حرکیات کا دوسرا قانون اس قدرتی عمل کی طبیعیاتی مساوات اور ریاضی کی جمع شمار کے ذریعے واضح ہے- طبیعیات کا یہ مشہور قانون "لا آف اینٹروپی" بھی کہلاتا ہے- طبیعیات میں اینٹروپی کسی نظام کی حر حرکی توانائی کے میکانیکی ضروریات کے لئے ناقابل حصول ہونے کی مقدار کو جانچنے کا ایک پیمانہ یا اندازہ وہتا ہے- جیسے جیسے کوئی نظام ترتیب، تنظیم اور منصوبہ بندی سے دور ہوکر بے ترتیبی، انتشار اور غیر منصوبہ بندیوں کی طرف جانے لگتا ہے اسی حساب سے ا س کی اینٹروپی بڑھتی جاتی ہے- جتنا زیادہ کسی نظام میں بے ترتیبی ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کے اندر اینٹروپی کا تناسب ہوگا- اینٹروپی کے قانون کے مطابق تمام کائنات ناگزیر طور پر بے ترتیبی، بدتنظیمی اور انتشار کی طرف بڑھ رہی ہے-

اینٹروپی کے قانون کی سچائی تجربوں اور فکر و نظر سے ثابت کی جاچکی ہے- تمام معروف سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ اینٹروپی کا قانون مستقبل میں اس نظریئے یا ضابطہ کار کا مثالی نمونہ رہے گا- اس دور کے سب سے بڑے سائنسدان آلربٹ آئنسٹائن نے اس قانون کو "سائنس کا اعلیٰ ترین قانون" کہا ہے- سر آرتھر ایڈنگٹن کے الفاظ میں یہ قانون "پوری کائنات کا بالاترین مابعدالطبیعیاتی قانون ہے-"۱

لیکن ارتقائی نظریہ طبیعیات کے اس بنیادی قانون کو نظر انداز کردیتا ہے- ارتقاءجو طریقہ عمل پیش کرتا ہے وہ طبیعیات کے دوسرے قانون کی ضد ہے- نظریۂ ارتقاءکے مطابق بے ترتیب، منتشر اور بے جان ایٹم یا اقل بنیادی اکائیاں وقت گزرنے کے ساتھ یکجا ہوکر *RNA*، *DNA* اور لحمیات جیسے انتہائی پیچیدہ سالموں کا روپ دھارگئیں اور اس کے ذریعے ان سے بھی زیادہ پیچیدہ ساخت کے حامل لاکھوں جاندار وجود میں آئے- نظریۂ ارتقاءکے مطابق یہ ازروئے دعویٰ عمل جوکہ ہر مرحلے پر قدرتی عمل سے بھی زیادہ نظم و ترتیب پیچیدگی اور تشکیل کی اعلیٰ صلاحیت مانگتا ہے، وہ خود بہ خود قدرتی ماحول کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتا چلا گیا- اینٹروپی کا قانون بہت واضح کردیتا ہے کہ یہ خیالی ارتقائی عمل طبیعیات کے تمام قوانین کی ضد ہے-

ارتقائی سائنسدان بھی اس مسئلے سے آگاہ ہیں- جے- ایچ- رش کہتا ہے :

> "اپنی ارتقاءکے پیچیدہ دور سے گزرتے ہوئے زندگی حر حرکیات کے دوسرے قانون سے واضح طور پر متضاد کیفیات کا اظہار کرتی ہے-"۲

ارتقاءپسند مصنف راجر لوون ارتقاءکے حرحرکیاتی تعطل کا ذکر رسالہ سائنس میں چھپنے والے ایک مضمون میں کرتا ہے:

> "ماہر حیاتیات کو پیش آنے والا ایک مسئلہ حر حرکیات کے دوسرے قانون اور ارتقاءکے درمیان موجود ناقابل تردید تضاد ہے- وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر نظام توڑ پھوڑ کا شکار ہوجاتا ہے اور ابتر حالت اختیار کرتا ہے نہ کہ بہتر-"۳

نظریۂ ارتقاءکا ایک اور حمایتی جورج اسٹیو روپولس زندگی کی اچانک تشکیل کی حر حرکیاتی ناممکنات اور پیچیدہ جاندار نظاموں کی قدرتی قوانین کے ذریعے توضیح کی مشکلات کی وضاحت مشہور ارتقائی جریدے "امریکن سائنٹسٹ" میں کرتا ہے:

> "عام حالات کے اندر کسی بھی طرح کا پیچیدہ مربوط سالمہ اچانک اور غیر ارادی طور پر وجود میں آہی نہیں سکتا بلکہ ایسے حالات میں اس کے منتشر ہوجانے کے امکان زیادہ ہیں کیونکہ یہی دوسرے قانون کی شرط ہے- جتنا زیادہ پیچیدہ کوئی نظام ہوگا اتنا ہی وہ غیر مستحکم ہوگا

سالموں کی وجہ ہے جوکہ جاندار نظاموں کے لئے ناگزیر ہیں- لیکن ان تمام مماثلوں کا زندگی کی ابتداءکے سوالات کے ساتھ بہ مشکل ہی کوئی رابطہ ہے- اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ترتیب اور پیچیدگی کے درمیان فرق کرنے سے قاصر ہیں- ترتیب اس کثیر تعداد معلومات کا ذخیرہ نہیں کرسکتی جوکہ جاندار نظاموں کو درکار ہیں- اس کے لئے بے شک ترتیب لیکن مطلوبہ ساخت زیادہ اہم طور پر درکار ہے- یہ ارتقاءپسندوں کی پیش کی گئی مماثلت میں سنجیدہ غلطی ہے- ایسے نظاموں میں قوت کے بہاؤ کی وجہ سے اچانک اور بے ربط پیدا ہونے والی ترتیب اور *DNA* اور لحمیات جیسے کلاں سالموں کی تشکیل کے لئے درکار کام کے درمیان کسی قسم کا بظاہر رابطہ نہیں ہے-”۷

حتیٰ کہ پریگوگین نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سالماتی سطح پر اس کے پیش کئے گئے نظریئے خلیوں جیسے جاندار نظاموں پر لاگو نہیں ہوتے- وہ کہتا ہے:

“حیاتیاتی ترتیب کے مسئلے میں سالماتی کارروائی سے خلئے کی اعلیٰ سالمی ترتیب تک عبور کا سوال بھی شامل ہے- یہ مسئلہ حل ہونے سے بہت دور ہے-”۸

تو پھر ارتقاءپسند “مادے کی خود ترتیبی” جیسے منظر ناموں پر یقین کیوں رکھتے ہیں یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ان منظر ناموں کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے؟ وہ جاندار نظاموں میں واضح عقل و فہم اور ترتیب کو رد کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ اس کا جواب ان کا مادیت پر کٹر یقین اور اس بات پر اعتقاد ہے کہ مادے کے اندر زندگی تخلیق کرنے کی کوئی پراسرار قوت موجود ہے-

نیویارک یونیورسٹی میں کیمیا کا پروفیسر اور *DNA* کا ماہر رابرٹ شاپیرو ارتقاءپسندوں کا مادے کی خود ترتیبی پر اعتقاد اور ان کی گھٹی میں پڑے کٹرمادی فلسفے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

“سادے قدرتی کیمیاءکے مرکبات اور پہلے کارآمد نقل پذیری کے آلے کے درمیان خلاءکو پر کرنے کے لئے ایک اور ارتقائی قانون کی ضرورت ہے- اس قانون اور اس کی کسی بھی تفصیل کو ابھی تک بیان نہیں کیا گیا لیکن اس کی امید بہرحال ہے- اس قانون کو کیمیائی ارتقاءاور مادے کی خود ترتیبی کا نام دیا گیا ہے- اس قانون کی موجودگی کو جدلیاتی مادےت کے فلسفے میں قبول کرلیا گیا ہے جس طرح سے ایلکسزانڈر اور پارن کی ’زندگی کی ابتدائ‘ پر لاگو ہوتا ہے-”۹

یہ تمام صورتحال صاف اور منطقی طور پر ثابت کرتی ہے کہ ارتقاءایک کٹر نظریہ ہے جوکہ اختیاری سائنس کے خلاف ہے اور یہ کہ زندگی کی ابتداءصرف اور صرف مافوق الفطرت قوت کی مداخلت سے بیان کی جاسکتی ہے- وہ مافوق الفطرت قوت اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے جس نے تمام کائنات کو خلاءسے تخلیق کیا- سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ ارتقاءحر حرکیات کی رو سے بھی ناممکن ہے اور زندگی کی موجودگی کا تخلیق کے علاوہ کوئی اور جواز نہیں ہے-

---

Jeremy Rifkin, “Entropy: A New World View”, New York, Viking Press, 1980, p.6--------1
J.H Rush, “The Dawn of Life”, New York, Signet, 1962, p. 35-----2
Roger Lewin, “A Downward Slope to Greater Diversity”, Science, Vol. 217, 24.9.1982, p. 1239----3
George P. Stravropoulos, “The Frontiers and Limits of Science”, American Scientist, vol. 65,------4 November-December 1977, p. 674
Jeremy Rifkin, “Entropy: A New World View”, p. 55----5
For further info. see: Stephen C. Meyer, “The Origin of Life and the Death of Materialism”,-------6
The Intercollegiate Review, 32, No. 2, Spring 1996
Charles B. Thaxton, Walter L. Bradley and Roger L. Olsen, “The Mystery of LIfe’s Origin: Reassessing------7
Current Theories, 4 Edition, Dallas, 1992, ,Chapter 9, p. 134
Ilya Prigogine, Isabelle Stengers, “Order Out of Chaos”, New York, Bantam Books, 1984 p. 175-----8
Robert Shapiro, “Origins:A Sceptics Guide to the Creation of LIfe on Earth”, Summit Books,-----9
New York: 1986, p.207

دوسرا قانون ارتقاءکو ناممکن بنادیتا ہے کچھ ارتقاءپسند سائنسدانوں نے قیاس آرائی پر مبنی طریقوں کے ذریعے ارتقاءکے امکان کو ثابت کرنے کے لئے دونوں کے درمیان موجود دائرے کے رقبہ کے برابر مربع بنانے کی کوشش شروع کردی- لیکن ان تمام کوششوں نے بھی صرف یہ ثابت کیا کہ نظریۂ ارتقاءکو ایک ناقابل فرار تعطل درپیش ہے- حر حرکیات اور ارتقاءکے ملاپ کی کوششوں کے لئے بیلجیم کا سائنسدان الیا پیروگینین کافی جانا پہچانا ہے- انتشار کے نظریئے سے ابتداءلیتے ہوئے پیروگینین نے کئی مقالے پیش کئے جن میں انتشار سے نظم و ضبط پیدا ہوتے بتایا گیا- اس نے بحث کی کہ کچھ کھلے نظام بیرونی توانائی کے مسلسل اندر آنے کی وجہ سے اینٹروپی میں کمی دکھانے لگتے ہیں- اس کے ذریعے پیدا ہونے والے احکامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مادہ اپنے آپ کو خود تشکیل دے سکتا ہے- اس وقت سے مادے کی ’خود تشکیلی کا تصور ’ارتقاءپسندوں اور مادہ پرستوں میں کافی مقبولیت اختیار کرگیا -

ان لوگوں کا اب یہ رویہ ہے گویا ان کو زندگی کی پیچیدگی کے لئے مادی ابتداءاور زندگی کی ابتداءکے مسئلے کا مادی حل مل گیا ہے -لیکن تفصیلی تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بحث مکمل طور پر خیالی اور درحقیقت صرف ایک آرزومندانہ سوچ ہے- اس کے علاوہ اس کے اندر ایک نادان فریب بھی شامل ہے- یہ فریب دو الگ الگ تصورات “ترتیب” اور “تنظیم” کا دانستہ الجھاؤ ہے-“[6]

اس بات کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے- ایک ہموار سمندری ساحل کا تصور کریں -جب طاقتور لہریں ساحل پر آتی ہیں تو ساحل کی سطح پر ریت کے چھوٹے اور بڑے تودے وجود میں آجاتے ہیں- یہ “احکامات” کا عمل ہے- ساحل ایک کھلا نظام ہے اور توانائی کی لہر پانی کی لہریں ہیں جوکہ اس تک آنے کی وجہ سے تودوں کی شکل میں مختلف نقش بناتی ہیں جوکہ بظاہر تو بہت عام لگتی ہیں- حر حرکیات کے نقطۂ نظر سے لہروں نے بغیر ترتیب کی کسی جگہ پر ترتیب پیدا کی- لیکن یہاں پر اس بات کو واضح کردینا بھی لازم ہے کہ یہ سمندری لہریں ساحل پر کوئی ریت کی عمارت نہیں کھڑی کرسکتیں- اگر یہاں پر کوئی عمارت نظر آبھی گئی تو اس بات میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ اس کو کسی باشعور قوت نے تشکیل کیا ہے کیونکہ عمارت ایک منظم نظام ہے- دوسرے الفاظ میں اس کے اندر واضح نقشہ اور معلومات موجود ہیں- اس کا ہر حصہ ایک عقل مند قوت نے باقاعدہ نقشے کے تحت تشکیل کیا ہوگا-

ریت اور اس پر تعمیر ریت کی عمارت کے درمیان یہ فرق ہے کہ پہلی چیز ایک منظم پیچیدگی ہے جبکہ دوسری چیز میں صرف ترتیب ہے جوکہ سادی تکرار سے پیدا ہوئی ہے- تکرار سے پیدا ہوئی ترتیب اس طرح ہے جیسے کسی شے (یعنی کہ قوت کے بہاؤ کا کسی نظام میں داخل ہونا) کا ٹائپرائٹر کے اوپر کسی ایک حرف پر گرجانے سے اس حرف کا کئی سو دفعہ کاغذ پر ٹائپ ہوجانا- کسی حرف کی سطروں کی اس نوعیت کی تکرار میں نہ تو کوئی معلومات ہیں اور نہ پیچیدگی-پیچیدہ حرف کو ملاکر باقاعدہ الفاظ بنانے کے لئے عقل و فہم کا موجود ہونا لازم ہے -یعنی کہ ایسے حرف، الفاظ، مضمون یا کتاب بغیر سوچے سمجھے نقشے کے بغیر بن ہی نہیں سکتے-

یہی اصول اس وقت لاگو ہوتا ہے جب کسی گرد آلود کمرے میں ہوا آتی ہے- ہوا کے ذریعے ہموار سطح میں پڑی ہوئی مٹی کمرے کے ایک کونے میں جمع ہوجاتی ہے- یہ بھی ایک ترتیب وار صورتحال ہے جس میں حر حرکیاتی نقطہ سے پہلے کی نسبت زیادہ ترتیب موجود ہے- لیکن مٹی کے انفرادی ذرے زمین کے اوپر منظم شکل اختیار کرتے ہوئے کسی کی باقاعدہ شکل نہیں بناسکتے- اس کا مطلب یہ ہے کہ پیچیدہ منظم نظام قدرتی عوامل کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتا- ترتیب کی سادہ مثالیں گاہے بگاہے نظر تو آسکتی ہیں لیکن یہ ایک مخصوص حد سے تجاوز کبھی بھی نہیں کرسکتیں -لیکن ارتقاءپسند قدرتی عوامل سے پیدا ہونے والی وقتاً فوقتاً خود ترتیبی کو ارتقاءکا سب سے اہم ثبوت کہتے ہیں اور ان مثالوں کو اس بات کی تجویز کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جاندار نظام اپنی مرضی سے قدرت کے ایسے واقعات اور کیمیائی رِدِ عمل کے ذریعے وجود میں آتے ہیں اور ترقی پاتے ہیں- پریگوگین اور اس کے حامیوں کے استعمال شدہ تمام طریقے، تجربے اور مشاہدے اسی پرفریب منطق پر کھڑے کئے گئے ہیں-

امریکن سائنسدان چارلس تھیکسٹن، والٹر بریڈلی اور روجر اولسن نے اپنی کتاب “دامسٹری آف لائف اوریجن” یا “یا زندگی کی ابتداءکا بھید” میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

“ہرصورتحال میں کسی بھی مائع میں سالموں کی بے ترتیب حرکت ایک بے پناہ ترتیب وار انداز و اطوار سے اچانک اور اضطراری طور پر بدل جاتی ہے- پریگوگین، ایگن اور دوسروں کا یہ خیال ہے کہ اسی سے ملتی جلتی خود ترتیبی مربوط کیمیا میں بھی فطری ہے اور شاید ان پیچیدہ کلاں

پھر بھی اس بات کو مانتا ہے کہ نظریۂ ڈارون زندگی کی حقیقت کو بیان کرنے سے قاصر ہے- گراسے اتفاق کی منطق کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے جو کہ نظریۂ ڈارون میں ریڑھ کی ہڈی جتنی اہمیت رکھتی ہے:

"جینیاتی بے ترتیبی کا اتنے موزوں وقت پر ظاہر ہونا جس کے تحت تمام حیوان اور نباتات اپنی مطلوبہ ضرورتوں کو پورا کرسکے ایک ناقابل یقین بات ہے لیکن نظریۂ ڈارون کے تقاضے اس سے بھی بڑھ کر ہیں- ایک واحد پودے اور واحد حیوان کو اس طرح کے ہزاروں خوش قسمت موزوں حالات کی ضرورت ہے- اسی لئے اس اصول کو معجزہ ہی کہہ سکتے ہیں جس کے ذریعے بے حد ناممکن صورتحال کے واقع ہوجانے میں بھی کوئی شک نہ ہو- خوش خیالی اور تصورات کی دنیا میں رہنے کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے لیکن سائنس کو اس پر لطف مشغلے سے دوررہنا چاہئے-"۱۳۹

گراسے ارتقاءپسندوں کا اتفاق سے متعلق خےالات پر بھی رائے زنی کرتا ہے:" **اتفاق ایک نظام قدرت بن جاتا ہے جس کی لادینیت کے لبادے میں گوکہ کھلم کھلا نہیں بلکہ خفیہ طور پر پرستش کی جاتی ہے-**"۱۴۰

ارتقاءپسندوں کی پردلائل ناکامی ان کا اتفاق کے تصور کو مقدس مقام دینے کا نتیجہ ہے-

قرآن میں آتا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی پرستش کرتے ہیں ان کی سمجھ بوجھ ختم ہوجاتی ہے-

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں- (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۹)

ڈارون کا فارمولہ

اب تک پیش کئے گئے تمام تکنیکی ثبوت کے علاوہ اب ان توہمات کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے جو نظریۂ ارتقاءکی بنیاد ہیں- اس کے لئے جو مثال استعمال کی جارہی ہے وہ اس قدر سادہ ہے کہ بچوں کو بھی با آسانی سمجھ میں آسکتی ہے-

نظریۂ ارتقاءکا دعوٰی ہے کہ زندگی اتفاق کے ذریعے وجود میں آئی- اس دعوے کے مطابق خلئے بے جان اور بے شعور اقل ترین اجزاءیا ایٹم کے مرکب سے وجود میں آئے اور پھر ےہ خلئے کسی نامعلوم طریقے سے جڑ کر انسانوں اور دوسرے جانداروں کا روپ دھارگئے- جب زندگی سے متعلق بنیادی عناصر یعنی کاربن، فاسفورس، نائٹروجن اور پوٹاشیم کو ملالیا جائے تو ایک ڈھیر کی شکل حاصل ہوجاتی ہے- چاہے اس ایٹمی ڈھیر کو کتنے ہی عملےات سے گزارا جائے یہ ایک زندہ جاندار کاروپ نہیں دھارسکتا- اب اس موضوع پر ایک تجربہ تشکیل دیا جائے گا اور ارتقاءپسندوں کی طرف سے اس کا معائنہ کیا جائے گا کیونکہ چاہے وہ باآواز اس بات کا اعتراف نہ بھی کریں لیکن یہی ان کا "ڈارون فارمولہ" ہے-

ارتقاءپسندوں کو ےہ اختےار دے دےا جاتا ہے کہ وہ بڑے بڑے لکڑے کے بیچ میں سے ابھرے ہوئے ڈھول نما ظرفوں میں جانداروں میں موجود عناصر مثلاً فاسفورس، نائٹروجن، کاربن، آکسیجن، آئرن اور میگنیشیم ڈال دیں- اس کے علاوہ وہ ان ظرفوں میں وہ اجزاءبھی ڈال سکتے ہیں جوکہ عام حالات میں موجود نہیں ہوتے لیکن ان کے خیال سے ضروری ہیں- اس مرکب میں وہ اپنی مرضی سے امینو ترشے بھی ملاسکتے ہیں جن کا قدرتی اثرات کے تحت وجود میں آنا ناممکن ہے- وہ اپنی مرضی سے لحمیات بھی ملاسکتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے وجود میں آنے کے امکان ۱۰۹۵۰ ہو- اب وہ اس مرکب کو جس قدر زیادہ چاہیں حرارت اور نمی پہنچاسکتے ہیں اور اس کو اپنی مرضی کے تکنیکی آلات سے ملاسکتے ہیں- وہ اس تجربے کو کروانے کے لئے ذہین ترین سائنسدانوں کی خدمات بھی استعمال کرسکتے ہیں جو کہ ان ظرفوں کے پاس باری باری کروڑوں، کھربوں سال انتظار بھی کرسکتے ہےں- لےکن اےک جاندار جسم کی تشکیل کے لئے ان کو ہر طرح کے اجزاءاور آلات استعمال کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہونے کے باوجود وہ چاہے کچھ بھی کرلیں مگر وہ ان ظرفوں سے ایک بھی جاندار جسم نکال کر نہیں دکھاسکتے-

وہ جرافے، شیر ، شہد کی مکھیاں، پرندے، گھوڑے، ڈولفن مچھلیاں، گلاب، ثعلب مصری، کنول، گل لحمی، کیلے، کینو، سیب، کھجور، ٹماٹر، سردے، تربوز، انجیر، زیتون، انگور، آڑو، دراج، تتلیاں یا اسی طرح کے لاکھوں دوسرے جاندار ان ظرفوں میں پیدا نہیں کرسکتے - جاندار تو دور کی بات وہ ایک زندہ خلیہ بھی پیدا نہیں کرکے دکھاسکتے- خلاصہ یہ کہ بے شعور اور بے جان اقل اکائیاں مل کر ایک جاندار خلیہ نہیں بناسکتیں- وہ کسی قسم کا نیا فیصلہ کرتے ہوئے ایک خلئے کو دو حصوں میں تقسیم بھی نہیں کرسکتے اور نہ ہی زندگی کی تشکیل سے متعلق دوسرے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہوئے قابل اور عقلمند پروفیسر بناسکتے ہیں جنھوں نے دنیا کا سب سے پہلا برقی عدسہ ایجاد کرکے اپنے ہی خلیوں کی ساخت کا اس کے نیچے معائنہ کیا- مادہ صرف اور صرف عظیم تخلیقی فن کے ذریعے جاندار بن جاتا ہے- نظریۂ ارتقاءاس کے بالکل برعکس دعوٰی کرتا ہے اور منطق کے خلاف ایک کج فہمی اور مغالطہ ہے- ارتقائی دعوؤں کے متعلق اگرتھوڑے سے بھی غیر جانبدارانہ رویئے سے سوچا جائے تو حقیقت اوپر دی گئی مثال کی طرح واضح ہوجاتی ہے-

آنکھ اور کان کی فنیات

ایک اور ایساموضوع جس کی وضاحت ارتقاءپسند ابھی تک نہیں کرسکے ہیں وہ آنکھ اور کان میں موجود بہترین قوتِ مشاہدہ ہے- اس موضوع پر مزید بات کرنے سے پہلے اس سوال کا مختصر جواب دیا جائے گا کہ ہم لوگ دیکھتے کیسے ہیں؟ کسی بھی

گیارھواں باب

نقشے اور خاکے اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتے

پچھلے باب میں دیکھا گیا کہ زندگی کا حادثاتی طور پر وجود میں آنا کس قدر ناممکن ہے- اگر ان تمام ناممکنات کو ایک بار پھر نظر انداز کردیا جائے اور فرض کرلیا جائے کہ لاکھوں سال پہلے ایک خلیہ زندگی سے متعلق تمام اجزاءکو حاصل کرکے خود بہ خود زندہ بھی ہوگیا تو اس نقطے پر آکرنظریہٴ ارتقاءایک بار پھر زمین بوس ہوجاتا ہے کیونکہ اگر یہ خلیہ تھوڑی دیر زندہ رہ بھی جاتا تو بالآخر اس کو مرنا ہی تھا- اس کے مرنے کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہتا اور ہر چیز دوبارہ وہیں پہنچ جاتی جہاں سے شروع ہوئی تھی- اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پہلے جاندار خلئے میںکسی بھی طرح کی جینیاتی معلومات کا مکمل فقدان ہونے سے اس کے اندر خود نقلی یا نسل کو آگے بڑھانے کی کوئی صلاحیت موجود نہیں ہوتی- زندگی کی موت اس خلئے کے ساتھ ہی واقع ہوجاتی-

جیناتی نظام صرف *DNA* پر ہی مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر *DNA* کی خفیہ زبان کا ترجمہ کرنے والے خامروں، اس ترجمے کے بعد پیامی *RNA* کا پیدا ہونا ،اس ترجمے کے مطابق *RNA*سے جڑنے والے رائبوسوم، منتقلی *RNA* جس کے ذریعے امینوترشے رائبوسوم میں منتقل ہوسکیں اور اس کے علاوہ کئی وسطی مراحل کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے بے انتہا پیچیدہ خامروں کی موجودگی بھی جینیاتی نظام میں بے انتہا اہم ہے- اس طرح کا ماحول خلئے کی مکمل طور پر علیحدہ اور منظم فضا کے علاوہ کہیں اور موجود نہیں ہوسکتا- نتیجتاً مربوط مادہ صرف اس وقت اپنی مزید افزائش کرسکتا ہے جب وہ پہلے سے مکمل طور پر تمام عضو کے ساتھ تشکیل ہوا خلیہ ہو اور جوکہ ایسے ماحول میں موجود ہو جہاں پر وہ بخوبی زندہ رہ سکتا ہو، اجزاءکا مبادلہ کرسکتا ہو اور اپنے ماحول سے توانائی بھی اخذ کرسکتا ہو- اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ زمین پر پہلا خلیہ اچانک اس حیرت انگیز اور پیچیدہ ساخت کے ساتھ اچانک وجود میں آگیا- اگر کوئی اتنی پیچیدہ ساخت وجود میں آجائے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس سوال کو ایک مثال سامنے رکھتے ہوئے پیش کرتے ہیں-

ایک خلئے کا موازنہ اس کی ساخت کی پیچیدگی کے حساب سے ایک جدید تکنیکی گاڑی سے کرتے ہیں-(سچ تو یہ ہے کہ خلیہ باوجود گاڑی کے انجن اور تکنیکی صلاحیت کے اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے-) اب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک گھنے جنگل سی گزرتے ہوئے کسی کو اچانک اےک نئی جدید گاڑی درختوںکے درمیان کھڑی ہوئی مل جائے توپ کیا سوچے گا؟ کیا وہ سوچے گا کہ

جنگل سے کئی عناصر اچانک لاکھوں سالوں پر محیط عرصے کے دوران آپس میں مل کر اچانک یہ گاڑی بن گئے؟ گاڑی کے تمام حصے لوہے، تانبے اور ربر جیسی اشیاءسے بنے ہوئے ہیں جوکہ خام حالت میں زمین پر موجود ہیں لیکن کیا ان اشیاءکا زمین پر موجود ہونا بھی کسی کو یہ سوچنے پر قائل کرسکتا ہے کہ یہ اجزاءاتفاق سے مربوط شکل اختیار کرکے گاڑی کی شکل اختیار کرگئے؟ کوئی بھی صحت مند ذہن اس بات پر شک نہیں کرسکتا کہ یہ گاڑی اتفاق کا نہیں بلکہ ایک عقلمند نقشے کا یا کارخانے کا نتیجہ ہے اور مزید یہ بھی سوچے گا کہ آخر یہ گاڑی جنگل کے بیچوں بیچ کیا کررہی ہے؟ کسی پیچیدہ ساخت کا مکمل شکل میں اچانک نمودار ہونا اس کے پیچھے ایک عقلمند کارکن کے ہونے کی نشاندہی کرتا ہے- خلئے کا پیچیدہ نظام بھی بلاشبہ ایک اےسی ہی عظیم مرضی اور طاقت کا نتیجہ ہے -دوسرے الفاظ میں یہ صرف اللہ کی تخلیق کی طور پر وجود میں آیا ہے-

اس بات پر یقین کرنا کہ اتفاق بہترین نقشے پیدا کرسکتا ہے منطق کی تمام حدود کو توڑتا ہوا ایک تصور ہے- نظریہٴ ارتقاءکا زندگی کے بارے میں دیا گیا ہر جواب اور پیش کیا گیا ہر مفروضہ اسی طرح ہے- اس موضوع کا ایک منہ پھٹ ماہر مشہور فرانسیسی ماہر حیوانات پیر پال گرا سے ہے جو کہ فرانسیسی سائنسی اکیڈمی کا سابقہ سربراہ بھی ہے- گراسے ایک مادہ پرست ہے لیکن وہ

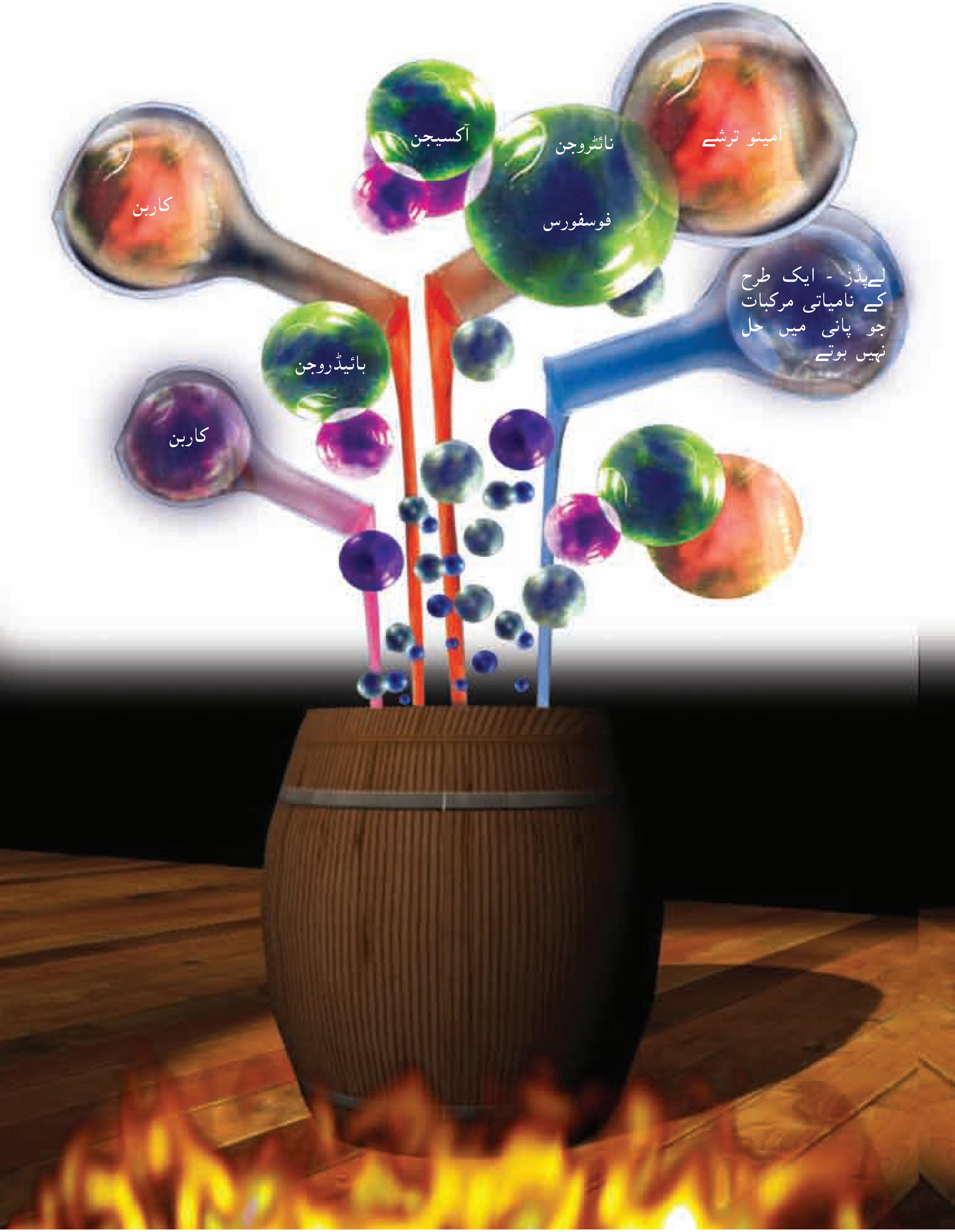
آکسیجن
نائٹروجن
امینو ترشے
کاربن
فوسفورس
لےپڈز - ایک طرح کے نامیاتی مرکبات جو پانی میں حل نہیں ہوتے
ہائیڈروجن
کاربن

ارتقاءپسندوں کا یہ یقین ہے کہ اتفاق بذات خود ایک تخلیقی قوت ہے- فرض کے طور پر ایک بہت بڑا ظرف لے لیا جاتا ہے جس کے اندر ارتقاءپسند ایک جاندار خلئے کی پیداوار کے لئے جن اجزاءکی ضرورت مناسب سمجھتے ہیں وہ ڈال سکیں- اب وہ اس ظرف کو گرم بھی کرسکتے ہیں، ٹھنڈا بھی کرسکتے ہیں اور اس پر بجلی بھی گراسکتے ہیں- وہ اس ظرف کی نگرانی کئی نسلوں تک کرسکتے ہیں- غرضیکہ ایک جاندار وجود کی پیداوار کے لئے جو بھی اقدام لازمی ہیں وہ ان کا استعمال کرسکتے ہیں- لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اس ظرف سے ایک واحد جاندار خلیہ تک پیدا نہیں ہوسکتا- اس میں سے کوئی گھوڑا، تتلی، بطخ، سیب، لیموں کا درخت، الوّ یا چیونٹی تک نمودار نہیں ہوسکتی- اس ظرف کی نگرانی کرنے والے ارتقاءپسندوں کی ہر کوشش کے باوجود وہ کسی ایک بھی ایسے سائنسدان کو اپنی کسی بھی ایسی محنت سے پیدا کرکے نہیں دکھاسکتے جوکہ خوردبین کے نیچے اپنے ہی خلیوں کا معائنہ کرسکے اور نہ ایسے انسان وجود میں لاسکتا ہے جس کے اندر سوچنے ، بحث کرنے، فیصلہ کرنے، خوش ہونے یا اداس ہونے کی صلاحیت موجود ہو-

شبیہ سے نکلنے والی روشنی کی شعائیں مخالف رخ سے آنکھ کی پتلی پر پڑتی ہیں- یہاں سے یہ روشنی کی شعاعیں برقی اشارات کے ذریعے خلیوں میں منتقل ہوتی ہیں اور دماغ کے پیچھے کی طرف موجود ایک چھوٹے سے مقام تک پہنچ جاتی ہیں جس کو بینائی کا مرکزکہتے ہیں- برقی اشارات بینائی کے اس مرکز میں اور بھی کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد ایک مکمل خاکے کی شکل دھارلیتے ہیں- اس تمام تکنیکی معلومات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب مزید آگے بڑھتے ہیں-

دماغ روشنی سے مکمل طور پر محفوظ ہے جس کا مطلب ہے کہ دماغ کے اندر گھپ اندھیرا ہے اور یہاں پر کسی بھی قسم کی معمولی سی بھی روشنی نہیں پہنچتی- بینائی کا مرکز بھی ایک روشنی سے عاری ٹھوس تاریک جگہ ہے - لےکن انسانی تصور سے بھی زیادہ اس گھپ تاریک مقام پر ایک نظروں کو خےرہ کرتی ہوئی اےک روشن اور چمکیلی دنیا دیکھنے میں آتی ہے-

آنکھ کے اندر بسنے والا خاکہ اسقدر تیز اور واضح ہوتا ہے کہ ۲۰ صدی کی تمام تکنیکی مہارت بھی ایسا خاکہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہے- مثال کے طور پر اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کو اور اپنے ہاتھوں کو دیکھیں پھر اپنا سر اٹھاکر نظریں اطراف میں دوڑائیں کیا آپ نے اس سے زیادہ تیز اور واضح خاکہ یا تصویر کسی اور جگہ دیکھی ہے؟ دنیا کا جدید ترین ٹیلویژن جس کو دنیا کے سب سے ماہر ٹیلیویژن بنانے والوں نے بنایا ہو وہ بھی آپ کو اس سے زیادہ تیز، مشاہدے کے طور پر نکلا اور واضح خاکہ اور تصویر نہیں دکھاسکتا- آنکھ سے دیکھی جانے والی تصویر ایک سہ ابعادی، رنگین اور انتہائی صاف اور تیز تصویر ہوتی ہے جس کو سوسال سے بھی زائد عرصے سے ہزاروں انجینئر نقلی طور پر بنانے کی ناکام کوشش کررہے ہیں- وسیع رقبوں پر بڑے بڑے کارخانے اس مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں جن میں اس مقصد سے لاکھوں خاکوں اور نقشوں کی مدد سے ہر طرح کی تحقیق کرلی گئی ہے لیکن ہر تحقیق بے سود ہی رہی- اب ایک ٹی وی کے پروگرام کو دیکھئے اور پھر اپنے ہاتھ میں موجود اس کتاب کو دیکھئے- آپ کو خوداندازہ ہوگا کہ دونوں تصاویر کی تیزی، اور واضح پن میں زمین آسمان کا فرق ہے -اس کے علاوہ ٹی وی کی سطح دو ابعادی خاکے دکھاتی ہے جبکہ آپ آنکھ کے ذریعے سہ ابعادی اور تفصیلی گہرائی کے ساتھ تصویروں کا مشاہدہ کرتے ہیں- اگر آپ غور سے ٹی وی کو دیکھیں تو آپ کو اس میں دھندلاہٹ بھی محسوس ہوگی- کیا آپ کی نظر میں دھندلاہٹ ہے؟ یقینا نہیں-

کئی سالوں سے ہزاروں انجینئر سہ ابعادی ٹی وی بھی بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ آنکھ کی بینائی کے اعلیٰ معیار تک پہنچ سکیں- گوکہ انہوں نے ایک سہ ابعادی ٹی وی کا نظام ایجاد تو کرلیا لیکن اس کو ایک خاص چشمہ لگائے بغیر دیکھنا ممکن نہیں ہے- اس کے علاوہ یہ ایک نقلی سہ ابعادی نظام ہے- اس کا پس منظر دھندلا اور پیش منظر کاغذی محسوس ہوتا ہے- آنکھ کی طرح واضح، رنگین اور نماےاں خاکہ آج تک کوئی انجینئر ایجاد نہیں کرسکا- کیمرہ ہو یا ٹی وی دونوں میں تصویر کا اصل معیار زائل ہوجاتا ہے- اس کے باوجود ارتقاءپسندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ آنکھ میں تصویریں تشکیل کرنے والا یہ بہترین نظام اتفاق سے وجود میں آیا ہے- اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کے کمرے میں موجود ٹی وی اتفاق کا نتیجہ ہے اور یہ کہ تمام اقل بنیادی اکائیاں حادثتاً آپس میں مل کر اس مشین میں تبدیل ہوگئیں جوکہ اس ماہرانہ اور تکنیکی مہارت سے لبرےز تصویریں پیش کرتا ہے تو آپ کیا سوچیں گے؟ اقل بنیادی اکائیاں یا ایٹم وہ کام کس طرح کرسکتی ہیں جوکہ ہزاروں لوگوں کے لئے ناممکن ہو؟

تقریباً ایک صدی سے ہزاروں انجینئر اپنی جدید ترین تجربہ گاہوں اور وسیع و عریض کارخانوں میں بہترین تکنیکی آلات اور مشینوں کے ذریعے مستقل تحقےق کے باوجود صرف ایک دو ابعادی ٹی وی کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے- اگر ایک آنکھ سے کمتر خاکہ اور تصویر بنانے والا آلہ اتفاق سے وجود میں نہیں آسکتا تو پھر صاف ظاہر ہے کہ آنکھ جیسا ماہرانہ صلاحیت رکھنے والا عضو کا اتفاق سے وجود میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتاجس کے پیچھے ٹی وی سے زیادہ تفصیلی اور معجزاتی حکمت کا ہاتھ ہے- آنکھ جیسی تیز، واضح اور ماہر تصویریں بنانے والا عضو صرف اللہ ہی تخلیق کرسکتا ہے جوکہ قادر المطلق ہے-

کان کی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی ہے- بیرونی کان ایک چھوٹی عضلاتی تھیلی یا اوریکل کی مدد سے آوازوں کو کان کے وسطی حصے میں منتقل کرتا ہے- کان کا وسطی حصہ ان آوازوں کی لرزش کو بڑھاکر اندرونی کان تک ارسال کرتا ہے جو کہ ان کا برقی اشاروں میں ترجمہ کرکے دماغ میں بھیج دیتا ہے- آنکھ کی طرح سماعت کے آخری مرحلے دماغ کے بیچ میں موجود قوت سماعت سے متعلق مقام پر انجام پاتے ہیں- آنکھ اور کان کے نظام میں کئی قدریں مشترک ہیں- جس طرح دماغ روشنی سے مکمل طور پر محفوظ ہے اسی طرح دماغ آوازوں سے بھی مکمل طور پر محفوظ ہوتا ہے- دماغ کے اندر مکمل خاموشی ہوتی ہے سوائے کسی بے انتہا اونچی آواز کے جس کا مشاہدہ دماغ قوت سماعت کے بغیر بھی کرسکتا ہے- اس آواز سے مکمل طور پر عاری ماحول میں آپ موسیقی اور اپنے آس پاس پیدا ہونے والی ہر آواز اور ہر طرح کا شور سن سکتے ہیں- لےکن اگر آپ کے دماغ کے اندر آواز کی سطح کی پیمائش ایک مخصوص آلے کے ذریعے کی جائے تو وہاں پر مکمل خاموشی کے علاوہ کوئی آواز نہیں ہوگی-

اب کان میں موجود اس اعلیٰ معیار اور بہترین تکنیک کا موازنہ انسان کی بنائی گئی تکنیک سے کرتے ہیں- قوت بصارت کی طرح کئی سالوں سے سماعت کے ایسے آلے بنانے کی بھی جدوجہد جاری ہے جو کہ انسانی کان کی طرح کام کریں- ان تجربوں کا نتیجہ آواز کو محفوظ کرنے والے آلے، آواز کو من و عن دہرانے کے نظام اور آواز کو محسوس کرنے والے آلات ہیں لیکن ان تمام تجربوں، تمام مہارتوں اور ہزاروں انجینئروں کی کاوشیں آج تک اےک بھی ایسا آلہ ایجاد نہیں کرسکیں جوکہ آواز کو انسانی کان جتنے واضح پن اور تیزی سے ارسال کرسکے- ان بہترین اور معیاری آواز کو عین مطابق اصل دہرانے کے لئے ایجاد کئے گئے آلات یا ہائی فائی آلات کے بارے میں ذرا غور کریں جن کو موسیقی کے میدان کی سب سے بڑی کمپنی نے بنایا ہے-

آنکھ اور کان کی تکنیکی صلاحیت

جب آنکھ اور کان کا موازنہ دورِ حاضر کے کیمروں اور آواز محفوظ کرنے والے آلات سے کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ آنکھ اور کان ان تمام جدید تکنیکی آلات سے کہیں زیادہ پیچیدہ، کارآمد اور بے عیب ہے۔

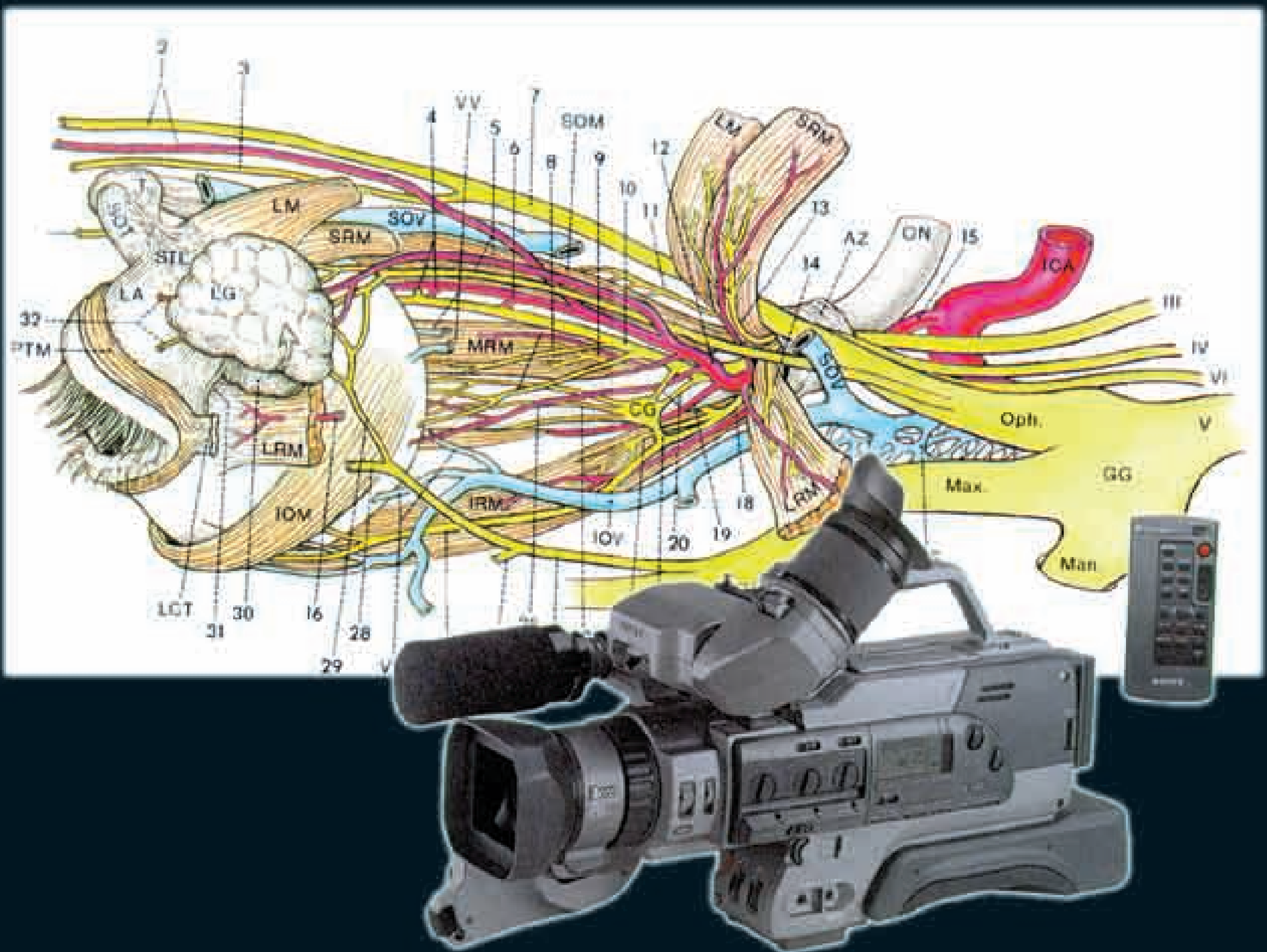

جس طرح سے مگرمچھوں کی پرستش کرنے والے لوگوں کے عقیدے آج انوکھے اور ناقابل یقین لگتے ہیں اسی طرح ڈارون کے عقیدے بھی آج اتنے ہی حیرت ناک معلوم ہوتے ہیں- ڈارون کے پیروکار اتفاق اور بے جان، بے شعور ایٹموں کو تخلیقی قوت مانتے ہیں- وہ اپنے ان عقیدوں کے اتنے ہی وفادار ہیں جیسے کہ کوئی اپنے مذہب سے ہوتا ہے-

بنیادی اکائیاں اچانک فیصلہ کرتے ہوئے اکھٹی ہوئیں اور ایک مکمل، منظم، باشعور اور منطقی کائنات کا روپ دھارگئیں جس کا مرکز کرہ ارض زندگی کی افزائش کے لئے بہترین غذا، پانی اور ہوا کا تناسب رکھتا ہے اور جو کہ کروڑوں پیچیدہ نظاموں پر مبنی جانداروں کا مسکن ہے ایک جادوئی منتر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا جوکہ لاکھوں لوگوں پر پھونک دے'ا گیا ہو-

اللہ تعالیٰ نے قران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ جو لادینی فلسفوں کی حمایت کرتے ہیں وہ دوسروں کو جادو کے ذریعے اپنے زیر اثر لے آتے ہیں- جب فرعون کو اصل دین کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے جادوگروں سے ملنے کے لئے کہا -جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ملے تو انہوں نے لوگوں کو اپنے اپنے جادو کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی- ان آیات میں مزید آتا ہے:

کہا تمہیں ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور انہیں ڈرایاا اور بڑا جادو لائے (سورة الاعراف، آیت ۶۱۱)

فرعون کے جادوگر کسی کو بھی دھوکہ دینے میں کامیاب ہوجاتے تھے سوائے حضرت موسیٰ کے اور ان پر یقین رکھنے والوں کے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دکھایا گیا ثبوت ان کے تمام مظاہروں کو کھاگیا اور ان کے جادو کا توڑ ثابت ہوا- قرآن میں مزید آتا ہے:

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا تو یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل ہوکر پلٹے- (سورة الاعراف، آیت ۷۱۱-۹۱۱)

جیسے ہی لوگوں کو احساس ہوا کہ ان جادوگروں کی دکھائی ہوئی تمام چیزیں فریب اور مشاہدے کی خامی ہیں ان کا اعتماد ان جادوگروں پر سے اٹھ گے'ا- دورِ حاضر میں بھی وہ تمام لوگ جو کہ اسی طرح کے منتر کے زیر اثر ان بے منطقی اور بے بنیاد سائنسی لبادے میں چھپے دعوؤں کا یقین کرتے رہیں گے اور اپنی ساری زندگی ان دعوؤں کی حمایت میں گزاردیں گے وہ اس منتر کے ٹوٹنے اور سچائی کے سامنے آنے پر بری طرح سے بے عزت اور شرمندہ ہوں گے- مالکوم مگیرج ایک لادین فلسفہ دان اور ارتقاءکا ۰۶ سال تک پکا حمایتی تھا- اس کو وقت کے ساتھ سچائی کا ادراک ہوا اور وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس کو اس سچائی کے خیال نے ہمیشہ پریشان رکھا تھا:

"مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نظریۂ ارتقاءخاص طور پر اس حد تک ،جس حد تک یہ عملی طور پر زندگی میں موجود ہے ،وہ مستقبل کی تاریخ کی کتابوں کا سب سے بڑا لطیفہ ہوگا- آئندہ آنے والی نسلیں انگشت بدنداں ہوں گی کہ اتنے بے جان اور مذبذب مقالے کو اس قدر حیرت انگیز یقین کے ساتھ لوگوں نے قبول کس طرح کرلیا تھا"-۲۴۱

وہ مستقبل بہت دور نہیں ہے جب لوگوں پر یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ "اتفاق" خدا نہیں ہوتا- لوگ نظریۂ ارتقاءکو اےک بہت بڑے فریب اور بھیانک ترین منتر کے طور پر پہنچان جائیں گے بلکہ اس منتر کا اثر دنیا بھر کے لوگوں کے ذہنوں سے ابھی سے زائل ہونا شروع ہوگیا ہے- حق کو پہچان لینے والے لاتعداد لوگ اب حیران ہیں کہ انہوں نے آخر کس بنیاد پر نظریۂ ارتقاءکو خدا کا درجہ دیتے ہوئے اپنی زندگی کا محور بنالیا تھا-

ان معیاری آلات میں بھی جب آواز کو منتقل کیا جاتا ہے تو اس کے اصل معیار میں کمی آجاتی ہے یا جب اس ہائی- فائی نظام کو کھولا جاتا ہے تو موسیقی کے شروع ہونے سے پہلے ہلکی سی ہوا جیسی آواز آتی ہے لیکن انسانی جسم کے نظام کے تحت سماعت کی جانے والی آوازیں بے انتہا صاف، واضح اور تیز ہوتی ہیں- انسانی کان آوازوں کے شروع ہونے سے پہلے کسی قسم کی دوسری آوازیں نہیں سنتا- وہ آواز کو بالکل اصل اور کھوٹ کے بغیر دماغ میں منتقل کردیتا ہے- انسان کی تخلیق کے پہلے دن سے کان کا نظام اسی طرح بے عیب اور مکمل ہے- مختصراً یہ کہ ہمارے جسم کی تکنیکی مہارت اور صلاحیت انسان کی ایجاد کردہ جدید ترین ایجاد ات سے بڑھ کر اعلیٰ اور نفیس ہے- جب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہائی- فائی نظام یا کیمرہ اتفاق کا نتیجہ ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسانی جسم کے اندر موجود تکنیکی مہارت ،جوکہ ہر طرح کی انسانی ایجاد سے کہیں بڑھ کرا علیٰ اور بہترین ہے ،وہ ارتقاءنامی حادثاتی امکانات کا نتیجہ ہوسکتی ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ آنکھ، کان اور جسم کا ہرعضو ایک بہت شاندار تخلیقی ماہر کی ایجاد ہے- یہ تمام مثالیں شیشے کی طرح صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی بے عیب اور بے مثال تخلیق ،اس کی طاقت اور اس کی عظمت کو ظاہر کرتی ہیں- قوت سماعت اور بصارت کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ تخلیق کے اتنے جامع اور واضح ثبوت بھی ارتقاءپسندوں کی سمجھ سے باہر ہیں- اگر کوئی ارتقاءپسندوں سے کان اور آنکھ کی اعلیٰ ساخت اور تکنیک کے بارے میں وضاحت طلب کرے کہ یہ اتفاق کا نتیجہ کس طرح ہوسکتے ہیں تو ان کے پاس کسی بھی طرح کا منطقی یا معقول جواب موجود نہیں ہوگا- حتیٰ کہ ۰۳ اپریل ۰۶۸۱ءکو آساگرے کے نام ڈارون اپنے خط میں لکھتا ہے کہ آنکھ کے بارے میں سوچ کر اس کو ٹھنڈے پسینے آگئے اور اس نے جانداروں کی بہترین تخلیق کے بارے میں ارتقاءپسندوں کی مایوس کن پریشانی کا اعتراف کیا-۱۴۱

نظریہ ارتقاءدنیا کا موءثر ترین منتر ہے

اس کتاب میں یہ مسلسل واضح کیا جا رہاہے کہ نظریہ ارتقاء ہرقسم کے سائنسی ثبوت سے عاری نظریہ ہے- سائنس کی علم معدوم حیوانات، علم خرد حیاتیات، اور علم تشریح البدن جیسی معتبر شاخوں نے اس نظریئے کو فرسودہ اور بے کار ثابت کردیاً ہے- اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ارتقاءکا سائنس، منطق ا ور عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے-

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کہ ہر طرح کے تعصب سے پاک ہو ، کسی اور فکریاتی نظام کے زیر اثر نہ ہو اور جو صرف اپنی عقل اور منطق پر انحصار کرتا ہو وہ اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے کہ نظریہ ارتقاءپر یقین ایک ناممکن فعل ہے- اس کے نزدیک نظریہ ارتقاءصرف ایسا نظریہ ہوگا جوکہ ذہن میں سائنس اور تہذیب سے عاری متعصب معاشروں کا تصور اجاگر کرتا ہے -وہ لوگ جو نظریہ ارتقاءپر یقین رکھتے ہیں وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ ایک بڑے سے کنستر میں مٹھی بھراقل بنیادی اکائیاں اور سالمات ملا لینے سے عقلمندپروفیسر، یونیورسٹی کے طالبعلم، آئنسٹائن اور گیلیلیو جیسے سائنسدان، ہمفری بوگارٹ، فرینک سیناٹرا اور پاواروٹی جیسے فنکار اور مصور اور ہرن، لیموں کے درخت اور گلاب کے پھول بھی وجود میں آسکتے ہیں- افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس طرح کی خرافات پر یقین رکھنے والے لوگ پڑھے لکھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں- اس لئے نظریہ ارتقاءکو تاریخ کا موءثر ترین منتر کہنا حق بجانب ہے- اس نظریئے نے لوگوں کی عقل اور منطق کی قوت کو صلب کرتے ہوئے سچ کو ان سے اس طرح چھپالیا کہ گویا ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو- یہ اندھاپن تو مصر کی قوم کا سورج کے خدا ”را“ کی ناقابل یقین طور پر اندھی پرستش، افریقہ کے کچھ حصوں میں ٹوٹم کے کھنبوں، شیبا کی قوم کی سورج کی پرستش، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی اپنے ہاتھوں سے بنائے گئے بتوں کی پرستش اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی سنہری بچھڑے کی پرستش سے بھی گئی گزری ایک پرستش کی مثال ہے-

درحقیقت یہ صورتحال عقل کی وہ کمی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن میں واضح اشارہ کرتا ہے- کئی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں کے ذہن اس طرح بند ہوجائےں گے کہ وہ سچ کو سمجھنے کے لئے بے قوت ہوں گے ان میں سے کچھ آیات ہیں:

بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے، چاہے تم انہی ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے کے نہیں- اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے- اور ان کے لئے بڑا عذاب- (سورۃ البقرہ ،آیت ۷-۶)

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں- (سورۃ الاعرا ف، آیت ۹۷۱)

اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں کہ دن کو اس میں چڑھتے جب بھی یہی کہتے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے- (سورۃ الحجر، آیت ۵۱-۴۱)

اس بات کا اظہار کرنے کے لئے الفاظ ملنے ناممکن ہیں کہ یہ کس قدر حیران کن واقعہ ہے کہ کوئی منتر دنیا پر اسقدر غالب ہو کہ وہ لوگوں کو نسل در نسل ۰۵۱ سال سے سچ سے دور رکھنے میں کامیاب ہو- چند لوگوں کا ان بیوقوفیوں اور غیر منطقی دعوؤں سے پر منظر ناموں پر یقین رکھنا سمجھ میں آتا ہے لیکن پوری دنیا کا اس بات پر یقین رکھنا کہ بے جان اور بے شعور اقل

نسلوں کے اندر تبدل ارتقاءکی دلیل نہیں ہے

اپنی کتاب "اوریجن آف اسپیسز" میں ڈارون نے دو مختلف تصورات کو الجھادیا- ایک تو ایک ہی نسل کے اندر تبدل اور دوسر ایک بالکل نئی نسل کی نموداری- مثال کے طور پر ڈارون نے کتوں کی مختلف اقسام کے اندر تبدل کا معائنہ کیا اور قیاس کیا کہ کتوں کی کچھ اقسام مختلف نسلوں میں تبدیل ہوجائیں گی-حتیٰ کہ آج بھی ارتقاءپسند نسلوں کے اند تبدل کو "ارتقاء" کی شکل بناکر پیش کرنے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ نسلوں کے اندر تبدل ارتقاءنہیں ہوتا- کتوں کی چاہے جتنی بھی اقسام ہوں وہ کتا ہی رہتی ہیں- کتوں اور کسی نسل کے جانور کے درمیان عبور کبھی بھی پیدا نہیں ہوگا-

ڈارون کا اس قدر عقل سے عاری مثال کا پیش کرنا صرف اس کے زمانے کی قدیم اور محدود سائنسی معلومات کی وجہ سے تھا -لیکن اس کے بعد ۰۲ صدی میں سائنس نے جینیاتی استقلال کا اصول قائم کردیا ہے جو کہ جانداروں کے اوپر کئے گئے کئی تجربات پر مبنی ہے -اس اصول کے تحت چونکہ نئی انواع کو تشکیل دینے کے مقصد سے کئے گئے نسل کشی کی تمام تجربات ناکام رہے تھے اسی لئے اس کا نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ جانداروں کی مختلف نسلوں کے درمیان سخت حدود متعین ہیں جس کی وجہ سے نسل کشی کرنے والوں کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مویشیوں کی مختلف انواع کی آپس میں نسل کشی کے ذریعے کوئی اور نسل تشکیل کردیں جس طرح ڈارون کا مفروضہ تھا-

نارمن میک بتھ اپنی کتا ب 'ڈارون ری ٹرائڈ ' میں نظریۂ ڈارون کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے:

> "اس مسئلے کا مرکز یہ ہے کہ آیا جاندار نسلیں ایک دوسرے سے لامحدود حد تک مختلف ہیں اے نہےں- لیکن ےہ بات تو ثابت ہے کہ تمام نسلوں میں استقلال ہے- ہم سب نے ان مایوس نسل کشوں کی کہانیاں سن رکھی ہیں جنھوں نے اپنا کام ہر حد تک کیا کہ وہ دیکھ سکیں کہ کوئی حیوانی یا نباتاتی نسل نقطۂ ابتداءپر واپس جاتی ہے کہ نہیں-لیکن دو تین صدیوں کی شدید محنت کے بعد بھی آج تک کوئی کالا گلاب یا کالا کنول کا پھول پیدا نہیں ہوسکا"-۵۴۱

لوتھربربانک کا شمار قابل ترین نسل کشوں میں ہوتا ہے اور اس نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا "ممکنہ ترقی کی کچھ حدود ہیں اور ان حدود کا تعین قانون کرتے ہیں-"۶۴۱

ڈنمارک کا سائنسدان ڈی یو-ایل- جوہانسن اس معاملے کا خلاصہ اس طرح پیش کرتا ہے:

> "ڈارون اور والس نے جس تبدل کے اوپر زور دیا تھا وہ ایک خاص نقطے سے زیادہ بڑھ نہیں سکتا کیونکہ اس طرح کے تبدل کے اند رغیر معینا رخصت کا راز موجود نہیں ہوتا-" ۷۴۱

اسی طرح ڈارون نے گالا پاگوس کے جزیرے پر جوچڑیاں دیکھی تھیں وہ محض تبدل کی مثال ہیں ، ارتقاءکی نہیں- حالیہ تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ ان چڑیوں کے اندر کسی قسم کا لامحدود تبدل پیش نہیں آیاتھا جس طرح کہ ڈارون نے دعویٰ کیا تھا- اس کے علاوہ ان چڑیوں کی زیادہ تر اقسام جوکہ ڈارون کے حساب سے ۴۱ مختلف نسلوں کی نشاندہی کررہی تھیں، وہ آپس میں نسل کشی بھی کرتی تھیں جس کے حساب سے یہ چڑیاں ایک ہی انواع کا تبدل تھا- سائنسی مشاہدے کے مطابق اس چڑیا کی چونچ، جو کہ تقریباً تمام ارتقائی کتب میں قیاس کے طور پر موجود ہے ،وہ دراصل تبدل کی ہی ایک مثال ہے اور اسی لئے نظریۂ ارتقاءکے ثبوت کے طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے-

بارھواں باب:

ارتقاءپسندوں کے دعوے ناقص کیوں ہیں؟

پچھلے بابوں میں نظریۂ ارتقاءکا فوصلی ثبوت کے ملنے اور سالماتی حیاتیات کے نقطۂ نظر سے ناقص ہوجانے کا تجزیہ کیا گےاہے- اس باب میں ان حیاتیاتی واقعات اور عمومی تصورات کو زیر غور لایا جائے گا جن کو ارتقاءپسند فکری اور نظریاتی ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں- یہ موضوعات خصوصی طور پر اس لئے بھی اہم ہیں کیونکہ یہ واضح کرتے ہیں کہ ارتقاءکو سہارا دینے کے لئے کوئی سائنسی دریافت موجود نہیں ہے- یہ موضوعات ارتقاءپسندوں کے جھوٹے اور فریبی ہتھکنڈوں سے پردے اٹھاتے ہیں-

جاندار نسلیں اور تبدل

تبدل ایک جینیاتی اصطلاح ہے جس کا اشارہ اس جینیاتی واقعہ کی طرف ہے جس کے نتیجے میں کسی نسل کا ایک فرد یا پورا گروہ کسی دوسری نسل کی خصوصیات اپنالیتا ہے- مثال کے طور پر دنیا کے تمام لوگ تقریباً ایک ہی طرح کی جینیاتی معلومات کے حامل ہیں مگر پھر بھی کسی کی آنکھیں ترچھی ہوتی ہیں، کسی کے بال سرخ ہوتے ہیں، کسی کی ناک لمبی ہوتی ہے اور کسی کا قدم کم ہوتا ہے- یہ تمام فرق اس کے اندر موجود جینیاتی معلومات میں تبدل کے امکان پر منحصر ہوتا ہے- ارتقاءپسند کسی نسل کی اس تبدل کے امکان کو اپنے نظریئے کے ثابت ہونے پر محمول کرتے ہیں- حالانکہ تبدل ارتقاءکا ثبوت ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ تو کسی بھی جاندار کے اندر موجود جینیاتی معلومات کا مختلف طرح سے عمل پےرا ہونے کا نتیجہ ہے- تبدل کے ذریعے پہلے سے موجود جینیاتی معلومات میں کسی نئی خصوصیت کا اضافہ نہیں ہوتا- نظریۂ ارتقاءکے لئے اہم سوال تو یہ ہے کہ بالکل نئی معلومات کس طرح حاصل ہوتی ہیں جس کے ذریعے ایک نئی نسل وجود میں آجائے-

کسی جسم مےں تبدل ہمیشہ پہلے سے موجو دجینیاتی معلومات کی حدود کے اندر واقع ہوتا ہے- جینیاتی سائنس میں یہ حدود "جین پول" یا "جینیاتی نشیب" کہلاتی ہیں- کسی نسل کے جینیاتی نشیب میں موجود تمام خصوصیات مختلف طریقوں سے تبدل کے ذریعے سامنے آتی ہیں- مثال کے طور پر تبدل کے ذریعے مشترک کیفیتوں کے باوجود بڑے گروہ سے مختلف انواع کے لمبی دموں اور چھوٹی ٹانگوں کی خاصیت والے رینگنے والے جانوروں کی کچھ نسلوں میں آسکتی ہے کیونکہ اس انواع کی جینیاتی نشیب میں یہ معلومات موجود تھیں- لیکن اس تبدل سے رینگنے والے جانور پراگاکر پرندے نہیں بن سکتے اور نہ ہی ان کاتحول بدل سکتا ہے-اس طرح کی تبدیلی ان کی جینیاتی معلومات میں اضافے پر مشروط ہے جوکہ تبدل کے طریقے سے ہرگز ممکن نہیں ہے- جس وقت ڈارون نے اپنا نظریہ تشکیل کیا تھا اس وقت وہ ان ٹھوس سائنسی حقائق سے سراسر ناواقف تھا- اس کے نزدیک تبدل کی کوئی انتہا یا حد نہیں تھی- ۴۴۸۱ءمیں اپنے ایک مضمون میں وہ کہتا ہے:

"قدرت میں تبدل کے نظام مےں کسی حد کا موجود ہونا کئی مصنفوں کے خیال مےں ممکن ہے جبکہ میں کسی ایک بھی ایسی سچائی کو ڈھونڈنے سے قاصر ہوں جس کی بنیاد پر اس یقین کی تعمیر کی گئی ہے-"۳۴۱- اپنی کتاب اوریجن آف اسپیسز میں اس نے مختلف مثالوں کے ذریعے تبدل کو اپنے نظریئے کا سب سے اہم ثبوت قراردیا ہے- مثال کے طور پر ڈارون کے نزدیک جانوروں کی نسل کشی کرنے والے وہ لوگ جو مویشیوں کی مختلف انواع کی نسل کشی کے ذرےعے زیادہ دودھ دینے والے مویشی پیدا کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں وہ بالآخر ان مویشیوں کو ایک مکمل طور پر نئی جاندار نسل میں تبدیل کرسکتے ہیں- لاحدود تبدل کے بارے میں ڈارون کے تصور کا اندازہ اس کی کتاب اوریجن آف اسپیسز کے اس اقتباس سے کیا جاسکتا ہے:

"مجھے اس بات میں کوئی مشکل نظر نہیں آتی کہ بھالوؤں کی ایک ایسی نسل کی افزائش انتخاب طبعی کے ذریعے ہو جوکہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ آبی خصوصیات کی حامل ہو- ان کے منہ بڑے سے بڑے تر ہوتے جائیں جب تک کہ اےک وہیل مچھلی نما ضخیم مخلوق وجود میں آجائے"-۴۴۱

وہیل مچھلی کا ریچھ کی ارتقائی شکل ہونے کی فرضی حکایت

اوریجن آف اسپیسےز میں ڈارون اصرار کرتا ہے کہ وہیل مچھلیاں ان ریچھوں کی ارتقائی شکل ہیں جنھوں نے تیرنا شروع کردیا تھا۔ ڈارون نے یہ سوچنے میں غلطی کی تھی کہ نسلوں کے درمیان تبدل کے امکانات لامحدود ہیں۔ ۰۲ ویں صدی کی سائنس نے اس ارتقائی منظر نامے کو ایک فرضی حکایت ثابت کردیا ہے۔

پیٹراور روزمیری گرانٹ نے گالا پاگوس کے جزیروں پر کئی سال ان چڑیوں کی مختلف اقسام کے مشاہدوں کے ذریعے ڈارون کے نظریئے کے ثبوت کی تلاش میں گزارے- ان کو بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ ایسے کسی قسم کے ارتقاءکا پیش آنا ممکن ہی نہیں جس کا نتیجہ نئی خصوصیات کا وجود میں آنا ہو-۸۴۱

جراثیم کش دوا سے مزاحمت اور ڈی- ڈی- ٹی سے مدافعت ارتقاءکا ثبوت نہیں ہیں

ارتقاءپسند اپنے نظریئے کے ثبوت کے طور پر ایک مفروضہ جراثیموں کی جراثیم کش دوائیوں سے مزاحمت کا پیش کرتے ہیں- کئی ارتقائی ذرائع جراثیم کش دوا ؤںسے مزاحمت کو جانداروں کی فائدہ مند جینیاتی تبدیلی کے ذریعے ترقی کی مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں- اسی طرح ایک دعویٰ ان کیڑوں کے بارے میں بھی کیا جاتا ہے جو کہ ڈی دی ٹی جیسی کیڑا مار دوائی کے خلاف مدافعتی قوت پیدا کرلیتے ہیں- لیکن ارتقاءپسند اس موضوع پر بھی شدید غلطی کا شکار ہیں-

جراثیم کش دوائیں' قاتل سالمے' ہوتے ہیں جو کہ خردحیاتی جاندار دوسرے خرد حیاتی جانداروں کے خلاف لڑنے کے لئے پیدا کرتے ہیں- سب سے پہلی جراثیم کش دوائی پینسلین تھی جو ایلگزانڈر فلیمنگ نے ۸۳۹۱ءمیں ایجاد کی- فلیمنگ کواندازہ ہوا کہ گیلی مٹی میں پیدا ہونے والا سالما 'اسٹافائلو کوکس 'نامی جراثیم کا خاتمہ کرسکتا ہے- اس کی اس دریافت سے طبی دنیا میں زبردست تبدیلی آئی- خردحیاتی جانداروں سے حاصل کی گئی جراثیم کش دوائیاں دوسرے جراثیم کی خلاف بے حد کامیابی کے ساتھ استعمال کی جانے لگیں- پھر ا یک اور نئی اور حیران کن بات دریافت ہوئی- وہ یہ کہ جراثیم وقت گزرنے کے ساتھ جراثیم کش دوائیوں کے خلاف قوت مدافعت تعمیر کرلیتے ہیں- یہ نظام کچھ اس طرح کام کرتا ہے کہ جراثیم کش دوائیوں کے زیر اثر آنے والے جراثیموں کا ایک بڑا حصہ مرجاتا ہے جبکہ کچھ جراثیم جوکہ اس دوائی کے اثر سے محفوظ رہتے ہیں وہ تیزی سے ایک دوسرے کی نقل کرکے کھوئی ہوئی آبادی کو دوبارہ آباد کرلیتے ہیں -اسی طرح سے رفتہ رفتہ جراثیم کی تمام آبادی اس جراثیم کش دوائی کی خلاف قوت مدافعت پیدا کرلیتی ہے -اس صورتحال کو ارتقاءپسند 'جراثیموںکا ماحول میں ڈھلنے سے ارتقاء'کی طرح پیش کرتے ہیں اور اس میں ارتقائی پہلو نکال لیتے ہیں-

سچائی اس سطحی تشریح سے بہت مختلف ہے- اسرائیلی حیاتیاتی ماہر طبعیات لی اسپیٹنر کا شمار ان سائنسدانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اس موضوع پر بے انتہا اور تفصیلی تحقیق کی ہے- اسپیٹنر اپنی ۷۹۹۱ءمیں لکھی گئی کتاب 'ناٹ بائی چانس' یا ' اتفاق سے نہیں ' کے لئے بھی مشہور ہے- اسپیٹنر کہتا ہے کہ گو کہ جراثیموں کی قوت مدافعت دو مختلف طریقوں سے پیش آتی ہے لیکن دونوں میں سے ایک بھی طریقہ نظریۂ ارتقاءکے ثبوت کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا- یہ دو طریقے ہیں-

۱- مدافعتی جینیات کی منتقلی جوکہ کسی جرا ثیم کے اند رپہلے سے موجود ہوتے ہیں-

۲- جینیاتی تبدیلی کے باعث جینیاتی معلومات کا کھونا جس کے نتیجے میں قوت مدافعت تعمیر ہوجاتی ہے-۱۰۰۲ءمیں چھپنے والے اپنے ایک مضمون میں پروفیسر اسپیٹنر پہلے طریقۂ عمل کی وضاحت کرتا ہے:

"کچھ خرد نامیہ جانداروں کے اندر قدرتی طور پر ایسی جینیات موجود ہوتی ہیں جوکہ ان جراثیم کش دوائیوں کے خلاف مزاحمت کا اظہار کرسکتی ہیں- یہ مزاحمت اور مدافعت جراثیم کش دوائی کے سالمے کی توڑ پھوڑ یا اس کو خلئے سے مکمل طور پر نکال دینے کی صورت میں پیش آتی ہے- جن جانداروں کے اندر یہ مدافعتی جینیات موجود ہوتے ہیں وہ ان کو دوسرے جراثیم میں بھی منتقل کرسکتے ہیں اور ان کو بھی مدافعتی خصوصیات کا حامل بناسکتے ہیں- گوکہ ےہ مدافعتی خصوصیات ہر جراثیم کش دوائی کے لئے الگ ہوتی ہےں پھر بھی بہت سے مرض پیدا کرنے والے جراثیم کئی جینیاتی سلسلے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں جس کے ذریعے وہ مختلف انوع و اقسام کی جراثیم کش دوائیوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرچکے ہیں"-۹۴۱

اسپیٹنر پھر کہتا ہے کہ:

"ےہ سب ارتقاءکا ثبوت ہرگز نہیں ہے-جراثیم کش دوائیوں کے خلاف قوت مدافعت کو اس طریقے سے حاصل کرنا وہ طریقہ نہیں ہے جس کو ارتقاءکے ثبوت کے طور پر جینیاتی تبدیلی کا نقش اول سمجھ لیا جائے- اس نظریئے کو واضح کرتی ہوئی جینیاتی تبدیلی کا کام صرف جراثیم کے تولیدی مادے میں معلومات کا اضافہ کرنا نہیں بلکہ اس کی تمام زندگی سے متعلق نئی معلومات کا اضافہ کرنا ہے -جینیات کی افقی سطح پر منتقلی جینیات کو ان جینیات کے اطراف ہی پھیلاتی ہے جوکہ کچھ جاندار نسلوں میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں"-۰۵۱

ےہاںکسی بھی طرح کے ارتقاءکی یہاں بات نہیں کی جاسکتی کیونکہ کسی بھی نوعیت کی نئی جینیاتی معلومات پیدا نہیں ہوئیں- وہ جینیاتی معلومات جو کہ پہلے سے ہی وجود میں تھی وہ صرف جراثیم کے درمیان منتقل ہوئی ہے- دوسری طرح کی قوت مدافعت جینیاتی تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے لیکن یہ بھی ارتقاءکے ہونے کا ثبوت نہیں ہے- اسپیٹنر لکھتا ہے:

"کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خرد نامیہ جاندار کسی جراثیم کش دوائی کے خلاف قوت مدافعت اپنی خلئے کے مرکز کا بے قاعدہ عمل کے ذریعے استبدال سے پیدا کرلیتا ہے- اسٹریپٹومائسین سلمن واکسمین اور البرٹ شاٹز نے ۴۴۹۱ میں دریافت کی-یہ ایک ایسی جراثیم کش دوا ہے جس میں جراثیم اس طریقے سے قوت مدافعت پیدا کرلےتے ہیں- لیکن گوکہ جراثیم کے اندر ہونے والی اس طرح کی جینیاتی تبدیلی خرد نامیہ جاندار کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے پھر بھی اس تبدیلی کو جینیاتی تبدیلی کا وہ نقش اول قرار نہیں دیا جاسکتا جس کا دعویٰ نوڈاروینی نظریئے کوہے- وہ جینیاتی تبدیلی جو کہ اسٹرپٹومائسین کو قوت مدافعت بخشتی ہے وہ اس کے رائبوسوم یا *RNA* میں آشکار ہوتی ہے اور اس کے سالماتی جوڑ کو جراثیم کش

باقیاتی اعضاءکے بارے میں کج فہمی

باقیاتی اعضاءوہ اعضاءہوتے ہیں جو کہ نظریۂ ارتقاءکے مطابق ارتقاءکے عمل کے دوران بے کار ہوگئے ہوں- بہت عرصے تک باقیاتی اعضاءکا تصور اور ذکر ارتقائی کتب میں ارتقاءکے ثبوت کے طور پر آتارہا ہے- جب اس تصور کی معذوری ظاہر ہونے لگی تو اس کو خاموشی سے ایک طرف کردیا گیا- لیکن کچھ ارتقاءپسند آج بھی ان اعضاءپر یقین رکھتے ہیں اور وقفے وقفے سے ان اعضاءکو ارتقاءکے اہم ثبوت کے طور پر پیش کرتے رہتے ہیں- باقیاتی اعضاءکا تصور ایک صدی پہلے متعارف ہوا تھا- ارتقاءپسندوں کے خیال سے کچھ مخلوقات کے اجسام میں ناکارہ اعضاءموجود تھے جو کہ انہوں نے اپنے مورث سے ورثے میں حاصل کئے تھے اور جو کہ متعدد سالوں تک استعمال نہ ہونے کی وجہ سے ناکارہ ہوگئے- یہ پورا مفروضہ سراسر غیر سائنسی ہے اور اس کی بنیاد ناکافی معلومات پر مبنی ہے-یہ ناکارہ اعضاءدراصل وہ اعضاءتھے جن کی کارکردگی کا تعین نہیں ہوا تھا- اس کا ثبوت ارتقاءپسندوں کی تشکیل کی گئی باقیاتی اعضاءکی فہرست میں بتدریج کمی تھی- ایس- آر- اسکاڈنگ ایک ارتقاءپسند تھا جس نے رسالہ "ایولوشنری تھیوری" میں' کیا باقیاتی اعضاءارتقاءکا ثبوت ہوسکتے ہیں؟' کے عنوان سے چھپنے والے اپنے مضمون مےں اس حقیقت سے اتفاق رائے کا اظہار کیا:

"کیونکہ غیر مبہم طریقوں سے ناکارہ ساخت کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی اور چونکہ اس بحث کی نوعیت بھی سائنسی نہیں ہے اس لئے میں یہ نتیجہ نکالوں گا کہ باقیاتی اعضاءنظریۂ ارتقاءکے لئے کسی خاص قسم کا ثبوت فراہم نہےں کرتے-"۴۵۱

۵۹۸۱ ءمیں جرمنی کے ماہرِ تشریح الاعضاءآر- وائڈر شائم نے تقریباً ۰۰۱ باقیاتی اعضاءکی فہرست تشکیل کی جس میں اپینڈکس کی نلکی اور کوککس یا انسانی ریڑھ کی ہڈی کا نچلا مثلث نما سرا بھی شامل تھا- وقت کے ساتھ ساتھ سائنس کی ترقی نے یہ ثابت کیا کہ وائڈرشائم کی فہرست پر موجود تمام اعضاءکے نہایت اہم فرائض ہیں -مثال کے طور پر یہ پتہ چلا کہ اپینڈکس ایک باقیاتی اعضاءنہیں بلکہ ایک لمف نما عضو ہے جو کہ جسم میں بیماریوں سے دفاع کا کام کرتا ہے- یہ حقیقت ۷۹۹۱ءمیں مزید واضح ہوگئی تھی-

دوسرے جسمانی اعضا اور ریشۂ لحمی مثلاً غدہ تیموسیہ، جگر، تلی، اپینڈکس، ہڈی کے اندر کا مادہ اور لمفیہ ریشۂ لحمی مثلاً گلے کے غدود اور چھوٹی آنت میں موجود پائر پیچ تمام لمفیہ نظام کا حصہ ہیں اور جسم کا بیماری سے دفاع میں مدد دےتے ہیں-۵۵۱

اس کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ گلے کے غدود جن کو باقیاتی اعضاءکی فہرست میں ڈالا گیا تھا وہ خصوصاً نوجوانی تک گلے کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں خاص کردار ادا کرتے ہیں- اسی طرح ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے پر موجود کوکس کولہوں کے اطراف کی ہڈیوں کو سہارا دیتا ہے اور کچھ چھوٹے عضلات کا نقطِ ارتکاز ہے جس کی وجہ سے کوککس کے بغیر آرام سے بےٹھنا ممکن نہیں ہوتا- آنے والے سالوں میں پتا چلا کہ غدہ تیموسیہ انسانی جسم کے مامونیت کے نظام کو ٹی خلیوں کو حرکت میں لاکر شروع کرتا ہے، غدود صنوبری ضروری اعتدال پیدا کرنے والے مادے کی فراہمی کرتا ہے، غدہ درقیہ شیرخوار اور چھوٹی عمر کے بچوں کی متوازن افزائش کےلئے اہم ہے، اور غدہ نخامی کئی اعتدال پیدا کرنے والے مادے بنانے کے غدود کی درست کارکردگی میں معاون ہے- ان تمام اعضاءکا شمار ایک وقت باقیاتی اعضاءمیں ہوتا تھا-

یہاں آنکھ کی نیم قمری تہہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جس کو ڈارون نے باقیاتی اعضاءمیں شامل کیا تھا مگر جو کہ آنکھ کے ڈھیلوں کی صفائی اور ان کو نم رکھنے کا اہم فریضہ انجام دیتی ہے- باقیاتی اعضاءکے متعلق ارتقائی دعوؤں میں ایک اہم منطقی غلطی بھی موجود تھی -جس طرح کہ ثابت کیا گیا ہے یہ غلطی اس دعوے پر مبنی تھی کہ جانداروں میں موجود باقیاتی اعضاءان کو وراثت میں ملے ہیں لیکن بہت سے ازروئے دعویٰ باقیاتی اعضاءان نسلوں میں موجود نہیں ہیں جن کو انسانوں کا پرکھا کہا جاتا ہے- مثال کے طور پر اپینڈکس گوریلوں کی کچھ نسلوں میں موجود نہیں ہے جن کو ارتقاءپسند انسانوں کے آباءو اجداد کا نام دیتے ہیں- مشہور ارتقائی ماہرِ حیاتیات ایچ- اینوک باقیاتی اعضاءکے نظریئے پر اعتراض کرتے ہوئے اس منطقی غلطی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"گوریلوں کے اند راپینڈکس موجود ہے جبکہ ان کے دور کے رشتہ دار گوریلوں میں یہ عضو مفقود ہے- لیکن یہ نچلی سطح کے ممالیہ جانوروں مثلاً اپاسم (زیادہ تر درختوں پر رہنے والا امریکی کیسہ دار خاندان کا جانور جس کی دم گرفت دار ہوتی ہے) میں دوبارہ نمودار ہوجاتا ہے- ارتقاءپسند اس بات کا جواب کس طرح دے سکتے ہیں؟"۶۵۱

باقیاتی اعضاءکی تمام مثالیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بودی ثابت ہوگئی ہیں- مثلاً آنکھ کی ساخت کی نیم دائرہ نما تہ جس کا ذکر' اوریجن' میں ایک باقیاتی عضو کے طور پر کیا گیا ہے وہ جدید دور میں اپنی مکمل کارکردگی کی بنیاد پر غلط ثابت ہوچکا ہے- آنکھ کی اس ساخت کے کارآمد ہونے کا علم ڈارون کے وقت میں نہیں تھا لیکن آج واضح ہوچکا ہے کہ آنکھ کا یہ حصہ آنکھ کے ڈھیلوں کو نم رکھنے میں مدد دیتا ہے-

ارتقاءپسندوں نے جراثیم کی جراثیم کش دواؤں سے مزاحمت کو ارتقاءکا ثبوت کہا ہے لیکن یہ ثبوت نہایت پر فریب ہے۔

دوائی کے سالمے سے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ خرد نامیہ جاندار کے RNA کی سطح میں رونما ہونے والی یہ تبدیلی اسٹرپٹومائسین سالمے کو جڑنے اور اپنی جراثیم کش ذمہ داریوں کو نبھانے سے روکتا ہے۔ یہ توڑ پھوڑ اس کے اندر خصوصیات کی کمی کی صورت میں ہوتی ہے اور اس سے جینیاتی معلومات میں بھی کمی واقع ہوجاتی ہے۔ اصل نقطہ تو یہ ہے کہ ارتقاءاس طرح کی جینیاتی تبدیلیوں یا بدہیئتیوں سے حاصل نہیں ہوسکتا چاہے کتنی ہی تعداد میں تبدیلیاں رونما ہوجائیں۔ ارتقاءان جینیاتی تبدیلیوں کو جمع کرنے سے عمل پذیر نہیں ہوسکتا جوکہ صرف خصوصیات میں کمی ہوتی ہے۔"۱۵۱

خلاصہ یہ کہ وہ جینیاتی تبدیلی جوکہ جراثیم کے RNA میں تبدیلی لے کر آئے وہ اس جراثیم کی اندر اسٹرپٹومائسین کے خلاف قوت مدافعت پیدا کردیتی ہے۔ اس کی وجہ رائبوسوم کے RNA کے اندر جینیاتی تبدیلی کے ذریعے توڑ پھوڑ کا عمل ہے جس سے جراثیم کے اندر کسی بھی طرح کی نئی جینیاتی معلومات کا اضافہ نہیں ہوتابلکہ اس کے رائبوسوم کی ساخت ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے -یعنی کہ جراثیم معزور ہوجاتا ہے۔ (یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جینیاتی طور پر تبدیل شدہ جراثیم کا رائبوسوم صحت مند جراثیم سے کم کارگزر ہوتا ہے)۔ چونکہ اس معذوری کے تحت جراثیم کش دوائی رائبوسوم یا RNA سے جڑ نہیں سکتی اسی لئے جراثیم کش دوائی کے خلاف قوت مدافعت تعمیر ہوجاتی ہے۔ کسی بھی ایسی جینیاتی تبدیلی کی مثال سامنے نہیں ہے جوکہ جینیاتی معلومات میں اضافہ کرے۔

یہ وہی صورتحال ہے جس کے تحت کیڑے مکوڑوں کے اندر ڈی۔ ڈی۔ ٹی اور دوسری کیڑے مار دوائیوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا ہوجاتی ہے۔ ان میں سے کئی حالات میں پہلے سے موجود مدافعتی جینیات استعمال میں آجاتے ہیں -ارتقائی ماہرِ حیاتیات فرانسسکو آئلا اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے:

"متعدد کیڑا ماردوائیوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرنے کے لئے جن جینیاتی تبدیلیوں کی ضرورت تھی وہ غالباً ان تمام کیڑے مکوڑوں کی آبادیوں کے اند رپہلے سے موجود تھیں جن کے اوپر یہ انسان کے بنائے ہوئے مرکبات استعمال کئے گئے تھے"۔ ۲۵۱

اس مثال کی طرح دوسری کئی مثالوں کی وضاحت بھی جینیاتی تبدیلیوں کے حوالے سے کی جاسکتی ہے۔ جس طرح کہ اوپر والی مثال RNA میں جینیاتی تبدیلی کا نتیجہ ہے اسی طرح دوسری تمام مثالیں بھی کیڑے مکوڑوں کے اندر جینیاتی معلومات میں کمی کے باعث سامنے ا آئی ہیں۔ ان تمام مشاہدات کی روشنی میں ثابت ہے کہ جراثیم اور کیڑے مکوڑوں کے اندر موجود قدرتی قوتِ مدافعت نظریۂ ارتقاءکے لئے کسی قسم کے ثبوت کی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ نظریۂ ارتقاءکا بنیادی دعویٰ تو یہی ہے کہ جاندار نسلیں جینیاتی تبدیلی کے ذریعے ترقی پاتی ہیں۔ اسپیٹنر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ نہ تو جراثیم کش دوائیوں کے خلاف قوت مدافعت نہ کوئی اور دوسرا حیاتیاتی مظاہرہ کسی بھی ایسی جینیاتی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

"وسیع اور بسیط ارتقاءکے لئے جس نوعیت کی جینیاتی تبدیلیاں درکار ہیں ان کا آج تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ بے ترتیب طرح کی جینیاتی تبدیلیاں اس قسم کی جینیاتی تبدیلیوں کی آئینہ دار ہر گز نہیں ہیں جن کی نوڈاروینی نظریئے کو لازماً ضرورت ہے۔ ان کا سالماتی سطح پر معانہ بھی اس موضوع پر کسی نئی طرح کی معلومات کا اضافہ نہیں کر سکا۔ میر اسوال یہاں پر یہ ہے کہ جس طرح کی جینیاتی تبدیلیوں کا مشاہدہ اب تک کیا جاچکا ہے کیا وہ اس نظریئے کو سہارا دینے کے لئے کافی ہیں؟ اس کا جواب صرف 'نہیں' ہے"۔۳۵۱

چیل، چمگادڑ اور کیڑے مکوڑے سب پردار جانور ہوتے ہیں لیکن ان کا محض مشترک اعضاءکا حامل ہونا اس بات کی علامت ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی مشترک پرکھا کی بھی تدریجی شکل ہیں۔

یہاں یہ کہناغلط نہیں ہوگا کہ ارتقاءپسندوں کی طرف سے پیش کیا گیا باقیاتی اعضاءکا منظر نامہ سنجیدہ منطقی غلطیوں سے بھرپور ہے اورہر زاویے سے غیر سائنسی ثابت ہوچکا ہے۔ انسانی جسم کے اندر ایک بھی باقیاتی عضو موجود نہیں ہے کیونکہ انسان کسی اتفاق کے ذریعے دوسری مخلوقات کی ارتقائی شکل نہیں بلکہ اس کو اللہ نے جدید، مکمل اور بے عیب شکل میں تشکیل کیا ہے۔

مطابقت کی فرضی حکایت

مختلف نسلوں کے درمیان ساخت کے اعتبار سے جو تشابہت موجود ہے اس کو مطابقت کا نام دیا گیا ہے۔ ارتقاءپسند اس مطابقت کو ارتقاءکا ثبوت کہتے ہیں۔ ڈارون سمجھتا تھا کہ وہ مخلوق جن کے اعضاءایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ان کے درمیان ارتقائی رشتہ ہے اور یہ مشابہ اعضاءانہوں نے ایک مشترک پرکھا سے ورثے میں پائے ہیں۔ اس کے اس مفروضے کے حساب سے چونکہ کبوتروں اور چیلوں کے پر ہوتے ہیں اسی لئے کبوتر، چیل اور دوسرے تمام پروالے پرندے ایک مشترک پرکھا کا ارتقائی نتیجہ ہیں۔ مطابقت کے اوپر بحث ایک پرفریب موضوع ہے جس کی بنیاد محض شکلی تشابہت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

ڈارون کے دور سے آج تک اس نظریئے کو ایک بھی ٹھوس سائنسی دریافت یاتجربہ ثابت نہیں کرسکا۔ دنیا میں کہیں بھی ایسے کسی بھی خیالی مشترک پرکھا کا فوصل دریافت نہیں ہوا جس کو آپس میں ساخت کے اعتبار سے مطابقت رکھنے والے جانوروں کا پرکھا تسلیم کرلیا جائے۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل نقاط بھی واضح کر تے ہیں کہ مطابقت کا نظریہ کسی طور سے یہ ثابت نہیں کرتا کہ ارتقاءکا کوئی سائنسی تصور ہے:

۱۔ مختلف جنس سے تعلق رکھنے والی مخلوق میں بھی مشابہہ اعضاءپائے جاتے ہیں جن کے درمیان ارتقاءپسند کسی بھی طرح کا ارتقائی رشتہ ثابت کرنے میں ناکام ہیں۔

۲۔ آپس میں مشابہ اعضاءرکھنے والی کئی مخلوق کی جینیاتی خفیہ تحریر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

۳۔ مشابہ اعضاءکا قبل از پیدائش وجود میں آنے کی اشکال مختلف مخلوق میں مختلف ہے۔ اب ان تمام نقاط کا تفصیلی معائنہ کیا جائے گا۔

بالکل مختلف نسلوں کے جانداروں میں یکساں اعضاءکا موجود ہونا

کئی ایسی مختلف نسلوں کے جانداروں میں یکساں اعضاءپائے جاتے ہیں جن کے درمیان ارتقاءپسند بھی کسی قسم کا ارتقائی رشتہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔ ان اعضاءکی ایک مثال پر ہیں۔ پرندوں کے علاوہ چمگادڑ جیسے ممالیہ جانداروں کے بھی پر ہوتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں حتیٰ کہ ڈائناساروں کے بھی پر ہوتے تھے جوکہ معدوم خزندے ہیں۔حیوانات کی ان چاروں مختلف اقسام کے درمیان کسی بھی قسم کا ارتقائی نوعیت کا خیالی رشتہ بھی موجود نہیں ہے۔ ایک اور حیران کن مثال مختلف جانداروں کی آنکھوں کے درمیان زبردست مطابقت اور ساخت کے اعتبار سے یکسانیت ہے۔ مثال کے طور پر ہشت پایہ جانور اور انسان دو مختلف نسلوں کے جاندار ہیں جن کے درمیان ناقابل بیان حد تک غیر یکسانیت ہے لیکن پھر بھی دونوں کی آنکھیں ساخت اور طریقہ عمل کے حساب سے مشابہ ہیں۔ آنکھوں کی اس یکسانیت کو بنیاد بناکر ارتقاءپسند بھی انسان اور ہشت پایہ کو کسی مشترک پرکھا کا نتیجہ ہونے کا مفروضہ پیش نہیں کرسکتے۔ اس کے علاوہ دوسری کئی مثالیں ایسی ہیں جوکہ ثابت کرتی ہیں کہ اعضاءکی تشابہت پر مبنی ارتقائی دعوے سراسر غیر سائنسی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ یکساں اعضاءکا یہ نظریہ ارتقاءپسندوں کے لئے شرمندگی کا مقام ہے۔

مشہور ارتقاءپسند فرینک سالسبری اپنے بیان میں واضح کرتا ہے کہ دو بالکل مختلف جانداروں میں ایک جیسی آنکھوں کی

ممالیہ جڑواں جومماثلت کی تردید کرتے ہیں

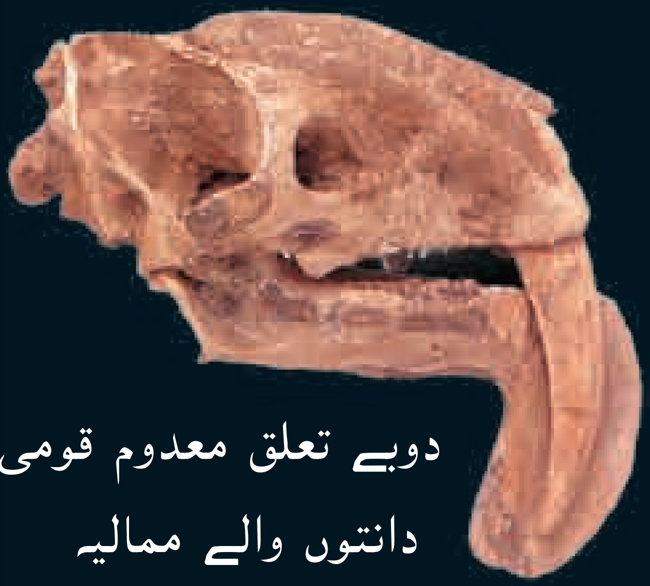

شمالی امریکہ کے بھیڑئیے کی کھوپڑی

دوبے تعلق معدوم قومی دانتوں والے ممالیہ

آنول نال کے حامل اور کیسہ دار ممالیہ "جڑواں" کے درمیان غیر معمولی مشابہت کی ایک اور مثال معدوم ممالیہ جانوروں اسمیلوڈون اور (نیچے Below) اور تھائلو کوسمیلس (اوپر Above) ہیںجن کے آگے کے دانت بے انتہا بڑے تھے- ان دونوں ممالیہ جانوروں کی کھوپڑیوں اور دانتوں کی ساخت کے درمیان وسیع پیمانے پر مشابہت، جن کے درمیان کسی قسم کا ارتقائی رشتہ بھی قائم نہیں کیا جاسکا، مطابقت کے بارے میں اس رائے کی تردید کرتا ہے کہ جانداروں کے درمیان ایک جیسی ساخت ارتقاءکا ثبوت ہیں-

تسمانیہ کے بھیڑئیے کی کھوپڑی

تسمانیہ کا بھیڑ یا اوراس کا شمالی امریکہ کا ساتھی

آنول نال کے حامل اور کیسہ دار ممالیہ جانوروں کے درمیان "جڑواں" نسلوں کی موجودگی مطابقت کے دعوے کے لئے ایک مہلک وار ہے- مثال کے طور پر اوپر (Above)دکھایا گیا کیسہ دار تسمانیہ کا بھیڑیا اور اس کے جڑواں شمالی امریکہ میں پائے جانے والے آنول نال کے حامل بھیڑئیے میں اس قدر غیر معمولی مشابہت ہے کہ وہ عقل کو حیران کرتی ہے- اوپر (Above) اس دونوں حیوانات کی کھوپڑیاں بھی نظر آرہی ہیں- ان دونوں کے درمیان کسی قسم کے ارتقائی رشتے کی غیر موجودگی اور اس قدر مشابہت مطابقت کے بر دعوے کی تردید کرتی ہے-

مطابقت کا جینیاتی اور جنےنی تعطل

مطابقت کے بارے میں ارتقاءپسندوں کے تمام دعوؤں کو درست اور سنجیدہ ہونے کےلئے یہ بھی لازم ہے کہ مختلف جانداروں میں یکساں اعضاءیکساں *DNA* کی معلومات سے بھی مزین ہوں -لیکن ایسا نہیں ہے -یکساں اعضاءایک دوسرے سے بالکل مختلف جینیاتی معلومات سے مزین ہوتے ہیں- اسکے علاوہ مختلف جانداروں کے کچھ یکساں جینیاتی معلومات کا تعلق بالکل مختلف اعضاءسے ہوتا ہے- مائیکل ڈنٹن ایک آسٹرالوی حیاتیاتی کیمیا کا پروفیسر ہے- اس نے اپنی کتاب "ایوولوشن: اے تھیوری ان کرائسس" یا "ارتقائ: ایک پریشان حال نظریہ" میں مطابقت کی تشریح سے متعلق جینیاتی تعطل کا معائنہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"یکساں اعضاءاکثر غیر یکساں جینیاتی نظاموں سے پہچانے جاتے ہیں اور اس مطابقت کے تصور کو شاید ہی جنےنی مطالعہ تک لے جایا جاسکتا ہے-"۹۵۱

اس معاملے کی ایک مشہو رمثال چوپایہ جانوروں کے پانچ ہندوسوں پر مبنی ساخت کے ڈھانچے کی ہے جسکا حوالہ تقریباً ہر ارتقائی نصاب کی کتاب میں دیا گیا ہے -چوپائے زمین پر رہنے والے فقاری جاندار ہوتے ہیں جنکے آگے اور پیچھے کے پاؤں پر پانچ ہندسے ہوتے ہیں -گوکہ یہ نشانات ہوبہو ہندوسوں کی طرح ہی نہیں ہوتے لیکن ان کو پنج انگشتی ہونےکی وجہ سے اسی طرح گنا جاتا ہے- مینڈکوں، چھپکلیوں اور بندروں کے آگے اور پیچھے کے پاوؤں کی یہی یکساں ساخت ہوتی ہے- پرندوں اور چمگادڑوں کی ہڈیوں کی ساخت بھی اسی بنیادی نقشے کے تحت بنی ہوتی ہے-

ارتقاءپسندوں نے ہمیشہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام جاندار ایک ہی مشترک پرکھا سے ارتقاءکا نتیجہ ہیں اور انہوں نے جانداروں کی پنج انگشتی خاصیت کو اس دعوے کا ثبوت قراردیا ہے- اس دعوے کا ذکر حیاتیات کے تمام اہم ذرائع میں ۰۲ صدی تک ارتقاءکا ایک ٹھوس ثبوت ہونے کی حیثیت سے موجود تھا- لیکن ۰۸۹۱ءکے سالوں میں ہونے والی جینیاتی تحقیق نے اس دعوے کی مکمل تردیدکردی جب پتہ چلا کہ مختلف جانداروں کی پنج انگشتی خاصیت مختلف جینیاتی معلومات کے زیر اختیار ہے-

ارتقائی ماہر حیاتیات ولیم فکس پنج انگشتی ارتقائی مفروضے کا زمین بوس ہونا ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"ارتقاءکی پرانی نصابی کتابوں میں مطابقت کے موضوع کو بڑھا چڑھاکر بیان کیا گیا تھا جس میں مختلف جانوروں کے اعضاءکے ڈھانچوں کی ظاہری تشابہت پر خاص زور تھا- پنج انگشتی ہڈیوں کا نقشہ انسان کے بازو میں بھی ہے، چڑیاکے پر میں بھی ہے اور وہیل مچھلی کے ربڑ کے پیزار میں بھی ہے اور اس مطابقت کو ان کے مشترک طریقہ ابتداءکا ثبوت جانا گیا ہے- اب اگر اسی مختلف ساخت کو یکساں جینیاتی جوڑے وقت کے ساتھ ساتھ خلیاتی بے ترتیبیوں اور ماحولیاتی انتخاب کے ساتھ ارسال کرتے تو اس دعوے میں تھوڑی بہت صداقت کا پہلو نکالا جاسکتا تھا- لیکن بدقسمتی سے صورتحال اس کے عین مترادف ہے- اب پتہ چلا ہے کہ یکساں اعضاءبالکل مختلف نسلوں میں مختلف جینیاتی مرکبات سے تشکیل پاتے ہیں- ایک مشترک پرکھا سے یکساں جینیات حاصل ہونے کا مطابقت کا نظریہ مکمل طور پر توڑ پھوڑ کا شکار ہوچکا ہے-"۰۶۱

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ مطابقت سے متعلق ارتقائی مفروضے پر سنجیدگی سے غور کرنے کےلئے یہ لازم ہے کہ ان جانداروں کے نڈے کے اندر یا ماں کے پیٹ میں جنینی ترقی کے مرحلے بھی آپس میں متوازی ہوں- لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان مختلف ساخت کے جانداروں میں جنینی ترقی کے مرحلوں کے درمیان معمولی سی بھی تشابہت یا مطابقت نہیں ہے- خلاصے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جینیاتی اور جنےنی تحقیق سے ثابت ہوگیا ہے کہ ڈارون کا توضیح کردہ مطابقت کے تصور 'جانداروں کے ایک مشترک پرکھا سے ارتقاءکا نتیجہ، کسی بھی طرح کے ثبوت کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا- اس معاملے میں سائنس نے ڈارون کے مفروضے کو ایک بار پھر غلط ثابت کردیا ہے-

سالمی مطابقت کے دعوے کا ناقص ہونا

پروفیسرمائکل ڈنٹن "نظریۂ ارتقاءخطرے میں ہے-"

ارتقاءکے ثبوت کے طور پر مطابقت کا فروغ ناصرف شکلیاتی سطح پر ناقص ہے بلکہ سالمی سطح پر بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے- ارتقاءپسند کہتے ہیں کہ مختلف جاندار نسلوں کے *DNA* کے اشارات یا ہم آہنگ لحمیاتی ساخت یکساں ہوتی ہے اور یہی یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ جاندار نسلیں مشترک پرکھا سے یا ایک دوسرے سے ارتقاءکا نتیجہ ہیں- سچائی تو یہ ہے کہ سالمی موازنات کے نتائج نظریۂ ارتقاءکے حق میں ہرگز نہیں ہیں- بظاہر یکساں اور آپس میں رشتہ دار مخلوق کے درمیان بھی وسیع سالمی فرق موجود ہے-

مثال کے طور پر سائٹو کروم - سی نامی لحمیہ جو کہ نظام تنفس کے لئے بے انتہااہم ہے وہ ایک ہی طبقے کے جانداروں میں حیرت انگیز طور پر مختلف ہے- اس موضوع پر کی جانے والی تحقیق کے مطابق پرندوں کی دو مختلف نسلوں کے درمیان جو فرق ہے وہ ایک پرندے اور ایک مچھلی یا ایک مچھلی اور ایک ممالیہ جانور کے درمیان فرق سے زیادہ ہے- ایک اور تحقیق کے مطابق کچھ پرندوں کے درمیان سالمی فرق انہیں پرندوں اور ممالیہ جانوروں کے درمیان فرق سے زیادہ ہے- یہ

ساخت کے اعتبار سے انسانوں اور آکٹوپس نامی بشت پایہ صدفے کے درمیان بے انتہا مماثلت ہے لیکن ان دونوں نسلوں کے درمیان ایک جیسے اعضاءکی موجودگی اس بات کا ثبوت کسی طور سے نہیں ہے کہ یہ دونوں نسلیں مشترک پرکھوں کی پیداوار ہیں-کسی مشترک پرکھے کو بنیاد بناکر ارتقاءپسند بھی انسان اور آکٹوپس کی آنکھ کی مشابہت کو بیان کرنے کی کوشش نہیں کرتے-

موجودگی مطابقت کے تعطل کو کس طرح اور نمایاں کرتی ہے:

"آنکھ جیسی پیچیدہ چیز بھی کئی جگہ نظر آتی ہے- مثال کے طور پر قیر ماہی، فقاریہ جاندار اور انسان سے مشابہ جاندار- ان تمام جانداروں کی ابتداءکے بارے میں مفروضے پیش کرنابھی کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن ان جانداروں کو جدید مصنوعی لائحہ عمل کے ذرےعے کئی بار پیدا کرنے کے صرف خیال سے ہی مجھے چکر آنے لگتے ہیں"-۱۵۷

کئی جاندار ایسے ہیں جوکہ اپنی شکل اور ساخت کے اعتبار سے مطابقت کے باوجود کسی قسم کے ارتقائی رشتہ داری کے مرتکب نہیں ہیں- اس کی ایک اور مثال آنول نال پر مبنی اور کیسہ دار ممالیہ جانوروں کے دو بڑے گروہ ہیں- ارتقاءپسندوں کے حساب سے یہ فرق ممالیہ جانوروں کی نموداری کے وقت ہی پیدا ہوگیا تھا اور ہر گروہ اپنی ارتقائی تاریخ دوسرے گروہ سے بے نیاز ہوکر جیتا رہا- لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آنول نال اور کیسہ دار ممالیہ جانوروں میں موجود 'جوڑے' تقریباً ایک جیسے ہیں- امریکی ماہر حیاتیات ڈین کینن اور پرسیول ڈےوس موضو ع پر رائے زنی کرتے ہیں:

"نظریۂ ڈارون کے حساب سے بھیڑیوں، بلیوں، گلہریوں، بھٹ سور، مورخور اور چوہے دو دفع پیدا ہوئے- ایک دفعہ آنول نال ممالیہ میں اور دوسری دفعہ آزادانہ طور پر کیسہ دار ممالیہ جانوروں میں- یہ حیرت انگیز دعویٰ کہ بے ترتیب اور بے سمت جینیاتی بے ترتیبی اور انتخاب طبعی کی وجہ سے مشترک اعضاءکئی دفعہ مختلف جانداروں میں نمودار ہوئے جن کی آپس میں کسی قسم کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے اس بات سے مزید طول پکڑتا ہے-"۱۵۸

اس طرح کی حیرت انگیز تشابہت اور یکساں اعضاءجن کو ارتقاءپسند ماہر حیاتیات صرف یکسانیت کے ثبوت کی طرح قبول ہی نہیں کرپاتے دراصل یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک مشترک پرکھا سے ارتقاءکے مفروضے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے- تو پھر جانداروں میں یکساں قسم کے اعضاءاور ساخت کی تشابہت کی سائنسی وجہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ڈارون کے نظریئے کا سائنسی دنیا پر حکمرانی ہے-

کارل لینیس وہ سائنسدان تھا جس نے جانداروں کی گروہ بندی ان کی ساخت کی یکسانیت کے اعتبار سے کی- اس نے اور ایک اور سائنسدان رچرڈ اوون نے ان یکساں ساخت کے جانداروں کو' مشترک' تخلیق کا نمونہ قراردیا ہے-ےعنی کہ یکساں اعضائ، یا جدید اصطلاح میں یکساں جینیات اس لئے ہوتی ہیں کیونکہ ان کو ایک مخصوص مقصد کے لئے بنایا گیا ہے نہ کہ اس لئے کہ وہ اتفاق کے ذریعے کسی مشترک پرکھا کی ارتقائی شکل ہیں- جدید سائنسی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ یکساں اعضاءکے متعلق مشترک پرکھا کے ہونے کا دعویٰ سراسر غلط ہے- اس کا صرف ایک ہی امکان ہے اور وہ ہے مشترک تخلیق جو کہ پھر اس حقیت کی تصدیق ہے کہ تمام جاندار صرف اللہ کی تخلیق ہیں-

مطابق ایک دوسرے کا قریبی رشتہ دار تصور کیا جاتا تھا وہ دراصل ایک دوسرے سے ناقابل یقین حد تک مختلف ہیں- ایک ۶۹۹۱ءمیں کی جانے والی تحقیق نے ۸۸ لحمیاتی سلسلوں کو استعمال کرتے ہوئے خرگوشوں کی چوہے، گلہری اور اود بلاؤ جیسے جانوروں کی بجائے حیوان رئیسیہ مثلاً بندروں اور انسانوں کے ساتھ گروہ بندی کردی- ۸۹۹۱ءمیں ۹۱ حیوانی نسلوں کے ۳۱ جینیات کی تحقیق نے چپٹے خارپوستوں کو حبل ظہری کے ساتھ ملادیا- ایک اور ۸۹۹۱ءمیں کی جانے والی ۲۱ لحمیات کی تحقیق نے گائے کو گھوڑوں سے دور اور وہیل مچھلی کے زیادہ قریب دکھایا- ماہرِ سالمی حیاتیات جوناتھن ویلز نے اس صورتحال کی تشریح ۲۰۰۰ میں ان الفاظ میں کی:

"مختلف سالموں کے ذریعے وجود میں آنے والے درختوں میں بے ربطیاں اور کچھ سالماتی تحقیق کے نتیجے میں سامنے آنے والے بدہیئت درختوں نے نوعی ارتقاءکے سالمی تصورات کو شدیدتباہی کی راہ میں دھکیل دیا ہے-"۸۶۱

نوعی ارتقاءکے سالمی تصورات کو مصیبت کا شکار ہونے کا مطلب ہے کہ نظریۂ ارتقاءبھی مصیبت کا شکار ہے-(نوعی ارتقاءکااشارہ مختلف جانداروں کے درمیان ازروئے دعویٰ 'خاندانی رشتہ داریوں' کی طرف ہے جوکہ نظریۂ ارتقاءکی فرضی بنیاد ہے-) ایک بار پھرسائنس اس بات کی تردید کرتی ہے کہ جاندار نسلیں ایک دوسری کی ارتقائی اشکال ہیں اور ثابت کرتی ہے کہ تمام جاندار گروہ انفرادی طور پر تخلیق کئے گئے ہےں-

استرجاع کی خیالی کہانی

استرجاع کا نظریہ کافی عرصے پہلے سائنسی کتب سے خارج کیا جاچکا ہے لیکن اس کو پھر بھی آج کئی ارتقاءپسند جریدے ایک سائنسی حقیقت کے طور پر پیش کرتے ہیں- اس نظریئے کا خلاصہ یہ ہے کہ جنین پرورش پانے کے دوران اپنی نوع کی سابقہ ارتقائی صورتوں سے گزرتا ہے- 'خلاصہ روداد 'کی یہ اصطلاح اس قول کا خلاصہ ہے کہ' فرد کی ابتدائی نشوونما نوعی ارتقاءکو دہراتی ہے'- اس قول کو ارتقائی ماہرِ حیاتیات ارنسٹ ہیکل نے ۹۱ صدی کے آخر میں تجویز کیا تھا- ہیکل کے اس نظریئے کے حساب سے جاندار جنین اس تمام ارتقائی عمل کے مرحلات سے گزرتے ہیں جن سے ان کے خےالی آباو اجداد بھی گزرے تھے- اس نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ اپنی ماں کے پیٹ میں انسانی جنین پہلے مچھلی کی خصوصیات ظاہر کرتا ہے پھر خزندے کی اور سب سے آخر وہ انسانی شکل میں بدل جاتا ہے-

آج سائنس نے اس نظریئے کو مکمل طور پر رد کردیا ہے- اب یہ پتہ چلا ہے کہ انسانی جنین کی نشوونما کے اول دنوں میں نظر آنے والے مچھلی نما گلپھڑے دراصل کان کے وسطی حصے میں موجود نہر، غدہ ورقیہ سے ملا ہوا جز اور غدہ تیموسیہ کی اول اشکال ہیں -جنین کاوہ حصہ جس کو انڈے کی زردی کی تھیلی سے مشابہ سمجھا جاتا تھا درحقیقت وہ مخصوص تھیلی ہے جو کہ بچے کے لئے خون فراہم کرتی ہے- وہ حصہ جس کے بارے میں ہیکل اور اس کے پیروکاروں نے دم ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ ریڑھ کی ہڈی ہے- وہ دم جیسی شکل اس لئے پیش کرتی ہے کیونکہ یہ ٹانگوں سے پہلے تشکیل ہوجاتی ہے- یہ تمام باتیں سائنس کی دنیا کی کلیہ طور پر مانی جانے والی حقیقتیں ہیں جن کا ارتقاءپسند سائنسدانوں سے بھی زیادہ اعتراف کرتے ہیں- جورج گیلارڈ سمسن نوڈارونیی فلسفے کے بانیوں میں سے ایک ہے اور لکھتا ہے:

"ہیکل نے یہاں پر استعمال کئے گئے ارتقائی اصولوں کی غلط بیانی کی تھی- یہ اب اچھی طرح سے ثابت ہوچکا ہے کہ فرد کی ابتدائی نشوونما نوعی ارتقاءکوہرگز نہیں دہراتی-رسالہ "امریکن سائنٹسٹ" کے ایک مضمون کے حساب سے ۹۶۱

"غالباً حیاتیاتی جینیات کا قانون دروازے کی ایک کیل کی مانند مردہ ہے- اس کو حیاتیاتی نصاب کی کتابوں سے ۰۵۹۱ءکے سالوں میں ہی سختی کے

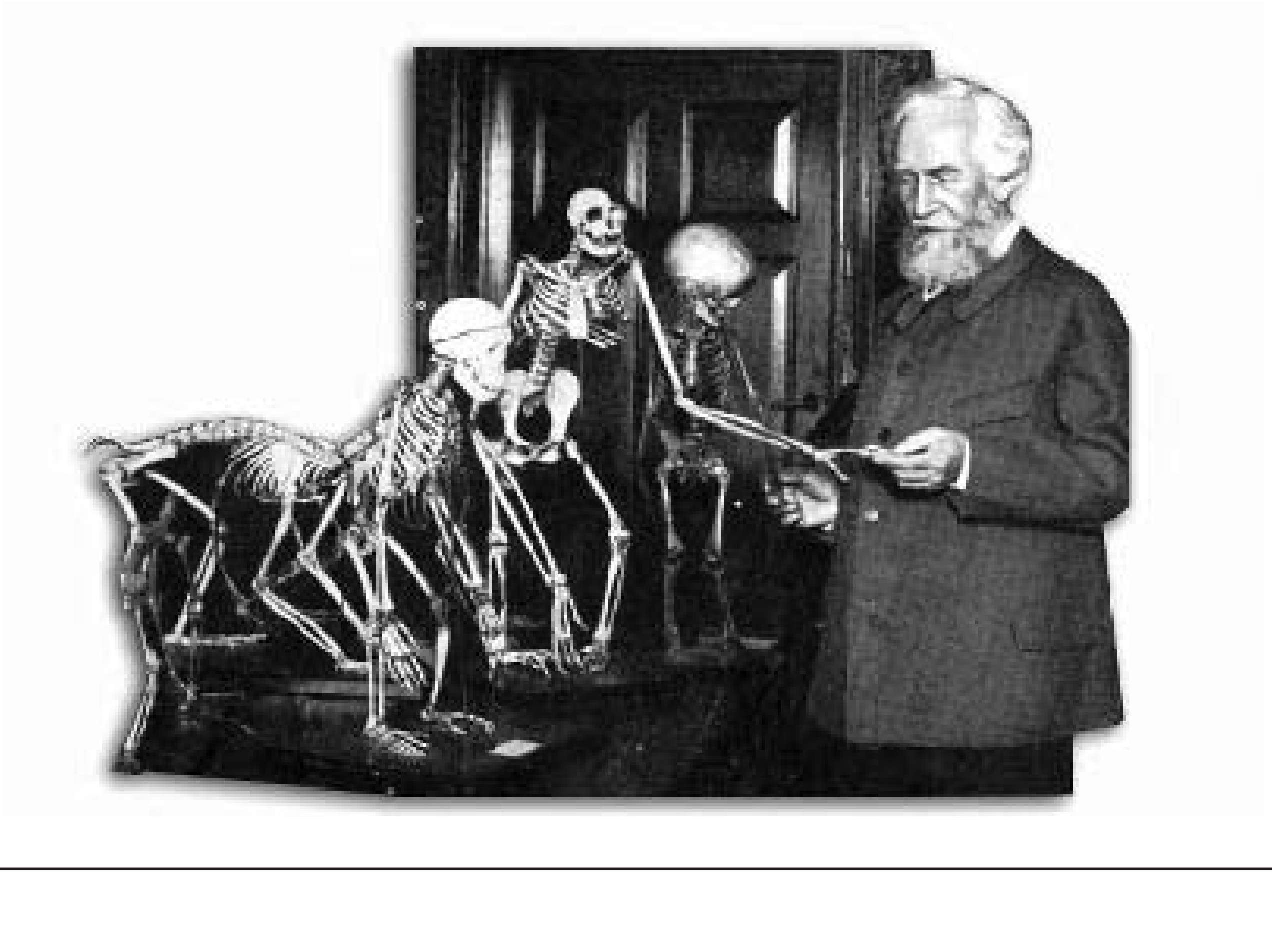

ہیکل ایک ایسا ارتقاءپسند تھا جس کو ڈارون سے بھی بڑھ کر پرجوش اور جذباتی کہا جاسکتا ہے- اس کو سائنسی معلومہ مواد مسخ کرنے اور مختلف جعل سازی کے طریقے ایجاد کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی-

بھی پتہ چلا ہے کہ خرد نامیہ جانداروں کے درمیان سالمی فرق ان کی ساخت کی حیرت انگیز یکسانیت کے باوجود ممالیہ جانوروں اور بربحری جانوروں یا کیڑے مکوڑوں کے درمیان فرق سے کہیں زیادہ ہے۔ ۱۶۱ اسی طرح کے موازنے حمرۃ الدم، حمرۃ العضلاتٗ، اعتدال پیدا کرنے والے مادے اور جینیاتی نظام میں بھی انہیں نتائج کے ساتھ کئے گئے ہیں۔ ۲۶۱ سالمی حیاتیات کے شعبے میں اس تحقیق کے متعلق ڈاکٹر مائیکل ڈاٹن کا کہنا ہے کہ:

"ہر طبقہ سالمی سطح پر ایک ہے مثل، یگانہ اور وسطی اشکال کے اعتبار سے آزاد ہے۔ اسی لئے فوصلوں کی طرح سالمے بھی ان مبہم وسطی اشکال کو پیش کرنے سے قاصر ہیں جس کی تلاش اتنے عرصے سے ارتقائی حیاتیات کو ہے۔ سالمی سطح پر کوئی جاندار اپنے رشتہ داروں سے موازنے کے طور پر قدیم یا غیر ترقی یافتہ یا جدید نہیں ہے۔ اس بات میں بہت کم شک ہے کہ اگر یہ تمام سالمی ثبوت ایک صدی پہلے موجود ہوتا تو مربوط حیاتیات کا تصور نہ کبھی جڑ پکڑتا اور نہ ہی کبھی قبول کیا جاتا۔" ۳۶۱

'زندگی کا درخت' ڈھے رہا ہے

۰۹۹۱ءکے سالوں میں کی جانے والی جانداروں کے جینیاتی اشاروں پر تحقیق نے ارتقاءپسندوں اور نظریۂ ارتقاءکے لئے اس معاملے کو مزید بگاڑدیا۔ ان نئے تجربوں میں لحمیاتی سلسلوں تک محدود سابقہ موازنوں کی بجائے *RNA* کے سلسلوں کا موازنہ کیا گیا ۔ اس تحقیق کے ذریعے ارتقائی سائنسدانوں کا مقصد ایک ارتقائی درخت کی تعمیر تھا لیکن تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج بے انتہا مایوس کن تھے۔ سائنسی ماہرِ حیاتیات ہر وے فیلیپ اور پیٹرک فورٹیر کے ایک ۹۹۹۱ءمیں چھپنے والے مضمون کے مطابق "زیادہ سے زیادہ سلسلوں کی دستیابی کے باعث پتہ چلا ہے کہ سب سے زیادہ لحمیاتی امراضیات نہ صرف ایک دوسرے کی بلکہ *RNA* کے درخت کی بھی باہم متناقض ہیں۔" ۴۶۱

RNA کے موازنوں کے علاوہ جانداروں کی جینیات میں موجود *DNA* کے اشارات کا بھی موازنہ کیا گیا لیکن اس کا نتیجہ ارتقاءپسندوں کے فرض کئے گئے زندگی کے درخت کے عین مترادف تھا۔ ماہرِ سالمی حیاتیات جیمز اے۔ لیک، روی جین اور ماریہ سی۔ رےوےرا نے ۹۹۹۱ءمیں چھپنے والے ایک مضمون میں اس کی وضاحت کی ہے:

'سائنسدانوں نے مختلف جانداروں کی کثیر انواع کی جینیات کے تفصیلی معائنے سے نتیجہ اخذ کیا کہ ان کی ایک دوسرے سے رشتہ داری *RNA* کے معائنے سے بنائے گئے ارتقائی زندگی کے درخت سے مکمل متضاد حالت پر تھی۔' ۵۶۱

نہ تو لحمیات کے درمیان کئے گئے نہ *RNA* یا جینیات کے درمیان کئے گئے موازنے نظریۂ ارتقاءکی بنیادوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ کارل ووسی یونیورسٹی آف الےنائے کا ایک مشہور ماہرِ حیاتیات ہے جو کہ اعتراف کرتا ہے کہ نوعی ارتقاءنے سالمی تحقیق کی روشنی میں اپنا اعتماد اور وقار مکمل طور پر کھودیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"ابھی تک پیدا کئے جانے والے کئی انفرادی لحمیاتی نوعی ارتقاءکے نمونوں میں سے ایک بھی باقاعدہ ارتقائی وجود حاصل نہیں ہوا ہے۔ نوعی ارتقاءمیں عدم توافق اس عالمی درخت میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ اس کی جڑوں سے لے کر اہم شاخوں اور مختلف گروہوں کے درمیان ،یہاں تک کہ بنیادی گروہ بندیوں کی تشکیل میں بھی یہ بے جوڑ پن اور ناموافقت واضح ہے۔" ۶۶۱

یہ حقیقت کہ سالمی موازنوں کے نتیجے نظریہ ارتقاءکے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف ہیں رسالہ سائنس کے ایک ۹۹۹۱ءمیں "ازاٹ ٹائم ٹو اپروٹ داٹری آف لائف؟" یا "کیا زندگی کے درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کا وقت آگیا ہے؟" کے عنوان سے چھپنے والے مضمون میں واضح کی گئی ہے۔ مضمون کی مصنف الیزبیتھ پنیسی لکھتی ہے کہ وہ تمام جینیاتی تحقیق اور موازنات جو کہ ڈارون کے پیروکار ماہرِ حیاتیات نے' زندگی کے درخت 'کے اوپر روشنی ڈالنے کے مقصد سے کئے تھے وہ ان کی تو قعات کے عین برخلاف نتائج کے ساتھ الٹا ان کے ہی گلے پڑ گئے۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں وہ اس تمام نئی معلومات کے بارے میں بھی بات کرتی ہے جوکہ ارتقائی منظر نامے کو مزید گرد آلود کررہی ہیں:

"ایک سال پہلے وہ ماہرِ حیاتیات جو کہ نئے سلسلوں کے تحت ترتیب دئے گئے ایک ڈزن کے قریب خرد نامیہ جانداروں کے تولیدی مادے کا معائنہ کررہے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ نئی معلومات زندگی کی قدیم تاریخ سے متعلق قبول کئے گئے خاکے کو سہارا دینے میں کامیاب رہیں گی۔مگر انھوں نے جو دےکھا اس نے ان کو انگشت بدنداں کر دےا۔اس وقت دستیاب تولیدی مادے نے زندگی کی اہم گروہ بندیوں کی ابتداءسے متعلق تصویروں کو واضح کرنے کی بجائے ان کو مزید گڈمڈ اور دھندلا کردیا اور اب آٹھ نئے خردحیاتی سلسلوں کے ہاتھ میں آجانے سے صورتحال اور بھی الجھ گئی ہے۔ نئے ارتقائی ماہرِ حیاتیات کا خیال تھا کہ وہ اب غیر شفاف طریقے سے ہی سہی لیکن زندگی کی تین اہم بادشاہتوں کی ابتداءکا سراغ لگالیں گے۔ جب مکمل *DNA* کے سلسلوں نے دوسری طرح کی جینیات کے درمیان موازنے کے امکان کا دروازہ وا کیا تو تحقیق دان پر امید تھے کہ اب ان کا کام صرف ا س درخت کی تفصیلات حاصل کرنا رہ گیا ہے لیکن راکول، میری لینڈ کے انسٹیٹیوٹ فار جینومک ریسرچ یا تولیدی مادے کی تحقیق کے انسٹیٹیوٹ کی سربراہ کلیر فریسر کے الفاظ میں "کوئی اور بات سچائی سے اسقدر دور نہیں ہوسکتی جتنی کہ یہ بات "۔ارتقاءکی امیدوں کے برخلاف ان موازنوں سے حاصل ہونے والے زندگی کے درخت کی گوکہ کئی مختلف اشکال حاصل ہوئیں لیکن تمام اشکال *RNA* کے درخت اور ایک دوسرے کے عین برعکس تھیں"۔ ۷۶۱

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسے جیسے سالماتی حیاتیات کی تحقیق میں ترقی ہوتی گئی اسی طرح مطابقت کا تصور بھی بے معنی ہوتا گیا۔ لحمیات *RNA* اور جینیات کے درمیان موازنوں نے صرف یہ ثابت کیا کہ وہ تمام مخلوق جن کو نظریۂ ارتقاءکے

تیرھواں باب:

نظریۂ ارتقائ: ایک مادی جواب دہی

اس کتاب میں موجود تمام معلومات سے صرف یہ ثابت ہوا ہے کہ نظریۂ ارتقاءکی کوئی سائنسی بنیاد نہیں بلکہ تمام ارتقائی دعوے سائنسی حقائق سے میلوں دور ہیں- ےعنی کہ تخلیق کو سہارا دینے والی طاقت سائنس نہیں ہے- گوکہ نظریۂ ارتقاءجیسی فرضی حکایت کو کئی سائنسدانوں‌نے اپناحوالہ دیا ہے لیکن ارتقاءکی کہانی کو زندہ رکھنے میں کسی اور طاقت کا ہاتھ ہے- یہ دوسری طاقت مادیت پسند فلسفہ ہے-

مادیت پسند فلسفہ دنیا کے پرانے ترین عقیدوں میں سے ایک ہے اور مادے کو اپنا بنیادی اصول بناتا ہے- اس نظریئے کے حساب سے مادہ ہمیشہ وجود میں رہا ہے اور دنیا میں موجود ہر چیز مادے سے تشکیل ہوئی ہے- اس نظریئے کے تحت خالق کے اوپر یقین ناممکن ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر مادہ ہمیشہ وجود میں رہا ہے اور ہر چیز مادے سے ہی بنی ہوئی ہے تو کسی بھی ایسے خالق کا تصور کرنا ہی محال ہے جس نے اس مادے کو تخلیق کیا ہو- اسی لئے مادیت ہمیشہ ہر اس عقیدے کے خلاف رہی ہے جو خدا پر یقین پرزور دیتا ہو- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مادیت پسند نقطہ نظر درست ہے؟

کسی بھی فلسفے کی سچائی کو جانچنے کا ایک طریقہ اس کا سائنس کے متعلق کئے گئے بیانات کو سائنسی طریقوں سے پرکھنا ہے- مثال کے طور پر اگر ۵۱ ویں صدی میں کسی نے دعویٰ کیا کہ چاند کی سطح پر ایک الوہی درخت ہے جس کی شاخوں پر تمام جاندار پھلوں کی صورت میں اگے اور پھر پکنے کی صورت میں زمین پر گرگئے تو شاید کچھ لوگوں کے لئے یہ فلسفہ بے انتہا دلچسپ اور قابل یقین ہو- لیکن ۰۲ ویں صدی میں جب انسان چاند پر چہل قدمی کرکے واپس آچکا ہے تو اب اس فلسفے کو سنجیدگی سے برتنا کسی طور بھی ممکن نہیں ہے- اس درخت کی موجودگی کا تعین مشاہدے اور تجربے جیسے سائنسی طریقوں سے بخوبی کیا جاسکتا ہے- اسی طرح اس مادیت پسند دعوے کا بھی سائنسی طریقوں سے باضابطہ تحقیق کرنا ممکن ہے کہ مادہ ہمیشہ سے موجودرہا اور اس کے اندر اپنے آپ کو کسی بھی خالق مطلق کی مدد کے بغیر جاندار اشکال میں ترتیب دے لینے کی صلاحیت موجود ہے- جب سائنسی طریقوں سے اس دعوے کی تحقیق شروع کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ مادیت پسند فلسفہ تو کب کا زمین بوس ہوچکا ہے کیونکہ مادے کا ہمیشہ سے موجود ہونے کا خیال 'بگ بینگ تھیوری' یا کائنات کا ایک زبردست مادی دھماکے سے وجود میں آنے کے نظریئے کے تحت رد کیا جاچکا ہے-

یہ دعویٰ کہ مادے نے اپنے آپ کو خود ترتیب دے کر زندگی کی تخلیق کرلی دراصل وہی نظریۂ ارتقاءہے جس کے متعلق اس کتاب میں تفصیلی تحقیق کی گئی ہے اور اس کے تباہ ہوجانے کوبھی ثابت کردیا گیا ہے- لیکن اگر کوئی مادیت پر یقین رکھنے پر مصر ہو اور مادیت پسند عقیدے پر اعتقاد کو ہرچیز سے افضل مانتا ہو تو اس کا ردِعمل مختلف ہوگا- اگر وہ مادیت پسند پہلے اور ایک سائنسدان بعد میں ہوتو وہ ارتقاءکو سائنس کے ہاتھوں رد کئے جانے کے باوجود اپنے مادیت پسند عقیدوں سے کنارہ کشی نہیں کرے گا- اس کے برخلاف وہ ہر صورت میں ارتقاءکو سہارا دیتے ہوئے اپنے مادی عقائد کی بھرپور حمایت کرےگا- یہ من و عن وہی پریشان کن صوتحال ہے جس کے اندر آج نظریۂ ارتقاءکے حمایتی ارتقاءپسند بری طرح پھنسے ہوئے ہیں- دلچسپ بات تو یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً وہ اپنی اس پریشانی کا اعتراف بھی کردیتے ہیں- رچرڈ سی- لیوانٹن ہارورڈ یونیورسٹی کا ایک جانا پہچانا مشہور ماہرِ جینیات اور صاف گو ارتقاءپسند ہے- لیوانٹن ان الفاظ میں اپنے مادیت پسند پہلے اور سائنسدان بعد میں ہونے کا صاف اعتراف کرتا ہے:

"بات یہ نہیں ہے کہ سائنسی طریقے او رروا‌ءات ہم پر دنیا کے بارے میں مادیت پسند وضاحتوں کو ماننے پر زور لگاتے ہیں مگر اس کے برخلاف ہم خود اپنے مادیت پسند عقیدوں پر سختی سے جمے رہنے پر مجبور ہیں- اس مجبوری کے تحت ہم وہ تمام تحقیقی آلات اور عمومی تصورات تشکیل کرلیتے ہیں جن کے نتائج مادیت پسند ہی ہوں- چاہے یہ نتیجے کتنے ہی عقل کے برخلاف اور ناقابل فہم ہی کیوں نہ ہوں- ہمارے لئے مادیت حتمی ہے اور اس معاملے میں‌ہم کسی خدا یا نہ مداخلت کا تصور بھی برداشت نہیں کرسکتے-"۲۷۱

ساتھ رد کردیاگےا تھا اور ۰۲۹۱ءکے سالوں میں ہی یہ ایک سنجیدہ مفروضے کے طور پر معدوم ہوچکا تھا-"۰۷۱

"خلاصہ روداد" کا ایک دلچسپ پہلو ارنسٹ ہیکل بذات خود تھا- وہ ایک **جعل** ساز تھا جوکہ **جعلی** خاکوں اور تصویروں سے اپنے جھوٹے نظریئے کا پرچار کرتا تھا- یہ انہیں **جعلی** خاکوں کا کمال تھا جنھوں نے مچھلی اور انسانی جنین کے درمیان مشابہت پیدا کرکے لوگوں کی عقل کو مفلوج کیا- جب اس کی **جعل** سازی پر سے پردہ اٹھا تو اس نے اپنے دفاع میں صرف یہ کہا کہ دوسرے ارتقاءپسند بھی اسی طرح کی غلطیوں میں ملوث ہیں:

"جعل سازی کے اس سمجھوتا نما اعتراف کے بعد میں یقینا اپنے آپ کو نامنظور اور شکست خوردہ تصور کرتا اگر مجھے اس بات کی تسلی نہ ہوتی کہ میرے ساتھ مجرموں کے اس گروہ میں سوﺅں کے حساب سے میری ہی طرح کے اور بھی مجرم موجود ہیں جن میں سے کچھ تو قابل اعتماد تماشائی ہیں اور کئی قابل ترین ماہرِ حیاتیات ہیں- بہترین حیاتیاتی نصابی کتابوں ، علمی مقالوں اور جریدوں میں موجود خاکوں کا بڑا حصہ اسی طرح کی جعل سازی کے الزامات کا حقدار ہے کیونکہ وہ سارے کے سارے غیر معین ہیں اور کم و بیش کسی انسان کی ذہنی تخلیق کا نتیجہ ہیں- یہ خاکے انسانی ذہنوں سے سوچے گئے اور انسانی ہاتھوں سے بنائے گئے خفیہ کارروائیوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں-"۱۷۱

یقینا اس جرم مےں کئی سوﺅں کے حساب سے' ساتھی مجرم موجود ہیں جن میں کئی تو انتہائی قابل اعتماد تماشائی اور قابل ترین ماہرِ حیاتیات ہیں 'جن کی تحقیق متعصب نتائج، غلط بیانیوں، **جعل** سازیوں اور مسخ کئے ہوئے خاکوں سے بھرپور ہیں- ان سب مجرموں کی جیت کی وجہ لوگوں کا نظریۂ ارتقاءکو ہر حال میں درست مان لینے کا تہیہ ہے جس کے تحت ان کو اس کے خلاف واضح ترین ثبوت بھی اس لئے نظر نہیں آتا کہ گویا ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو- اس نظریئے کو ثابت کرنے کے لئے سائنس کی ایک دھجی بھی موجود نہیں لیکن پھر بھی مجرموں کا یہ حکایت نامہ دنیا بھر میں مقبول ہے-

ہیکل کے پرفریب خاکے

انسان اور مچھلی کے جنین کے درمیان مشابہت کو ثابت کرنے کے لئے یہ خاکے ہیکل نے گھڑے ہیں- اگر اس کے خاکے کا ایک اصل انسانی جنین سے موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس نے دانستہ طور پر کئی اصل انسانی اعضاءکا استعمال اپنے خاکے میں نہیں کیا ہے-

Francis Hitching, "The Neck of the Giraffe: Where Darwin Went Wrong", p. 205

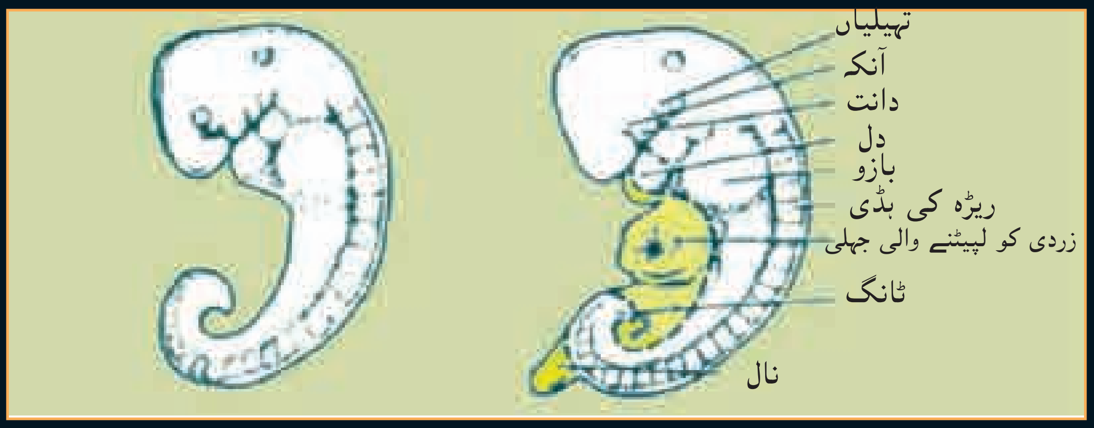

بلکل درست تصویر

ترمیم شدہ تصویر

نظریۂ ڈارون اور مادیت

سائنس کی واضح تردید کے باوجود نظریۂ ڈارون کی مستقل حمایت اس کے اور مادیت کے درمیان قریبی واسطہ ہے- ڈارون نے مادی فلسفے کو مادی دنیا کے مطالعے سے تعلق رکھنے والے علوم پر لاگو کردیا اور اب اس فلسفے کے تمام حمایتی جن میں مارکسی صفِ اول ہیں، نظریۂ ڈارون کی حمایت ہر قیمت پر کئے چلے جاتے ہیں-

ڈگلس فوٹائما ایک ماہرِ حیاتیات اور نظریۂ ارتقاءکاایک مشہور دور حاضر کا حمایتی ہے- فوٹائما لکھتا ہے:

"مارکس کے تاریخ کے اوپر مادی نظریئے کے ساتھ ڈارون کا نظریۂ ارتقاءمشین کاری اور مادیت کے چبوترے کا ایک نہایت اہم تعمیراتی تختہ تھا-"

فوٹائما کایہ بیان اس بات کو واضح کرتا ہے کہ نظریۂ ارتقاءکی حمایت مادہ پرستوں کے لئے ناگزیر کیوں ہے-۱

ایک اور مشہور ماہر معدوم حیوانات و نباتات ارتقاءپسند اسٹیفن جے گولڈ کا کہنا ہے کہ:

"ڈارون نے قدرت کی تشریح کے لئے ایک مستقل مادی فلسفے کا استعمال کیا تھا-"۲

لیون ٹروٹسکی لینن کے ساتھ روس کے اشتراکی انقلاب کا بدایتکار تھا- اس کا کہنا تھا:

"ڈارون کی دریافت مربوط مادے کے پورے میدان میں منطقی مناظرے کی سب سے بڑی فتح ہے-"۳

ان تمام بیانات کے برعکس سائنس نے آج یہ ثابت کردیا ہے کہ نظریۂ ڈارون مادیت کے لئے جیت نہیں تھی بلکہ اس فلسفے کی تباہی کا نشان تھا-

Douglas Futuyma, Evolutionary Biology, 2nd ed. Sunderland, MA: Sinauer, 1986, p. 3-----1
Alan Woods and Ted Grant, " Marxism and Darwinism", Reason in Revolt:Marxism and Modern----2
Science, London, 1993
Alan Woods and Ted Grant , "Marxism and Darwinism", London, 1993------3

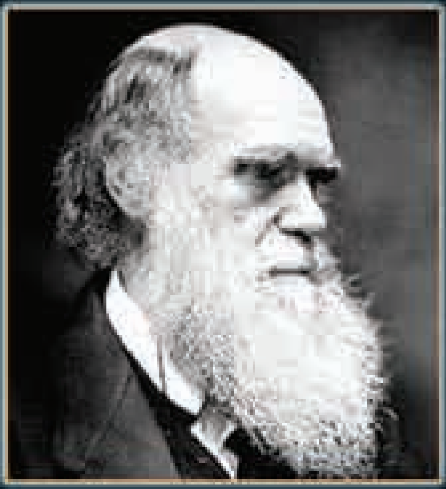
ڈارون

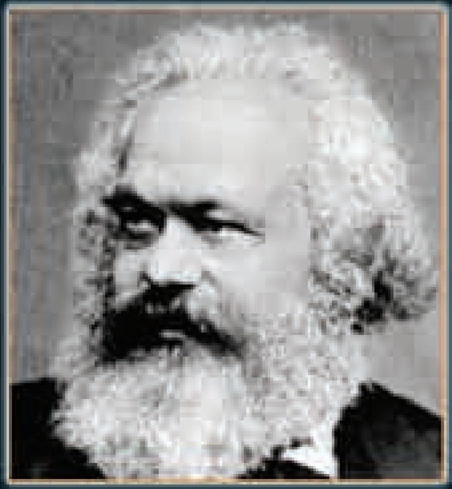
مارکس

ٹروٹسک

ایک انسانی ہاتھ ہے-اگر دنیا کی تاریخ کی کوئی کتاب دیکھی جائے تو یہ بات اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس کو ایک مصنف نے بڑی محنت سے مکمل کی ہے- کوئی بھی عقلمند شخص اس بات پر یقین نہیں کرسکتا کہ اتنی بڑی کتاب میں موجود حروف اتفاق سے خود بہ خود ترتیب ہوگئے- اسی لئے یہ بات اور بھی مضحکہ خیز ہے کہ پروفیسر علی ڈیمرسوئے جیسا ارتقائی سائنسدان اس طرح کا غیر منطقی مفروضہ قبول کرسکتا ہے:

"حقیقت میں سائٹو کروم- سی سلسلے کی تشکیل کا امکان صفر کی طرح ہے- یعنی کہ اگر زندگی کو کسی مخصوص سلسلے کی ضرورت ہو تو اس تمام کائنات میں اس سلسلے کے وجود میں آنے کا امکان صرف ایک ہوگا- ورنہ تو پھر کسی ہماری سمجھ سے بالامابعدالطبیعیاتی قوت نے اس کی تشکیل میں کردار ادا کیا ہے- چونکہ بعد والی صورتحال کو زیر غور لانا سائنسی طور پر نامناسب ہے اس لئے ہم کو پہلے والے مفروضے کو ہی درست ماننا پڑے گا-"۱۷۶

ڈیمر سوئے لکھتا ہے کہ وہ ناممکن کو قبول کرنے کو زیادہ ترجیح دے گا تاکہ اس کو بعد الطبیعیاتی طاقت کا اعتراف نہ کرنا پڑے، یعنی تاکہ اس کو کسی خالق کے وجود کا اعتراف نہ کرنا پڑے- یہ بات تو اچھی طرح واضح ہے کہ اس نوعیت کے طریقۂ کار کا سائنس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے- اسی لئے ڈیمر سوئے کی ایک اور موضوع پر رائے بھی زیادہ حیران کن نہیں لگتی- خلئے کے اندر موجود خیطی ذروں (اکثر تولیدی خلیوں میں پایا جانے والا جسمیہ جس میں تنفس اور توانائی کی پیدائش کے لئے خامرے موجود ہوتے ہیں) کو بھی ڈیمر سوئے اتفاقیہ وجود میں آنا کہتا ہے گوکہ یہ خیال اس کے نزدیک سائنسی سوچ کے مترادف ہے:

"مسئلے کا مرکز یہ ہے کہ آخرخیطی ذروں نے اپنی یہ خاصیت کس طرح حاصل کی کیونکہ اس خصوصیت کا اتفاقی طور پر ایک انسانی جسم میں بھی وجود میں آنے کا مطلب اتنے شدید امکانات کی موجودگی ہے کہ جن کا تصور بھی محال ہے- یہ خیطی ذرے تنفس میں مدد دیتے ہیں اور ہر مرحلے پر عامل غیر مبدل کے طور پر پورے نظام کی تشکیل کرتے ہیں- ہر خلئے میں اس سالمے کا مکمل سلسلہ موجود ہونا لازمی ہے ورنہ وہ خلیہ ناکارہ ہے- یہاں پر حیاتیاتی سوچ کے برخلاف کسی اور کٹر

لیوانٹن اپنی بحث میں ایک فلسفی اصطلاح استعمال کرتا ہے جس کا اشارہ ایک ایسے تصور کی طرف ہے جس کی بنیاد ہر قسم کے تحقیقاتی علم سے عاری ہے- کوئی معمولملی سی بھی سوچ اس طرح کا تصور بن سکتی ہے اگر اس کو درست مانتے ہوئے اس کی تصدیق سے متعلق معلومات موجود ہوتے ہوئے بھی اس کو قبول کرلیا جائے- ارتقاءپسند لیوانٹن صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ ارتقاءپسندوں کے لئے مادیت ایسا ہی ایک تصور ہے جس کو درست ثابت کرنے کی کاوشوں میں وہ سائنس کو اس حساب سے ڈھال لیتے ہیں کہ اس کی تصدیق سائنس کے ذریعے ہو سکے- چونکہ مادیت کا بنیادی دعویٰ ہی خالق کی ذات سے انحراف ہے اس لئے مادیت پسند اپنے سامنے موجود اس واحد راستے کا چناؤ کرلیتے ہیں جوکہ اس مقصد اور عقیدے کی تکمیل تک جاتا ہے اور وہ ہے نظریۂ ارتقاءپر یقین اور مکمل اعتقاد -ان سائنسدانوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ سائنس نے ارتقاءکو رد کردیا ہے کیونکہ انہوں نے ارتقاءکے ہر اصول کو آنکھ بند کرکے سچا مان لیا ہے-اس متعصبانہ رویئے کے تحت ارتقاءپسندوں کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ بے جان مادے نے اپنی تشکیل خود کرلی ہے، جوکہ ناصرف سائنس بلکہ منطق کے اصولوں کے بھی خلاف ہے- رابرٹ شاپیرو نیویارک یونیورسٹی میں کیمیا کا پروفیسر اور ماہرِ DNA ہے- اس کی رائے اس کتاب میں پہلے بھی استعمال کی جاچکی ہے- شاپیرومندرجہ ذیل الفاظ میں ارتقاءپسندوں کے اس عقیدے اور مادیت پسند فلسفے کے کٹرپن پر رائے زنی کرتا ہے:

”ہم کو سادے قدرتی کیمیا کے مرکبات سے پہلی اثر انگیز نقل پذیری کے آلے کے درمیان کا فاصلہ طے کرنے کے لئے ایک اور ارتقائی اصول کی ضرورت ہے- یہ اصول نہ تو ابھی تک تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے اور نہ اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے- لیکن اس کی امید ابھی تک برقرار ہے اور اس کو کیمیائی ارتقاءاور مادے کی خود تشکیلی صلاحیت جیسے نام بھی دے دئے گئے ہیں- اس اصول کی فرضی موجودگی کو جدلیاتی مادیت پسند فلسفے میں قبولیت کا درجہ دے دیا گیا ہے- بلکہ ایلکسزانڈر اوپارن نے زندگی کی ابتداءپر اس اصول کو لاگو بھی کردیا ہے“-۳۷۱

مغربی تشہیراتی ذرائع اور مشہور اور نامور سائنسی رسالوں میں جتنی بھی ارتقاءپسند عقیدوں کی تبلیغ اور پرچار نظر آتا ہے وہ اسی فکریاتی ضرورت کا نتیجہ ہے- چونکہ ارتقاءکو ناگزیر خیال کرلیا گیا ہے اس لئے اس کو سائنس کے معیار بنانے والے حلقوں نے ایک قابل پرستش گائے کی حیثیت دے دی ہے- کچھ سائنسدان اپنے آپ کو ایسے مقام پر پاتے ہیں جہاں پر وہ اس ناقابل یقین نظریئے کی حمایت کرنے پر مجبور ہیں یا کم از کم اس کے خلاف کچھ بھی بولنے سے قاصر ہیں کیونکہ ان کی ساکھ اور نام کا اس قسم کی مخالفت سے متاثر ہونے کا خدشہ ہوتا ہے- مغربی ممالک میں علمی اداروں سے منسلک لوگوں کا مخصوص طرح کے سائنسی جریدوں میں اپنے مضامین کا چھپنا ان کی پیشہ ورانہ صلاحیت کو ثابت کرنے کے لئے نہایت اہم ہوتا ہے- حیاتیات سے متعلق تمام جریدے ارتقاءپسندوں کے قابو میں ہیں اور وہ ان میں کسی بھی طرح کے غیر ارتقائی رجحان کے مضامین کا چھپنا ناممکن بنادیتے ہیں-اسی وجہ سے ماہرحیِاتیات اپنے تمام تجربات کو نظریۂ ارتقاءکے تسلط کے زیر اثر رکھنے پر مجبور ہیں- نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس منظم تحریک کا حصہ بننے پر مجبور ہیں جوکہ ارتقاءکو ایک فکریاتی ضرورت کا درجہ دیتی ہے- اسی لئے یہ تمام سائنسدان اس کتاب میں پیش کئے گئے تمام ناممکن اتفاقات پر اندھا یقین رکھتے ہیں-

مادیت پسندوں کے اعترافات

جرمنی کا ماہرِ حیاتایت ہوائمروان- ڈٹفرتھ ایک نامور ارتقاءپسند ہونے کے ساتھ ساتھ کٹر مادیت پسندانہ ذہنیت کی بہترین مثال بھی ہے- زندگی کی بے انتہا پیچیدہ ترتیب کی ایک مثال دینے کے بعد اس کا اتفاق سے نمودار ہونے کے امکان کے سوال کے جواب میں وہ کہتا ہے:

”صرف اتفاق کے ذریعے نمودار ہونے والا یہ نظم کیا واقعی ایک حقیقت ہوسکتی ہے؟ تمام حیاتیاتی ارتقاءکے بارے میں یہی ایک بنیادی سوال ہے- اس سوال کا جواب' ہاں' یا' ممکن ہے' ، میں دینا اس طرح ہے جیسے جدید قدرتی سائنس پر اعتقاد کی تجدید کی جائے- تنقیدی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں جوکوئی بھی جدید قدرتی سائنس کو قبول کرتا ہو اس کے پاس ”ہاں“ کہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ اس کا مقصد قدرتی واقعات کو قابل فہم طریقوں سے بیان کرنا ہے اوراس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ یہ نتائج کسی بھی مافوق الفطرت مداخلت کے بغیر قدرتی قوانین سے اخذ کرے- البتہ اس نقطے پر ہرچیز کو قدرتی قوانین کے تحت بیان کرنا کہ یہ صرف اتفاقات کا نتیجہ ہیں اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس شخص کے پاس ایسا کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ وہ اتفاقات پر یقین رکھنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے؟“۴۷۱

ڈٹفرتھ کے بیان کے مطابق مادیت پسند سائنسی طریقۂ عمل اپنے بنیادی اصول کے طور پر زندگی کو مافوق الفطرت مداخلت کے تحت بیان کرنے کا عقیدہ اپناتا ہے- یعنی کہ وہ تخلیق کو مکمل طور پر رد کردیتا ہے- جب اس اصول کو اپنالیا جاتا ہے تو ناممکن ترین مفروضوں پر بھی یقین کرنا ممکن ہوجاتا ہے- تقریباً تمام ارتقائی کتب میں اس کٹر نوعیت کی ذہنیت کی مثالیں بھری پڑی ہیں- ترکی کا مشہور ارتقائی نظریوں کا وکیل پروفیسر علی ڈیمر سوئے بھی اس ذہنیت کی بہترین مثال ہے- جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے، ڈیمر سوئے کے حساب سے ”**زندگی کے اہم ترین لحمیہ سائٹوکروم -سی کے اتفاقی وجود میں آنے کا امکان اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک بندر کا ٹائپ رائٹر کی مدد سے بغیر کوئی غلطی کئے انسانیت کی تاریخ کو لکھنا**-“۵۷۱

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسے کسی امکان کو قبول کرنے کا مطلب ہے کہ عقل اور منطق کے بنیادی اصولوں کو مکمل طور پر رد کردیا جائے- کسی صفحے پر صحیح ٹائپ ہوا ایک خط بھی بلاشبہ اس بات کی تصدیق ہے کہ اس کے پیچھے

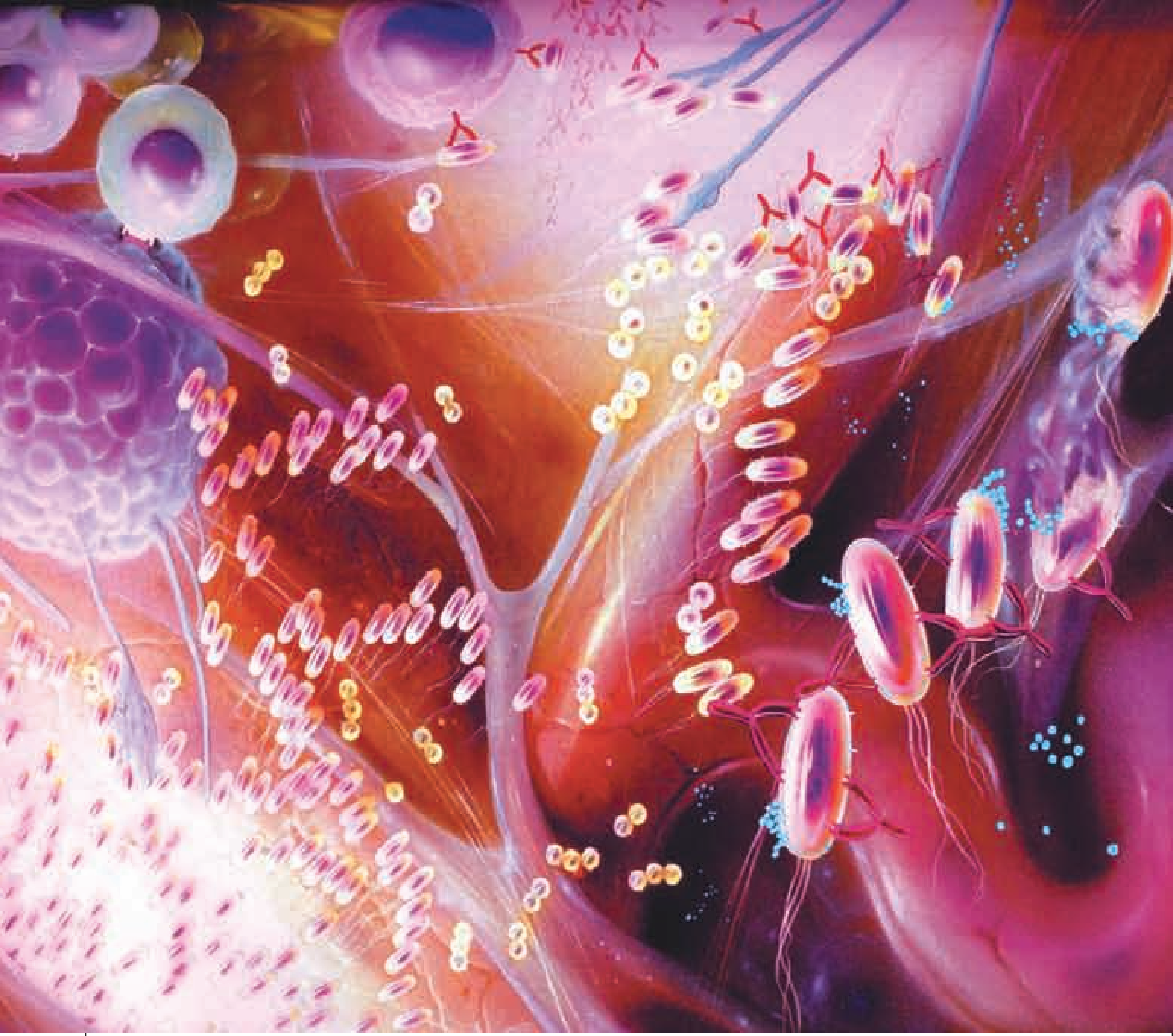

وضاحت یا قیاس سے بچنے کے لئے ہم ہچکچاتے ہوئے ہی سہی لیکن اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ تنفس کے سالمے خلیوں کے اندر مکمل طور پر خلئے کے آکسیجن سے رابطہ ہونے سے پہلے سے موجود تھے"۔۷۷۱

ان تمام بیانات سے یہ خلاصہ سامنے آتا ہے کہ ارتقاءایک ایسا نظریہ ہرگز نہیں ہے جس کی بنیاد سائنسی تحقیق ہے۔ اس کے برخلاف اس نظریئے کا ظاہر اور باطن مادیت پسند فلسفہ کی ضروریات نے اپنے تحکمانہ ہدایات کے تحت تشکیل دیا ہے۔وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ یہ فکریاتی نظام ایک کٹر عقیدے کا روپ دھارگیا۔ تمام ارتقائی کتب سے صاف ظاہر ہے کہ ارتقاءپسندوں کی تمام محنت کے پیچھے ایک خاص مقصد ہے جس میں جانداروں کی تخلیق پر یقین مکمل طور پر مفقود ہے چاہے اس طرزِ سوچ کی کوئی بھی قیمت ہو۔ ارتقاءپسند اس مقصد کو "سائنس" کا نام دیتے ہیں۔ دراصل ارتقاءکی جس خاصیت کو وہ سائنس کا نام دیتے ہیں وہ مادیت کا فلسفہ ہے۔

مادیت حتمی طور پر مادے کے علاوہ ہر قوت کی نفی کرتی ہے جس کے اندر مابعدالطبیعیاتی قوت بھی شامل ہو۔ سائنس کا ایسے کسی کٹر عقیدے پر اعتقاد لازم نہیں ہے۔ سائنس کے معنی قدرت کی تحقیق اور اس تحقیق کے ذریعے اخذ کئے گئے نتائج ہیں۔ اگر ان نتائج کا خلاصہ یہ ہو کہ قدرت کو تخلیق کیا گیا ہے تو سائنس پر اس نتیجے کو درست ماننا لازم ہے۔ ایک سچے سائنسدان کا یہ اولین فرض ہے۔ اس کا فرض کسی بھی طور پر ۹۱ ویں صدی کے فرسودہ مادیت پسند عقائد کو سینے سے لگاکر ناممکن منظر ناموں کی حمایت کرنا نہیں ہے۔

مادیت کی سائنسی موت

نظریۂ ارتقاءکے سہارے کے طور پر ۹۱ ویں صدی کی مادیت یہ دعویٰ کرتی تھی کہ تمام کائنات ابد سے موجود ہے ،یہ تخلیق نہیں کی گئی اور مربوط دنیا کو مادے کے باہمی تعامل کے ذریعے سمجھانا ممکن ہے-لیکن ۰۲ ویں صدی کے سائنس نے ان تمام مفروضوں کی مکمل تردید کردی ہے-گوکہ یہ قیاس کافی عرصے تک تھا کہ کائنات ازل سے موجود ہے لیکن مادی دھماکے کے نظریئے یا 'بگ بینگ تھیوری' کی دریافت سے اس قیاس کا خاتمہ ہوگیا -یہ مادی دھماکہ اندازاً ۵۱ کروڑ سال پہلے واقع ہوا اور اس کے حساب سے کائنات کی تمام مادی اشیاءخلا سے نمودار ہوئیں- دوسرے الفاظ میں یہ تخلیق کی گئی ہیں- مادیت کے ایک نمایاں حمایتی اور دہریہ فلسفہ دان اینتھنی فلو کہتا ہے:

"گوکہ اعتراف کرنا بدنام ہونے کے مترادف ہے لیکن میں پھر بھی اعتراف کروںگا کہ کسی بھی دہریہ انسان کےلئے جدید مادی دھماکے پر عمومی اتفاق شرمندگی کا باعث ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ایسا لگتا ہے جیسے تمام ماہرِ کونیات کائنات کی شروعات کا سائنسی ثبوت پیش کررہے ہوں-"[۱]

مادی دھماکہ اپنے ہر مرحلے میں یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ کائنات ایک با اختیار تخلیق کار کے ہاتھوں وجود میں آئی ہے- مادی دھماکے کے بعد پیدا ہونے والا نظم اس بات کا اہم ثبوت ہے- اس نظم کا کسی بے اختیار دھماکے کی صورت میں تشکیل ہونا ناممکن ہے- مشہور طبیب پال ڈیوس اس صورتحال پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:

"اس تصور کو رد کرنا بہت مشکل ہے کہ کائنات کی موجودہ ساخت ،جو اعداد کی خفیف حرکت سے بھی متاثر ہوجاتی ہے، وہ بہت احتیاط اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے- اعدادی اوصاف کی بظاہر معجزاتی ہم جائی جوکہ قدرت کی طرف سے اس کے بنیادی اجزاءکو عطا ہوئی ہے وہ کائناتی نقشے کا سب سے جبری ثبوت ہے-"[۲]

یہی حقیقت امریکی کلیات کے پروفیسر جورج گرینسٹائن کو یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ:

"جیسے جیسے ہم تمام کوائف کا مشاہدہ کرتے ہیں، ایک ہی سوچ بار بار ذہن میں ابھرتی ہے کہ کائنات کی اس تخلیق میں ضرور کسی ماورائی ذریعے کا اثر ہے-"[۳]

غرضیکہ یہ مادی مفروضہ کہ زندگی کو صرف مادے کے باہمی تعامل کے ذریعے ہی بیان کیا جاسکتا ہے ، سائنس کی تمام جدید دریافتوں کے سامنے زمین بوس ہوگیاہے- اس مفروضے کو سب سے زیادہ نقصان جینیاتی معلومات کی ابتداءکے متعلق سائنسی تحقیق نے پہنچایا کہ کسی بھی جاندار وجود کی توضیح خالصتاً مادی ذریعے سے نہیں کی جاسکتی -جورج ولیمز نظریۂ ارتقاءکا ایک نامور حمایتی ہے-اس حقیقت کا اعتراف وہ اپنے ایک ۵۹۹۱ءمیں لکھے گئے مضمون میں کرتا ہے:

"ارتقائی ماہرِ حیاتیات اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ دراصل کم و بیش دو ناقابل پیمائش دائرۂ اثرات کی حدود میں کام کرتے ہیں- ایک معلومات کا اور دوسرا مادے کا- جین کوئی شے نہیں بلکہ معلومات کا ذخیرہ ہوتی ہے جس سے مادہ اور معلومات حیات کے دو مختلف دائرہ اثرات میں تقسیم ہوجاتے ہیں- اس کے بعد یہ لازم ہے کہ ان دونوں پر کیا جانے والا کوئی بھی مباحثہ ان کے ان دائروں کی مخصوص شرائط کے تحت ہی کیا جائے-"[۴]

یہ صورتحال اس مادی حکمت کا ثبوت ہے جوکہ جینیاتی معلومات کو ممکن بناتی ہے- مادے کا خود ساختہ طور پر معلومات پیدا کرنا ناممکن ہے-جرمنی کے جرمن انسٹیٹیوٹ آف فیزکس اینڈ ٹکنولوجی کے ناظم اعلیٰ پروفیسر ورنر گرٹ کا کہنا ہے:

"تمام ذاتی مشاہدے اس بات کو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اپنی مرضی سے سوچتے اور عمل کرتے جاندار کے اندر عقل اور تخلیقی صلاحیت کاموجود ہونا لازم ہے- قدرت کے اندر کوئی ایسا قانون، عمل یا واقعات کا سلسلہ موجود نہیں جس کے ذریعے مادے میں معلومات خود بہ خود وجود میں آسکیں-"[۵]

یہ تمام سائنسی حقائق اس بات کا ثبوت ہیں کہ اﷲ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قوت سے پوری کائنات اور اس میں موجود ہر جاندار چیز کو تخلیق کیا- جہاں تک مادیت کا سوال ہے تو اس صدی کے ایک نامور فلسفہ دان آرتھرکوسٹلر کا کہنا ہے کہ "مادیت اب کسی بھی طور سے ایک سائنسی فلسفہ نہیں کہلایا جاسکتا-"[۶]

Henry Margenau, Roy A. Vargesse, Cosmos, Bios, Theos, La Salle IL, Open Court Publishing, 1992, p. 241----1

Paul Davies, "God and the New Physics", New York: Simon and Schuster, 1983, p. 189----2

Hugh Ross, "The Creator and the Cosmos", Colorado Springs, CO:Nav-Press, 1993, p. 114-15-----3

George C. Williams, "The Third Culture: Beyond the Scientific Revolution", New York,----4 Simon and Schuster, 1995, p. 42-43

Werner Gitt, "In the Beginning was Information", CLV, Bielefeld, Germany, p. 107, 141----5

Arthur Koestler, "Janus: A Summing Up", New York, VIntage Books, 1978, p. 250-----6

چودھواں باب:

ذرائع ابلاغ: نظریۂ ارتقاءکے لئے آکسیجن کا خیمہ

اب تک پیش کی جانے والی تمام معلومات سے ثابت ہوا ہے کہ نظریۂ ارتقاءکا تکیہ کسی سائنسی تحقیق کے اوپر نہیں ہے -لیکن دنیا کے زیادہ تر لوگ اس نظریئے کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ارتقاءنتےجوں اور دلائل کے ذریعے ثابت کی گئی سائنسی سچائی ہے- اس دھوکے کی سب سے بڑی وجہ ذرائع ابلاغ کا ارتقاءکے متعلق منظم تشہیرا ور طویل تلقین ہے- اسی وجہ سے ضروری ہے یہ اس منظم تشہیر اور تلقین کے لائحہ عمل پربھی روشنی ڈالی جائے-اگر مغربی ذرائع ابلاغ کا غور سے معائنہ کیاجائے تو پتہ چلے گا کہ ےہاں نظریۂ ارتقاءکے متعلق کثیر تعداد میں خبریں چھپتی رہتی ہیں- نمایاں ذرائع ابلاغ کے ادارے اور جانے پہچانے قابل عزت رسالے وقتاً فوقتاً اس موضوع کو ابھارتے رہتے ہیں-

ارتقاءکے موضوع پر اگر ان شائع کردہ بیانات کو ایک عام اور سائنسی حقائق سے نابلد شخص کے نقطۂ نظر سے پڑھا جائے تو ارتقاءکا ایک اےسا ثابت کردہ حقیقت ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا جس کے اوپر مزید کسی بحث و مباحثہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے-عام لوگ اس طرح کی خبریں پڑھ کر قدرتی طور پر یہی سوچنے لگتے ہیں کہ ارتقاءکا وجود ریاضی کے کسی قانون کی طرح مسلم ہے- امتیازی ذرائع ابلاغ میں چھپنے والی ارتقاءکے متعلق خبروں کو تمام رسالے، اخبار اور دوسرے جریدے بھی چھاپنے لگتے ہیں- ان کی سرخیاں جلی حروف میں کچھ اس طرح کی ہوتی ہیں "ٹائم میگزین کے مطابق "فوصلی زنجیر کی خالی جگہ کو پر کرنے والا فوصل دریافت ہوگیا ہے" یا "رسالہ نیچر کی تحقیق کے مطابق سائنسدانوں نے ارتقائی نظریئے کے غیر حل شدہ معاملوں کا سراغ پالیا ہے-" یہ ارتقائی زنجیر کی خالی جگہ کو پر کرنے والے فوصل کا مل جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتاکیونکہ جب ارتقاءکے متعلق ہی کوئی ایک ثبوت بھی موجود نہیں تو پھر یہ خالی جگہ کا پر ہونا چہ معانی؟

جیسے کہ پچھلے بابوں میں بتایا گیا ہے کہ آج تک ارتقاءکے متعلق سامنے لاےا گیا ہر ثبوت جھوٹا ہے- ذرائع ابلاغ کے علاوہ سائنسی ذرائع، انسائیکلوپیڈیا اور حیاتیاتی کتب میں بھی ارتقاءکے متعلق چھپنے والا ہر لفظ جھوٹ ہے- ذرائع ابلاغ اور تعلےمی حلقے جو کہ خلاف دین عناصر کے طاقت ور مرکزوں کے رحم و کرم پر ہیں انہوں نے بھی اپنا ایک کٹر ارتقاءپسند نقطہ نظر بنالیا ہے جس کو وہ معاشرے پر اپنی مختلف تحریکوں کے ذریعے ٹھونستے رہتے ہیں- ان کی انہیں پراثر تحریکوں کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاءایک کبھی نہ رد کئے جانے والے نظریئے کی شکل دھارگیا ہے- ارتقاءکی نفی کرنے کو سائنس سے انحراف کرنا جانا جاتا ہے اور ارتقاءکے انکار کو بنیادی حقائق سے انکار گردانا جاتا ہے-

یہی وجہ ہے کہ اس نظریئے مےں خاص طور پر ۰۵۹۱ءسے لے کر اب تک کئی خامیوں کے سامنے آنے اور ان خامیوں کا کئی ارتقاءپسند سائنسدانوں کے منہ سے اعتراف سننے کے باوجود سائنسی حلقوں یا ذرائع ابلاغ میں نظریۂ ارتقاءکے بارے میں معمولی سا بھی تنقیدی پہلو تلاش کرنا ناممکن ہے- سائنٹیفک امریکن، نےچر، فوکس، ڈسکووری، سائنس اور نیشنل جیوگرافک حیاتیات اور قدرت کے موضوع پر مغرب کے امتیازی، نامور اور باعزت ترین رسالے ہیں جو کہ نظریۂ ارتقاءکو ایک سرکاری فکریاتی نظام کے طور پر اپناتے ہوئے اس کو دنیا کے سامنے ایک ثابت کردہ حقیقت کی شکل میں پیش کرتے ہیں-

خوبصورت کاغذ میں لپٹے ہوئے جھوٹ

ذرائع ابلاغ کے ذرےعے مہےا کئے گئے دماغ شوئی کے طریقوں سے ارتقاءپسند دل بھر کے فائدہ اٹھاتے ہیں- کئی لوگ ارتقاءکے اوپر اس غیر مشروط انداز میں یقین رکھتے ہیں کہ وہ "کیسے" اور "کیوں" جیسے سوالات پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کرتے- اسی

ارتقاءپسند تشہیر

مقبول سائنسی جریدوں نے ارتقاءپسند تشہیر میں قیادت کا درجہ اختیار کرلیا ہے اور عام عوام کو نظریۂ ارتقاءسے متعارف کروانے میں ایک نہایت اہم کردار ادا کررہے ہیں-

ارتقاءکی زیادہ تر کتابیں اس موضوع کے "کیسے" کے متعلق بات نہیں کرتیں حتیٰ کہ معتبر ترین "سائنسی" ذرائع میں بھی 'پانی سے زمین پر منتقلی حاصل ہوگئی' جیسے جملوں کے پیچھے چھپی واضح نامعقولیت بھی لوگوں کو سچائی دکھانے سے قاصر ہے- یہ منتقلی کس طرح حاصل ہوئی تھی؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مچھلی پانی سے باہر چند منٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی- اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ یہ قحط واقع ہوا اور مچھلیوں کو زمین کی طرف آنا پڑا تو مچھلیوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اس کا جواب تو واضح ہے کہ پانی سے نکلنے والی مچھلیاں ایک ایک کرکے مرتی چلی گئی ہوں گی-

اگر یہ عمل ۱۰ لاکھ سال کے عرصے پر بھی محیط رہا ہو تو بھی اس کا جواب وہی رہے گا کہ مچھلیاں ایک ایک کرکے مرتی چلی جائیں گی- اس کی وجہ یہ ہے کہ پھیپھڑے جیسا مکمل اور پیچیدہ عضو اچانک کسی اتفاقی حادثے یا جینیاتی بے ترتیبی کے ذریعے حاصل ہو ہی نہیں سکتا- اگر ارتقاءپسند یہ کہیں کہ پہلے مرحلے میں آدھا پھیپھڑا حاصل ہوگیا اور باقی پھپھڑا تھوڑے عرصے بعد تشکیل ہوا تو یہ بات اور بھی زیادہ عقل سے عاری اور مضحکہ خیز ہوگی کیونکہ آدھا پھیپھڑا مچھلی تو کیا کسی اور جاندار کے بھی کسی کام کا نہیں-اس حقیقت کے باوجود ارتقاءپسند یہ دعویٰ کئے چلے جاتے ہیں -پانی سے زمین پر منتقلی اور زمین سے ہوا میں منتقلی ان کے پسندیدہ ترین موضوعات ہیں- اس کے علاوہ کئی اور ازروئے دعویٰ جستیں انہیں غیر منطقی اصطلاحوں کے ذریعے بیان کی جاتی ہیں- لےکن جب بیحد پیچیدہ اعضاءیعنی کہ آنکھ اور کان کی تشکیل کی بات آتی ہے تو ارتقاءپسند سائنسدان خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں-سڑک پر چلتے عام آدمی کو سائنس کی ان من گھڑت حکایتوں سے متاثر کرنا آسان ہے-

سب سے پہلے پانی سے زمین پر منتقلی کے تصوراتی خاکے بنائے جاتے ہیں- اس کے بعد پانی میں موجود مخلوق کے لئے، زمین پر اس کے رشتہ دار کے لئے اور ان دونوں کے درمیان وسطی عبوری نوعیت کی خیالی مخلوق کے لئے بھاری بھرکم لاطینی نام ایجاد کئے جاتے ہیں- آخر میں ساری کڑیوں کو جوڑنے کے لئے ایک لمبا سفید جھوٹ تجویز کیا جاتا ہے کہ "یوستھینوپٹرون پہلے ایپتھشین کروسوپرجین میں تبدیل ہوگیا اور پھر کئی ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد اکتھویو سٹیگا میں ڈھل گیا"- اگر ان الفاظ کو موٹا چشمہ اور سفید کوٹ پہنے سائنسدان کے منہ میں ڈال دیا جائے تو اس جھوٹ سے لاکھوں لوگ با آسانی متاثر ہوسکتے ہیں کیونکہ ذرائع ابلاغ بھی مکمل طور پر اس سائنسدان اور اس کی نئی دریافت کی نہ صرف حمایت کرے گا بلکہ پوری دنیا میں اس خبر کو زبردست جوش و خروش کے ساتھ پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کریگا-

وجہ سے ارتقاءپسندوں کو اپنے جھوٹ اور مبالغہ آرائیوں کو اور بھی کھلے عام لپٹ لپٹ کر بانٹنے کی چھوٹ مل گئی ہے- مثال کے طور پر اعلیٰ ترین معیار کی "سائنسی" ارتقائی کتابوں میں بھی پانی سے زمین پر منتقلی کو ،جو کہ ارتقاءکا سب سے بڑا ناقابل فہم معاملہ ہے ،نہایت بیوقوفانہ سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے- ارتقاءکے مطابق زندگی پانی میں شروع ہوئی اور سب سے پہلے بننے والی مخلوق مچھلیاں تھیں- ایک دن یہ مچھلیاں کسی وجہ سے زمین کے اوپر اچھل اچھل کر آنے لگیں- قحط کو اکثر اس کی وجہ کہا جاتا ہے- وہ مچھلیاں جنھوں نے زمین کے اوپر مستقلاً رہنے کا فیصلہ کرلیا ان کے کھپروں کی جگہ پیر اور گلپھڑوں کی جگہ پھیپھڑے تھے-

ارتقاءپسندوں کی ایک نہایت عمدہ کہانی

تمام عجیب و غریب ارتقائی کہانیوں میں سے ایک وہیل مچھلی کے ارتقاءسے متعلق نیشنل جیوگرافک میں چھپنے والی یہ کہانی ہے- حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس رسالے کا شمار دنیا کے چوٹی کے سنجیدہ سائنسی رسالوں میں ہوتا ہے:

"وہیل مچھلی کا اس کے موجودہ عظیم حجم تک پہنچنے کا سفر غالباً ساٹھ (۶۰) لاکھ سال قبل شروع ہوا جب بال دار، چوپایہ ممالیہ جانداروں نے غذا یا پناہ کی تلاش میں پانی کا رخ کیا- وقت گزرنے کے ساتھ ان جانداروں میں تبدیلیاں آگئیں ان کی پچھلی ٹانگیں غائب ہوگئیں اور اگلی ٹانگیں تیراکی کرنے والے مخصوص بازوؤں میں تبدیل ہوگئےں- ان جانوروں کے بالوں کی جگہ موٹی، چکنی چربی نے لے لی، نتھنے سر کے اوپر چلے گئے، دم چوڑی ہوکر دو ابھرواںحصوں میں بدل گئی اور وہیل مچھلی پانی کی دنیا کا سب سے بڑا جانور بن گئی-"۱

اس کہانی کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کسی ایک بھی سائنسی ثبوت کی غیر موجودگی کے علاوہ یہ حکایت قدرت کے ہر قانون کے خلاف بھی ہے- اس کہانی کانیشنل جیوگرافک جیسے رسالے میں چھپنا اس جیسے دوسرے نام نہاد مشہور، سائنسی رسالوں کے مغالطے سے بھرپور اور ناقص دلائل پر مبنی مضامین کی نشاندہی کرتا ہے-

کا ذریعہ ثابت ہو۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے نظریۂ ارتقاءکا اصل مکروہ چہرہ دنیا کے آگے آتا جارہا ہے، وہ دن زیادہ دور نہیں جب ارتقاءکے نیم نابینا اور سرپھرے خود ساختہ سرکاری وکیل دنیا سے خود اپنے چہرے ہی چھپاتے پھریں گے۔

ارتقاءکے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ: روح

دنیا کی کئی نسلیں ایک دوسرے سے حد درجہ مشابہ ہیں۔ مثال کے طور پر گھوڑے اور بلی جیسے کئی اور جاندار بھی ہیں مثلاً گدھا اور شیروں کے بچے یا پھر لاتعداد کیڑے مکوڑے بھی ہو بہو ایک دوسرے کی شکل ہونے کے باوجود مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تمام مطابقت کسی کو حیران نہیں کرتی لیکن کسی وجہ سے انسان اور گوریلے کے درمیان موجود تشابہت لوگوں کی توجہ کا مرکز بن کر رہ گئی ہے۔ یہ توجہ اس قدر بڑھ گئی کہ لوگوں کو ارتقاءکے جھوٹے مقولے پر یقین کرنے کی سمت راغب کرنے لگی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسانوں اور گوریلوں کے درمیان سطحی نوعیت کی مطابقت کسی اہمیت کے لائق نہیں ہے۔ گبریلا بھنورا ماتھے پر سینگ نما عضو سمیت ہو بہو گینڈے کی شکل کا ہوتا ہے لیکن ان دونوں جانداروں کے درمیان کسی قسم کا ارتقائی تعلق تلاش کرنا ایک بے انتہا نامعقول عمل ہوگا کیونکہ ایک کا شمار کیڑے مکوڑوں کے گروہ سے ہے اور دوسرا ایک دیو ہیکل ممالیہ جانور ہے۔

اسی طرح سطحی نوعیت کی مطابقت کی بنیاد پر گوریلوں کو دوسرے جانوروں کی بجائے انسانوں سے زیادہ قریب ہونے کے دعوے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ اگر عقل استعمال کی جائے تو معجزاتی طور پر اقلیدسی ساخت تعمیر کرتی ہوئی شہد کی مکھی یا پھر اپنے جالے کی حیرت انگیز انجینئرنگ کا نمونہ بناتی ہوئی مکڑی کو انسان سے زیادہ قریب کہنا چاہئے۔ کچھ باتوں کے اعتبار سے وہ گوریلوں سے بھی زیادہ انسان سے قریب ہیں بلکہ چند ایک باتوں میں ان کی عقل اور عادات انسانوں سے برتر ہیں۔

انسانوں اور گوریلوں میں محض شکلیاتی تشابہت کے باوجود بے انتہا فرق موجود ہے۔ گوریلا ایک جانور ہے جو کہ شعوری اعتبار سے گھوڑے اور کتے سے زیادہ مختلف نہیں ہے جبکہ انسان ایک باشعور اور مضبوط مرضی کا مالک جاندار ہے جس کے اندر سوچنے، بات کرنے، سمجھنے، فیصلہ کرنے اور اندازہ لگانے کی اعلیٰ صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ خصوصیات انسان کے اندر موجود روح کا کمال ہیں۔ انسانوں اور دوسری مخلوقات کے درمیان وسیع خلاءپیدا کرنے والاسب سے اہم فرق روح کا ہے۔ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے درمیان کسی بھی نوعیت کی ظاہری تشابہت اس خلاءکو پر نہیں کرسکتی۔ گوکہ روح تمام جانداروں میں موجود ہے لیکن قدرت میں باشعور روح صرف انسان کی ہے۔

اللہ اپنی مرضی سے تخلیق کرتا ہے

ارتقاءپسندوں کے پیش کردہ منظر نامے کے واقع ہوجانے سے کیا کوئی فرق پڑتا ؟ ہرگز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظریۂ ارتقاءکے ہاتھوں آگے بڑھایا ہوا ہر مرحلہ جو کہ اتفاق پر مبنی ہے وہ صرف ایک معجزے کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ اگر زندگی ارتقاءپسندوں کے مطابق مرحلہ در مرحلہ وجود میں آئی بھی ہے تو ہر مرحلہ صرف ایک شعوری مرضی کے تحت ہی نمودار ہوا ہوگا۔ ان مرحلوں کے اتفاق سے وجود میں آجانے کے امکانات صرف غیر معقول ہی نہیں بلکہ حتمی طور پر ناممکن ہیں۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ لحمیات کا ایک سالمہ قدیم ماحولیاتی اثرات کے تحت وجود میں آیا تھا تو اس بات کو ذہن میں رکھنا لازم ہے کہ امکانات، حیاتیات اور کیمیا کے تمام قوانین کے حساب سے ثابت کیا جاچکا ہے سالمے کا اس طرح وجود میں آجانا کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر پھر بھی ضد کی جائے کہ یہ ناموافق ماحول کے باوجود وجود میں آگیا تو پھر اس بات کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ اس کا وجود خالق کی مرضی کا نتیجہ ہے۔ یہی اصول ارتقاءپسندوں کے تشکیل کردہ پورے مقولے پر لاگو ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر اس بات کا نہ تو کوئی علم معدوم حیاتیات و نباتات کی حساب سے کوئی ثبوت ہے اور نہ کوئی طبعیاتی، کیمیائی، حیاتیاتی اور منطقی طور پر کوئی جوازَ ہے کہ مچھلی پانی سے جست لگاکر زمین پر پہنچ گئی اور زمین پر بسنے والے جانور کا روپ دھارگئی۔ لیکن اگر پھر بھی ضد کی جائے کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے کہ مچھلی کود کر زمین پر پہنچ گئی اور خزندوں میں تبدیل ہوگئی تو اس دعوے کو تخلیق کرنے والے کو یہ سچائی بھی تسلیم کرلینی چاہئے کہ ہاں اےسے خالق کا وجود بے شک موجود ہے جو صرف اپنے حکم "کن" یا "ہوجا" سے اپنی مرضی کے ہرچیز تخلیق کرنے کی مکمل طاقت رکھتا ہے۔ اس معجزے کی کوئی اور وضاحت اپنی تردید آپ کرتی ہوئی عقل و فہم سے بے بہرہ ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ حقیقت تو صاف اور واضح ہے کہ زندگی ایک بہترین نقشے اور اعلیٰ تخلیق کا نتیجہ ہے جوکہ اللہ جیسے خالق کے وجود کی موجودگی کا ٹھوس ثبوت ہے۔ تمام کائنات اس کی لامحدود قوت، علم اور حکمت کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ تخلیق کرنے والا صرف اللہ ہے جو کہ زمین اور آسمان اور اس کے درمیان موجود ہر چیز کا مالک اور قادرالمطلق ہے۔

پندرھواں باب

تصفیہ: ارتقاءایک زبردست دھوکہ

ارتقاءکو ناقص ثابت کرنے کے لئے اس کتاب میں زیر بحث لائے گئے ثبوت اور سائنسی قوانین سے کہیں زیادہ اسی نوعیت کا اور بھی مواد موجود ہے۔ لیکن جو تھوڑا بہت ثبوت سامنے لایا گیا ہے وہ بھی سچائی کو سامنے لانے کے لئے کافی ہے کہ گوکہ نظریہ ارتقاءسائنسی لبادے میں ملبوس ہے لیکن پھر بھی یہ ایک زبردست دھوکہ ہے۔ ایک ایسا دھوکہ جس کی صرف مادیت فلسفہ کے فائدے کے لئے حمایت کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا دھوکہ ہے جس کی بنیاد سائنس نہیں بلکہ دماغ پوشی، منظم تشہیر اور دھوکے بازی ہے۔ اب تک زیر بحث لائے گئے موضوعات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

نظریہ ارتقاءزمین بوس ہوچکا ہے

نظریہ ارتقاءایک ایسا نظریہ ہے جوکہ ہر قدم پر ناکام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتقاءپسند آج تک جاندار تو دور کی بات جاندار جسم کے ایک لحمیہ کی تشکیل کی وضاحت بھی نہیں کرپائے ہیں۔ اس کے علاوہ زندگی کی اچانک نموداری کو امکانات ،کیمیا ء طبیعیات کا بھی کوئی قانون ثابت نہیں کرسکا۔ کیا اس بات میں کوئی منطق ہے کہ جب ایک بھی اتفاقی طور پر پیدا ہونے والے لحمیہ کا کوئی وجود نہیں ہوسکتا تو پھر ایسے لاکھوں لحمئے آپس میں مل کر ایک خلیہ اور پھر کروڑوں ایسے خلیئے آپس میں اتفاقی طور پر مل کر جاندار اجسام کس طرح پیدا کرسکتے ہیں؟ ان جاندار اجسام کا سب سے پہلے مچھلی کی شکل میں نموداری اور پھر مچھلیوں سے خزندوں میں تبدیلی اور پھر خزندوں سے پرندوں میں تبدیلی کس طرح واقع ہوسکتی ہے؟ ان ہی مرحلوں سے گزرتے ہوئے دنیا کی کڑوڑوں جاندار نسلوں کا وجود میںآنا ایک ناقابلِ یقین انتہا کا عقل سے عاری امکان ہے۔ یہ امکان کسی کو عقل سے عاری لگے نہ لگے ارتقاءپسند اس خیالی کہانی پر دل و جان سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ محض ایک اعتقاد ہے بلکہ ایک جھوٹا عقیدہ ہے کیونکہ ان کے پاس اس کہانی کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے۔ آج تک ان کو کسی عبوری نوعیت کا آدھے خزندے/آدھی مچھلی یا آدھے خزندے/ آدھے پرندے کا فوصل یا نشان نہیں ملا جوکہ ان کے اس عقیدے اور جھوٹے قصوں کو ثابت کرسکے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی ثابت نہیں کرسکے کہ ایک بھی لحمیہ یا اس کو تشکیل دینے والا ایک بھی امینو ترشے کا سالمہ قدیم ارضی ماحول کے تحت وجود میں کس طرح آیا کیونکہ اپنی بہترین آلات سے مزین تجربہ گاہوں میں وہ آج تک ایسا ایک بھی لحمیہ ء امینو ترشہ پیدا نہیں کرسکے۔ اس کے برخلاف ان کی ہر کاوش صرف یہ ثابت کرتی چلی گئی کہ ارتقائی عمل نہ تو کبھی وجود میں آیا اور نہ کبھی وجود میں آسکتا ہے۔

ارتقاءکی تصدیق مستقبل میں بھی ناممکن ہے

اس تمام صورتحال کے پیش نظر ارتقاءپسند اپنے آپ کو صرف یہ کہہ کر تسلی دے سکتے ہیں کہ شاید سائنس مستقبل میں ان کے ارتقائی مسئلوں کا حل نکال لے۔ لیکن چاہے جتنے بھی سال گزرجائیں سائنس کا اس بے بنیاد اور غیر منطقی دعوے کی تصدیق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسکے برخلاف جیسے جیسے سائنس مزید ترقی کرتی جائے گی وہ ارتقاءپسندوں کے اس واحیات نظریئے کے جھوٹ کو اور بھی واضح اور شفاف طور پر پیش کرتی چلی جائے گی۔ اب تک یہی ہوتا آیا ہے کہ جیسے جیسے جاندار خلیئے کی ساخت اور طریقہ کار سے متعلق تفصیلات سامنے آتی گئیں یہ مزید واضح ہوتاچلا گیا کہ خلیئے کی تشکیل اتنی سادہ اور بے ترتیب ہرگز نہیں ہے جتنا کہ ڈارون کے زمانے کی قدیم حیاتیاتی سوچ نے اس کو سمجھ لیا تھا۔

اس منظر کے اتنے روشن ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ بے انتہا ناممکن اتفاقات کو بنیاد بناکر تخلیق کی حقیقت کو رد کردیا جائے اور پھر ان جھوٹے دعوؤں کی ہٹ دھرمی کے ساتھ پرزور حمایت کی جائے جوکہ آگے چل کر صرف سخت شرمندگی

زندگی کی بنیادی اکائیوں لحمیات کی پیچیدگی کو بیان کیا اور یہ خلاصہ پیش کیا کہ لحمیات کا وجود صرف کسی ماہر نقشے کے تحت ممکن ہوا ہے۔

ڈاکٹر ایڈورڈ بوڈرو یونیورسٹی آف نیواورلینز میں کیمیا کے پروفیسر ہیں اور ان کے تقریر کا عنوان تھا "کیمیا میں نقش و نگاری" ۔اپنی تقریر میں ڈاکٹر بوڈرو نے خاص طور پر اس پہلو پر روشنی ڈالی کہ کسی تخلیق کا رنے نہایت اعلیٰ پیمانے پر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیمیائی عناصر کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ اس سے زندگی ممکن ہوئی ہے۔

پروفیسر کارل فلاٹر مینز انڈیا نا یونیورسٹی کے مشہور خرد نامیہ حیاتیات کے پروفیسر اور سائنسدان ہیں جوکہ امریکہ کے محکمہ دفع کے تعاون سے کی جانے والی "جراثیم کے کیمیائی فاضل مواد کی تعدیل" کے اوپر تحقیق بھی کررہے ہیں۔ ڈاکٹر فلاٹر مینز نے ارتقائی دعوؤں کی خرد نامیہ حیاتیاتی سطح پر تردید کی۔

پروفیسر ایڈپ کیحا حیاتیاتی کیمیا کے پروفیسر ہیں اور اس اجلاس کے واحد ترکی مقرر تھے۔ انہوں نے خلئے کے بارے میں بنیادی معلومات پیش کیں اور اس بات پر زوردیا کہ خلیہ صرف بے عیب تخلیق کا نتیجہ ہے۔

پروفیسرڈیوڈ منٹن واشنگٹن یونیورسٹی میں تشریح الاعضاءکے پروفیسر ہیں اور ان کی تقریر کے ساتھ ایک نہایت دلچسپ کمپیوٹر مظاہرہ بھی دکھایا گیا جس میں پرندوں کے پروں کی ساخت اور خزندوں کے کھپروں کے درمیان موازنہ کیا گیا۔ اس موازنے نے اس مفروضے کو ناقص ثابت کردیا کہ پرندے خزندوں کی ارتقائی شکل ہیں۔

پروفیسر ڈاون گش مشہور ماہرِ ارتقاءہیں۔ ان کی تقاریر کا عنوان تھا "انسان کی ابتدائ" جس نے انسان کی گوریلے کی ارتقائی شکل ہونے کے مفروضے کو غلط ثابت کردیا۔

پروفیسر جان مورس انسٹیٹیوٹ فارکریشن ریسرچ کے صدرہونے کے علاوہ ایک مشہور ماہرِ ارضیات بھی ہیں۔ ان کی تقریر کا عنوان ارتقاءکے دائرے میں موجود فکریاتی اور فلسفیانہ قراردادوں کے متعلق تھا۔

انہوں نے مزید اس بات کی وضاحت کی کہ اس نظریئے کو اتنا کٹر عقیدہ کیوں بنادیا گیا ہے اور اس کے حمایتی ڈارون کے اس نظریئے کو مذہب کا

پروفیسر ڈوان گش

"فوصلی ریکارڈ نظریۂ ارتقاءکی تردید کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ جاندار نسلیں زمین کے اوپر مکمل اور بہترین شکلوں میں نمودار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا اس سے زیادہ ٹھوس ثبوت اور کچھ نہیں ہوسکتا۔"

بین الاقوامی شہرت کا حامل ماہرِ ارتقاءڈاکٹر ڈوان گش ڈاکٹر نیوزات یا لسنتاس کے ہاتھ سے اپنا سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن کا یادگار لوح لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر یالسنتاس ترکی کے پارلیمنٹ کے رکن بھی ہیں۔

درجہ کس بنےاپر دیتےہیں۔

ان تمام تقاریر کو سننے کے بعد سامعین کے ذہن میں کوئی شک نہیں رہا کہ نظریۂ ارتقاءایک ایسا کٹر عقیدہ ہے جس کی سائنس ہر پہلو سے تردید کردیتی ہے۔ اس کے علاوہ کانفرنس ہال میں موجود "نظریۂ ارتقاءکی شکستگی: تخلیق کی حقیقت" کے عنوان سے تصاویر کی نمائش بھی لوگوں میں بے انتہادلچسپی کا مرکز بنی۔اس نمائش کی ۵۳ تصاویر ارتقاءکے بنیادی دعووں اور تخلیق کے ثبوت کے بارے میںتھےں۔

تیسرا اجلاس: انقرہ

اس سلسلے کا تیسرا بین الاقوامی اجلاس ۲۱ جولائی ۸۹۹۱ءکو انقرہ کے شیراٹن ہوٹل میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں حصہ لینے والے تین امریکن اور ایک ترکی شرکاءنے جدید سائنس کے ہاتھوں نظریۂ ڈارون کی معذوری کے متعلق واضح اور وقیع ثبوت پیش کیا۔

گوک شیراٹن ہوٹل کا یہ ہال بھی ہزار لوگوں کے لئے تھا لیکن اجلاس میں آنے والوں کی تعداد ۰۵,۲ سے بھی اوپر تھی۔ جو لوگ اندر نہیں آسکے ان کے لئے ہال کے باہر ہی نشریاتی اسکرینیں لگادی گئی تھیں۔ اس اجلاس میں بھی "نظریہ ءارتقاءکی شکستگی: تخلیق کی حقیقت" پر مبنی تصویری نمائش کی گئی جو کہ زبردست توجہ کی حامل رہی۔ اجلاس کے اختتام پر مقرروں کو پرجوش خراجِ تحسین پیش کیا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ عوام ارتقاءکے دھوکے اور تخلیق کی حقیقت کو جاننے کے لئے کس قدر بے چین ہے۔

ان تمام بین الاقوامی اجلاسوں کی زبردست کامیابی کے بعد سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے ترکی میں جگہ جگہ اسی طرح کے اجلاس منعقد کرنے شروع کردئے۔ اگست ۸۹ءسے لے کر ۵۰۰۲ءتک ترکی کے ۲۷ شہروں اور ۰۵۱ ضلعوں میں اسی موضوع پر ۰۰۸,۲ اجلاس منعقد کئے جاچکے تھے۔ اس کے علاوہ سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے برطانیہ، ہولینڈ، برونائی، ملائیشیا، انڈونیشیا، سنگاپور، آذربائیجان، آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا میں بھی اسی طرح کے لاتعداد اجلاس کروائے ہیں۔

نظریۂ ارتقاءکی شکستگی
تخلیق کی حقیقت

حالیہ دور میں مقبولیت پانے والی ارتقاءپسند تشہیر عوامی عقائد اور اخلاقی اقدار کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے- سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن اس سنگین صورتحال سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اس نے ترکی کی عوام کو اس معاملے کے سائنسی پہلو سے آگاہ کرنا اپنا اہم فریضہ بنالیا ہے-

پہلا اجلاس، استنبول

سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن کی طرف سے منعقد کئے جانے والے بین الاقوامی اجلاسوں میں سے پہلا اجلاس اپریل ۴، ۸۹۹۱ءکو استنبول میں ہوا- اس اجلاس کا عنوان تھا ”نظریۂ ارتقاءکی شکستگی: تخلیق کی حقیقت“ یہ اجلاس نہایت کامیاب رہا اور اس میں تمام دنیا سے اس شعبے کے نامور ماہروں نے شرکت کی- اس اجلاس نے پہلی دفعہ ارتقاءکے اوپر بحث و مباحثے کے لئے ایک ایسا پائیدان مہیا کیا جس نے ترکی میں نظریۂ ارتقاءکی سائنسی تردید پیش کی- ترکی کے کئی شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس اجلاس میں شرکت کی اور جو اس اجلاس میں شریک نہیں ہوپائے انہوں نے ٹیلی ویژنوں کے ذریعے اس کی برکارروائی گھروں میں بیٹھ کر دیکھی-

اجلاس میں سب سے پہلے سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن کے ممبران نے نظریۂ ارتقاءکے پس پردہ مقاصد کے اوپر تقاریر کیں- اس کے بعد فاؤنڈیشن کی طرف سے بنائی جانے والی ویڈیو دستاویز دکھائی گئیں- ڈاکٹر ڈوان گش اور ڈاکٹر کینتھ کمنگ امریکہ کے انسٹیٹیوٹ فارکریشن ریسرچ کے بین الاقوامی شہرت کے حامل ماہرِ حیاتیاتی کیمیا اور ماہرِ معدوم حیوانات و نباتات ہیں- انہوں نے ٹھوس ثبوت کے ساتھ نظریۂ ارتقاءکے ناقص ہونے کا مظاہرہ پیش کیا- اجلاس میں ترکی کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر کیوٹ بابونا نے انسانی تخلیق کے ہر مرحلے کے معجزہ کو ایسی تصویری دستاویزات کے ذریعے پیش کیا جنہوں نے ارتقاءکے ”اتفاقی مفروضے“ کو جڑوں تک ہلادیا-

دوسرا اجلاس: استنبول

اس سلسلے کا دوسرا بین الاقوامی اجلاس تین مہینے بعد ۵ جولائی ۸۹۹۱ءکو استنبول کے کیمل ریسٹ ری کانفرنس ہال میں منعقد ہوا- اجلاس میں چھ امریکن اور ایک ترکی مقرر نے جدید سائنس کے ہاتھوں نظریۂ ڈارون کی شکست کے موضوع پر تقاریر کیں- اس کانفرنس ہال میں ہزار لوگوں کی گنجائش تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ محو سامعین کھچاکھچ ہال میں بھرے ہوئے تھے-اجلاس میں موجود مقرروں اور ان کی تقاریر کے موضوعات مندجہ ذیل ہیں :

پروفیسر کارل فلاٹرمینز
جدید حیاتیاتی کیمیاءثابت کرتی ہے کہ جاندار بہترین نقشے کے تحت تخلیق کئے گئے ہیں- یہ حقیقت اکیلی ہی ایک تخلیق کار کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے-“

پروفیسر ڈیوڈ منٹن
”میں نے جانداروں کی تشریح الاعضاءکا معائنہ ۰۳ سال تک کیا ہے اور میں نے نتیجے میں جو کچھ دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ثبوت ہے-“

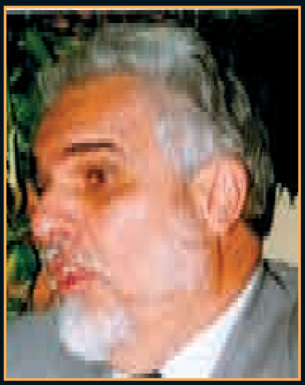

روفیسر ایڈورڈ بوڈرو
”جس دنیا کے اندر ہم رہتے ہیں اس کے قدرتی قوانین تخلیق کار نے انسانوں کے صریحاً فائدے کے لئے ہی بنائے ہیں-“

پروفیسر مائکل بی گیرواَرڈ
سدرن لوزیانا یونیورسٹی میں حیاتیات کے پروفیسر ہیں اور ان کی تقریر کا موضوع تھا ”کیا زندگی کی ابتداءاتفاق کے ذریعے ممکن ہے-“پروفیسر گیرواَرڈ نے اپنی تقریر میں مختلف مثالوں سے

سولھواں باب

تخلیق کی سچائی

اس کتاب کے سابقہ حصوں میں نظریۂ ارتقاءکا ایک سائنسی حقائق سے منحرف نامعقول مقالہ ہونے کا تجزیہ کیاگیا ہے۔ جدید سائنس نے علم معدوم حیاتیات و نباتات، حیاتیاتی کیمیا اور علم تشریح جیسے شعبوں میں کی گئی تفصیلی تحقیق کے ذریعے واضح طور پر اُس سچائی کو اجاگر کردیا ہے کہ صرف اللہ نے تمامَ جانداروں کی تخلیق کی ہے۔ بلکہ اس سچائی کا اعتراف کرنے کے لئے حیاتیاتی کیمیا کی تجربہ گاہوں اور ارضیاتی کھدائیوں سے حاصل کئے گئے پیچیدہ نتائج کا سہارا لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ناقابل یقین حکمت کی علامات و نشانات قدرت میں موجود ہر شے اور ہر جاندار میں واضح ہیں۔ چاہے وہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہو یا سمندر کی گہرائیوں میں موجود ننھی سی مچھلی ، ان کے جسم اس اعلیٰ نوعیت کے نقشے اور تکنیکی مہارت کا شاہکار ہیں کہ وہ کسی انسان کی تخلیق ہو ہی نہیں سکتے۔ شعور، سمجھ اور بعض اوقات تو دماغ سے ہی عاری جاندار اس پیچیدہ نوعیت کے کام سرانجام کرنے کے اہل ہوتے ہیں جن کا انسان اپنی تمام عقل و شعور کے ساتھ بھی کرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ یہ عظیم حکمت، نقشے اور تخلیق جس سے تمام کائنات مغلوب ہے ایک زبردست خالق کی موجودگی کا اعلان کرتی ہےں۔ وہ خالق صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو بہترین خصوصیات سے نوازا ہے اور اس کی ہر تخلیق میں اس کی قوت اور موجودگی کے واضح نشانات موجود ہیں۔ آنے والے صفحات میں اللہ تعالیٰ کے تخلیقی معجزات میں سے کچھ کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

شہد کی مکھی اور اس کے چھتے کا تعمیراتی معجزہ

شہد کی مکھیاں اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ شہد پیدا کرتی ہیں اور اس کا اپنے چھتے میں ذخیرہ کرلیتی ہیں۔ ان کے چھتے کی شس پہلوساخت کے بارے میںہر ایک کو علم ہے لیکن کیا اس پہلو پر کبھی غور کیا گیا کہ مکھیاںہشت پہلو یا پانچ پہلو چھتے کی بجائے خصوصی طور پر شش پہلو چھتہ ہی کیوں بناتی ہیں؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے ریاضی دان ایک دلچسپ نتیجے پر پہنچے۔ ایک شش پہلو ساخت کسی بھی رقبہ کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے سب سے بہترین اقلیدسی شکل ہے۔ ایک شش پہلو خانے کی تعمیر میں کم سے کم موم لگتی ہے لیکن یہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ شہد کا ذخیرہ کرسکتا ہے۔ اسی لئے شہد کی مکھی نے اپنے کام کو احسن ترین طریقے سے انجام دینے کے لئے بہترین شکل کا انتخاب کیا ہے۔

چھتے کی تعمیر میں استعمال کیا گیا طریقہ بھی بے حد حیران کن ہے۔ شہد کی مکھیاں چھتے کی تعمیر کو دو تین مختلف جگہوں سے شروع کرتی ہیں اور اس کو بیک وقت دو تین لڑیوں میں بنتی ہیں۔گوکہ وہ تعمیراتی کام مختلف جگہوں سے شروع کرتی ہیں لیکن تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ

اور سڑکیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہیں۔دیمک کے حشرے اپنے کام اس طرح جاری رکھتے ہیں کہ گویا وہ کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے تھے اور ہمیشہ سے ایک ہی جگہ سے کام کرتے رہے ہوں۔

ہدہد

یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ ہد ہد یا کٹھ پھوڑا اپنا گھونسلا درخت کے تنے کو ٹھونگیں مار مار کر بناتا ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ درختوں کے تنوں کو اتنی قوت سے سر مارنے کی باوجود اس کی دماغی شریانےں پھٹ کیوں نہیں جاتیں۔ ہدہد اپنا کام اس طرح انجام دیتا ہے کہ جس طرح ایک انسان اپنے سر کو استعمال کرتے ہوئے ایک کیل کو دیوار میں ٹھونکے۔ اگر کوئی انسان یہ کرنے کی کوشش کرنے لگے گا تو اس کو یقینا شدید دماغی صدمہ پہنچے گا جس کی وجہ سے دماغ کی شریانیں بھی پھٹنے کا خدشہ ہے۔ اس کے برعکس ایک ہدہد سخت درخت کے تنے کو ۸۳ سے ۳۴ دفعہ ۰۱۲ سے ۰۶۲ سیکنڈوں کے فاصلے سے ٹھونگیں مارتاچلا جاتا ہے اور کسی بھی نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہدہد کے سر کی ساخت اس کام کے لئے تشکیل کی گئی ہے۔ اس کی کھوپڑی کے اندر معطلی کا نظام موجود ہے جو کہ اس کے سر سے لگائی گئی ضربوں کی سختی کو جذب کرکے کم کردیتا ہے۔ اس کی کھوپڑی کی ہڈیوں کے درمیان نرماہٹ پیدا کرنے کے لئے نرم ریشۂ لحمی موجود ہوتے ہیں۔[۷۹۱]

چمگادڑوں کا صوتی لہروں سے بازگشت کا نظام

چمگادڑیں گھپ اندھیرے میں کسی مشکل کے بغیر اڑ سکتی ہیں۔ اس کام کے لئے ان کے اندر بڑا دلچسپ راستوں کاتعین کرنے کا نظام موجود ہوتا ہے۔ اس کو صوتی لہروں سے بازگشت کا نظام کہتے ہیں جس کے ذریعے آس پاس میں موجود اشیاءکا اندازہ آواز کی لہروں کی گونج سے لگایا جاتا ہے۔ ایک نوجوان شخص ۰۰۰,۰۲ لرزش فی سیکنڈ کی تکرار سے بھی کسی آواز کا اندازہ بڑی مشکل سے

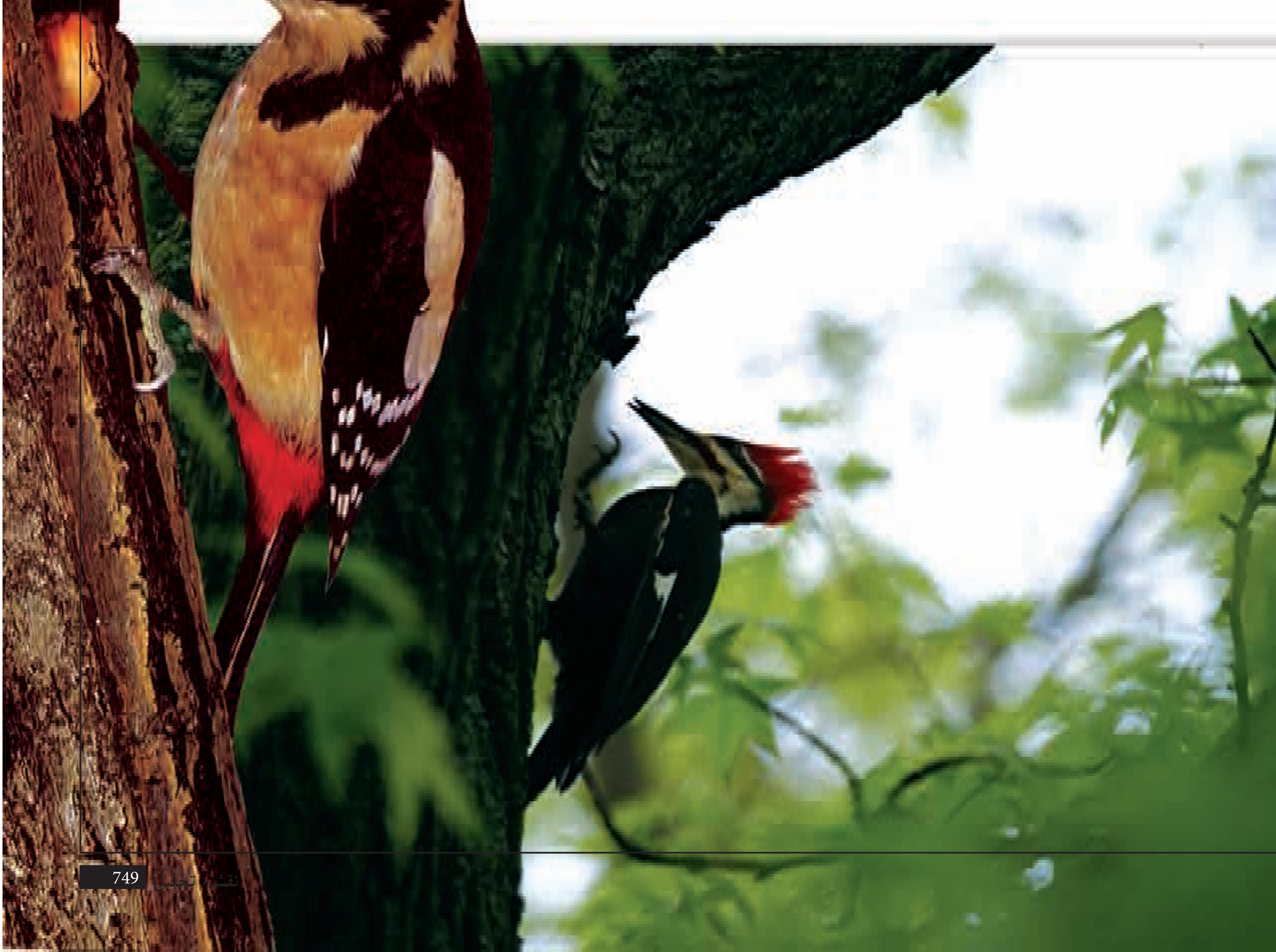

سے وہ ایک جیسے شش پہلو خانے بناتی جاتی ہیں اور ان کو آپس میں ملاتی جاتی ہیں اور بالآخر بیچ میں آکر مل جاتی ہیں- ان شش پہلو خانوں کا مقام اتصال اتنی مہارت سے جڑا ہوا ہوتا ہے کہ اس جوڑ کا کوئی نشان نظر نہیں آتا- اس ناقابل یقین اور حیران کن تعمیراتی صلاحیت کے مظاہرے کے بعد عقل یہ تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے کہ بلاشبہ اس کے پیچھے ایک ایسی طاقت کارفرما ہے جوکہ ان مخلوقات کو یہ تمام کام کرنے کی صلاحیت بخشتی ہے -ارتقاءپسند اس عظیم مظاہرے کو "جبلت" کا نام دیتے ہیں اور اس کو شہد کی مکھی کی ایک عام صلاحیت کہتے ہیں- لیکن اگر یہ جبلت ہی ہے اور یہ تمام مکھیوں کے اوپر حکمرانی کرتی ہے اور اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ ساری شہد کی مکھیاں ہے انتہا منظم طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس جبلت اور نظام کے پیچھے ایسی حکمت موجود ہے جو اس تمام نظام کو ممکن بناتی ہے- یعنی کہ یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو کہ ان چھوٹی چھوٹی مخلوقات کو اپنے کام کو بہترین طریقے سے انجام دینے پر معمور رکھتی ہے- اس حقیقت کا اعلان ۴۱ صدیوں پہلے قرآن شریف میں کردیا گیا تھا-

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لئے نرم و آسان ہیں اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگی نکلتی ہے جس میں لوگوں کی تندرستی ہے بے شک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو-
(سورۃ النحل، آیات ۸۶،۹۶)

حیران کن ماہرِ تعمیرات: دیمک

دیمک کے حشرے کا گھونسلا دیکھا جائے تو حیران ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کیونکہ ان کے گھونسلے تعمیراتی عجوبے ہیں جوکہ ۶-۵ میٹر کی بلندی تک تعمیر ہوئے ہوتے ہیں- اس گھونسلے کے اندر دیمک کے حشروں کی زندگی سے متعلق تمام جدید ضروریات کا سامان موجود ہوتا ہے کیونکہ یہ حشرے اپنے جسم کی ساخت کی وجہ سے سورج کی روشنی میں نہیں نکلتے- ان کے گھونسلے کے اندر ہواگزاری کا نظام، آبپاشی کا نظام، سنڈیوں کے نشوونما کے لئے مخصوص کمرے، راہداریاں، مخصوص پھپھوندی پیدا کرنے کا نظام، حفاظتی دروازے، گرم اور ٹھنڈے موسم کے لئے الگ کمرے، حتیٰ کہ ان گھونسلوں میں ضروریات زندگی سے متعلق ہر چیز موجود ہوتی ہے- سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ان عجوبہ نما گھونسلوں کو تعمیر کرنے والے دیمک کے یہ حشر' مکمل طور پر نابینا ہوتے ہیں-۸۷۱

لیکن اپنے نابینا ہونے کے باوجود اگر دیمک کے حشر' اور اس کے گھونسلے کا موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی گھونسلوں کا یہ تعمیراتی معرکہ ان کی جسم کی پیمائش سے ۰۰۳ گنا بڑا ہوتا ہے- اس کے علاوہ ان حشروں میں ایک اور قابلِ ذکر خاصیت موجود ہوتی ہے- اگر ان کے گھونسلے کو تعمیر کے پہلے مرحلے کے دوران دوو حصوں میں تقسیم کردیا جائے اور کچھ عرصے بعد ان کو دوبارہ ملادیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تمام راہداریاں، آبپاشی کی نہریں

اگر مچھر کے جسم سے ایک بھی خاصیت کی کمی ہوجائے گی تو وہ خون چوسنے اور اپنی آئندہ نسلوں کی افزائش کرنے میں ناکام ہوجائے گا- اس بہترین نقشے کی تحت اس بے انتہا چھوٹے سے کیڑے میں بھی تخلیق کی حکمت نمایاں ہے- قرآن میں مچھر کی مثال عقلمند لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کے ثبوت کے طور پر پیش کی گئی ہے-

بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے، وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے کافر، وہ کہتے ہیں ایسی کہاوت میں اللہ کا کیا مقصود ہے- اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہے- (سورة ابقرہ ، آیت نمبر۲۶)

غیر معمولی قوت بصارت والے شکاری پرندے

شکاری پرندوں کی قوتِ بصارت نہایت تیز ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ فاصلے کا درست تعین کرتے ہوئے اپنے شکار کو با آسانی تلاش اور شکار کرلیتے ہیں- اس کے علاوہ ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں زیادہ بصارت کے خلئے موجود ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے بہترین قوتِ بصارت- چیلیں کئی ہزار میٹر پر اڑنے کے باوجود اپنی تیز آنکھوں سے زمین کو صاف طور پر دیکھ سکتی ہیں- جس طرح جنگی جہاز اپنے نشانے کو ہزاروں میل دور سے بھی پہچان لیتا ہے بالکل اسی طرح چیلیں اپنے شکار کو بھی دور سے زمین کے اوپر معمولی سے بھی رنگ میں تبدیلی یا حرکت سے پہچان لیتی ہیں- چیل کی آنکھ کی بینائی کا زاویہ ۳۰۰ ڈگری ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ کسی عام سی تصویر کو ۶ سے ۸ گنا بڑا دیکھتی ہے- چیل ۴,۵۰۰۰ میٹر کی بلندی پر اڑتے ہوئے ۳۰,۰۰۰ ہیکٹر کا رقبہ با آسانی دیکھ سکتی ہے- ۱۵۰۰ میٹر کی بلندی سے بھی وہ جھاڑی میں چھپے خرگوش کو دیکھ سکتی ہے-اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ غیر معمولی آنکھ کی ساخت خاص طور پر چیل کے لئے ہی تخلیق کی گئی ہے-

شتوری جانور (یا وہ جانور جو سرما خوابی کے عمل سے گزرتے ہیں)

شتوری جانور اپنے جسم کے درجۂ حرارت کا ٹھنڈے بیرونی درجۂ حرارت جتنا گرجانے کے باوجود بھی زندہ رہتے ہیں -یہ کس طرح ممکن ہوتا ہے؟ ممالیہ جانور گرم خون کے جانور ہوتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ عام حالات میں ان کے جسم کا درجۂ حرارت ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے کیونکہ ان کے جسم کے اندر قدرتی پیمانہ اس درجۂ حرارت کو تحدید کرتا رہتا ہے- لیکن سرماخوابی کے دوران چھوٹے ممالیہ جانوروں کے جسم کی عمومی حرات نقطۂ جمودسے تھوڑا ہی پہلے جاکر اس طرح رک جاتی ہے کہ گویا اس کو کسی چابی کے ذریعے اس نقطے پر لاکر روک دیا گیا ہو- جسم کا تحول بھی بڑی حد تک آہستہ ہوجاتا ہے- جانور بہت آہستہ سانس لینے لگتا ہے اور اس کے دل کی رفتار جوکہ عموماً ۳۰۰ دھڑکن فی منٹ ہوتی ہے وہ ۱۰-۷ دھڑکن فی منٹ تک گرجاتی ہے- اس کے جسم کے اضطراری عمل سے بروئے کار آنے والے اعصاب کے سلسلے رک جاتے ہیں اور دماغ کی برقی مصروفیت نہ ہونے کے برابر ہوجاتی ہے- حرکت کے ختم ہوجانے سے سب سے بڑا خطرہ ریشۂ لحمی کا بیحد ٹھنڈے بیرونی درجہ حرات کے باعث جمنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ برف کے بلوروں کے بننے سے مرجاتے ہیں- لیکن شتوری جانور اپنے اندر موجود ایک خاص خصوصیت کی بناءپر اس خطرے سے محفوظ رہتے ہیں- شتوری جانوروں کے جسم کے سیال زیادہ تعداد میں سالمی مواد پر مبنی کیمیائی اجزاءکے ذریعے جمنے سے محفوظ رہتے ہیں - اس طریقے سے ان کے جسم کا نقط جمود کم ہوجاتا ہے جوکہ ان کے ریشہ لحمی کو جمنے نہیں دیتا-[۱۸۲]

برقی مچھلیاں

مچھلیوں کی کچھ اقسام مثلاً برقی مارماہی اور برقی رائیہ ماہی اپنے جسم میں پیدا ہونے والی بجلی کو استعمال کرتے ہوئے دشمن سے اپنے آپ کو بچاتی ہیں اور اپنے شکار کو سن بھی کرتی ہیں- انسان کے ساتھ ساتھ ہر جاندار میں تھوڑی بہت بجلی موجود ہوتی ہے البتہ انسان اس بجلی کو اپنی مرضی سے اپنے نفع کے لئے استعمال نہیں کرسکتا-لیکن اوپر جن جانداروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے جسم میں ۵۰۰-۶۰۰ وولٹ جتنی بجلی کا کرنٹ موجود ہوتا ہے جس کو وہ اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرتے ہیں -اس کے باوجود ان کو خود اس بے پناہ بجلی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا- اپنے دفاع کے لئے استعمال کی جانے والی اس قوت کو وہ تھوڑے ہی وقفے کے بعد دوبارہ اس طرح حاصل کرلیتے ہیں جس طرح کسی بیٹری کو دوبارہ برقی قوت سے بھردیا جائے- مچھلیاں اپنے چھوٹے جسم میں موجود اس برقی توانائی کو صرف دفاع کے لئے ہی استعمال نہیں کرتیں -یہ ان کو اندھیرے پانی میں راستہ ڈھونڈنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے وہ اشیاءکو بغیر دیکھے محسوس بھی کرسکتی ہیں-اس کے علاوہ وہ اپنے

لگاپاتا ہے لیکن چمگادڑوں کے اندر مخصوص صوتی لہروں سے بازگشت کا نظام ۰۰۰،۰۳ سے ۰۰۰،۰۲ لرزشیں فی سیکنڈ کی تکرار کی آوازوں کا با آسانی پتہ چلالیتا ہے۔ان آوازوں کو وہ چاروں طرف ۰۲ سے ۰۳ دفعہ فی سیکنڈ بھیجتا ہے۔ان آوازوں کی گونج اس قدر زوردار ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے چمگادڑ نہ صرف اپنی راہ میں موجود اشیاءکا اندازہ لگاتا ہے بلکہ اپنے تیزی سے اڑتے شکار کے جائے وقوع کا بھی بخوبی تعین کرلیتا ہے ۰۸۱۔

وہیل مچھلی

ممالیہ جانوروں کو بھی سانس لینے کے لئے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور پانی اس مقصد کے لئے ایک بہترین ماحول نہیں ہے۔ وہیل مچھلی ایک پانی کا ممالیہ جانور ہے اور یہ مسئلہ اس کے جسم میں تنفس کے ایک ایسے اعلیٰ نظام سے حل کیاگیا ہے جوکہ کئی زمین پر رہنے والے جانداروں کے اندربھی موجود نہیں ہے۔ وہیل مچھلی ایک ایک کرکے سانس لیتی ہے ناک اندر باہر جس طرح عام جانور کرتے ہیں۔ جب وہ سانس کو باہر کی طرف چھوڑتی ہے تو وہ استعمال شدہ سانس کا ۰۹ فیصد حصہ باہر نکالتی ہے۔ اسی لئے اس کو نسبتاً لمبے وقفے تک سانس نہیں لینا پڑتا۔ اس کے علاوہ ان کے عضلات کے اندر "مائیوگلوبن" نامی مرتکز مادہ موجود ہوتا ہے جوکہ ان کو عضلات میں آکسیجن زیادہ عرصے تک رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس اعلیٰ تنفس کی مدد سے ایک فن بیک وہیل مچھلی ۰۰۵ میٹر کی گہرائی تک غوط لگاکر ۰۴ سیکنڈ تک بغیر سانس لئے تیر سکتی ہے۔(۱۸۱) وہیل مچھلی کے نتھنے زمین پر رہنے والے جانوروں کے برعکس اس کے سر کے پیچھے موجود ہوتے ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ سانس لے سکے۔

عام مچھر میں موجود بہترین نقشہ

گو کہ مچھر کے بارے میں عام تصور اڑنے والے جانور کا ہے لےکن حقیقت مےں مچھر اپنی افزائشی زندگی کے تمام مرحلے پانی کے اندر گزارتا ہے اور ایک غیر معمولی نقشے کی مد د سے پانی سے باہر نکلتا ہے۔ یہ نقشہ اس کو اس کی ضرورت کے تمام اعضاءکے ساتھ مہیا کیاجاتا ہے۔ مچھر اپنے اندر موجود خاص محسوس کرنے کی حس کو استعمال کرتے ہوئے اڑنا شروع کرتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے شکار کے جائے وقوع کا بھی اندازہ لگالیتا ہے۔ ان تمام نظاموں کے ساتھ وہ ایک ایسے جنگی جہاز سے مشابہ ہوتا ہے جو کہ گرمی، گیس، نمی اور مختلف قسم کی بو کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے لیس ہوتا ہے۔اس کے اندر درجۂ حرارت کو محسوس کرتے ہوئے دیکھنے کی بھی صلاحیت موجود ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ اپنے شکار کو گھپ اندھیرے میں بھی تلاش کرلیتا ہے۔ مچھر کا خون چوسنے کا طریقہ بھی ایک ناقابل حد تک پیچیدہ نظام ہے۔ اپنی چھ آریوں پر مشتمل کاٹنے کے نظام کے ساتھ وہ کھال کو آری کی مانند کاٹتا ہے۔ کاٹنے کے اس عمل کے دوران ہی وہ اپنے ایک مخصوص قسم کے رسنے والے مادے کے ذریعے زخم کے ریشہ لحمی کو اس طرح سے سن کردیتا ہے کہ شکار کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کا خون چوسا جارہا ہے۔ یہ رسنے والا مادہ خون کو جمنے سے باز رکھتا ہے اور خون چوسنے کے عمل کو جاری رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

مکڑی کا دھاگہ

ڈینوپس نامی مکڑی کے اندرشکار کرنے کی زبردست مہارت پائی جاتی ہے- بجائے اس کے کہ وہ ایک جامد جالہ تیار کرکے اپنے شکار کا انتظار کرے وہ ایک ایسا چھوٹا اور غیر معمولی جالہ تیار کرتی ہے جو وہ اپنے شکار کے اوپر پھینک دیتی ہے- اس کے بعد وہ اپنے شکار کو اس جالے میں اس مضبوطی سے لپیٹ دیتی ہے کہ شکار کا ہلنا جلنا محال ہوجاتا ہے-جالے کی ساخت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ نکلنے کی کوشش سے شکار اور زیادہ اس میں الجھتا جاتا ہے- اگر مکڑی کی نیت شکار کو تھوڑے عرصے بعد کھانے کی ہوتی ہے تو وہ اس کو مزید اور دھاگوں سے اس طرح لپیٹ دیتی ہے گویا وہ کوئی بنڈل ہو-

ایک مکڑی میکانیکی اور کیمیائی نقشے کا اتنا عمدہ جالہ کس طرح تعمیر کرتی ہے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس مکڑی کے اندر یہ مہارت اور صلاحیت کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتی جیساکہ ارتقاءپسندوں کا دعویٰ ہے- مکڑی کے اندر سیکھنے اور یاد رکھنے کی فطری صلاحیت موجود نہیں ہوتی کیونکہ قدرت نے اس کو دماغ ہی عطا نہیں کیا- لیکن اﷲ تعالیٰ کی مرضی اور قوت سے مکڑی کے اندر جال بنانے کی یہ مہارت موجود ہے- اس کے علاوہ مکڑیوں کے دھاگے کے اندر بھی اہم معجزے چھپے ہوئے ہیں- اس دھاگے کا قطر ایک ملی میٹر کے ایک ہزارویں حصے سے بھی کم ہوتا ہے لیکن یہ لوہے کی اسی قطر کی تار سے پانچ (۵) گنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے- مکڑی کے دھاگے کی ایک اور خاصیت اس کا ہلکا وزن ہوتا ہے- پوری دنیا کے اطراف لپٹنے والے اس دھاگے کا وزن صرف ۳۲۰ گرام ہوگا-

لوہا صنعتی اشیاءمیں استعمال ہونے والی مضبوط ترین دھات ہے لیکن مکڑی اپنے مہین وجود سے اس دھات سے بھی کہیں مضبوط شے پیدا کرتی ہے- انسان لوہے کی پیداوار میں صدیوں پرانی حکمت اور تکنیکی صلاحیت کا استعمال کرتا ہے لےکن مکڑی اپنا دھاگہ بنانے میں کس حکمت اور تکنیک کا استعمال کرتی ہے؟ انسان کی تمام صلاحیتیں ایک مکڑی کی صلاحیتوں کے آگے معمولی نظر آتی ہیں-

جسم میں موجود اس برقی توانائی کو اشارے بھیجنے کے لئے بھی استعمال کرتی ہیں- یہ اشارے سخت سطح سے ٹکرانے کے بعد منعکس ہوتے ہیں اور اس انعکاس کے ذریعے یہ مچھلیاں اس شے کے بارے میں معلومات حاصل کرتی ہیں مثلاً کہ اس شے سے ان کا فاصلہ اور اس کی پیمائش کتنی ہے-۳۸۱

جانوروں کے اوپر عقلمند نقش:
دھوکہ دہی اور نظر فریبی کی خاصیت

کئی جانور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے دھوکہ دہی یا نظر فریبی کی خاصیت سے لیس ہوتے ہیں- جانور اپنے آپ کو چھپانے کی ضرورت دو طرح کی صورتحال میں محسوس کرتے ہیں ایک تو شکار کو پکڑنے کے لئے اور دوسراخود کوشکاریوں سے بچانے کے لئے- دھوکہ دہی کی خاصیت دوسرے تمام طریقوں سے اپنی خاص عقلمندی، مہارت، جمالیات اور منظم خصوصیات کے یکجا استعمال کی بناءپر الگ ہے- جانوروں کے اندر موجو دھوکہ دہی کی خاصیت حقیقتاً حیرت انگیز ہے جس سے درخت کے تنے کے اوپر بیٹھے کیڑے ےا پتے کے نیچے چھپے ٹڈے میں فرق کرنا ناممکن ہوجاتا ہے-، پتوں کی جوں' پودوں کے کانٹوں کے شکل کے

شاخ کے اوپر چھپی ہوئی چھپکلی

درخت کے تنے پر چھپا ہوا پتنگا

شاخ کے تنے پر بیٹھا ہوا الوّ

پتوں کے درمیان کھوئے ہوئے کرم خور حشرے یا منطس

تو اس کو کئی مہلک خطرات لاحق ہوتے ہیں لیکن مینڈک ایسے کسی بھی خطرے سے محفوظ رہتا ہے- اس کے جسم کے اندر منجمدگی کی حالت میں بڑی مقدار میں گلوکوس پیدا کرنے کی نمایاں خاصیت موجود ہے جس سے ایک زیابیطس کے مریض کی طرح اس کے خون میں شکر کی مقدار بہت زیادہ ہوجاتی ہے- عام حالات میں مینڈک کی خون میں شکر کی مقدار ۵-1MMOL فی لیٹر اور انسانوں میں ۵-4MMOL فی لیٹر ہوتی ہے- لیکن منجمدگی کی حالت میںاس کے جسم میں شکر کی مقدار 550MMOL فی لیٹر تک پہنچ جاتی ہے- گلوکوس کی یہ حد سے تجاوز کرتی مقدار عام حالات میں مہلک ہوتی ہے لیکن ایک جمے ہوئے مینڈک میں گلوکوس کی بڑھی ہوئی مقدار پانی کو خلیوں کے اندر روک کر سکڑنے سے محفوظ رکھتی ہے- مینڈک کے خلیوں کی جھلی گلوکوس کے سرایت کرنے میں خاص طور پر مددگار ہوتی ہے جس کی وجہ سے گلوکوس با آسانی خلیوں تک پہنچ جاتا ہے- جسم میں گلوکوس کی بڑھتی ہوئی مقدار نقطۂ جمود کو بھی گھٹادیتی ہے جس کی بدولت جانور کے جسم کا بہت کم اندرونی مائع برف بن پاتا ہے- تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ گلوکوس جمے ہوئے خلیوں کی نشوونما بھی کرتا ہے- اس تمام عرصے کے دوران جسم کے قدرتی ایندھن کا کردار ادا کرنے کے علاوہ گلوکوس جسم میں کئی تحولی کیفیات مثلاً یوریا کی تالیف کو بھی روک دیتا ہے جس کے ذریعے خلئے کے اندر موجود نشوونما کے ذرائع کمزور پڑنے سے بچے رہتے ہیں-

اب سوال یہ ہے کہ مینڈک کے جسم میں گلوکو س کی اتنی زیادہ مقدار اچانک کہاں سے آجاتی ہے؟ اس کا جواب کافی دلچسپ ہے- اس جاندار کے جسم کا ایک بہت خاص نظام اس کام کو انجام دینے پر معمور ہے-جیسے ہی مینڈک کی کھال پر برف نمودار ہوتی ہے، ایک اشارہ جگر کی طرف جاتا ہے جس سے جگر اپنے اندر موجود گلائکوجن کو گلوکوس میں بدلنا شروع کردیتا ہے- اس اشارے کی نوعیت ابھی تک سمجھ نہیں آسکی ہے- اشارہ ملنے کے پانچ منٹ کے اندر اندر خون میں موجود گلوکوس کی مقدار بڑھنے لگتی ہے-[581] اس طرح کا ناقابل یقین اور اعلیٰ نظام جس کے تحت ایک جاندار کا پورا تحولی نظام بوقت ضرورت بدل جاتا ہو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بے عیب تخلیق اور بہترین نقشے کا نتیجہ ہوسکتا ہے- اس طرح کے مکمل اور پیچیدہ نظام کا اتفاقیہ طور پر وجود میں آنا ایک انتہائی نامعقول تصور ہے-

بطریل کاہم نسل لمبے بازوؤں والا بحری پرندہ

موسمی کوچ کرنے والے پرندے مختلف طرح کی اڑان کے طریقے استعمال کرتے ہوئے اپنی توانائی کو محفوظ رکھتے ہیں- اس بحری پرندے میں بھی ایسی ہی مخصوص اڑان کی خاصیت موجود ہے- یہ پرندے اپنی زندگی کا ۲۹ فیصد وقت سمندر کے اوپر گزارتے ہیں- ان کے بازوؤں کی کل پیمائش ۳ سے ۵ میٹر ہوتی ہے- یہ پرندہ کئی گھنٹے تک اپنے پروں کو استعما میں لائے بغیر اڑ سکتا ہے- اس کے لئے وہ ہوا میں ہوا کی توانائی استعمال کرتے ہوئے اپنے بازوؤں کو ایک ہی مقام پر رکھ کر سبک رفتاری سے "بہنے" کا انداز اختیار کرلیتا ہے -چونکہ اڑان کے دوران پرندے کے پر استعمال میں نہیں ہوتے اسی لئے کسی عضلاتی قوت کا بھی استعمال نہیں ہورہا ہوتا- پر عضلاتی تہوں کے استعمال سے ہی اوپر نیچے ہوتے ہیںجس کے ذریعے پرندے اڑ پاتے ہیں- اڑان کے اس نظام سے پرندہ استعمال کی جانے والی توانائی کی بچت کرلیتا ہے- یہ مخصوص پرندہ بھی چونکہ اڑان میں پروں کے پھیلانے یا پھڑ پھڑانے کا استعمال نہیں کرتا اسی لئے اس کی توانائی ضائع ہونے سے محفوظ رہتی ہے- صرف اور صرف ہوا کے زور پر گھنٹوں اڑان اس کے لئے لامحدود توانائی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے- مثلاً ایک ۱۰ کلو وزن کا یہ پرندہ ۱۰۰۰ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے باوجود اپنے جسم کا صرف ۱ فیصد وزن کھوتا ہے جوکہ بے انتہا کم ہے- انسانوں نے ان پرندوں کی ساخت اور پرکشش اڑان کے طریقے کو ملحوظ رکتے ہوئے بغیر انجن کے اڑنے والی ہوائی سواریاں ایجاد کی ہیں جن کو گلائڈر کہتے ہیں-[681]

ایک محنت طلب نقل مکانی

بحرالکاہل کی سامن مچھلی کے اندر انہی د ریاؤں میں واپس جاکر بچے جننے کی خاصیت موجود ہوتی ہے جن میں وہ خود پیدا ہوتی ہیں-اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سمندروں میں گزارنے کے باوجود یہ مچھلیاں تازہ پانی کے دریاؤں میں انڈے دینے لوٹ آتی ہیں- اپنے سفر کا آغاز یہ موسم گرما کے اول دنوں میں کرتی ہیں- اس وقت اس مچھلی کا رنگ گہرا سرخ ہوتا ہے لیکن سفر کے اختتام پر اس کا رنگ کالا ہوچکا ہوتا ہے- سفر کے شروع میں وہ ساحل کے قریب قریب رہتی ہیں اور دریا تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں-

ہوتے ہیں اور اس طرح بڑے آرام سے ٹہنیوں پر بیٹھ کر پودوں کا رس چوستے رہتے ہیں- اس طریقے سے وہ اپنے سب سے خطرناک دشمن پرندوں سے بھی محفوظ رہتے ہیں کیونکہ ان کو پودوں کے کانٹے سمجھتے ہوئے پرندے ان پودوں پر بیٹھنے سے بھی گریز کرتے ہیں-

قیر ماہی

قیر ماہی کی کھال کے نیچے کروماٹوفور نامی تھیلیوں کی موٹی تہہ ہوتی ہے جن کا رنگ پیلا، لال، کالا اور بھورا ہوتا ہےحرف ایک اشارے سے مچھلی کے خلئے پھیل جاتے ہیں اور اس کی کھال کو مناسب رنگ میں رنگ دیتے ہیں- اس طرح سے قیر ماہی اس پتھر کا بھی رنگ دھارلیتی ہے جس پر وہ بیٹھی ہوتی ہے اور مکمل طور پر آنکھ سے اوجھل ہوجاتی ہے- یہ طریقہ اس قدر کارآمد ہوتا ہے کہ قیرماہی اس کے ذرےعے زیبراجانور کے جسم پر موجود پیچیدہ سفید اور کالی دھاریوں کو بھی اختیار کرسکتی ہے-۴۸۱

بینائی کے مختلف نظام

سمندروں میں رہنے والے کئی جانوروں کےلئے ان کی بصارت شکار اور دفاع کا اہم ذریعہ ہے- اسی لئے ان جانوروں کی آنکھیں بھی پانی کے اندر کے ماحول کی مطابقت سے بہترین ہوتی ہیں- پانی کی بڑھتی ہوئی گہرائی کے ساتھ خاص طور پر ۳۰ میٹر کے بعد دیکھنے کی صلاحیت محدود ہوجاتی ہے- لیکن اس گہرائی میں رہنے والے جانوروں کی آنکھیں اس ماحول کے لئے مناسب ہوتی ہیں- زمین پر رہنے والے جانوروں کے برخلاف سمندر میں رہنے والے جانوروں کی آنکھوں میں کروی شکل کے عدسے ہوتے ہیں جوکہ پانی کی کثافت میں بصارت آسان بنادیتی ہیں- زمین کے جانوروں کی چوڑی ترخیمی آنکھوں کے برعکس یہ کروی شکل عدسوں پر مشتمل آنکھیں پانی کے اندر اشیاءکو فاصلے کے باوجود قریب کرکے دکھاتی ہیں- جب دور کی کسی شے کو توجہ کا مرکز بنایا جاتا ہے تو آنکھ کے عدسوں کا پورا نظام آنکھ کے اندر موجود مخصوص عضلاتی نظام کے تحت پیچھے کی طرف کھنچ جاتا ہے-

مچھلیوں کی آنکھوں کا کروی شکل کا ہونے کی ایک اور وجہ پانی کے اندر روشنی کا منعطف ہونا ہے- کیونکہ مچھلیوں کی آنکھ میں موجود پانی کی کثافت تقریباً باہر کے پانی کی کثافت جتنی ہی ہوتی ہے اسی لئے جب باہر کی شبیہ آنکھ کے اوپر منعکس ہوتی ہے تو نتیجے میں وہ منعطف نہیں ہوتی- اس وجہ سے آنکھ کے عدسے کا مرکز مکمل طور پر پتلی پر پڑنے والی باہر کی شے کی شبیہ پر ہی رہتا ہے- انسانوں کے برعکس مچھلیوں کی قوت بصارت بہت تیز ہوتی ہے- ہشت پایہ جیسے کچھ سمندری جانوروں کی آنکھیں معمول سے بھی زیادہ بڑی ہوتی ہے تاکہ سمندر کی گہرائی میں روشنی کی غیر موجودگی کی تلافی ہوسکے- ۳۰۰ میٹر کی گہرائی کے بعد بڑی آنکھوں کی مچھلیوں کو اپنے آس پاس کے جانداروں کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کا اندازہ لگاکر ان کی موجودگی کا ادراک کرنا پڑتا ہے- اس گہرائی پر ان کا خاص انحصار اس کمزور نیلی روشنی پر ہوتا ہے جوکہ بیرونی روشنی کا واحد ذریعہ ہوتی ہے-چونکہ جانوروں کی آنکھوں کو اس روشنی سے بے حد حساس ہونا لازمی ہے اسی لئے ان کی آنکھوں کی پتلیوں میں حساس نیلے خلیوں کی بھی بہتات ہوتی ہے- ان تمام مثالوں سے واضح ہے ہر جاندار کے ماحول کے حساب سے اس کی آنکھوں میں بھی مخصوص خصوصیات موجود ہوتی ہیں- اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تمام جانداروں کو نمایاں خصوصیات کے ساتھ مکمل طور پر اس طرح تخلیق کیا ہے کہ زندگی ان کے لئے سہل ہوجائے-

منجمد ہونے کا مخصوص نظام

ایک منجمد ہوا مینڈک غیر معمولی حیاتیاتی ساخت کا نمونہ ہوتا ہے- اس کے اندر زندگی کا کوئی نشان نہیں ہوتا- اس کے دل کی دھڑکن، نظام تنفس اور نظام گردش خون مَکمل طور پررکَ جاتے ہیں- لیکن جب برف پگھلتی ہے تو یہی مینڈک زندگی کی طرف اس طرح لوٹ آتا ہے کہ گویا گہری نیند سے جاگا ہو- عمومی حالات میں اگر کوئی جاندار منجمد ہوجائے

کھلا ہوا بھنگے حشرے کھانے ولا پودا
بند پودا
کھلا ہوا بھنگے حشرے کھانے ولا پودا
امریکی گرگٹ کا شمار ان نایاب جانوروں میں ہوتا ہے بند پودا جوکہ پانی اور ہوا میں توازن قائم کرتے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔

ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے وہ اپنی جائے پیدائش تک پورے استقلال اور دلجمعی سے پہنچنے کی تگ و دو میں لگی رہتی ہیں۔ طوفانی دریاؤں کے اوپر سے کودتے ہوئے، پانی کی برقی رو کے خلاف تیرتے ہوئے، آبشاروں اور سمندری سیلابوں کے پشتوں میں سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر اپنی جائے پیدائش تک پہنچ ہی جاتی ہیں۔

اس ۳،۵۰۰ سے ۴،۰۰۰ کلو میٹر فاصلے کے سفر کے اختتام پر مادہ سامن کے انڈے اور نر سامن کا مادہ منویہ تیار ہوتا ہے۔ اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچتے ہی مادہ سامن ۳ سے ۵ ہزار انڈے دیتی ہے اور نر سامن ان کو مادہ تولید سے بارور کردیتا ہے۔ اس سخت نقل مکانی اور انڈے دینے کے عرصے کے دوران یہ مچھلیاں بہت نقصان اٹھاتی ہیں۔ انڈے دینے کے بعد مچھلیاں بے دم ہوجاتی ہیں۔ ان کی دم پر موجود کھپرے کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور ان کی کھال سیاہ پڑنے لگتی ہے۔ نر سامن بھی انہی حالات سے گزرتا ہے۔ دریا بہت جلد ہی مری ہوئی سامن مچھلیوں سے بھرجاتا ہے لیکن پھر بھی سامن مچھلیوں کی نئی نسل اسی سفر کو دوبارہ طے کرنے اور اسی عمل سے دوبارہ گزرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ سامن مچھلی یہ مشکل سفر کس طرح مکمل کرلیتی ہے ؟ انڈوں سے نکلنے کے بعد وہ سمندر تک کس طرح پہنچتی ہے؟ اور پھر واپسی کا راستہ کس طرح تلاش کرتی ہے ایسے سوالات ہیں جن کا آج تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل سکا۔ گوکہ اس سلسلے میں کئی مفروضے سامنے آئے ہیں لیکن حتمی جواب کی آج بھی تلاش ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے جو سامن مچھلیوں کو ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے ایک انجانی جگہ پر لوٹنے پر مجبور کرتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کا اور تمام جانداروں کا ایک حاکم موجود ہے جس کی مرضی سے یہ کام انجام پارہے ہیں۔ وہ حاکم پوری کائنات کا مالک اللہ ہے۔

کوآلا بھالو - آسٹریلیا کا مخصوص کیسہ دار جانور:ے

ےوکلپٹس کے پتوں میں موجود تیل کئی ممالیہ جانوروں کے لئے زہریلا ہوتا ہے ۔یہ زہر ےوکلپٹس کے درخت کا اپنے دشمنوں کے خلاف دفاع کا کیمیائی طریقہ ہے۔ لیکن ایک خاص جاندار ایسا بھی ہے جوکہ اس زہر کے باوجود صرف انہی پتوں پر گزارا کرتا ہے۔ یہ کوآلانامی کیسہ دار بھالو ہوتا ہے جوکہ نہ صرف ےوکلپٹس کے درختوں میں اپنا گھر بناتا ہے بلکہ ان کے پتوں کو کھاتا بھی ہے اور ان سے پانی بھی حاصل کرتا ہے۔ دوسرے ممالیہ جانوروں کی طرح کوآلا درختوں میں موجود سیلولوس (جوکہ ایک نشاستہ دار مادہ ہوتا ہے) کو ہضم نہیں کرسکتا۔ اسی لئے وہ سیلولوس کو ہضم کرنے کے لئے خردنامیہ جانداروں پر انحصار کرتا ہے۔ یہ جاندار زیادہ تر چھوٹی او ربڑی آنت کے ملاپ کے نقطے پر کثرت سے موجود ہوتے ہیں اور آنتوں کے نظام کے پچھلے سرے پر موجود کیسم نامی ایک غشائی تھیلی میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ کیسم کوآلا بھالو کے نظام انہضام کا سب سے دلچسپ حصہ ہوتا ہے۔ یہ ایک برانگیختی کمرا ہوتا ہے جہاں پر وہ جرثومے تیار ہوتے ہیں جوکہ سیلولوس کو ہضم کرتے ہیں ۔اس عمل کے ذریعے کوآلا بھالوےوکلپٹس کے پتوں میں موجود

پرندوں کے پروں میں نقشہ

ظاہری معائنے پر پرندوں کے پروں میں کوئی نمایاں اوصاف نظر نہیں آتے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پر جوکہ نہ صرف ہلکے، مضبوط اور ناقابل نفوذ ہوتے ہیں، نہایت پیچیدہ ساخت کے حامل اعضاءہیں-پرندوں کی اڑان کے لئے ان کا ہلکا ہونا بہت ضروری ہے- اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے پروں کے اندر قراتےن لحمیات بکثرت موجود ہوتے ہیں- پر کے ڈنڈے کے دونوں طرف ۰۰۴ شاخیں موجود ہوتی ہیں جن میں مزید ۰۰۸ کنڈے ہوتے ہیں- ان ۰۰۸ کنڈوں کے سروں پر ۰۲ چھوٹے چھوٹے باریک ریشے ہوتے ہیں جوکہ ۰۰۸ متوازی کنڈوں کو کپڑے پر موجود زپ کی طرح جوڑے رکھتے ہیں کسی ایک پرندے میں ۰۰۷ کروڑ باریک ریشے ہوتے ہیں-

پر میں موجود شاخوں اور کنڈوں کی پیچیدہ ساخت ایک بہت اہم کام انجام دیتی ہے- پروں کا آپس میں قریب اور مضبوطی سے جڑے رہنا بہت ضروری ہے تاکہ پرندے کی اڑان کے دوران یہ پر الگ الگ ہوکر یا کناروں سے گھس کر اڑان کے دوران ناکارہ نہ ہوجائیں- اس میکانیکی عمل کی وجہ سے پر اس مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں کہ نہ تو تیز ہوا ، نہ بارش ان کے درمیان خلاءپیدا کرکے ان کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتی ہے -نیچے کے پر بازؤں اور دم کے پروں سے مختلف ہوتے ہیں- دم کے نسبتاً بڑے پر سمت کا تعین کرنے والے عمودی پتوار اور رفتار کو روکنے والے میکانیکی نظام کا کام انجام دیتے ہیں- بازوؤں کے پر سطح کا رقبہ بڑھادیتے ہیں اور اڑان میں مددگار ثابت ہوتے ہیں-

کائنات کو زندگی کے لائق بنانے میں نباتات ایک بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں- ہوا کو صاف رکھنے کے علاوہ وہ زمین کے درجۂ حرارت کو معتدل رکھتے ہیں اور ہوا میں دیگر دوسری گیسوں کے تناسب میں توازن قائم رکھتے ہیں- ہوا میں موجود آکسیجن بھی نباتات کی پیدا کردہ ہے- زمین پر کھانے پینے کا ایک بڑا حصہ بھی نباتات ہی فراہم کرتے ہیں- پودوں کی افزائشی طاقت ان کے خلیوں میں موجود مخصوص نقشوں کی مرہونِ منت ہے- اس نقشے کے تحت ان کے اندر اور بھی کئی خصوصیات پائی جاتی ہیں-

انسانی اور حیوانی خلیوں کے برعکس پودوں کے خلئے سورج کی روشنی کا براہِ راست فائدہ اٹھاتے ہیں- وہ سورج کی روشنی کی قوت کو کیمیائی قوت میں تبدیل کرکے اپنے اندر مخصوص طریقے سے جمع کرلیتے ہیں- یہ عمل نوری تالیف کا عمل کہلاتا ہے- دراصل یہ عمل خلیہ نہیں بلکہ کلوروپلاسٹ نامی جرثوموں کے ہاتھوں انجام پاتا ہے- پودوں کا ہرارنگ بھی انہیں جرثوموں کی بدولت ہوتا ہے- یہ ہرے جرثومے صرف خوردبین کے ذریعے دیکھے جاسکتے ہیں او ریہ دنیا کی واحد ایسی تجربہ گاہےں ہیں جن میں سورج کی توانائی کو مربوط مادے کی شکل میں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے- نباتات کے ذریعے زمین پر پیدا کئے جانے والے مادے کی مقدار ۲۰۰ کروڑ ٹن فی سال ہے- یہ مادہ دنیا میں موجود تمام جانداروں کی زندگی کے لئے ناگزیر ہے- یہ مادہ ایک انتہائی پیچیدہ کیمیائی عمل سے وجود میں آتا ہے- کلوروپلاسٹ کے اندر موجود ہزاروں کلوروفل کے رنگ روشنی پڑنے پر بیحد تیز رفتاری سے کیمیائی ردِ عمل کا شکار ہوتے ہیں- یہ تیز رفتاری ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے پر مشتمل ہوتی ہے- یہی وجہ ہے کہ کلوروفل میں پیدا ہونے والے کئی دوسری کیمیائی عملیات کا آج تک تعین نہیں کیا جاسکا ہے-

سورج کی شعاعوں کو برقی اور کیمیائی قوت میں بدلنے کا عمل ایک حالیہ سائنسی دریافت ہے جس کے لئے جدید طرز کے تکنیکی آلات کا استعمال کیا جاتا ہے- لیکن ایک انتہائی چھوٹا، آنکھ سے اوجھل پودے کا خلیہ یہی کام لاکھوں سالوں سے بغیر کسی مسئلے یا رکاوٹ کے کئے چلا جارہا ہے- نوری تالیف کا یہ مکمل نظام تخلیق کا واضح ثبوت ہے- س نظام کو صرف اور صرف اللہ نے اپنی مرضی سے تخلیق کیا ہے اور یہ کسی اتفاق کا نتیجہ ہرگز نہیں‌ہے- پتوں کے ایک ایک خلئے میں ایک ناقابل فہم طور پر بہترین کارخانہ موجود ہے -یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا نشان ہے جوکہ تمام کائنات کو پالنے والا ہے-

پودوں کی خردبینی کارخانوں میں معجزاتی تقلیب عمل میں آتی ہے-
سورج کی توانائی سے پودے نوری تالیف انجام دیتے ہیں جوکہ نہ صرف جانوروں‌بلکہ انسانوں کی بھی توانائی کی ضرورےات کو پورا کرتی ہے-

کھلا ہوا بھنگے حشرے کھانے ولا پودا امریکی گرگٹ کا شمار ان نایاب جانوروں میں ہوتا ہے بند پودا جوکہ پانی اور ہوا میں توازن قائم کرتے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔

زہر کے اثرات کی تدیل کرلیتا ہے۔"[۷۸۱]

ایک ہی جگہ رہ کر شکار کرنے کی صلاحیت

شمالی افریقہ کا بھنگے حشرے کھانے والا پودا اپنے لیس دار بالوں میں کیڑے مکوڑوں کو قید کرلیتا ہے۔ اس پودے کے پتے لمبے لال بالوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان بالوں کے سروں پر موجود سیال میں ایک خاص قسم کی مہک ہوتی ہے جوکہ کیڑے مکوڑوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔ اس سیال کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ بیحد چپچپا ہوتا ہے۔ اس مہک کی طرف آنے والا کیڑا یا حشرہ ان بالوں میں چپک کر رہ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پورا پتہ بند ہوکر اس کیڑے کو ڈھک لیتا ہے جوکہ پہلے ہی ان بالوں میں قید ہوچکا ہوتا ہے۔ پودا اس کو ہضم کرکے اس میں اپنی ضرورت کے لحمیات کو چوس لیتا ہے۔[۸۸۱] کسی پودے کے اندر ایسی خاصیت کا موجود ہونا کہ وہ اپنی جگہ سے ہلے جلے بغیر اپنی غذا کا مکمل اہتمام کرے بلاشبہ ایک خاص نقشے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس پودے کی اتنی مخصوص شکار کرنے کی صلاحیت کاا س کی اپنی مرضی اور منشاءسے اتفاقاً پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔اس صلاحیت کے پیچھے ایک زبردست خالق کا ہاتھ ہے اور اس بات کی سچائی کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔

باسیلسک یا کوئی چھوٹا مریکی گرگٹ: پانی کے اوپر چلنے کا ماہر

بہت کم جاندار ایسے ہوتے ہیں جوکہ پانی کی سطح پر چل سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک باسیلسک کے نام سے جانا جاتا ہے اور وسطی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے پچھلے پیروں کے انگوٹھوں کے دونوں طرف پانی کو ڈھکیلنے کے لئے مخصوص اعضاءہوتے ہیں جوکہ صرف پانی میں کھلتے ہیں اور زمین پر چلنے کے دوران اوپر کو اٹھ جاتے ہیں۔ جب اس جانور کو خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ جھیل یا دریا کی سطح پر بہت تیزی سے دوڑنے لگتا ہے اور اس کے پیروں کے یہ مخصوص اعضاءکھل کر پانی پر دوڑنے کی سطح میں اضافہ کردیتے ہیں۔[۹۸۱]باسیلسک اللہ تعالیٰ کی شاندار تخلیق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

نوری تالیف

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ

سترہواں باب

مادے سے بھی آگے کا راز

جو لوگ اپنے ماحول کے بارے میں حکمت اور ضمیر کے تقاضوں کے مطابق غور و فکر کرتے ہیں ان کو اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات کی تمام جاندار اور غیر جاندار چیزیں صرف تخلیق کا ہی نتیجہ ہیں- تو پھر سوال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کا خالق کون ہے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر تخلیق اپنے آپ کو کائنات کی ہرچیز کے ذریعے باور کرواتی ہے تو پھر یہ بذاتِ خود کائنات کا حصہ یا کائنات کی بنائی ہوئی چیز نہیں ہوسکتی- مثال کے طور پر کسی کیڑے مکوڑے نے خود اپنے آپ کو نہیں بنایا نہ ہی نظام شمسی نے اپنی تخلیق آپ کرکے تمام چاند ستاروں کے نظام کو ترتیب دیا ہے- اسی طرح نباتات، انسان، جرثومے، لال خون کے خَلئے اور تتلیوں نے بھی خود اپنے آپ کو نہیں بنالیا- جس طرح اس کتاب مےں واضح کیا گیا ہے کہ ان تمام چیزوں کا اتفاق سے وجود میں آنا ایک انتہائی ناقابل فہم بات ہے- اسی لئے مندرجہ ذیل خلاصہ نکالا گیا ہے کہ جو کچھ بھی دنیامیں نظر آتا ہے وہ تخلیق کیا گیا ہے- لیکن نظر آنے والی کوئی بھی چیز یہ تخلیق کار نہیں ہے- ان چیزوں کا تخلیق کار ان تمام چیزوں سے مختلف اور برتر ہے- وہ ایک ایسی عظیم الشان قوت ہے جو کہ آنکھ سے اوجھل ہے لیکن اس کے وجود کا ثبوت اور اوصاف اس کی تخلیق کی ہوئی ہر چیز میں نمایاں ہےں- وہ تخلیق کار اﷲ ہے-

حےرت انگےز طور پر یہی وہ نقطہ ہے جس پر آکر اﷲ کے وجود سے منکر لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں- ان کی سوچ کو اس طرح ڈھال دیا گیا ہوتا ہے کہ وہ اﷲ کی ذات کا اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ نہ لیں- ان کی گمراہ سوچ ان کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ وہ تمام کائنات میں موجود اﷲ تعالیٰ کے وجود کی سچائی کا اعتراف کریں یا اس بات کا برملا اظہار کرسکیں کہ زمین اور آسمان میں موجود ہر چیز ایک اعلیٰ تخلیق کار کے سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ ہے- ان تمام حقائق کی نفی کرنے کی خاطر وہ لوگ جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں- جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ نظریۂ ارتقاءاس جھوٹ اور اس جھوٹ کو عملی جامہ پہنانے کی جان توڑ کوششوں کا سب سے بڑا ذریعہ ہے-

اﷲ تعالیٰ کی ذات سے انکار کرنے کی غلطی کا ارتکاز کئی دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں جوکہ مکمل طور پر اﷲ کی ذات سے منکر تو نہیں ہوتے پر ان کے اﷲ کے بارے میں عمومی مشاہدات غلط ہوتے ہیں- یہ لوگ معاشرے کا ایک بڑا حصہ ہوتے ہیں جوکہ تخلیق سے انکار نہیں کرتے لیکن خدا کے بارے میں توہماتی عقائد رکھتے ہیں-مثلاً خدا کے اوپر ان کے یقین کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ آسمان میں رہتا ہے- ان کے تصور میں خدا کسی دور سیارے پر رہتا ہے اور صرف یاتو وقتاً فوقتاً دنیاوی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے، یا پھر بالکل ہی نہیں کرتا- اس نے کائنات کو تخلیق کیا اور پھر اس کو اس کے حال پر چھوڑدیا- انسانوں کو اس نے اپنی اپنی تقدیر اور معاملات کا مختار کل نائب کردیا-

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ قرآن کے مطابق اس بات پر تو یقین رکھتے ہیں کہ خدا "ہر جگہ" موجود ہے لیکن وہ اس بات کے اصل مفہوم سے ناواقف ہیں- توہم کی بنیاد پر ان کی سوچ صرف اس حد تک جاتی ہے کہ خدا ان کے اطراف ریڈیو کی صوتی لہروں یا آنکھ اوجھل کیمیائی گیس کی طرح موجود ہے- وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ خدا کی ذات ان چھوٹی چھوٹی چیزوں تک محدد نہیں ہے- یہ تمام تصورات جوکہ خدا کی موجودگی کو ثابت نہیں کرسکتے دراصل ایک مشترک غلطی کے سبب پیدا ہوتے ہیں- ےہ غلطی ایک بے بنیاد تعصب ہے جوکہ ان کو خدا کے بارے میں غلط رائے قائم کرنے اور اس پر سختی سے جمے رہنے پر مجبور رکھتا ہے-

تعصب کیا ہے؟ تعصب کا تعلق مادّے کی نوعیت اور موجودگی سے ہے- بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھادیا گیا ہے کہ وہ مادی کائنات جو کہ آنکھ کو نظر آتی ہے وہی سچی حقیقت ہے- اس تصور کو جدید سائنس زمین بوس کردیتی ہے اور ایک اہم اور رعب دار سچائی پر سے پردہ اٹھاتی ہے- آنے والے صفحات میں قرآن کے اندر موجود اس زبردست سچائی کی وضاحت کی جائے گی-

خطرہ!

آگے آنے والا باب زندگی کا اہم راز افشاءکرتا ہے- اس کو دھیان سے پڑھنا ضروری ہے کیونکہ اس کا موضوع ظاہری زندگی کے متعلق نظریئے میں بنیادی تبدیلی لانے کی وجہ بن سکتا ہے- اس باب کا موضوع محض ایک نقطۂ نظر، ایک مختلف تجویز یا ایک روایتی فلسفی سوچ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ہر ایمان والے یا بغیر ایمان والے کے لئے بھی اعتراف لازم ہے اور جس کی سچائی کو جدید سائنس نے مکمل طور پر ثابت کردیا ہے-

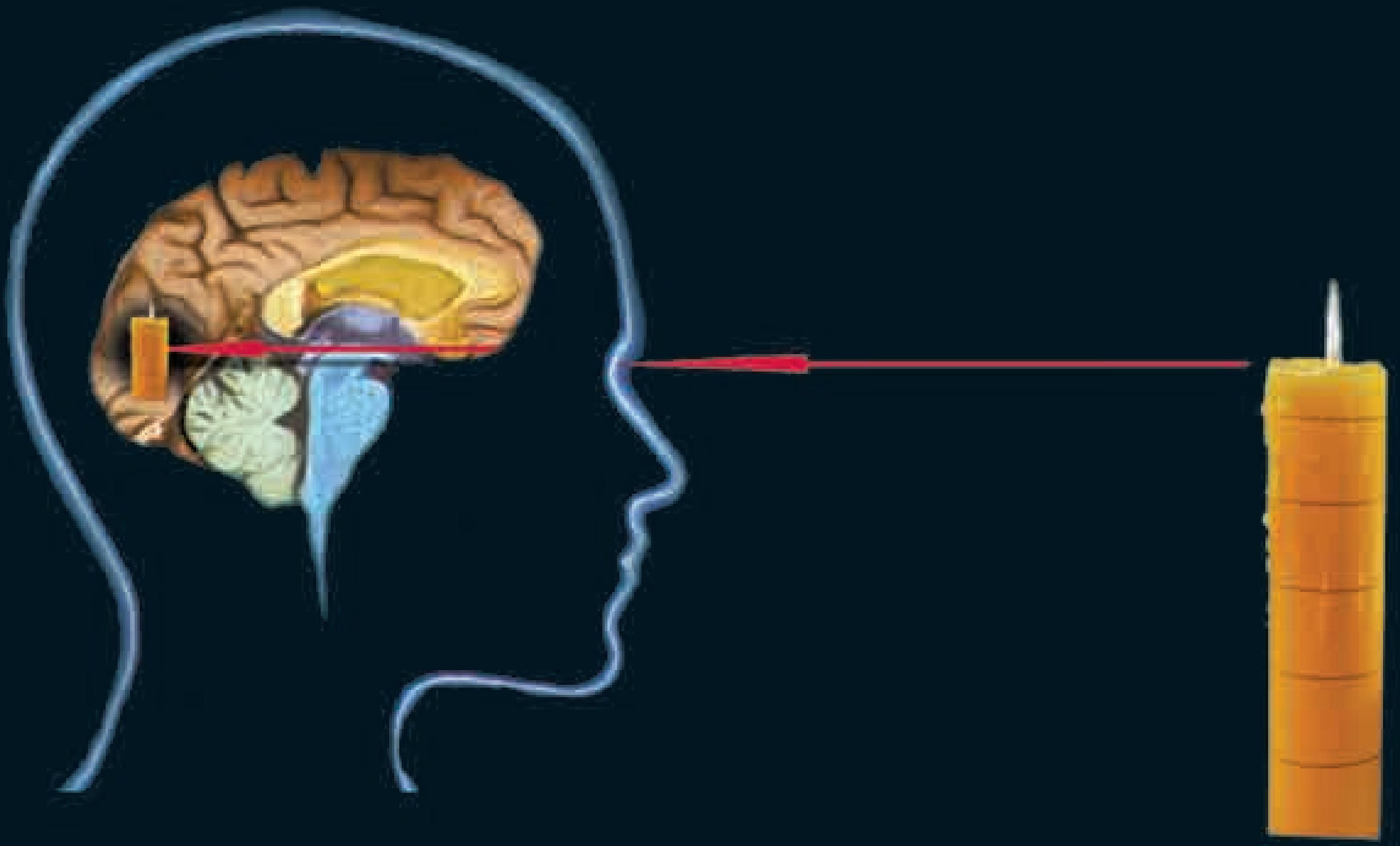

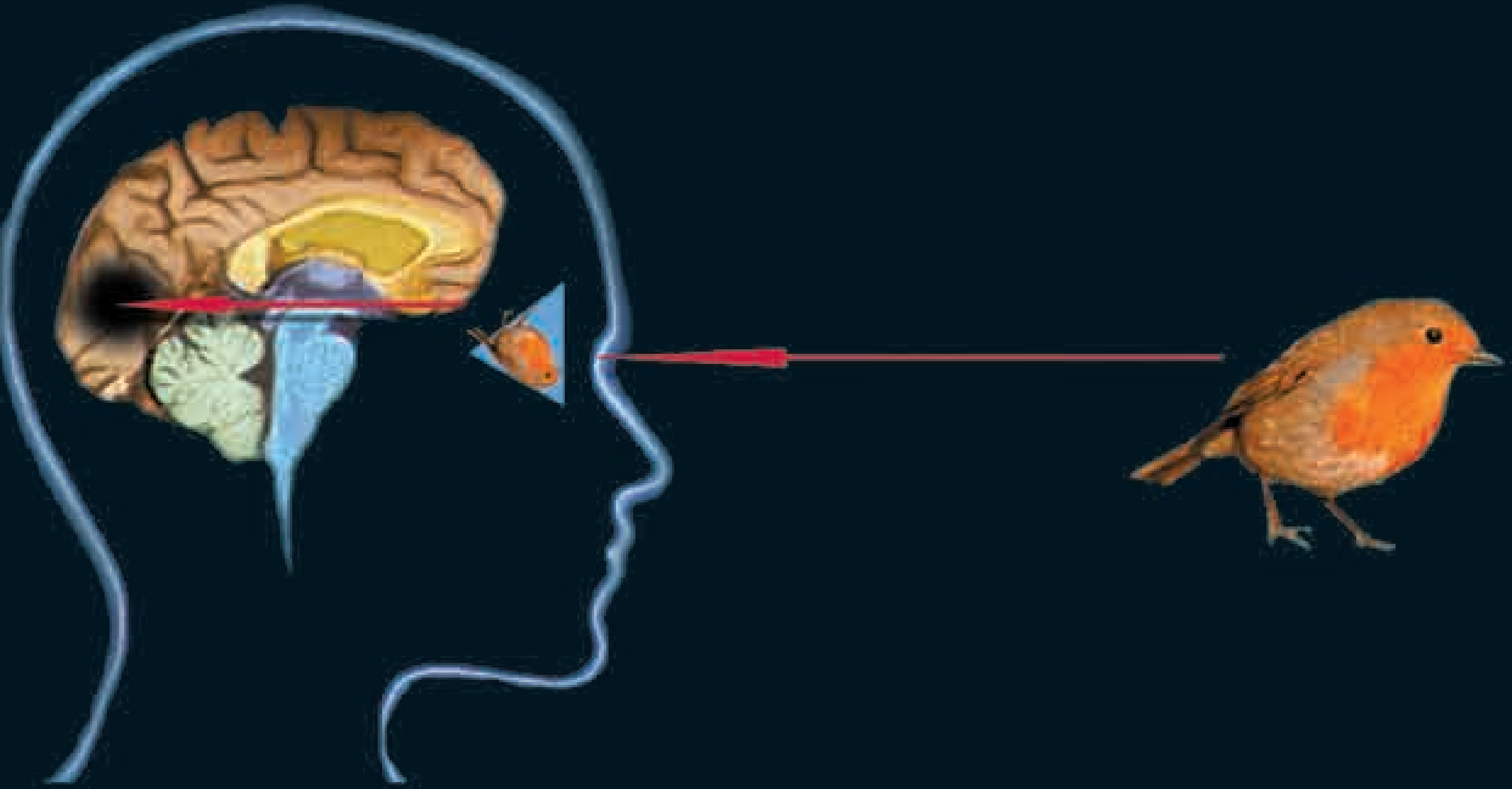

کسی بھی شے سے نکلنے والے روشنیوں کے بنڈل آنکھ کی پتلی پر اوندھے گرتے ہیں- یہاں سے یہ خاکہ برقی اشاروں میں تبدیل ہوکر دماغ کے پچھلے حصے میں موجود بینائی کے مرکز تک پہنچتا ہے- چونکہ دماغ مکمل طور پر بیرونی روشنی سے محفوظ ہوتا ہے اسی لئے کسی بھی طرح کی روشنی کا بینائی کے اس مرکز تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے- یعنی کہ انسان روشنی بھری دنیا کا نظارہ صرف اس چھوٹے سے بینائی کے مرکز کے ذریعے ہی کرسکتا ہے جو بذاتِ خود کسی بھی قسم کی روشنی سے محفوظ ہے-

برقی اشاروں کی دنیا

دنیا کے بارے میں انسانوں کے پاس جتنی بھی معلومات ہیں وہ ان تک ان کی پانچ حسیات پہنچاتی ہیں- دنیا آنکھوں سے دیکھی، ہاتھوں سے محسوس کی، ناک سے سونگھی، زبان سے چکھی اور کانوں سے سنے حالات کا نام ہے- یہ تصور بہت مشکل ہے کہ بیرونی دنیا ان تمام چیزوں کے علاوہ بھی کسی چیز کا نام ہوسکتا ہے کیونکہ پیدائش کے پہلے دن سے ہی انسان ان حسیات پر مکمل طور پر انحصار کرتا ہے- لیکن آج سائنس کے مختلف شعبوں مےں جدید تحقیق بیرونی دنیا کے بارے میں پرانے تصورات کو شک میں ڈال رہی ہے-دنیا کو یہ صرف حسیات سے محسوس کی جانے والی شے سے کہیں بڑھ کر کوئی چیز ثابت کررہی ہے-اس نئی تحقیق اور سمجھ کا مرکز یہ بات ہے کہ انسانی مشاہدہ دماغ میں پیدا ہونے والے برقی اشارات کا جواب ہے- سیب کا لال رنگ، لکڑی کی سختی، ماں، باپ، خاندان، گھر، نوکری حتیٰ کہ اس کتاب کے صفحے بھی انہیں برقی اشاروں پر مشتمل ہیں- اس موضوع پر جرمنی کے مرحوم حیاتیاتی کیمیادان فریڈیرک وسٹر سائنس کے نقطۂ نظر کو بیان کرتا ہے:

"کچھ سائنسدانوں کے یہ بیانات کہ انسان محض ایک شبیہ ہے، ہر واقعہ جس سے گزراجاتا ہے وہ عارضی اور ایک فریب ہوتا ہے اور کائنات صرف ایک سایہ ہے، جدید سائنس کی رو سے ثابت ہوچکے ہیں-"۰۹۱

اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرنے کی خاطر دنیا کے بارے میں تمام معلومات فراہم کرتی ہوئی انسان کی پانچوں حسیات کا تفصیلی جائزہ لےنا ضروری ہے-

انسان کس طرح دیکھتا، سنتا اور چکھتا ہے

بصارت کا عمل بتدریج سلسلوں پر مشتمل ہے- کسی بھی شے سے نکلنے والی روشنی آنکھ کے سامنے موجود عدسے سے گزرتی ہے جہاں پر یہ شبیہ منعطف ہوکر آنکھ کے پچھلے حصے پر موجود پتلی پر الٹی ہوکر پڑتی ہے- یہاں سے بصارتی احساس برقی اشاروں میں تبدیل ہوجاتا ہے اور نیورون یا عصبی خلیوں کی مدد سے دماغ کے پچھلے سرے پر موجود بصارتی مرکز نامی چھوٹے سے مقام پر پہنچ جاتا ہے- گوکہ یہ عمل اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے لیکن جب بھی انسان یہ کہتا ہے کہ 'مجھے نظر آرہا ہے ' وہ دراصل ان مشاہدوں کے متعلق بات کررہا ہوتا ہے جوکہ اس کی آنکھ محسوس کرتی ہے، برقی کے اشاروں میںتبدیل کرتی ہے اور پھر دماغ کے اندر بھیج دیتی ہے- اسی لئے جب کوئی کہتا ہے کہ ' مجھے نظر آرہا ہے ' وہ دراصل اپنے دماغ میں موجود برقی اشاروں کو دیکھ رہا ہوتا ہے-

انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی چیزیں دیکھتا ہے وہ اس کی بصارت کے مرکز میں تشکیل پاتی ہیں- یہ مرکز دماغ کے اندر صرف چند مکعب سینٹی میٹر کی جگہ لیتا ہے- چاہے وہ کتاب ہو یا کھڑکی سے باہر کا تمام نظارہ، یہ دونوں چیزیں بھی اسی مرکز میں تشکیل پاتی ہیں-

جیسے کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ دماغ مکمل طور پر روشنی سے محفوظ ہے- کھوپڑی کے اندر گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور دماغ کا روشنی کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہیں پڑتا- اس دلچسپ متناقض قول کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جاسکتا ہے- فرض کرتے ہیں کہ کسی کے سامنے ایک جلتی ہوئی شمع رکھ دی جائے اور اس شمع کے سامنے بیٹھ کر اسے بہت دیر تک جلتے ہوئے دیکھا جائے- اس تمام عرصے میں دماغ کو اس شمع کی اصل روشنی سے کسی قسم کا واسطہ نہیں پڑتا -گوکہ اس شمع کی روشنی کا مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی دماغ کا اندرونی حصہ مکمل طور پر تاریک رہتا ہے- یعنی کہ تمام انسان اپنے گھپ تاریک دماغ کے اندر ایک بے انتہا روشن اور رنگین دنیا دیکھتے رہتے ہیں-

آر-ایل-گریگوری بصارت کی اس معجزاتی قوت کے بارے میں بات کرتا ہے جس کو انسان عمومیت اور مانوسیت کے سبب خاطر میں نہیں لاتا:

"ہم لوگ دیکھنے کے اس قدر عادی ہوچکے ہیں کہ اس بات کا اندازہ بہت مشکل سے لگا پاتے ہےں کہ اس تمام معاملے میں کئی مسلوں کا دخل ہے- لیکن ذرا سوچئے، ہماری آنکھ کو چھوٹی چھوٹی مڑی تڑی الٹی تصویریں ملتی ہیں لیکن ہم ان کو اپنے ہر طرف الگ الگ چیزوں کی شکل میں دیکھتے ہیں- پتلی کے اوپر حسیات سے نقش ہوئے خاکوں کے ذریعے ہم چیزوں سے بھری ہوئی ایک مکمل دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں- یہ ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟"۱۹۱

یہی اصول دوسری تمام حسیات پر بھی لاگو ہوتا ہے- سننے، محسوس کرنے، چکھنے اور سونگھنے کے تمام عمل دماغ میں پہلے برقی اشاروں کی صورت مےں پہنچتے ہیں اور پھر دماغ اپنے اپنے مخصوص مرکزوں کے ذریعے ان کا مشاہدہ کرتاہے- قوت سماعت بھی اسی طرح عمل پیرا ہوتی ہے- کان کے بیرونی حصے پر موجود عضلاتی تھیلی آوازوں کو اٹھاکر کان کے بیچ میں بھیجتی ہے جہاں سے ان آوازوں کی گونج بڑھ کر کان کے اندرونی حصے میں پہنچتی ہے- کان کا یہ اندرونی حصہ آوازوں کی گونج یا اہتزاز کو برقی اشاروں میں تبدیل کرکے دماغ میں بھیج دیتا ہے- جس طرح دماغ میں قوت بصارت کا مخصوص مرکز ہوتا ہے اسی طرح قوتِ سماعت کا بھی مخصوص مرکز ہوتا ہے- روشنی کی طرح دماغ آوازوں سے بھی مکمل طور پر محفوظ ہوتا ہے- اسی لئے باہر چاہے جتنا بھی شور موجود ہو- دماغ کے اندر بالکل سناٹا ہوتا ہے- اس کے باوجود دماغ آوازوں کا بالکل درست مشاہدہ کرتا ہے جس کے ذریعے ایک صحت مند آدمی کے کان ماحول کی دوسری آوازوں کی مداخلت کے بغیر ہر چیز صاف طور پر سن سکتے ہیں-

دماغ کا آوازوں سے مکمل طور پر محفوظ ہونے کے باوجود جب کسی کمرے میں موجود کسی اور کی آواز کو سناجارہا ہوتا

دماغ تک زبان سے کوئی برقی اشارے نہیں پہنچ سکےں گے اور چکھنے کی قوت ہمیشہ کے لئے کھوجائے گی-

اس موقع پر ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے -جو کھانا کسی ایک آدمی کو اچھا لگتا ہے وہ ضروری نہیں کہ دوسرے کو بھی اچھا لگے یا جو آواز کسی ایک انسان کے کانوں کو بھلی لگے وہ کسی اور کو بھی پسند ہو- اسی موضوع پر سائنسی مصنف لنکن بارنٹ لکھتا ہے "کبھی کسی کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس کا لال رنگ یا کسی آواز کے بارے میں احساس کسی دوسرے شخص کے انہیں چیزوں کے بارے میں احساس سے مشابہ ہے ےا نہےں-"۲۹۱

قوت لامسہ بھی انہی اصولوں کے تحت کام کرتی ہے- جب کسی چیز کو چھوا جاتا ہے تو اس کو پہنچاننے کے لئے تمام معلومات کھال پر موجود حساس عصبات کے ذریعے دماغ تک پہنچ جاتی ہیں- چھونے کا احساس دماغ میں تشکیل پاتا ہے- روایتی حکمت کے برعکس چھونے کا احساس انگلیوں یا کھال پر پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کا براہِ راست تعلق دماغ کے لمسی مرکز سے ہوتا ہے- دماغ کو کھال سے موصول ہونے والی برقی اکساہٹ کے نتیجے میں مختلف اشیاءکی سختی، نرمی، گرمی اور ٹھنڈ محسوس ہوتی ہے- یہ برقی اکساہٹ دماغ کو وہ تمام تفصیلات مہیا کرتی ہے جس سے کسی بھی شے کو پہنچاننا ممکن ہوجاتا ہے- اس اہم حقیقت کے بارے میں دو مشہور فلسفہ دان بی- رسل اور ایل- وٹگنسٹائن اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"مثال کے طور پر لیموں کے موجود ہونے یا نہیں ہونے اور اس کی ابتداءسے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس معاملے کی کوئی تحقیق ممکن ہے- لیموں محض زبان کا ایک مزا، ناک کی ایک خوشبو اور آنکھ سے محسوس کیا گیا رنگ اور ساخت ہے- صرف اس کی یہی خصوصیات امتحان اور تشخیص کے قابل ہیں- سائنس طبیعیات کو کبھی جان نہیں سکتی-"۳۹۱

انسان کا اپنے دماغ سے باہر موجود طبیعیاتی دنیا تک پہنچنا ناممکن ہے -وہ تمام اشیاءجن کے ساتھ اس کا رابطہ رہتا ہے وہ محض سماعت، بصارت اور احساس کے مشاہدوں کا مجموعہ ہیں- پوری زندگی کے دوران دماغ کا واسطہ کبھی بھی کسی مادے کے اصل سے نہیں بلکہ حسیات کے مرکزوں کا اس مواد پر کارروائی کی صورت میں دماغ کے اندر پیدا ہونے والے نقل سے پڑتا ہے- اس نقطے پر انسانی دماغ دھوکے سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ نقل ہی دراصل بیرونی دنیا میں موجود اصل مادہ ہے-

اندرونی دماغ' کی بیرونی دنیا

ان تمام طبیعیاتی حقائق کے نتیجے میں یہ ناقابل تردید خلاصہ سامنے آتا ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کو دیکھا، سنا اور محسوس کیا جاتا ہے اور جس کو انسانی ذہن "دنیا" "مادہ" یا "کائنات" تصور کرتا ہے وہ دراصل دماغ کے ذریعے ترجمانی کئے گئے برقی اشارات ہیں- انسان کبھی بھی دماغ سے باہر موجود مادے کے "اصل" تک پہنچ نہیں سکتا- وہ صرف باہر کی دنیا کا وہی خاکہ چکھ، سن اور دیکھ سکتا ہے جوکہ دماغ کے اندر تشکیل پاتا ہے-

سیب کو کھاتے ہوئے ایک شخص کا سامنا اصل پھل سے نہیں بلکہ دماغ میں پیدا ہونے والے اس پھل کے بارے میں مشاہدوں سے ہوتا ہے- وہ جس چیز کو سیب سمجھ رہا ہوتا ہے وہ برقی معلومات پر مبنی اس کے دماغ کا اس پھل کی ساخت، مزا، خوشبو اور کیفیت کے بارے میں مشاہدہ ہوتا ہے- اگر اس کے دماغ میں جاتے بصارت کے عصبوں کو اچانک کاٹ دیا جائے تو وہ سیب اس کے سامنے سے فوراً غائب ہوجائے گا- اسی طرح سونگھنے کی حس کے عصبوں کو اگر کاٹ دیا جائے تو قوت شامہ بھی اسی وقت ختم ہوجائے گی- خلاصہ یہ کہ یہ سیب دماغ کے برقی مشاہدوں کی ترجمانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں-

فاصلے جانچنے کی حس کا بھی اسی طرح تجزیہ کیا جاسکتا ہے- کسی شخص کے اور اس صفحے کے درمیان موجود خلا صرف دماغ میں موجود خالی پن کا ایک احساس ہے- دور نظر آنے والی اشیاءدماغ کے اندر بھی موجود ہیں- مثال کے طور پر رات کے وقت دکھنے والے ستاروں کو کئی نوری سال کے فاصلے پر تصور کیا جاتا ہے لیکن حقےقت مےں یہ ستارے انسانی دماغ مےں اس کی بصارت کے مرکز کے اندر موجود ہوتے ہیں- جب ان سطروں کو پڑھا جاتا ہے تو ان کو پڑھنے والا شخص اپنے خیال کے برعکس اس کمرے میں موجود نہیں ہے بلکہ کمرہ اس کے اندر وجود ہے- جسم کے متعلق مشاہدہ یہ خیال پیش کرتا ہے کہ ہم جسم کے اندر ہیں جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جسم بھی دماغ کے اندر بننے والے خاکوں کا مجموعہ ہے- یہی اصول دوسرے تمام مشاہدوں پر بھی لاگو ہوتا ہے- دوسرے کمرے سے آنے والی آوازیں دراصل دوسرے کمرے سے نہیں بلکہ دماغ کے اندر محسوس کی جارہی ہوتی ہیں- کئی میٹر دور سے آنے والی آوازیں اور بالکل ساتھ بیٹھے شخص کی آوازیں دونوں دماغ کے سماعت کے مرکز میں محسوس کی جاتی ہیں جس کی پیمائش فقط چند مکعب سینٹی میٹر ہوتی ہے- مشاہدوں کے ان مخصوص مراکز کے علاوہ دائیں، بائیں، آگے یا پیچھے کے کسی تصور کا کوئی وجود نہےں ہے- یعنی کہ آواز آگے، پیچھے، دائیں یا بائیں یا اوپر سے نہیں آتی -ایسی کوئی "سمت" نہیں ہے جہاں سے آواز واقعی آتی ہو- اسی طرح کوئی بھی خوشبو جس کا مشاہدہ کیا جائے وہ کسی بھی خاص فاصلے سے نہیں آتی-یہ صرف ایک خیال ہے کہ قوتِ شامہ کے مرکز میں محسو س کی جانے والی بو باہر کی اشیاءکی ہے- کیونکہ جس طرح گلاب کا خاکہ قوتِ بصارت کے مرکز میں موجود ہوتا ہے اسی طرح ہر طرح کی بو بھی قوتِ شامہ کے مرکز میں موجود ہوتی ہے- باہر کی دنیا میں موجود گلاب کی اصل شکل یا خوشبو سے براہِ راست رابطہ ہو ہی نہیں سکتا-انسانوں کے لئے باہر کی دنیا صرف ان برقی اشاروں کا مجموعہ ہے جو کہ دماغ تک پہنچتے ہیں- دماغ ان اشاروں کی ترجمانی کرتا ہے اور انسان اپنی غلطی کا احساس کئے بغیر اسی خیال میں رہتا ہے کہ اس کا تعلق بیرونی دنیا میں موجود مادے کی اصل اور فطری رخ سے جڑا ہوا ہے- یہ ایک سراسر دھوکہ ہے کیونکہ اپنی حسیات کی وجہ سے انسان باہر کے مادے تک پہنچ ہی نہیں سکتا-

ہے تو نہ صرف وہ مخصوص آواز بلکہ وسیع رقبہ پر موجود کئی اور آوازیں بھی کان میں بخوبی پڑرہی ہوتی ہیں مثلاً کپڑوں کی سرسراہٹ، دروازوں کا کھلنا بند ہونا اور کسی ہوائی جہاز کے اڑنے کی آواز- اس موقع پر بھی اگر کسی بے انتہا حساس آلے کی مدد سے دماغ کے اندر کے شور کو ناپا جائے تو وہاں مکمل خاموشی ہوگی-

انسان کی سونگھنے کی حس بھی اسی طرح کام کرتی ہے- مثال کے طور پر خوشبوؤں یا پھولوں کی مہک میں موجود سیماب وش سالمے قوت شامہ کے نازک بالوں کے اندر موجود عصبی پیغامات پہنچانے والے عضو میں پہنچ کر برقی اشاروں میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور پھر دماغ ان کا الگ الگ خوشبوؤں کے طور پر مشاہدہ کرتا ہے- تمام پسندیدہ اور غیر پسندیدہ خوشبوؤں کا مشاہدہ مکمل طور پر دماغ کے اندر ہوتا ہے- سیماب وش سالمے بذات خود وہاں نہیں پہنچتے لیکن قوتِ سماعت اور بصارت کی طرح دماغ کے اس مخصوص مرکز تک بھی صرف برقی اشارے پہنچتے ہیں- دوسرے الفاظ میں ایک انسان کی پیدائش کے بعد وہ جتنے بھی کڑوڑوں احساسات سے گزرتا ہے جن کو وہ بیرونی اشیاءسے تشبیہ دیتا ہے، وہ محض اس کی حسیاتی اعضاءکے ذریعے ترجمانی کئے گئے برقی اشارے ہوتے ہیں-

زبان کے اگلے حصے پر چار مختلف طرح کے کیمیائی نوعیت کے عصبی پیغام دینے والے اعضاءموجود ہوتے ہیں جوکہ نمکین، میٹھا، کھٹا اور کڑوا مزا پیدا کرتے ہیں- کئی کیمیائی مرحلوں سے گزرنے کے بعد مزے کے یہ عصبی اعضاءان مشاہدوں کو برقی اشاروں میں تبدیل کردیتے ہیں اور دماغ تک پہنچادیتے ہیں جوکہ ان کو مخصوص مزے کی طرح پیش کردیتا ہے- مٹھائی یا پھل کھانے کا جو مزا ہے وہ دراصل دماغ کے ان برقی اشاروں کی ترجمانی کا نتیجہ ہے- انسان کی پہنچ باہر کی کسی شے تک نہیں ہے اور وہ کبھی مٹھائی کو دیکھ، سونگھ اور چکھ نہیں سکتا -مثلاً اگر زبان اور دماغ کے درمیان عصبوں کو کاٹ دیا جائے تو

کسی بھی شے کا تحرک برقی اشاروں میں تبدیل ہوکر دماغ کے اندر اثرات پیدا کرتا ہے-انسان کا "دیکھنا" دراصل دماغ کے اند ان برقی اشاروں کا مشاہدہ ہوتا ہے-

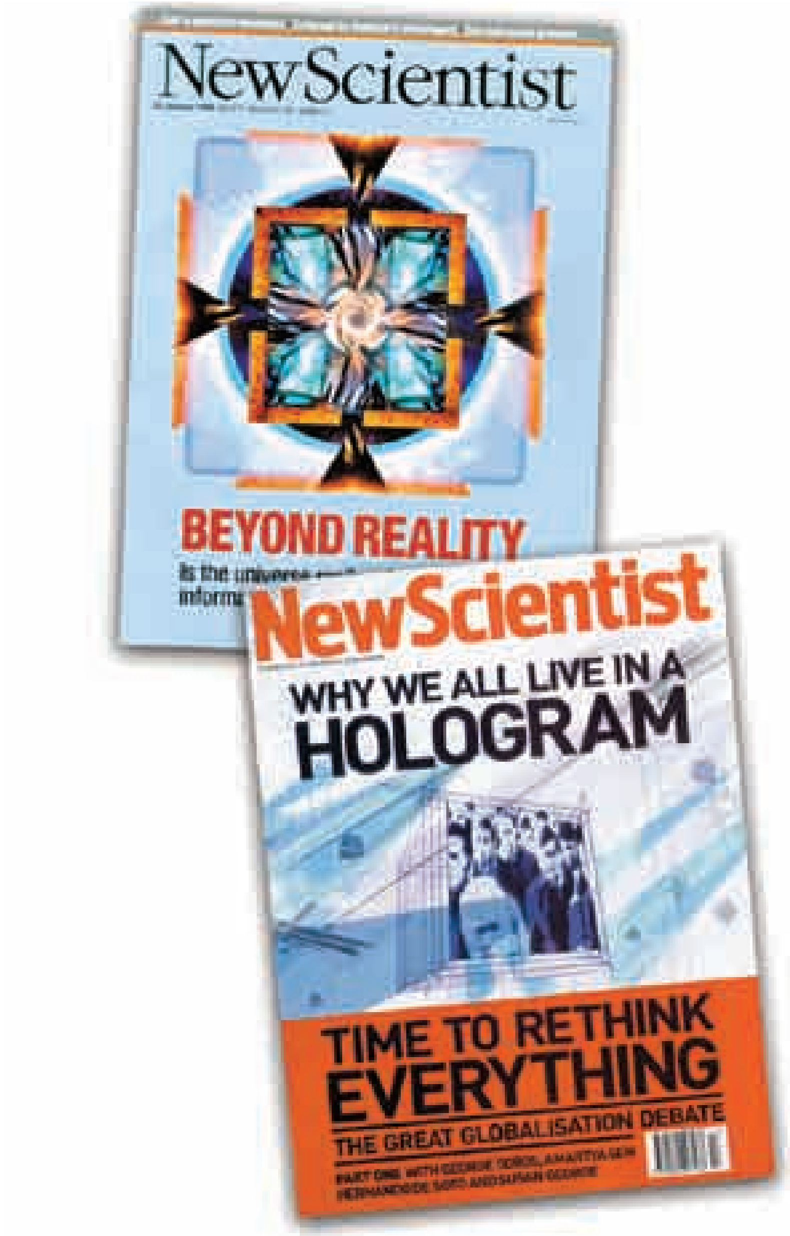

طبیعیات کی جدید تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ یہ تمام کائنات مشاہدات کا مجموعہ ہے۔ مندرجہ ذیل سوال مشہور امریکی سائنسی رسالے "نیوسائنٹسٹ" کی ۰۳ جنوری ۹۹۹۱ءکی اشاعت کے سرورق پر آیا تھا۔

"حقیقت سے بھی آگے: کیا کائنات بنیادی معلومات کا ایک مذاق اور مادہ صرف ایک سراب ہے۔؟"

اسی رسالے کے ۷۲ اپریل ۲۰۰۲ءکی اشاعت میں "کھوکھلی کائنات" کے عنوان سے چھپنے والے ایک مضمون میں آیا ہے:

"آپ نے ایک رسالہ پکڑا ہوا ہے۔ یہ آپ کو ٹھوس محسوس ہوتا ہے اور اس کا خلاءکے اندر آزاد اور بے نیاز وجود بھی نظر آتا ہے۔ آپ کے اطراف موجوددوسری اشیاءمثلاً کمپیوٹر، چائے کی پیالی وغیرہ پر بھی یہی باتیں صادق آتی ہیں۔ گو کہ یہ تمام چیزیں اصل اور موجود ہیں لیکن یہ سب کچھ ایک فریب ہے۔ یہ بظاہر ٹھوس اشیاءمحض عکس اندازی ہے جوکہ ہماری کائنات کی سرحدوں پر موجود دم بہ دم بدلتے نقوش سے ابھرتی ہے۔"

اس کی بنائی ہوئی جاندار چیزوں‌میں صرف اتنی ہی سمجھ اور علم موجود ہوسکتا ہے جتنی وہ اجازت دے۔ قرآن شریف میں سورۃ بقرہ میں واضح ہے کہ:

اللّٰہ ہے جس کے سواکوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کو قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کی پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمینےں اور اسے بھاری نہیں ان کی نگھبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا۔ (سورۃبقرہ، آیت ۵۵۲)

مصنوعی طور پر قائم کردہ بیرونی دنیا

انسان جس دنیا کو پہچانتے ہیں وہ ایک خاص طور پر بنائی گئی اور ریکارڈ کی گئی دنیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان صرف اپنے ذہن میں تعمیر کی گئی دنیا کو پہچانتا ہے۔ انسانی دماغ کے اندر دیکھے گئے مشاہدات کئی دفعہ مصنوعی ذرائع پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس بات کو ایک مثال سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

فرض کرلیتے ہیں کہ مصنوعی طریقوں سے دماغ انسانی جسم سے الگ ہوکر زندہ رہ سکتا ہو۔ اب ایک کمپیوٹر بھی سامنے رکھ لیتے ہیں جوکہ ہر طرح کے برقی اشارے پےدا کرسکتا ہو۔ اب کسی دئے گئے ماحول کی آوازوں، خوشبوؤں اور منظر کے متعلق مصنوعی طور پر برقی اشارے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اب بجلی کی تاروں کے ذریعے اس کمپیوٹر کو دماغ کی حسیات کے مرکز کے ساتھ جوڑ کر ان اشاروں کو دماغ کے اندر ارسال کیا جائے تو دماغ اس ماحول کو دیکھ اور محسوس کرسکے گا۔ یہ کمپیوٹر دماغ کے اندر برقی اشاروں کے ذریعے اس شخص کا خاکہ بھی ارسال کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک بڑے سے آفس میں کسی اہم عہدے دار کے کمرے میں موجود ہونے پر جو سننا، دیکھنا اور محسوس کرنا ممکن ہے وہ تمام اشارے اگر دماغ میں بھیجے جائیں تو وہ شخص یہی یقین کرے گا کہ وہ ایک بہت بڑے آفس کا اہم عہدیدار ہے۔ یہ تصوراتی دنیا اس وقت تک قائم رہے گی

انسانی دماغ ان اشاروں کی ترجمانی کرکے ان کو معنی دے دیتا ہے جن کو انسان بیرونی سمجھتارہتا ہے- یہاں قوت سماعت کی مثال لی جاتی ہے- انسانی دماغ کان کے اند رپہنچنے والی صوتی لہروں کی سنگیت میں بھی ترجمانی کرتا ہے- موسیقی بھی ذہن کے اندر پیدا ہونے والا ایک مشاہدہ ہے- اسی طرح آنکھ جب مختلف رنگوں کو دیکھتی ہے تو آنکھوں کے اندر روشنی کی مختلف طولِ موج پہنچتی ہے جن کو دماغ رنگوں میں بدل دیتا ہے- بیرونی دنیا میں کوئی رنگ نہیں ہے- نہ تو سیب لال ہے، نہ آسمان نیلا اور نہ درخت ہرے- ان کے رنگ صرف مشاہدوں کی وجہ سے رنگین ہیں- آنکھ کی پتلی میں ذرا سا بھی نقص رنگوندھا پن پیدا کردیتا ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگوں‌کو نیلا رنگ ہرا نظر آتا ہے، کچھ کو لال رنگ نیلا جبکہ کئی لوگ ہر رنگ کو خاکستری رنگ میں ہی دیکھتے ہیں- اس مقام پر اس بات کی غرض ختم ہوجاتی ہے کہ باہر کی اشیاءرنگین ہے یا نہیں- آئرلینڈ کا مشہور مفکر جورج برکلی اس نقطے پر رائے زنی کرتا ہے:

"پہلے یہ سوچا جاتا تھا کہ رنگ، خاکے، حرکت اور باقی تمام خصوصیات یا حادثات دماغ کے بغیر ہی وجود میں ہیں- لیکن اس بات کے ثابت ہوجانے سے کہ ان میں سے کوئی بھی چیز روح یا ذہن کے مشاہدوں کے علاوہ کسی قسم کا وجود نہیں رکھتی، ہمارے پاس مادے کی موجودگی کو درست سمجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے-"[۴۹۱]

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کو رنگ اس لئے نظر نہیں آتے کیونکہ اشیاءرنگین ہیں اور ان کا انسان سے الگ کوئی وجود ہے بلکہ وہ رنگین اس لئے ہیں کیونکہ دماغ ان کو رنگین بناکر پیش کرتا ہے-تو پھر انسان بیرونی دنیا کے بارے میں مکمل معلومات رکھنے کا دعویٰ کس بنیاد پر کرسکتا ہے؟

انسانیت کا محدود علم

اب تک بیان کئے گئے حقائق کا ضمنی مفہوم یہ ہے کہ دراصل بیرونی دنیا کے متعلق انسان کا علم بیحد محدود ہے- اس کا علم اس کی پانچ حسوں تک محدود ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ ان پانچ حسوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کا جو مشاہدہ کرتا ہے وہ "اصل" دنیا ہی ہے- اصل دنیا اس کے مشاہدے سے بہت مختلف بھی ہوسکتی ہے- اصل دنیا میں مزید گہرائی اور کئی اور ایسے وجود بھی ہوسکتے ہیں جن کا انسان کو علم نہیں ہے- اگر انسان کائنات کے آخری کونے تک بھی پہنچ جائے تب بھی اس کی سمجھ اور علم محدود ہی رہے گا- اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر جاندار اور غیر جاندار چیز کو تخلیق کیا ہے اور

انسان ساری عمر جو کچھ بھی دیکھتا ہے وہ تمام خاکے دماغ کے اندر بینائی کے مرکز کے اندر تخلیق ہوتے ہیں- اس مرکز کا رقبہ چند کعبی سینٹی میٹر ہوتا ہے- چاہے یہ کتاب ہو یا کھڑکی سے نظر آنے والا وسیع نظارہ، دونوں چیزیں اس چھوٹے سے خانے کے اندر سماجاتی ہیں- انسانی آنکھیں ان چیزوں کو ان کی اصل پیمائش کے حساب سے نہیں دیکھتیں بلکہ اسی پیمائش سے دیکھتی ہیں جس کا مشاہدہ دماغ کرتا ہے-

نقلی تحرک سے پیدا ہونے والی حقیقت

فی الواقع حقیقت کمپیوٹر کے اندر مختلف آلات کے ذریعے سہ ابعادی خاکوں کو زندگی سے قریب تر لاکر پیش کرنے کا عمل ہے- یہ "حقیقی دنیا" کے متحرک خاکے کئی شعبوں میں تربیت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں- فی الواقع حقیقت کا سب سے نمایاں وصف ان کو خاص آلات سے استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو یہ بھلا دینا ہے کہ یہ تصاویر اصل نہیں بلکہ صرف نقلی خاکے ہیں- اس لئے یہ مادی دنیا جوکہ حقیقت کے قریب ترین ہوتی ہے وہ لوگوں کے ذہنوں پر اصل دنیا کی طرح ہی اثر انداز کروائی جاسکتی ہے-اس نقلی تحرک کے ذریعے ایک شخص تصور کرسکتا ہے کہ وہ ایک پرندے کو نہ صرف دیکھ رہا ہے بلکہ چھو بھی رہا ہے جبکہ اس پرندے کا دراصل کوئی وجود نہیں ہے-

جب تک کہ کمپیوٹر یہ اشارے بھیجتا رہے- اس شخص کے لئے اس بات کے علاوہ کسی اور چیز پر یقین رکھنا ممکن ہی نہیں رہے گا کہ اس کے دماغ کے علاوہ بھی کسی دنیا کا کوئی وجود ہے-وہ اس لئے کہ دماغ کے اندر ایک دنیا قائم رکھنے کے لئے صرف درست حسیاتی مرکزوں تک برقی اشاروں کو پہنچانا ہی کافی ہے- ان برقی اشاروں اور مشاہدوں کا ذریعہ کمپیوٹر جیسا مصنوعی طریقہ بھی ہوسکتا ہے- اس معاملے میں نامور فلسفہ دان برٹرانڈرسل کہتا ہے:

"ٹیبل کے اوپر انگلیاں لگانے سے انگلیوں کی پوروں پر موجود منفی اور مثبت ذروں کے برقی ارتعاش سے چھونے کا احساس پیدا ہوتا ہے جوکہ جدید طبیعیات کے مطابق ٹیبل کے مثبت اور منفی ذرات کی قربت کا نتیجہ ہے- اگر انگلیوں کی پوروں پر ان ذرات کا ارتعاش کسی بھی طریقے سے پیدا ہوسکتا تو پھر ٹیبل کے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا-"۵۹۱

کسی بھی مادی رابطوں سے عاری مشاہدوں کے اصل ہونے کے بارے میں دھوکہ کھاجانا بہت آسان ہے- اکثر یہ غلط فہمی خوابوں میں ہوتی ہے جب لوگ ان جگہوں، لوگوں، چیزوں اور ماحول کو دیکھتے ہیں جوکہ مکمل طور پر اصل معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل محض مشاہدے ہوتے ہیں- ان خوابوں اور اصل دنیا کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں طرح کے مشاہدے صرف دماغ کے اندر محسوس کئے جاتے ہیں-

مشاہدہ کرنے والا کون ہے؟

انسان کے خیال میں وہ جس بیرونی دنیا میں رہتا ہے وہ بلاشبہ اس کے دماغ کے اندر تشکیل پاتی ہے- یہاں پر اہم سوال یہ ہے کہ اگر تمام طبیعیاتی اشیاءفطری مشاہدے ہیں تو پھردماغ کیا ہے؟ چونکہ دماغ بھی انسانی بازوؤں، ٹانگوں یا کسی بھی اور شے کی طرح مادی دنیا کا ہی حصہ ہے تو کیا یہ بھی محض ایک مشاہدہ نہیں ہے؟ اس نقطے کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے- فرض کریں کہ دماغ میں کسی خواب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اوراس خواب کے اندر اس شخص کا تصوراتی جسم، بازو، آنکھیں اور تصوراتی دماغ بھی ہے- اگر اس خواب کے دوران اس سے پوچھا جائے کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو وہ اس کا جواب دے گا کہ میں اپنے دماغ کے اندر دیکھتا ہوں، حالانکہ وہاں پر کوئی اصل دماغ موجود نہیں ہے بلکہ صرف ایک تصوراتی جسم، تصوراتی سر اور تصوراتی دماغ ہے- خواب کے مختلف خاکے دیکھنے والا دماغ تصوراتی دماغ نہیں ہے بلکہ اس سے الگ کوئی دماغ ہے -کےونکہ خواب اور اصل زندگی کے ماحول کے درمیان کسی قسم کا طبیعیاتی فرق نہیں ہے ،اگر اصل زندگی میں اسی شخص سے پوچھا جائے کہ' تم کیا دیکھتے ہو؟' اس کا یہ جواب دینا کہ ' اپنے دماغ میں' ایک بہت ہی بے معنی جواب ہوگا- کسی بھی صورتحال مےں دیکھنے اور مشاہدہ کرنے والا وجود دماغ نہیں ہوتا -دماغ توصرف عصباتی ریشہ لحمی کا مجموعہ ہے-

اس مضمون میں اب تک یہی بات باور کروائی گئی ہے کہ انسان کس طرح بیرونی دنیا کو اپنے دماغ کے اندر دیکھتا ہے- اس کا ایک خلاصہ یہ ہے کہ اس بات کا کبھی پتہ نہیں چل سکتا کہ باہر کی دنیا کی اصل حقیقت کیا ہے-

یہاں پر دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ انسانی ذہن کے اندر موجو د ' خو د' جوکہ اس دنیا کو دیکھتا ہے وہ دماغ نہیں ہوسکتا- دماغ ایک مکمل کمپیوٹر کا نظام ہے جوکہ اپنے اندر پہنچنے والی معلومات کی تصویروں میں ترجمانی کرتا ہے اور ایک اسکرین کے اوپر ان کی نمائش کردیتا ہے -لیکن کمپیوٹر نہ تو خود اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اپنے وجود کے ہونے کا شعور ہوتا ہے- دماغ کو اگر اس شعور اور سمجھ کی تلاش میں کھولا جائے تو وہاں صرف نامیاتی مرکبات اور لحمیاتی سالمے ملیں گے جوکہ جسم کے دوسرے اعضاءمیں بھی موجود ہوتے ہیں- اس کا مطلب ہے کہ وہ بڑا ریشہ لحمی جس کو انسان ' میرا دماغ' کہتا ہے اس کے اندر تصویروں کو بذاتِ خود دیکھنے، ان کی ترجمانی کرنے یا شعور سے متعلق کچھ بھی موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کے اندر کوئی ایسی چیز ہے جس کو انسان اپنا 'آپ' یا' خودی' کا نام دے سکے-

دماغ کے اندر پیدا ہونے والی تصاویر کے بارے میں لوگ اکثر جو غلطی کرتے ہیں اس کو مشاہداتی سائنسدان آر- ایل-گریگوری اس طرح بیان کرتا ہے:

"اس معاملے میں سب سے بڑی خواہش جس سے ممکنہ طور پر دور رہنا چاہئے وہ یہ کہنا ہے کہ آنکھیں دماغ کے اندر تصاویر پیدا کرتی ہیں- دماغ کے اندر تصاویر کے ہونے کا مطلب ہے کہ دماغ کے اندر کوئی ایسی اندرونی آنکھ موجود ہے جو ان تصاویر کو دیکھ سکتی ہے- اس کے علاوہ بھی دماغ میں آنکھوں کا موجود ہونا ضروری ہے جوکہ اس تصویر کو دیکھیں- غرضےکہ آنکھوں اور تصویروں کا یہ سلسلہ لامحدود ہوجائے گا جوکہ ایک نہایت ہی نامعقول تصور ہے-"۶۹۱

اس مسئلے مےں صرف مادے کے اصل ہونے پر اصرار کرتے ہوئے مادیت پسند شدید پریشانی کا شکار ہوجاتے ہیں- ان دیکھتی ہوئی آنکھوں کے پیچھے کون ہے؟ دیکھنے کے بعد مشاہدے اور ردعمل کون کرتا ہے؟ مشہور مشاہداتی ماہرِ علم الاعصاب کارل پریبرام اس ضروری سوال پر روشنی ڈالتا ہے جوکہ سائنس اور فلسفے دونوں کے لئے ضروری ہے کہ مشاہدہ کرنے والا کون ہے:

"یونانی دور سے لے کر اب تک کے فلسفہ دانوں نے مشین کے اندر "روح" اور "بڑے انسان کے اندر چھوٹا انسان" جیسے کئی قیاس پیش کئے ہیں-دماغ کو استعمال کرنے والا "میں" کدھر ہے؟ اصل سمجھنے بوجھنے کا کام کون کرتا ہے؟ یا پھر اسیسی کے سینٹ فرانسس کے الفاظ میں "جس کو ہم دیکھنے کی کوشش کررہے ہیں وہی اصل دیکھنا ہے-"۷۹۱

یہ کتاب، کیمرہ حتیٰ کہ انسان کے سامنے موجود ہر تصویر کا مشاہدہ دماغ کے اندر ہوتا ہے- کیا یہ اندھے، بہرے، بے شعور اقل بنیادی ذرات ایٹم ہیں جوکہ ان تصاویر کو دیکھتے ہیں؟ یہ خصوصیت صرف چند ایٹموں میں ہی کیوں ہے اور سب میں کےوں نہیں؟ کیا انسان کی سوچنے، سمجھنے، یاد رکھنے، خوش ہونے، اداس ہونے، حتیٰ کہ ہر کام کی صلاحیت ان ایٹموں کے سالموں کے اندر کیمیائی ردِ عمل پر منحصر ہے- ایٹموں کے اندر کسی قسم کی مرضی ڈھونڈنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ یہ تو صاف

یہ حقیقت کہ اللہ کسی بھی طرح کی خلا تک محدود نہیں ہے اور اس کا حصار ہر چیز کے اطراف موجود ہے قرآن کی ایک اور آیت میں واضح ہوتی ہے:

اور پورب و پچھم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے- (سورۃ بقرہ، آیت ۵۱۱)

مادی وجود اللہ کو نہیں دیکھ سکتے- لیکن اللہ مادے کو بلکہ ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ ہر چیز اللہ کی تخلیق کی ہوئی ہے- قرآن میں آتا ہے:

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے پورا باطن پورا خبردار- (سورۃ انعام، آیت ۳۰۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ انسانی آنکھیں نہیں کرسکتیں لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے اندر باہر ہر سوچ اور ہر خیال کی خبر رکھتا ہے- اس کی مرضی اور علم کے بغیر انسان نہ تو کوئی لفظ منہ سے نکال سکتا ہے اور نہ سانس لے سکتا ہے -اپنی تمام زندگی کے دوران انسان جب بھی کوئی مشاہدہ کرتا ہے جوکہ اس کے قیاس سے بیرونی دنیا ہوتی ہے تو حقیقتاً اس وقت اس کے سب سے نزدیک اللہ کی ذات کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی- اس اصلیت کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں- (سورۃ ق، آیت ۶۱)

انسان جب یہ سوچتا ہے کہ اس کا جسم مادے سے بنا ہوا ہے تووہ اس اہم حقیقت کو سمجھ نہیں پارہا ہوتا- اگر اس کے خیال میں اس کا دماغ اس کا اصل "خود" ہے تو پھر اس کے لئے "بیرونی دنیا" ۰۲ سے ۰۳ سینٹی میٹر دور کے فاصلے سے شروع ہوجائے گی- لیکن جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو مادے کی شکل میں نظر آنے والی چیزیں صرف اس کے ذہن کے مشاہدات ہیں تو پھر اندر، باہر قریب اور دور اس کے لئے بے معنی ہوجائیں گے-اس کو یقین ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر طرف موجود ہے اور اس کے اتنے قریب ہے کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا- اس قربت کا اندازہ اس آےت سے ہوتا ہے:

اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھےں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارں تو انہیں چاہئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں (سورۃ بقرہ، آیت ۶۸۱)

انسان اگر یہ سمجھے کہ اپنے سب سے نزدیک وہ خود ہے تو وہ یقینا گمراہی کے راستے پر ہے- حقیقت تو اس کے برعکس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے خود ان سے بھی زیادہ نزدیک ہے- سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

پھر کیوں نہ ہو جب جان گلے تک پہنچے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کے زیادہ پاس ہیں تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں- (سورۃ واقعہ، ۳۸-۵۸)

لیکن پھر بھی لوگ اس غیر معمولی اور زبردست سچائی سے صرف اس لئے ناواقف ہیں کیونکہ یہ سچائی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے- جیسے کہ امام ربانی نے کہا ہے کہ انسان جیسے سائے کی تمام قوت اور طاقت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے- جیسا کہ اس آیت میں آتا ہے:

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو (سورہ صٰفٰت، آیت ۶۹)

کہ انسان کی ہر حرکت اور ہر سوچ صرف اور صرف اللہ کی قدرت سے ممکن ہے -سورۃ انفال میں آیا ہے:

تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے- (سورۃ انفال، آیت۷۱)

اس آیت میں خاص طور پر اس بات کی یقین دہانی کروائی گئی ہے کہ کوئی بھی کام اللہ کی مرضی کے بغیر ممکن ہی نہیں -چونکہ انسان صرف سائے ہیں اس لئے وہ معمولی سے بھی کام پر قادر نہیں- یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا احساس ہے کہ انسان خود سے یا اپنی مرضی سے کوئی بھی کام کرنے کے لائق ہے- حقیقت تو یہ ہے کہ تمام کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ممکن ہیں ورنہ نہیں- انسان اگر اس حقیقت سے نظریں چراکر یہ سوچتا چلا جائے کہ وہ خود سے یا اپنے آپ سے سارے کام کرنے کے لائق ہے تو وہ بے شک اسی فریب میں رہے لیکن اس کی یہ طرزِ سوچ حقیقت کو بدلنے سے قاصر ہے-

انسان کی ملکیت میں موجود ہرچیز فطری طور پر پرفریب ہے

یہ بات واضح، سائنسی طور پر ثابت اور منطقی ہے کہ انسان کا بیرونی دنیا سے کسی قسم کا براہِ راست واسطہ نہیں ہے-اس کا رابطہ صرف اس دنیا کی ایک نقل سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ بلارکاوٹ انسانی روح کے آگے پیش کرتا رہتا ہے لیکن لوگ پھر بھی

ظاہر ہے کہ دیکھنے، سننے اور محسوس کرنے والا وجود ایک ماوری مادہ زندہ وجود ہے جوکہ نہ تو مادہ ہے اور نہ کوئی خاک ہے -یہ وجود مشاہدوں‌اور انسانی جسم کے درمےان تعاون پےدا کرتا ہے- یہ وجود روح ہے-

کتاب کی ان سطروں کو پڑھنے والا باشعور اور عقلمند وجود محض ایٹموں، سالموں اور ان کے درمیان ہونے والے کیمیائی ردِ عمل کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک روح کا نتیجہ ہے-

مطلق اور کامل وجود

اب ایک نہایت ہی اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اگر انسان کے سامنے موجود دنیا صرف روح کے مشاہدے ہیں تو پھر ان مشاہدں کا کیا ذریعہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں فرض کرلیتے ہیں کہ انسانی ذہن میں مادے کا مشاہدہ صرف تصوراتی ہے اور اس مشاہدے کے "اصل" سے اس کا کبھی بھی واسطہ نہیں پڑسکتا- چونکہ مادہ بھی انسان کے لئے ایک مشاہدہ ہے اس لئے یہ تعمیر شدہ ہے یعنی کہ یہ بھی کسی اور قوت کا تعمیر کردہ ہے- اسکے علاوہ یہ تخلیق یا تعمیر رکی نہیں ہے بلکہ مسلسل ہے- اگر یہ مسلسل نہیں ہوتی تو اب تک غائب ہوکر مکمل طور پر کھوجاتی- بالکل اس طرح جیسے ٹی وی کی تصویر صرف اس وقت تک نظر آتی ہے جب تک اس کو نشریاتی اشارے ملتے رہتے ہےں-تو پھر انسانی روح کا خالق کون ہے جوکہ روح کے علاوہ زمین، ستاروں، سیاروں، تمام لوگوں اور ہر چیز پر بھی مستقل نگاہ رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ےہ ایک عظیم طاقت ہے جس نے تمام مادی کائنات کو نہ صرف تخلیق کیا ہے بلکہ مستقل اپنی تخلیق کو بنائے چلا جاتا ہے-چونکہ یہ عظیم طاقت ایک عظیم الشان تخلیق کار ہے اس لئے وہ لازماً لامحدود قوت بھی رکھتا ہے- یہ تخلیق کار اپنی موجودگی اور انسانوں کی موجودگی کو اپنی بھیجی ہوئی کتاب میں مفصل طور پر بیان کرتا ہے-وہ تخلیق کار اللہ ہے اور اس کی کتاب قرآن ہے-

سچائی تو یہ ہے کہ آسمان اور زمین یعنی کہ تمام کائنات مستحکم نہیں ہے- اس کی موجودگی صرف اللہ کی تخلیق نے ممکن بنائی ہے اور یہ سب چیزیں اس وقت فنا ہوجائیں گی جس وقت اللہ تعالیٰ اس تخلیق کوختم کرنے کا قصد کرلے گا- سورہ فاطر کی آیت ۱۴ میں آتا ہے:

بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کریں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے- (سورہ فاطر، آیت ۱۴)

اس آیت میں بیان کیاگیا ہے کہ مادی کائنات اللہ کی طاقت کے زیر اثر کس طرح پرورش پارہی ہے- اللہ تعالیٰ نے کائنات، زمین، پہاڑ اور ہرجاندار اور غیر جاندار چیز کو نہ صرف تخلیق کیا ہے بلکہ ہر لمحے اپنی طاقت سے اپنی تخلیق کی مستقل پرورش، کفالت اور خیال بھی کرتا ہے- وہ الخالق ہے، تمام مادی کائنات کا تخلیق کرنے والا جوکہ خود تخلیق نہیں ہوا- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کے باہر یقینا ایک مادی کائنات وجود میں ہے جوکہ اللہ کی تخلیق کردہ اشیاءپر مشتمل ہے- لیکن معجزاتی طور پر اپنی تخلیق کی اعلیٰ نوعیت کو اشکار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انسان کو یہ مادی کائنات ایک طلسماتی خیال، فریب نظر، سایہ اور خاکے کے طور پر دکھاتا ہے- اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی کاملیت کے نتیجے میں انسان اپنے ذہن سے باہر موجود دنیا تک کبھی نہیں‌پہنچ سکتا- اس اصل مادی کائنات کا علم صرف اور صرف اللہ کو ہے- اوپر دی گئی آیت کی ایک اور تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلسل انسانوں کو دکھنے والی مادی کائنات کے خاکوں کی دیکھ بھال کرتارہتا ہے- (واللہ اعلم) اگر اللہ تعالیٰ انسانی ذہنوں کو دنیا دکھانا نہیں چاہے گا تو انسانوں کے لئے پوری کائنات غائب ہوجائے گی اور وہ کسی طور پر بھی اس تک پہنچ نہیں سکے گا- اس حقیقت کا ثابت ہونا کہ انسان کے لئے مادی کائنات سے براہِ راست واسطہ ممکن ہی نہیں کئی لوگوں کے ذہن پر مسلط اس سوال کا بھی جواب ہے کہ "خدا کہاں ہے؟"

جیسا کہ شروع میں بتایا گیا تھا کہ کئی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قوت کا ادراک نہیں ہے اس لئے ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کہیں موجود ہے اور دنیاوی معاملات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے- اللہ تعالیٰ ایسے ہر قیاس سے برتر ہے- اس منطق کی بنیاد یہ ہے کہ کائنات مادے کا مجموعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس مادی دنیا کے باہر ہے-

سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح انسان کبھی بھی مادی کائنات تک براہِ راست پہنچ نہیں سکتا بالکل اسی طرح اس کو اس کائنات کے اصل جوہر کا بھی مکمل علم حاصل نہیں ہوسکتا- انسان کو صرف اس خالق کا علم ہے جس نے تمام کائنات کو تخلیق کیا ہے- اس سچائی کا اظہار کرنے کے لئے امام ربانی جیسے بڑے اسلامی عالم نے کہا ہے کہ واحد سچائی اللہ کی ذات ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز سایہ ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو نظر آنے والی ساری دنیا صرف انسانی ذہن کے اندر ہے اور اس کے لئے دنیا کے بیرونی حصے کو محسوس کرنا ناممکن ہے- اسی لئے یہ سوچنا کہ خدا مادی کائنات کے "باہر" ہے جس تک انسان پہنچ نہیں سکتا ایک غلط تصور ہے- اللہ ہر جگہ موجود ہے- قرآن میں آتا ہے کہ:

اللہ ہے جس کے سواکوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کو قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کی پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا- (سورۃبقرہ، آیت ۲۵۵)

یہاں پر بتائی گئی تمام باتوں پر اگر غور کیا جائے تو اس حیرت انگیز اور غیر معمولی صورتحال کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں کہ دنیا ایک ایسا کرہ ہے جو کہ صرف انسان کے امتحان کے لئے تخلیق کیا گیا ہے- اپنی مختصر زندگیوں کے دوران لوگ اپنے مشاہدوں کے ہاتھوں آزمائے جاتے ہیں جوکہ ان کو نہایت رنگین اور جاذب نظر معلوم ہوتے ہیں- لیکن ان پرفریب مشاہدوں کے اصل ذریعے تک وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے-

اور حد بندیاں بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں-اس سچائی کا اعتراف اس بات کو واضح کردیتا ہے کہ ہر وہ دنیاوی شے جس کے لئے انسان محنت کرتا ہے مثلاً حوس سے جمع کیا گیا مال، اس کے دوست و احباب، اس کا جسم ،اس کے اونچے اونچے عہدے، اس کی دنیاوی تعلیم، اس کی شاندار تقریبات، غرض تمام چیزےں محض سایوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں- ان تمام کاموں میں صرف کیا گیا وقت اور محنت بیکار اور ضائع ہے-

بہت سے لوگ ناسمجھی کے عالم میں اپنے آپ کو بیوقوف ظاہر کرتے ہیں جب وہ دنیا کے آگے اپنے مال، دولت، اساسوں اور زمینوں کا ذکر بے انتہا غرو رسے اس طرح کرتے ہیں گویا ان کا ان تمام چیزوں کے ساتھ کسی بھی طرح کا براہِ راست واسطہ ہے- کئی دولت مند لوگ اپنی اس دولت کا مظاہرہ دنیا کے آگے اس طرح کرتے ہیں کہ جیسے ان سے برتر کوئی دوسرا ہے ہی نہیں- اگر ان کو اس بات کا ذرا سا بھی احساس ہوجائے کہ وہ صرف اپنے ذہنی مشاہدات پر غرور کررہے ہیں تو ان کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ ان کے بہت سے خوابوں میں ان کی ملکیت بڑے بڑے گھر، بہترین گاڑیاں، سونے جواہرات اور روپے ہوتے ہیں- انہی خوابوں میں وہ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک، اہم عہدیدار اور بیش قیمت پوشاک کے مالک بھی ہوتے ہیں- لیکن بالکل اس طرح جس طرح خوابوں میں موجود ان چیزوں پر غرور کرنے سے وہ تضحیک کا نشانہ بنیں گے اسی طرح وہ "اصل " دنیاوی چیزوں پر غرور کرنے سے اتنی ہی تضحیک کے مستحق ہیں کیونکہ خواب ہو یا "اصل" دنیا، دونوں ہی چیزیں صرف اس کے ذہن میں موجود خاکے ہیں-جب لوگوں کو اصلیت کا احساس ہوتا ہے تو وہ شدید شرمندگی کا شکار ہوجاتے ہیں- دنیا میں ہر طرح کی بدی اور دھوکہ دہی میں ملوث لوگ جوکہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے، حسد کرنے اور اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں وہ بھی یہ جان کر شدید ذلت اور خواری کا شکار ہوتے ہیں کہ انہوں نے تمام بدی صرف ایک غلط فہمی کے ہاتھوں انجام دی-اﷲ تعالیٰ نے تمام کائنات کو تخلیق کیا اور اس کی حقیقت کو فرداً فرداً ہر انسان پر آشکار کیا- کائنات میں موجود ہر چیز اور دنیا میں موجود ہر آسائش اور شے کا حکمران اور مالک صرف اﷲ ہے- قرآن میں آتا ہے-

اور اﷲ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میںہے اور جو کچھ زمین میں اور ہر چیز پر اﷲ کا قابو ہے- (سورة النسائ، آیت ۶۲۱)

ایسی چیزوں کے لالچ میں دین کو زائل کردینا سراسر حماقت ہے جو کہ صرف ذہن کے خاکے ہیں اور جن کے اصل تک پہنچنا

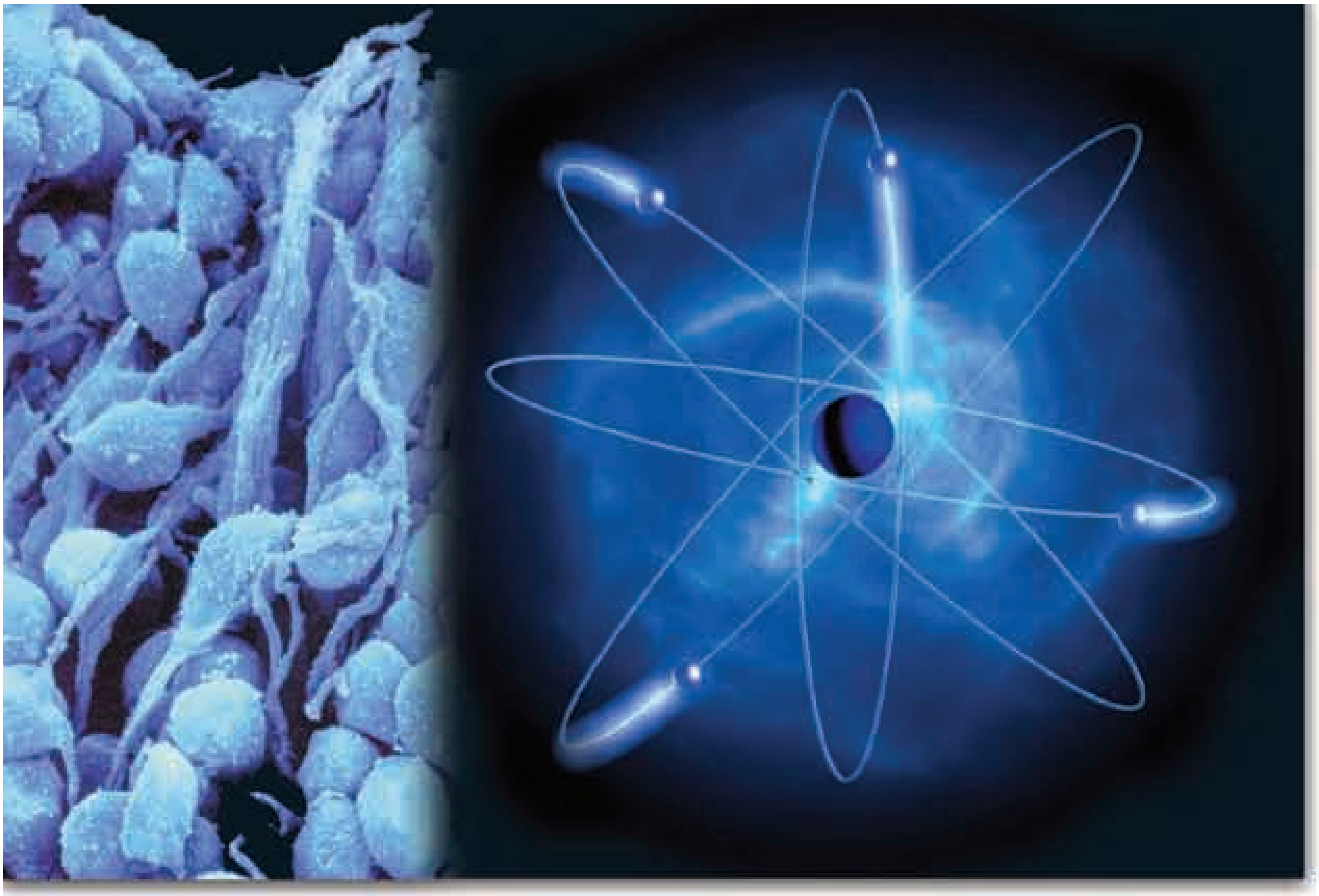

دماغ خلیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جوکہ چربیلے اور لحمیاتی سالموں سے تشکیل ہوا ہے- اس کے اندر نیورون نامی عصبی خلئے بھی موجود ہوتے ہیں-گوشت کے اس تودے میں بذات خود خاکوں کے مشاہدے کی، شعور کے استعمال کی، یا "میں" نامی وجود کو بنانے اور استعمال کرنے کی کوئی قوت موجود نہیں ہے- ان تمام باتوں سے روح کی موجودگی واضح ہوجاتی ہے-

اس حقیقت کا سامنا کرنے سے گریز کرتے ہیں- اگر اس صورتحال کا سامنا خلوص کے ساتھ بے دھڑک کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ کسی کا گھر، اس میں موجود سامان، گاڑی، اس کا آفس، اس کے زمےنےں، اس کا تمام مال، کپڑے، بیوی، بچے، دوست احباب حتیٰ کہ اس کی زندگی کی ہر چیز صرف اور صر ف اس کے دماغ میں موجود ہے- اپنے اطراف ہر چیز جس کا مشاہدہ انسان اپنی پانچ حسیات کے ذریعے کرتا ہے وہ اسی نقلی دنیا کا حصہ ہے- اس نقلی دنیا میں اس کا پسندیدہ گلوکار، کرسی کی سختی، کوئی خوشبو، سورج کی گرماہٹ، پھلوں کے خوشنما رنگ یا باہر اڑتی چڑیاں، پانی پہ تیرتی کشتیاں، اس کا ذرخیز باغ، اس کے آفس میں موجود کمپیو،ٹر تمام چیزیں شامل ہیں-

یہی اصلیت ہے کیونکہ دنیا تو صرف انسان کے امتحان کے لئے تخلیق کی گئی ہے- انسان کی زندگی کے محدود دورانئے میں اس کا ان تمام مشاہدات کے ہاتھوں امتحان لیا جاتا ہے جن کے اصل ذریعے تک وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا- ان مشاہدات کو ایک کڑے امتحان کی خاطر بے انتہا پرکشش اور جاذب نظر بنایا گیا ہے- قرآن میں آتا ہے:

لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے اس کے پاس اچھا ٹھکانا-

(سورة آل عمران، آیت۱۴)

دنیا میں ان گنت لوگ مال دولت، سونے چاندی، کپڑوں، گاڑیوں اور دوسری دنیاوی عیش و عشرت کے لالچ میں دین و ایمان کا سودا کرلیتے ہیں- ان کی سوچ اور محنت کا مرکز صرف یہاں کی دنیا ہوتی ہے اور اس کے پیار میں وہ آخرت کو بڑے آرام سے بھلا بیٹھتے ہیں- دنیا کا حسن ان کو دھوکے میں ڈال کر نمازوں، صدقوں اور دوسری عبادات سے کوسوں دور لے جاتا ہے- آخرت کی دولت ان کے ہاتھ سے پھسل جاتی ہے- ان کے بہانے بیحد بودے ہوتے ہیں مثلاً مجھے بہت کام ہیں، مجھے وقت نہیں ہے، مجھ پر ذمہ داریاں ہیں، یہ سارے کام کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا، یہ تو لوگ بڑھاپے میں کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ -ان کی زندگی اور کاوشوں کا محور دنیاوی زندگی میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے- اس خود فریبی کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ:

جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں- (سورة الروم، آیت۷)

اس مخصوص باب میں جس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے وہ بہت اہم ہے کیونکہ اس کو سمجھ لینے سے تمام نفسانی خواہشات

خوابوں کی مثال

حقیقت تو یہ ہے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انسان اپنی پانچ حسیات میں سے کسی کو نقطہ ابتداءبناتا ہے ا نہیں کیونکہ وہ کسی کے بھی ذریعے بیرونی دنیا کے اصل تک نہیں پہنچ سکتا- اس بات کی ایک پرمعنی مثال خوابوں میں دیکھی جانے والی ان تمام چیزوں کی ہے جوکہ اس آدمی کی جاگتی دنیا میں موجود نہیں ہوتیں- خوابوں میں بہت قابلِ یقین واقعات پیش آتے ہیں مثلاً سیڑھیوں سے گرجانا اور ٹانگ کا ٹوٹ جانا، شدید نوعیت کا کوئی اور حادثہ پیش آجانا، پیٹ بھر کر کھالینا اور اس کا مکمل احساس بھی ہونا- یعنی کہ وہ تمام واقعات جوکہ اصل زندگی میں پیش آنا ممکن ہوتا ہے وہ خوابوں میں بھی پیش آسکتے ہیں اور ان کے ذریعے انسان خوابوں کے اندر بھی انہیں احساسات سے گزرتا ہے-

خواب کے اندر گاڑی کے حادثے کا شکار آدمی اس خواب کے دوران ہی اپنی آنکھیں اسپتال کے اندر بھی کھول سکتا ہے اور یہاں اس کو یہ احساس بھی ہوسکتا ہے کہ وہ معزور ہوگیا ہے -لےکن ہر چیز پھر بھی خواب ہی رہے گی- اس کے علاوہ وہ خواب میں حادثے کے ذریعے اپنے مو ت کے فرشتوں کا آنا اور آخرت کی زندگی کا شروع ہونا بھی دیکھ سکتا ہے- خواب میں محسوس کئے جانے والے تمام محسوسات مثلاً سختی، تکلیف، رنگ اور دوسرے تمام احساس نہایت واضح اور تیز ہوتے ہیں- وہ اتنے ہی حقیقی ہوتے ہیں جتنا کہ جیتی جاگتی زندگی میں ہوتے ہیں- خواب میں کھائے جانے والے کھانے سے بھی اس کا پیٹ بھرجاتا ہے- اگرچہ کھاناا ور پیٹ کا بھرجانا دونوں ہی مشاہدے ہیں- جاگتی دنیا کے اس لمحے میں وہ انسان اپنے بستر میں لیٹا ہوا ہے اور اس کا رابطہ کسی سیڑھی، گاڑی اور کھانے پینے کی اشیاءسے نہیں ہے- اس کو محسوس ہونے والے تمام احساس صرف اور صرف اس کے خواب تک محدود ہیں- خوابوں کی انسانوں کو بغیر کسی طبیعےاتی رابطے کے موجود ہونے کے باوجود ایسے واقعات سے گزارنے کی خاصیت اس بیرونی دنیا کی نشاندہی کرتی ہے جس کی اصل رو سے انسان کبھی بھی واقف نہیں ہوسکتا- دنیا کی اصل حقیقت کا ادراک صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود اس کے ارشادات ہیں کیونکہ پوری کائنات کا خالق ہی وہی ہے- مادی فلسفے پر یقین رکھنے والے خاص طور پر مارکسی لوگوں کو جب اس سچائی کے بارے میں بتانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ اشتعال میں آجاتے ہیں اور پھر یا تو مارکس، اےنگلز اور لینن کی جاہلانہ اور وسطی منطق کا حوالہ دینے لگتے ہیں یا پھر جذباتی دعوؤں میں لگ جاتے ہیں-

ان کو احساس تک نہیں ہوتا کہ یہی تمام دعوے اور حوالے وہ خوابوں میں بھی دے سکتے ہیں- اپنے خواب میں وہ "ڈاس کا پیٹال" کا مطالعہ کرسکتے ہیں، جلسوں میں شریک ہوسکتے ہیں اور کسی کے ساتھ لڑائی بھڑائی کی تکلیف بھی اٹھاسکتے ہیں- اگر ان سے خواب میں پوچھا جائے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں تو وہ کہیں گے کہ وہ بلاشبہ حقیقت ہی دیکھ رہے ہیں -بلکہ اسی طرح جس طرح وہ جاگنے پر کہیں گے- لیکن چاہے خواب ہو یا جاگتی زندگی دونوں چیزیں صرف اور صرف مشاہدات پر مبنی ہیں جس کے "اصل" ذریعے تک وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے-

مشترک نظام اعصاب کی مثال

اب ذرا پولٹزر کی گاڑی کی حادثے کے بارے میں دی گئی مثال کا تجزیہ کیا جائے گا- اگر حادثے میں زخمی ہونے والے شخص کاعصبی نظام، جوکہ اس کی پانچوں حسوں کو اس کے دماغ کے ساتھ جوڑتا ہے، وہ کسی اور شخص، مثلاً پولٹزر کے دماغ سے اسی لمحے جوڑدیا جائے جب حادثہ واقع ہوا تھا تو اپنے گھر کے اندر بیٹھے پولٹزر کو بھی حادثہ اسی شدت سے محسوس ہوگا جس طرح کہ پہلے والے شخص کو ہوا ہے- اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح ایک ہی ٹیپ ریکارڈر سے جڑے ہوئے دو لاؤڈاسپیکروں سے ایک ہی گانا نشر ہوتا ہے- پولٹزر کو گاڑی کے پہیوں کا چرچرانا، اپنے جسم کا گاڑی سے ٹکرانا، ہاتھ پیر ٹوٹنا، خون بہنا، اسپتال میں جانا اور حادثے سے متعلق دوسری تمام علامات ہوبہو زخمی آدمی کی طرح محسوس ہوں گی- اگر پولٹرز کی بجائے دنیا کے کسی بھی آدمی کو زخمی آدمی کے عصبی نظام سے جوڑدیا جائے تو وہ انہیں احساسات سے گزرے گا- اگر زخمی آدمی ہوش و حواس سے بیگانہ ہوجائے تو دوسرے لوگ بھی بیہوش ہوجائیں گے- اگر اس حادثے سے متعلق تمام مشاہدات کو کسی آلے کے ذریعے محفوظ کرلیا جائے اور کسی کو بار بار ان مشاہدات کا سامنا کروایا جائے تو وہ بار بار اس حادثے سے متعلق ہر تفصیل سے گزرے گا-سوال یہ ہے کہ پھر زخمی آدمی اور پولٹزر کو ٹکر مارنے والی کون سی گاڑی اصل گاڑی ہے؟ اس سوال کا کسی بھی مادہ پرست فلسفہ دان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے- اس سوال کا درست جواب یہ ہے کہ دونوں آدمیوں نے حادثے کی تمام تفصیلات صرف اور صرف اپنے دماغ میں محسوس کی ہیں- یہی اصول دوسری تمام مثالوں پر بھی لاگو ہوتا ہے- اگر کھانا کھاکر سیرابی محسوس کرنے والے اینگلز کا عصبی نظام کسی دوسرے آدمی کے دماغ سے جوڑدیا جائے تو وہ آدمی بھی کچھ کھائے بغیر ہی اینگلز کی طرح سیرابی محسوس کرے گا-

اگر مادہ پرست جانسن کے اعصاب کو کسی اور دماغ کے ساتھ بھی جوڑدیا جائے تو جانسن کی طرح وہ بھی اپنے آپ کو پتھر کو لات مارتے ہوئے وہی تکلیف محسوس کرے گا -تو پھر کون سا کھانا اور کون سا پتھر اصل ہے؟ یہاں پر بھی مادی فلسفہ کوئی بھی متوازن جواب دینے سے قاصر ہے- اس سوال کا درست متوازن جواب یہ ہی کہ اینگلز اور دوسرے شخص دونوں نے کھانا کھایا بھی ہے اور سیر بھی ہوچکے ہیں لیکن صرف اپنے اپنے ذہنوں میں- اسی طرح جانسن اور دوسرے نے بھی پتھر کو لات ماری ہے

انسان کے لئے قطعاًممکن نہیں-انسان اس طرح مکمل طور پر خسارے میں رہتا ہے- دنیا تو ہر محنت کے باوجود اتنی ہی ملتی ہے جتنا مقدر لیکن آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے- یہاں پر یہ بات سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ زیر بحث سچائی کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی تمام ملکیتیں مثلاً مال و دولت، بیوی، شوہر، بچے، عہدے اور ہر تمنا کی گئی چیز مستقبل میں غائب ہوجائے گی اسی لئے بے معنی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا اپنی تمام ملکیتوں سے کسی قسم کا براہِ راست واسطہ نہیں ہے- یہ تمام چیزیں ایسے مشاہدات ہیں جن کو وہ اپنے ذہن کے ذریعے دیکھتا ہے اور جو کہ صرف ان خاکوں پر مشتمل ہوتے ہیں جوکہ اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لینے کے لئے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں- اب یہ صاف ظاہر ہے کہ دونوں طرح کی صورت حال میں زمین آسمان کا فرق ہے-

یہ ممکن ہے کہ کوئی اس حقیقت کا برملا اعتراف نہ کرنا چاہے اور اس دھوکے میں رہنے کو ترجیح دے کہ اس کی تمام ملکیتوں کی واقعی کوئی اصلیت ہے -لیکن بالآخر اس کو ایک دن مرجانا ہے اور آخرت میں جب وہ اٹھایا جائے گا تو ہر چیز واضح ہوجائے گی- جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے- (سورۃ ق، آیت ۲۲)

اس دن اس کو ہرچیز صاف نظر آئے گی- اگر اس نے اپنی تمام زندگی تصوراتی مقاصد کے پیچھے بھاگتے گزاری تھی تو وہ شدید سے خواہش کرے گا کہ کاش وہ کبھی زندہ ہی نہیں رہتا-

ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی میرے کچھ کام نہ آیا میرا مال میرا سب زور جاتا رہا- (سورۃ حج، آیات ۹۲، ۸۲، ۷۲)

اس کے برعکس ایک عاقلانہ آدمی کائنات کی زبردست حقیقت کو اپنی دنیا کے اندر موجودگی کے دوران ہی سمجھنے کی کوشش کرے گا تاکہ اس کا وقت خسارے کا سودا حاصل کرنے میں ضائع نہ ہو- وہ لوگ جو سرابوں کے پیچھے دوڑتے ہوئے اپنے خالق کو بھول جاتے ہیں ان کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ:

اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریت کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھردیا اور اللہ جلد حساب کرلیتا ہے- (سورۃ نور،آیت ۹۳)

مادہ پرستوں کی منطق میں نقص

اس باب میں شروع سے ہی اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ مادے کی حےثےت مادہ پرستوں کے دعوے کے مطابق ایک مطلق شے ہر گز نہیں ہے بلکہ ایک ایسا سایہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خلا سے تخلیق کرتا ہے اور جس کے اصل تک انسان کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا- لیکن مادہ پرست بیحد ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ثابت کی گئی سچائی کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی نفی کرنے کی غرض سے ہر طرح کے بے بنیاد جوابی دعوے سامنے لے کر آتے رہتے ہیں- انہیں اس بات کا خوب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سچائی ان کے کھوکھلے فلسفے کی دھجیاں اڑانے کے لئے کافی ہے-

جورج پولٹزر ایک جذباتی مارکسی اور بیسویں‌صدی کے مادیت پسند فلسفے کے بڑے حمایتیوں میں سے ایک تھا- یہ ایک بس کی مثال کے زریعے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ مادے کے اصل تک پہنچ سکتا ہے- پولٹزر کے مطابق عینیت پسند فلسفہ دان بھی اپنی طرف تیزی سے آتی بس کو دیکھ کر جان بچانے کے لئے بھاگ اٹھتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی مادے کی اصلیت کا اعتراف کرتے ہیں-[۸۹۱]

سیمیول جانسن ایک اور مشہور مادہ پرست تھا جس کو بتایا گیا تھا کہ انسان کے لئے اصل مادے تک رسائی ناممکن ہے- اس نے اس بات کو غلط ثابت کرنے کے لئے کہا کہ وہ پتھروں کو لات مار کر ان کی اصل رو سے تعلق ثابت کرسکتا ہے-"[۹۹۱]

پولٹزر کا معتبر صلاح کار اور مارکس کے ساتھ جدلیاتی مادہ پرستی کا بانی فریڈرک اینگلز بھی کچھ اسی طرح کی مثال دیتا ہے کہ" اگر ہمارا کھایا گیا کھانا محض مشاہدہ ہوتا ہے تو ہماری بھوک کبھی ختم نہ ہوتی-"[۰۰۲] اسی طرح کی کئی اور مثالیں اور" آپ مادے کی اصلیت کو سمجھ جائیں گے جب آپ کے منہ پر تھپڑ مارا جائے گا" جیسے پر جوش فقرے مارکس، اینگز اور لینن جیسے مشہور مادہ پرستوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہیں- ان تمام مثالوں کو خطرے میں ڈالنے والی بے ترتیب ترجمانی ان مادہ پرستوں کی بدولت ہے جو کہ اس فقرے "ہم مادے کی اصل تک نہیں پہنچ سکتے" کی تشریح اس نظریئے سے کرہے ہوتے ہیں کہ اس امر میں صرف قوت بصارت ہی کا عمل دخل ہے- ان کے خیال سے مشاہدہ صرف بصارت تک محدود ہے اور کسی چیز کو صرف چھولینا ہی انسان کو مادے کی اصل تک پہنچادیتا ہے- اگر کوئی گاڑی کسی آدمی سے ٹکراجائے تو کہا جاتا ہے کہ" دیکھو گاڑی نے آدمی کو ٹکر ماردی اسی لئے اس نے اصل مادے کا سامنا کرلیا"- ان لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اس ٹکر کے دوران وہ آدمی جن تمام احساسات سے گزرتا ہے مثلاً لوہے کی سختی، ٹکر کی تکلیف، اس کے جسم کا درد اور دوسرے تمام احساسات اس کے ذہن کی پیداوار ہیں-

مضمونوں اور علمی حلقوں میں پکنلو نے اس کتاب کو مادہ پرستی کا سب سے خطرناک دشمن قراردیا ہے- پکنلو کو کتاب کے جس مخصوص موضوع نے سب سے زیادہ پریشان کیا وہ نظریۂ ڈارون کو ناقص قراردینے والی یہی بات ہے- پکنلو نے اپنے حمایتیوں کو سختی سے اس بات کی تلقین کی وہ مثالیت کی آموزش سے بچے رہیں اور مادہ پرستی پر اپنے یقین کو ڈانواڈول نہ ہونے دیں- اس نے روس کے خونی اشتراکی انقلاب کے سربراہ لینن کو اپنی تبلیغ کا حوالہ بنایا- اس نے ہر ایک کو مشورہ دیا کہ وہ لینن کی ایک صدی پرانی کتاب "میٹریلزم اینڈ ایمپیریو کریٹیزم" یا "مادیت اور شاہی تنقید" کو پڑھیں اور لینن کی اس بات پر عمل کریں کہ اس موضوع پر ہرگز مت سوچو ورنہ تم مادیت کی نہج سے نکل جاؤگے اور مذہب کی رو میں بہہ جاؤگے- اس نے ' سائنس اور یوٹوپیا 'میں چھپنے والے ایک مضمون نے لینن کی کہی گئی مندرجہ ذیل باتوں کا حوالہ دیا:

"ایک دن تم اس ظاہری سچائی کو رد کردوگے جوکہ ہم کو احساس کی حس سے ملتی ہے- تم تو پہلے ہی عقیدہ پرستی کے خلاف ہر ہتھیار کھوچکے ہو کیونکہ تم نے اس بات پر یقین کرنا شروع کردیا ہے کہ مادی وجود کے علاوہ خدا یا کسی وجود کا علم محال ہے اور یہی بنیادی بات عقیدہ پرستی کی شرط ہے- ایک تو پنجہ ہاتھ آیا لیکن پوری چڑیا کھوگئی- ہمارے تمام جدید ایجابی فلسفے کے پیروکار مثالیت میں پھنس گئے ہیں جوکہ عقیدہ پرستی ہی کی ایک ہلکی شکل ہے- وہ اسی لمحے سے پھنس گئے جس وقت انہوں نے احساس کو بیرونی دنیا کا ایک خاکہ نہیں بلکہ ایک خاص عنصر تسلیم کرنا شروع کردیا- یہ کسی کا احساس نہیں، کسی کا دین نہیں، کسی کی روح نہیں، کسی کی مرضی نہیں-"۲۰۲

ان الفاظ سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ لینن کو نہ صرف اس بات کے بے حد پریشان کن ہونے کا احساس تھا بلکہ یہ اس کے اثرات اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذہنوں سے بھی کھرچ کر نکال دینا چاہتا تھا-

گو کہ یہ بات دورِ حاضر کے مادہ پرستوں کو بھی اتنا ہی پریشان کرتی ہے لیکن پکنلو اور دوسرے مادہ پرستوں کی پریشانی اس لئے اور بھی زیادہ ہے کیونکہ ان کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ نظریۂ ڈارون اور مادہ پرستی کے خلاف جنگ سوسال پہلے کے مقابلے میں آج زیادہ زور و شور اور پراثر طریقے سے لڑی جارہی ہے اور کامیاب بھی زیادہ ہورہی ہے- تاریخ میں پہلی مرتبہ اس موضوع کو ناقابل تردید ثبوت، حقائق اور دلائل کی بنیاد پر رد کیا جارہا ہے- اس کے باوجود مادہ پرست سائنسدانوں کی بڑی تعداد اس سچائی کے لئے بڑی سطحی سی حمایت کا اظہار کرتے ہیں کہ مادہ کے اندر اور مادے تک پہنچنا ناممکن ہے- اس خاص باب میں جس موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ کسی بھی شخص کی زندگی کا سب سے اہم اور جذباتی نوعیت کا موضو ع قراردیئے جانے کے لائق ہے- یہ بہت حد تک ناممکن ہے کہ ان سائنسدانوں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ اہم کسی موضوع کا سامنا کیا ہو لیکن پھر بھی ان کی اس موضوع پر تقاریر اور مضمونوں سے ظاہر ان کا ردِ عمل اور اندازِ بیان ان کی سطحی اور سرسری فہم اور شعور کی عکاسی کرتا ہے-

مادہ پرستوں کے ردِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مادہ پرستی پر ان کے اندھے اعتقاد نے ان کی منطق کو اس حد تک معذور کردیا ہے کہ وہ اس موضوع کی تہہ تک پہنچنے کے قابل ہی نہیں رہے- مثال کے طور پر ریِنان پکنلو کی طرح کا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ رسالے "بیلم وی ای یوٹوپیا" کا مصنف الائڈین سینل کہتا ہے کہ "نظریۂ ڈارون کی تباہی کو بھول جاؤ کیونکہ حقیقت میں سب سے زیادہ خطرناک موضوع تو یہ ہے-" اس نے لوگوں سے پرزور مطالبہ کیا کہ "جو تم بولتے ہو اس کو ثابت کرو" کیونکہ اس کو اچھی طرح سے احساس تھا کہ اس کا اپنا فلسفہ بے بنیاد اور کھوکھلا ہے- سب سے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ مصنف کی لکھی گئی کئی باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ جو خوداس حقیقت کو اتنا بڑا خطرہ کہہ رہا ہے اس کو اس حقیقت کی گہرائی کا معمولی سا بھی شائبہ نہیں -مثال کے طور پر ایک مضمون جس میں سینل اس موضوع پر تفصیلی بحث کرتا ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ انسانی ذہن میں بیرونی دنیا ایک خاکے کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہے -لیکن اس کے بعد وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ خاکے دو حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں، ایک حصے میں وہ خاکے ہوتے ہیں جن کے طبیعیاتی جوڑ موجود ہوتے ہیں اور دوسرے حصے میں وہ خاکے جن کے طبیعیاتی جوڑ نہیں ہوتے- وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم لازماً خاکوں کے بیرونی دنیا کے طبیعیاتی جوڑوں تک پہنچ سکتے ہیں- اس دعوے کی حمایت میں وہ لکھتاہے کہ:

"مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ میرے ذہن میں موجود خاکوں کا بیرونی دنیا میں کوئی جوڑ موجود ہے کہ نہیں لیکن یہی اصول اس وقت بھی لاگو ہوتا ہے جب میں فون پر گفتگو کرتا ہوں- جب میں فون پر گفتگو کرتا ہوں تو میں دوسرے سرے پر موجود آدمی کو دیکھ نہیں سکتا لیکن ہمارے درمیان کی گئی اس گفتگو کی تصدیق ہماری اگلی ملاقات پر کرسکتا ہوں-"۳۰۲

ان تمام باتوں سے اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ اگر انسان اپنے مشاہدات پر شک کرے تو وہ ان کے اصل کو دیکھ کر ان کی تصدیق کرسکتا ہے- یہ ایک واضح فریب ہے کیونکہ انسان کا مادے کے اصل تک پہنچنا ناممکن ہے- وہ اپنے ذہن سے باہر بیرونی دنیا کو "ہاتھ لگانے" کے لئے کبھی نکل ہی نہیں سکتا- فون پر کی گئی گفتگو کا حقیقی جوڑ ہے کہ نہیں؟ اس بات کی تصدیق اس شخص سے بالمقابل ملاقات سے ہوسکتی ہے- حالانکہ یہ تصدیق بھی دراصل ذہن میں پیدا ہوا ایک مشاہدہ ہی ہے-

ان تمام باتوں کو لکھنے والے مصنف یہ سارے واقعات اپنے خوابوں میں بھی دیکھ سکتے ہیں- مثال کے طور پر سینل اپنی فون پر کی جانے والی گفتگو خواب میں بھی دیکھ سکتا ہے اور پھر اس کی تصدیق بھی خواب میں ہی اس شخص سے ایک بالمقابل

پر صرف اپنے اپنے ذہن میں-
اب پچھلی دی گئی مثالوں میں ایک تبدیلی کردیتے ہیں جس میں گاڑی کے حادثے کے شکار آدمی کے اعصاب کو پولٹزر کے ذہن سے اور گھر بیٹھے پولٹزر کے اعصاب کو حادثے کے شکار آدمی سے جوڑدیا جاتا ہے- اس صورتحال میں پولٹزر یہی سوچے گا کہ اس کا گاڑی سے تصادم ہوا ہے جبکہ حادثے کے اصل زخمی کو اس تصادم کا احساس تک نہیں ہوگا- اس کے ذہن کے حساب سے وہ پولٹزر کے گھر میں بیٹھا ہے- یہی منطق کھانا کھانے اور پتھر کو مارنے کی مثالوں پر بھی لاگو ہوتی ہے-

یہ تمام مثالیں مادہ پرستی کے کٹر پن کو عیاں کرتی ہیں جس کا فلسفہ اس مفروضے پر کھڑا ہے کہ مادے کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود نہیں ہے- حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مادے کے اصل سے براہِ راست رابطہ پیدا نہیں کرسکتا اور اسی لئے ہر چیز کے مادی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا- انسان جس کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ صرف اور صرف اس کے ذہن میں موجود ہوتی ہے- مشہور انگریز فلسفہ دان ڈیوڈ ہیوم اس نقطے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے:

"اپنی طرف سے میں جب بھی 'میں' کا تجزیہ کرتا ہوں تو میں ہمیشہ گرم یا ٹھنڈے، روشن یا تاریک، پیار یا نفرت اور تکلیف یا آسودگی کے مشاہدوں کے اوپر لڑکھڑاجاتا ہوں- اپنے آپ کو میں کسی بھی لمحے پر کسی مشاہدے کے بغیر پکڑ نہیں پاتا اور اس مشاہدے کے علاوہ کسی چیز کا معائنہ نہیں کرسکتا-" ۱۰۲

انسان کبھی بھی ان مشاہدوں کے باہر نکل کر مادے کے اصل سے رابطہ قائم نہیں کرسکتا- اسی لئے کسی بھی ایسے فلسفے کی تعمیر مکمل طور پر نامعقول ہے جس میں مادے کو ایک ایسے کلی وجود کا درجہ دیا جائے جس کو انسان براہِ راست محسوس کرسکتا ہو- نظریئے کے طور پر مادیت پہلے قدم سے ہی بے بنیاد ہے-

دماغ کے اندر مشاہدات کے تشکیل پانے کا عمل فلسفہ نہیں بلکہ سائنسی حقیقت ہے-

مادہ پرستوں کا دعویٰ ہے کہ اب تک جن باتوں کا تجزیہ کیا گیا ہے وہ ایک فلسفی نقطہ نظر ہے-لیکن سادہ سائنسی حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا بیرونی مادی دنیا سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا- اس کا رابطہ صرف اس کی ذہن کی پیدا کی ہوئی دنیا سے ہوتا ہے- یہ کوئی فلسفے کا معاملہ نہیں ہے-ِ طب کی تمام تعلیم تفصیلی طور پر

ذہن میں تشکیل ہونے والے خاکوں اور احساسات کو بیان کرتی ہے-۲۰ صدی کی سائنسی تحقیق، خاص طور پر طبیعیات کا شعبہ، اس بات کی خاص طور پر وضاحت کرتا ہے کہ انسان کبھی بھی مادے کے طبیعیاتی اصل تک نہیں پہنچ سکتا اور درحقیقت ہر شخص اپنے ذہن میں موجود اسکرین پر اپنی زندگی سے متعلق مشاہدے کرتا ہے- سائنس پر یقین رکھنے والے ہر شخص پر اس سچائی کا اعتراف لازم ہے چاہے وہ بت پرست ہو، لادین ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو- حتیٰ کہ اللہ کی ذات سے منکر مادہ پرست بھی سائنس کی حقیقت سے نظریں نہیں چراسکتے- اس لئے یہ اور بھی اچھنبے کا مقام ہے کہ کارل مارکس، فریڈرک اینگلز اور جورج پولٹزر جیسے قدیم اور ناکافی سائنس سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی اس سادہ سچائی کو سمجھ نہیں پاتے- آج کے دور کی جدید سائنسی معلومات اور تکنیکی مہارت کے ذریعے اس مفصل سچائی کو سمجھنا اور بھی آسان ہے- مادہ پرست البتہ اس خوف سے منجمد ہیں کہ اگر وہ اس حقیقت کا ذرا سا بھی اعتراف کرلیں گے تو وہ الٹا اپنے ہاتھوں اپنے فلسفے کا مکمل طور پر خاتمہ کردیں گے-

مادہ پرستوں کا عظیم خوف

بہت عرصے تک اس کتاب میں زیر بحث موضوعات کے خلاف ترکی کے مادہ پرست حلقوں نے کسی شدید یا نمایاں ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا- خاص طور پر اس بات کے خلاف کہ مادے کا مشاہدہ صرف دماغ میں ہوتا ہے- اس سے یہ خیال ذہن میں آیا کہ شاید کتاب کا موضوع صحیح طور پر واضح نہیں کیا گیا اور اس میں مزید وضاحت کی گنجائش ہے- لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ بات سامنے آئی کہ مادہ پرست نہ صرف اس موضوع کی مقبولیت کے بارے میں پریشانی کا شکار ہیں بلکہ یہ مقبولیت ان کو ایک قسم کی خوف و ہراس کا بھی شکار کررہی ہے- مادہ پرستوں نے رفتہ رفتہ اس خوف و دہشت کا اظہار اپنے مخصوص جریدوں، کانفرنسوں اور شرکاءکے گروہ میں زور و شور سے مشتہر کرنا شروع کردیا- ان کی اس معاملے میں مایوس کن اور بے چین گفتگو کا انداز اس بات کا غماز تھا کہ وہ شدید قسم کے ذہنی خلفشار سے گزررہے ہیں- ان کے نام نہاد سائنسی فلسفے کی بنیاد نظریۂ ارتقاءکی مکمل بربادی ان کے لئے بہت بڑی پریشانی کا سبب تھی- ان کو اب اس بات کی پریشانی لاحق ہوگئی کہ اگر مادے کی کلی شہنشاہیت کے اوپر سے بھی ان کی پکڑ اٹھ گئی تو یہ ان کے لئے نظریۂ ڈارون کی تباہی سے بھی بڑی تباہ کاری کا پیش خیمہ ثابت ہوگی-

انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ موضوع ان کے لئے ایک ایسا زبردست خطرہ ہے جوکہ مکمل طور پر ان کے معاشرتی نظام کو برباد کردے گا-

مادہ پرست حلقوں کی اس پریشانی اور دہشت کا سب سے صاف گو مظاہرہ اعلیٰ تعلیم یافتہ منصف رینان پکنلو نے "سائنس اینڈ یوٹوپیا" نامی ایک رسالے میں کیا- اس رسالے نے مادہ پرستی کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے- اس رسالے میں چھپنے والے اپنے

لئے انہوں نے اسی خدا کے خلاف محاذ کھڑا کرلیا جس نے ان کو تخلیق کیا ہے- انہوں نے اس بات پر زوردینا شروع کردیا کہ مادہ ایک ابدی حقیقت ہے جس کا کوئی خالق نہیں- اپنی ہٹ دھرمی میں خدا سے انکار کرتے ہوئے انہوں نے مادے کے وجود میں پناہ تلاش کرنی شروع کردی جس کے ساتھ ان کی خیال میں ان کا براہِ راست واسطہ ہے- اس فلسفے پر ان کی خود اعتمادی اتنی بڑھ گئی کہ انہیں بات کا یقین ہوگیا کہ کوئی بحث اس فلسفے کو غلط ثابت نہیں کرسکتی-

یہی وجہ ہے کہ مادے کی اصل نوعیت سے متعلق اس کتاب میں موجودہ حقائق نے ان لوگوں کو حیران کردیا- ان حقائق نے ان لوگوں کے فلسفے کی جڑوں کو برباد کردیا اور مزید بحث کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی -وہ مادہ جس کے اوپر ان کی تمام سوچ، زندگی، ہٹ دھرمی اور انکا رکی عظیم و شان عمارتیں کھڑی ہیں وہ اچانک غائب ہوگیا-کسی بھی انسان نے مادے کا اصل نہیں دیکھا اس لئے کسی فلسفے کا اس پر قائم کئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے دین لوگوں کے خلاف اس کی منصوبہ بندی ہے- سورۃ انفال کی آیت نمبر ۰۳ میں آتا ہے:

اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کردیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے- (سورۃ انفال، آیت نمبر۰۳)

اللہ تعالیٰ نے مادہ پرستوں کو اس خیال میں مبتلا کرکے کہ مادے کا ایک ابدی اور دائمی وجود ہے اور پھر اسی یقین کے ہاتھوں ان کو ذلیل و رسوا کرکے ایک زبردست جال میں پھنسالیا- مادہ پرستوں کو اس بات کا یقین ہے کہ ان کی تمام ملکیت، عہدے، معاشرے او رکل کائنات کبھی نہ ختم ہونے والی ابدی حقیقت ہے- انہی تمام چیزوں پر انحصار کرنے سے ان کارویہ اللہ تعالیٰ سے رعونیت پسند ہوچلا- اپنے غرور میں وہ اللہ سے باغی ہوگئے اور اپنی بے دینی میں اضافہ کرتے چلے گئے- اس تمام عمل کے دوران مادے پر ان کا یقین بھی سوا ہوگیا- ان کی سمجھ اتنی ناقص ہے کہ وہ یہ سادہ سی بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اللہ ان کے چاروں طرف، اندر باہر ہر جگہ موجود ہے اور وہ ان کا حال ان سے بہتر جانتا ہے- بے دین لوگوں کا یہ حال ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے- سورۃ طور میں آتا ہے:

یا کسی داؤں (فریب) کے ارادہ میں ہیں تو کافروں ہی پر داؤں (فریب) پڑنا ہے- (سورۃ طور، آیت ۲۴)

مادہ پسندوں کی شکست تو شاید تاریخ کی سب سے بڑی ذہنی شکست ہے- اپنے بڑھتے ہوئے تکبر کے ہاتھوں ہی ان کو دھوکہ ہوگیا اور اللہ کے خلاف سازش کرنے کی دھن میں وہ خود ہی اس سازش کا شکار ہوگئے- سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے انجام کے متعلق فرماتا ہے:

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کئے کہ اس میں داؤ کھیلیں اور داؤ نہیں کھیلتے مگر اپنی جانوں پر اور انہیں شعور نہیں (سورۃ انعام، آیت ۳۲۱)

اسی زمرے میں ایک اور آیت آئی ہے کہ:

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں (سورۃ بقرہ، آیت۹)

ان سازشوں کو تشکیل دیتے ہوئے بے دین لوگوں کے ذہنوں میں لمحے بھر کو بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان کو پیش آنے والے تمام واقعات صرف اور صرف ان کے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور ان کی ساری منصوبہ بندیاں بھی ان کے ذہن تک محدود ہیں بالکل سی طرح جس طرح ان کا ہر دوسرا کام ہے- اپنی بے عقلی میں وہ اس حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکیلے ہیں اور اپنی منصوبہ بندیوں کے بُنے ہوئے جال میں خود گرہے ہیں-ماضی کے بے دین لوگوں کی طرح دوِ حاضر کے یہ بے دین لوگ بھی ایک ایسی حقیقت کے بالمقابل آچکے ہیں جوکہ ان کے شیطانی منصوبوں کا مکمل خاتمہ کردے گی- سورۃ النساءمیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے- (سورۃ النسائ، آیت ۶۷)

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ ان تمام منصوبوں کا انجام پہلے دن سے ناکامی ہے اور وہ اس آیت سے ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے:

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بے شک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں (سورۃ آل عمران، آیت۰۲۱)

ملاقات میں کرسکتا ہے- یا پھر پکنلو خواب میں ہی اس خطرے کا ادراک کرتے ہوئے دوسرے لوگوں کو لینن کی ایک صدی پرانی کتاب پڑھنے کا مشورہ دے سکتا ہے- چاہے وہ کچھ بھی کرلیں یہ مادہ پرست کبھی بھی اس بات سے انحراف نہیں کرسکتے کہ ان کے ساتھ پیش آنے والے تمام واقعات اور وہ تمام لوگ جن کے ساتھ انھوں نے گفتگو کی تھی وہ ان کے ذہنی مشاہدات کے علاوہ کچھ اور چیز تھے-

تو پھر ان ذہنی خاکوں کے جوڑوں کی تصدیق کون کرسکتا ہے؟ کیا انسانوں کے بصارت کے مرکز میں موجود سایہ نما لوگ ان جوڑوں کی موجودگی کی تصدیق کریں گے؟ مادہ پرستوں کے لئے کسی بھی ایسے بیرونی ذرائع کو ڈھونڈنا ناممکن ہے جوکہ ذہن کے باہر موجود "معلومات' ' کی تصدیق کرسکے- اگر کوئی اس بات کا اعتراف تو کرلے کہ یہ تمام مشاہدات ذہن میں ہی تشکیل ہوئے ہیں لیکن اس بات پر پھر بھی اصرار کرے کہ ان مشاہدات کی دنیا سے "باہر" نکلنا اور اصل بیرونی دنیا کے باتھوں کی تصدیق کرنا ممکن ہے تو پھر یہ اس شخص کی محدود مشاہداتی صلاحیت اور معذور منطق کو ثابت کرتی ہے- یہ تمام حقائق معمولی سی عقل و فہم اور منطق کے حامل انسان کے لئے بھی سمجھنا بہت آسان ہے -کسی بھی غیر متعصبانہ انسان کے لئے یہ بھی سمجھنا مشکل نہیں کہ انسانی حسیات کی بیرونی دنیا تک پہنچ ممکن ہی نہیں- لیکن مادہ پرستی سے اندھا لگاؤ لوگوں کی منطقی صلاحیات کو معذور کردیتا ہے-

یہاں پر بتائی گئی تمام باتوں پر اگر غور کیا جائے تو اس حیرت انگیز اور غیر معمولی صورتحال کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں کہ دنیا ایک ایسا کرہ ہے جو کہ صرف انسان کے امتحان کے لئے تخلیق کیا گیا ہے- اپنی مختصر زندگیوں کے دوران لوگ اپنے مشاہدوں کے ہاتھوں آزمائے جاتے ہیں جوکہ ان کو نہایت رنگین اور جاذب نظر معلوم ہوتے ہیں- لیکن ان پرفریب مشاہدوں کے اصل ذریعے تک وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے-

کھڑکی سے باہر دیکھنے والا شخص باہر موجود تصویر کو نہیں دیکھتا بلکہ اس خاکے کو دیکھتا ہے جو کہ اس کا دماغ اس کو پیش کرتا ہے-

اپنے پچھلوں کی طرح جدید مادہ پرست بھی انہی شدید منطقی کمزوریوں کا مظاہرہ کرتے ہیں جب وہ اس بات کو ثابت کرنے پر تل جاتے ہیں کہ وہ کھانا کھالینے یا پتھروں کو لات ماردینے سے مادے کے اصل تک پہنچ سکتے ہیں-یہ کوئی حیران کن صورتحال نہیں ہے- ناسمجھی کی یہ کمزوری ،یعنی کہ دنیا اور اس کے واقعات کی معتبر منطق کے ساتھ تشریح ،دراصل بے دین لوگوں کی ایک عام علامت ہے- اللہ تعالیٰ قرآن میں سورۃ مائدہ کی آیت ۵۸ میں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے عاری لوگ ہیں-

مادہ پرست تاریخ کے سب سے بڑے جال میں پھنس گئے ہیں

ترکی کے مادہ پرست حلقے جس پریشان کن صورتحال کا شکار ہیں اس کی اس کتاب میں صرف تھوڑی سی ہی مثالیں دی گئی ہیں اور ان سب مثالوں سے ثابت ہے کہ مادہ پرست شدید ناکامی کا شکار ہیں- جدید سائنس نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ انسان مادے کے اصل تک نہیں پہنچ سکتا اور اس بات کو سائنس نے صاف گو، پرزور اور پر اثر طریقے سے دنیا کے آگے پیش کردیا ہے- مادہ پرستوں کو اچھی طرح سے اندازہ ہے کہ وہ مادی دنیا جس کے اوپر ان کے تمام فلسفے کی بنیاد ہے ایک ایسی مشاہداتی سرحد ہے جس کو وہ کبھی بھی عبور نہیں کرسکتے- اس حقیقت کے سامنے ان کا کوئی زور نہیں چلتا- پوری انسانی تاریخ کے دوران مادیت ہمیشہ سے موجود رہی ہے- چونکہ مادہ پرستوں کو اپنے اوپر اور اپنے فلسفے کے اوپر اتنا اعتماد تھا اسی

بھی اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے،چاہے وہ اس چیز کا اعتراف کریں یا نہ کریں- روزِ محشر کے دن ہر انسان سے حساب لیا جائے گا لیکن کچھ لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی-

موضوع کی اہمیت

اس باب میں بیان کی گئی مادے کی اہمیت کے پیچھے پوشیدہ اصل راز کو سمجھنا بہت ضروری ہے-انسان کو نظر آنے والی ہر چیز پہاڑ، میدان ، پھول، سمندر، لوگ، غرض ایک ایک تنکا اللہ تعالیٰ نے خلا سے تخلیق کیا لیکن وہ پھر بھی نظر آتا ہے اور موجود ہے -لیکن لوگوں کو یہ تمام چیزیں اپنی حسیات کے مشاہدوں سے ہی نظر آتی ہیں اوروہ اس سے مزےد' اصل' تک نہیں پہنچ سکتے- یہ ایک ایسی سائنسی حقیقت ہے جس کو ہر طبی کتاب میں اہمیت حاصل ہے- حتیٰ کہ اس مخصوص کتاب کو پڑھنے والا اس کے اصل تک بھی نہیں پہنچ سکتا- اصل کتاب میں سے نکلنے والی شعاعیں آنکھوں کی خلیوں کے ذریعے برقی اشاروں میں تبدیل ہوجاتی ہیں جوکہ دماغ میں بصارت کے مرکز تک پہنچ کر کتاب کے خاکے میں تبدیل ہوجاتی ہیں- اس کتاب کو آنکھیں نہیں پڑھ رہیں بلکہ دماغ کے پچھلے حصے میں موجود بصارت کا مرکز اس کو اس مشاہدے میں تبدیل کررہا ہے جس کے ذریعے یہ کتاب نظر آرہی ہے- دماغ میں موجود کتاب اصل کتاب کی نقل ہے- اصل کتاب کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے- انسان وہی دیکھ رہا اور اتنا ہی دیکھ رہا ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے- اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مادے کا ذہن میں خاکہ موجود ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ذہن مادے کی موجودگی کو مکمل طور پر رد کردے- بلکہ یہ تو مادے کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کا ذریعہ ہے کہ انسان مادے کی اصل سے رابطہ پیدا کر ہی نہیں کرسکتا- گو کہ بیرونی دنیا میں موجود مادہ صرف ایک انسان کو نہیں بلکہ ہر انسان کو نظر آتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں پر معمور فرشتوں کو بھی یہ مادہ نظر آتا ہے،لےکن اس کے اصل کا علم صرف اللہ کو ہے:

اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہوگئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو بے شک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سب غیب اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے- (سورہ ق، آیت ۷۱-۸۱)

اللہ تعالیٰ بھی ہرچیز کو دیکھتا ہے اسی نے یہ پوری کائنات اس کی تمام تر تاریکیوں کے ساتھ تخلیق کی اور وہ اس کی ہر کیفیت اور ہر تفصیل سے آگاہ ہے- قرآن میں آتا ہے:

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو اور پورے دو برس اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہئے اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا ہے حسب دستور کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے یہ ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے پھر اگر ماں باپ دونوںآپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں اور اگر تم چاہو کہ دائیوں سے اپنے بچوں کو دود ھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دےنا ٹھہرا تھا بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے- (سورۃ بقرہ، آیت ۳۳۲)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بارے میں معلومات لوح محفوظ میں درج کرتا جاتا ہے- انسان کو جن باتوں کا علم بھی نہیں ان کا بھی اندراج اس کتاب میں محفوظ ہے- اللہ اس کے بارے میں کہتا ہے:

اور بے شک وہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ضرور بلندی و حکمت والا ہے- (سورۃ زخرف، آیت ۴)

اور جتنے غیب ہیں آسمانوں اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں- (سورۃ نمل، آیت۵۷)

اختتام

اس کتاب کا موضوع کسی بھی زندگی میں آنے والی سب سے بڑی سچائی ثابت ہو سکتی ہے- اس بات کو ثابت کردینا کہ بیرونی مادی دنیا صرف انسانی ذہن میں موجود ہے اور انسانوں کا اس دنیا کے "اصل" سے کبھی بھی کوئی واسطہ پیدا نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کی موجودگی ،اس کی تخلیق کا اعتراف اور اس کی وحدانیت پر یقین دلانے کے لئے کافی ہے- جس شخص کو اس کتاب کے موضوع کی سمجھ آجائے وہ جان لے گا کہ دنیا دراصل وہ ہے ہی نہیں جو اس کو اب تک نظر آرہی تھی- یہ وہ حقیقی اور دائمی جگہ ہے ہی نہیں جس میں لوگ بڑے بڑے کمروں اور گاڑیوں میں تکبر کے ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرے لوگوں سے لڑتے بھڑتے ہیں اور اپنی پوری زندگی کھوکھلے مقاصد کی تکمیل میں صر ف کردیتے ہیں-

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریت کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھردیا اور اللہ جلد حساب کرلیتا ہے۔ (سورۃ نور، آیت۹۳)

مادیت باغی اور سرکش لوگوں کے لئے ایک سراب ہے کیونکہ جب وہ مادیت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو اس کا فلسفہ ان کے لئے صرف ایک فریب ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سراب کے ذریعے دھوکے میں رکھتا ہے اور ان کو مادے کے بارے میں تمام مشاہدات حتمی اور دائمی محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تمام نامور پروفیسر، ہیئت دان، ماہرِ حیاتیات، ماہرِ طبیعیات اور دوسرے کئی شعبوں سے تعلق رکھنے والے اونچے پایہ کے سائنسدان اپنے عہدے اور اعلیٰ علم کے باوجود دھوکے میں آکر شدید ذلت کا شکار ہوتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ مادے کو خدا مان لیتے ہیں۔ اس بات کے باوجود کہ وہ اس کے اصل تک پہنچنے سے قاصر ہیں وہ پھر بھی مادے کو یقینی اور حتمی مان کر اپنے تمام فلسفے اور فکریات کی بنیاد عقل کے اس عظیم دھوکے پر رکھتے ہیں اور اس کے متعلق سنجیدہ غور و فکر اور بظاہر پڑھی لکھی بحث و مباحثے میں دنیا کو الجھاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی عقل ان کو کائنات کی سچائی کے بارے میں بحث کرنے کے لائق بنادیتی ہے اور وہ اپنی محدود سمجھ سے اللہ تعالیٰ پر تنقید کے بھی اہل ہوجاتے ہیں۔ اس صورتحال کو اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں اس طرح بیان کرتا ہے:

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے (سورۃ آل عمران، آیت ۴۵)

ایک عام انسان شاید دنیا میں لوگوں کی منصوبہ بندیوں سے فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے لیکن بے دین لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے منصوبے اتنے حتمی اور مضبوط ہیں کہ ان سے فرار حاصل کرنا ناممکن ہے ۔اللہ تعالیٰ کے عتاب سے کوئی پناہ نہیں اور اس کی پناہ صرف اس کے مالک، خالق اور ایک ہونے کے اعتراف سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ سورۃ النساءکی آیت نمبر ۳۷۱ میں آتا ہے:

تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مزدوری انہیں بھرپور دے کر اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنھوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔ (سورۃ النسائ، آیت ۳۷۱)

مادہ پرستوں کو ایسے جال میں پھنسنے کی امید تھی ہی نہیں۔ ۱۲ ویں صدی کی تمام سائنسی اور تحقیقی طاقت سے لیس ہوکر وہ مزید پریقین ہوچلے تھے کہ ان کی ہٹ دھرمی اور انکار کا کوئی توڑ ہو ہی نہیں سکتا اور وہ اندھادھند پوری دنیا کو بھی اپنے عقیدے میں شامل کرتے چلے جائیں گے۔ بے دین لوگوں کی اس مخصوص ذہنیت کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان کے مکر کا ہم نے ہلاک کردیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو تو یہ ہیں ان کے گھر ڈھے پڑے بدلہ ان کے ظلم کا بے شک اس میں نشانی ہے جاننے والوں کے لئے۔
(سورۃ النمل، آیت۵۰-۱۵)

مادہ پرستوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کی ہر ملکیت دراصل ان کے ذہن کا حصہ اور محض 'مکر' ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جیسے جیسے ان کے ہاتھ میں موجود ان کی ہر چیز مثلاً ان کے اثاثے، سونے، جواہرات، بچے، بیوی، شوہر، دوست، عہدے حتیٰ کہ ان کے جسم بھی جس کو وہ لافانی خیال کرتے تھے ان سے دور ہوتی جائیں گے تو وہ اس حقیقت کے بالمقابل آتے جائیں گے کہ یہ مادہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات ہے جوکہ لافانی اور ابدی ہے۔اس سچائی کا ادراک کسی بھی مادہ پرست کے لئے ایک ناقابل بیان تکلیف کا مقام ہے۔ وہ مادہ جس کے اوپر انہوں نے اندھا ایمان، اعتقاد اور یقین رکھا وہی ان سے دور ہوجاتا ہے۔ ان کے الفاظ میں یہ صورتحال "موت سے پہلے موت" کے مشابہ ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کے ساتھ اکیلے رہ جاتے ہیں۔ سورۃ مدثر آیت نمبر۱۱ میں آتا ہے:

اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا (سورۃ مدثر، آیت ۱۱)

یہ زبردست حقیقت کئی اور سورتوں میں بھی واضح ہے:

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعوے کرتے تھے۔ (سورۃ انعام، آیت ۴۹)

اور ان میں ہر ایک روزِ قیامت اس کے حضور اکیلا حاضر ہوگا۔ (سورۃ مریم، آیت ۵۹)

اس آیت کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ مادے کو اپنا خدا ماننے والوں کو بھی اللہ نے ہی بنایا ہے اور ان کو

اٹھارھواں باب

وقت کی اضافیت اور تقدیر کی اصلیت

اب تک بیان کی گئی ہر بات اس چیز کو واضح کردیتی ہے کہ انسان اصلیت کی سہ ابعادی خلاءسے براہِ راست رابطہ کبھی بھی پیدا نہیں کرسکتا اور وہ اپنی تمام زندگی اپنے ذہن کے اندر ہی گزارتا ہے- اس کے علاوہ کسی اور چیز کا اعتراف کرنا ایک ایسے توہماتی عقیدے پر یقین کی طرح ہوگا جوکہ منطق اور سائنسی سچ دونوں سے دور ہے کیونکہ انسان بیرونی دنیا کے اصل سے کبھی بھی براہِ راست رابطہ نہیں کرسکتا- یہ حقیقت نظریۂ ارتقاءکی بنیادی تہ یعنی کہ مادیت کے فلسفے کی رو کو رد کردیتی ہے کیونکہ مادہ نہ تو حتمی ہے اور نہ ہی دائمی- مادی فلسفے کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ وقت بھی حتمی اور دائمی ہے- یہ مفروضہ بھی پہلے مفروضے کی طرح ہی ایک وہم ہے-

وقت کا مشاہدہ

وقت ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے لمحوں کے درمیان موازنہ کیا جاسکتا ہے- مثال کے طور پر اگر کوئی انسان کسی شے پر ہاتھ مارے تو اس کو ایک مخصوص آواز سنائی دیتی ہے- اگر اسی شے کو وہ پانچ منٹ بعد ہاتھ مارے تو اس سے مختلف طرح کی آواز آتی ہے- یہ قیاس کرتے ہوئے کہ دونوں آوازوں کے درمیان وقفہ ہے انسان اس وقفے کو "وقت" کا نام دیتا ہے- جب وہ دوسری آواز سنتا ہے تو اس وقت تک پہلی والی آواز اس کے ذہن میں ایک یاد بن جاتی ہے ےا تصور میں معلومات کا چھوٹا سا ٹکڑا-انسان وقت کے مشاہدے کی تشکیل حال کے لمحے اور یادداشت کے لمحے کے درمیان موازنے کے ذریعے کرتا ہے- اگر وہ یہ موازنہ نہ کرے تو اس کو وقت کا مشاہدہ بھی نہیں ہوسکتا-

اسی طرح جب کوئی کسی کو دروازے سے داخل ہوکر کمرے میں پڑی کرسی پر بیٹھے دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں موازنہ پیدا ہوتا ہے- اس آدمی کے کرسی پر بیٹھنے تک دروازہ کھولنے اور کرسی تک آنے کے خاکے اس کی یادداشت میں معلومات کے ٹکڑوں کی صورت میں جمع ہوچکے ہوتے ہیں- وقت کا مشاہدہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کا موازنہ یادداشت میں موجود معلومات سے کیا جاتا ہے- مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وقت ذہن میں محفوظ معلومات کے درمیان موازنوں کا نتیجہ ہے- اگر انسان کے اند ریادداشت نہیں ہوتی تو اس کا ذہن ایسی تشریحات کرنے سے قاصر ہوتا اور اس کے اندر وقت کا کوئی مشاہدہ تشکیل نہیں پاسکتا-انسان اپنے آپ کو ۰۳ سال کا اس لئے تصور کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے ذہن میں ۰۳ سالوں سے متعلق معلومات کا ذخیرہ جمع کیا ہوا ہوتا ہے- اگر اس کی یادداشت نہیں ہوتی تو وہ اپنی زندگی کے کسی گزشتہ دور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اس کے ذہن میں صرف وہ حالیہ لمحہ موجود ہوتا جس میں وہ جی رہا ہے-

ابدیت کی سائنسی وضاحت

اس مخصوص موضوع کی وضاحت مختلف سائنسدانوں اور دانشوروں کے الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے- وقت کے پیچھے جانے کے بارے میں جو قیاس ہے اس پر مشہور دانشور اور نوبل انعام یافتہ جینیات کا پروفیسر فرانکوائس جیکب اپنی کتاب "داپلے آف پوسیبیلیٹیز" یا "اتفاقات کا کھیل" میں لکھتا ہے:

"الٹی چلائی جانے والی فلمیں ہم کو ایک ایسی تصوراتی دنیا میں لے جاتی ہیں جس میں وقت الٹا چلتا ہے- ایک ایسی دنیا جس میں چائے میں ملا دودھ الگ ہوکر، پیالی میں سے اچھل کر واپس دودھ دان میں چلا جاتا ہے- ایک ایسی دنیا جس میں دیواروں سے روشنی کی شعاعیں نکل کر روشنی کے ذریعے میں جمع ہوجاتی ہیں،بجائے اس کے کہ وہ اس ذریعے میں سے نکلیں- ایک ایسی دنیا جس میں پانی میں پھینکا ہوا پتھر پانی کے لاتعداد قطروں کے حیرت انگیز تعاون سے دوبارہ ایک جان ہوجانے سے اچھل کر پھینکنے والے کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے -لیکن پھر بھی ایسے الٹے چلتے وقت کی مخالف خصوصیات سے مزین دنیا میں ہمارا ذہن اور یادداشت کا معلومات جمع کرنے کا نظام بھی الٹا ہی کام کرے گا- یہی بات ماضی اور مستقبل کے لئے بھی سچ ہے گوکہ دنیا ہم کو بالکل اسی طرح نظر آتی ہے جس طرح کی وہ حال میں ہے-"۵۰۲

دنیا تو ذہن میں بننے والا ایک ایسا خاکہ ہے جس کے اصل تک انسان پہنچ ہی نہیں سکتا- دنیا میں موجود ہر جاندار اور انسان کے لئے دنیا ان کے دماغ میں ایک خاکے کے سوا کچھ بھی نہیں جس کے اصل کو وہ کبھی بھی نہیں پاسکتے اور پھر بھی وہ اس زبردست حقیقت سے لاعلم ہیں-یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے انکار کرتے ہوئے اس مادی فلسفے کو مکمل طور پر کھوکھلا بنادیتی ہے - یہی وہ حقیقت ہے جس کو سمجھ لینے سے مارکس، اینگلز اور لینن جیسے مادہ پرست نہ صرف پریشانی کا شکار ہوگئے بلکہ شدید غصے میں بھی آگئے اور اپنے پیروکاروں کو سختی سے تنبیہ کردی کہ وہ اس حقیقت کے بارے میں سوچیں بھی نہیں- مادہ پرستوں کے ذہن اور سوچ اتنی ناقص ہوتی ہے کہ وہ اتنی سی بات کا ادراک بھی نہیں کرسکتے کہ بیرونی دنیا کے بارے میں ہر مشاہدہ ذہن کے اندر تشکیل ہوتا ہے- کیونکہ وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں وہی اصل بیرونی دنیا ہے اسی لئے کسی اور خیال تک ان کی سوچ جاتی ہی نہیں- یہ لاعلمی عقل و فہم کی وہ کمی ہے جوکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے دین لوگوں میں موجود ہوتی ہے- قرآن میں آتا ہے:

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں- (سورۃ اعراف، آیت ۹۷۱)

اپنے ذاتی غور و فکر کا استعمال کرتے ہوئے کوئی بھی انسان اس سچائی کی مزید گہرائی میں جاسکتا ہے- لیکن اس کے لئے اس کا اپنے ذہن کو تعصب سے پاک کرنا شرط ہے- اس کے بعد وہ ارد گرد موجود چیزوں پر غور کرے کہ وہ کیسی محسوس ہوتی ہیں- اگر توجہ سے صرف اسی کتاب کے بارے میں سوچا جائے تو یہ احساس ہو گا کہ اس کتاب کو پڑھنے اور اس کے بارے میں سوچنے والا وجود صرف روح ہے جوکہ اس کتاب سے متعلق مشاہدات کو ذہن میں دیکھ رہی ہے- جس کسی کو یہ بات سمجھ میں آجائے گی وہ مادیت کے اس فریب سے دور ہوجائے گا جس میں انسانیت پھنسی ہوئی ہے اور وہ بلاشبہ زندگی کی اصل سچائی کو پالے گا-اس سچائی کو تاریخ میں کئی فلسفہ دانوں اور خدا پرستوں نے پالیا تھا -وحدۃ الوجود کا تصور بھی اس سچائی کی غلط تشریح اور کسی بھی خالق کی موجودگی کو رد کردینے کی وجہ سے دھندلاگیا تھا- امام ربانی نے اس تصور کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کیا- امام ربانی کے مطابق "تمام جاندار اور ہر تخلیق ایک سایہ ہے جس کی اصل شناخت اللہ کی ذات ہے-"

امام ربانی، محی الدین ابن اعرابی اور مولانا کامی جیسے بلند پایہ اسلامی دانشوروں نے بھی اپنی منطق استعمال کرتے ہوئے اس حقیقت کو قرآن کے اشاروں سے اخذ کرلیا تھا- کچھ مغربی فلسفہ دانوں مثلاً جورج برکلی نے بھی یہی سچائی اپنی عقل و فہم سے حاصل کرلی- امام ربانی نے اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ "تمام مادی کائنات ایک خاکہ اور مشاہدہ ہے اور صرف اللہ کی ذات ہی حتمی اور اصل وجود ہے-"

"خدا اس نے جن چیزوں کو تخلیق کیا ہے ان کا وجود خلاءہے- اس نے ہر چیز احساسات اور مشاہدات کے دائرے میں رکھ دی ہے- کائنات کی موجودگی بھی اسی احساس اور مشاہدے کے دائرے کے اندر ہے- اس کا کوئی مادی وجود نہیں ہے- سچائی یہ ہے کہ باہر کی دنیا خدا جیسے شاندار وجود کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں"-۲۰۴

پوری تاریخ میں اس حقیقت کو سمجھنے والوں کی تعداد ہمیشہ محدود رہی ہے- امام ربانی جیسے بلند پایہ دانشور نے لکھا ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو یہ حقیقت بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتاکیونکہ شاید ان کو یہ بات کبھی بھی سمجھ نہیں آتی- لیکن دورِ حاضر میں یہ حقیقت سائنسی ثبوت کے ذریعے واضح اور ثابت کردی گئی ہے- پہلی دفع مادے کے حتمی نہ ہونے اور اس کے بارے میں انسانی سوچ اور معلومات کا نہایت محدود ہونے کو ٹھوس، صاف اور واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے-اسی وجہ سے ۱۲ ویں صدی ایک فیصلہ کن تبدیلی کا دور ہے جس میں لوگ جوق در جوق اس الوہی سچائی کو سمجھ لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے- ۱۲ ویں صدی میں ۹۱ ویں صدی کے مادی معتقدات تاریخ کے کچرے کے ڈھیروں کی نظر ہوجائیں گے، اللہ کی تخلیق اور موجوگی کا اعتراف کرلیا جائے گا اور وقت اور خلا کی غیر موجودگی کا تصور بھی واضح ہوجائے گا- انسانیت صدیوں پرانے فریبوں، نقابوں اور توہمات سے آزاد ہوجائے گی-مادیت جیسا کوئی بھی سایہ صفت وجود یا تصور اس ازلی اور دائمی سفر سے انسانیت کو روک نہیں سکتا-

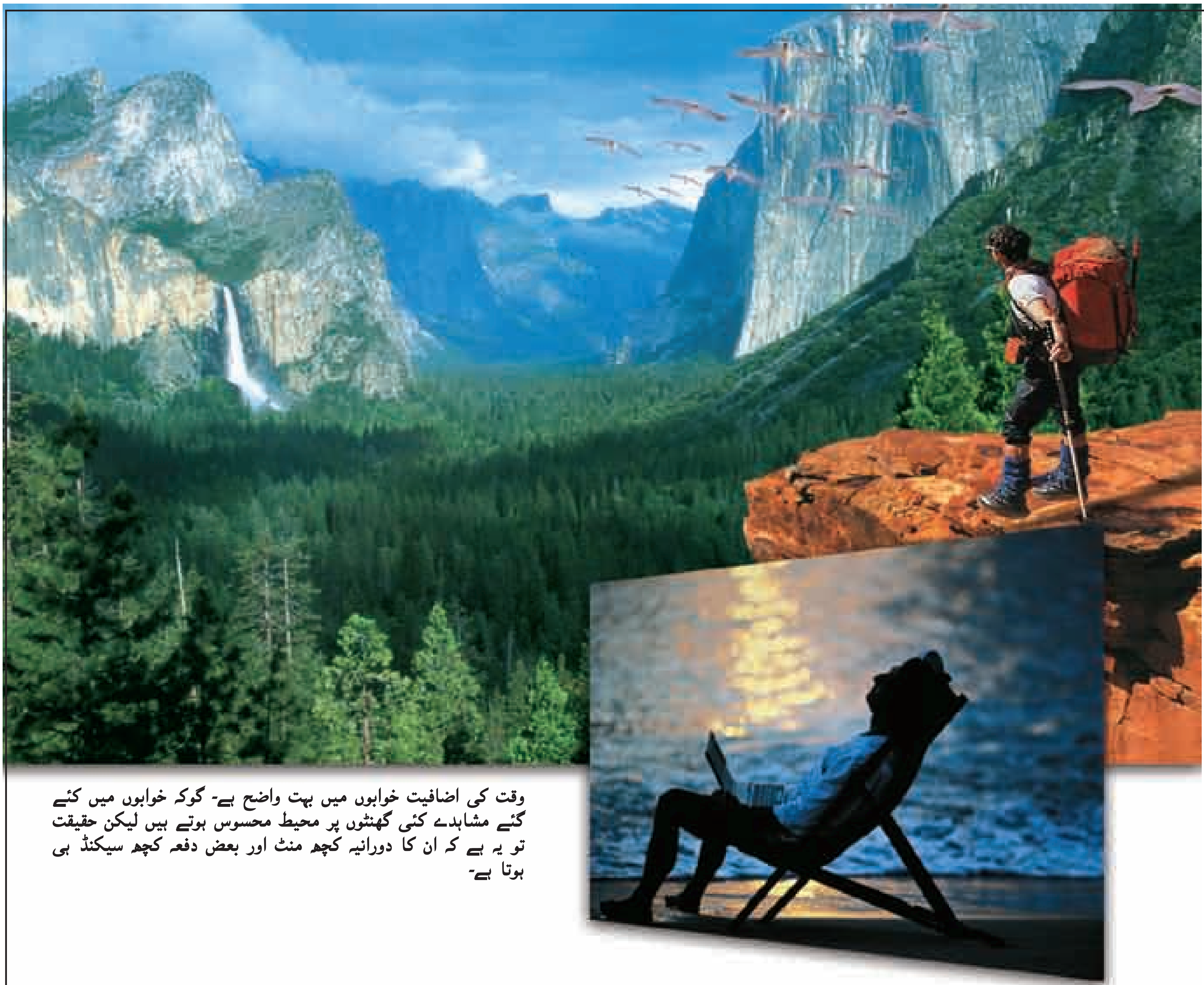

وقت کی اضافیت خوابوں میں بہت واضح ہے- گوکہ خوابوں میں کئے گئے مشاہدے کئی گھنٹوں پر محیط محسوس ہوتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ان کا دورانیہ کچھ منٹ اور بعض دفعہ کچھ سیکنڈ ہی ہوتا ہے-

گزارے ہیں -لیکن اگر یہ شخص کہے کہ اس نے کمرے میں صرف دودن گزارے ہیں اور کھڑکی سے نظر آنے والا سورج جعلی تھا اور کمرے کی گھڑی کی رفتار بہت تیز تھی توپھر ۴ دن کا اندازہ لگانے والے کا حساب و شمار غلط قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ کمرے میں موجود شخص کی بات کی سچائی کو جانچنے کا کوئی آلہ ایجاد ہی نہیں ہوا ہے- اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت کے گزرنے کی رفتار کے بارے میں تمام معلومات مشاہدہ کرنے والے کے اوپر منحصر ہیں-

وقت کے اضافی ہونے کی حقیقت سائنسی علمی طریقہ کار سے بھی ثابت کردی گئی ہے- آئنسٹائن کے نظریۂ عمومی اضافیت کے حساب سے وقت کی رفتار کسی شے کی رفتار اور اس کے کشش ثقل سے فاصلے کے اوپر منحصر ہے اور ان دونوں چیزوں میں تبدیلی وقت کی رفتار میں بھی تبدیلی لاتی ہے- جیسے جیسے رفتار بڑھتی ہے اس طرح وقت کم ہوجاتا ہے یا گھٹ جاتا ہے اور آہستہ ہوتے ہوتے مکمل طور پر رک جانے کے قریب ہوجاتا ہے-

آئنسٹائن نے یہاں جڑواں لوگوں کی مثال پیش کی ہے- فرض کرتے ہیں کہ ایک جڑواں زمین پر رہتا ہے جبکہ اس کا ساتھی خلاءمیں نوری رفتار سے بھیج دیا جاتا ہے- واپس آنے پر خلاءوالے جڑواں کو پتہ چلے گا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھائی اس سے عمر میں زیادہ بڑا ہوگیا ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت نوری رفتار کے قریب سفر کرنے والے کے لئے آہستہ چلتا ہے-پھر ایک مثال خلاءمیں سفر کرنے والے باپ اور اس کے بیٹے کی ہے جو کہ زمین پر رہ رہاتھا- اگر باپ سفر کے شروع میں ۷۲ سال کا تھا اور اس کا بیٹا ۳ سال کا تھا تو واپس آنے پر زمین کے وقت کے مطابق باپ کی عمر ۰۳ سال ہوگی جبکہ بیٹے کی عمر ۳۳ سال ہوگی-۹۰۲

وقت کی یہ اضافیت آہستہ یا تیز ردوڑنے والی گھڑیوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ پورے مادی نظام کی کارروائی کے دوروں کی تفریق کا نتیجہ ہے جو کہ اتنے گہرے ہیں جتنے کہ ایٹم کے اندر واقع ذرات- وقت کے پھیل جانے کے کسی منظر میں انسان کی دل کی دھڑکن، خلیوں کی ہم نقلی ا ور ذہنی کارکردگی کی رفتار بھی آہستہ پڑجاتی ہے- انسان اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف رہتا ہے اور اس کو وقت کے آہستہ ہونے کا اندازہ ہی نہیں ہوتا-

لیکن چونکہ انسانی ذہن کو واقعات محفوظ کرنے کے ایک مخصوص نظام کی عادت ہوچکی ہے اسی لئے اس کے لئے دنیا اوپر دئے گئے نقشے سے نہیں چلتی- انسانی ذہن ہمیشہ یہی مفروضہ کرتا ہے کہ وقت آگے جاتا ہے- یہ ایک ذہن کا کیا ہوا فیصلہ ہے اور اسی لئے سراسر اضافی ہے-

حقیقت یہ ہے کہ انسان کبھی بھی یہ جان نہیں سکتا کہ وقت کس سمت میں چلتا ہے اور آیا یہ چلتا بھی ہے کہ نہیں -اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت ایک حتمی حقیقت نہیں بلکہ مشاہدے کا ذریعہ ہے-

وقت کا محض ایک مشاہدہ ہونے کی تصدیق آلبرٹ آئنسٹائن نے اپنی کتاب "تھیوری آف جنرل ریلاٹیویٹی" میں بھی کی ہے- لنکن بارنٹ اپنی کتاب "دایونیورس اینڈ ڈاکٹر آئنسٹائن" یا "کائنات اور ڈاکٹر آئنسٹائن" میں لکھتا ہے:

"حتمی خلاءکے ساتھ ساتھ آئنسٹائن نے حتمی وقت کا تصور بھی رد کردیا- اس کے نزدیک تسلسل سے بہتا ہوا لامحدود ماضی سے لامحدود مستقبل تک آتا ہوا کائناتی وقت ایک معزور مفروضہ تھا- نظریۂ اضافیت کو چھپانے والی دھندلاہٹ انسان کے وقت کی حس کو پہچاننے کے گریز سے ہے جوکہ رنگ کی حس کی طرح مشاہدے کی ایک شکل ہے- جس طرح خلاءبھی مادی اشیاءکی ممکنہ ترتیب ہے اسی طرح وقت بھی واقعات کی ممکنہ ترتیب کا نام ہے- وقت کی موضوعیت آئنسٹائن کے اپنے الفاظ میں بہترین طور سے بیان کی جاسکتی ہے- وہ کہتا ہے کہ کسی انسان کے ذاتی مشاہدے ہم کو واقعات کی سلسلہ وار ترتیب معلوم ہوتی ہے- اس ترتیب میں ہم کو یاد رہنے والے واحد واقعات پہلے اور جلدی کے معیار پر ترتیب دیئے ہوئے ہوتے ہیں- اسی لئے اس انسان کے لئے ایک "میں" کا وقت یا موضوعی وقت کا تصور موجود ہوتا ہے جس کی بذاتِ خود کوئی پیمائش نہیں کی جاسکتی- اسی لئے واقعات کے ساتھ ہندسے وابستہ کئے جاتے ہیں- وہ اس طرح کہ بڑا ہندسہ سب سے حالیہ واقعہ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے-"۶۰۲

جس طرح بارنٹ نے لکھا ہے کہ:

"آئنسٹائن کے تجزیئے سے ظاہر ہے کہ خلا اور وقت وجدان کی قسمیں ہیں جن کو شعور سے بالکل اسی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا جس طرح کہ رنگ، پیمائش اور ظاہری شکل کے تصورات-نظریۂ اضافیت کے مطابق وقت کا کوئی آزاد یا بے نیاز وجود نہیں ہے ماسوائے واقعات کی اس ترتیب کے جس کے ذریعے ہم اس کو ناپتے ہیں"-۷۰۲

چونکہ وقت کا انحصار مشاہدوں پر ہے اسی لئے وقت مکمل طور پر مشاہدہ کرنے والے فرد کی مرضی کا غلام ہے جس کے نتیجے میں وقت صرف ایک اضافی نوعیت کا ایک تصوربن کر رہ جاتا ہے-

وقت کے گزرنے کی رفتار اس کو ناپنے کے حوالوں پر منحصر ہے کیونکہ انسانی جسم کے اندر کوئی ایسی قدرتی گھڑی موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وقت کے گزرنے کو ناپا جاسکے- جیسا کہ بارنٹ لکھتا ہے:

"بالکل اسی طرح جس طرح مشاہداتی آنکھ کی موجودگی کے بغیر رنگ کا کوئی وجود نہیں بالکل اسی طرح نشانی کے طور پر کسی واقعے کی موجودگی کے بغیر کسی بھی لمحے، گھنٹے اور دن کا بھی کوئی وجود نہیں ہے"-۸۰۲

وقت کی اضافیت کا اندازہ خوابوں کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے- حالانکہ خواب میں دیکھے مشاہدات کئی گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں مگر حقیقتاً ان کا دورانیہ کچھ منٹ اور بعض دفعہ کچھ سیکنڈ ہوتا ہے- اس نقطہ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے-

فرض کرتے ہیں کہ کسی انسان کو ایسے خاص طور پر تعمیر کئے ہوئے کمرے میں ڈال دیا جاتا ہے جس کے اندر ایک ہی کھڑکی ہوتی ہے اور اس کمرے میں اس کو مخصوص مدت کے لئے رکھا جاتا ہے- دیوار پر لگی ایک گھڑی اس کو وقت کے گزرنے کا احساس دلاتی رہتی ہے- تمام وقت کے دوران کمرے کی کھڑکی سے وہ سورج کے ابھرنے اور غروب ہونے کا بھی اندازہ کرسکتا ہے- کچھ دن بعد اگر اس سے کمرے میں گزارے وقت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ گھڑی کو دیکھتے رہنے اور کھڑکی سے سورج کے منظر کو دیکھنے کے ذریعے جمع کئے گئے مشاہدات پر مبنی جواب دے گا -مثلاً وہ کہے گا کہ اس نے کمرے میں چار دن

عرصے پر محیط لگے وہ کسی دوسرے دور میں شاید صرف ایک سیکنڈ کا لمحہ ہو۔ اس کے علاوہ دنیا کے شروع سے اس کے آخر تک کی طویل دورانئے کی مدت کسی اور دور میں شاید ایک لمحے کے برابر ہو۔ یہی حقیقت تقدیر کی بھی روح ہے لیکن اس کو لاتعداد لوگ خصوصاً مادہ پرست مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں ۔بلکہ مادہ پرست تو تقدیر کو رد کردیتے ہیں۔تقدیر ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے مکمل علم کا نام ہے۔بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ اللہ ان واقعات کے بارے میں علم کس طرح رکھ سکتا ہے جوکہ ابھی تک پیش نہیں آئے؟یہی وہ سوال ہے جس کی وجہ سے وہ تقدیر کی اصلیت کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ وہ واقعات جو انسانوں کو پیش نہیں آئے ان کا تعلق صرف انسانوں ہی کی ذات سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وقت اور خلاءکا پابند نہیں ہے ۔وہ تو ان تمام چیزوں کا تخلیق کار ہے۔ اس وجہ سے ماضی، حال اور مستقبل اللہ کے نزدیک ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ہر چیز اور ہر واقعہ نہ صرف پیش آچکا ہے بلکہ اختتام پذیر بھی ہوچکا ہے۔

لنکن بارنٹ نے اپنی کتاب "کائنات اور ڈاکٹر آئنسٹائن" میں وضاحت کی ہے کہ نظریۂ عمومی اضافیت کس طرح اس معاملے پر روشنی ڈالتا ہے۔بارنٹ کے حساب سے "کائنات کی اپنی کل شہنشاہیت میں حصار بندی صرف ایک کائناتی عاقل قوت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔"(۱۲۰) بارنٹ کی کہی گئی "کائناتی عاقل قوت" اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم ہے جوکہ تمام کائنات پر غالب ہے۔ جس طرح سے ایک مسطر کے شروع آخر اور درمیان کے سارے بندسے دیکھنا ممکن ہے بالکل اسی طرح سے اللہ تعالیٰ ہر جاندار کی زندگی کا شروع، آخر اور درمیان کے ہر لمحے کا علم رکھتا ہے۔ لوگوں کو مختلف واقعات اسی وقت پیش آتے ہیں جوا وقات اللہ نے ان کے پیش آنے کے مقررکررکھے ہے۔ن۔

یہاں پر مقدر کے بارے میں معاشرے کی مسخ شدہ سمجھ پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اس مسخ شدہ تصور نے اس بات پر توہماتی یقین پیدا کردیا ہے کہ گو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی تقدیر طے کردی ہے لیکن انسان پھر بھی اس تقدیر کو بدلنے پر قادر ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سخت بیماری سے شفا پالے تو لوگ اس طرح کے سطحی جملے بولتے ہیں کہ "اس نے اپنی تقدیر کو ہرادیا" حالانکہ کوئی بھی اپنی تقدیر کو بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ موت کے منہ سے واپس آنے والے شخص کی تقدیر میں اس وقت موت لکھی ہی نہیں گئی تھی۔ یہ بھی ان لوگوں کی تقدیر میں رقم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح کے جملوں سے فریب دیں کہ "میں نے اپنی تقدیر کو ہرادیا" اور اس طرح کے بے دےن ذہنی رجحان کا مظاہرہ کریں۔تقدیر اللہ تعالیٰ کا دائمی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام وقت کو ایک لمحے کی طرح جانتا ہے اور پورے وقت اور خلا کا حاکم ہے۔ہر چیز کا فیصلہ، شروعات اور اختتام تقدیر کے دائرے میں ہوتا ہے۔ قرآن میں موجود احکامات کی روشنی میں یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وقت ایک ہے۔

لوگوں کو پیش آنے والے مستقبل کے کچھ واقعات قرآن میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں گویا وہ بہت عرصے پہلے پیش آچکے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ آیات جن میں اس تمام حساب کی تفصیل ہے جوکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو حشر کے دن اپنے اعمال کے بارے میں دیں گے ان کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے گویا حشر کا دن ماضی کا کوئی واقعہ ہو۔

وقت ایک ایسا تصور ہے جوکہ مشاہدہ کرنے والے پر مشروط ہے۔ وقت کا کوئی دورانیہ کسی شخص کو بہت لمبا محسوس ہوتا ہے جبکہ کسی دوسرے کے لئے یہی وقت بہت تیزی سے گزرجاتا ہے۔ دونوں میں سے صحیح اور غلط کا تعین کرنے کے لئے گھڑیوں اور کلینڈروں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان آلات کے بغیر وقت کے متعلق درست فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔

قرآن میں اضافیت کا ذکر

جدید سائنسی تحقیق کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مادہ پرستوں کے خیال کے برخلاف وقت ایک حتمی حقیقت نہیں ہے بلکہ صرف ایک اضافی مشاہدہ ہے- مزید دلچسپی کی بات تو یہ ہے کہ یہ حقیقت ۲۰صدی تک سائنس سے توپوشیدہ رہی لیکن پوری انسانیت کو ۱۴ صدیوں پہلے قرآن کے ذریعے اس کا پیغام آچکا تھا-وقت کا واقعات، مختلف منظروں اور صورتحال پر مبنی ایک ذہنی مشاہدہ ہونے کی سائنس کے ذریعے ثابت شدہ حقیقت قرآن کی کئی آیتوں سے ظاہر ہے کہ انسان کی پوری زندگی کا دورانیہ بے حد کم ہے- قرآن میں آیا ہے:

اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر اس دن کی ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں رہے وہ جنھوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے- (سورۃ یونس، آیت۴۵)

کچھ آیتوں میں نشاندہی کی گئی ہے کہ مختلف لوگوں کا وقت کے بارے میں مختلف مشاہدہ ہوتا ہے- کچھ لوگ وقت کے کم دورانئے کو لمبا قراردیتے ہیں- روز محشر دو لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو اس بات کا واضح ثبوت ہے:

فرمایا تم زمین میں کتنا ٹھہرے برسوں کی گنتی سے بولے ہم ایک دن رہے یا دن کا حصہ تو گننے والوں سے دریافت فرمایا فرمایا تم نہ ٹھہرے مگر تھوڑا اگر تمہیں علم ہوتا- (سورۃ مومنون، آیت ۱۱۲-۱۱۴)

کچھ آیتوں میں آیا ہے کہ وقت کی رفتار ماحول کے حساب سے بھی بدل جاتی ہے:

اور یہ تم سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ کرے گا او بے شک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس (سورۃ حج، آیت۴۷)

ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے (سورۃ معارج، آیت ۴)

کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں- (سورۃ سجدہ، آیت ۵)

یہ تمام آیات وقت کی اضافیت کے بارے میں واضع اور روشن اظہار ہیں- ۲۰ ویں صدی میں سائنس کو سمجھ آنے والی یہ حقیقت ۱۴۰۰ سال پہلے قرآن کے ذریعے تمام کائنات اور اوقات کے خالق اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک پہنچادی تھی-قرآن کی کئی دوسری آیات میں بھی وقت کا ایک مشاہدہ ہونے کی حقیقت کو واضح کردیا گیا ہے- یہ حقائق خاص طور پر قرآن میں موجود کہانیوں کے ذریعے انسانیت تک پہنچتی ہیں- مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اصحاب الکھف کی کہانی بیان کی ہے جن کو اس نے ۳ صدیوں تک گہری نیند میں رکھا- آنکھ کھلنے پر ان لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ نیند کی حالت میں صرف تھوڑی سی دیر ہی رہے تھے اور وہ اپنے سوئے رہنے کے وقت کا درست تعین کرنے سے قاصر تھے:

تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دوگروہوں میں کون ان کو ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے- (سورۃ کہف، آیت۱۱-۱۲)

اور یوں ہی ہم نے ان کو جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے احوال پوچھیں ان میں ایک کہنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر رہے، کچھ بولے کہ ایک دن رہے یا دن سے کم دوسرے بولے تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے تو اپنے میں ایک کو یہ چاندی لے کر شہر میں بھیج پھر وہ غور کرے کہ وہاں کون سا کھانا زیادہ ستھرا ہے کہ تمہارے لئے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہئے کہ نرمی کرے اور ہرگز کسی کو تمہاری اطلاع نہ دے (سورۃ کہف، آیت ۱۹)

ا یک اور آیت میں بھی وقت کا ذہنی مشاہدہ ہونا واضح ہے:

یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی (مسمار ہوئی) پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا برسوں پھر زندہ کردیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں تجھے سو برس گزرگئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بو لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہوگیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے- (سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۹)

وقت کو تخلیق کرنے والا اللہ وقت کی پابندی سے آزاد ہے جبکہ انسان اتنا ہی زےادہ وقت کا پابند ہے جتنی کہ اللہ کی مرضی- قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے تو یہ تک ثابت ہے کہ انسان کو اس وقت کا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا جتنا اس نے نیند کی حالت میں گزارا- اسی لئے مادہ پرستوںکی مسخ ذہنیتوں کی دوسری ہر سوچ کی طرح ان کا وقت کے بارے مےں حتمی ہونے کا دعویٰ بھی ایک نہایت نامعقول امر ہے-

تقدیر

وقت کی تبدل پذیر اضافیت ایک اہم حقیقت پر سے پردہ اٹھاتی ہے- وقت کا کوئی دور جو کہ ایک گروہ کو کڑوڑوں سال کے

اوپر تمام چیزوں کی بے اعتباری غالب آنے لگتی ہے-
ہر وہ چیز جس کے اوپر وہ اعتماد اور یقین رکھتے ہے،وہ اچانک غائب ہوجاتی ہے- ان کو مایوسی کی اس انتہا کا ادراک ہوتا ہے جوکہ ان کو روزِ حشر والے دن محسوس ہوگی- سورہ النحل میں آتا ہے: **اور اس دن اللہ کی طرف عاجزی سے گریں گے اور ان سے گم ہوجائیں گی جو بناوٹیں کرتے تھے- (سورۃ النحل، آیت۷۸)**
اس وقت ایک مادہ پرست اور زوروشور سے اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے کہ اس کا سامنا بیرونی اصل مادے سے ہی ہے اور اس یقین کو مکمل کرنے وہ طرح طرح کا ثبوت بھی گھڑ لیتا ہے- وہ دیواروں پر مکے مارتا ہے، پتھروں کو لات مارتا ہے اور چیختا چلاتا ہے لیکن وہ پھر بھی حقیقت سے فرار حاصل نہیں کرسکتا- جس طرح مادہ پرست اپنے ذہنوں سے اس حقیقت کو نکال دینا چاہتے ہیں اسی طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اس حقیقت کو رد کردیں- ان کو احساس ہے کہ جس وقت مادے کی اصلیت عمومی طور پر لوگوں پر آشکار ہو گئی اسی وقت ان کے فلسفے کا غیر ترقی یافتہ پن اور نظریئے کی جہالت بھی ساری دنیا پر کھل جائے گی- ان کے پاس اپنے نظریوں کو کھڑا کرنے کے لئے زمین کا تھوڑا سا بھی ٹکرا نہیں بچے گا- ان کا یہ خوف ہی ان کو ان حقائق کے ہاتھوں پریشانی کا شکار رکھتا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہے دین لوگوں کا خوف روزِ محشر سوا ہوجائے گا- سورۃ انعام میں آتا ہے:

اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے- (سورۃ انعام، آیت ۲۲)

قیامت والے روز بے دین لوگ اپنے مال، اسباب، بچوں اور احباب کو خود سے دور ہوتا دیکھیں گے- ان تمام لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا واسطہ دنیا کی اصل چیزوں سے ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کا شریک تصور کرلیا تھا-اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گم گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے (سورۃ انعام، آیت ۴۲)

ایمان والوں کا نفع

جہاں مادے کے غیر یقینی اور وقت کا فقط ایک مشاہدہ ہونے کی حقیقت مادہ پرستوں کو پریشانی کا شکار رکھتی ہے وہیں ایمان والوں کا احساس اس معاملے میں برعکس ہوتا ہے- ایمان والے اس بات سے خوشی محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے مادے کا راز پالیا ہے کیونکہ یہ اصلیت ہر سوال کا جواب ہے- اس راز سے وہ تمام اسرار ہی کھل جاتے ہیں جوکہ انسانی سمجھ سے بالا محسوس ہوتے ہیں- جیسے کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے موت، جنت، دوزخ، روزِ حشر اور بدلتے ہوئے مختلف دوروں کے متعلق تمام سوالات کے جواب مادے کی حقیقت کو سمجھنے سے سامنے آجاتے ہیں-
اللہ کہاں ہے؟ اللہ سے پہلے کیا تھا؟ اللہ کو کس نے بنایا؟ قبر کی زندگی کتنی طویل ہوگی؟ جنت اور دوزخ کہاں ہیں؟ اور کیا جنت اور دوزخ ابھی موجود ہیں؟ جیسے تمام سوالات کے جوابات واضح ہوجاتے ہیں- جب ایک دفعہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات خلاءسے تخلیق کی ہے تو کب؟ کہاں؟ اور کیوں؟ جیسے سوال بے معنی ہوجاتے ہیں- جب خلاء کی سمجھ آجاتی ہے تو یہ حقیقت بھی آشکار ہوجاتی ہے کہ دوزخ، دنیا اور جنت بھی دراصل ایک ہی مقام پر موجود ہیں- جب لازمانی کا تصور ذہن میں واضح ہوجاتا ہے تو یہ بات بھی سمجھنا آسان ہوجاتی ہے کہ ہرچیز ایک ہی لمحے میں واقع پذیر ہوتی ہے- کسی بھی چیز کا انتظار لازمی نہیں ہے اور وقت گزرتا نہیں ہے کیونکہ ہر واقعہ پہلے ہی واقع ہوکرکر اختتام پذیر بھی ہوچکا ہے-
اس راز کے آشکار ہوجانے سے دنیا ایمان والوں کے لئے ایک ایسی جنت بن جاتی ہے جس میں کسی بھی پریشانی، بے چینی، فکر اور خوف کا شائبہ تک نہیں رہتا- بندے کو زندگی کا اصل مفہوم سمجھ آجاتا ہے کہ پوری کائنات ایک ہی خالق کی تخلیق کردہ ہے جو کہ تنکے سے لے کر ہر چیز اور چیونٹی سے لے کر ہر جاندار کا بلاشرکت و غیرے خالق و مالک ہے اور انسان کا کام صرف اور صرف اسکی اطاعت کرنا ہے:

جب عمران کی بی بی نے عرض کی اے رب میرے میں تیرے لئے منت مانتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے کہ **خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کرلے بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا- (سورۃ آلِ عمران، آیت۵۳)**

اس راز کو پالینا زندگی کی سب سے بیش قیمت دولت کو پالینا ہے -اس راز کے کھلنے سے قرآن میں بتائی گئی ایک اور اہم حقیقت کا بھی صحیح ادراک ہوجاتا ہے:

اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں- (سورۃ ق، آیت ۶۱)

جس طرح کہ ہر ایک کو پتہ ہے کہ شہ رگ سے زیادہ قریب زندگی سے کوئی اور چیز نہیں ہوتی- جب یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کا اختیار اپنے ذہن کی حد سے نکلنے کا بھی نہیں ہے تو پھر اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہوجاتا ہے-سادہ اور اصل سچ صرف یہی ہے- اللہ کے علاوہ انسان کا مددگار اور کفیل کوئی بھی نہیں- اللہ کے علاوہ کوئی اور کامل اور مطلق نہیں- پناہ دینے والا، مدد کی پکار سننے والا اور انعام دینے والا صرف اللہ ہے- اللہ ہر سمت، ہر سو ہے، انسان کچھ بھی نہیں-

اور صورت پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہوجائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبار ہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہوجائیں گے اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاءاور یہ نبی اور اس کی امت کے ان پرگواہ ہوں گے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرمادیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جان کو اس کا کیا بھرپر دیا جائے گا اور اسے خوب معلوم ہے جو وہ کرتے تھے اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہاں پہونچیں گے اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جوتم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے کہیں گے کیوں نہیں مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اترا فرمایا جائے گا جاؤ جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے تو کیا ہے برا ٹھکانا متکبروں کا اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلائی جائیں گی یہاں تک کہ وہ جب وہاں پہونچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام تم پر تم خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے (سورۃ زمر، آیت۸۶-۳۷)

اس موضوع پر کچھ اور آیات بھی مندرجہ ذیل ہیں:

اور ہر جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا (سورۃ ق، آیت ۱۲)

اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہوگا (سوۃ الحاقہ، آیت ۶۱)

اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کی جائے گی- (سورۃ نازعات، آیت ۶۳)

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے- (سورۃ کہف، آیت ۳۵)

جس طرح واضح ہے کہ انسانوں کو موت کے بعد پیش آنے والے واقعات لوگوں کے نقطۂ نظر سے قرآن میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ جیسے وہ پیش آچکے ہیں-اللہ تعالیٰ اضافی وقت کی اس چوکھٹ کا پابند نہیں ہے جس کا اس نے انسان کو پابند کردیا ہے- اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کو اپنی مرضی سے لازوال اوقات کا حامل بنادیا ہے- مندرجہ ذیل آیت میں واضح ہے کہ بڑا چھوٹا ہر واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور ایک کتاب میں محفوظ ہوتا جاتا ہے:

اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے وہ ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیںجو ایک روشن کتاب میں نہ ہو- (سورۃ یونس، آیت۱۶)

مادہ پرستوں کی پریشانی

اس باب میں زیر بحث لائے گئے حقائق، خاص طور پر مادے اور وقت اور خلاءکے بارے میں لازمانی، بےحدواضح ہے- جس طرح پہلے بھی بتایا گیا ہے یہ باتیں کسی طرح کا فلسفہ یا طرز فکر نہیں ہے بلکہ شفاف اور ناقابل تردید سائنسی سچ ہے- اس موضوع پر موجود معقول اور منطقی ثبوت کسی اور بحث کی گنجائش نہیں چھوڑتا- انسانوں کے لئے کائنات اور اس کو تشکیل کرنے والا تمام مادہ اور اس میں نظر آنے والے سب جاندار نظر کا فریب ہیں- کائنات اوراس مےںموجود ہرشہ مشاہدوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کو انسان صرف اپنے ذہن میں محسوس کرتا ہے اور جس کی اصل حقیقت تک وہ براہِ راست کبھی نہیں پہنچ سکتا-

اس بات کو سمجھنا مادہ پرستوں کے لئے ایک ناممکن فعل ہے- مثال کے طور پر پولٹزر کی گاڑی والی کہانی کو دوبارہ سامنے لے کر آتے ہیں- حالانکہ پولٹزر کو تکنیکی طور پر اچھی طرح پتا تھا کہ وہ اپنے مشاہدات سے باہر کبھی بھی نہیں نکل سکتا لیکن وہ اس کا اعتراف چند ہی جگہوں پر کرسکتا تھا- اس کے نزدیک واقعات ذہن میں اس وقت تک پیش آتے رہے جب تک کہ گاڑی کا حادثہ نہیں ہوگیا- حادثہ ہونے کے ساتھ ہی واقعات کسی طرح ذہن سے نکل کر طبیعیاتی حقیقت کا روپ دھارگئے- اس نقطے پر منطقی نقص واضح ہوجاتا ہے- پولٹزر نے وہی غلطی کی جوکہ مادہ پرست سیمیول جانسن نے یہ کہہ کر کی کہ "میں نے پتھر کو لات ماری، میرے پیر میں درد ہوا، اس لئے کہ مادی وجود اصل ہے" -پولٹزر یہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ حادثے کے بعد محسوس ہونے والا جھٹکا بھی محض ایک مشاہدہ تھا-

مادہ پرستوں کا ان حقائق کو نہ سمجھنے کی تصعیدی وجہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے سے سامنے آنے والے نتائج کا خوف ہے- لنکن بارنٹ مادہ پرستوں کے اس خوف اور پریشانی کا ذکر کرتا ہے جو کہ اس موضوع کے بارے میں صرف سوچنے سے ہی مادہ پرستوں کے اندر پیدا ہوجاتی ہے:

"فلسفہ دانوں کا ظاہری حقائق کو مشاہدوں کی سایہ نما دنیا تک محدود کردینے کے علاوہ سائنسدان انسانوں کی حسیات کی انتہائی پریشان کن محدودیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتے جارہے ہیں"-۱۱۲

مادے کے اصل سے انسانوں کا ناممکن رابطہ اور یہ حقیقت کہ وقت بھی محض ایک مشاہدہ ہے مادہ پرستوں کے اندر شدید خوف پیدا کررہا ہے کیونکہ یہی وہ دو بنیادی تصورات ہیں جن کے اوپر وہ مکمل اعتماد کرتے ہیں- ایک طرح سے وہ ان تصورات کو قابل پرستش خدا کا درجہ دیتے ہےں کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ انسان کو مادے اور وقت نے بذریعہ ارتقاءتخلیق کیا ہے- لےکن جب ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کائنات کے اصل تک نہیں پہنچ سکتے نہ ہی دنیا، اپنے جسم یا دوسرے لوگوں کے اصل تک پہنچ سکتے ہےں اور نہ ان مادہ پرست فلسفہ دانوں کا سراغ پاسکتے ہےں جن کے خیالات سے وہ متاثر ہےں تو پھر ان کے

48. L. D. Martin, J. D. Stewart, K. N. Whetstone, The Auk, Vol 98, 1980, p. 86.
49. Ibid, p. 86; L. D. Martin, “Origins of Higher Groups of Tetrapods”, Ithaca, New York: Comstock Publising Association, 1991, pp. 485, 540.
50. S. Tarsitano, M. K. Hecht, Zoological Journal of the Linnaean Society, Vol 69, 1985, p. 178; A. D. Walker, Geological Magazine, Vol 177, 1980, p. 595.
51. Pat Shipman, “Birds do it... Did Dinosaurs?”, New Scientist, February 1, 1997, p. 31.
52. “Old Bird”, Discover, March 21, 1997.
53. Ibid.
54. Pat Shipman, “Birds Do It... Did Dinosaurs?”, p. 28.
55. Robert L. Carroll, Patterns and Processes of Vertebrate Evolution, Cambridge University Press, 1997, pp. 280-81.
56.. Jonathan Wells, Icons of Evolution, Regnery Publishing, 2000, p. 117.
57. Pat Shipman, “Birds Do It... Did Dinosaurs?”, p. 28.
58. Ibid.
59. Roger Lewin, “Bones of Mammals, Ancestors Fleshed Out”, Science, vol 212, June 26, 1981, p. 1492.
60. George Gaylord Simpson, Life Before Man, New York: Time-Life Books, 1972, p. 42.
61. R. Eric Lombard, “Review of Evolutionary Principles of the Mammalian Middle Ear, Gerald Fleischer”, Evolution, Vol 33, December 1979, p. 1230.
62. David R. Pilbeam, “Rearranging Our Family Tree”, Nature, June 1978, p. 40.
63. Earnest A. Hooton, Up From The Ape, New York: McMillan, 1931, p. 332.
64. Malcolm Muggeridge, The End of Christendom, Grand Rapids, Eerdmans, 1980, p. 59.
65. Stephen Jay Gould, “Smith Woodward’s Folly”, New Scientist, February 5, 1979, p. 44.
66. Kenneth Oakley, William Le Gros Clark & J. S, “Piltdown”, Meydan Larousse, Vol 10, p. 133.
67. Stephen Jay Gould, “Smith Woodward’s Folly”, New Scientist, April 5, 1979, p. 44.
68. W. K. Gregory, “Hesperopithecus Apparently Not An Ape Nor A Man”, Science, Vol 66, December 1927, p. 579.
69. Philips Verner Bradford, Harvey Blume, Ota Benga: The Pygmy in The Zoo, New York: Delta Books, 1992.
70. David Pilbeam, “Humans Lose an Early Ancestor”, Science, April 1982, pp. 6-7.
71. C. C. Swisher III, W. J. Rink, S. C. Antón, H. P. Schwarcz, G. H. Curtis, A. Suprijo, Widiasmoro, “Latest Homo erectus of Java: Potential Contemporaneity with Homo sapiens in Southeast Asia”, Science, Volume 274, Number 5294, Issue of 13 Dec 1996, pp. 1870-1874; also see, Jeffrey Kluger, “Not So Extinct After All: The Primitive Homo Erectus May Have Survived Long Enough To Coexist With Modern Humans, Time, December 23, 1996.
72. Solly Zuckerman, Beyond The Ivory Tower, New York: Toplinger Publications, 1970, pp. 75-94.
73. Charles E. Oxnard, “The Place of Australopithecines in Human Evolution: Grounds for Doubt”, Nature, Vol 258, p. 389.
74. Holly Smith, American Journal of Physical Antropology, Vol 94, 1994, pp. 307-325.
75. Fred Spoor, Bernard Wood, Frans Zonneveld, “Implication of Early Hominid Labryntine Morphology for Evolution of Human Bipedal Locomotion”, Nature, vol 369, June 23, 1994, pp. 645-648.
76. Tim Bromage, New Scientist, vol 133, 1992, p. 38-41.
77. J. E. Cronin, N. T. Boaz, C. B. Stringer, Y. Rak, “Tempo and Mode in Hominid Evolution”, Nature, Vol 292, 1981, pp. 113-122.
78. C. L. Brace, H. Nelson, N. Korn, M. L. Brace, Atlas of Human Evolution, 2.b. New York: Rinehart and Wilson, 1979.
79. Alan Walker, Scientific American, vol 239 (2), 1978, p. 54.
80. Bernard Wood, Mark Collard, “The Human Genus”, Science, vol 284, No 5411, 2 April 1999, pp. 65-71.
81. Marvin Lubenow, Bones of Contention, Grand Rapids, Baker, 1992, p. 83.
82. Boyce Rensberger, The Washington Post, November 19, 1984.
83. Ibid.
84. Richard Leakey, The Making of Mankind, London: Sphere Books, 1981, p. 116.
85. Marvin Lubenow, Bones of Contention, Grand Rapids, Baker, 1992. p. 136.
86. Pat Shipman, “Doubting Dmanisi”, American Scientist, November- December 2000, p. 491.
87. Erik Trinkaus, “Hard Times Among the Neanderthals”, Natural History, vol 87, December 1978, p. 10; R. L. Holloway, “The Neanderthal Brain: What Was Primitive”, American Journal of Physical Anthropology Supplement, Vol 12, 1991, p. 94.
88. Alan Walker, Science, vol 207, 1980, p. 1103.
89. A. J. Kelso, Physical Antropology, 1st ed., New York: J. B. Lipincott Co., 1970, p. 221; M. D. Leakey, Olduvai Gorge, Vol 3, Cambridge: Cambridge University Press, 1971, p. 272.
90. S. J. Gould, Natural History, Vol 85, 1976, p. 30.
91. Time, November 1996.
92. L. S. B. Leakey, The Origin of Homo Sapiens, ed. F. Borde, Paris: UNESCO, 1972, p. 25-29; L. S. B. Leakey, By the Evidence, New York: Harcourt Brace Jovanovich, 1974.
93. “Is This The Face of Our Past”, Discover, December 1997, p. 97-100.
94. A. J. Kelso, Physical Anthropology, 1.b., 1970, pp. 221; M. D. Leakey, Olduvai Gorge, Vol 3, Cambridge: Cambridge University Press, 1971, p. 272.
95. Donald C. Johanson & M. A. Edey, Lucy: The Beginnings of Humankind, New York: Simon & Schuster, 1981, p. 250.
96. Science News, Vol 115, 1979, pp. 196-197.
97. Ian Anderson, New Scientist, Vol 98, 1983, p. 373.
98. Russell H. Tuttle, Natural History, March 1990, pp. 61-64.

تحریری ورق

1. Cliff, Conner, “Evolution vs. Creationism: In Defense of Scientific Thinking”, International Socialist Review (Monthly Magazine Supplement to the Militant), November 1980.
2. Ali Demirsoy, Kalitim ve Evrim (Inheritance and Evolution), Ankara: Meteksan Publishing Co., 1984, p. 61.
3. Michael J. Behe, Darwin’s Black Box, New York: Free Press, 1996, pp. 232-233.
4. Richard Dawkins, The Blind Watchmaker, London: W. W. Norton, 1986, p. 159.
5. Jonathan Wells, Icons of Evolution: Science or Myth? Why Much of What We Teach About Evolution is Wrong, Regnery Publishing, 2000, pp. 235-236
6. Dan Graves, Science of Faith: Forty-Eight Biographies of Historic Scientists and Their Christian Faith, Grand Rapids, MI, Kregel Resources.
7. Science, Philosophy, And Religion: A Symposium, 1941, CH.13.
8. Max Planck, Where is Science Going?, www.websophia.com/aphorisms/science.html.
9. H. S. Lipson, “A Physicist’s View of Darwin’s Theory”, Evolution Trends in Plants, Vol 2, No. 1, 1988, p. 6.
10. Although Darwin came up with the claim that his theory was totally independent from that of Lamarck’s, he gradually started to rely on Lamarck’s assertions. Especially the 6th and the last edition of The Origin of Species is full of examples of Lamarck’s “inheritance of acquired traits”. See Benjamin Farrington, What Darwin Really Said, New York: Schocken Books, 1966, p. 64.
11. Michael Ruse, “Nonliteralist Antievolution”, AAAS Symposium: “The New Antievolutionism,” February 13, 1993, Boston, MA.
12. Steven M. Stanley, Macroevolution: Pattern and Process, San Francisco: W. H. Freeman and Co. 1979, pp. 35, 159.
13. Colin Patterson, “Cladistics”, Interview with Brian Leek, Peter Franz, March 4, 1982, BBC.
14. Jonathan Wells, Icons of Evolution: Science or Myth? Why Much of What We Teach About Evolution is Wrong, Regnery Publishing, 2000, pp. 141-151
15. Jerry Coyne, “Not Black and White”, a review of Michael Majerus’s Melanism: Evolution in Action, Nature, 396 (1988), pp. 35-36
16. Stephen Jay Gould, “The Return of Hopeful Monsters”, Natural History, Vol 86, July-August 1977, p. 28.
17. Charles Darwin, The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition, Harvard University Press, 1964, p. 189.
18. Ibid, p. 177.
19. B. G. Ranganathan, Origins?, Pennsylvania: The Banner Of Truth Trust, 1988.
20. Warren Weaver, “Genetic Effects of Atomic Radiation”, Science, Vol 123, June 29, 1956, p. 1159.
21. Gordon R. Taylor, The Great Evolution Mystery, New York: Harper & Row, 1983, p. 48.
22. Michael Pitman, Adam and Evolution, London: River Publishing, 1984, p. 70.
23. Charles Darwin, The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition, Harvard University Press, 1964, p. 179.
24. Charles Darwin, The Origin of Species, Oxford University Press, New York, 1998, pp. 140, 141, 227.
25. Derek V. Ager, “The Nature of the Fossil Record”, Proceedings of the British Geological Association, Vol 87, 1976, p. 133.
26. Mark Czarnecki, “The Revival of the Creationist Crusade”, MacLean’s, January 19, 1981, p. 56.
27. R. Wesson, Beyond Natural Selection, MIT Press, Cambridge, MA, 1991, p. 45
28. David Raup, “Conflicts Between Darwin and Paleontology”, Bulletin, Field Museum of Natural History, Vol 50, January 1979, p. 24.
29. Richard Monastersky, “Mysteries of the Orient”, Discover, April 1993, p. 40.
30. Richard Fortey, “The Cambrian Explosion Exploded?”, Science, vol 293, No 5529, 20 July 2001, pp. 438-439.
31. Ibid.
32. Richard Dawkins, The Blind Watchmaker, London: W. W. Norton 1986, p. 229.
33. Douglas J. Futuyma, Science on Trial, New York: Pantheon Books, 1983, p. 197.
34. Charles Darwin, The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition, Harvard University Press, 1964, p. 302.
35. Stefan Bengston, Nature, Vol. 345, 1990, p. 765.
36. The New Animal Phylogeny: Reliability And Implications, Proc. of Nat. Aca. of Sci., 25 April 2000, vol 97, No 9, pp. 4453-4456.
37. Ibid.
38. Gerald T. Todd, “Evolution of the Lung and the Origin of Bony Fishes: A Casual Relationship”, American Zoologist, Vol 26, No. 4, 1980, p. 757.
39. R. L. Carroll, Vertebrate Paleontology and Evolution, New York: W. H. Freeman and Co. 1988, p. 4.; Robert L. Carroll, Patterns and Processes of Vertebrate Evolution, Cambridge University Press, 1997, p. 296-97
40. Edwin H. Colbert, M. Morales, Evolution of the Vertebrates, New York: John Wiley and Sons, 1991, p. 99.
41. Jean-Jacques Hublin, The Hamlyn Encyclopædia of Prehistoric Animals, New York: The Hamlyn Publishing Group Ltd., 1984, p. 120.
42. Jacques Millot, “The Coelacanth”, Scientific American, Vol 193, December 1955, p. 39.
43. Bilim ve Teknik Magazine, November 1998, No: 372, p. 21.
44. Robert L. Carroll, Vertebrate Paleontology and Evolution, New York: W. H. Freeman and Co., 1988, p. 198.
45. Engin Korur, “Gözlerin ve Kanatlar›n S›rr›” (The Mystery of the Eyes and the Wings), Bilim ve Teknik, No. 203, October 1984, p. 25.
46. Nature, Vol 382, August, 1, 1996, p. 401.
47. Carl O. Dunbar, Historical Geology, New York: John Wiley and Sons, 1961, p. 310.

153.Dr. Lee Spetner, "Lee Spetner/Edward Max Dialogue: Continuing an exchange with Dr. Edward E. Max", 2001, http://www.trueorigin. org/spetner2. ap
154. S. R. Scadding, "Do 'Vestigial Organs' Provide Evidence for Evolution?", Evolutionary Theory, Vol 5, May 1981, p. 173.
155. The Merck Manual of Medical Information, Home edition, New Jersey: Merck & Co., Inc. The Merck Publishing Group, Rahway, 1997.
156. H. Enoch, Creation and Evolution, New York: 1966, pp. 18-19.
157. Frank Salisbury, "Doubts About the Modern Synthetic Theory of Evolution", American Biology Teacher, September 1971, p. 338.
158. Dean Kenyon & Percival Davis, Of Pandas and People: The Central Question of Biological Origins, (Dallas: Haughton Publishing, 1993), p. 33.
159. Michael Denton, Evolution: A Theory in Crisis, London, Burnett Books, 1985, p. 145.
160. William Fix, The Bone Peddlers: Selling Evolution (New York: Macmillan Publishing Co., 1984), p. 189.
161. W. R. Bird, The Origin of Species Revisited, Thomas Nelson Co., Nashville: 1991, pp. 98-99; Percival Davis, Dean Kenyon, Of Pandas and People, Haughton Publishing Co., 1990, pp. 35-38.
162. W. R. Bird, The Origin of Species Revisited, pp. 98-99, 199-202.
163.Michael Denton, Evolution: A Theory in Crisis, London: Burnett Books, 1985, pp. 290-91.
164. Hervé Philippe and Patrick Forterre, "The Rooting of the Universal Tree of Life is Not Reliable", Journal of Molecular Evolution, vol 49, 1999, p. 510
165. James Lake, Ravi Jain ve Maria Rivera, "Mix and Match in the Tree of Life", Science, vol. 283, 1999, p. 2027
166. Carl Woese, "The Universel Ancestor", Proceedings of the National Academy of Sciences, USA, 95, (1998) p. 6854
167. Ibid.
168. Jonathan Wells, Icons of Evolution, Regnery Publishing, 2000, p. 51
169. G. G. Simpson, W. Beck, An Introduction to Biology, New York, Harcourt Brace and World, 1965, p. 241.
170. Keith S. Thompson, "Ontogeny and Phylogeny Recapitulated", American Scientist, Vol 76, May/June 1988, p. 273.
171. Francis Hitching, The Neck of the Giraffe: Where Darwin Went Wrong, New York: Ticknor and Fields 1982, p. 204.
172. Richard Lewontin, "The Demon-Haunted World", The New York Review of Books, January 9, 1997, p. 28.
173. Robert Shapiro, Origins: A Sceptics Guide to the Creation of Life on Earth, Summit Books, New York: 1986, p. 207.
174. Hoimar Von Dithfurt, Im Anfang War Der Wasserstoff (Secret Night of the Dinosaurs), Vol 2, p. 64.
175. Ali Demirsoy, Kalitim ve Evrim (Inheritance and Evolution), Ankara: Meteksan Publishing Co., 1984, p. 61.
176. Ibid, p. 61.
177. Ibid, p. 94.
178. Bilim ve Teknik, July 1989, Vol. 22, No.260, p.59
179. Grzimeks Tierleben Vögel 3, Deutscher Taschen Buch Verlag, Oktober 1993, p.92
180. David Attenborough, Life On Earth: A Natural History, Collins British Broadcasting Corporation, June 1979, p.236
181. David Attenborough, Life On Earth: A Natural History, Collins British Broadcasting Corporation, June 1979, p.240
182. Görsel Bilim ve Teknik Ansiklopedisi, pp.185-186
183. WalterMetzner, http://cnas.ucr.edu/ ~bio/ faculty/Metzner.html
184. Frederick Vester, Denken, Lernen, Vergessen, vga, 1978, p.6
185. R.L.Gregory, Eye and Brain: The Psychology of Seeing, Oxford University Press Inc. New York, 1990, p. 9.
186. Lincoln Barnett, The Universe and Dr.Einstein, William Sloane Associate, New York, 1948, p. 20.
187. Orhan Hancerlioglu, Dusunce Tarihi (The History of Thought), Istanbul: Remzi Bookstore, 6.ed., September 1995, p. 447.
188. V.I.Lenin, Materialism and Empirio-criticism, Progress Publishers, Moscow, 1970, p. 14.
189. Bertrand Russell, ABC of Relativity, George Allen and Unwin, London, 1964, pp. 161-162.
190. R.L.Gregory, Eye and Brain: The Psychology of Seeing, Oxford University Press Inc. New York, 1990, p. 9.
191. Ken Wilber, Holographic Paradigm and Other Paradoxes, p.20
192. George Politzer, Principes Fondamentaux de Philosophie, Editions Sociales, Paris 1954, p. 53.
193. Orhan Hancerlioglu, Dusunce Tarihi (The History of Thought), Istanbul: Remzi Bookstore, 6.ed., September 1995, p. 261.
194. George Politzer, Principes Fondamentaux de Philosophie, Editions Sociales, Paris 1954, p. 65.
195. Paul Davies, Tanr› ve Yeni Fizik, (God and The New Physics), translated by Murat Temelli, Im Publishing, Istanbul 1995, pp. 180-181.
196. Rennan Pekunlu, "Aldatmacanin Evrimsizligi", (Non-Evolution of Deceit), Bilim ve Utopya, December 1998 (V.I.Lenin, Materialism and Empirio-criticism, Progress Publishers, Moscow, 1970, pp. 334-335).
197. Alaettin Senel, "Evrim Aldatmacasi mi?, Devrin Aldatmacasi mi?", (Evolution Deceit or Deceit of the Epoch?), Bilim ve Utopya, December 1998.
198. Imam Rabbani Hz. Mektuplari (Letters of Rabbani), Vol.II, 357, Letter, p.163.
199. Francois Jacob, Le Jeu des Possibles, University of Washington Press, 1982, p.111.
200. Lincoln Barnett, The Universe and Dr.Einstein, William Sloane Associate, New York, 1948, pp. 52-53.
201. Ibid., p. 17.
202. Ibid., p. 58.
203. Paul Strathern, The Big Idea: Einstein and Relativity, Arrow Books, 1997, p. 57.
204. Lincoln Barnett, The Universe and Dr.Einstein, William Sloane Associate, New York, 1948, p. 84.
205. Ibid., pp. 17-18.

99. Ruth Henke, "Aufrecht aus den Baumen", Focus, Vol 39, 1996, p. 178.
100. Elaine Morgan, The Scars of Evolution, New York: Oxford University Press, 1994, p. 5.
101. Solly Zuckerman, Beyond The Ivory Tower, New York: Toplinger Publications, 1970, p. 19.
102. Robert Locke, "Family Fights", Discovering Archaeology, July/August 1999, p. 36-39.
103. Ibid.
104. Henry Gee, In Search of Time: Beyond the Fossil Record to a New History of Life, New York, The Free Press, 1999, p. 126-127.
105. W. R. Bird, The Origin of Species Revisited, Nashville: Thomas Nelson Co., 1991, pp. 298-99.
106. "Hoyle on Evolution", Nature, Vol 294, November 12, 1981, p. 105.
107. Ali Demirsoy, Kalitim ve Evrim (Inheritance and Evolution), Ankara: Meteksan Publishing Co., 1984, p. 64.
108. W. R. Bird, The Origin of Species Revisited, Nashville: Thomas Nelson Co., 1991, p. 304.
109. Ibid, p. 305.
110. J. D. Thomas, Evolution and Faith, Abilene, TX, ACU Press, 1988. pp. 81-82.
111. Robert Shapiro, Origins: A Sceptics Guide to the Creation of Life on Earth, New York, Summit Books, 1986. p.127.
112. Fred Hoyle, Chandra Wickramasinghe, Evolution from Space, New York, Simon & Schuster, 1984, p. 148.
113. Ibid, p. 130.
114. Fabbri Britannica Bilim Ansiklopedisi (Fabbri Britannica Science Encyclopaedia), vol 2, No 22, p. 519.
115. Richard B. Bliss & Gary E. Parker, Origin of Life, California: 1979, p. 14.
116. Stanley Miller, Molecular Evolution of Life: Current Status of the Prebiotic Synthesis of Small Molecules, 1986, p. 7.
117. Kevin Mc Kean, Bilim ve Teknik, No 189, p. 7.
118. J. P. Ferris, C. T. Chen, "Photochemistry of Methane, Nitrogen, and Water Mixture As a Model for the Atmosphere of the Primitive Earth", Journal of American Chemical Society, vol 97:11, 1975, p. 2964.
119. "New Evidence on Evolution of Early Atmosphere and Life", Bulletin of the American Meteorological Society, vol 63, November 1982, pp. 1328-1330.
120. Richard B. Bliss & Gary E. Parker, Origin of Life, California, 1979, p. 25.
121. W. R. Bird, The Origin of Species Revisited, Nashville: Thomas Nelson Co., 1991, p. 325.
122. Richard B. Bliss & Gary E. Parker, Origin of Life, California: 1979, p. 25.
123. Ibid.
124. S. W. Fox, K. Harada, G. Kramptiz, G. Mueller, "Chemical Origin of Cells", Chemical Engineering News, June 22, 1970, p. 80.
125. Frank B. Salisbury, "Doubts about the Modern Synthetic Theory of Evolution", American Biology Teacher, September 1971, p. 336.
126. Paul Auger, De La Physique Theorique a la Biologie, 1970, p. 118.
127. Francis Crick, Life Itself: It's Origin and Nature, New York, Simon & Schuster, 1981, p. 88.
128. Ali Demirsoy, Kal›t›m ve Evrim (Inheritance and Evolution), Ankara: Meteksan Publishing Co., 1984, p. 39.
129. Homer Jacobson, "Information, Reproduction and the Origin of Life", American Scientist, January 1955, p. 121.
130. Reinhard Junker & Siegfried Scherer, "Entstehung und Geschichte der Lebewesen", Weyel, 1986, p. 89.
131. Michael Denton, Evolution: A Theory in Crisis, London: Burnett Books, 1985, p. 351.
132. John Horgan, "In the Beginning", Scientific American, vol. 264, February 1991, p. 119.
133. G.F. Joyce, L. E. Orgel, "Prospects for Understanding the Origin of the RNA World", In the RNA World, New York: Cold Spring Harbor Laboratory Press, 1993, p. 13.
134. Jacques Monod, Chance and Necessity, New York: 1971, p.143.
135. Leslie E. Orgel, "The Origin of Life on the Earth", Scientific American, October 1994, vol. 271, p. 78.
136. Gordon C. Mills, Dean Kenyon, "The RNA World: A Critique", Origins & Design, 17:1, 1996.
137. Brig Klyce, The RNA World, http://www. panspermia.org/rnaworld.htm
138. Chandra Wickramasinghe, Interview in London Daily Express, August 14, 1981.
139. Pierre-P Grassé, Evolution of Living Organisms, New York: Academic Press, 1977, p. 103.
140. Ibid, p. 107.
141. Norman Macbeth, Darwin Retried: An Appeal to Reason, Boston: Gambit, 1971, p. 101.
142. Malcolm Muggeridge, The End of Christendom, Grand Rapids: Eerdmans, 1980, p. 43.
143. Loren C. Eiseley, The Immense Journey, Vintage Books, 1958, p. 186.
144. Charles Darwin, The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition, Harvard University Press, 1964, p. 184.
145. Norman Macbeth, Darwin Retried: An Appeal to Reason, Harvard Common Press, New York: 1971, p. 33.
146. Ibid, p. 36.
147. Loren Eiseley, The Immense Journey, Vintage Books, 1958. p. 227.
148. H. Lisle Gibbs and Peter R. Grant, "Oscillating selection on Darwin's finches", Nature, 327, 1987, pp. 513; For more detailed information, please see Jonathan Wells, Icons of Evolution, 2000, pp. 159-175.
149. Dr. Lee Spetner, "Lee Spetner/Edward Max Dialogue: Continuing an exchange with Dr. Edward E. Max", 2001, http://www.trueorigin. org/spetner2.ap
150. Ibid.
151. Ibid.
152. Francisco J. Ayala, "The Mechanisms of Evolution", Scientific American, Vol. 239, September 1978, p. 64.